اشرف النوری
عمدۃ
شرح اردو
قدوری
تالیف
حضرت مولانا عبد الحفیظ صاحب
المیزان

اشرف النوری

شرح اردو

قدوری

حصہ دوم

تالیف

حضرت مولانا عبد الحفیظ صاحب

المیزان ناشران و تاجران کتب
الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور پاکستان

فہرست مضامین کتاب اشرف النوری شرح مختصر القدوری جلد دوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

كتاب الشفعة

شفعہ کا بیان

اَلشفعَةُ وَاجِبَةٌ لِلخَلِيطِ فِي نفسِ المَبيع ثمّ لِلخليطِ فِي حَقِّ المَبيع كَالشربِ وَالطَّرِيق ثم للجَار، وَلَيسَ لِلشرِيكِ فِي الطَّرِيقِ وَالشرْبِ وَالجَار شُفعَةٌ مَعَ الخَلِيطِ فَإنْ سَلَّم الخَلِيط فَالشفعَةُ لِلشرِيكِ فِي الطَّرِيق فَإنْ سَلَّمَ اَخَذَهَا الجَارُ وَالشفعَةُ تَجِبُ بِعَقدِ البَيع وَتَستَقِرُّ بِالاَشهَادِ وَتَملكُ بِالاَخذِ إذَا اَسلَمَهَا المشترِي اَوْ حَكَمَ بِهَا حَاكِمٌ۔

شریک کیواسطے شفعہ بیع کے اندر واجب ہے ۔ پھر شریک کیواسطے اندرون حق بیع واجب ہے مثلاً پانی وراستہ کا استحقاق اس کے بعد پڑوسی کیواسطے ہے اور شریک کیواسطے راستہ و پانی کے اندر اور پڑوسی کیواسطے شریک بیع کی موجودگی میں حق شفعہ حاصل نہیں اور اگر اس نے شفعہ ترک کردیا تو پھر راستہ میں شریک کو حق شفعہ حاصل ہوگا ۔ اگر اس نے بھی ترک کردیا تو پڑوسی کو حق شفعہ ہوگا اور ثبوت شفعہ بعد عقد بیع ہوا کرتا ہے اور گواہوں کے ذریعہ پختگی آتی ہے اور خریدار کے دینے پر لے لینے سے یا حاکم کے حکم کر دینے سے یہ مالک ہو جائیگا۔

لغات کی وضاحت:- الشفعة: زمین یا مکان میں ہمسائیگی کیوجہ سے حق خرید۔ الشفیع: حق شفعہ والا ۔ الخلیط: شریک الطریق: راستہ ۔ الجار: پڑوسی ۔ الاشهاد: گواہ۔

تشریح وتوضیح كتاب الشفعة ۔ باعتبار لغت شفعہ کے معنیٰ جفت کرنے اور ملانے کے آتے ہیں۔ لہٰذا طاق کی ضد کو شفعہ کہا جاتا ہے۔ لفظِ شفاعت کا اشتقاق اسی سے ہے کہ اس کے واسطے سے گنہگار عنداللہ کامیاب ہونیوالوں اور صالحین سے ملیں گے ۔ کیونکہ شفعہ کا دعویدار بذریعہ شفعہ لی گئی چیز کو اپنی ملکیت میں شامل کرتا ہے۔ اس لئے اس کی تعبیر شفعہ سے کی گئی۔ اصطلاحی اعتبار سے شفعہ خریدار پر جبر کرتے ہوئے اس مال کے بدلہ زمین کے ٹکڑے کا مالک بن جانا ہے جتنے مال کے بدلہ خریدنے والے نے وہ ٹکڑا خریدا ہو۔ تو لفظِ تملیک گویا جنس کے درجہ میں ہے کہ اس کے زمرے میں عین اور منافع دونوں کی تملیک آجاتی ہے ۔ اور لفظ بقعہ کی حیثیت " تملک البقعة جبرًا علی المشتری ما قام علیہ" میں فصل کی ہے کہ اس کیواسطے سے منافع کے تملک سے اجتناب ہوا اور "جبرًا" کی قید کے ذریعہ بیع نکل گئی کہ بیع تو بالرضا ہوا کرتی ہے۔ اور "مشتری" کی قید لگنے کے باعث بغیر عوض ملکیت سے اجتناب ہوگیا۔ مثال کے طور پر ترکہ اور صدقہ وغیرہ۔ علاوہ ازیں ایسی ملک سے اجتناب ہوگیا جو عین کے علاوہ کے بدلہ میں ہو۔ مثال کے طور پر اجارہ اور مہر وغیرہ کہ ان ذکر کردہ شکلوں میں شفعہ نہ ہوگا۔

فائدۂ ضروریہ: بہت سی صحیح روایات کے ذریعہ شفعہ کا حق ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً مسلم شریف میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شفعہ ہر اس طرح کی شرکت میں ہے جس کے اندر تقسیم نہ ہوئی ہو چاہے وہ شرکت زمین میں ہو یا مکان میں۔ اسی طرح ترمذی اور ابوداؤد وغیرہ میں حضرت سمرہؓ سے روایت ہے کہ مکان کے پڑوسی کو مکان و زمین میں زیادہ حق حاصل ہے۔

بخاری شریف میں حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پڑوسی قریب کی منزل کا زیادہ حقدار ہے۔ بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پڑوسی دوسرے پڑوسی کو اپنی دیوار میں لکڑی ٹھوکنے سے منع نہ کرے جبکہ اس سے دیوار کو نقصان نہ ہو۔

شفیع کی قسمیں اور شفعہ میں رعایتِ ترتیب

الشفعۃ واجبۃ الخ. اس جگہ سے واجب سے مقصود شفعہ کا ثابت ہونا ہے۔ یعنی اول شفعہ کا استحقاق اسے ہوا کرتا ہے جس کی نفس بیع کے اندر شرکت ہو لیکن وہ مطالبہ نہ کرے تو شفعہ کا استحقاق اسے حاصل ہوگا جس کی بیع کے حق میں شرکت ہو اور اگر وہ بھی مطالبہ نہ کرے تو پھر ایسے پڑوسی کو حقِ شفعہ ہوگا جس کا مکان اس شفعہ والے مکان سے متصل رہا ہو۔ مثال کے طور پر ایک گھر میں دو شخص شریک تھے پھر ایک شریک نے اسے کسی اور کو بیچ دیا تو اس صورت میں شفعہ کا حق پہلے گھر میں شریک شخص کو ہوگا اور اس کے نہ لینے کی صورت میں اس کا حق باقی نہ رہے گا اور اگر اس گھر کے حقوق کے اندر کچھ لوگوں کی شرکت ہو مثال کے طور پر اس گھر کی کسی وقت تقسیم ہوئی ہو اور ہر ایک نے اپنا اپنا حصہ الگ کرلیا ہو لیکن راستہ میں شریک ہوں اور جو شخص نفس بیع میں شریک ہو وہ اپنا حقِ شفعہ استعمال نہ کرے تو حقِ بیع میں شریک شخص کو حقِ شفعہ حاصل ہوگا اور اس کے بھی اپنا حق ترک کرنے پر حقِ شفعہ پڑوسی کو حاصل ہوگا۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ، حضرت ابن سیرینؒ، حضرت حسنؒ، حضرت طاؤسؒ، حضرت ثوریؒ، حضرت شعبیؒ، حضرت شریحؒ، حضرت حمادؒ، حضرت حکمؒ، حضرت ابن شبرمہؒ اور حضرت ابن ابی لیلےؒ یہی فرماتے ہیں۔ "شرح الوجیز شافعیہ" میں لکھا ہے کہ ہمارے بعض اصحاب کا مفتیٰ بہ قول یہی ہے اور اسی قول کو راجح قرار دیا گیا۔

شفعہ کی ترتیب کے بارے میں مصنفِ عبدالرزاق میں حضرت شعبیؒ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شفیع جار سے اولیٰ ہے اور جار پہلو والے پڑوسی سے اولیٰ ہے۔ ابوحاتمؒ نے اس روایت کے بارے میں کہا ہے کہ یہ مرسل روایت صحیح ہے اور اکثر و بیشتر اہل علم نے اسے حجت قرار دیا ہے۔ علاوہ ازیں مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت شریح سے روایت ہے کہ شریک شفیع کے مقابلہ میں شفعہ کا زیادہ مستحق ہے اور شفیع سے جار زیادہ اور جار اس کے علاوہ کے مقابلہ میں شفعہ کا زیادہ حقدار ہے۔ قیاس کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ شفعہ کی ترتیب اسی طرح ہو۔ علاوہ ازیں حکمتِ شفعہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ کسی اجنبی شخص کا پڑوس باعثِ اذیت نہ بنے۔

کالشرب الخ. اندرونِ حقِ بیع شریک کے واسطے حقِ شفعہ اس وقت حاصل ہوگا جبکہ مخصوص شرب یا مخصوص راستہ ہو

مخصوص شرب سے مراد ایسا پانی ہے کہ جس کے اندر کشتیاں وغیرہ نہ چلا کرتی ہوں بلکہ اس سے محض خاص خاص زمینوں میں پانی دیا جاتا ہو لہٰذا ایسے سارے لوگ اس شرب میں شریک قرار دیئے جائیں گے جنکی زمینوں کو اس نہر کے پانی سے سیراب کیا جاتا ہو۔ اور ایسی نہر جس کے اندر کشتیاں وغیرہ چلا کرتی ہوں اسے شرب عام قرار دیا جائیگا۔ اور وہ لوگ جنکی زمینوں کو ایسی نہر کے پانی سے سیراب کیا جاتا ہو انکی شرکت کو شرکتِ عامہ کے زمرے میں رکھا جائے اور ان لوگوں میں سے کسی کو دعویداریِ شفعہ کا حق نہ ہوگا۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام محمدؒ نے یہی تعریف فرمائی ہے۔ حضرت امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ شرب خاص ایسی نہر کہلاتی ہے کہ جس کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ دو تین باغوں کی سینچائی کی جاتی ہو اور چار یا اس سے زیادہ کی سینچائی کی صورت میں اس پر شرب عام کا اطلاق ہوگا۔

ثم للجار الخ۔ تیسرے نمبر کا شفیع وہ ہے جس کا گھر اس سے بالکل متصل ہو۔ امام اوزاعیؒ، ائمہ ثلاثہؒ اور حضرت ابوثورؒ فرماتے ہیں کہ پڑوس کے باعث حقِ شفعہ حاصل نہ ہوگا۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حقِ شفعہ ہر ایسی مین میں عطا فرمایا جس کی تقسیم نہ ہو۔ پھر حدبندی ہو جانے اور راستہ بدل دیئے جانیکی صورت میں حقِ شفعہ نہ رہے گا۔

علاوہ ازیں شفعہ کے حق کا جہاں تک تعلق ہے وہ قیاس کے خلاف ہے اس لئے کہ اس کے اندر دوسرے کے مال کا اس کی رضا کے بغیر مالک بننا ہوتا ہے اور جو شئ قیاس کے خلاف ہو وہ اپنے مورد تک برقرار رہا کرتی ہے اور شرعی اعتبار سے مورد ایسی جائداد ہے جس کا ابھی بٹوارہ نہ ہوا ہو پس اسکو جوار پر قیاس کرنا درست نہ ہوگا۔

احناف کا مستدل ایسی بہت سی روایات ہیں جن کے اندر جوار کے شفعہ کیجانب اشارہ کے بجائے تصریح پائی جاتی ہے۔ رہ گیا حضرت امام شافعیؒ وغیرہ کے استدلال کا معاملہ تو پہلی بات یہ کہ اس میں مطلقاً جوار کے شفعہ کا انکار نہیں پایا جاتا بلکہ اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ تقسیم ہو جانے پر اس کیواسطے شفعۂ شرکت باقی نہیں رہتا۔ دوسری بات یہ کہ اس میں شفعہ کا انکار صرفِ طرق اور تحدیدِ حد کے پائے جانے کی صورت میں ہے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ صرف طرق اور راستے بدلنے سے قبل حقِ شفعہ حاصل ہے۔ اور یہ مطلب حضرت جابرؓ کی روایت "الجار احق بشفعتہ ینتظر بہ اذا کان طریقہما واحدا" کے بالکل مطابق ہے۔ اور جس حدیث کے اندر "انما الشفعۃ" کے الفاظ ہیں اس سے اس کے علاوہ کا انکار نہیں بلکہ یہ بتانا ہے کہ اعلیٰ شفعہ کا انحصار اس میں ہے کہ شفیع شرکت فی العین رکھتا ہو۔ اس کے بعد بالترتیب شریکِ منافع اور پھر پڑوسی کو حقِ شفعہ ہوگا۔ اس طریقہ سے ساری روایات اپنی اپنی تصریح پر باہم اختلاف کے بغیر باقی رہتی ہیں۔ علاوہ ازیں ایسی جائداد جو ابھی تقسیم نہ ہوئی ہو اسے بحقِ شفعہ شفیع کو شامل کرنیکا حکم اس بنا پر ہے کہ ہمیشہ حد کا متصل رہنا باعثِ نقصان نہ ہو اور یہ تقاضائے قیاس کے موافق ہے اور اندیشۂ ضررِ پڑوس کی شکل میں بھی پایا جاتا ہے تو اب اس نقصان کو دور کرنیکی دو ہی شکلیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ جس طریقہ سے خریدار وہ گھر خرید چکا ہے اسی طریقہ سے پڑوسی کے گھر کو بھی خرید لے۔ دوسرے یہ کہ خرید کردہ حصہ کو لینے کا پڑوسی کو اختیار ہو۔ مگر کیونکہ پڑوسی کی حیثیت اصل کی ہے اور خریدنے والے کی حیثیت دخیل کی اور شرعاً ترجیح کے قابل اصیل ہوتا ہے پس اصیل ہی اس کا حقدار ٹھہرایا جائیگا اور اگر خریدار کو پڑوسی کا گھر خریدنے کا اختیار حاصل ہو تو پڑوسی کے واسطے یہ اور نقصان کا سبب ہوگا کہ اسے اسطرح باپ دادا کی

قیام گاہ اور انکی جائداد سے محروم کردیا جائے اور اس کا ظلم ہونا ظاہر ہے۔

تجب بعقد البیع الخ۔ معنے اس کے یہ ہیں کہ بعد تکمیل عقد بیع شفعہ ثابت ہوا کرتا ہے یعنی اتصال ملک کے باعث یہ حق حاصل ہوتا ہے۔ اب رہ گئی یہ بات کہ عقد بیع سے قبل شفعہ کا سبب موجود رہتے ہوئے بھی شفعہ کا حق کس بناء پر نہیں ہوتا ، تو اسکا جواب یہ دیا گیا کہ دراصل حق شفعہ ثابت ہونا اتصال ملک ہی کے باعث ہوتا ہے مگر عقد بیع کا جہاں تک معاملہ ہے وہ اس حق کی وصول یابی کا سبب ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے حکم سے واجب ہوئی مگر اس واجب کی ادائیگی کا سبب پورا سال گذر جانا ہے۔

وتستقر الخ۔ بعد تکمیل عقد بیع ہی شفعہ ثابت ہو جایا کرتا ہے لیکن اس کے اندر جہاں تک استقرار و استحکام کی بات ہے وہ اسوقت ہوتی ہے کہ بیع کی اطلاع کے ساتھ ہی اس مجلس کے اندر شفیع نے یہ کہتے ہوئے مطالبۂ شفعہ پر شاہد بنالئے ہوں کہ میں اس گھر میں شفعہ کا طلبگار ہوں۔ اس مجلس کے اندر طلب نہ کرنے پر شفعہ کے باطل ہونیکا حکم ہوگا اس لئے کہ بیع کی اطلاع سے اس پر فروخت کرنیوالے کی بے رغبتی کا اظہار ہوگا۔ علاوہ ازیں اسواسطے بھی کہ اسے قاضی کے یہاں مطالبۂ شفعہ کے ثبوت کی احتیاج ہوگی اور اس کے ثبوت کے طور پر گواہی کی احتیاج ہوگی۔

وَاِذَا عَلِمَ الشَّفِیْعُ بِالْبَیْعِ اَشْهَدَ فِیْ مَجْلِسِهٖ ذٰلِكَ عَلَی الْمُطَالَبَةِ ثُمَّ يَنْهَضُ مِنْهُ فَيُشْهِدُ عَلَی الْبَائِعِ

اور شفیع کو علم بیع ہونے پر اس مجلس کے اندر مطالبہ کے گواہ بنا لینے چاہئیں۔ اس کے بعد وہاں سے اٹھے اور فروخت کنندہ پر شاہد بنائے

اِنْ كَانَ الْمَبِیْعُ فِیْ يَدِهٖ اَوْ عَلَی الْمُبْتَاعِ اَوْ عِنْدَ الْعَقَارِ فَاِذَا فَعَلَ ذٰلِكَ اِسْتَقَرَّتْ شُفْعَتُهٗ

بشرطیکہ وہ مبیع پر قابض ہو یا خریدنے والے یا جائداد پر گواہ بنائے اور اس سے فراغت پر اس کے شفعہ کا حق پکا ہو جائے گا۔

وَلَمْ تَسْقُطْ بِالتَّاْخِیْرِ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللهُ وَقَالَ مُحَمَّدٌ اِنْ تَرَكَهَا مِنْ غَیْرِ عُذْرٍ شَهْرًا

اور امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ تاخیر کے باعث وہ ساقط قرار نہیں دیا جائیگا۔ اور امام محمدؒ کہتے ہیں کہ اگر شاہد بنانے کے بعد وہ عذر کے بغیر

بَعْدَ الْاِشْهَادِ بَطَلَتْ شُفْعَتُهٗ۔

وہ ایک مہینہ تک شفعہ چھوڑے رکھے تو اسکے شفعہ کو باطل قرار دیں گے۔

لغات کی وضاحت: اشهد: شاہد بنانا۔ مبتاع: خریدنے والا۔ استقرت: پختہ ہونا۔

تشریح و توضیح: واذا علم الشفیع الخ۔ شفعہ کے ثبوت کا انحصار طلب پر ہونے کے باعث اس جگہ کیفیت شفعہ اور اس کی تقسیم کے سلسلہ میں صاحب کتاب نے ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ شفعہ کے اندر شفیع کیواسطے تین طرح کا مطالبہ ناگزیر ہے۔ پہلے تو یہ کہ وہ علم بیع کے ساتھ ہی اپنے شفعہ کا طلبگار ہو جسے طلب مواثبہ کہا جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ مواثبہ سے فارغ ہو کر فروخت کرنیوالے پر شاہد بنائے بشرطیکہ زمین پر وہ قابض ہو یا خریدار پر شاہد بنائے یا زمین پر شاہد بنائے۔ اس طلب کا نام طلب استحقاق یا طلب تقریر یا طلب اشہاد رکھا گیا۔ شفیع اس طرح کہے کہ گھر فلاں کا خرید کردہ ہے اور میری حیثیت اس گھر کے شفیع کی ہے اور میں نے مجلس علم

ہی میں مطالبۂ شفعہ کر دیا تھا اور اب اسکا طلبگار ہوں۔ لہٰذا تم لوگ اس بات کے شاہد رہنا۔ تیسرے یہ کہ ان دونوں مطالبوں کے بعد قاضی کے یہاں بھی طلبگار ہو۔ اس کا نام خصومت یا طلب تملیک ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ شفیع قاضی سے اس طرح کہے کہ فلاں شخص فلاں گھر خرید چکا ہے۔ اور فلاں سبب کی بناء پر میری حیثیت اس کے شفیع کی ہے۔ پس آپ وہ مجھ کو دلوانے کا حکم فرمادیں۔

ولم تسقط الخ۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس تیسرے مطالبہ میں اگر دیر بھی ہو جائے تو اس کی وجہ سے شفعہ باطل نہ ہوگا۔ حضرت امام ابو یوسفؒ کی بھی ایک روایت اسی طرح کی ہے۔ اور انکی دوسری روایت کی رو سے اگر شفیع نے کسی عذر کے بغیر قاضی کی کسی مجلس میں مطالبۂ تملیک نہیں کیا تو اس کے حقِ شفعہ کو باطل قرار دیا جائیگا۔ حضرت امام زفرؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک اگر کسی عذر کے بغیر مطالبہ میں ایک مہینہ کی تاخیر کردی تو شفعہ باطل قرار دیا جائیگا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ دیر کے باعث خریدار کو نقصان ہوگا کہ وہ شفیع کے شفعہ کے اندیشہ کے باعث کسی طرح کے تصرف سے احتراز کریگا۔ لہٰذا مطالبۂ شفعہ میں ایک مہینہ کی تحدید کی جائیگی۔ اس لئے کہ ایک مہینہ سے کم کا شمار کم مدت میں اور ایک سے زیادہ کا شمار زیادہ مدت میں ہوا کرتا ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ شفیع کے گواہ قائم اور مطالبۂ مواثبہ کے بعد اس کے حق کا کامل طور پر ثبوت ہوگیا اور ثبوتِ حق ہو جانے کے بعد اسوقت تک حق ساقط نہیں ہوا کرتا جب تک کہ خود حقدار ہی ساقط نہ کردے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے ظاہر مذہب کے مطابق یہی حکم ہے مگر لوگوں کے حالات میں تغیر کے باعث اس وقت مفتی بہ امام محمدؒ کا قول ہے۔ صاحبِ کافی اور صاحبِ ہدایہ اگرچہ امام ابوحنیفہؒ کے قول کے بارے میں "وبہ یفتیٰ" فرماتے ہیں مگر صاحبِ شرنبلالیہ برہان سے نقل کرتے ہیں کہ جامع صغیر، مغنی اور ذخیرہ میں یہ تصحیح قاضی خاں کہ ایک مہینہ بعد شفیع کا حقِ شفعہ ساقط ہو جائے گا صاحبِ کافی اور صاحبِ ہدایہ کی تصحیح کے مقابلہ میں زیادہ صحیح ہے۔

وَالشفعَةُ وَاجبَةٌ فِي العقَارِ وَاِنْ كَانَ مِمَّا لايقسَّم كَالحَمَّامِ وَالرَّحَى وَالبِئْرِ وَالدورِ الصّغارِ

اور اندرونِ جائداد شفعہ ثابت ہو جاتا ہے خواہ وہ ناقابلِ تقسیم ہی کیوں نہ ہو مثلاً غسل خانہ، پن چکی اور کنواں اور چھوٹے گھر۔

وَلَاشفعَةَ فِي البنَاءِ وَالنخلِ اِذَا بِيعَ بدونِ العَرصَةِ وَلَاشفعَةَ فِي العروضِ وَالسُّفُنِ وَالمسلم

اور عمارت و باغ صحن کے بغیر فروخت ہونے پر حقِ شفعہ نہ ہوگا۔ اور سامان اور کشتیوں میں حقِ شفعہ نہ ہوگا۔ اور مسلمان

وَالذِّمّيُ فِي الشفعَةِ سَوَاءٌ وَاِذَا ملكَ العقَارَ بعوَضٍ هُوَ مَالٌ وَجَبَتْ فيهِ الشفعَةُ وَلاشفعَةَ

وذمی کا حکم حقِ شفعہ میں یکساں ہے اور جب زمین پر ملکیت اس طرح کی شئ کے بدلہ حاصل ہو جو مال ہو تو اس کے اندر حقِ شفعہ ثابت ہوگا

فِي الدَّارِ التِي يتزوّجُ الرجلُ عَلَيهَا اَوْ يُخالِعُ المَرأةُ بهَا اَوْ يَستَاجِرُ بهَا دَارًا اَوْ يُصَالِحُ

اور اس گھر میں حقِ شفعہ حاصل نہ ہوگا جس کے بدلہ کسی شخص نے نکاح کیا ہو یا اس کے بدلہ کسی عورت سے خلع کیا ہو یا اسکے عوض کوئی گھر کرایہ

مِنْ دَمِ عَمَدٍ اَوْ يعتِقُ عَلَيهَا عَبْدًا اَوْ يُصَالِحُ عَنهَا بِاِنكَارٍ اَوْ سُكوتٍ فَاِنْ صَالَحَ

پر لیا ہو یا دمِ عمد سے متعلق صلح میں دیا ہو یا اس کے بدلہ غلام آزاد کیا ہو یا اس پر انکار یا خاموشی کے بعد صلح کرلی گئی ہو لہٰذا اسپر مصالحت

عَنْهَا بِاِقْرَارٍ وَجَبَتْ فِيْهِ الشُّفْعَةُ ۔
مع الاقرار ہونے پر شفعہ ثابت ہوگا ۔

لغات کی وضاحت: الحمّام: غسل کرنیکی جگہ۔ جمع حمامات۔ الرّحیٰ: چکی۔ جمع ارحاء۔ دور: دار کی جمع، گھر، مکان، رہنے کی جگہ۔ العرصۃ: گھر کا صحن۔ ہر وہ جگہ جس میں کوئی عمارت نہ ہو۔ جمع عراصی واعراص وعرصات۔ الذمی: جزیہ دیکر دار الاسلام میں رہنے والا کافر۔

حق شفعہ ثابت ہونیوالی اور نہ ثابت ہونیوالی چیزوں کا بیان

تشریح و توضیح وَالشفعۃُ واجبۃٌ فی العقار الخ۔ عند الاحناف بالارادہ شفعہ محض ایسی زمین میں ثابت ہوتا ہے جس پر مال کے بدلہ ملکیت حاصل ہوئی ہو۔ اس سے قطع نظر کہ وہ اس قابل بھی ہو کہ تقسیم کی جاسکے یا وہ ناقابل تقسیم ہو۔ مثال کے طور پر غسلخانہ، کنواں اور ایسے چھوٹے مکان کہ اگر انھیں تقسیم کردیا جائے تو وہ سرے سے نفع اٹھانے کے قابل ہی نہ رہیں۔

حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک ایسی چیزوں میں حق شفعہ ثابت نہ ہوگا جنھیں تقسیم نہ کیا جاسکے۔ اسلئے کہ وہ شفعہ کا سبب مشقتِ تقسیم وغیرہ سے احتراز قرار دیتے ہیں تو ناقابل تقسیم اشیاء میں اس سبب کے عدم کے باعث شفعہ کا حق ثابت نہ ہوگا۔

حضرت امام مالکؒ بھی ایک روایت کیمطابق یہی فرماتے ہیں اور حضرت امام مالکؒ کی دوسری روایت حضرت امام ابوحنیفہؒ کی روایت کے مطابق ہے۔ عند الاحناف شفعہ کے بارے میں نصوص علی الاطلاق ہیں مثال کے طور پر طحاوی میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "الشریک شفیع والشفعۃ فی کل شئ" (شریک شفیع ہوتا ہے اور ہر چیز میں حق شفعہ حاصل ہے)۔

عقار کے ساتھ قصد کی قید لگانیکا سبب یہ ہے کہ غیر ارادی شفعہ کا جہاں تک تعلق ہے وہ عقار کے علاوہ میں بھی ہوجایا کرتا ہے۔ مثال کے طور پر مکان کے ساتھ درخت کے اندر حقِ شفعہ حاصل ہوتا ہے نیز عوض کی قید لگانے کے باعث کسی عوض کے بغیر ہونے والا ہبہ اس سے نکل گیا۔

ولا شفعۃ فی البناء والنخل الخ۔ اگر کہیں باغ اور عمارت کو زمین کے بغیر بیچا گیا ہو تو اس کے اندر شفعہ کا حق ثابت نہ ہوگا اس لئے کہ محض عمارت اور درخت کا جہاں تک معاملہ ہے ان کے لئے دوام و قرار نہ ہونیکی بنا پر انکا شمار بھی منقولات میں ہوگا۔ علاوہ ازیں کشتیاں اور اسباب کے اندر بھی شفعہ کا حق حاصل نہ ہوگا اس لئے کہ مسند بزار میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "شفعہ نہیں ہے مگر دار یا باغ میں"۔ یہ روایت حضرت امام مالکؒ کے خلاف حجت ہے کہ ان کے نزدیک کشتیوں میں حقِ شفعہ حاصل ہے۔

اگر کوئی اشکال کرے کہ حدیث "لاشفعۃ الا فی ربع او حائط" کے حصر سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عقار کے اندر بھی حق شفعہ حاصل نہیں۔ تو اس کا جواب یہ دیا گیا کہ اس جگہ حصر اضافی مقصود ہے، حقیقی مقصود نہیں۔ لہٰذا یہ حصر باعتبار ربع اور حائط ہوگا۔ ان کے علاوہ سب کے اعتبار سے نہ ہوگا۔

والمسلم والذمی الخ۔ شرعاً حق شفعہ کی جو مصلحت و حکمت رکھی گئی ہے اور اس کا سبب جو برے پڑوسی کے ضرر سے تحفظ ہے اس کے اندر خواہ وہ مسلم ہو یا ذمی دونوں ہی یکساں ہیں اور شفعہ کے حق کا جہاں تک تعلق ہے اس میں دونوں مساوی قرار دیئے جائیں گے۔ ہدایہ میں اسی طرح ہے۔ حضرت ابن ابی لیلیٰؒ فرماتے ہیں کہ ذمی کو حق شفعہ حاصل نہ ہوگا اس لئے کہ شفیع کو شفع کردہ چیز بواسطۂ شفعہ حاصل کرلینے کا استحقاق دراصل ایک شرعی سہولت ہے اور جو شخص شریعت کو سرے سے تسلیم نہیں کرتا اسے یہ سہولت کس طرح مل سکتی ہے۔ عندالاحناف قاضی شریحؒ کے فیصلہ کو مستدل قرار دیا گیا جس کی تائید امیرالمومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمائی ہے۔ نہایہ میں اسی طرح ہے۔

ولاشفعۃ فی الدار الخ۔ جس گھر کے بدلہ کوئی شخص کسی عورت کو نکاح میں لائے یا اسے عورت عوض خلع ٹھہرائے یا اسکے عوض دوسرے گھر کو اجارہ پرلے یا قتل عمد کے سلسلہ میں مصالحت اس پر مبنی ہو یا اس کے عوض کسی غلام کو حلقۂ غلامی سے آزاد کرے۔ مثال کے طور پر مالک غلام سے کہے کہ میں نے تجھ کو فلاں شخص کے گھر کے عوض حلقۂ غلامی سے آزاد کیا اور وہ شخص وہ گھر غلام ہی کو ہبہ کردے اور غلام وہ گھر آقا کو دیدے تو اس طرح کے گھر میں حق شفعہ حاصل نہ ہوگا اس لئے کہ شفعہ کا جہانتک تعلق ہے وہ مال کا تبادلہ مال سے ہونیکی صورت میں ہوا کرتا ہے اور اوپر ذکر کردہ چیزوں (مہر اور عوض خلع وغیرہ) کا شمار مال میں نہیں ہوتا۔ پس ان میں حق شفعہ ثابت کرنا مشروع کے خلاف ہوگا۔ ائمہ ثلاثہ ان عوضوں کو قیمت والا مال شمار کرتے ہیں پس ان کے نزدیک ان کی قیمت کے بدلہ شفعہ کردہ گھر لینا درست ہے۔

ائمہ ثلاثہ کے قول کا یہ جواب دیا گیا کہ خون اور آزادئ غلام کا جہاں تک معاملہ ہے یہ بھی متقوم قرار نہیں دیجا ئیں اس لئے کہ قیمت تو وہ کہلاتی ہے جو ایک مخصوص معنئ مقصود کے اندر دوسری شے کی قائم مقام بن جائے اور یہ بات یہاں ثابت نہیں پس انھیں متقوم قرار دینا درست نہ ہوگا۔

بانکار او سکوت الخ کوئی شخص کسی گھر کے بارے میں مدعی ہو کہ وہ اس کا مالک ہے اور مدعیٰ علیہ صاف طور پر منکر ہو یا بجائے انکار کے خاموشی اختیار کرے۔ اس کے بعد وہ گھر کے سلسلہ میں کچھ مال دے کر مصالحت کرلے تو اس صورت میں اس گھر میں حق شفعہ حاصل نہ رہے گا۔ اس لئے کہ اس جگہ مدعیٰ علیہ کے خیال کے مطابق اس کی ملکیت ختم ہی نہیں ہوئی کہ مال کا تبادلہ مال کے ساتھ ہوتا البتہ بالاقرار مصالحت کی صورت میں حق شفعہ حاصل ہوگا۔ اس لئے کہ بعد الاقرار مصالحت یہ مال کا مال کے ساتھ دراصل تبادلہ ہے۔

وَاِذَا تَقَدَّمَ الشَّفِيْعُ اِلَى الْقَاضِىْ فَادَّعَى الشِّرَاءَ وَطَلَبَ الشُّفْعَةَ سَأَلَ الْقَاضِىْ الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ

اور جب شفیع قاضی کے پاس جاکر خریداری کا مدعی اور شفعہ کا طلبگار ہو تو قاضی دعویٰ کئے گئے شخص سے اس کے متعلق پوچھے

عَنْهَا فَاِنِ اعْتَرَفَ بِمِلْكِهِ الَّذِيْ يَشْفَعُ بِهِ وَ اِلَّا كَلَّفَهُ بِاِقَامَةِ الْبَيِّنَةِ فَاِنْ عَجَزَ عَنِ الْبَيِّنَةِ

پس اگر وہ اس کا اعتراف کرے اس گھر کی ملکیت کا جس کے بارے میں وہ طلبگار شفعہ ہو تو ٹھیک ہے، ورنہ دعویٰ کرنیوالے سے اس کا ثبوت طلب کرے اگر وہ بینہ

اِسْتَحْلَفَ الْمُشْتَرِيْ بِاللّٰهِ مَا يَعْلَمُ اَنَّهُ مَالِكٌ لِلَّذِيْ ذَكَرَهُ مِمَّا يَشْفَعُ بِهِ فَاِنْ نَكَلَ عَنِ الْيَمِيْنِ اَوْ قَامَتْ لِلشَّفِيْعِ

پیش نہ کر سکے تو وہ خریدار سے حلف لے کہ واللہ مجھے اس کا علم نہیں کہ میں اس گھر کا مالک ہوں جس کے بارے میں شفیع مدعی ہے پھر اگر وہ حلف سے انکار کرتا

بَيِّنَةٌ سَأَلَهُ الْقَاضِيْ هَلِ ابْتَاعَ اَمْ لَا فَاِنْ اَنْكَرَ الْاِبْتِيَاعَ قِيْلَ لِلشَّفِيْعِ اَقِمِ الْبَيِّنَةَ فَاِنْ عَجَزَ

ہو یا شفیع کو بینہ میسر ہو جائیں تو قاضی دعویٰ کئے گئے شخص سے پوچھے کہ تو خرید چکا ہے یا نہیں اگر وہ خریدنے کا منکر ہو تو شفیع سے کہا جائیگا کہ وہ ثبوت پیش

عَنْهَا اِسْتَحْلَفَ الْمُشْتَرِيْ بِاللّٰهِ مَا ابْتَاعَ اَوْ بِاللّٰهِ مَا يَسْتَحِقُّ عَلَيَّ فِيْ هٰذِهِ الدَّارِ شُفْعَةً مِنَ الْوَجْهِ

کرے وہ ثبوت نہ پیش کر سکے تو خریدار سے حلف لیا جائے کہ واللہ میں نے اسے نہیں خریدا یا واللہ جس طریقہ سے اس نے بیان کیا ہے اس کی بنیاد پر اسے

الَّذِيْ ذَكَرَهُ وَتَجُوْزُ الْمُنَازَعَةُ فِي الشُّفْعَةِ وَاِنْ لَمْ يُحْضِرِ الشَّفِيْعُ الثَّمَنَ اِلٰى مَجْلِسِ الْقَاضِيْ

اس گھر کا حق شفعہ نہیں۔ اور یہ درست ہے کہ شفعہ کا جھگڑا اٹھایا جائے خواہ شفعہ کا مدعی قاضی کے یہاں ثمن نہ لائے اور قاضی کے لئے اسکے

وَاِذَا قَضَى الْقَاضِيْ لَهُ بِالشُّفْعَةِ لَزِمَهُ اِحْضَارُ الثَّمَنِ وَلِلشَّفِيْعِ اَنْ يَرُدَّ الدَّارَ بِخِيَارِ

واسطے فیصلۂ شفعہ کرنے پر ثمن کا حاضر کرنا ضروری ہوگا۔ اور شفیع کو یہ حق ہے کہ خیارِ عیب اور خیارِ رویت کے باعث گھر

الْعَيْبِ وَالرُّؤْيَةِ وَاِنْ اَحْضَرَ الشَّفِيْعُ الْبَائِعَ وَالْمَبِيْعُ فِيْ يَدِهِ فَلَهُ اَنْ يُخَاصِمَهُ فِي الشُّفْعَةِ

لوٹا دے۔ اور اگر شفیع فروخت کرنیوالے کو لے آئے درانحالیکہ مبیع اس کے پاس ہو تو شفعہ کے بارے میں شفیع کو اس سے جھگڑنے کا حق

وَلَا يَسْمَعُ الْقَاضِي الْبَيِّنَةَ حَتّٰى يُحْضِرَ الْمُشْتَرِيْ فَيَفْسَخُ الْبَيْعَ بِمَشْهَدٍ مِنْهُ وَيَقْضِيْ بِالشُّفْعَةِ

ہوگا اور قاضی بینہ و ثبوت خریدار کے حاضر ہونے تک نہ سنے گا۔ پھر بیع اس کے سامنے فسخ کریگا اور فروخت کنندہ پر شفعہ کا فیصلہ کریگا

عَلَى الْبَائِعِ وَيَجْعَلُ الْعُهْدَةَ عَلَيْهِ۔

اور اس کا خرچ فروخت کرنے والے پر ڈالے گا۔

شفعہ کے دعوے اور جھگڑنے کے حق کا ذکر

لغات کی وضاحت: شفیع: شفعہ کرنیوالا۔ الشراء: خریداری۔ البینة: ثبوت۔ عجز: عاجز ہونا، مجبور ہونا۔ استحلف: قسم لینا۔ نکل: انکار۔ الیمین: قسم۔ ابتاع: خریدنا۔ المنازعة: جھگڑا۔ خیار عیب: بیع میں عیب و نقص کے باعث اسے لوٹانے کا حق۔ العهدة: خرچ، ضمان۔

تشریح و توضیح وتجوز المنازعة الخ ظاہر الروایت کے مطابق یہ لازم نہیں کہ شفعہ کے دعوے کیساتھ ہی ساتھ ثمن پیش کیا جائے۔ البتہ ثمن اس وقت پیش کرنا لازم ہوگا جبکہ قاضی فیصلہ کردے حضرت امام محمدؒ کی روایت کے مطابق تاوقتیکہ شفیع ثمن پیش نہ کردے قاضی حکم شفعہ سے احتراز کرے گا اور اسے شفعہ کا حق نہ دے گا۔ اسی طرح کی روایت حضرت حسن بن زیادؒ نے امام محمد سے نقل کی ہے اس لئے کہ شفیع کے مفلس ہونیکا

امکان ہے۔ لہٰذا اس شکل میں تاوقتیکہ شفیع ثمن نہ پیش کردے شفعہ کے سلسلہ میں قاضی اپنے فیصلہ کو موقوف رکھے گا۔
اور رہی ظاہر الروایت تو اس کا سبب یہ ہے کہ قاضی کے فیصلہ سے قبل شفیع پر کسی چیز کا لزوم نہیں ہوتا تو جیسے ثمن کا ادا کرنا لازم نہیں ٹھیک اسی طریقہ سے یہ بھی لازم نہیں کہ وہ ثمن قاضی کی عدالت میں لائے۔
حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اسے تین روز تک ثمن پیش کرنیکی مہلت دیں گے اور حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اسے دو روز کے اندر اندر ثمن پیش کرنے کی مہلت دیں گے اور وہ دو دن میں پیش نہ کرسکا تو حق ختم ہوجائے گا۔

وَاِذَا تَرَكَ الشَّفِيعُ الْاِشْهَادَ حِيْنَ عَلِمَ بِالْبَيْعِ وَهُوَ يَقْدِرُ عَلٰى ذٰلِكَ بَطَلَتْ شُفْعَتُهٗ وَكَذٰلِكَ
اور اگر شفیع گواہ نہ بنائے حالانکہ اسے مکان کے فروخت ہونیکا علم ہوا اور اسے گواہ بنانے پر قدرت بھی ہو تو اسکا حق شفعہ باطل قرار دیا جائے گا
اِنْ اَشْهَدَ فِى الْمَجْلِسِ وَلَمْ يُشْهِدْ عَلٰى اَحَدِ الْمُتَعَاقِدَيْنِ وَلَا عِنْدَ الْعَقَارِ وَاِنْ صَالَحَ
ایسے ہی اگر وہ مجلس میں شاہد بنائے اور اس نے فروخت کنندہ یا خریدار کے پاس شاہد نہ بنائے ہوں اور نہ جائداد کے پاس ہی گواہ بنائے
مِنْ شُفْعَتِهٖ عَلٰى عِوَضٍ اَخَذَهٗ بَطَلَتِ الشُّفْعَةُ وَيَرُدُّ الْعِوَضَ وَاِذَا مَاتَ الشَّفِيعُ بَطَلَتْ
ہوں تو بھی حکم ہوگا اور اگر وہ حق شفعہ سے کسی بدل پر مصالحت کرے تو شفعہ باطل شمار ہوگا اور وہ عوض واپس کریگا اور شفیع کے انتقال پر شفعہ
شُفْعَتُهٗ وَاِذَا مَاتَ الْمُشْتَرِىْ لَمْ تَسْقُطِ الشُّفْعَةُ وَاِنْ بَاعَ الشَّفِيعُ مَا يَشْفَعُ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يُقْضٰى
باطل شمار ہوگا اور خریدار کے مرنے پر حق شفعہ ساقط نہ ہوگا۔ اور اگر حکم شفعہ سے قبل شفیع وہ گھر بیچدے جس کے باعث وہ شفعہ کا دعویٰ
لَهٗ بِالشُّفْعَةِ بَطَلَتْ شُفْعَتُهٗ وَوَكِيْلُ الْبَائِعِ اِذَا بَاعَ وَهُوَ الشَّفِيعُ فَلَا شُفْعَةَ لَهٗ وَكَذٰلِكَ
کررہا ہو تو اس کے شفعہ کو باطل قرار دیں گے اور اگر فروخت کرنے والے کا وکیل گھر بیچدے درانحالیکہ شفیع بھی وہی ہو تو اس کے واسطے حق
اِنْ ضَمِنَ الشَّفِيعُ الدَّرَكَ عَنِ الْبَائِعِ وَوَكِيْلُ الْمُشْتَرِىْ اِذَا ابْتَاعَ وَهُوَ الشَّفِيعُ فَلَهُ الشُّفْعَةُ
شفعہ نہ ہوگا اور اسی طریقہ سے اگر فروخت کرنوالے کی جانب سے شفیع عوارض کی ضمانت لے لے تو اسے حق شفعہ نہ ہوگا اور خریدار کا وکیل اگر کوئی
وَمَنْ بَاعَ بِشَرْطِ الْخِيَارِ فَلَا شُفْعَةَ لِلشَّفِيْعِ فَاِنْ اَسْقَطَ الْبَائِعُ الْخِيَارَ وَجَبَتِ الشُّفْعَةُ وَاِنِ
مکان خریدے درانحالیکہ شفیع بھی وہی ہو تو اسے حق شفعہ حاصل ہوگا اور جو شخص خیار کی شرط کے ساتھ فروخت کرے تو اس میں شفیع کے
اشْتَرٰى بِشَرْطِ الْخِيَارِ وَجَبَتِ الشُّفْعَةُ وَمَنِ ابْتَاعَ دَارًا شِرَاءً فَاسِدًا فَلَا شُفْعَةَ فِيْهَا
واسطے حق شفعہ نہ ہوگا اور بائع کے حق خیار کو ساقط کردینے پر حق شفعہ لازم ہوگا اور اگر خیار کی شرط کے ساتھ خریدے تو حق شفعہ حاصل
وَلِكُلٍّ وَاحِدٍ مِنَ الْمُتَعَاقِدَيْنِ الْفَسْخُ فَاِنْ سَقَطَ الْفَسْخُ وَجَبَتِ الشُّفْعَةُ وَاِذَا اشْتَرٰى
ہوگا اور بیع شراء فاسد مکان خریدنے والے کو تو اس میں حق شفعہ نہ ہوگا اور دونوں عقد کرنیوالوں میں سے ہر ایک کیواسطے فسخ کردینے کی گنجائش
الذِّمِّىُّ دَارًا بِخَمْرٍ اَوْ خِنْزِيْرٍ وَشَفِيْعُهَا ذِمِّىٌّ اَخَذَهَا بِمِثْلِ الْخَمْرِ وَقِيْمَةِ الْخِنْزِيْرِ وَاِنْ كَانَ
ہوگی اور فسخ ساقط ہوجانے پر حق شفعہ حاصل ہوگا اور اگر کوئی بعوض شراب یا خنزیر مکان خریدے جبکہ شفیع بھی ذمی ہو تو وہ اسی قدر شراب

شفیعھا مسلما اخذھا بقیمۃ الخمر و الخنزیر و لا شفعۃ فی الھبۃ الا ان تکون بعوض مشروط

اور خنزیر کی قیمت دیکر لیلے اور شفیع کے مسلمان ہونے پر وہ شراب اور خنزیر کی قیمت دیکر لیلے اور ہبہ کے اندر حقِ شفعہ نہیں ہوتا الا یہ کہ اس میں عوض کی شرط لگائی گئی ہو

شفعہ کی باطل ہونیوالی صورتوں اور نہ باطل ہونیوالی صورتوں کا بیان

تشریح و توضیح

وَاِذَا تَرَکَ الخ. اگر شفیع گواہ بنانے اور حقِ شفعہ ثابت کرنے کو ترک کردے تو اعراض وبہلوتہی ثابت ہونیکی بنار پر اس کا حقِ شفعہ باقی نہ رہیگا۔ اور اگر شفیع خریدار سے بطور بدل کچھ لیکر شفعہ کے سلسلہ میں مصالحت کرلے تو اس کیوجہ سے بھی اس کا حقِ شفعہ ساقط ہو جائیگا اور بطور بدل جو کچھ لیا ہوا سے لوٹایا جائیگا اس لئے کہ شفعہ بلا ملکیت حقِ تملک کا نام ہے۔ پس اس کا بدل لینے کو درست قرار نہیں دیا جائے گا۔

وَاِذَا مَاتَ الشَّفِیْعُ الخ. اگر شفیع ابھی شفعہ نہ لے پایا تھا کہ وہ موت سے ہمکنار ہو گیا تو شفعہ باطل قرار دینے کا حکم ہوگا۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک حقِ شفعہ باطل نہ ہوگا۔ بلکہ موروث ہوگا اور ازروئے وراثت وارث کو حقِ شفعہ حاصل ہوگا۔ اگر خریدار موت سے ہمکنار ہو جائے تو حقِ شفعہ باطل نہ ہوگا اس لئے کہ شفعہ کا استحقاق دراصل شفیع کو حاصل ہے تو اس کا باقی رہنا قابلِ اعتبار ہوگا اور جس گھر یا زمین کے باعث شفیع کو حقِ شفعہ حاصل ہونیوالا تھا اگر وہ حکمِ شفعہ ثابت ہونے سے قبل اسے بیچدے تو اس صورت میں شفعہ کے باطل ہو جانیکا حکم ہوگا۔ اس واسطے کہ یہاں تملک سے قبل ہی مستحق ہونیکا سبب یعنی ملک کا اتصال باقی نہ رہا۔

وَوَکِیْلُ الْبَائِعِ اِذَا بَاعَ الخ. کسی گھر میں تین آدمی شریک ہوں اور ان شرکار میں ایک شخص دوسرے کو اپنے حصہ کے بیچنے کا وکیل مقرر کرے اور وکیل بیچدے تو اس صورت میں نفسِ مبیع کے اندر شرکت کا حقِ شفعہ وکیل اور مؤکل دونوں میں سے کسی کیواسطے ہونیکے بجائے تیسرے شریک کیواسطے ہوگا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اس جگہ پہلا شخص فروخت کرنیوالا اور دوسرا بیع لے اور فروخت کرنیوالا بواسطۂ شفعہ گھر لے کر یہ عقدِ بیع توڑ دینا چاہ رہا ہے جس کی تکمیل اسکی طرف سے ہو چکی اس لئے کہ وہ بواسطۂ شفعہ لے لینے پر خریدار کہلائے گا فروخت کرنیوالا نہیں جبکہ وہ دراصل فروخت کرنے والا تھا۔ اسی طریقہ سے اگر کوئی فروخت کرنے والے کی جانب سے عوارض کا ضامن بن جائے درانحالیکہ شفیع بھی وہی ہو تو اسے بھی حقِ شفعہ حاصل نہ ہوگا۔

وَوَکِیْلُ الْمُشْتَرِیْ الخ. ایک گھر میں تین آدمی شریک ہوں اور ان تین شریکوں میں سے ایک شریک دوسرے شریک کو تیسرے شریک کے حصہ کی خریداری کا وکیل مقرر کرے تو اس صورت میں وکیل کو بھی شفعہ کا حق حاصل ہوگا اور وکیل بنانے والے کو بھی۔ اور یہ مبیع کے حق میں شریک اور پڑوسی دونوں سے مقدم شمار ہوں گے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ شفعہ کا باطل ہونا اعراض کے باعث ہوا کرتا ہے اظہارِ رغبت کی بنار پر نہیں۔ اور خریداری کا جہانتک تعلق

ہے اس میں بجائے اعراض کے رغبت کا اظہار عیاں ہے۔
ومن باع بشرط الخیار الخ۔ اگر فروخت کرنیوالا شرط خیار کیساتھ گھر بیچے تو تا وقتیکہ خیار ساقط نہ ہولے حق شفعہ حاصل نہ ہوگا۔ اس لئے کہ بیچنے والے کا خیار ملک کے زائل ہونے میں رکاوٹ بنتا ہے۔ ایسے ہی گھر کی بیع فاسد ہونیکی صورت میں تاوقتیکہ فسخ کا حق ختم نہ ہو جائے اسوقت تک اس میں شفعہ کا حق ثابت نہ ہونیکا حکم ہوگا۔ اسلئے کہ بیع فاسد میں تا وقتیکہ خریدار اس پر قابض نہ ہو جائے مفیدِ ملک نہیں ہوا کرتی تو گویا اس میں فروخت کرنیوالے کی ملک برقرار رہی۔
فان سقط الفسخ الخ۔ مثال کے طور پر خریدار نے وہ گھر کسی دوسرے کو بیچدیا تو اس میں وجوب حق شفعہ ہوگا۔ اسلئے کہ شفعہ کے حق سے باز رہنا فسخ کے حق کے باقی رہنے کے سبب تھا اور اب فسخ کا حق باقی نہ رہا تو شفعہ کا وجوب ہو جائیگا۔
واذا اشتری الذمی دارًا بالخمر الخ۔ کوئی ذمی شخص دوسرے ذمی ہی سے کسی گھر کو شراب یا خنزیر کے بدلہ خریدے اور اس گھر کا شفیع ذمی ہی ہو تو اس صورت میں اسے اتنی ہی شراب یا خنزیر کی قیمت دیکر لینا درست ہے۔ اور شفیع کے ذمی نہ ہونے اور مسلمان ہونیکی صورت میں وہ شراب اور خنزیر دونوں کی محض قیمت ادا کر کے لیگا۔ اسلئے کہ مسلمان کے واسطے یہ ممنوع ہے کہ وہ خود شراب کا مالک بنے یا بنائے۔
یہاں اگر کوئی یہ اشکال کرے کہ خنزیر کی قیمت کا جہانتک تعلق ہے وہ اسکی ذات کی جگہ ہوتی ہے تو اس طرح ہونا یہ چاہئے کہ قیمتِ خنزیر بھی برائے مسلمان حرام ہو۔ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ مسلمان کیلئے قیمتِ خنزیر کا لینا دینا ایسی صورت میں حرام ہوگا جبکہ عوض خنزیر کسی واسطے کے بغیر ہو اور اس جگہ عوض واسطہ کے ساتھ ہے لہٰذا حرام نہ ہوگا۔ اس لئے کہ اس جگہ قیمتِ خنزیر اس گھر کا عوض ہے جس کا عوض کہ خنزیر تھا تو عوض خنزیر واسطہ کے بغیر نہیں ہوا۔

وَاِذَا اخْتَلَفَ الشَّفِيْعُ وَالْمُشْتَرِیْ فِی الثَّمَنِ فَالْقَوْلُ قَوْلُ الْمُشْتَرِیْ فَاِنْ اَقَامَا الْبَيِّنَةَ فَالْبَيِّنَةُ
اور اگر شفیع اور خریدار کا ثمن کے اندر اختلاف ہو تو خریدار کا قول قابل اعتبار ہوگا۔ اور اگر دونوں بیّنہ پیش کر دیں تو
بَيِّنَةُ الشَّفِيْعِ عِنْدَ اَبِیْ حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ الْبَيِّنَةُ بَيِّنَةُ
امام ابوحنیفہؒ وامام محمدؒ شفیع کے بینہ کو معتبر اور امام ابویوسفؒ خریدار کے بینہ کو معتبر قرار دیتے ہیں۔
الْمُشْتَرِیْ وَاِذَا ادَّعَی الْمُشْتَرِیْ ثَمَنًا اَكْثَرَ وَادَّعَی الْبَائِعُ اَقَلَّ مِنْهُ وَلَمْ يَقْبِضِ الثَّمَنَ اَخَذَهَا
اور اگر خریدار زیادہ ثمن اور فروخت کرنیوالا اس سے کم کا مدعی ہو درانحالیکہ وہ ابھی ثمن پر قابض نہ ہوا ہو تو
الشَّفِيْعُ بِمَا قَالَ الْبَائِعُ وَكَانَ ذٰلِكَ حَطًّا عَنِ الْمُشْتَرِیْ وَاِنْ كَانَ قَبَضَ الثَّمَنَ اَخَذَهَا
شفیع اسی قیمت میں لے لے جو کہ فروخت کنندہ کہہ رہا ہو اور اسے خریدار کے ذمہ سے قیمت کم کرنا قرار دینگے اور اگر فروخت کرنیوالا ثمن پر
بِمَا قَالَ الْمُشْتَرِیْ وَلَمْ يَلْتَفِتْ اِلٰی قَوْلِ الْبَائِعِ وَاِذَا حَطَّ الْبَائِعُ عَنِ الْمُشْتَرِیْ بَعْضَ
قابض ہو چکا ہو تو شفیع اسے خریدار کے کہنے کے موافق لیلے اور فروخت کرنیوالے کے کہنے پر توجہ نہ دے اور اگر فروخت کرنیوالا خریدار سے اندر ثمن قیمت

الثمن يسقط ذٰلك عن الشفيع وان حطّ عنه جميع الثمن لم يسقط عن الشفيع واذا زاد

کچھ کمی کردے تو اسی قدر قیمت شفیع سے ساقط قرار دیجائیگی اور فروخت کرنیوالے کے پوری قیمت معاف کرنے پر شفیع کے ذمہ سے پوری قیمت ساقط قرار

المشتري للبائع في الثمن لم تلزم الزيادة للشفيع ۔

نہیں دیجائیگی اور خریدار کے فروخت کنندہ کو زیادہ قیمت دینے پر اس اضافہ کا شفیع پر لزوم نہ ہوگا۔

شفیع اور خریدار کے درمیان بسلسلۂ قیمت اختلاف کا ذکر

تشریح و توضیح

واذا اختلف الشفيع الخ۔ اگر ثمن کے بارے میں شفیع اور خریدار کے درمیان اختلاف ہو تو اس صورت میں بحلف خریدار کے قول کو قابلِ اعتبار قرار دیا جائیگا اور شفیع کو اس کا حق ہوگا کہ خواہ وہ خریدار کی ذکر کردہ قیمت کے بدلہ لیلے اور خواہ نہ لے۔ سبب یہ ہے کہ شفیع خریدار سے کم قیمت کے بدلہ لینے کے حق کا دعویدار اور خریدار اسکا انکار کرتاہے اور عدمِ ثبوت کی صورت میں انکار کرنیوالے کا قول بحلف معتبر ہوا کرتا ہے مگر اس جگہ شفیع اور خریدار دونوں پر حلف لازم نہ ہوگا۔ اس لئے کہ حلف اسی شکل میں منصوص ہے جبکہ دونوں طرف سے انکار اور دونوں طرف سے دعویٰ ہو۔ اور اس جگہ خریدار شفیع پر کسی شے کا مدعی نہیں اور نہ شفیع انکار کررہاہے۔ عینی میں اسیطرح ہے۔

فان اقاما البينة الخ۔ ذکر کردہ حکم بینہ پیش نہ کرسکنے کی صورت میں ہے۔ اور اگر وہ بینہ پیش کردے تو پھر اسی کیمطابق حکم کیاجائیگا اور اگر خریدار و شفیع دونوں ہی بینہ پیش کردیں تو اس صورت میں امام ابوحنیفہؒ و امام محمدؒ کے نزدیک شفیع کا بینہ قابلِ اعتبار قرار دیا جائیگا۔ اور امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ خریدار کے بینہ کو معتبر قرار دیں گے۔ اس لئے کہ اس کے بینہ سے ایک زائد امر ثابت ہورہاہے اور اضافہ کو ثابت کرنیوالے بینہ کو اولویت حاصل ہوتی ہے۔

حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ اس صورت میں دونوں کے بینہ کو ساقط قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ خریدار کا قول معتبر ہوگا۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک خریدار کے بینہ سے اگرچہ بظاہر اضافہ ثابت ہورہاہے مگر حقیقت معنے کے اعتبار سے شفیع کے بینہ سے اضافہ ثابت ہوتاہے جس کی وضاحت اس طریقہ سے کی جاسکتی ہے کہ بینات کے ذریعہ کسی امر کا لزوم ثابت کیا جاتاہے اور اس جگہ شفیع کے بینہ سے لزوم ثابت ہورہاہے خریدار کے بینہ سے نہیں۔ اس لئے کہ شفیع کے بینہ کو قبول کرنے کی صورت میں یہ لازم آئیگا کہ خریدار گھر کو شفیع کے سپرد کردے اور خریدار کے بینہ کو قبول کرنیکی صورت میں شفیع پر کسی چیز کا وجوب نہ ہوگا۔ اس واسطے کہ اسے یہ حق حاصل ہے کہ خواہ لے اور خواہ نہ لے۔

واذا ادعى المشتري الخ۔ اگر فروخت کرنیوالے اور خریدار میں بسلسلۂ ثمن اختلاف ہو۔ خریدار تو ثمن زیادہ بتاتا ہو اور فروخت کنندہ کم درانحالیکہ ابھی قیمت کی وصولیابی نہ ہوئی ہو تو اس صورت میں بحقِ شفیع فروخت کرنے والے کے قول کو معتبر قرار دیا جائیگا۔ اس لئے کہ حقیقۃً فروخت کنندہ کا قول درست ہونے پر اس پر انعقادِ بیع

عیاں ہے۔ اور خریدار کے قول کے درست ہونیکی شکل میں یہ سمجھیں گے کہ فروخت کرنیوالے نے اپنی طرف سے اندرون قیمت کمی کردی۔ بہر صورت مدار حکم فروخت کنندہ کا قول ہی ہوگا۔
اگر فروخت کرنیوالا ثمن پر قابض ہو جائے اس کے بعد ثمن کی مقدار کے بارے میں اختلاف واقع ہو۔ اس صورت میں اگر شفیع اپنے پاس گواہ رکھتا ہو تو انکی گواہی قابل قبول ہوگی اور گواہ نہ ہونیکی شکل میں خریدار سے حلف لیکر حکم کردیا جائیگا۔ اور فروخت کنندہ کے قول کو لائق توجہ قرار نہ دیں گے۔ اس سے قطع نظر کہ وہ ثمن زیادہ بتارہا ہو یا کم۔ اس لئے کہ فروخت کنندہ کے ثمن وصول کرلینے کے بعد بیع کی تکمیل ہوگئی اور خریدار کو مبیع پر ملکیت حاصل ہوگئی اور فروخت کنندہ اجنبی شخص کیطرح ہوگیا۔ اور اب اختلاف فقط خریدار اور شفیع کے بیچ میں رہ گیا۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دونوں صورتوں میں خریدار کا قول معتبر ہوگا۔
واذا حط البائع الخ۔ ۔۔۔ کردہ گا کہ جس معاوضہ کا شفیع پر لزوم ہوتا ہے بیع مکمل ہو جانے اور فروخت کنندہ کے خریدار کے ذمہ سے قیمت میں کچھ کمی کردینے پر شفیع کو بھی اس کا حق پہنچتا ہے کہ وہ اسی کم کردہ قیمت پر لے لے۔ البتہ اگر ایسا ہو کہ فروخت کرنیوالا خریدار سے کچھ نہ لے اور ساری رقم معاف کردے تو اس صورت میں بحق شفیع یہ معافی نہ ہوگی اور رقم اس کے ذمہ سے ساقط ہونیکا حکم نہ ہوگا۔ سبب یہ ہے کہ ساری قیمت کے ساقط کردینے کا الحاق عقد کے ساتھ ہونا ممکن نہیں ورنہ سرے سے شفعہ ہی کو باطل قرار دیا جائیگا۔ اس لئے کہ پورے ثمن کے ساقط کرنے میں دو صورتیں ضرور پیش آئیں گی۔ (۱) یا تو عقد بیع عقد ہبہ بن جائیگا۔ (۲) یا یہ عقد ثمن کے بغیر ہوگا جس کا فاسد ہونا ظاہر ہے اور بیع فاسد و ہبہ کا جہانتک تعلق ہے ان میں شفعہ کا حق حاصل نہیں ہوتا۔ صاحب جوہرہ نیرہ کے نزدیک شفیع سے ثمن کے ساقط نہ ہونیکا حکم اس شکل میں ہوگا جبکہ فروخت کنندہ ثمن کو ایک کلمہ سے ساقط کرے۔ اور چند کلموں کے ذریعہ ساقط کرنے پر اخیر کا کلمہ معتبر ہوگا۔
واذا زاد المشتری الخ۔ اگر خریدار فروخت کنندہ کے واسطے ثمن بڑھادے تو اس اضافہ کا لزوم شفیع پر نہ ہوگا۔ اس لئے کہ پہلی ہی قیمت پر شفیع کو حصول استحقاق ہوگیا۔ یعنی وہ قیمت جس پر کہ پہلا عقد ہو چکا تھا تو اب بعد میں خریدار وغیرہ کے فعل کے ذریعہ اضافہ کا نفاذ اس پر نہ ہوگا۔

وَاِذَا اجْتَمَعَ الشُّفَعَاءُ فَالشُّفْعَةُ بَيْنَهُمْ عَلٰى عَدَدِ رُؤُسِهِمْ وَلَا يُعْتَبَرُ بِاخْتِلَافِ الْاَمْلَاكِ
اور اگر کئی شفیع اکٹھے ہو جائیں تو ان میں شفعہ شمار کے موافق ہوگا اور ملکیتوں کا اختلاف معتبر نہ ہوگا۔

کئی حق شفعہ رکھنے والوں میں شفعہ کی تقسیم کا ذکر

تشریح وتوضیح واذا اجتمع الخ۔ اگر کئی شفیع اسطرح کے اکٹھے ہوگئے ہوں کہ وہ درجہ کے اعتبار سے

سے برابر ہوں تو اس صورت میں حقِ شفعہ انکی تعداد کے اعتبار سے اور اس کیمطابق ہوگا۔ اور ملکیتوں کے درمیان اختلاف معتبر نہ ہوگا۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک ملکیتوں کی مقدار کے اعتبار سے حقِ شفعہ ہوگا۔ مثال کے طور پر کوئی گھر تین آدمیوں کے درمیان اس صورت سے مشترک ہو کہ ان میں سے ایک نصف کا مالک ہو اور دوسرا شریک تہائی کا مالک، اور تیسرا چھٹے حصہ کا مالک ہو اور پھر نصف کا مالک اپنے حصہ کو بیچے تو حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ملکیتوں کی مقدار کا لحاظ رکھتے ہوئے دو تہائی تہائی والے کے حصہ میں آئیگا اور ایک چھٹے حصہ والے کو ملے گا۔ اور اگر چھٹے حصہ والے نے اپنے حصہ کو بیچ دیا تو نصف والے کے حصہ میں تین آئیں گے اور دو تہائی والے کو۔ اور اگر تہائی والا اپنے حصہ کو بیچے تو تین نصف کے مالک کے حصہ میں ملیں گے اور ایک چھٹے حصہ والے کو ملے گا۔

عند الاحناف ملکیت میں کمی بیشی کا اعتبار نہ کرتے ہوئے مساوی طور پر نصف نصف دونوں کو ملے گا۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک فائدۂ شفعہ ملکیت کے فائدوں کی تکمیل ہے۔ پس شفعہ کا حق بھی مقدارِ ملکیت کے اعتبار سے حاصل ہوگا۔ اور احنافؒ فرماتے ہیں کہ دراصل شفعہ کا سبب ملکیت کا مع المبیع اتصال ہے۔ اس سے قطع نظر کہ یہ اتصال قلیل ملکیت کا ہو یا کثیر ملکیت کا تو شفعہ کا استحقاق خواہ عین میں شرکت کے سبب ہو یا حق میں شرکت کے باعث یا جوار و پڑوس کے حق کی بناء پر سارے ایک ہی جہت سے حقدارِ شفعہ ہیں لہٰذا استحقاقِ شفعہ میں بھی سارے مساوی قرار دیئے جائیں گے۔

فائدۂ ضروریہ : اوپر ذکر کردہ حکم اس صورت میں ہے جبکہ سارے شفیع اکٹھے ہوں۔ لیکن اگر الگ الگ ہوں اور بعض اسوقت وہاں موجود ہوں اور بعض نہ ہوں تو پھر حکم کیا جائیگا؟ اسکے متعلق صاحب شرح خجندی فرماتے ہیں کہ اگر کسی گھر کے کئی شفیعوں میں سے بعض طلبگارِ شفعہ ہوں اور باقی شفیع موجود نہ ہوں تو سارے ان بعض موجودین کے لئے شفعہ کا حق ثابت ہو جائیگا۔ اس لئے کہ غیر موجودین کے بارے میں دونوں احتمال ہیں یعنی وہ طالبِ شفعہ ہوں یا نہ ہوں۔ پس شک کی بناء پر موجود شفیع کے حق کو ساقط قرار نہ دیں گے۔ اب اگر غیر موجود شفیع آکر اپنے حق کے طلبگار ہوں تو انھیں موجود شفیعوں کا شریک قرار دیا جائیگا اور اگر موجود شفیع غیر موجود شفیع کے موجود نہ ہونے کیوقت یہ کہتا ہو کہ وہ آدھا یا تہائی لے گا تو یہ اس کیو اسطے درست قرار نہ دیں گے اور وہ یا تو سارا گھر لے گا ورنہ سب چھوڑ دیگا۔ ینابیع میں موجود ہے کہ اگر موجود شفیع نصف مکان کا طلبگار ہو تو اس کے شفعہ کے باطل ہونیکا حکم ہوگا چاہے اس کا یہ گمان ہو کہ مجھے اس سے زیادہ کا استحقاق نہیں یا اسطرح کا گمان نہ ہو۔ اور اگر غیر موجود شفیع حاضر ہو کر طلبگارِ شفعہ ہو اور موجود شفیع اس سے کہے کہ یا تو سارا مکان لے لو یا چھوڑ دو اور وہ کہتا ہو کہ وہ آدھا لیگا تو اسے آدھا لینا درست ہوگا اور اس سے زیادہ لینے کا اس پر لزوم نہ ہوگا۔

وَمَنِ اشْتَرٰى دَارًا بِعِوَضٍ اَخَذَهَا الشَّفِيْعُ بِقِيْمَتِهٖ وَاِنِ اشْتَرَاهَا بِمَكِيْلٍ اَوْمَوْزُوْنٍ اَخَذَهَا

اور جو شخص اسباب کے بدلہ مکان خریدے تو شفیع اسے قیمت کے بدلہ لیلے اور اگر اسے کسی کیل یا وزن کیجانیوالی شئے کے بدلہ خریدے

بِمِثْلِهٖ وَاِنْ بَاعَ عَقَارًا بِعَقَارٍ اَخَذَ الشَّفِيْعُ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِقِيْمَةِ الْاٰخَرِ وَاِذَا بَلَغَ الشَّفِيْعَ

تو شفیع اسے اسکی مثل کے بدلہ لے لے اور اگر زمین زمین کے بدلہ بیچی ہو تو شفیع ان دونوں میں سے ہر ایک زمین دوسری زمین کی قیمت سے لیلے اور اگر

اَنَّهَا بِيْعَتْ بِاَلْفٍ فَسَلَّمَ الشُّفْعَةَ ثُمَّ عَلِمَ اَنَّهَا بِيْعَتْ بِاَقَلَّ مِنْ ذٰلِكَ اَوْ بِحِنْطَةٍ اَوْ شَعِيْرٍ

شفیع کو اطلاع ملے کہ وہ مکان ایک ہزار پر بیچا گیا ہے اور اسواسطے شفیع حق شفعہ ترک کردے پھر اس سے کم میں بیچے جانیکا پتہ چلے یا یہ کہ وہ اسقدر گندم یا جو

قِيْمَتُهَا اَلْفٌ اَوْ اَكْثَرُ فَتَسْلِيْمُهٗ بَاطِلٌ وَلَهُ الشُّفْعَةُ وَاِنْ بَانَ اَنَّهَا بِيْعَتْ بِدَنَانِيْرَ قِيْمَتُهَا اَلْفٌ

میں بیچا گیا جو ایک ہزار یا ایک ہزار سے زیادہ قیمت کے ہیں تو اسکا حق شفعہ ترک کرنا باطل ہوگا اور اسے شفعہ کا حق ہوگا اور ایک ہزار قیمت والی اشرفیوں

فَلَا شُفْعَةَ لَهٗ وَاِذَا قِيْلَ لَهٗ اِنَّ الْمُشْتَرِيْ فُلَانٌ فَسَلَّمَ الشُّفْعَةَ ثُمَّ عَلِمَ اَنَّهٗ غَيْرُهٗ فَلَهُ الشُّفْعَةُ وَ

میں بیچے جانیکا پتہ چلے تو حق شفعہ نہ ہوگا اور اگر شفیع سے کہا گیا ہو کہ فلاں شخص خریدنیوالا ہے اور وہ شفعہ ترک کردے اسکے بعد پتہ چلے کہ خریدار دوسرا

مَنِ اشْتَرٰى دَارًا لِغَيْرِهٖ فَهُوَ الْخَصْمُ فِي الشُّفْعَةِ اِلَّا اَنْ يُسَلِّمَهَا اِلَى الْمُؤَكِّلِ وَاِذَا بَاعَ دَارًا

ہے تو اسے شفعہ کا حق ہوگا اور جو شخص دوسرے کیواسطے مکان خریدے تو مدعیٰ علیہ یہ خریدار ہی قرار دیا جائیگا الا یہ کہ اس نے مکان مؤکل کے سپرد کردیا ہو۔

اِلَّا مِقْدَارَ ذِرَاعٍ فِيْ طُوْلِ الْحَدِّ الَّذِيْ يَلِي الشَّفِيْعَ فَلَا شُفْعَةَ لَهٗ وَاِنْ بَاعَ مِنْهَا سَهْمًا بِثَمَنٍ

اور اگر مکان ایک ہاتھ باقی رکھ کر بیچے اس جانب کی لمبائی سے جس کا شفیع سے اتصال ہو تو اب اسے حق شفعہ نہ ہوگا اور اگر مکان کے کچھ حصہ کو قیمۃً خریدے

ثُمَّ ابْتَاعَ بَقِيَّتَهَا فَالشُّفْعَةُ لِلْجَارِ فِي السَّهْمِ الْاَوَّلِ دُوْنَ الثَّانِيْ وَاِذَا ابْتَاعَهَا بِثَمَنٍ ثُمَّ دَفَعَ

اس کے بعد باقی ماندہ بھی خریدلے تو پڑوسی کو بجائے دوسرے حصہ کے پہلے ہی حصہ میں حق شفعہ ہوگا اور اگر مکان قیمت کیساتھ خریدے اسکے بعد

اِلَيْهِ ثَوْبًا عِوَضًا عَنْهُ فَالشُّفْعَةُ بِالثَّمَنِ دُوْنَ الثَّوْبِ۔

اس کے بدلہ کپڑا دیدے تو شفعہ کپڑے کے ساتھ ہوگا کپڑے سے نہیں۔

شفعہ سے متعلق مختلف مسائل

تشریح و توضیح

ومن اشتری دارًا الخ۔ اگر کوئی شخص ایسے مکان کو جس کے بارہمیں حق شفعہ کا دعویٰ کیا گیا ہو اسباب کے بدلہ خریدے تو شفیع کیلئے یہ درست ہے کہ اس کی قیمت دیکر لے لے۔
اس لئے کہ اسباب کا شمار قیمت والی چیزوں میں ہوتا ہے اور اگر کسی ایسی شے کے بدلہ خریدے جو کیل یا وزن کی جاتی ہو تو ان اشیاء کے ذوات الامثال میں سے ہونیکی بناء پر شفیع کے لئے انکا مثل دیکر لینا درست ہوگا۔ اور زمین زمین کے بدلہ بیچنے کی صورت میں شفیع کے لئے درست ہے کہ ان میں سے ایک زمین دوسری زمین کی قیمت سے لے لے۔ اسلئے کہ وہ اس کا عوض ہونیکے ساتھ قیمت والی اشیاء میں سے بھی ہے۔ صاحب جوہرہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم اس صورت میں ہے جبکہ ان دونوں زمینوں کا وہی شفیع ہو اور محض ایک کا شفیع ہونیکی شکل میں فقط وہی زمین دوسری کی قیمت دے کر لے سکتا ہے۔

بیعت بالف الخ۔ اگر شفیع سے یہ کہا جائے کہ مکان ایک ہزار میں بیچا گیا ہے اور شفیع اس بناء پر طلبگارِ شفعہ نہ ہو۔

اس کے بعد پتہ چلے کہ ہزار سے کم میں یا اسقدر گندم وغیرہ کے بدلہ بیچا گیا کہ انکی قیمت ہزار کے بقدر یا ہزار سے زیادہ ہے تو اس صورت میں شفیع کو شفعہ کا حق حاصل ہوگا۔ اور اگر یہ پتہ چلے کہ اسقدر اشرفیوں کے بدلہ بیچا گیا جو باعتبار قیمت ہزار روپئے کے برابر ہیں تو امام ابو یوسفؒ اس کے لئے حقِ شفعہ حاصل نہ ہونیکا حکم فرماتے ہیں لیکن ازروئے استحسان اس جگہ بھی اسے شفعہ کا حق حاصل ہونا چاہئے۔ حضرت امام زفرؒ یہی فرماتے ہیں اسلئے کہ جنس میں اس جگہ بھی باعتبار حقیقت اور بلحاظِ قیمت فرق کا سبب یہ ہے کہ پہلی شکل میں تو طلبگارِ شفعہ نہ ہونا ثمن کی زیادتی یا جنس کے عذر کے باعث تھا تو بعد میں اس کے برعکس ظاہر ہونے پر اسے شفعہ کا حق حاصل ہو جائیگا اس لئے کہ ثمن کے اندر اختلاف و فرقِ رغبت میں فرق کا سبب بنتا ہے اور رہ گئی دوسری شکل تو اس کے اندر فرق محض دینار و درہم کا ہے جس کا اندرونِ ثمنیت جنسوں کے اتحاد کے باعث کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔

ان المشتری فلانٌ الخ۔ اگر شفیع سے کہا جائے کہ یہ مکان فلاں آدمی خرید چکا ہے اور وہ اس کی بیع مان لے پھر پتہ چلے کہ مکان خریدنے والا شخص دوسرا تھا تو اس صورت میں شفیع کو شفعہ کا حق حاصل ہوگا۔ اس لئے کہ آدمیوں کے اخلاق و عادات الگ الگ ہوا کرتے ہیں۔ بعض لوگوں کا پڑوس گراں نہیں ہوتا اور بعض کا ہوتا ہے۔ تو ایک شخص کے بارے میں بیع مان لینے سے دوسرے کیلئے بھی مان لینا لازم نہیں آتا۔

الا مقدار ذراع الخ۔ کوئی اسطرح مکان بیچے کہ شفیع کی جانب والا ایک گز ٹکڑا چھوڑ کر باقی فروخت کر دے تو اس صورت میں شفیع کو حقِ شفعہ کے دعوے کا حق نہ ہوگا اس لئے کہ حقِ شفعہ کا سبب مع المبیع شفیع کی ملکیت کا اتصال تھا اور ذکر کردہ شکل میں وہ اتصال پایا نہیں جاتا۔

وَلَا تُكْرَهُ الْحِيْلَةُ فِي إِسْقَاطِ الشُّفْعَةِ عِنْدَ أَبِي يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ تُكْرَهُ۔

اور حقِ شفعہ ساقط کرنیکا حیلہ کرنے میں کراہت نہیں۔ امام ابو یوسفؒ یہی فرماتے ہیں اور امام محمدؒ کے نزدیک باعثِ کراہت ہے۔

حق ساقط کرنے کی تدبیروں کا ذکر

تشریح و توضیح ولا تکرہ الحیلۃ الخ۔ کوئی اسطرح کی تدبیر اختیار کرنا کہ اس کے باعث شفیع کو حقِ شفعہ شفع کردہ میں نہ رہے اس کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) شفعہ کے ساقط کرنیکا حیلہ و تدبیر۔ (۲) ایسی تدبیر اختیار کرنا کہ اس کے باعث ثبوتِ شفعہ نہ ہو سکے۔ تو شفعہ ثابت ہو جانیکے بعد اسے ساقط کرنیکی تدبیر کو امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ مکروہ فرماتے ہیں۔ مثال کے طور پر خریدار ایک مکان خریدنے کے بعد شفیع سے کہے کہ تو اس مکان کو مجھ سے خرید اور اس کا سبب یہ ہو کہ اس کے قصدِ خریداری کے ساتھ حقِ شفعہ باقی نہ رہے گا۔ اس لئے کہ اقدامِ خرید دراصل شفعہ سے پہلوتہی کی علامت ہے تو یہ حیلہ متفقہ طور پر سب کے نزدیک باعثِ کراہت ہے۔ دوسری شکل ایسی تدبیر اختیار کرنا کہ

جس کے باعث شفعہ ثابت ہی نہ ہوسکے۔ امام محمدؒ اسے بھی مکروہ فرماتے ہیں۔ امام شافعیؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔ البتہ امام ابویوسفؒ اسے مکروہ قرار نہیں دیتے۔ شفعہ کے سلسلہ میں مفتیٰ بہ امام ابویوسفؒ کا قول ہے۔ صاحب سراجیہ کہتے ہیں کہ یہ حیلۂ جواز اس صورت میں ہے جبکہ پڑوسی کو اس کی احتیاج نہ ہو۔ صاحب شرح وقایہ فرماتے ہیں کہ شفعہ کے مشروع ہونیکا مقصد پڑوسی کو نقصان سے بچانا ہے۔ پس خریدار اگر اس طرح کا ہو کہ اس کے باعث ہمسایوں کا نقصان ہو تو یہ درست نہیں کہ شفعہ ساقط کرنے کی تدبیر کی جائے اور اگر خریدار صالح شخص ہو اور شفیع متعنت و سرکش کہ اس کا پڑوس پسندیدہ نہ ہو تو شفعہ ساقط کرنے کا حیلہ اختیار کرنا جائز ہے۔

وَإِذَا بَنَى الْمُشْتَرِي أَوْ غَرَسَ ثُمَّ قُضِيَ لِلشَّفِيعِ بِالشُّفْعَةِ فَهُوَ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ أَخَذَهَا بِالثَّمَنِ وَ
اور اگر خریدار کے مکان بنالینے یا باغ لگالینے کے بعد بحق شفیع فیصلہ ہو تو شفیع کو یہ حق ہے کہ خواہ قیمتِ مکان اور عمارت و اکھڑے ہوئے
قِيمَةِ الْبِنَاءِ وَالْغَرْسِ مَقْلُوعَيْنِ وَإِنْ شَاءَ كَلَّفَ الْمُشْتَرِيَ بِقَلْعِهِ وَإِنْ أَخَذَهَا الشَّفِيعُ فَبَنَى أَوْ
باغ کی قیمت ادا کر کے لیلے اور خواہ خریدار کو اس پر مجبور کرے کہ وہ اکھاڑ لے۔ اور اگر شفیع کسی زمین کو لینے کے بعد مکان
غَرَسَ ثُمَّ اسْتُحِقَّتْ رَجَعَ بِالثَّمَنِ وَلَا يَرْجِعُ بِقِيمَةِ الْبِنَاءِ وَالْغَرْسِ وَإِذَا انْهَدَمَتِ الدَّارُ أَوْ
بنالے یا وہ باغ لگالے اس کے بعد اس کا کوئی مستحق نکل آئے تو یہ ثمن واپس لے لیگا اور قیمتِ باغ و عمارت لینے کا حق نہ ہوگا اور اگر
احْتَرَقَتْ بِنَاؤُهَا أَوْ جَفَّ شَجَرُ الْبُسْتَانِ بِغَيْرِ عَمَلِ أَحَدٍ فَالشَّفِيعُ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ أَخَذَهَا بِجَمِيعِ
مکان منہدم ہو جائے اور اس کی چھت جل جائے یا بغیر کسی کے تصرف کے باغ کے درخت سوکھ جائیں تو شفیع کو یہ حق ہوگا کہ خواہ پوری قیمت
الثَّمَنِ وَإِنْ شَاءَ تَرَكَ وَإِنْ نَقَضَ الْمُشْتَرِي الْبِنَاءَ قِيلَ لِلشَّفِيعِ إِنْ شِئْتَ فَخُذِ الْعَرْصَةَ
ادا کر کے لے اور خواہ رہنے دے اور اگر خریدار عمارت منہدم کردے تو شفیع سے کہیں گے کہ خواہ میدان اس کے حصہ کے بدلہ میں لے لے اور
بِحِصَّتِهَا وَإِنْ شِئْتَ فَدَعْ وَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَأْخُذَ النَّقْضَ وَمَنِ ابْتَاعَ أَرْضًا وَعَلَى نَخْلِهَا ثَمَرٌ
خواہ نہ لے اور اسے ٹوٹ پھوٹ لینے کا حق نہ ہوگا۔ اور جو شخص ایسا باغ خریدے جسکے درختوں پر پھل لگ رہے
أَخَذَهَا الشَّفِيعُ بِثَمَرِهَا وَإِنْ جَدَّهُ الْمُشْتَرِي سَقَطَ عَنِ الشَّفِيعِ حِصَّتُهُ وَإِذَا قُضِيَ لِلشَّفِيعِ
ہوں تو اسے شفیع مع پھل لے اور اگر خریدار پھلوں کو توڑلے تو اس کے بقدر قیمت شفیع سے ساقط قرار دیجائیگی اور اگر ایسے مکان
بِالدَّارِ وَلَمْ يَكُنْ رَآهَا فَلَهُ خِيَارُ الرُّؤْيَةِ فَإِنْ وَجَدَ بِهَا عَيْبًا فَلَهُ أَنْ يَرُدَّهَا بِهِ وَإِنْ كَانَ
کا بحق شفیع فیصلہ ہو جائے جسے شفیع نے دیکھا نہ ہو تو اسے خیار رویت حاصل ہوگا اور اس میں کوئی عیب ہو تو اسے عیب کے باعث
الْمُشْتَرِي شَرَطَ الْبَرَاءَةَ مِنْهُ وَإِذَا ابْتَاعَ بِثَمَنٍ مُؤَجَّلٍ فَالشَّفِيعُ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ أَخَذَهَا بِثَمَنٍ
لوٹانیکا حق ہوگا خواہ خریدار اس سے برات کی شرط بھی کیوں نہ کرلے اور مکان ادھار خریدنے پر شفیع کو یہ حق ہے کہ خواہ فوری طور پر ثمن دیکر لے
حَالٍّ وَإِنْ شَاءَ صَبَرَ حَتَّى يَنْقَضِيَ الْأَجَلُ ثُمَّ يَأْخُذُهَا وَإِذَا اقْتَسَمَ الشُّرَكَاءُ الْعَقَارَ فَلَا شُفْعَةَ
لے اور خواہ مدت پوری ہونے تک صبر کرکے پھر لے لے۔ اور اگر چند شرکاء جائداد بانٹیں تو تقسیم کے باعث شفیع کو حق شفعہ نہ ہوگا۔

لِجَارِهِمْ بِالْقِسْمَةِ وَإِذَا اشْتَرَىٰ دَارًا فَسَلَّمَ الشَّفِيعُ الشُّفْعَةَ ثُمَّ رَدَّهَا الْمُشْتَرِي بِخِيَارِ رُؤْيَةٍ

اور اگر کوئی شخص مکان خریدے اور شفیع حق شفعہ چھوڑ دے اس کے بعد خریدار قاضی کے حکم سے خیار رویت یا خیار شرط

أَوْ بِشَرْطٍ أَوْ بِعَيْبٍ بِقَضَاءِ قَاضٍ فَلَا شُفْعَةَ لِلشَّفِيعِ وَإِنْ رَدَّهَا بِغَيْرِ قَضَاءِ قَاضٍ أَوْ تَقَايَلَا

یا خیار عیب کی بناء پر مکان لوٹائے تو شفیع کو حق شفعہ نہ ہوگا۔ اور اگر قاضی کے حکم کے بغیر لوٹائے یا اقالہ کرلے تو شفیع کو

فَلِلشَّفِيعِ الشُّفْعَةُ۔

شفعہ کا حق ہوگا۔

لغات کی وضاحت غرس: درخت کا پودا لگانا۔ جمع غراس۔ مقلوعین۔ قلع: جڑ سے اکھیڑنا۔ کلف: مشکل کام کا امر کرنا۔ البستان: باغ۔ العرصۃ: میدان۔ مؤجل: ادھار۔ العقار: زمین۔ جار: پڑوسی۔ سلّم: چھوڑنا۔ ترک کرنا۔

تشریح و توضیح وَاذا ابنی المشتری الخ۔ اگر خریدار نے جو زمین خریدی ہو اس میں وہ عمارت بنالے یا باغ لگالے۔ پھر تعمیر ہوچکنے اور باغ لگانے کے بعد شفعہ کے حق کا حکم ہوجائے تو اس صورت میں حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ شفیع کو یہ حق حاصل ہوگا کہ خواہ وہ زمین مع ثمن اور منہدم شدہ تعمیر اور قیمت باغ کے ساتھ لے اور خواہ خریدار سے کہے کہ وہ اپنا ملبہ اور اکھڑے ہوئے درخت اٹھالے اور خالی زمین حاصل کرلے۔ اور حضرت امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ حق شفعہ رکھنے والا خواہ مع ثمن زمین و عمارت لے لے اور خواہ قطعاً نہ لے۔ حضرت امام شافعیؒ ان اختیارات کیساتھ اسے یہ اختیار بھی دیتے ہیں کہ وہ خریدار سے کہے کہ درخت اکھاڑ لے اور بقدر نقصان تاوان کی ادائیگی کردے۔ حضرت امام ابویوسفؒ کہتے ہیں کہ خریدار کو اس تصرف کا حق حاصل ہے اس لئے کہ اس کا تصرف اپنی خرید کردہ شے میں ہے۔ لہٰذا اسے یہ امر کرنا کہ وہ تعمیر وغیرہ اٹھالے ایک طرح ظلم پر مبنی ہوگا پس شفعہ کا حق رکھنے والا یا تو اس کی قیمت ادا کرنے کیلئے یا قطعاً ترک کردے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک خریدار کا یہ تصرف اگرچہ اپنی خرید کردہ شے میں ہے مگر حق شفیع کیونکہ اس کے ساتھ مربوط بلکہ یہ کہا جائے کہ پختہ ہوگیا ہے اس واسطے اس کے تصرف کو توڑ دیں گے۔

وان اخذھا الشفیع الخ۔ وہ زمین جس کا فیصلہ بحق شفیع ہونیکے باعث شفیع اس میں گھر بنالے یا باغ لگالے۔ اس کے بعد کوئی دعویٰ کرنیوالا اپنا مالک ہونا ثابت کردے اور فروخت کرنیوالے اور خرید نیوالے کی بیع کے متعلق باطل ہونے کا حکم کرائے اور یہ زمین شفیع سے حاصل کرکے عمارت وغیرہ اکھڑوادے تو اس صورت میں شفیع کو محض یہ حق ہوگا کہ ثمن واپس لے لے عمارت وغیرہ کی قیمت کی وصولیابی کا نہ فروخت کنندہ سے حق ہوگا اور نہ خریدار سے۔ دونوں مسئلوں میں سبب فرق یہ ہے کہ مسئلہ اولیٰ میں خریدار کے فروخت کنندہ کی جانب سے تسلط کی بناء پر شفیع اس دھوکہ میں مبتلا ہے کہ اس میں ہر طرح کے تصرف کا حق ہے اور اس جگہ خریدار کیطرف سے بحق شفیع کسی طرح کا دھوکہ نہیں پایا جاتا۔

اس لئے کہ خریدار تو اس پر مجبور ہے کہ وہ شفیع کے حوالہ کرے۔

وَاِذَا انہدمت الخ۔ اگر شفعہ کردہ زمین کسی آسمانی آفت میں مبتلا ہو جائے۔ مثال کے طور پر گھر ہو اور وہ منہدم ہو جائے یا باغ ہو اور وہ اپنے آپ سوکھ جائے تو ایسی شکل میں شفیع کو یہ حق ہوگا کہ خواہ پوری قیمت دیکر لے لے اور خواہ قطع ترک کردے اسلئے کہ تعمیر اور درخت وغیرہ کا جہاں تک تعلق ہے وہ تابع زمین ہی ہیں لہٰذا ان اشیاء کے مقابلہ قیمت کی کوئی بھی مقدار نہ آئیگی بلکہ ساری قیمت اصل زمین کی شمار ہوگی۔

اور اگر خریدار شفعہ کردہ مکان کا تھوڑا سا حصہ توڑدے تو اس صورت میں شفیع کو یہ حق ہوگا کہ خواہ فوری طور پر قیمت ادا کرکے لے لے اور خواہ اس کا انتظار کرے کہ مدت گذر جائے اور مدت گذر جانے کے بعد حاصل کرلے مگر اسے یہ حق نہ ہوگا کہ وہ ادھار لے۔ حضرت امام زفرؒ، حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمدؒ اسے ادھار لینے کا حق بھی دیتے ہیں۔ حضرت امام شافعیؒ کے قدیم قول کے مطابق بھی یہی حکم ہے۔ ان کا فرمانا یہ ہے کہ جس طریقہ سے ثمن کے کھوٹا ہونے کو اس کا وصف قرار دیا گیا اسی طریقہ سے میعادی ہونے کو بھی ایک وصفِ ثمن قرار دیا جائیگا۔ لہٰذا جس وصف کے ہوتے ہوئے تقررِ ثمن ہوا ہو اسی کے ساتھ اس کا لزوم ہوگا۔ احنافؒ فرماتے ہیں کہ میعادی ہونیکو بھی ایک وصفِ ثمن قرار دیا جائیگا لہٰذا جس وصف کے ہوتے ہوئے تقررِ ثمن ہوا ہو اسی کے ساتھ اس کا لزوم ہوگا۔ احنافؒ فرماتے ہیں کہ میعادی ہونے کو وصف قرار نہیں دیا جائیگا بلکہ اسے تو ادائیگیِ ثمن کا ایک طریقہ شمار کریں گے پس بحق شفیع اس کی گنجائش نہ ہوگی کہ وہ ادھار لے۔

ثم ردھا المشتری بخیار رؤیۃ الخ۔ کوئی مکان بیچا گیا ہو اور شفیع اس کے بارے میں اپنے شفعہ کے حق کو چھوڑ دے پھر وہی مکان خیارِ رویت یا خیارِ شرط کے باعث لوٹا دیا جائے یا اسے خیارِ عیب کے باعث لوٹا دیا جائے اور یہ لوٹانا بحکم قاضی ہوا ہو تو اس کے اندر بھی شفیع کو حقِ شفعہ نہ ہوگا اس لئے کہ حقِ شفعہ تو بعدِ بیع ہوا کرتا ہے فسخِ بیع کے بعد نہیں۔ البتہ اگر یہ خیارِ عیب کے باعث لوٹانا قاضی کے حکم کے بغیر ہو یا اقالہ کے حکم کی بناء پر ہو تو حقِ شفعہ حاصل ہوگا۔ اس لئے کہ بلا حکمِ قاضی خیارِ عیب کے باعث لوٹانا ابتداءً بمنزلۂ بیع ہوتا ہے اور اقالہ کا جہانتک تعلق ہے اسے تیسرے شخص کے حق میں بیع قرار دیا جاتا ہے۔ امام شافعیؒ، امام زفرؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک اس صورت میں بھی حقِ شفعہ حاصل نہ ہوگا۔

كتاب الشركة

(شرکت کا ذکر)

الشَّرِكَةُ عَلَى ضَرْبَيْنِ شَرِكَةُ اَمْلَاكٍ وَ شَرِكَةُ عُقُوْدٍ فَشَرِكَةُ الْاَمْلَاكِ الْعَيْنُ

شرکت کی دو قسمیں ہیں۔ شرکتِ املاک۔ اور شرکتِ عقود۔ شرکت املاک اسے کہتے ہیں کہ ایک شئے

يَرِثُهَا رَجُلَانِ أَوْ يَشْتَرِيَانِهَا فَلَا يَجُوزُ لِأَحَدِهِمَا أَنْ يَتَصَرَّفَ فِي نَصِيبِ الْآخَرِ إِلَّا بِإِذْنِهِ
کے وارث دو شخص ہوں یا دونوں نے ملکر خریدی ہو تو بلا اجازت ان میں سے ایک کو دوسرے کے حصہ میں تصرف جائز نہیں اور دوسرے
وَكُلٌّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا فِي نَصِيبِ صَاحِبِهِ كَالْأَجْنَبِيِّ.
کے حصہ میں ان میں سے ہر ایک کا حکم اجنبی کا سا ہے۔

لغات کی وضاحت

ضرب: قسم۔ نصیب: حصہ۔ اذن: اجازت۔

تشریح و توضیح

کتاب الشرکۃ الخ۔ کچھ مسائل شفعہ کا تعلق شرکت سے ہونیکے باعث اس جگہ شرکت کے مسئلے ذکر کئے گئے۔ جہانتک نفس شرکت کا تعلق ہے اس کا مشروع ہونا کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ دونوں سے ثابت ہے۔ ارشاد ربانی "فہم شرکاء فی الثلث" سے شرکت ثابت ہو رہی ہے۔

لغت کے اعتبار سے شرکت اس طریقہ سے دو حصوں کو ملا دینے کا نام ہے کہ ان کے درمیان کوئی امتیاز نہ رہ جائے علاوہ ازیں عقد شرکت پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ اور شرعی اصطلاح کے لحاظ سے شرکت ایسے عقد کا نام ہے کہ جس کا وقوع نفع میں بھی ہو اور رأس المال میں بھی۔ لہٰذا اگر یہ شرکت رأس المال میں نہ ہو اور اشتراک محض نفع میں ہو تو اس کا نام مضاربت ہوگا اور اگر نفع میں نہ ہو بلکہ فقط راس المال میں ہو تو اسے بضاعت کہا جاتا ہے۔

الشرکۃ علی ضربین الخ۔ شرکت دو قسموں پر مشتمل ہے۔ ایک شرکت املاک اور دوسری شرکت عقود۔ شرکت املاک تو اسے کہا جاتا ہے کہ جس میں کم از کم دو اشخاص کو بطور ہبہ یا بطور وراثت یا بطور صدقہ یا خریدنے وغیرہ کے ذریعہ معین چیز پر ملکیت حاصل ہوگئی ہو۔ حکم شرکت یہ ہے کہ اس کے اندر دونوں شریکوں میں سے ہر شریک کی دوسرے کے حصہ کے اعتبار سے حیثیت اجنبی کی سی ہوتی ہے کہ جس طرح اجنبی کو بلا اجازت تصرف کا حق نہیں ہوتا۔ ٹھیک اسی طرح ایک کو دوسرے کے حصہ میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف کرنا جائز نہیں ہوتا۔

شرکت عقود کے اقسام وغیرہ کی تفصیل اور مکمل وضاحت آگے آرہی ہے۔

وَالضَّرْبُ الثَّانِي شَرِكَةُ الْعُقُودِ وَهِيَ عَلَى أَرْبَعَةِ أَوْجُهٍ مُفَاوَضَةٌ وَعِنَانٌ وَشَرِكَةُ الصَّنَائِعِ
اور قسم دوم یعنی شرکت عقود چار قسموں پر مشتمل ہے۔ (۱) مفاوضہ (۲) شرکت عنان (۳) شرکت صنائع۔
وَشَرِكَةُ الْوُجُوهِ فَأَمَّا شَرِكَةُ الْمُفَاوَضَةِ فَهِيَ أَنْ يَشْتَرِطَ الرَّجُلَانِ فَيَتَسَاوِيَانِ فِي مَالِهِمَا
(۴) شرکت وجوہ۔ شرکت مفاوضہ اسے کہتے ہیں کہ دو اشخاص نے یہ شرط کرلی ہو کہ مال اور تصرف اور قرض کے اعتبار
وَتَصَرُّفِهِمَا وَدَيْنِهِمَا فَيَجُوزُ بَيْنَ الْحُرَّيْنِ الْمُسْلِمَيْنِ الْبَالِغَيْنِ الْعَاقِلَيْنِ وَلَا يَجُوزُ بَيْنَ
سے دونوں میں مساوات رہے گی تو یہ شرکت دو عاقل بالغ آزاد مسلمان اشخاص کے درمیان درست ہوگی اور آزاد و
الْحُرِّ وَالْمَمْلُوكِ وَلَا بَيْنَ الصَّبِيِّ وَالْبَالِغِ وَلَا بَيْنَ الْمُسْلِمِ وَالْكَافِرِ وَتَنْعَقِدُ عَلَى الْوَكَالَةِ
غلام اور بالغ و نابالغ اور مسلم و کافر کے بیچ درست نہ ہوگی اور اس کا انعقاد وکالت و

وَالکفالۃِ وَمَا یشتریہِ کلٌّ وَاحِدٍ منھُمَا یکونُ علی الشرکۃِ اِلّا طعامَ اَھلِہٖ وَکِسوتَھُم وَ مَا
کفالت پر ہو جاتا ہے اور ان دونوں میں سے جو بھی خریدے گا اس کا دونوں میں اشتراک ہوگا البتہ اہل وعیال کا کھانا اور کپڑا شرکت
یَلزَمُ کُلَّ وَاحِدٍ مِنَ الدیونِ بَدَلًا عَمّا یصِحُّ فیہِ الاشتراکُ فالاٰخرُ ضامِنٌ لہٗ فاِن وَرِثَ
سے مستثنیٰ ہوگا اور ان میں سے ایک پر کسی ایسی شے کے بدلہ میں قرض کا لزوم ہو جس کے اندر شرکت درست ہو تو دوسرا شریک اسکا ضامن
اَحَدُھُمَا مَالًا تصِحُّ فیہِ الشرکۃُ اَو وُھِبَ لہٗ وَوَصَلَ اِلیٰ یَدِہٖ بَطَلَتِ المُفاوضۃُ وَصَارَتِ
شمار ہوگا اور اگر دونوں میں سے ایک کسی ایسی شے کا وارث بن جائے جس کے اندر شرکت درست ہو یا یہ کہ اسے ہبہ کردی جائے اور وہ اسپر
الشرکۃُ عنانًا وَلَا تنعقِدُ الشرکۃُ اِلّا بالدَّراھِمِ وَالدَّنانیرِ وَالفلوسِ النافقۃِ وَلَا یجوزُ فیمَا
قابض ہوگیا ہو تو مفاوضہ باطل ہوکر یہ شرکت عنان بن جائیگی اور شرکت کا انعقاد دراہم ودنانیر اور مروجہ پیسوں میں ہی ہوتا ہے ان کے علاوہ میں
سویٰ ذٰلکَ اِلّا اَن یتعامَلَ النَّاسُ بہٖ کالتبرِ وَالنقرۃِ فتصِحُّ الشرکۃُ بھِمَا وَاِن اَرَادَ
شرکت درست نہیں البتہ اگر لوگوں میں اس کا تعامل ہو جائے مثلاً سونے اور چاندی کی ڈلی سے معاملہ کیا تو ان کے ساتھ بھی شرکت درست ہوگی
الشرکۃَ بالعروضِ بَاعَ کُلُّ وَاحِدٍ منھُمَا نصفَ مَالِہٖ بنِصفِ مَالِ الاٰخرِ ثُمَّ عقدَ الشرکۃَ۔
اور اگر شرکت اسباب میں مقصود ہو تو ان میں سے ہر ایک اپنے نصف مال کو دوسرے کے نصف کے بدلہ بیچ کر شرکت کرلے۔

لغات کی وضاحت: اَوجُہ: وجہ کی جمع: قسم۔ مفاوضہ: برابری۔ دَین: قرض۔ الحرّ: آزاد۔ التبر: سونے کا بغیر ڈھلا ہوا ڈھیلا۔ نقرۃ: چاندی کا ایسا ٹکڑا جسے پگھلایا گیا ہو۔

تشریح وتوضیح: فاما شرکۃ المفاوضۃ الخ۔ شرکت عقود حسب ذیل چار قسموں پر مشتمل ہے (۱) شرکتِ مفاوضہ (۲) شرکتِ عنان (۳) شرکتِ صنائع (۴) شرکتِ وجوہ۔

مفاوضہ کے معنیٰ برابری کے آتے ہیں۔ یعنی ہر بات میں مساوات۔ اور اصطلاحی اعتبار سے شرکتِ مفاوضہ اسے کہا جاتا ہے کہ شریکوں میں سے ہر ایک مال کے اندر تصرف کرنے اور قرض کے اعتبار سے مساوی ہوں۔ تو یہ شرکتِ مفاوضہ ایسے دو اشخاص کے درمیان درست ہوگی جو عاقل بالغ مسلمان اور آزاد ہوں۔ اگر ان میں سے ایک آزاد ہو اور دوسرا غلام تو شرکت درست نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر دونوں شریکوں میں سے ایک شریک بالغ اور دوسرا نابالغ ہو تو شرکت صحیح نہ ہوگی۔

وجہ ظاہر ہے کہ عاقل بالغ آزاد شخص کو ہر طرح کے تصرف کا خود حق حاصل ہے اور اس کے برعکس غلام کو بلا اجازتِ آقا تصرف کا حق حاصل نہیں۔ ایسے ہی نابالغ کو ولی کی اجازت کے بغیر حق تصرف نہیں۔ اسی طرح امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ یہ شرکت مسلم اور کافر کے بیچ بھی درست نہ ہوگی کہ دونوں کے دین میں مساوات نہیں۔

وتنعقد علی الوکالۃ الخ۔ شرکتِ مفاوضہ کے اندر اسے بھی شرط قرار دیا گیا کہ دونوں شریکوں میں سے ہر ایک دوسرے کا وکیل بھی ہو اور کفیل بھی تاکہ خریدی جانیوالی چیز میں تحقق شرکت ممکن ہو۔ اس لئے کہ دونوں شریکوں میں سے ایک کے ذریعہ خریدی جانیوالی چیز دوسرے کی ملکیت میں آنیکی صورت یہی ہے کہ اسے اس کی ولایت میسر ہو

اوراس جگہ حصولِ ولایت بغیر ولایت ممکن نہیں۔

ضروری تنبیہ : حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ شرکتِ مفاوضہ کو درست قرار نہیں دیتے۔ امام مالکؒ نے یہ فرمایا کہ مجھے معلوم نہیں مفاوضہ کیا ہے۔ اور از روئے قیاس یہ بات اپنی جگہ درست بھی ہے اس لئے کہ اس کے اندر وکالت ہو یا کفالت وہ مجہول الجنس کی ہوا کرتی ہے جو درست نہیں۔ مگر اسے استحساناً درست قرار دیا جاتا ہے اور جائز ہونیکا سبب لوگوں کا تعامل ہے کہ عموماً اس طرح کا معاملہ بلا تامل لوگ کرتے ہیں اور لوگوں کے تعامل کے مقابلہ میں قیاس ترک کردیا جاتا ہے۔ رہ گیا وکالتِ مجہول الجنس کا عدمِ جواز۔ تو اس کا جواب یہ دیا گیا کہ اگرچہ بالاراد وکالت بالمجہول درست نہیں مگر ضمنی اعتبار سے درست ہے۔

ومایشتریہ کل واحد منہما الخ۔ شرکتِ مفاوضہ کے انعقاد کی صورت میں شریکوں میں سے جس شریک نے جو چیز خریدی اس میں اشتراک ہوگا۔ اس واسطے کہ عقد کا تقاضہ برابری ہے اور شریکوں میں سے ہر ایک دوسرے کا قائم مقام شمار ہوتا ہے تو ایک کی خریداری گویا دوسرے کی خریداری ہے۔ البتہ ایسی چیزوں کو باہمی شرکت سے مستثنیٰ قرار دیا گیا جن کا تعلق ہمیشہ کی ضروریات سے ہے۔ مثلاً اہل وعیال کا کھانا کپڑا وغیرہ۔

فان ورث احدھما الخ۔ دراہم ودنانیر اور مروجہ پیسے یعنی ایسی چیزیں جن میں شرکت درست ہے ان میں سے اگر کوئی چیز ایک شریک کو ہبہ کے طور پر یا وراثت کے طور پر مل جائے تو اس کے اندر شرکتِ مفاوضہ باطل وکالعدم قرار دیجائیگی۔ اس لئے کہ شرکتِ مفاوضہ کا جہانتک تعلق ہے اس میں جیسے آغاز میں مالی برابری شرط ہے ایسے ہی بقائً بھی مالی برابری کو شرط قرار دیا گیا اور اس جگہ بقائً برابری نہیں رہی۔

وان اراد الشرکۃ بالعروض الخ۔ اگر کوئی دراہم ودنانیر کے بجائے سامان وغیرہ میں شرکتِ مفاوضہ کرنا چاہے تو یہ درست نہ ہوگی۔ البتہ اس کے درست ہونیکی شکل یہ ہے کہ دونوں شریکوں میں سے ہر شریک اپنے آدھے حصہ کے بدلہ بیچدے اور پھر دونوں شرکت کرلیں اسواسطے کہ اب دونوں کا اشتراک بواسطۂ عقد بیع قیمت میں ہوگیا اور یہ درست نہ رہا کہ ایک شریک دوسرے کے حصہ کے اندر تصرف کرے۔

پھر عقدِ شرکت کے باعث یہ شرکتِ ملک شرکتِ عقد بن گئی اور اب دونوں شریکوں میں سے ہر ایک کو دوسرے کے حصہ میں تصرف کرنا درست ہوگیا اور ایک دوسرے کے حصہ میں تصرف کے عدمِ جواز کا سابق حکم برقرار نہ رہا۔

وَاَمَّا شَرِکَۃُ العِنَانِ فَتَنْعَقِدُ عَلَی الوَکَالَۃِ دُوْنَ الکَفَالَۃِ وَیَصِحُّ التَّفَاضُلُ فِی المَالِ وَیَصِحُّ
اور شرکتِ عنان کا انعقاد وکالت پر ہوتا ہے کفالت پر نہیں۔ اور یہ درست ہے کہ مال کم زیادہ ہو اور درست ہے
اَنْ یَتَسَاوَیَا فِی المَالِ وَیَتَفَاضَلَا فِی الرِّبْحِ وَیَجُوْزُ اَنْ یَعْقِدَھَا کُلُّ وَاحِدٍ مِنْھُمَا بِبَعْضِ مَالِہٖ
کہ مال مساوی ہو اور نفع کے اندر کمی بیشی ہو۔ اور یہ درست ہے کہ شریکوں میں سے ہر ایک اپنے کچھ مال کے ساتھ
دُوْنَ بَعْضٍ وَلَا تَصِحُّ اِلَّا بِمَا بَیَّنَّا اَنَّ المُفَاوَضَۃَ تَصِحُّ بِہٖ وَیَجُوْزُ اَنْ یَشْتَرِکَا وَمِنْ
شریک ہو پورے کیساتھ نہ ہو۔ اور درست نہیں لیکن وہی صورت جو ہم ذکر کرچکے کہ شرکتِ مفاوضہ اسکے ساتھ درست ہے اور دونوں

جِهَةِ اَحَدِهِمَا دَنَانِيْرُ وَمِنْ جِهَةِ الْاٰخَرِ دَرَاهِمُ وَمَا اشْتَرَاهُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا لِلشَّرِكَةِ طُوْلِبَ
کی اسطرح شرکت درست ہے کہ ایک کی جانب سے دینار ہوں اور دوسرے کیجانب سے درہم اور ان میں سے جو کوئی برلئے شرکت خریداری کریگا ثمن
بِثَمَنِهٖ دُوْنَ الْاٰخَرِ وَيَرْجِعُ عَلٰى شَرِيْكِهٖ بِحِصَّتِهٖ مِنْهُ وَاِذَا هَلَكَ مَالُ الشَّرِكَةِ اَوْ اَحَدُ الْمَالَيْنِ
اسی سے طلب کیا جائیگا دوسرے سے طلب نہیں کیا جائیگا اور وہ اپنے شریک سے اسی قدر وصول کرلیگا اور اگر کل مالِ شرکت تلف ہوجائے یا کسی ایک کا مال
قَبْلَ اَنْ يَشْتَرِيَا شَيْئًا بَطَلَتِ الشَّرِكَةُ وَاِنِ اشْتَرٰى اَحَدُهُمَا بِمَالِهٖ شَيْئًا وَهَلَكَ مَالُ
کوئی شے خریدنے سے قبل تلف ہوجائے تو شرکت باطل شمار ہوگی اور اگر شریکوں میں سے اپنے مال کے ذریعہ کوئی شے خریدلے اور دوسرے شریک کا
الْاٰخَرِ قَبْلَ الشِّرَاءِ فَالْمُشْتَرٰى بَيْنَهُمَا عَلٰى مَا شَرَطَا وَيَرْجِعُ عَلٰى شَرِيْكِهٖ بِحِصَّتِهٖ مِنْ ثَمَنِهٖ
مال کچھ خریدنے سے قبل تلف ہوجائے تو خریدکردہ شے میں بموافقِ شرط دونوں کا اشتراک ہوگا اور خریدنے والا شریک کے حصہ کیموافق اس سے
وَتَجُوْزُ الشَّرِكَةُ وَاِنْ لَمْ يَخْلِطَا الْمَالَ وَلَا تَصِحُّ الشَّرِكَةُ اِذَا اشْتَرَطَ لِاَحَدِهِمَا دَرَاهِمَ
ثمن وصول کریگا اور شرکت درست ہوگی خواہ انھوں نے مال مخلوط نہ کیا ہو۔ اور دونوں میں سے کسی ایک کیواسطے نفع کے متعین دراہم کی شرط
مُسَمَّاةً مِنَ الرِّبْحِ وَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنَ الْمُفَاوِضَيْنِ وَشَرِيْكَيِ الْعِنَانِ اَنْ يُبْضِعَ الْمَالَ وَيَدْفَعَهُ
کرلینے پر شرکت درست نہ ہوگی۔ شرکتِ مفاوضہ اور شرکتِ عنان کے ہر شریک کیواسطے مال بطریقِ بضاعت و مضاربت دینا درست ہے۔
مُضَارَبَةً وَيُوَكِّلَ مَنْ يَتَصَرَّفُ فِيْهِ وَيَرْهَنَ وَيَسْتَرْهِنَ وَيَسْتَاجِرَ الْاَجْنَبِيَّ عَلَيْهِ وَيَبِيْعَ
اور کسی شخص کو وکیل بالتصرف بنانا اور رہن رکھدینا اور خود رہن رکھ لینا اور کسی اجنبی شخص کو ملازم رکھنا اور نقد و
بِالنَّقْدِ وَالنَّسِيْئَةِ وَيَدُهٗ فِي الْمَالِ يَدُ اَمَانَةٍ وَاَمَّا شَرِكَةُ الصَّنَائِعِ فَالْخَيَّاطَانِ وَالصَّبَّاغَانِ
ادھار خرید و فروخت کرنا درست ہے، اور مال پر اس کا قابض ہونا قبضۂ امانت شمار ہوگا اور شرکتِ صنائع اسکا نام ہے دو درزیوں یا رنگنے والوں
يَشْتَرِكَانِ عَلٰى اَنْ يَتَقَبَّلَا الْاَعْمَالَ وَيَكُوْنَ الْكَسْبُ بَيْنَهُمَا فَيَجُوْزُ ذٰلِكَ وَمَا يَتَقَبَّلُهٗ كُلُّ وَاحِدٍ
کی کام لینے پر شرکت ہو۔ اور یہ کمائی کی تقسیم دونوں کے درمیان کیجائے گی تو یہ درست ہے اور شریکوں میں سے جس شریک نے بھی کام لیا اسکا
مِنْهُمَا مِنَ الْعَمَلِ يَلْزَمُهٗ وَيَلْزَمُ شَرِيْكَهٗ فَاِنْ عَمِلَ اَحَدُهُمَا دُوْنَ الْاٰخَرِ فَالْكَسْبُ بَيْنَهُمَا نِصْفَانِ۔
لزوم اس پر اور اسکے شریک پر ہوگا۔ پس اگر دونوں میں سے صرف ایک نے کام کیا تو دونوں کے درمیان کمائی برابر برابر تقسیم ہوگی۔

لغت کی وضاحت: التفاضل: کمی بیشی۔ ان یتساویا فی المال: مال میں دونوں کی برابری۔ دنانیر۔ دینار کی جمع۔ جھۃ: طرف۔ الآخر: دوسرا۔ دراھم: درہم کی جمع۔ یخلطا: مخلوط کرنا۔ ملانا۔ یستاجر: اجرت پر رکھنا۔ الصنائع۔ صنعت کی جمع: کاریگری۔ الخیاطان۔ خیاط کا تثنیہ: درزی۔ الکسب: آمدنی۔ کمائی۔

تشریح و توضیح: واما شرکۃ العنان الخ۔ صاحب کتاب نے شرکت کی جو قسمیں بیان فرمائی ہیں انمیں قسم دوم شرکتِ عنان کہلاتی ہے۔ شرکتِ عنان کا جہاں تک تعلق ہے اس کا انعقاد محض وکالت پر ہوتا ہے، کفالت پر سرے سے ہوتا ہی نہیں۔ شرکتِ عنان میں تفصیل یہ ہے کہ دونوں شریکوں

میں سے ہر شریک خواہ مال اور نفع کے اعتبار سے برابر ہو یا ان کے درمیان مال اور نفع کے اعتبار سے فرق اور کمی بیشی ہو اور خواہ دونوں شریکوں نے تجارت کی ہو یا ان میں محض ایک نے بہرصورت یہ شرکت درست قرار دیجائیگی۔ البتہ سارا نفع محض ایک شریک کیلئے قرار دینے کی صورت میں یہ شرکت درست نہ ہوگی۔ اس لئے کہ اس صورت میں دراصل شرکت ہی باقی نہیں رہتی بلکہ اس کی حیثیت قرض یا بضاعت کی ہو جاتی ہے۔ اگر سارے نفع کو عمل کرنیوالے کیواسطے قرار دیا جائے تو یہ قرض ہوگا اور مال والے کیواسطے ہونیکی شکل میں بضاعت قرار دیں گے۔ ائمہ اربعہ میں حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ عقودِ شرکت میں سے محض شرکتِ عنان کو درست فرماتے ہیں۔

ویصح ان یتساویا فی المال ویتفاضلا فی الربح الخ۔ اگر شرکتِ عنان میں اسطرح ہو کہ دونوں شریکوں میں سے ہر شریک کے مال میں مساوات ہو اور نفع دونوں کے درمیان مساوی نہ ہو بلکہ کم اور زیادہ ہو تو عند الاحناف اسے درست قرار دیا جائیگا۔ حضرت امام زفرؒ اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک یہ درست نہیں کہ دونوں شریکوں میں سے کسی ایک شریک کیواسطے اس کے مال کے حصہ و مقدار سے بڑھ کر نفع متعین کیا جائے۔

احناف فرماتے ہیں کہ نفع کا جہاں تک تعلق ہے اس کا استحقاق بعض اوقات بواسطۂ مال اور بعض اوقات بواسطۂ عمل ہوا کرتا ہے۔ لہٰذا دونوں واسطوں سے استحقاق کی صورت میں بیک وقت دونوں کے واسطہ سے بھی استحقاق ممکن ہے۔ علاوہ ازیں بسا اوقات دونوں عقد کرنیوالوں میں سے ایک کو زیادہ مہارت حاصل ہوتی ہے اور اس کا تجربہ بڑھا ہوا ہوتا ہے اور وہ اس بنا پر اسکے واسطے آمادہ نہیں ہوتا کہ ہونیوالے نفع میں دونوں شریک برابر ہوں اور اس بناء پر فرق اور کمی بیشی کی احتیاج ہوتی ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ نفع اس کے مطابق ہے جو کہ طے کر لیا جائے اور اس میں برابری اور کمی بیشی کی کوئی تفصیل نہیں۔

ببعض ماله الخ۔ اگر ایسا ہو کہ دونوں شریکوں میں سے ہر شریک باہم پورے مال کے بجائے کچھ حصۂ مال کے ساتھ شرکت کرے تو اس میں بھی مضائقہ نہیں اس لئے کہ شرکتِ عنان میں مساوات کو شرطِ صحت قرار نہیں دیا گیا۔ علاوہ ازیں اگر مختلف الجنس چیزوں کے ساتھ شرکت ہو تو یہ بھی اپنی جگہ درست ہے۔ اس لئے کہ عند الاحنافؒ شرکتِ عنان کے اندر مال کے مخلوط ہونے اور ملانے کی بھی شرط نہیں۔ امام زفرؒ اسے درست قرار نہیں دیتے۔ احناف فرماتے ہیں کہ ایسے بہت سے احکام ہیں جن کے اندر دیناروں اور درہموں کو ایک ہی درجہ میں شمار کیا گیا۔ مثلاً زکوٰۃ کے سلسلہ میں دونوں کو باہم ملا لیتے ہیں لہٰذا درہموں اور دیناروں پر عقد کو یہ کہا جائیگا کہ گویا عقد ایک ہی جنس پر کیا گیا۔

واما شرکۃ الصنائع الخ۔ شرکتِ عقد کی قسمِ سوم کو شرکتِ صنائع کہتے ہیں۔ اسی کے دوسرے نام شرکتِ ابدان شرکتِ اعمال اور شرکتِ تقبل بھی ہیں۔ شرکتِ صنائع یہ ہے کہ دو پیشہ والے مثال کے طور پر ایک رنگریز اور ایک درزی کا اس پر اتفاق ہو جائے کہ وہ ہر ایسا کام قبول کریں گے جو ممکن الاستحقاق ہو اور اس سے حاصل شدہ کمائی میں دونوں کی شرکت ہوگی تو اس کے بعد دونوں شریکوں میں سے جس نے بھی کام لیا وہ دونوں کو انجام دینا لازم ہو جائیگا اور جو اجرت ایک شریک کے کام سے ملیگی اس میں شرط کے مطابق دونوں کے درمیان تقسیم ہوگی خواہ

دوسرے شریک نے وہ کام انجام دیا ہو یا نہ دیا ہو۔ حضرت امام شافعیؒ اس شرکت کو درست قرار نہیں دیتے۔

وَ اَمَّا شرکۃُ الوجوہِ فالرجلانِ یشترکانِ ولا مالَ لہُمَا علیٰ اَنْ یشتریا بوجوہِہِمَا ویبیعَا فتصحّ
اور شرکتِ وجوہ اسے کہتے ہیں کہ دو ایسے آدمیوں کا باہم اشتراک ہو جن کے پاس مال نہ ہو اس شرط کیساتھ کہ وہ اپنے اپنے اعتبار پر خریداری کرینگے اور
الشرکۃُ علیٰ ھٰذا وکلُّ واحدٍ منہُمَا وکیلُ الآخرِ فیما یشتریہ فانْ شرطا اَنْ یکونَ المشتریٰ
بیچیں گے تو اس طریقہ سے اشتراک درست ہوگا اور دونوں شریکوں میں سے ہر ایک شریک دوسرے کا وکیل خرید کردہ چیز میں ہوگا اور اگر خرید کردہ شے کے دونوں
بینہما نصفانِ فالربحُ کذٰلکَ ولایجوزُ ان یتفاضلَا فیہِ وَاِنْ شرطا انّ المشتریٰ بینہما اثلاثًا
کے درمیان مشترک ہونیکی شرط کرلی گئی تو پھر نفع بھی آدھا آدھا ہوگا اور نفع میں کمی بیشی درست نہ ہوگی اور اگر خرید کردہ شے دونوں میں تین تہائی ہونیکی
فالربحُ کذٰلکَ ولایجوزُ الشرکۃُ فی الاحتطابِ والاحتشاشِ والاصطیادِ ومَا اصطادَہٗ
شرط لگائی گئی تو نفع بھی اسی کے مطابق ہوگا اور لکڑیاں لانے اور گھاس اکٹھی کرنے اور شکار کرنے میں شرکت درست نہ ہوگی اور شریکوں میں
کلُّ واحدٍ منہُمَا اَوْ احتطبہٗ فہو لہٗ دُونَ صاحبِہٖ وَاِذا اشترکَا ولاحدِہِما بغلٌ وللآخرِ
سے شکار کرنے والا یا لکڑیاں لانیوالا ہی اس کا مالک ہوگا دوسرا نہ ہوگا اور اگر دو آدمی اس طرح شرکت کریں کہ ایک کا تو خچر ہو اور دوسرے
راویۃٌ یستقی علیہا الماءَ والکسبُ بینہما لمْ تصحّ الشرکۃُ والکسبُ کلّہ للذی استقی الماءَ
کا جرس ہو کہ اس کے ذریعہ پانی کھینچا جائے اور کمائی دونوں کے درمیان مشترک ہو تو شرکت درست نہ ہوگی اور ساری کمائی پانی کھینچنے والے
وعلیہِ اجرُ مثلِ البغلِ وکلُّ شرکۃٍ فاسدۃٍ فالربحُ فیہا علیٰ قدرِ راسِ المالِ ویبطلُ شرطُ
کی ہوگی اور اس پر لازم ہوگا کہ وہ خچر کی اجرتِ مثل دے اور ہر شرکتِ فاسدہ میں نفع اصل مال کے اعتبار سے بانٹا جائیگا اور کمی زیادتی کی شرط
التفاضلِ وَاِذا ماتَ احدُ الشریکَینِ اَوْ ارتدّ ولحقَ بدارِ الحربِ بطلتِ الشرکۃُ ولیسَ
باطل قرار دیجائیگی اور اگر ایک شریک کا انتقال ہو جائے یا اسلام سے پھر کر دار الحرب چلا گیا تو شرکت باطل قرار دیجائیگی۔ اور شریکوں میں
لِواحدٍ منَ الشریکَینِ اَنْ یؤدّیَ زکوٰۃَ مالِ الآخرِ الّا باذنِہٖ فانْ اَذِنَ کلُّ واحدٍ منہُمَا
سے کسی شریک کیواسطے دوسرے کے مال کی زکوٰۃ بلا اجازت دینا درست نہیں۔ اور اگر شریکوں میں سے ہر ایک دوسرے شریک کو
لصاحبِہٖ اَنْ یؤدّیَ زکوٰتَہٗ فادّیٰ کلُّ واحدٍ منہما فالثانی ضامنٌ سواءٌ عَلِمَ باداءِ الاوّلِ
ادائیگیٔ زکوٰۃ کی اجازت دیدے اور ان میں سے ہر شریک زکوٰۃ ادا کردے تو بعد میں ادا کرنیوالے پر ضمان آئیگا چاہے اسے پہلے کے دینے
اَوْ لمْ یعلمْ عندَ اَبی حنیفۃَ رحمہُ اللّٰہُ وقالا رحمہُمَا اللّٰہُ اِنْ لمْ یعلمْ لمْ یضمنْ۔
کی اطلاع ہو یا اطلاع نہ ہو امام ابوحنیفہؒ یہی فرماتے ہیں اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک عدمِ علم کی صورت میں ضمان نہ آئیگا۔

لغات کی وضاحت: المشتریٰ: خرید کردہ چیز۔ الربح: نفع۔ احتطاب: لکڑیاں اکٹھی کرنا۔ راویۃ: جرس
الکسب: آمدنی۔ قدر: مقدار۔ رأس المال: اصل مال۔ لحق: مل جانا۔

تشریح و توضیح

وَاَمّا شرکۃ الوجوہ الخ. یہاں صاحبِ کتاب شرکت کی قسم چہارم یعنی شرکتِ وجوہ کے متعلق ذکر فرمارہے ہیں۔ شرکتِ وجوہ کی شکل یہ ہوا کرتی ہے کہ دونوں شریکوں میں سے کوئی شریک بھی مال نہیں رکھتا اور وہ محض اپنے اثر ورسوخ اور ساکھ واعتماد کی بنیاد پر مختلف تاجروں سے سامان ادھار لے آتے ہیں اور پھر یہ سامان بیچ کر نفع کے اندر دونوں کی شرکت ہو جاتی ہے تو شرکت کی اس شکل کو بھی درست قرار دیا گیا۔ اس کے اندر خرید کردہ شے کے لحاظ سے نفع کی تقسیم ہوا کرتی ہے یعنی اگر شریکین کسی شئ کو آدھی آدھی خریدیں تو پھر نفع کی تقسیم بھی اسی طرح ہوگی اور اگر ایک نے ایک تہائی کی خریداری کی اور دوسرے نے دو تہائی کی تو نفع بھی اسی لحاظ سے تقسیم ہوگا۔ اگر کوئی شریک اس طرح کی شرط لگائے کہ زیادہ نفع اس کا ہوگا تو یہ شرط باطل قرار دیجائیگی۔ حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ اس شرکت کو بھی درست قرار نہیں دیتے۔

وَلا یجوز الشرکۃ فی الاحتطاب الخ. صاحبِ کتاب اس جگہ سے شرکتِ فاسدہ کے احکام ذکر فرمارہے ہیں۔ شرکتِ فاسدہ اسے کہا جاتا ہے کہ جس میں ان شرائط میں سے کسی شرط کا وجود نہ ہو جو کہ شرکت صحیح ہونے کیلئے ہوں۔ اور ایسی اشیأ جو اصل کے اعتبار سے مباح ہوں۔ مثال کے طور پر لکڑیاں اور گھاس وغیرہ۔ تو ان کے حصول میں شرکت کو درست قرار نہ دیں گے اس لئے کہ شرکت کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ مشتمل علی الوکالۃ ہو اور مباح چیزوں کے حصول میں وکالت ممکن نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ مباح اشیاء کا جہاں تک تعلق ہے ان پر خود وکیل بنانے والے کو ملکیت حاصل نہیں ہوتی۔ پس اسے اس کا بھی حق نہ ہوگا کہ وہ کسی دوسرے کو اپنا قائم مقام بنائے۔

ولاحدھما بغل الخ. اگر ایک شخص اپنے پاس خچر رکھتا ہو اور دوسرے کے پاس پانی کھینچنے کی خاطر چرس یا مشکیزہ ہو اور پھر دونوں کا اس میں اشتراک ہو جائے کہ وہ پانی ان کیواسطہ سے لایا کریں گے اور اس سے ہونیوالی آمدنی کی تقسیم دونوں کے درمیان ہوجایا کرے گی تو اس شرکت کو درست قرار نہیں دیا جائیگا اس لئے کہ اس کا انعقاد بلاروک ٹوک سب کیلئے فائدہ اٹھانیوالی، مباح شے پر ہوا۔ پس ہونیوالی آمدنی کا مالک پانی لانیوالا ہوگا اور خچر کے مالک کو خچر کی اجرتِ مثل دینے کا حکم ہوگا اس لئے کہ پانی مباح ہونیکے باعث اکٹھا کرنیوالا اس کا مالک ہوگیا اور اس نے گویا بذریعہ عقدِ فاسد دوسرے کی ملکیت دخچر سے نفع حاصل کیا۔

وَکل شرکۃ فاسدۃ الخ. اگر ایسا ہو کہ کسی بنا پر شرکت فاسد ہوگئی ہو تو اس صورت میں ہونیوالے نفع پر ملکیت مقدارِ مال کے اعتبار سے ہوگی خواہ زیادہ کی شرط کیوں نہ کی جاچکی ہو اگر سارے مال کا مالک ایک ہی شریک ہو تو اس صورت میں دوسرا شریک محنت کی اجرت پائیگا۔

قنیہ کے اندر لکھا ہے کہ کوئی شخص کشتی کا مالک ہوا اور وہ چار آدمیوں کو اس شرط کے ساتھ شریک کرلے کہ وہ کشتی چلائیں گے اور ہونیوالے نفع میں سے پانچواں حصہ مالک کیلئے ہوگا اور باقی نفع چاروں کے بیچ مساوی تقسیم ہوگا تو اس شرکت کو فاسد قرار دیں گے اور سارے نفع کا مالک کشتی والا ہوگا اور چاروں شریکوں کے لئے اجرتِ مثل ہوگی۔

اَنۡ یُّؤدِّیَ زکوٰۃَ مالِ الاٰخرِ الخ. کسی شریک کو یہ حق نہیں کہ وہ اس کے حصہ کی زکوٰۃ بلا اجازت اس کے مال سے ادا کرے اس واسطے کہ شریکوں میں سے ہر شریک کو جو محض تجارتی امور میں اختیارِ تصرف حاصل ہے اور زکوٰۃ اس زمرہ سے الگ ہے اور اگر ایسا ہو کہ دونوں شریکوں میں سے ہر شریک اس کی اجازت دیدے کہ وہ اس کی زکوٰۃ اس کے مال سے ادا کردے اور پھر وہ یکے بعد دیگرے ادائیگی زکوٰۃ کریں تو اس صورت میں حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ بعد میں زکوٰۃ ادا کرنے والے پر ضمان لازم آئیگا چاہے دوسرے شریک کی ادائیگی زکوٰۃ کا اسے علم ہوا ہو نہ ہو۔ حضرت امام ابویوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ عدم علم کی صورت میں ضمان نہ آئیگا اور دونوں کے بیک وقت ادا کرنے پر دونوں ضامن قرار دیئے جائیں گے اور پھر دونوں ایک دوسرے سے وصول کرلیں گے اور دونوں میں کسی ایک کے مال کے زیادہ ہونیکی صورت میں وہ زیادہ مقدار وصول کرلے گا۔

کتابُ المُضَارَبَۃِ

بیع مضاربت کا ذکر

اَلْمُضَارَبَۃُ عَقْدٌ عَلَی الشَّرِکَۃِ فِی الرِّبْحِ بِمَالٍ مِنْ اَحَدِ الشَّرِیْکَیْنِ وَعَمَلٍ مِنَ الْاٰخَرِ وَلَا

مضاربت ایک ایسے عقدِ شرکت کا نام ہے کہ نفع کے اندر دونوں شریک ہوں اور ایک کا مال ہو اور دوسرے کا عمل۔ اور مضاربت

تَصِحُّ الْمُضَارَبَۃُ اِلَّا بِالْمَالِ الَّذِیْ بَیَّنَّا اَنَّ الشَّرِکَۃَ تَصِحُّ بِہٖ وَمِنْ شَرْطِہَا اَنْ یَکُوْنَ

اسی مال کے ذریعہ درست ہوگی جس میں شرکت کا صحیح ہونا ہم نے بیان کیا۔ شرط مضاربت شریکوں کے درمیان نفع کا اس طرح

الرِّبْحُ بَیْنَہُمَا مُشَاعًا لَا یَسْتَحِقُّ اَحَدُہُمَا مِنْہُ دَرَاہِمَ مُسَمَّاۃً وَلَا بُدَّ اَنْ یَکُوْنَ الْمَالُ مُسَلَّمًا

اشتراک ہے کہ ان میں سے کسی معین دراھم کا استحقاق نہ ہو ۔ اور یہ بھی لازم ہے کہ مضاربت کرنیوالے کے مال کو اس طرح

اِلَی الْمُضَارِبِ وَلَا یَدَ لِرَبِّ الْمَالِ فَاِذَا صَحَّتِ الْمُضَارَبَۃُ مُطْلَقًا جَازَ لِلْمُضَارِبِ اَنْ

حوالہ کیا جائے کہ اس پر مالک کسی نوع سے قابض نہ ہو پھر مطلقاً مضاربت صحیح ہونے پر مضاربت کے واسطے خریدنا اور بیچنا اور سفر

یَشْتَرِیَ وَیَبِیْعَ وَیُسَافِرَ وَیُبْضِعَ وَیُوَکِّلَ وَلَیْسَ لَہٗ اَنْ یَدْفَعَ الْمَالَ مُضَارَبَۃً اِلَّا اَنْ یَاْذَنَ

اور اسے بضاعت پر حوالہ کرنا اور وکیل بنانا جائز ہوگا البتہ اس کے لئے مضاربت پر مال دینا درست ہوگا الایہ کہ صاحب

لَہٗ رَبُّ الْمَالِ فِیْ ذٰلِکَ اَوْ یَقُوْلَ لَہٗ اِعْمَلْ بِرَاْیِکَ وَاِنْ خَصَّ لَہٗ رَبُّ الْمَالِ التَّصَرُّفَ

مال اس کی اجازت عطا کرے یا یہ کہے کہ وہ اپنی رائے پر عمل پیرا ہو۔ اور اگر مال والا کسی مخصوص شہر میں تجارت کی تعیین

فِیْ بَلَدٍ بِعَیْنِہٖ اَوْ فِیْ سِلْعَۃٍ بِعَیْنِہَا لَمْ یَجُزْ لَہٗ اَنْ یَتَجَاوَزَ عَنْ ذٰلِکَ وَکَذٰلِکَ اِنْ وَقَّتَ

کردے یا سامانِ معین میں تجارت کی تخصیص کردی ہو تو یہ درست نہیں کہ مضاربت اس کے خلاف کرے اور ایسے ہی اگر

لِلْمُضَارَبَۃِ مُدَّۃً بِعَیْنِہَا جَازَ وَبَطَلَ الْعَقْدُ بِمُضِیِّہَا وَلَیْسَ لِلْمُضَارِبِ اَنْ یَشْتَرِیَ

صاحبِ مال وقتِ مضاربت کی تعیین کردے تو مضاربت درست ہے اور یہ وقت و مدت گذر جانے پر عقد مضاربت باطل ہوجائیگا۔

أَبَ رَبِّ الْمَالِ وَلَا ابْنَهُ وَلَا مَنْ يَعْتِقُ عَلَيْهِ فَإِنِ اشْتَرَاهُمْ كَانَ مُشْتَرِيًا لِنَفْسِهِ دُونَ
اور مضاربت کیواسطے مال والے کے باپ اور اسکے لڑکے اور ایسے شخص کو خریدنا درست نہیں کہ خریدنے پر مال والے کیجانب سے آزاد ہو جائے
الْمُضَارَبَةِ وَإِنْ كَانَ فِي الْمَالِ رِبْحٌ فَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَشْتَرِيَ مَنْ يَعْتِقُ عَلَيْهِ وَإِنِ اشْتَرَاهُمْ
اور مضارب انھیں اپنے واسطے خریدے تو اسے بطور مضاربت نہیں بلکہ اپنے واسطے خریدنیوالا شمار ہوگا ۔ اور مال میں نفع کی صورت
ضَمِنَ مَالَ الْمُضَارَبَةِ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِي الْمَالِ رِبْحٌ جَازَ لَهُ أَنْ يَشْتَرِيَهُمْ فَإِنْ زَادَتْ قِيمَتُهُمْ
میں مضاربت کیواسطے ایسے شخص کا خرید لینا درست نہ ہوگا کہ وہ اس پر آزاد ہو جائے اگر وہ ایسے شخص کو خریدیگا تو مضاربت کے مال کا ضمان لازم ہوگا اور مال
عَتَقَ نَصِيبُهُ مِنْهُمْ وَلَمْ يَضْمَنْ لِرَبِّ الْمَالِ شَيْئًا وَيَسْعَى الْمُعْتَقُ لِرَبِّ الْمَالِ فِي قَدْرِ نَصِيبِهِ مِنْهُ
میں نفع نہ ہونے پر خریدنا درست ہوگا پھر اسکی قیمت میں اضافہ ہو جائے تو اسکے حصہ کو آزاد قرار دیں گے اور مضاربت پر صاحب مال کیلئے کسی چیز کا ضمان
لازم نہ آئیگا اور آزاد ہونیوالا صاحب مال کیواسطے اسکے حصہ کی مقدار کے مطابق سعی کریگا ۔

لغات کی وضاحت : المضاربۃ : ایسا عقد جس میں ایک کا مال ہو اور دوسرے کی محنت اور نفع میں دونوں شریک ہوں ۔ الربح : نفع ۔ مشاعا : مشترک ۔ مسماۃ : معین ۔ رب المال : مال کا مالک ۔

تشریح و توضیح کتاب المضاربۃ الخ ۔ مضاربت کا جہانتک تعلق ہے یہ بھی ایک قسم کی شرکت قرار دی گئی ہے لہٰذا صاحب کتاب ، کتاب الشرکۃ سے فارغ ہو کر احکام مضاربت ذکر فرمارہے ہیں اس کا درست ہونا مشروع ہے ۔ اسلئے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد بھی لوگوں کے درمیان اس طرح کا معاملہ دائر سائر رہا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت نہیں فرمائی ۔ علاوہ ازیں امیر المومنین حضرت عمرؓ ، امیر المومنین حضرت عثمانؓ اور دوسرے صحابۂ کرامؓ کا اس پر عمل رہا اور کسی کا انکار ثابت نہیں ۔

المضاربۃ عقد علی الشرکۃ الخ ۔ اصطلاحی اعتبار سے مضاربت ایسا عقد کہلاتا ہے کہ اس میں ایک شریک کی طرف سے تو مال ہو اور دوسرے شریک کا عمل و کام ہو اور باعتبارِ نفع دونوں کی اس میں شرکت ہو ۔ مال والے کو اصطلاح کے اعتبار سے رب المال ، اور کام کرنیوالے کو مضارب کہتے ہیں اور جو مال اس عقد کے تحت دیا جاتا ہے وہ مالِ مضاربت کہلاتا ہے ۔ دینار و درہم یعنی اس طرح کا مال جس کے اندر شرکت درست ہو اس کے اندر مضاربت کو بھی درست قرار دیا جائیگا ۔ علاوہ ازیں اسکے درست ہونے کیلئے یہ ناگزیر ہے کہ نفع کی مقدار دونوں کے درمیان طے ہو ۔ مثال کے طور پر یہ طے ہو کہ نفع دونوں کو آدھا آدھا ملے گا ۔ اور اگر شریکوں میں سے ایک از خود مقدار پر نفع متعین کرلے تو عقدِ مضاربت ہی سرے سے فاسد ہو جائیگا اور اس صورت میں مضارب فقط محنت کی اجرت پائیگا ۔ اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اس کی مقدار شرط کردہ مقدار سے زیادہ نہ ہوگی مگر امام محمدؒ اور امام مالکؒ ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اس میں اسطرح کی کوئی قید نہ ہوگی ۔

فاذا صحت المضاربۃ مطلقا الخ ۔ اگر ایسا ہو کہ عقدِ مضاربت علی الاطلاق ہو تو اس صورت میں مضارب کو

ان سارے امور کی اجازت ہوگی جن کا تاجروں کے یہاں رواج ہو مثلاً نقد یا ادھار خریدنا اور بیچنا۔ اسی طریقہ سے وکیل مقرر کرنا اور سفر کرنا وغیرہ مگر اس کے واسطے یہ ہرگز درست نہیں کہ وہ کسی دوسرے شخص کو مال بطور مضاربت دیدے۔ البتہ اگر مال والا ہی اجازت عطا کردے یا وہ یہ کہدے کہ اپنی رائے پر عمل پیرا ہو تو درست ہوگا۔ علاوہ ازیں اگر مال والا کسی شہر کو اس کیلئے مخصوص کردے یا مخصوص شخص یا مخصوص سامان کی تعیین کردے تو مضارب کیلئے یہ درست نہیں کہ اس کے خلاف کرے اس لئے کہ مضارب کے حق تصرف کا جہاں تک تعلق ہے وہ مال کے مالک کے عطا کرنیکے باعث ہوتا ہے۔

ولا من یعتق علیہ الخ۔ اگر خریدا جانیوالا غلام مال کے مالک کا ایسا عزیز ہو کہ خریدے جانے پر وہ اس کی طرف سے آزاد ہو جائے تو اس کی خریداری کو درست قرار نہ دیں گے۔ وجہ یہ ہے کہ عقد مضاربت تو نفع حاصل کرنیکی غرض سے کیا گیا اور اس غلام میں کسی بھی اعتبار سے نفع نہیں بلکہ نقصان ہے علاوہ ازیں مضارب کیلئے یہ درست نہیں کہ وہ اپنا ذی رحم محرم غلام خریدے۔ اس لئے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ اس صورت میں مضارب کے حصہ کے آزاد ہو جانیکا حکم فرماتے ہیں اور رب المال کا حصہ خراب ہو جائے گا کہ اس کی بیع درست نہ رہے گی لیکن یہ حکم اس صورت میں ہے کہ قیمت غلام راس المال سے بڑھی ہوئی ہو ورنہ ذکر کردہ غلام کی خریداری برائے مضاربت درست ہوگی۔ اسلئے کہ قیمت غلام راس المال کے مساوی یا کم ہونیکی صورت میں ملک مضارب عیاں نہ ہوگی۔ لہٰذا مثال کے طور پر اگر ابتداءً راس المال دو ہزار ہو اور اس کے بعد بارہ ہزار ہوگیا پھر مضارب خود اس پر آزاد ہونیوالا غلام خریدے اور قیمت غلام دو ہزار یا دو ہزار سے کم ہو تو وہ مضارب پر آزاد نہیں ہوگا۔

فان زادت قیمتہم عتق نصیبہ الخ۔ اگر مضارب کے اپنا رشتہ دار غلام خریدتے وقت قیمت غلام راس المال کے مساوی ہو پھر اس کی قیمت میں اضافہ ہو جائے تو اس صورت میں مضاربت کے حصہ کی مقدار غلام آزاد قرار دیا جائے گا اس لئے کہ اسے اپنے رشتہ دار پر ملکیت حاصل ہو گئی مگر مضارب پر مال والے کے حصہ کا ضمان لازم نہ آئیگا اسواسطے کہ بوقت ملکیت غلام کی آزادی حرکت مضارب کے باعث نہیں ہوئی بلکہ مضارب کے اختیار کے بغیر قیمت میں اضافہ سبب آزادی بنا۔ لہٰذا غلام حصۂ رب المال کی قیمت کی سعی کریگا اور سعایت کرکے اس کے حصہ کی قیمت ادا کریگا۔

وَاِذَا دَفَعَ المضاربُ المَالَ مضاربۃً الیٰ غیرہٖ ولم یأذن لہ ربُّ المَالِ فِی ذٰلِکَ لَمْ یضمن بالدفع

اور اگر رب المال کی اجازت کے بغیر مضارب نے کسی کو مال بطور مضاربت دیدیا تو نہ محض دینے سے ضمان لازم ہوگا اور نہ دوسرے

وَلَا بتصرّفُ المضاربِ الثانی حتیٰ یربحَ فاذا ربحَ ضمن المضاربُ الاولُ المالَ لربِّ المالِ

مضارب کے تصرف کے باعث تاوقتیکہ کچھ نفع ہو پھر نفع ہونے پر پہلے مضارب پر رب المال کے مال کا ضمان آئے گا۔

وَاِذَا دَفَعَ الیہ مضاربۃً بالنصفِ فاذن لہ ان یدفعہا مضاربۃً فدفعہا بالثلثِ جَازَ فَاِنْ

اگر رب المال آدھے کی مضاربت پر مال دے اور کسی اور شخص کو مضاربت کے طریقہ سے عطا کرنیکی اجازت بھی دیدے اور وہ ثلث کی مضاربت

کَانَ رَبُّ المَالِ قَالَ لہ علی ان ما رزق اللّٰہ تعالیٰ فھو بیننا نصفانِ فلربِّ المالِ نصفُ

پر مال دیدے تو یہ درست ہے پس اگر رب المال اس سے کہے کہ اللہ تعالیٰ جو نفع عطا کریگا وہ ہمارے بیچ میں آدھا آدھا ہوگا تو رب المال کیلئے آدھا

الربح وللمضارب الثانی ثلث الربح وللاول السدس وان کان علی ان ما رزقک
نفع ہوگا اور دوسرے مضارب کیواسطے تہائی اور پہلے مضارب کیواسطے نفع کا چھٹا حصہ اور اگر وہ یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ نفع تجھے عطا کرے

اللہ فھو بیننا نصفان فللمضارب الثانی الثلث وما بقی بین رب المال والمضارب
اس میں آدھا آدھا ہمارے درمیان ہوگا تو دوسرے مضارب کیواسطے تہائی ہوگا اور باقی ماندہ رب المال اور پہلے مضارب میں آدھا آدھا

الاول نصفان فان قال علی ان ما رزق اللہ فلی نصفہ فدفع المال الی اٰخر مضاربۃ
ہو جائیگا اور اگر کہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ عطا کرے اس کا نصف میرا ہوگا پھر وہ دوسرے شخص کو مال نصف مضاربت پر دیدے تو نصف

بالنصف فللثانی نصف الربح ولرب المال النصف ولا شیئ للمضارب الاول فان شرط
دوسرے مضارب اور نصف رب المال کا ہوگا اور پہلے مضارب کو کچھ نہ ملے گا ۔ اور دوسرے مضارب کیواسطے

للمضارب الثانی ثلثی الربح فلرب المال نصف الربح وللمضارب الثانی نصف الربح ویضمن
اگر دو تہائی نفع کی شرط کرلی ہو تو نصف نفع رب المال کا اور نصف دوسرے مضارب کا ہوگا اور پہلا مضارب

المضارب الاول للمضارب الثانی مقدار سدس الربح من مالہ۔
دوسرے مضارب کو نفع کی مقدار کا چھٹا حصہ اپنے مال میں سے عطا کرے گا ۔

لغت کی وضاحت: دفع : دینا۔ عطا کرنا۔ ربح : نفع۔ ثلث : تہائی۔ ما رزقک اللہ : اللہ جو تجھے عطا کرے۔ مراد نفع ہے۔ سدس : چھٹا۔

تشریح و توضیح: لم یضمن بالدفع الخ۔ اگر ایسا ہو کہ عقدِ مضاربت کرنیوالا بلا اجازت صاحبِ مال کسی اور شخص کو بطور مضاربت مال دیدے تو اس صورت میں پہلے مضارب پر دوسرے کو محض مال دینے کی وجہ سے ضمان لازم نہ ہوگا تاوقتیکہ دوسرے مضارب نے اس میں عملِ تجارت نہ کیا ہو۔ اس سے قطع نظر کہ دوسرے مضارب کو اس سے نفع ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ ظاہر الروایت یہی ہے۔ اور حضرت امام ابویوسفؒ و حضرت امام محمدؒ یہی فرماتے ہیں۔ اور حضرت امام ابوحنیفہؒ سے بحوالہ حضرت حسنؒ مروی ہے کہ تاوقتیکہ دوسرے مضارب کو نفع نہ ہو پہلے مضارب پر ضمان لازم نہ ہوگا۔ امام زفرؒ کے قول، امام ابویوسفؒ کی ایک روایت اور امام مالکؒ، امام شافعیؒ، اور امام ابویوسفؒ کے قول کی رُو سے فقط مال دیدینے ہی پر ضمان لازم آجائیگا۔ اس لئے کہ مضارب کا جہاں تک تعلق ہے اسے امانت کے طور پر تو مال دیدینے کا اختیار ہے مگر مضاربت کے طور پر دینے کا حق نہیں۔

امام ابویوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک مال کا دینا دراصل امانت ہے۔ یہ برائے مضاربت اس صورت میں ہوگا جبکہ دوسرے مضارب کی جانب سے وجودِ عمل ہو۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ مال کا دینا ایداع کے عمل سے پہلے ہے تو نہ بوجہ ایداع ضمان لازم آئیگا اور نہ بوجہ البضاع بلکہ دوسرے مضارب کو نفع حاصل ہو جانے پر ضمان لازم آئے گا۔ اس لئے کہ اب مال میں دوسرا مضارب شریک ہو گیا۔

فدفعها بالثلث جاز الخ اگر مضارب باجازت رب المال کسی دوسرے کو مضاربت بشرط الثلث پر مال دے درآنحالیکہ صاحب مال پہلے مضارب سے یہ طے کر چکا ہو کہ اللہ تعالیٰ جو نفع عطاء کریگا وہ دونوں میں آدھا آدھا ہوگا تو اس شرط کے تحت مال والا آدھے نفع کا مستحق ہوگا اور دوسرے مضارب کو ایک تہائی ملے گا۔ اسواسطے کہ پہلے مضارب نے اسکے واسطے سارے نفع کا ایک تہائی ہی طے کیا تھا۔ رہ گیا چھٹا حصہ تو اس کا حقدار پہلا مضارب ہوگا۔ مثال کے طور پر دوسرے مضارب کو چھ دنانیر کا نفع ہوا ہو تو تین دینار کا مستحق صاحب مال ہوگا اور دو کا حقدار دوسرا مضارب اور ایک کا مستحق پہلا مضارب ہوگا۔

علیٰ ما رزقک اللہ الخ۔ اگر ایسا ہو کہ صاحب مال پہلے مضارب سے یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ جو نفع مجھے عطا کریگا وہ ہم دونوں کے بیچ آدھا آدھا ہوگا۔ اور مسئلہ کی باقی صورت جوں کی توں رہے تو اس صورت میں دوسرا مضارب ایک تہائی پائے گا اور باقیماندہ دو تہائی پہلے مضارب اور صاحب مال کے درمیان آدھا آدھا تقسیم ہو جائیگا۔ لہٰذا اس شکل میں تینوں دو دو دینار پائیں گے۔ وجہ یہ ہے کہ صاحب مال نے اپنے واسطے نفع کی اس مقدار میں سے آدھی طے کی ہے جو کہ پہلے مضارب کو ملے اور وہ مقدار اس جگہ دو تہائی ہے۔ پس اس کے مطابق صاحب مال اس کے آدھے یعنی ایک تہائی کا مستحق ہوگا۔ اس کے برعکس پہلی ذکر کردہ شکل میں صاحب مال نے اپنے واسطے سارے نفع کا آدھا طے کیا تھا۔

فلی نصفہ الخ۔ اگر صاحب مال پہلے مضارب سے یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ نفع عطا کرے گا اس کا آدھا میرے لئے ہوگا اور اس کے بعد پہلا مضارب کسی دوسرے شخص کو نصف کی مضاربت کی شرط پر مال دے تو اس صورت میں کل نفع میں سے آدھے کا مستحق صاحب مال ہوگا اور آدھا دوسرے مضارب کا ہوگا۔ اور رہا پہلا مضارب تو وہ کچھ نہ پائے گا۔ وجہ یہ ہے کہ وہ اپنا ملنے والا آدھا نفع دوسرے مضارب کو دے چکا۔ اور اگر ایسا ہو کہ پہلے مضارب کے واسطے نفع کے دو تہائی کی شرط کی ہو تو اس صورت میں پہلا مضارب دوسرے مضارب کو نفع کا چھٹا حصہ اپنے ہی پاس سے عطا کریگا۔ اس واسطے کہ ہونیوالے سارے نفع میں سے شرط کیمطابق آدھا نفع تو صاحب مال کا ہو گیا اور دوسرے مضارب کو سارے نفع میں دو تہائی کا استحقاق ہوا تو اس کے حصہ کے اندر چھٹے حصہ کی جو کمی آئی اس کی تلافی اس طرح ہوگی کہ پہلا مضارب اپنے پاس سے دیکر یہ واقع ہونیوالی کمی پوری کر کے اسے نقصان سے بچائے گا۔

مضاربت نام کی وجہ

مضاربت باب مفاعلت سے ہے۔ اس کا یہ نام رکھے جانے کی وجہ یہ ہے کہ الضرب فی الارض کے معنے سفر کے آتے ہیں۔ جیساکہ ارشادِ ربانی ہے "وآخرون یضربون فی الارض یبتغون من فضل اللہ" (اور بعضے تلاش معاش کیلئے ملک میں سفر کریں گے)، مضارب بھی حصول نفع کی خاطر سفر کرتا اور زمین میں گھومتا ہے۔ اس مناسبت سے اس عقد کا نام ہی عقدِ مضاربت پڑ گیا۔ اہل حجاز اسے مقارضہ سے موسوم کرتے ہیں کیونکہ صاحب مال اپنے مال کا کچھ حصہ الگ کر کے عمل کرنیوالے کے سپرد کرتا ہے۔ احناف رحمہم اللہ نے نص کی موافقت کے باعث لفظ مضاربت اختیار فرمایا۔

وَاِذَا مَاتَ رَبُّ الْمَالِ اَوِ الْمُضَارِبُ بَطَلَتِ الْمُضَارَبَةُ وَاِذَا ارْتَدَّ رَبُّ الْمَالِ عَنِ الْاِسْلَامِ
اور اگر صاحبِ مال یا مضارب مرگیا تو مضاربت باطل قرار دیجائے گی۔ اور اگر صاحبِ مال اسلام سے پھر کر دارالحرب چلا گیا
وَلَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ بَطَلَتِ الْمُضَارَبَةُ وَاِنْ عَزَلَ رَبُّ الْمَالِ الْمُضَارِبَ وَلَمْ يَعْلَمْ بِعَزْلِهٖ حَتّٰى
تو مضاربت باطل قرار دیجائے گی۔ اور اگر صاحبِ مال مضارب کو مضاربت سے ہٹادے اور اسے اس کا علم نہ ہو حتیٰ کہ
اشْتَرٰى اَوْ بَاعَ فَتَصَرُّفُهٗ جَائِزٌ وَاِنْ عَلِمَ بِعَزْلِهٖ وَالْمَالُ عُرُوْضٌ فِيْ يَدِهٖ فَلَهٗ اَنْ يَّبِيْعَهَا وَلَا يَمْنَعُهٗ
وہ خرید و فروخت کرلے تو اس کا یہ تصرف درست ہوگا اور اگر اسے مضاربت سے ہٹانیکا علم ہو اور اس کے پاس موجود مال سامان ہو تو وہ
الْعَزْلُ مِنْ ذٰلِكَ ثُمَّ لَا يَجُوْزُ اَنْ يَّشْتَرِيَ بِثَمَنِهَا شَيْئًا اٰخَرَ وَاِنْ عَزَلَهٗ وَرَاْسُ الْمَالِ دَرَاهِمُ
اسے بیچ سکتا ہے اور اسکا مضاربت سے معزول کیا جانا اس میں حائل نہ ہوگا پھر اس کو اس قیمت سے دوسری چیز کی خریداری درست نہ ہوگی اور اگر
اَوْ دَنَانِيْرُ قَدْ نَضَّتْ فَلَيْسَ لَهٗ اَنْ يَّتَصَرَّفَ فِيْهَا وَاِذَا افْتَرَقَا وَفِي الْمَالِ دُيُوْنٌ وَقَدْ رَبِحَ
مضاربت سے ہٹاتے وقت مال دراہم یا دنانیر نقد ہوں تو مضارب کیلئے اس میں تصرف کرنا درست نہ ہوگا اور اگر صاحبِ مال اور مضارب الگ ہوگئے
الْمُضَارِبُ فِيْهِ اَجْبَرَهُ الْحَاكِمُ عَلَى اقْتِضَاءِ الدُّيُوْنِ وَاِنْ لَّمْ يَكُنْ فِي الْمَالِ رِبْحٌ لَمْ يَلْزَمْهُ
درانحالیکہ مال ادھار میں پڑا ہو اور مضارب اس کے ذریعہ نفع اٹھا چکا ہو تو حاکم ادھار کی وصولیابی پر مضارب کو مجبور کرے اور مال کے
الْاِقْتِضَاءُ وَيُقَالُ لَهٗ وَكِّلْ رَبَّ الْمَالِ فِي الْاِقْتِضَاءِ وَمَا هَلَكَ مِنْ مَّالِ الْمُضَارَبَةِ فَهُوَ مِنَ
اندر نفع نہ ہونے پر مضارب پر وصولیابی لازم نہ ہوگی اور اس سے یہ بات کہی جائیگی کہ وہ وصولیابی کی خاطر صاحبِ مال کو وکیل بنادے۔ اور مال
الرِّبْحِ دُوْنَ رَاْسِ الْمَالِ فَاِنْ زَادَ الْهَالِكُ عَلَى الرِّبْحِ فَلَا ضَمَانَ عَلَى الْمُضَارِبِ فِيْهِ وَاِنْ كَانَا
مضاربت ضائع ہوگیا تو بجائے اصل سرمایہ کے نفع سے ضائع شدہ شمار ہوگا پھر اگر ضائع شدہ مال کی مقدار نفع سے بڑھ گئی تو مضارب پر
يَقْتَسِمَانِ الرِّبْحَ وَالْمُضَارَبَةُ عَلٰى حَالِهَا ثُمَّ هَلَكَ الْمَالُ كُلُّهٗ اَوْ بَعْضُهٗ تَرَادَّا الرِّبْحَ حَتّٰى
اس کا ضمان لازم نہ ہوگا اور اگر دونوں نے نفع بانٹ لیا ہو اور مضاربت جوں کی توں ہو اس کے بعد سارا یا کچھ مال ضائع ہوجائے تو نفع
يَسْتَوْفِيَ رَبُّ الْمَالِ رَاْسَ الْمَالِ فَاِنْ فَضَلَ شَيْءٌ كَانَ بَيْنَهُمَا وَاِنْ نَقَصَ مِنْ رَّاْسِ
دونوں ہی واپس کردیں حتیٰ کہ مالکِ مال کو اس کی اصل رقم مل جائے اس کے بعد جو نفع باقی رہے وہ ان دونوں کے درمیان بانٹ دیا جائیگا اور اگر
الْمَالِ لَمْ يَضْمَنِ الْمُضَارِبُ وَاِنْ كَانَا اقْتَسَمَا الرِّبْحَ وَفَسَخَا الْمُضَارَبَةَ ثُمَّ عَقَدَاهَا فَهَلَكَ
اصل رقم کچھ کم پڑ جائے تو مضارب پر ضمان نہ آئیگا اور اگر نفع بانٹ کر مضاربت ختم کردیں اور پھر عقد مضاربت کرلیں اس کے بعد مال
الْمَالُ لَمْ يَتَرَادَّا الرِّبْحَ الْاَوَّلَ وَيَجُوْزُ لِلْمُضَارِبِ اَنْ يَّبِيْعَ بِالنَّقْدِ وَالنَّسِيْئَةِ وَلَا يُزَوِّجُ عَبْدًا
ضائع ہوجائے تو یہ دونوں سابق نفع واپس نہ کریں گے۔ اور مضارب کے لئے درست ہے کہ وہ نقد بیچے اور ادھار فروخت کرے اور وہ
وَلَا اَمَةً مِّنْ مَّالِ الْمُضَارَبَةِ۔
مضاربت کے مال سے نہ غلام کا نکاح کریگا اور نہ باندی کا۔

لغات کی وضاحت: ارتد: دائرہ اسلام سے نکل جانا۔ عزل: عہدہ سے ہٹا دینا۔ الاقتضاء: وصولیابی

هلك : ضائع ہوا۔ تلف ہوا۔ النسیئۃ : ادھار۔ عبد : غلام۔ امۃ : باندی۔

تشریح و توضیح

واذامات رب المال الخ۔ اگر صاحب مال یا مضارب کا انتقال ہوجائے تو اس صورت میں مضاربت باطل و کالعدم قرار دی جائے گی اور طے شدہ عقد خود بخود سوخت ہوجائیگا وجہ یہ ہے کہ بعد عمل مضاربت کا حکم توکیل کا سا ہوتا ہے اور وکالت میں خواہ مؤکل موت سے ہمکنار ہو یا وکیل مرجائے دونوں صورتوں میں وکالت باطل ہوجایا کرتی ہے تو ٹھیک وکالت کیطرح مضاربت کو بھی اس شکل میں باطل قرار دیا جائیگا۔ علاوہ ازیں اگر خدانخواستہ صاحب مال دائرۂ اسلام سے نکل کر اور دین سے پھر کر دارالحرب چلا گیا ہو تو اس صورت میں بھی مضاربت باطل قرار دیجائیگی۔ اور حاکم کے دارالحرب میں اس کے چلے جانے اور ان سے مل جانے کا حکم لگادینے پر اس کی املاک اس کی ملکیت سے نکل کر ورثاء کی جانب منتقل ہوجاتی ہیں تو گویا یہ مرنے والے شخص کے زمرے میں آگیا اور اس کا حکم فوت شدہ شخص کا سا ہوگیا اور حاکم کے حکم الحاق سے قبل مضاربت کو موقوف قرار دیں گے۔ اور وہ لوٹ آئیگا تو مضاربت باطل قرار نہیں دی جائیگی۔

وان عزل رب المال الخ۔ اگر ایسا ہو کہ صاحب مال مضارب کو الگ کردے لیکن مضارب کو اس علیحدگی کا قطعاً علم نہ ہوا اور وہ اپنے ہٹائے جانے سے بے خبر ہو حتیٰ کہ وہ اسی بناء پر خرید و فروخت کرے تو اس صورت میں اس کی خرید و فروخت درست ہوگی اس لئے کہ وہ بجانب صاحب مال وکیل کی حیثیت سے ہے اور ارادۃً وکیل کی وکالت ختم کرنا۔ اسکا انحصار اس کے علم پر ہوا کرتا ہے۔ لہٰذا تاوقتیکہ وہ اس ہٹائے جانے سے آگاہ نہ ہو معزول قرار نہیں دیا جائیگا۔ اور اگر اسے اپنے ہٹائے جانیکا علم اس حال میں ہو کہ مال بجائے نقد ہونیکے سامان ہو تو اس صورت میں بھی اس کا الگ کیا جانا سامان کے فروخت کرنے میں رکاوٹ نہ بنے گا اس لئے کہ نفع کا جہاں تک تعلق ہے اس سے مضارب کا حق متعلق ہوچکا ہے اور اس کا اظہار تقسیم ہی کے ذریعہ ممکن ہے جس کا انحصار راس المال پر ہے اور راس المال کا معاملہ یہ ہو کہ اس کا صحیح اندازہ اسی وقت ہوگا جبکہ سامان فروخت ہو کر نقد ہوجائے۔

واذا افترقا وفی المال دیون الخ۔ اگر صاحب مال اور مضارب عقد مضاربت فسخ ہونیکے بعد الگ ہوجائیں درانحالیکہ مال مضاربت لوگوں کے ذمہ قرض ہو اور تجارت مضارب نفع بخش رہی ہو تو اس پر مضارب کو مجبور کریں گے کہ وہ قرض کی وصولیابی کرے اس لئے کہ مضارب کی حیثیت اجیر کی سی ہے اور نفع ایسا ہے جیسی کہ اجرت۔ پس اسے عمل مکمل کرنے پر مجبور کریں گے اور اگر تجارت نفع بخش نہ رہی ہو تو اسے وصولیابی پر مجبور نہیں کریں گے۔ اس لئے کہ اس صورت میں وہ متبرع شمار ہوگا اور متبرع کو مجبور نہیں کیا جاتا البتہ اس سے کہیں گے کہ وہ وصولیابی قرض کی خاطر صاحب مال کو وکیل مقرر کردے تاکہ اس کے مال کا اتلاف نہ ہو۔

وما هلك من مال المضاربة الخ۔ اگر مضاربت کا مال تلف ہوگیا تو اسے نفع سے وضع نہ کریں گے اس لئے کہ راس المال کی حیثیت اصل کی ہے اور نفع کی حیثیت تابع کی اور بہتر یہ ہے کہ تلف شدہ کو تابع کی جانب لوٹایا جائے۔ اور اگر تلف شدہ مال کی مقدار اتنی ہو کہ نفع سے بڑھ گئی تو مضارب پر اس کا ضمان لازم نہ ہوگا اس لئے کہ اس کی حیثیت

امین کی ہے اور امین پر ضمان لازم نہیں ہوا کرتا۔

وان کانا یقتسمان الربح والمضاربۃ الخ۔ اگر مضاربت برقرار رکھتے ہوئے نفع کی تقسیم ہوتی رہی۔ اس کے بعد سارا مال یا کچھ مال تلف ہوگیا تو اس صورت میں نفع واپس کرکے راس المال کی ادائیگی کیجائے گی اس لئے کہ تا وقتیکہ راس المال وصول نہ ہوجائے نفع بانٹنا درست نہیں پھر راس المال کی ادائیگی کے بعد جو باقی رہے گا اسے تقسیم کرلیا جائیگا۔ اگر ایسا ہو کہ نفع بانٹ لینے کے بعد عقدِ مضاربت ختم کردیا ہو اور پھر نئے سرے سے عقدِ مضاربت ہوا ہو اور اس کے بعد مال تلف ہوجائے تو اس صورت میں سابق نفع واپس نہ ہوگا کیونکہ سابق عقدِ مضاربت کا جہاں تک تعلق ہے وہ اپنی جگہ مکمل ہوگیا اور اس نئے عقدِ مضاربت کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

کتاب الوکالۃ

وکالت کا ذکر

كُلُّ عقدٍ جازَ أنْ يعقدَه الانسانُ بنفسِه جازَ أنْ يُوَكِّلَ به غيرَهُ۔

ہر ایسا عقد جو آدمی کے واسطے خود کرنا درست ہو اس میں کسی اور کو وکیل بنانا بھی درست ہے۔

تشریح و توضیح

کتاب الوکالۃ الخ۔ مضاربت کی تعریف اور اس کے احکام سے فارغ ہوکر اب صاحب کتاب احکام وکالت ذکر فرما رہے ہیں۔ مضاربت کے بیان کے فوراً بعد احکام وکالت بیان کرنیکا سبب یہ ہے کہ عقدِ مضاربت کو اگر دیکھا جائے تو وہ وکالت کے مشابہ ہے۔ اس مشابہت کا لحاظ کرتے ہوئے صاحب کتاب نے مضاربت کے بعد کتاب الوکالۃ از روئے ترتیب بیان فرمائی۔

وکّل توکیلاً: وکیل بنانا۔ اسم۔ الوکالۃ۔ وکّل الیہ الامر: سپرد کرنا، کسی پر بھروسہ کرکے کام چھوڑ دینا۔ کہا جاتا ہے۔ کلنی الی کذا (مجھے چھوڑ دو کہ میں اس کام کو کروں)، توکّل: وکیل بننا۔ الوَکالۃ والوِکالۃ: توکیل کے اسم ہیں بمعنی سپردگی و بھروسہ۔ الوکیل: وہ شخص جس پر بھروسہ کیا جائے، یا وہ شخص جس کے سپرد عاجز آدمی اپنا کام کردے۔

کتاب وسنت سے اس کا جائز ہونا ثابت ہے۔ ارشادِ ربانی ہے: "فابعثوا احدکم بورقکم" (الآیۃ)، رہا سنت سے اس کا ثبوت تو سننِ نسائی میں نکاح کے بیان میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن سلمہؓ کو ام المومنین حضرت ام سلمہؓ سے نکاح کا وکیل بنایا۔ اور ہدایہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حکیم بن حزامؓ کو قربانی کا جانور خریدنے کا وکیل مقرر فرمایا۔ یہ روایت ابوداؤد میں بیوع کے بیان میں ہے۔ صاحب الدر المختار فرماتے ہیں کہ اس کے جواز پر اجماع ہے۔

جاز ان یوکل غیرہ الخ۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کسی وجہ سے خود معاملہ کرنے سے عاجز و مجبور ہوتا ہے۔

اور اسے دوسرے کو وکیل بنانے کی احتیاج ہوتی ہے۔
یہاں صاحب کتاب نے جاز ان یعقد ہ التوکیل فرمایا۔ یہ نہیں فرمایا "کل فعل جاز" یہ اس بناء پر کہ بعض افعال ایسے ہیں کہ وہ عقود کے تحت نہیں آتے اور ان میں خود موجود ہونا ضروری ہوتا ہے مثلاً استیفاء قصاص کہ وہ خود کرنا درست ہے اور اس میں خود کے موجود نہ ہوتے ہوئے کسی کو وکیل بنانا درست نہیں۔ الجوہرہ میں اسی طرح ہے۔ مگر اس سے اس کا عکس مفہوم نہ ہوگا یعنی ہر وہ عقد جو آدمی خود نہ کرے اس میں وکیل بنانا بھی درست نہ ہو۔ بعض صورتوں میں اس کا جواز ملتا ہے۔ مثلاً مسلمان کیلئے شراب کی خرید و فروخت درست نہیں۔ اور اگر وہ کسی ذمی (دارالاسلام کا غیر مسلم باشندہ) کو اس کا وکیل بنادے تو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے۔ الدر المختار میں اسکی صراحت ہے۔
اس کی شرط یہ ہے کہ مؤکل وکیل کو تصرف کا اختیار دے۔ اور اس کی صفت یہ ہے کہ یہ ایک جائز عقد ہے اور مؤکل کو وکیل کی رضاء کے بغیر بھی اسے ہٹانے کا اور وکیل کو مؤکل کی رضاء کے بغیر بھی ہٹ جانے اور وکالت سے دست بردار ہونیکا حق حاصل ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ وکیل اس کام کو انجام دے جو مؤکل نے اس کے سپرد کیا ہو۔

وَيَجُوزُ التَّوْكِيلُ بِالْخُصُومَةِ فِي سَائِرِ الْحُقُوقِ وَإِثْبَاتِهَا وَيَجُوزُ بِالْاِسْتِيفَاءِ إِلَّا فِي الْحُدُودِ
اور خصومت کی خاطر سارے حقوق اور ان کے ثابت کرنے کی خاطر وکیل مقرر کرنا جائز ہے اور حصول حقوق کی خاطر وکیل مقرر کرنا
وَالْقِصَاصِ فَإِنَّ الْوَكَالَةَ لَا تَصِحُّ بِاسْتِيفَائِهِمَا مَعَ غَيْبَةِ الْمُوَكِّلِ عَنِ الْمَجْلِسِ وَقَالَ
درست ہے بجز حدود اور قصاص کے کہ ان میں مؤکل کے حاضر مجلس نہ ہوتے ہوئے انکے حاصل کرنیکے لئے وکیل مقرر کرنا درست نہیں۔ اور امام
أَبُو حَنِيفَةَ رحمه الله لَا يَجُوزُ التَّوْكِيلُ بِالْخُصُومَةِ إِلَّا بِرِضَاءِ الْخَصْمِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ الْمُوَكِّلُ مَرِيضًا
ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ بلا اجازت فریق ثانی خصومت کی خاطر وکیل مقرر کرنا درست نہیں الا یہ کہ وکیل بنانیوالا بیمار ہو یا تین روز
أَوْ غَائِبًا مَسِيرَةَ ثَلٰثَةِ أَيَّامٍ فَصَاعِدًا وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللهُ يَجُوزُ التَّوْكِيلُ
یا تین سے زیادہ کی مسافت پر ہو۔ اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ نے فرمایا کہ بلا رضائے مدمقابل بھی خصومت کیلئے
بِغَيْرِ رِضَاءِ الْخَصْمِ
وکیل مقرر کرنا درست ہے۔

تشریح و توضیح

ویجوز التوکیل بالخصومۃ الخ۔ علامہ قدوریؒ ایک مقررہ ضابطہ ذکر فرماچکے کہ ہر ایسی چیز میں جس کا مؤکل کے لئے خود کرنا درست ہو وکیل مقرر کرنا بھی درست ہے۔ یعنی حقوق العباد کا جہانتک تعلق ہے اس میں خصومت کی خاطر وکیل مقرر کرنا جائز ہے۔
ویجوز بالاستیفاء الخ۔ وہ حقوق جن کی ادائیگی مؤکل پر لازم ہو ان کے پورا کرنے کیلئے اگر وہ وکیل مقرر کر دے تو درست ہے اور وکیل مؤکل کے قائم مقام قرار دیا جائے گا مگر حدود و قصاص اس ضابطہ سے مستثنیٰ ہیں اور ان میں وکالت

درست نہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ حدود و قصاص کا نفاذ مجرم پر ہوا کرتا ہے اور ارتکاب جرم کرنیوالا دراصل مؤکل ہے وکیل نہیں۔ اس طرح مؤکل کی عدم موجودگی حدود و قصاص کے پورا کرنے کیلئے وکیل بنانا بھی درست نہیں اس لئے کہ حدود ادنیٰ سے شک و شبہ کی بنیاد پر ختم ہو جاتی ہے اور مؤکل کی عدم موجودگی میں یہ شبہ باقی ہے کہ وکیل خود حاضر ہوتا تو ممکن ہے معاف کر دیتا۔

وقال ابوحنیفۃ لایجوز التوکیل الخ۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ خصومت کی خاطر وکیل مقرر کرنے میں یہ لازم ہے کہ مدمقابل بھی اس پر رضامند ہو۔ البتہ مؤکل بیماری کیوجہ سے مجلس حاکم میں نہ آسکے یا وہ مدت سفر کی مقدار غائب ہو یا یہ کہ وکیل بنانے والی ایسی عورت ہو جو پردہ کرتی ہو کہ وہ عدالت میں حاضر ہونے پر بھی اپنے حق کے متعلق بات چیت نہ کر سکے۔ تو ان ذکر کردہ شکلوں میں وکیل مقرر کرنے کے لئے مدمقابل کے رضامند ہونیکو شرط قرار نہ دیں گے۔

امام ابویوسفؒ، امام محمدؒ اور امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ کے نزدیک مدمقابل کا راضی ہونا شرط نہیں۔ اسلئے کہ وکیل مقرر کرنا دراصل خاص اپنے حق کے اندر تصرف ہے تو اس کے واسطے دوسرے کے راضی ہونیکی شرط نہ ہوگی۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک خصومت کے اندر لوگوں کی عادات الگ الگ ہوا کرتی ہیں لہٰذا مدمقابل کی رضاء کے بغیر اگر وکیل بنانے کو درست قرار دیں تو اس میں مدمقابل کو ضرر پہنچے گا۔ رملی اور ابواللیث فتوے کیلئے امام ابوحنیفہؒ کے قول کو اختیار فرماتے ہیں۔ عتابی وغیرہ کا اختیار کردہ قول بھی یہی ہے۔

صاحب ہدایہ کے نزدیک اختلاف کی دراصل بنیاد توکیل کا لزوم ہے، توکیل کا جائز ہونا نہیں۔ یعنی امام ابوحنیفہؒ اگرچہ مدمقابل کی رضا کے بغیر توکیل کو درست قرار دیتے ہیں لیکن یہ لازم نہیں۔ شمس الائمہ سرخسیؒ کے نزدیک اگر قاضی مؤکل کی جانب سے ضرر رسانی سے باخبر ہو تو مدمقابل کی رضاء کے بغیر توکیل کو قابل قبول قرار نہ دیں گے ورنہ قابل قبول قرار دیں گے۔

وَمِنْ شرطِ الوكالةِ اَنْ يكونَ المؤكِّلُ مِمَّنْ يملكُ التصرفَ ويلزمه الاحكامُ وَالوكيلُ مِمَّنْ يعقلُ البيعَ ويقصده وَاِذا وكّلَ الحرُّ البالغُ اَوِ المأذونُ مثلَهما جَازَ وَاِنْ وكّلَ صَبِيًّا محجورًا يعقلُ البيعَ وَالشراءَ اَوْ عبدًا محجورًا جَازَ وَلَا يتعلّقُ بهما الحقوقُ وَيتعلّقُ بمُوكّلهما۔

شرطِ وکالت یہ ہے کہ وکیل بنانے والا مالکِ تصرف لوگوں میں سے اور ان میں سے ہو جن کے احکام لازم ہوتے ہیں۔ اور وکیل کا شمار بیع کو سمجھنے اور اس کا ارادہ کرنیوالوں میں ہو اور اگر بالغ آزاد شخص یا تجارت کی اجازت دیا گیا غلام اپنے ہی طرح کے شخص کو وکیل بنائے تو درست ہے اور اگر تصرف سے روکے گئے ایسے بچہ کو وکیل بنائے جو بیع و شراء کو سمجھتا ہو یا ایسے غلام کو وکیل مقرر کرے جسے تصرف سے روک دیا گیا ہو تب بھی درست ہے مگر حقوق کا تعلق ان دونوں سے ہونیکے بجائے انکے مؤکلوں سے ہوگا۔

تشریح و توضیح

ومن شرط الوکالۃ ان یکون الموکل الخ. وکالت صحیح ہونیکی شرائط میں سے ایک شرط موکل کا ان میں سے ہونا قرار دیا گیا جو کہ مالک تصرف ہوں۔ اس لئے کہ وکیل بنانیوالے ہی کیطرف سے وکیل مالکِ تصرف ہوا کرتا ہے۔ اس واسطے اول یہ ناگزیر ہوگا کہ خود موکل مالکِ تصرف ہو تاکہ کسی اور کو اس کا مالک بنانا درست ہو۔ اس تفصیل کے مطابق یہ درست ہے کہ تجارت کی اجازت دیئے گئے غلام اور مکاتب کو وکیل بنایا جائے۔ اس لئے کہ ان کے تصرف کو درست قرار دیا جاتا ہے۔ البتہ تجارت اور تصرف سے روکے گئے غلام کو وکیل مقرر کرنا درست نہ ہوگا۔ علاوہ ازیں اختیارِ تصرف ہونے میں اس کا کوئی اعتبار نہیں کہ جس شئے میں موکل وکیل مقرر کر رہا ہو خصوصیت کے ساتھ اس میں اس کو اختیارِ تصرف ہو بلکہ اس سے مراد فی الجملہ اختیارِ تصرف ہونا ہے۔

ویلزمہ الاحکام الخ. اس جملہ سے مقصود دو ہو سکتے ہیں۔ (۱) اس سے مقصود خاص احکام تصرف ہوں (۲) بجائے خاص کے جنس تصرف کے احکام ہوں۔ پس مراد پہلی بات ہونیکی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ وکیل محض اس میں مالکِ تصرف ہوگا جس کے واسطے اسے وکیل مقرر کیا گیا ہو مگر اس کے لئے یہ درست نہیں کہ وہ کسی اور کو وکیل بنائے۔ وجہ یہ ہے کہ احکام تصرف کا اس پر لزوم نہیں۔ اسی بنا پر خریداری کے وکیل کو خرید کردہ چیز پر ملکیت حاصل نہیں ہوتی اور برائے بیع مقرر کردہ وکیل کو ثمن پر ملکیت حاصل نہیں ہوا کرتی۔ اس شکل میں کلام کے اندر دو شرطیں ملحوظ ہوں گی۔ (۱) وکیل بنانے والے کو تصرف کا اختیار (۲) احکام تصرف کا اس پر لزوم۔ اور دوسری بات مراد ہونے پر بچہ اور پاگل سے احتراز مقصود ہوگا۔ صاحبِ عنایہ کے قول کیمطابق درست احتمالِ دوم ہی ہے۔ اس لئے کہ وکیل بنانے والے نے اگر وکیل سے یہ کہدیا کہ تجھے کسی اور کو وکیل بنانیکا حق ہے تو وکیل کے لئے کسی دوسرے کو وکیل بنانا درست ہوگا اور پھر اس سے احتراز درست نہ ہوگا۔

واذا وکل الحر البالغ الخ. اگر کوئی آزاد بالغ شخص کسی آزاد بالغ شخص یا تجارت کی اجازت دیا گیا غلام اپنے ہی جیسے غلام کو وکیل بنائے تو یہ درست ہے۔ اور اسی طریقہ سے بجائے اپنے برابر کے اپنے سے کسی کم درجہ شخص کو وکیل مقرر کرے مثلاً آزاد شخص تجارت کی اجازت دیئے گئے غلام کو اپنا وکیل بنائے تو اسے بھی درست قرار دیں گے۔ اور اس کا موکل سے کم درجہ ہونا صحتِ وکالت میں مانع نہ ہوگا۔ اور اسی طرح تجارت کی اجازت دیا گیا غلام کسی آزاد شخص کو اپنا وکیل بنا سکتا ہے۔

وَالعقودُ التی یعقدُھا الوُکلاءُ علیٰ ضربَینِ کلُّ عقدٍ یضیفہُ الوکیلُ الیٰ نفسہٖ مثلُ البیعِ

اور وکیلوں کے کئے جانیوالے معاملات کی دو قسمیں ہیں ایک وہ معاملہ جس کی نسبت وکیل اپنی جانب کرتا ہے مثلاً خریدنا

وَالشراءِ وَالاجارۃِ فحقوقُ ذٰلکَ العقدِ یتعلّقُ بالوکیلِ دُونَ الموکّلِ فیسلّمُ المبیعَ ویقبضُ

اور بیچنا اور اجارہ تو اس معاملہ کے حقوق کا تعلق وکیل سے ہوگا موکل سے نہ ہوگا لہٰذا وکیل ہی خرید کردہ چیز حوالہ کریگا اور

الثمنَ فیُطالبُ بالثمنِ اذا اشتریٰ ویقبضُ المبیعَ وَیُخاصِمُ فی العیبِ وَکلُّ عقدٍ یضیفہٗ

قیمت کی وصولیابی کرے گا مطالبۂ ثمن (قیمت) بھی اسی سے ہوگا اور کسی چیز کے خریدنے پر وہی خرید کردہ پر قابض ہوگا۔ عیب کے سلسلہ میں

الْوَكِيلُ إِلَى مُوَكِّلِهِ كَالنِّكَاحِ وَالْخُلْعِ وَالصُّلْحِ عَنْ دَمِ الْعَمَدِ فَإِنَّ حُقُوقَهُ تَتَعَلَّقُ بِالْمُوَكِّلِ

اس سے گفتگو ہوگی اور ہر ایسا معاملہ جس کی نسبت وکیل مؤکل کی جانب کرتا ہو مثلاً نکاح اور خلع اور صلح دم عمد (قصداً قتل) کے سلسلہ میں تو اس

دُونَ الْوَكِيلِ فَلَا يُطَالَبُ وَكِيلُ الزَّوْجِ بِالْمَهْرِ وَلَا يَلْزَمُ وَكِيلَ الْمَرْأَةِ تَسْلِيمُهَا وَإِذَا طَالَبَ

کا تعلق بجائے وکیل کے مؤکل سے ہوگا لہٰذا خاوند کے وکیل سے مہر طلب نہیں کیا جائیگا اور نہ عورت کے وکیل کیلئے یہ لازم ہوگا کہ وہ عورت کو

الْمُوَكِّلُ الْمُشْتَرِيَ بِالثَّمَنِ فَلَهُ أَنْ يَمْنَعَهُ إِيَّاهُ فَإِنْ دَفَعَهُ إِلَيْهِ جَازَ وَلَمْ يَكُنْ لِلْوَكِيلِ أَنْ

حوالہ کرے اور مؤکل کے خریدار سے ثمن کے مطالبہ پر اسے روکنے کا حق ہوگا اور اگر وہ اسی کے سپرد کردے تو یہ بھی درست ہے اور وکیل کو خریدار

يُطَالِبَهُ ثَانِيًا.

سے دوبارہ طلب کرنیکا حق نہ ہوگا۔

تشریح و توضیح

والعقود التی یعقدھا الخ. جو معاملات وکیل کے ذریعہ انجام دیئے جاتے ہیں انکی دو قسمیں ہیں. ایک تو ایسے معاملات جن کا انتساب وکیل اپنی جانب کیا کرتا ہے مثلاً خرید و فروخت، اجارہ، اقرار پر صلح۔ اور دوسرے اس طرح کے معاملات جن کے اندر وکیل بجائے اپنے انکی نسبت وکیل بنانیوالے (مؤکل) کی جانب کیا کرتا ہے۔ مثلاً نکاح اور خلع اور دم عمد (قصداً قتل کرنا) کے سلسلہ میں مصالحت۔ تو ایسے معاملات جنکا انتساب وکیل مؤکل کی جانب نہ کرتا ہو اور نسبت اپنی طرف کرتا ہو ان میں عقد کے حقوق کا تعلق وکیل سے ہوگا اور اسی سے اس بارے میں رجوع کیا جائیگا مگر شرط یہ ہے کہ وکیل کو تصرف کا اختیار دیا گیا ہو اور اسے اس سے روکا نہ گیا ہو تو خرید کردہ شے کے سپرد کرنے، ثمن پر قابض ہونے اور عیب کی بنا پر جھگڑنے و گفتگو کرنے ان سارے حقوق کے طلب کرنے کے سلسلہ میں وکیل سے رجوع کیا جائیگا اور ایسے عقود و معاملات جن کا انتساب مؤکل کیطرف ہو رہا ہو ان کے بارے میں وکیل کو چھوڑ کر مؤکل سے رجوع کیا جائے گا کہ ان میں دراصل وکیل کی حیثیت فقط سفیر و قاصد کی ہوتی ہے۔ لہٰذا مثلاً مہر کے مطالبہ کا جہاں تک تعلق ہے وہ خاوند کے وکیل سے طلب نہیں کیا جائیگا اور مؤکل ہی سے اس کا مطالبہ ہوگا۔ ایسے ہی عورت کی جانب سے مقرر شدہ وکیل پر یہ قطعاً لازم نہ ہوگا کہ وہ عورت کو حوالہ کرے۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک ہر عقد کے اندر حقوق کا تعلق مؤکل ہی سے ہوا کرتا ہے اس لئے کہ جہاں تک حقوق کا معاملہ ہے وہ حکم تصرف کے تابع ہوا کرتے ہیں اور حکم یعنی دوسرے الفاظ میں ملکیت مؤکل ہی سے متعلق ہوتی ہے لہٰذا جو حکم کے توابع شمار ہوتے ہوں وہ بھی اسی سے متعلق ہوں گے۔ عندالاحناف حقیقت کے اعتبار سے بھی اور حکم کے لحاظ سے بھی اس کا تعلق وکیل سے ہوگا۔ باعتبار حقیقت تو اس طرح کہ اسی کے کلام کے ذریعہ دراصل قیام عقد و معاملہ ہوا ہے اور حکم کے اعتبار سے یوں کہ اسے اس کی احتیاج نہیں کہ اس کی نسبت مؤکل کی جانب ہو۔ لہٰذا حقوق کے بارے میں وکیل کی حیثیت اصل کی ہوئی پس حقوق اسی کی جانب لوٹیں گے۔ اس کے برعکس عقد نکاح وغیرہ میں وکیل کی حیثیت فقط سفیر اور قاصد کی ہوتی ہے لہٰذا وہاں حقوق کا تعلق مؤکل سے ہوتا ہے۔

وَمَنْ وَكَّلَ رَجُلًا بِشِرَاءِ شَيْءٍ فَلَابُدَّ مِنْ تَسْمِيَةِ جِنْسِهٖ وَصِفَتِهٖ وَمَبْلَغِ ثَمَنِهٖ اِلَّا اَنْ يُوَكِّلَهٗ
اور جو شخص کسی کو کسی شے کی خریداری کا وکیل مقرر کرے تو اس کے لئے ناگزیر ہے کہ وہ اس کی جنس اور اسکی صفت اور مقدار قیمت بتلائے
وَكَالَةً عَامَّةً فَيَقُوْلُ اِبْتَعْ لِيْ مَا رَأَيْتَ وَاِذَا اشْتَرَى الْوَكِيْلُ وَقَبَضَ الْمَبِيْعَ ثُمَّ اطَّلَعَ عَلٰى
البتہ اگر اسے مختار عام بناکر یہ کہدیا ہو کہ میرے واسطے جو موزوں سمجھے خریدلے (تو اور بات ہے) اور اگر وکیل کوئی چیز خرید کر اس پر قابض
عَيْبٍ فَلَهٗ اَنْ يَرُدَّهٗ بِالْعَيْبِ مَادَامَ الْمَبِيْعُ فِيْ يَدِهٖ فَاِنْ سَلَّمَهٗ اِلَى الْمُوَكِّلِ لَمْ يَرُدَّهٗ اِلَّا بِاِذْنِهٖ
ہوجائے اس کے بعد عیب کی خبر ہو تو تاوقتیکہ خرید کردہ شے پر اس کا قبضہ ہو عیب کے باعث اسے لوٹانیکا حق ہے اور اگر مؤکل کے سپرد کرچکا ہو تو بلا اس
وَيَجُوْزُ التَّوْكِيْلُ بِعَقْدِ الصَّرْفِ وَالسَّلَمِ فَاِنْ فَارَقَ الْوَكِيْلُ صَاحِبَهٗ قَبْلَ الْقَبْضِ بَطَلَ الْعَقْدُ
کی اجازت کے واپس نہ کریگا اور یہ درست ہے کہ عقد صرف اور سلم میں وکیل بنایا جائے لہٰذا وکیل معاملہ والے شخص سے قابض ہونے سے قبل الگ ہوجانے
وَلَا يُعْتَبَرُ مُفَارَقَةُ الْمُوَكِّلِ وَاِذَا دَفَعَ الْوَكِيْلُ بِالشِّرَاءِ الثَّمَنَ مِنْ مَالِهٖ وَقَبَضَ الْمَبِيْعَ
پر عقد باطل قرار دیا جائیگا۔ اور مؤکل کے الگ ہوجانیکا کوئی اعتبار نہ ہوگا اور اگر خریداری کا وکیل قیمت اپنے مال سے ادا کردے اور خرید کردہ چیز پر
فَلَهٗ اَنْ يَرْجِعَ بِهٖ عَلَى الْمُوَكِّلِ فَاِنْ هَلَكَ الْمَبِيْعُ فِيْ يَدِهٖ قَبْلَ حَبْسِهٖ هَلَكَ مِنْ مَالِ الْمُوَكِّلِ
قابض ہوجائے تو وکیل مؤکل سے قیمت وصول کرلے گا۔ اگر خرید کردہ چیز وکیل کے پاس اس کے روکنے سے قبل تلف ہوگئی تو وہ مال مؤکل سے تلف
وَلَمْ يَسْقُطِ الثَّمَنُ وَلَهٗ اَنْ يَحْبِسَهٗ حَتّٰى يَسْتَوْفِيَ الثَّمَنَ فَاِنْ حَبَسَهٗ فَهَلَكَ فِيْ يَدِهٖ كَانَ مَضْمُوْنًا
ہوگی اور قیمت ساقط نہ ہوگی اور وکیل کو یہ حق ہے کہ وہ قیمت کی وصولیابی کے واسطے خرید کردہ شے روک لے لہٰذا اگر اس کے روکنے پر وہ
ضَمَانَ الرَّهْنِ عِنْدَ اَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَضَمَانَ الْبَيْعِ عِنْدَ مُحَمَّدٍ۔
اس کے پاس تلف ہوگئی تو امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ رہن کے ضمان کی طرح اسکا ضمان ہوگا اور امام محمدؒ کے نزدیک بیع کے ضمان کی طرح ہوگا۔

لغات کی وضاحت: شراء: خریداری۔ لابد: ضروری۔ فارق: الگ ہونا۔ جدا ہونا۔ حبس: روکنا۔ الثمن: قیمت

تشریح و توضیح

ومن وکل رجلا بشراء شیئ الخ۔ کسی شخص نے کسی کو کوئی شے خریدنے کا وکیل بنایا تو یہ ضروری ہے کہ شے کی جنس، صفت اور مقدار قیمت سے آگاہ کردے۔ اس بارے میں مقررہ اور طے شدہ ضابطہ یہ ہے کہ اگر وکالت کے اندر تعمیم ہو مثلاً وکیل بنانے والے نے یہ کہدیا ہو کہ تجھے اختیار ہے کہ جو تجھے اچھا لگے اسے خرید اور بیچ۔ یا وکالت کی تعیین کردی گئی ہو۔ مثال کے طور پر ترکی غلام خریدنے کی خاطر یا اور کوئی متعین شئ خریدنے کی خاطر وکیل بنائے۔ یا یہ کہ وکالت تو مجہول ہو مگر یہ ہلکے درجہ کی ہو تو ان دونوں شکلوں میں وکالت درست قرار دی جائے گی اور اگر جہالت ہلکے درجہ کی ہونے کے بجائے اونچے درجہ کی اور زیادہ ہو تو اس صورت میں وکالت ہی سرے سے درست نہ ہوگی۔ مثلاً اگر مؤکل ہرات کا تیار شدہ کپڑا خریدنے کی خاطر وکیل مقرر کرے تو یہ وکالت درست ہوگی اس سے قطع نظر کہ قیمت ذکر کی ہو یا نہ کی ہو۔ اس واسطے کہ یہاں جہالت محض صفت کے اندر ہے کہ کس قسم کا کپڑا مطلوب ہے اور وکالت کے اندر اتنی جہالت نظر انداز کرنیکے قابل شمار ہوتی ہے۔ اور اگر کسی شخص کو مثلاً مکان

کی خریداری کی خاطر وکیل مقرر کیا گیا ہو تو وکالت اسی صورت میں درست ہوگی جبکہ مؤکل نے ثمن کی تعیین کر دی ہو۔ اس لئے کہ یہ درمیانی درجہ کی جہالت ہے جس کا ازالہ قیمت متعین کر دینے سے ہو سکتا ہے۔ صاحب ہدایہ دار کی خریداری کیلئے مقرر کرنے اور کوئی صراحت نہ کرنے کو جہالت فاحشہ اور اونچے درجہ کی جہالت قرار دیتے ہیں۔ اس لئے کہ گھر کا جہاں تک معاملہ ہے اس میں ہمسایہ، محلہ وغیرہ کے لحاظ سے اختلاف ہوا کرتا ہے۔ اور اس کی تعمیل دشوار ہوتی ہے۔ صاحب بحر کے نزدیک یہ حکم ایسے ملک سے متعلق ہوگا جہاں کہ گھروں میں کھلا فرق ہوتا ہے اور اگر مثلاً کسی کو کپڑے کی خریداری کا وکیل مقرر کیا اور کپڑے کی تعیین وصراحت نہیں کی تو اس وکالت کو درست قرار نہ دیں گے اس واسطے کہ کپڑے مختلف قسم کے ہوتے ہیں اور تعیین کے بغیر اس کا شمار جہالت فاحشہ میں ہوگا۔

فله ان یرده بالعیب الخ۔ اگر وکیل کوئی شے خرید کر اس پر قابض ہو جائے اس کے بعد اس میں کسی عیب کا علم ہو تو تا وقتیکہ وہ خرید کردہ چیز وکیل کے پاس موجود ہو اس وقت وہ اس کے عیب دار ہونیکی بنا پر فروخت کرنیوالے کو لوٹا سکتا ہے اس لئے کہ بوجہ عیب لوٹانے کا شمار حقوقِ عقد میں ہوتا ہے اور عقد کے حقوق بجانب وکیل لوٹتے ہیں اور اگر ایسا ہو کہ وکیل نے وہ چیز مؤکل کے حوالہ کر دی ہو تو اب بلا اجازت اسے لوٹانے کا حق نہ ہوگا۔ اس لئے کہ خرید کردہ شے مؤکل کے سپرد کرنے پر وہ حکم وکالت کی تکمیل کر چکا۔

ویجوز التوکیل بعقد الصرف الخ۔ خواہ عقدِ سلم ہو یا کہ عقدِ صرف دونوں میں وکیل بنانا درست ہے اور ان دونوں مؤکل کے جدا ہونیکا کوئی اثر صحتِ بیع پر نہیں پڑتا البتہ وکیل کا الگ ہونا معتبر اور بیع کی صحت پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اس سے قطع نظر کہ وکیل بنانیوالا موجود ہو یا غیر موجود۔ وجہ یہ ہے کہ دراصل عقد و معاملہ کرنے والا وکیل ہے مؤکل نہیں لہٰذا اگر وکیل قابض ہونے سے قبل صاحبِ معاملہ سے الگ ہو جائے تو سرے سے یہ عقد ہی باطل قرار دیا جائے گا۔ درر البحار وغیرہ میں لکھا ہے کہ وکیل بنانیوالا (مؤکل) اگر حاضر ہو تو وکیل کے جدا ہونیکا بیع پر اثر نہ پڑیگا اسلئے کہ مؤکل کی حیثیت اصیل کی ہے اور وکیل اس کا قائم مقام ہے لیکن یہ قول معتمد نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ عقد میں اگرچہ وکیل کی حیثیت قائم مقام کی ہے مگر حقوقِ عقد کا جہانتک تعلق ہے اس میں اس کی حیثیت اصیل کی ہوتی ہے۔

واذا دفع الوکیل بالشراء الثمن الخ۔ اگر خریداری کیلئے مقرر کردہ وکیل نے ادائیگی قیمت اپنے ہی مال سے کر دی تو اسے یہ حق ہے کہ مؤکل سے قیمت کی وصولیابی کی خاطر خرید کردہ شے کو روک لے۔ حضرت امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ وکیل کو روکنے کا حق نہ ہوگا اس لئے کہ وکیل کا قابض ہونا گویا مؤکل کا قابض ہونا ہوا اور گویا وکیل نے خرید کردہ شے مؤکل کے حوالہ کر دی پس اس کے روکنے کا حق باقی نہ رہا۔

دیگر ائمہ احنافؒ فرماتے ہیں کہ وکیل کی حیثیت قیمت کے مطالبہ میں فروخت کرنیوالے کی سی ہے۔ اور فروخت کرنے والے کو قیمت وصول کرنے کی خاطر خرید کردہ چیز کو روکنے کا حق ہے۔ پس وکیل کو بھی اس کا استحقاق ہوگا۔ اب اگر خرید کردہ شے روکنے سے پہلے وکیل کے پاس تلف ہو جائے تو مالِ مؤکل سے تلف شدہ قرار دی جائیگی اور مؤکل پر قیمت کی ادائیگی لازم ہوگی اس لئے کہ وکیل کا قابض ہونا مؤکل کا قابض ہونا ہے اور وکیل نے خرید کردہ چیز نہیں روکی تو

اسے مؤکل کے پاس تلف ہونا شمار کیا جائیگا اور مؤکل پر اس کا ثمن لازم ہوگا اور وکیل کے روکنے کے بعد تلف ہونے پر امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک خرید کردہ شے کا حکم اس کے لئے ہوگا اور مؤکل سے قیمت ساقط ہو جائے گی۔ اس لئے کہ وکیل کی حیثیت بائع کی سی ہے اور قیمت کی وصولیابی کی خاطر اس نے بیع رد کی اور وہ تلف ہوگئی تو جس طرح بائع کے روکنے پر قیمت ساقط ہو جاتی ہے اسی طرح وکیل کے روکنے سے ساقط ہو جائیگی۔ امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ یہ رہن کیطرح ہے کہ ثمن کی قیمت سے زیادہ ہونے پر وکیل زائد مقدار مؤکل سے لے گا۔

وَاِذَا وَكَّلَ رَجُلٌ رَجُلَيْنِ فَلَيْسَ لِاَحَدِهِمَا اَنْ يَتَصَرَّفَ فِيْمَا وُكِّلَا فِيْهِ دُوْنَ الْاٰخَرِ اِلَّا
اور اگر کوئی شخص دو آدمیوں کو وکیل بنائے تو یہ درست نہیں کہ ان میں سے ایک بغیر دوسرے کے ایسی چیز کے اندر تصرف کرے جسمیں انھیں
اَنْ يُوَكِّلَهُمَا بِالْخُصُوْمَةِ اَوْ بِطَلَاقِ زَوْجَتِهٖ بِغَيْرِ عِوَضٍ اَوْ بِرَدِّ وَدِيْعَةٍ عِنْدَهٗ اَوْ بِقَضَاءِ
وکیل مقرر کیا گیا ہو الا یہ کہ انھیں خصومت و جواب دینے کیلئے یا بغیر اپنی زوجہ کو طلاق دینے یا بغیر اپنے غلام کو علاقۂ غلامی سے آزاد کرنے یا امانت لوٹانے
دَيْنٍ عَلَيْهِ وَلَيْسَ لِلْوَكِيْلِ اَنْ يُّوَكِّلَ فِيْمَا وُكِّلَ بِهٖ اِلَّا اَنْ يَّاْذَنَ لَهُ الْمُوَكِّلُ اَوْ يَقُوْلَ
یا اپنے قرض ادا کرنیکی خاطر مقرر کیا ہو (تو ایک کا تصرف بھی درست ہے) اور وکیل کیواسطے یہ درست نہیں کہ ایسے کام میں دوسرے شخص کو وکیل مقرر کرے جس
لَهٗ اِعْمَلْ بِرَاْيِكَ فَاِنْ وَكَّلَ بِغَيْرِ اِذْنِ مُوَكِّلِهٖ فَعَقَدَ وَكِيْلُهٗ بِحَضْرَتِهٖ جَازَ وَاِنْ عَقَدَ
کیلئے اسے وکیل بنایا گیا ہو الا یہ کہ مؤکل نے اجازت دیدی ہو کہ اپنی رائے کیموافق عمل کرلے لہٰذا اگر وہ بلا اجازت مؤکل وکیل بنائے اور وکیل اسکے حاضر ہوتے
بِغَيْرِ حَضْرَتِهٖ فَاَجَازَهُ الْوَكِيْلُ الْاَوَّلُ جَازَ وَلِلْمُوَكِّلِ اَنْ يَّعْزِلَ الْوَكِيْلَ عَنِ الْوَكَالَةِ
ہوئے کوئی معاملہ کرے تو درست ہے۔ اور اگر معاملہ اسکی غیر حاضری کی حالت میں ہوا اور پہلا وکیل اسے پسند کرے تب بھی درست ہے۔ اور مؤکل کو یہ حق ہے کہ
فَاِنْ لَّمْ يَبْلُغْهُ الْعَزْلُ فَهُوَ عَلٰى وَكَالَتِهٖ وَتَصَرُّفُهٗ جَائِزٌ حَتّٰى يَعْلَمَ.
وکیل کو وکالت سے ہٹا دے۔ پس اگر وکیل کو وکالت سے معزول ہونیکی اطلاع نہ ہو تو اسکی وکالت برقرار رہیگی اور اسکا تصرف اسوقت تک درست رہیگا جبتک کہ اسے اسکی اطلاع نہ ہوگا۔

ایک شخص کے دو وکیل مقرر ہونے کا ذکر

تشریح و توضیح

وَاِذَا وَكَّلَ رَجُلٌ رَجُلَيْنِ الخ. اگر کوئی شخص مضاربت، خلع، بیع وغیرہ میں دو آدمی وکیل مقرر کرے تو ان دونوں میں سے ایک کو دوسرے کے بغیر تصرف کرنا درست نہ ہوگا۔ اسلئے کہ معاملات میں جو عمدگی دو آدمیوں کی رائے کے ذریعہ آتی ہے اور جو تقویت پیدا ہوتی ہے اتنی عمدگی و قوت ایک کی رائے سے نہیں آتی اور مؤکل کا جہاں تک تعلق وہ بھی ایک کی رائے پر رضامند نہیں بلکہ دونوں کی رائے کے مطابق عمل و تصرف میں اس کی رضا ہے اور اس کے دو وکیل مقرر کرنیکا مقصد بھی یہی ہے کہ تنہا ایک کے تصرف کا نفاذ نہ ہو۔ لیکن حسب ذیل چیزوں میں تصرف کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا گیا اور ان میں صرف ایک کا تصرف کافی ہے۔ وہ چیزیں یہ ہیں۔ (۱) بغیر عوض

طلاق (۲) بغیر عوض آزاد کرنا (۳) امانت کی واپسی (۴) قرض کی ادائیگی (۵) غلاموں کو مدبر بنانا (۶) عاریت کی واپسی (۷) غصب کردہ چیز لوٹانا (۸) بیع فاسد کی مبیع کو لوٹانا (۹) ہبہ کا سپرد کرنا۔

ولیس للوکیل ان یوکل الخ۔ وہ شخص جسے کسی کام کی خاطر وکیل مقرر کیا گیا ہو وہ اس کیلئے کسی اور کو وکیل مقرر کرے یہ درست نہیں۔ اس لئے کہ مؤکل کی جانب سے اسے اختیارِ تصرف ضرور ہے مگر وکیل بنانیکا حق نہیں۔ علاوہ ازیں لوگوں کی رائیں الگ الگ ہوا کرتی ہیں اور مؤکل محض اپنے وکیل کی رائے پر رضامند ہے دوسرے کی رائے پر نہیں۔ البتہ اگر مؤکل ہی دوسرا وکیل بنانے کی اجازت دیدے یا یہ کہدے کہ تم اپنی رائے کیموافق عمل کرلو تو اسے یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ دوسرے کو وکیل مقرر کردے۔ اب اگر ایسا ہو کہ وکیل بلا اجازتِ مؤکل کسی اور کو وکیل مقرر کرے اور دوسرا وکیل پہلے وکیل کے سامنے معاملہ کرے اور پہلا وکیل اس معاملہ کو درست قرار دے تو معاملہ درست ہوگا۔ اس لئے کہ یہاں بنیادی طور پر پہلے وکیل کی رائے مطلوب ہے اور وکیل اول کی موجودگی میں یہ معاملہ ہوا اور اس نے اس میں اپنی رائے ظاہر کردی۔

وَتبطلُ الوکالۃُ بموتِ المُؤکِّلِ وجنونہٖ جنوناً مطبقاً ولحاقہٖ بدارِ الحربِ مُرتدًّا اَوْ اِذا
اور مؤکل کے انتقال سے وکالت باطل ہوجایا کرتی ہے۔ اور اس کے قطعی پاگل ہوجانے اور اسلام سے پھر کر دار الحرب جا پہنچنے پر بھی وکالت

وکّلَ المُکاتبُ رجلاً ثمّ عجزَ اوالمأذونُ لہٗ فحُجِرَ علیہِ اَوِ الشریکان فافترقا فھٰذہ الوجوہُ
باطل ہوجائیگی اور اگر مکاتب کسی کو وکیل بنائے پھر وہ بدل کتابت ادا نہ کرسکے یا تجارت کی اجازت دیئے گئے غلام کو اس سے روک دیا جائے یا دو

کلّھا تبطلُ الوکالۃَ علِمَ الوکیلُ اَوْ لم یعلَمْ واِذا ماتَ الوکیلُ اَوْ جُنّ جنوناً مطبقاً بَطلتْ
شریکوں نے وکیل بنایا اسکے بعد دونوں الگ ہوگئے تو ان ساری شکلوں میں وکالت باطل ہوجائے گی وکیل خواہ اسے باخبر ہو یا نہ ہوا اور وکیل کا انتقال

وکالتُہٗ وَاِنْ لحقَ بدارِ الحربِ مرتدًّا لم یجزْ لہٗ التصرفُ اِلّا اَنْ یعودَ مُسلماً وَ
ہوگیا یا قطعی پاگل ہوگیا تو اسکی وکالت بھی ختم ہوگئی اور اگر وکیل اسلام سے پھر کر دار الحرب میں چلاگیا تو اس کیواسطے تصرف کرنا درست نہیں الا یہ کہ وہ دوبارہ

مَنْ وکّلَ رجلاً بشیٔ ثمّ تصرّفَ المؤکِّلُ بنفسہٖ فیما وکّلَ بہٖ بَطلتِ الوکالۃُ۔
اسلام قبول کرکے آئے اور جس شخص کو کسی کام کی خاطر وکیل مقرر کیا جائے اس کے بعد وکیل اپنے آپ وہ کام کرلے تو وکالت ختم ہوجائے گی۔

وکالت کو ختم کرنیوالی باتیں

تشریح و توضیح

وتبطلُ الوکالۃُ بموتِ المؤکّلِ الخ۔ یہاں یہ فرماتے ہیں کہ نیچے ذکر کردہ باتوں میں سے اگر کوئی سی بات بھی واقع ہو تو وکالت برقرار نہ رہے گی۔

(۱) مؤکل کا انتقال ہوجائے (۲) مؤکل قطعی اور دائمی پاگل ہوجائے (۳) مؤکل دائرہ اسلام سے نکل کر دار الحرب چلاجائے

(۴) مؤکل مکاتب ہونے پر وہ بدل کتابت ادا کرنے کے لائق نہ رہے (۵) مؤکل تجارت کی اجازت دیا گیا غلام ہوا اور پھر اسے اس سے روکدیا جائے (۶) دونوں شریکوں میں سے کوئی الگ ہو جائے (۷) وکیل کا انتقال ہو جائے۔ (۸) وکیل دائمی پاگل ہو جائے (۹) وکیل اسلام سے پھر کر دار الحرب چلا گیا ہو (۱۰) جس کام کے انجام دینے کے لئے وکیل مقرر کیا ہو مؤکل اسے خود کرلے اور اب وکیل اس میں تصرف نہ کرسکے۔ مثلاً غلام آزاد کرنا اور کسی معین چیز کی خریداری وغیرہ۔

وَجنوناً مطبقاً الخ۔ جنون مطبق کی تعریف کیا ہے۔ اس کی تشریح کے سلسلہ میں متعدد قول ہیں۔ درر میں امام محمدؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اگر سال بھر یہ پاگل پن رہے تو اسے جنون مطبق (دائمی پاگل پن) کہا جائے گا۔ اس لئے کہ اس کے باعث ساری عبادتیں ساقط ہو جاتی ہیں اور وہ انکی انجام دہی کا مکلف نہیں رہتا۔ صاحب بحر اسی قول کو درست قرار دیتے ہیں۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہ امام ابو یوسفؒ کا قول ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ اسقدر پاگل پن کے ذریعہ رمضان شریف کے روزوں کا اس کے ذمے سے سقوط ہو جاتا ہے۔ ابو بکر رازیؒ نے حضرت امام ابو حنیفہؒ سے اسی طرح کا قول نقل کیا ہے۔ اور قاضی خاں تو امام ابو حنیفہؒ کے اسی قول کو مفتیٰ بہ قرار دیتے ہیں۔ امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت کی رو سے پاگل پن ایک دن و رات رہنا بھی جنونِ مطبق میں داخل ہے۔ اس واسطے کہ یہ پانچوں نمازوں کے ساقط ہو جانیکا سبب ہے۔

لم یجز له التصرف الّا ان یعود مسلماً الخ۔ اگر وکیل دائرۂ اسلام سے نکل کر دار الحرب چلا جائے تو سارے ائمہ فرماتے ہیں کہ جس وقت تک قاضی اس کے دار الحرب چلے جانیکا حکم نہ کردے وہ وکالت سے معزول نہ ہوگا۔ صاحب کفایہ بھی اسی طرح بیان فرماتے ہیں۔

وَالوَكِيلُ بالبيعِ والشراءِ لَايجوزُ لهُ اَنْ يعقدَ عِندَ ابي حنيفةَ رحمهُ اللهُ مَعَ ابيهِ وجدِّهٖ

اور خرید و فروخت کی خاطر بنائے گئے وکیل کے واسطے امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اپنے والد اور دادا اور

وَوَلدِهٖ وَولدِ وَلدِهٖ وَزوجتِهٖ وَعبدِهٖ وَمكاتبِهٖ وَقالَ ابو يوسُفَ ومحمَّدٌ رحمهما اللهُ يجوزُ بيعُهٗ

بیٹے اور پوتے اور زوجہ اور غلام اور مکاتب غلام کے ساتھ معاملہ کرنا درست نہیں اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کہتے ہیں کہ بجز

مِنهُم بمثلِ القِيمةِ اِلّا فِي عبدِهٖ وَمكاتبِهٖ وَالوكيلُ بالبيعِ يجوزُ بيعُهٗ بالقليلِ والكثيرِ عند

اپنے غلام اور مکاتب کے وکیل کا ان لوگوں کو کامل قیمت کے ساتھ فروخت کرنا درست ہے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک بیع کیلئے مقرر کردہ وکیل

اَبِي حنيفةَ وَقالا لَايجوزُ بيعُهٗ بنقصانٍ لايتغابنُ الناسُ فِي مِثلِهٖ وَالوكيلُ بالشراءِ يجوزُ

کو کمی زیادتی کے ساتھ بیچنا جائز ہے اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک اسقدر کمی کے ساتھ فروخت کرنا درست نہیں جو کہ لوگوں کے درمیان مروج نہ

عَقدُهٗ بمثلِ القِيمةِ وَزيادةٍ يتغابنُ الناسُ فِي مِثلِها وَلَايجوزُ بِمَا لَايتغابنُ الناسُ

ہو اور اگر خریداری کے وکیل کا مساوی قیمت اور اتنے اضافہ کے ساتھ معاملہ کرلینا درست ہے جو کہ لوگوں کے درمیان مروج ہو اور اسقدر اضافہ

فِي مثلِهٖ وَالذِي لايتغابنُ الناسُ فيهِ مَا لَايدخلُ تحتَ تقويمِ المقوِّمِينَ وَاِذا

کے ساتھ درست نہیں جو لوگوں کے درمیان مروج نہ ہو اور لوگوں کے درمیان غیر مروج قیمت وہ کہلاتی ہے جو قیمت لگانے والوں کی قیمت لگانے کے

ضَمِنَ الوَكِيلُ بِالبَيعِ الثمنَ عَنِ المُبتاعِ فضمانُهُ باطِلٌ ۔

اندر نافذ ہوا اور اگر بیع کے لئے مقرر کردہ وکیل خریدار کی جانب سے ضامن قیمت بنے تو اس کا ضامن بننا باطل ہوگا۔

وہ کام جنکی خرید و فروخت کیلئے مقرر کردہ وکیل کو ممانعت ہے

تشریح و توضیح

وَالوکیلُ بالبیعِ وَالشراءِ لایجوزُ الخ. خرید و فروخت کیلئے مقرر کردہ وکیل کو بیع صرف وغیرہ میں ان لوگوں سے معاملہ کرنا درست نہیں جن کی شہادت بحق وکیل نا قابل قبول ہوتی ہے۔ مثلاً باپ، دادا، بیٹا، پوتا، زوجہ اور غلام وغیرہ۔ وجہ یہ ہے کہ ان میں باہم منافع کا اتصال ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے وکیل متہم ہوسکتا ہے۔ حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ بجز اپنے غلام اور مکاتب کے قیمت کامل کے ساتھ عقد ہونیکی صورت میں ان سے معاملۂ بیع درست ہے۔

وَالوکیل بالبیع یجوز بیعہ بالقلیل والکثیر الخ. حضرت امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ بیع کیلئے مقرر کردہ وکیل کو کمی بیشی کے ساتھ نیز ادھار اور سامان کے بدلہ ہر طریقہ سے فروخت کرنا درست ہے اس لئے کہ جب مطلق اور بلاکسی قید کے وکیل بنایا گیا تو اس میں کوئی قید نہیں لگائی جائے گی۔

حضرت امام ابو یوسفؒ و حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ وکیل کی بیع کے صحیح ہونیکی تخصیص کامل قیمت، نقود اور متعارف و مروج مدت کیساتھ کی گئی ہے۔ حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ کے نزدیک وکیل کا ادھار فروخت کرنا درست نہیں۔ صاحب بزازیہ فرماتے ہیں کہ حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کا قول مفتیٰ بہ ہے اور علامہ شیخ قاسمؒ تصحیح القدوری میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کے قول کو راجح قرار دیتے ہیں۔

والوکیل بالشراء یجوز عقدہ الخ. خریداری کیلئے مقرر کردہ وکیل کے خریدنے کا صحیح ہونا اس کے ساتھ مقید ہے کہ یا تو وہ اس قیمت میں خریدے جتنی میں وہ عموماً بیچی جاتی ہو اور یا اسقدر اضافہ کے ساتھ خریدے کہ اس کی قیمت سے آگاہ لوگ اس چیز کی قیمت میں شامل کیا کرتے ہوں۔

اس قید کیساتھ اور اسکی رعایت کرتے ہوئے خریدنا صحیح ہوگا ورنہ صحیح نہ ہوگا۔ اس لئے کہ اس جگہ یہ تہمت لگائی جا سکتی ہے کہ اس کا خریدنا اپنے واسطے ہوا اور پھر اس میں خسارہ نظر آنے پر وہ خود خریدنے کے بجائے اسے مؤکل کے ذمہ ڈال کر خود خسارہ سے بچ جائے۔

وَاِذَا وَكَّلَهُ بِبَيعِ عَبدِهِ فَبَاعَ نِصفَهُ جَازَ عِندَ اَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَاِن وَكَّلَهُ بِشِرَاءِ

اور اگر غلام فروخت کرنیکی وکیل مقرر کرے اور وکیل نصف غلام فروخت کردے تو درست ہے امام ابو حنیفہؒ یہی فرماتے ہیں اور اگر غلام

عَبدٍ وَاشتَرَىٰ نِصفَهُ فَالشِّرَاءُ مَوقُوفٌ فَاِنِ اشتَرَىٰ بَاقِيَهُ لَزِمَ المُوَكِّلَ وَاِذَا وَكَّلَهُ

کی خریداری کی خاطر وکیل مقرر کر لیا ہو اور وہ نصف خریدے تو یہ خریدنا موقوف ہوگا لہٰذا اگر اس نے باقی حصہ خرید لیا تو مؤکل کیلئے لازم

بشراء عشرة أرطال اللحم بدرهم فاشترى عشرين رطلاً بدرهم من لحم يباع مثله
ہوگا اور اگر کسی شخص کو دس رطل گوشت بمعاوضہ ایک درہم خریدنے کی خاطر وکیل مقرر کرے پھر وہ ایک درہم کے اندر بیس رطل گوشت اسی طرح کا خریدلے
عشرة أرطال بدرهم لزم المؤكل منه عشرة بنصف درهم عند أبي حنيفة رحمه الله
جس طرح کا ایک درہم کے اندر دس رطل فروخت ہوا کرتا ہے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مؤکل پر لازم ہوگا کہ وہ آدھے درہم میں دس رطل گوشت
وقالا يلزمه العشرون وإن وكله بشراء شئ بعينه فليس له أن يشتريه لنفسه و
لیلے اور صاحبینؒ کے نزدیک بیس رطل گوشت لینا لازم ہوگا اور اگر کسی خاص شئ کی خریداری کی خاطر وکیل مقرر کرے تو وکیل کیلئے یہ درست نہیں
وكله بشراء عبد بغير عينه فاشترى عبداً فهو للوكيل إلا أن يقول نويت الشراء
کہ وہ چیز اپنے واسطے خریدے اور اگر غیر معین غلام کی خریداری کا وکیل بنائے پھر وکیل کوئی غلام خریدے تو اسے وکیل ہی کیلئے قرار دینگے البتہ اگر وکیل
للمؤكل أو يشتريه بمال المؤكل
یہ کہتا ہے کہ میں نے اس کی خریداری مؤکل کیواسطے کی ہے یا یہ کہ اس نے غلام مالِ مؤکل سے خریدا ہو (تو مؤکل کا ہوگا)

وکالت کے متفرق مسئلے

تشریح و توضیح

واذا وكله ببيع عبده فباع نصفه الخ. کوئی شخص کسی کو غلام بیچنے کی خاطر وکیل مقرر کرے اور وکیل آدھا غلام فروخت کردے تو حضرت امام ابوحنیفہؒ وکالت کے مطلق و بلا قید ہونے کی بنا پر اس بیع کو درست قرار دیتے ہیں۔ حضرت امام ابویوسفؒ، حضرت امام محمدؒ، حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ کے نزدیک اگر وہ خصومت سے قبل قبل باقی آدھے کو بھی فروخت کردے تو بیع درست ہوگی ورنہ درست نہ ہوگی۔ اسلئے کہ آدھا غلام بیچنے کے باعث غلام میں دوسرے کی شرکت ہوگئی اور شرکت اس طرح کا عیب ہے کہ اس کی بنا پر غلام کی قیمت گھٹ جاتی ہے پس اس سے اطلاق مقصود نہ ہوگا۔ اور اگر خریداری کی خاطر وکیل مقرر کیا گیا ہو اور اس نے آدھا غلام خرید لیا ہو تو متفقہ طور پر سب کے نزدیک یہ خریداری موقوف شمار ہوگی۔ اگر وہ باقی آدھے کو بھی خریدلے تو خریداری درست ہوگی ورنہ درست نہ ہوگی۔ کیونکہ خریداری کی شکل میں متہم ہو سکتا ہے۔

واذا وكله بشراء عشرة الخ. کوئی شخص کسی کو دس رطل گوشت کے بمعاوضہ ایک درہم خریداری کی خاطر وکیل مقرر کرے اور پھر وکیل اسی طرح کا گوشت ایک درہم کے بدلہ بیس رطل خریدلے تو اس صورت میں حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں مؤکل پر لازم ہے کہ وہ آدھے درہم کے بدلہ دس رطل گوشت لیلے۔ امام ابویوسفؒ، امام محمدؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ مؤکل پر ایک درہم کے بدلہ بیس رطل گوشت لینا لازم ہوگا۔ وجہ یہ ہے کہ وکیل نے اس کا کوئی نقصان کرنے کے بجائے اسے فائدہ ہی پہنچایا ہے۔

فليس له ان يشتريه لنفسه الخ. اگر کسی مخصوص شئے کی خریداری کے لئے مؤکل کسی کو وکیل بنائے تو اس

صورت میں وکیل کیلئے وہ شے اپنے واسطے خریدنا درست نہ ہوگا۔ اسلئے کہ اس شکل میں گویا وہ اپنے آپ کو وکالت سے معزول کر رہا ہے اور تاوقتیکہ وکیل موجود نہ ہو وہ ایسا نہیں کر سکتا۔

وَالوكيلُ بالخصومَةِ وَكيلٌ بِالقبضِ عندَ ابي حنيفةَ وَ ابي يوسفَ ومحمدٍ رحمهم اللهُ
امام ابوحنیفہؒ، امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ خصومت وجواب دہی کے وکیل کو وکیل بالقبض بھی قرار دیا جائے گا۔
وَالوكيلُ بقبضِ الدينِ وكيلٌ بالخصومةِ فيهِ عندَ ابي حنيفةَ رحمهُ اللهُ وَاِذا اَقرَّ
اور قرض پر قابض ہونے کے لئے مقررہ وکیل کو بالخصومت بھی شمار کیا جائیگا امام ابوحنیفہؒ یہی فرماتے ہیں۔ اور اگر وکیل بالخصومت
الوكيلُ بِالخصومَةِ عَلىٰ مُؤَكِّلِهٖ عندَ القاضِي جَازَ اقرارُهٗ وَلَا يجوزُ اقرارُهٗ عليهِ عِندَ
قاضی کے یہاں کسی شے کے مؤکل کے ذمہ ہونیکا اقرار کرے تو یہ درست ہے۔ اور قاضی کے علاوہ کے یہاں مؤکل کے ذمہ کسی شے کے
غيرِ القاضِي عِندَ ابي حنيفةَ ومحمدٍ رحمهما اللهُ اِلَّا انَّهٗ يخرجُ مِنَ الخصومَةِ وقالَ ابو يوسفَ
ہونیکا اس کا اقرار درست نہ ہوگا۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ یہی فرماتے ہیں لیکن وہ خصومت سے نکل جائے گا۔ اور امام ابویوسفؒ
رَحمهُ اللهُ يجوزُ اقرارُهٗ عليهِ عندَ غيرِ القاضِي وَمَن ادَّعىٰ انَّهٗ وكيلُ الغائبِ فِي قبضِ
قاضی کے علاوہ کے پاس بھی اس کے اقرار کو درست کہتے ہیں۔ اور جو شخص قرض کی وصولیابی میں فلاں غائب کا وکیل ہونیکا مدعی
دَينِهٖ فصدَّقهُ الغريمُ اُمِرَ بتسليمِ الدينِ اليهِ فَاِن حضرَ الغائبُ فصدَّقهٗ جازَ وَاِلَّا دفعَ
ہو اور مقروض اس کے دعوے کو درست قرار دے تو اسے حکم دیا جائیگا کہ وہ قرض سپرد کردے۔ اب غائب شخص نے حاضری ہونے پر وکیل کے
اليهِ الغريمُ الدينَ ثانيًا وَيرجعُ بهٖ عَلَى الوكيلِ اِن كانَ باقيًا فِي يدِهٖ وَاِن قالَ اِنِّي
قول کی تصدیق کی ہو تو یہ ادائیگی درست ہوگی ورنہ مقروض از سرنو قرض کی ادائیگی کرکے وکیل سے وصول کریگا بشرطیکہ وہ رقم وکیل کے پاس موجود ہو
وَكيلٌ بقبضِ الوديعةِ فصدَّقهُ المودَعُ لَم يؤمرْ بِالتسليمِ اليهِ
اور اگر کوئی شخص مدعی ہو کہ میں وصولیابی امانت کا امین ہوں اور امانت دیا گیا شخص اسکے قول کو درست قرار دے تو اسے امانت سپرد کرنیکا حکم نہ کرینگے۔

تشریح وتوضیح

وَالوكيلُ بالخصومَةِ وكيلٌ بالقبضِ الخ۔ کسی شخص کو خصومت کی خاطر وکیل مقرر کیا گیا تو امام زفر، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ وہ وکیل بالقبض قرار نہ دیا جائیگا اس واسطے کہ مؤکل اس کے محض وکیل بالخصومت ہونے پر رضامند ہے۔ اس کے وکیل بالقبض ہونے پر نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ خصومت اور قبضہ کا جہاں تک معاملہ ہے دونوں کا الگ الگ ہونا ظاہر ہے تو یہ بالکل ضروری نہیں کہ مؤکل اگر ایک پر راضی ہو تو دوسرے پر بھی اسی طرح راضی ہو۔

امام ابوحنیفہؒ، امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ وکیل بالخصومت کو وکیل بالقبض بھی قرار دیتے ہیں اس لئے کہ جس شخص کو کسی چیز پر ملکیت حاصل ہوتی ہے اسے اس کی تکمیل کا بھی حق حاصل ہوتا ہے اور حکومت کی تکمیل قابض

ہونے سے ہوا کرتی ہے۔ لہٰذا اسے اس کا بھی حق ہوگا۔ مگر یہاں مفتیٰ بہ امام زفرؒ کا قول ہے۔

وَاِذا اقرّ الوکیل بالخصومۃ الخ۔ اگر خصومت کا وکیل قاضی کے یہاں وکیل بنانیوالے کے خلاف قصاص اور حدود کو چھوڑ کر کسی اور شئے کا اقرار کرتا ہو تو امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ اس کے اقرار کو درست قرار دیتے ہیں اور قاضی کے بجائے کسی دوسرے کے یہاں اقرار کرے تو یہ اقرار درست نہ ہوگا۔ امام ابویوسفؒ دونوں صورتوں میں درست قرار دیتے ہیں۔ امام زفرؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ دونوں صورتوں میں اسے درست قرار نہیں دیتے اسواسطے کہ خصومت کا وکیل اس پر مقرر کیا گیا اور اقرار اس کی ضد شمار ہوتا ہے۔ لہٰذا خصومت کی وکالت میں اقرار کو شامل قرار نہ دیں گے۔ امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ وکیل مؤکل کا قائم مقام ہے اور وکیل بنانے والے کے اقرار کی تخصیص محض قضاء کی مجلس کے ساتھ نہیں۔ پس قائم مقام کے اقرار کی تخصیص بھی فقط مجلس قضاء کے ساتھ نہ ہوگی۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ خصومت کی وکالت کے زمرے میں ہر وہ جواب داخل ہے جسے خصومت کہہ سکتے ہوں خواہ حقیقی اعتبار سے ہو یا مجازی اعتبار سے اور قضاء کی مجلس میں اقرار یہ دراصل مجازی اعتبار سے خصومت ہے۔ اس کے برعکس قضاء کی مجلس کے علاوہ اقرار خصومت نہیں کہلاتا۔

وَمن ادعیٰ انہ وکیل الغائب الخ۔ کوئی شخص اگر یہ دعویٰ کرے کہ وہ فلاں غائب شخص کی جانب سے اس کا قرض وصول کرنے کی خاطر اس کا وکیل ہے اور پھر جو شخص مقروض ہو وہ اس کے قول کو درست قرار دے تو اس صورت میں مقروض کو حکم کریں گے کہ وہ قرض وکالت کے مدعی کے حوالہ کردے اس لئے کہ وکالت کے دعویدار کو درست قرار دے کر اس نے خود اعتراف کرلیا۔ اب اگر غیر حاضر شخص نے بھی آنے کے بعد اس کے قول کو درست قرار دیا تب تو مضائقہ ہی نہیں اور اس کے تصدیق نہ کرنے کی صورت میں مقروض سے کہیں گے کہ وہ از سرِ نو قرض ادا کرے اس لئے کہ غیر موجود شخص کے بحلف یہ کہنے پر کہ وہ اس کا وکیل نہیں اسے قرض ادا کرنا درست نہ ہو۔ پس دوبارہ ادائیگی لازم ہوگی۔ اب اگر وکالت کے دعویدار کو دیا ہوا قرض برقرار ہو تو مقروض اس سے وصول کرلیگا اس لئے کہ اس کے دینے سے مقصود قرض سے بری الذمہ ہونا تھا اور اس کا حصول نہیں ہوا پس وہ اس سے لے گا اور اگر تلف ہوگیا ہو تو مقروض وکالت کے مدعی سے نہیں لے سکتا۔ اس واسطے کہ تصدیقِ وکالت کرکے دینا اس میں خود اس کا قصور ہے۔ البتہ بغیر تصدیق مال دینے کی صورت میں واپس لے سکتا ہے۔ ایسے ہی اگر بوقتِ ادائیگی کسی کو ضامن بنالے تو وہ ضامن سے وصول کرسکتا ہے۔

کتاب الکفالۃ

کفالہ کا ذکر

کتاب الخ۔ صاحبِ کتاب، کتاب الوکالۃ کے بعد کتاب الکفالت بیان فرمارہے ہیں۔ ان دونوں کا شمار

عقد تبرع میں ہوتا ہے اور اس میں غیر کا نفع ہوتا ہے۔ البرہان میں اسی طرح ہے۔

الکفالۃ۔ کے معنی سرپرست کے بھی آتے ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے "وکفلہا زکریا" (اور حضرت زکریا کو ان کا سرپرست بنایا) اور اس کے معنی ضم اور ملانے کے بھی آتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ میں اور یتیم کی کفالت کرنیوالا دو انگلیوں کی طرح ہیں۔ یعنی یتیم کو ذات گرامی کے ساتھ ملایا۔ الکافل: ضامن۔ یتیم کا متولی۔ الکفالۃ: ضمانت الکفیل: ضامن۔ ہم مثل۔ کہا جاتا ہے "رجل کفیل" تکفل: ضامن ہونا۔ کہا جاتا ہے "تکفل بالمال" یعنی اپنے ذمہ کرلیا۔ شرعی اعتبار سے جہانتک مطالبہ کا تعلق ہے اس میں کفیل کے ذمہ کا اصل کے ساتھ الحاق ہے کہ کفیل سے بھی مطالبہ کا حق حاصل ہوتا ہے۔ مگر یہ واضح رہے کہ محض کفالت کے باعث کفیل پر دین ثابت نہ ہوگا بلکہ وہ بدستور اصیل کے ذمہ رہے گا۔ لہٰذا بعض لوگوں کا یہ قول درست نہیں کہ اصیل پر دین برقرار رہتے ہوئے کفیل پر اس کا حق ثابت ہو جائے گا۔ اس لئے کہ اسے تسلیم کرنیکی صورت میں دینِ واحد کے دو ہونیکا لزوم ہوگا اور یہ ظاہر ہے درست نہیں۔

اصطلاحی الفاظ واضح رہے کہ اصطلاح میں مدعی یعنی جس کا قرض ہو اسے مکفول لہ اور مدعیٰ علیہ کو مکفول عنہ اور اصیل۔ اور مال مکفول کو مکفول بہ اور جس سے بوجہ کفالت مطالبہ کیا جاتا ہے اسے کفیل کہتے ہیں۔ اور اسکی دلیل اجماع ہے۔

تنبیہ:۔ مال کے جان کی کفالت وضمانت ہو تو اسے بھی مکفول بہ کہتے ہیں۔ یعنی جس چیز کی ضمانت ہو خواہ وہ مال ہو یا جان اس پر مکفول بہ کا اطلاق ہوتا ہے اور اصطلاح میں اسے مکفول بہ کہتے ہیں۔

الكفالةُ ضربانِ كفالةٌ بالنفسِ وكفالةٌ بالمالِ وَالكفالةُ بالنفسِ جَائزةٌ وَعلى المَضمونِ بها
کفالت دو قسموں پر مشتمل ہے۔ کفالت بالنفس اور کفالت بالمال۔ اور جان کی کفالت بھی درست ہے اور اسکے اندر ضمانت لینے والے کو

إحضارُ المكفولِ بهٖ وَتنعقدُ اذا قالَ تكفّلتُ بنفسِ فلانٍ أوْ برقبتهٖ أوْ بروحهٖ
ضمانت لئے گئے کا حاضر کر دینا لازم ہوتا ہے۔ اور اسکا انعقاد اسطرح کہنے پر ہو جاتا ہے کہ میں نے فلاں شخص کی جان یا فلاں کی گردن یا فلاں کی روح

أوْ بجسدهٖ أوْ برأسهٖ أوْ بنصفهٖ أوْ بثلثهٖ وَكذلكَ إنْ قالَ ضمنتُهٗ اوهوعليَّ
یا جسم یا سر یا اس کے نصف یا تہائی کی ضمانت لے لی اور ایسے ہی اگر کسی نے یہ کہا کہ میں نے اسکی ضمانت لے لی یا اسکا ذمہ

أوْ إليَّ أوْ انا بهٖ زعيمٌ أوْ قبيلٌ بهٖ فانْ شرطَ فِي الكفالةِ تسليمَ المكفولِ بهٖ فِي
مجھ پر ہے یا میری جانب ہے یا اسکی ذمہ داری مجھ پر ہے یا میں اسکا کفیل ہوں۔ لہٰذا اگر کفالت کے اندر مکفول بہ کے حوالہ کرنیکی شرط کرلے کسی معین

وَقتٍ بعينهٖ لزمهٗ إحضارُهٗ إذا طالبهٗ بهٖ فِي ذلكَ الوَقتِ فانْ احضرهٗ وَالّا حبسهٗ
وقت میں تو اس پر لازم ہوگا کہ وہ اسے حاضر کرے بشرطیکہ مکفول لہ اس وقت کے اندر اسکا طلبگار ہو بس اگر وہ حاضر کردے تو فبہا ورنہ

الحاكمُ وَاذا احضرهٗ وَسلّمهٗ فِي مكانٍ يقدرُ المكفولُ لهٗ عَلى مخاكمتهٖ برئَ الكفيلُ
حاکم ضامن بننے والیکو قید میں ڈالدے اور اگر کفیل اسے لاکر ایسے مقام پر حوالہ کرے کہ مکفول لہٗ اس سے نزاع کرنے پر قادر ہو تو کفیل ضمانت سے

مِنَ الكفالۃِ وَاِذا تكفّل عَلٰی اَنْ يسلّمهٗ فِي مجلسِ القاضِي فسلّمهٗ فِي السّوق برئَ وَاِنْ
بری الذمہ شمار ہوگا اور اگر اس کی کفالت کرے کہ وہ مکفول بہ کو مجلس قاضی میں حوالہ کریگا اس کے بعد اسے بازار میں حوالہ کردے تو وہ بری الذمہ
كَانَ فِي بَرِيَّةٍ لَمْ يَبْرَأْ وَاِذا مَاتَ المكفولُ بهٖ برئَ الكَفِيْلُ بالنفسِ مِنَ الكفالۃِ وَاِنْ
ہوگا اور اگر جنگل میں حوالہ کرے تو بری الذمہ نہ ہوگا اور جان کا کفیل مکفول بہ کے مرنے پر کفالت سے بری الذمہ ہوجائیگا۔ اور اگر کفالت بالنفس
تكفّلَ بنفسهٖ عَلٰی اَنّهٗ اِن لَمْ يُوَافِ بهٖ فِي وقتِ كذا فهُوَ ضامِنٌ لِمَا عليهِ وَهُوَ اَلفٌ
اس طریقہ پر ہو کہ اگر وہ فلاں وقت اسے حاضر نہ کرے تو اس پر جو کچھ واجب ہے وہ اس کا ضامن ہوگا اور واجب ایک ہزار ہوں
فلم يُحضِرهُ فِي الوقتِ لزمهٗ ضمانُ المَالِ وَلَمْ يَبْرَأْ مِنَ الكفالۃِ بالنفسِ وَلاتجوزُ الكفالۃُ
پھر وہ معین وقت پر حاضر نہ کر سکے تو کفیل پر مال کا ضمان واجب ہوگا اور اسے کفالت بالنفس سے بری قرار نہ دیں گے اور حدود و قصاص
بالنفسِ فِي الحدودِ وَالقصاصِ عندَ اَبِي حنيفۃَ۔
میں امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ کفالت درست نہیں۔

جان کا کفیل ہونا اور کفالت بالنفس کے احکام

لغات کی وضاحت: ضربان۔ ضرب کا تثنیہ: قسم۔ کفالۃ بالنفس: جان کا کفیل وضامن ہونا۔ مضمون: وہ شخص جو ضامن بنے۔ مکفول بہ: جس کی ضمانت لی ہو۔ تسلیم: سپرد کرنا، حوالہ کرنا۔ مخاصمۃ: نزاع، جھگڑا۔ السوق: بازار۔

تشریح و توضیح: الکفالۃ ضربان الخ۔ فرماتے ہیں کہ کفالت دو قسموں پر مشتمل ہے (۱) جان کی کفالت (۲) مال کی کفالت۔ احناف ان دونوں قسموں کو درست قرار دیتے ہیں۔ حضرت امام شافعیؒ جان کی کفالت کے قائل نہیں ہیں۔ اس لئے کہ کفالت کے باعث جس کی کفالت کی گئی اس کا حوالہ کرنا لازم ہے اور جان کی کفالت کا جہاں تک تعلق ہے کفیل کو اس پر قدرت حاصل نہیں کہ وہ مکفول بہ کی جان پر ولایت کا حق نہیں رکھتا۔

احنافؒ کا مستدل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشادِ گرامی ہے کہ کفیل ضامن ہوا کرتا ہے۔ یہ روایت ترمذی شریف، ابوداؤد شریف وغیرہ میں حضرت ابوامامہؓ سے مروی ہے۔ اس حدیث کے مطلقاً ہونیکے باعث کفالت کی دونوں قسموں کے مشروع ہونے کی اس سے نشاندہی ہوتی ہے۔ رہ گئی یہ بات کہ جان کے کفیل کو مکفول بہ کے حوالہ کرنے پر قدرت نہیں تو یہ کہنا لائق توجہ نہیں۔ اسواسطے کہ حوالہ کرنے کے متعدد طریقے ہیں اور ان سے کام لیکر اس کا حاضر کردینا ممکن ہے۔

وتنعقد اذا قال الخ۔ جان کی کفالت کا انعقاد محض اتنا کہنے سے ہو جاتا ہے کہ میں فلاں کی جان کا ضامن

ہوں۔ اور اگر نفس کی جگہ کوئی دوسرا ایسا لفظ کہدیا جائے جس کے ذریعہ پورا بدن مراد لیا جاسکتا ہو مثال کے طور پر رقبہ، راس وغیرہ یا کوئی واضح جزء بیان کردیا جائے مثلاً اس کا نصف یا تہائی تو اس کے ذریعہ بھی کفالت درست قرار دیجائے گی۔ اور اگر بجائے اسکے ضمنتہ یا علیّ یا الیّ یا أنا بہ زعیم یا قبیل بہ کہدے تب بھی کفالت درست قرار دیں گے۔

واذا تکفل علیٰ ان یسلمہ الخ۔ اگر کفالت میں اسکی شرط کرلی گئی ہو کہ وہ مکفول بہ کو مجلس قاضی میں لائے گا تو اس پر وہیں لانا لازم ہوگا۔ اگر بجائے مجلس قاضی کے مثلاً بازار میں لائے تو امام زفرؒ کے نزدیک اسے بریٔ الذمہ قرار نہ دیں گے۔ اب مفتیٰ بہ قول یہی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ، امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک اگر کفیل بازار میں لے آئے تب بھی وہ بریٔ الذمہ ہوجائے گا۔

وان تکفل بنفسہ علیٰ انہ الخ۔ کوئی شخص کسی کی ضمانت لیتے ہوئے کہے کہ اگر وہ اسے کل نہ لایا تو وہ ایک ہزار جو اس پر لازم ہے وہ اس کا ضامن ہوگا۔ اس کے بعد کفیل اسے معین وقت پر نہ لاسکے تو اس صورت میں کفیل پر مال کا ضمان آئیگا اور اس کے ساتھ ساتھ جان کی کفالت سے بھی بریٔ الذمہ نہ ہوگا۔ اسلئے کہ اس جگہ جان اور مال دونوں کی کفالت اکٹھی ہوگئی ہے اور باہم ان میں کسی طرح کی منافات بھی نہیں پائی جاتی۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس جگہ مال کی کفالت درست نہ ہوگی اس لئے کہ مال کے واجب ہونیکا جو سبب ہے اس کی تعلیق ایک مشکوک امر سے کرکے اس کفالت کو مشابہ بیع کردیا اور بیع کے اندر مال کے واجب ہونے کا سبب کو معلق کرنا درست نہیں تو اسے کفالت میں بھی درست قرار نہ دیں گے۔

احنافؒ یہ فرماتے ہیں کہ بلحاظ انتہاء کفالت کا جہانتک تعلق ہے وہ مشابہ بیع ضرور ہے مگر بلحاظ ابتداء یہ مشابہ نذر ہے۔ وہ اس طرح کہ اس کے اندر ایک غیر لازم شے کا لزوم ہوا کرتا ہے اس بناء پر یہ ناگزیر ہے کہ رعایت ان دونوں ہی مشابہتوں کی کیجائے۔ مشابہ بیع ہونیکی اس طریقہ سے رعایت کیجائے گی کہ اسے مطلق شرائط کے ساتھ معلق کرنے کو درست قرار نہ دیں گے اور مشابہ نذر ہونیکی اس طور سے رعایت ہوگی کہ ایسی شرط کیساتھ جو کہ متعارف ہو تعلیق درست ہوگی اور معین وقت پر حاضر نہ ہونیکی تعلیق متعارف ہونیکے باعث ضامن پر مال کا وجوب ہوگا۔

ولا تجوز الکفالۃ بالنفس فی الحدود الخ۔ اور عقوبات یعنی حدود و قصاص کا جہاں تک تعلق ہے ان میں جان کی کفالت درست نہیں۔ اس لئے کہ اس کا پورا کرنا کفیل کے بس میں نہیں اور وہ اس پر قادر نہیں۔ پس از روئے ضابطہ ان میں اس کی ضمانت بھی درست نہ ہوگی۔

وَامّا الکفالۃُ بالمالِ فجائزۃٌ معلومًا کانَ المکفولُ بہٖ اَوْ مجھولًا اِذا کانَ دَینًا

اور کفالت بالمال درست ہے خواہ جس کی کفالت کی ہو وہ معلوم ہو یا غیر معلوم بشرطیکہ وہ دین صحیح ہو۔

صَحِيحًا مثل اَن يقولَ تكفّلتُ عنهُ بالفِ درهمٍ اَوْ بمَا لكَ عَليهِ اَوْ بمَا يدركُكَ فِي هٰذا
مثلاً اس طرح کہے کہ میں اس کی جانب سے ہزار درہم کا کفیل ہوں یا تیرا جو کچھ اس پر واجب ہے یا جو کچھ تجھے اس بیع میں
البَيعِ وَالمَكفولُ لهٗ بالخيارِ اِنْ شاءَ طالبَ الذِى عَليهِ الاصلُ وَاِنْ شاءَ طَالبَ
مطلوب ہے۔ اور مکفول لہٗ کا یہ حق ہوگا کہ خواہ جس پر روپیہ واجب ہے اس سے طلبگار ہو اور خواہ کفیل سے مطالبہ کرے۔
الكفيلَ وَيجُوزُ تعليقُ الكفالةِ بالشروطِ مثل اَنْ يقولَ مَا بايعتَ فلانًا فعَلَيَّ اَمَا ذابَ لكَ
اور کفالت کی تعلیق شرائط پر درست ہے۔ مثلاً یہ کہے کہ جو تو فلاں کو فروخت کرے اسکی ذمہ داری مجھ پر ہے یا تیرا جو کچھ اس پر
عَليهِ فعَلَيَّ اَوْ مَا غصبكَ فلانٌ فعَلَيَّ وَاِذا قالَ تكفّلتُ بمالكَ عليهِ فقامتِ البينةُ بالفٍ
واجب ہو اسکا ذمہ دار میں ہوں یا تیری جو شے فلاں نے غصب کی ہو وہ مجھ پر لازم ہے اور اگر کوئی کہے کہ تیرا جو کچھ اس پر واجب ہے، اسکا ذمہ دار میں ہوں۔
عَليهِ ضمنهُ الكفيلُ وَاِنْ لمْ تقمِ البينةُ فالقولُ قولُ الكفيلِ مَعَ يمينهٖ فِي مقدارِ مَا
پھر بذریعہ بیّنہ اس پر ہزار ثابت ہو جائیں تو کفیل پر اس کا ضمان ہوگا اور بیّنہ نہ ہونے پر کفیل کے قول کا بحلف اس مقدار میں اعتبار ہوگا جس کا وہ مقر
يعترفُ بهٖ فانْ اعترفَ المكفولُ عنهُ باكثرَ مِنْ ذٰلكَ لمْ يُصدَّقْ عَلٰى كفيلهٖ وَتجوزُ
ہو۔ پھر مکفول عنہ کا اس سے زیادہ کا اعتراف بمقابلہ کفیل اس کی تصدیق نہ کریں گے۔ اور کفالت بحکم مکفول عنہ
الكفالةُ بامرِ المكفولِ عنهُ وَبغيرِ امرهٖ فانْ كفَلَ بامرهٖ رَجَعَ بمَا يؤدّى عَليهِ وَاِنْ
اور بلا حکم مکفول عنہ درست ہے۔ پھر اگر بحکم مکفول عنہ کفیل بنا ہو تو کفیل نے جو ادا کیا ہو اس کی وصولیابی
كفَلَ بغيرِ امرهٖ لمْ يرجعْ بمَا يؤدّى وَليسَ للكفيلِ اَنْ يُطالبَ المكفولَ عنهُ بالمالِ
مکفول عنہ سے کر لے۔ اور بلا حکم کفیل بننے پر اس سے ادا کردہ وصول نہیں کر سکتا اور کفیل کو ادائیگی مال سے قبل
قبلَ اَنْ يؤدّى عَنهُ فانْ لوزمَ بالمالِ كانَ لهٗ اَنْ يلازمَ المكفولَ عنهُ حتّٰى
یہ حق حاصل نہیں کہ وہ مکفول عنہ سے اسے طلب کرے پس اگر مال کے باعث کفیل کا تعاقب کیا جائے تو وہ مکفول عنہ کا تعاقب
يخلصهٗ وَاِذا اَبرأَ الطالبُ المكفولَ عَنهُ اَوِ استوفىٰ مِنهُ بَرِئَ الكفيلُ وَاِنْ اَبرأَ
کرے حتیٰ کہ وہ اس سے نجات دلائے اور اگر طلب کرنے والا مکفول عنہ کو بری الذمہ کر دے یا مکفول عنہ سے وصولیابی کر لے تو
الكفيلَ لمْ يبرأِ المكفولُ عَنهُ وَلَا يجوزُ تعليقُ البَراءةِ مِنَ الكفالةِ بشرطٍ وَكُلُّ
کفیل بری الذمہ ہو جائیگا اور اگر وہ کفیل کو بری الذمہ کر دے تو مکفول عنہ بری الذمہ نہ ہوگا اور کفالت سے بری الذمہ کرنے کی شرط کے
حَقٍّ لَا يمكنُ استيفاؤُهٗ مِنَ الكفيلِ لَا تصحُّ الكفالةُ بهٖ كالحدودِ والقصاصِ وَاِذا
ساتھ تعلیق درست نہیں اور ہر ایسا حق جسکی تکمیل کفیل کے بس میں نہ ہو اس کی کفالت درست نہ ہوگی مثلاً حدود اور قصاص اور اگر
تكفلَ عَنِ المشترى بالثمنِ جازَ وَاِنْ تكفلَ عَنِ البائعِ بالمبيعِ لمْ تصحَّ وَمنِ استاجرَ
خریدار کی جانب سے ثمن کا کفیل بن جائے تو یہ جائز ہے اور فروخت کرنے والے کی جانب سے مبیع کی کفالت درست نہیں اور جو شخص بوجھ لادنے
دَابّةً للحملِ فانْ كانتْ بعينها لمْ تصحَّ الكفالةُ بالحملِ وَاِنْ كانت بعينها جازتِ الكفالةُ۔
کی خاطر سواری اجرت پر لے پس اسکے معین ہونے پر بوجھ لادنے کی کفالت درست نہ ہوگی اور غیر معین پر کفالت درست ہو جائے گی۔

لغات کی وضاحت: مجہول: غیر معلوم، غیر متعین۔ ذائب: واجب۔ غصب: چھیننا۔ البینۃ: دلیل، حجت۔ جمع بینات۔ ابراء: بری الذمہ کرنا۔ سبکدوش کرنا۔ الطالب: طلب کرنیوالا۔ استوفی: وصول کرنا۔ دابۃ: سواری۔ للحمل: بوجھ اٹھانے کیلئے، باربرداری کے واسطے۔

تشریح و توضیح

واما الکفالۃ بالمال الخ۔ صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ مال کی کفالت بھی اپنی جگہ درست ہے اگرچہ یہ مال معین نہ ہو بلکہ غیر معین اور مجہول وغیر معلوم ہو اس لئے کہ کفالت کا جہاں تک معاملہ ہے اس میں بڑی وسعت عطا کی گئی اور اس میں مجہول ہونا بھی قابل تحمل ہوتا ہے لیکن مال کا دَین صحیح ہونا ضرور شرط صحت قرار دیا گیا۔ اگر دین صحیح نہ ہو تو پھر کفالت بھی صحیح نہ ہوگی۔ دَین صحیح ہر ایسا دین اور قرض کہلاتا ہے جو تا وقتیکہ ادا نہ کردیا جائے یا اس سے بری الذمہ قرار نہ دیدیا جائے ساقط نہ ہوتا ہو۔

والمکفول لہٗ بالخیار الخ۔ مال کی کفالت کا اپنی ساری شرائط کیساتھ انعقاد ہوجائے تو پھر مکفول لہٗ کو یہ حق حاصل ہوگا کہ خواہ مال کفیل سے طلب کرے یا اصیل (مقروض) سے اس کا طلبگار ہو اور خواہ دونوں سے طلب کرے۔ کفالت کا تقاضہ یہ ہے کہ دین بذمۂ اصیل بدستور برقرار رہے اور اس کے ذمہ سے ساقط نہ ہو۔ البتہ اصیل اپنے بری الذمہ ہونیکی شرط کرلے تو اس صورت میں اس سے مطالبہ درست نہ ہوگا اس لئے کہ اب کفالہ کی حیثیت حوالہ کی ہوگئی۔

ویجوز تعلیق الکفالۃ بالشروط الخ۔ مالی کفالت کی ایسی شرائط کے ساتھ تعلیق درست ہے جو کفالت کے لئے موزوں ہوں۔ مثال کے طور پر اس طرح کہے کہ جو تو فلاں کے ہاتھ فروخت کرے اس کا میں ذمہ دار ہوں۔ یا مثلاً اس طرح کہے کہ تیری جو شے فلاں چھینے اس کی ذمہ داری مجھ پر ہے۔

فقامت البینۃ بالف علیہ الخ۔ مثال کے طور پر ساجد کا راشد پر قرض ہو اور راشد اس کی ضمانت لے لے کہ جس قدر راشد پر قرض ہے میں اس کا کفیل ہوں پھر ساجد بذریعہ بینہ و دلیل یہ ثابت کردے کہ راشد اس کے ہزار درہم کا مقروض ہے تو اس صورت میں ارشد ہزار دراھم کی ادائیگی کریگا اس واسطے کہ بذریعہ بینہ و دلیل ثابت ہونیوالی چیز کا حکم مشاہدہ کا سا ہوا کرتا ہے اور اگر ساجد کوئی ثبوت و بینہ نہ رکھتا ہو تو پھر کفیل کا قول مع الحلف معتبر ہوگا۔ اس مقدار کے اندر کہ جس کا وہ اعتراف و اقرار کرتا ہو اور اگر ایسا ہو کہ مکفول عنہ اس مقدار سے زیادہ کا اعتراف کرے جس کا اعتراف کفیل نے کیا تھا تو اس زیادہ مقدار کا نفاذ کفیل پر نہ ہوگا اس لئے کہ اقرار دوسرے شخص کے خلاف ہونیکی صورت میں ولایت کے بغیر قابل قبول نہیں ہوتا اور کفیل پر یہاں مکفول عنہ کو کسی طرح کی ولایت حاصل نہیں۔

ولا یجوز تعلیق البراءۃ الخ۔ صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ یہ درست نہیں کہ کفالت سے بری الذمہ ہونیکی تعلیق کسی شرط کے ساتھ کی جائے یعنی ایسی شرط کہ جسے پورا کرنا کفیل کے بس میں نہ ہو اور اسی طرح یہ بھی درست نہیں کہ حدود و قصاص میں کفالت کی جائے۔

وَاذا تکفل عن المشتری بالثمن الخ. اگر کوئی شخص خریدار کی جانب سے ثمن کی کفالت کرلے تو یہ درست ہے۔ مگر قابض ہونے سے قبل فروخت کنندہ کیجانب خرید کردہ شے کا ضامن بننا ضمانت عین ہونیکی بنا پر درست نہیں۔ ضمانت عین کا جہانتک تعلق ہے تو شوافع اسے سرے سے درست ہی قرار نہیں دیتے اور عند الاحناف اگرچہ جائز ہے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ تلف ہونیکی صورت میں اس کی قیمت کا وجوب ہوتا ہو۔ لہٰذا قابض ہونے سے قبل ضمانت مبیع درست نہ ہوگی۔

وَمن استاجر دابۃ للحمل الخ. اگر کوئی شخص اجرت پر باربرداری کی خاطر سواری لے تو اس کی باربرداری کی ضمانت لینا درست نہ ہوگا۔ اس لئے کہ کفیل کسی اور کی سواری پر قادر نہیں تو وہ اس کے حوالہ کرنے سے مجبور ہوگا۔ البتہ سواری کے غیر معین ہونے کی صورت میں ضمانت درست ہوگی اس لئے کہ اس صورت میں وہ کوئی سی بھی سواری دینے پر قادر ہے۔

وَلا تصح الکفالۃ الا بقبول المکفول لہٗ فی مجلس العقد الا فی مسئلۃ واحدۃ وھی ان

اور تا وقتیکہ مکفول لہٗ مجلس عقد میں قبول نہ کرے کفالت درست نہ ہوگی۔ البتہ ایک یہ مسئلہ اس سے مستثنیٰ ہے کہ مریض

یقول المریض لوارثہ تکفل عنی بما علیّ من الدین فتکفل بہ مع غیبۃ الغرماء جاز

اپنے وارث سے یہ کہے کہ میرے ذمہ جو اس کا قرض ہے تو اس کی میری جانب سے کفالت کرلے اور وہ قرض خواہوں کے موجود نہ ہوتے ہوئے

وَاذا کان الدین علی اثنین وکل واحد منھما کفیل ضامن عن الآخر فما ادی احدھما

کفیل بن جائے تو درست ہے اور اگر قرض دو آدمیوں پر ہو اور ان دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کی کفالت وضمانت کرے تو ان میں سے

لم یرجع بہ علی شریکہ حتی یزید ما یؤدیہ علی النصف فیرجع بالزیادۃ وَاذا تکفل اثنان

جس مقدار کی ادائیگی کرے تو وہ اپنے شریک سے وصول نہ کرے حتیٰ کہ ادا کردہ مقدار آدھی سے زیادہ ہوجائے پھر زائد مقدار اس سے وصول

عن رجل بالف علی ان کل واحد منھما کفیل عن صاحبہ فما ادی احدھما یرجع

کرلے اور اگر دو آدمی ایک شخص کی جانب سے ایک ہزار کی اسطرح کفالت کریں کہ ان دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کا کفیل ہو تو جتنی مقدار کی

بنصفہ علی شریکہ قلیلا کان او کثیرا ولا تجوز الکفالۃ بمال الکتابۃ سواء حر

ادائیگی کرے اس کی آدھی مقدار اپنے شریک سے وصول کرلے خواہ کم ہو یا زیادہ اور یہ جائز نہیں کہ مال کتابت کی کفالت کرلی جائے چاہے

تکفل بہ او عبد وَاذا مات الرجل وعلیہ دیون ولم یترک شیئا فتکفل رجل

آزاد شخص کفیل ہے یا غلام۔ اور جب کسی شخص کا انتقال ہوجائے درانحالیکہ اس پر بہت سا قرض ہو اور وہ کچھ نہ چھوڑے اور کوئی

عنہ للغرماء لم تصح الکفالۃ عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ وعندھما تصح

شخص اسکی جانب سے قرض خواہوں کیواسطے کفیل بن جائے تو امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ یہ کفالت درست نہیں اور امام ابو یوسفؒ وامام محمدؒ کے نزدیک درست ہے۔

باقی ماندہ مسائل کفالت

تشریح وتوضیح

وَلاتصح الکفالۃ الابقبول المکفول لہٗ الخ. فرماتے ہیں کہ کفالت خواہ جان کی ہو یا مال کی دونوں میں یہ لازم ہے کہ اسے مکفول لہٗ عقد کی مجلس میں قبول کرے۔ اور اگر مکفول لہٗ عقد کی مجلس میں قبولِ کفالت نہ کرے تو امام ابوحنیفہؒ و امام محمدؒ کفالت کے درست نہ ہونیکا حکم فرماتے ہیں۔ اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک عقد کی مجلس کے بعد مکفول لہٗ اس کے بارے میں علم ہونے پر اسے درست قرار دے تو کفالت درست ہو جائے گی۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ عقدِ کفالت کا جہاں تک تعلق ہے اس میں معنیٔ تملیک پائے جاتے ہیں۔ پس اس کا انعقاد کفیل اور مکفول لہٗ دونوں ہی کے ساتھ ہوگا محض ایک کے ساتھ نہیں۔

اِلافی مسئلۃ واحدۃ الخ. اس کا حکم ذکر کردہ عام حکم سے الگ ہے۔ عام حکم تو یہ ہے کہ تاوقتیکہ مکفول لہٗ عقد کی مجلس میں قبول نہ کرے کفالت کسی طرح درست نہیں۔ البتہ اگر کسی مریض نے اپنے وارث سے کہا کہ میری جانب سے ایسے مال کی ضمانت لیلے جو مجھ پر دین (قرض) ہے اور پھر وارث قرض خواہوں کے موجود نہ ہوتے ہوئے ضمانت لے لے تو اسے متفقہ طور پر درست قرار دیں گے۔ وجہ یہ ہے کہ دراصل اس ضمانت کی حیثیت وصیت کی ہے اور بیمار مکفول لہٗ کا قائم مقام ہے اور یہ مکفول لہٗ کیلئے باعثِ فائدہ ہے تو یہ کہا جائیگا کہ گویا وہ خود اس وقت حاضر ہے۔

وَاذا کان الدین علی اثنین الخ. اگر ایک شخص کے مقروض دو شخص ہوں اور یہ قرض باعتبار سبب و صفت یکساں ہو۔ مثال کے طور پر وہ دونوں ایک غلام ہزار دراہم میں خرید کر ایک دوسرے کے ضامن ہو جائیں تو یہ ضمانت درست قرار دی جائے گی اور ان میں سے کوئی بھی جب تک آدھے سے زیادہ کی ادائیگی نہ کرلے دوسرے سے وصولیابی نہ کریگا۔ پھر آدھے سے جسقدر زیادہ ادا کریگا اسی قدر دوسرے سے وصول کرلیگا۔ اس کا سبب دراصل یہ ہے دونوں شریکوں میں سے ہر شریک کی حیثیت آدھے دَین میں اصیل کی ہے اور باقی آدھے میں کفیل کی۔ علاوہ ازیں مطالبہ درحقیقت تابعِ دَین (قرض) ہے اس واسطے آدھے کی ادائیگی دَین کے زمرے میں اور آدھے سے زیادہ کی ادائیگی بزمرۂ کفالت ہوگی۔

وَاذا تکفل اثنان عن رجل بالف الخ. اگر کوئی شخص کسی کا مقروض ہو اور اس کی جانب سے دو شخص الگ الگ سارے دین کی ضمانت کرلیں۔ اس کے بعد ان دونوں کفیلوں میں سے ایک دوسرے کا ضامن بن جائے تو ان دونوں میں سے جو جسقدر مال کی ادائیگی کرے اس کا آدھا اپنے ساتھی سے وصول کرلے اس لئے کہ اس ضمانت میں اصیل ہونے کا کوئی شبہ نہیں بلکہ یہ ہر لحاظ سے کفالت شمار ہوتی ہے۔

وَلا تجوز الکفالۃ بمال الکتابۃ الخ. یہ درست نہیں کہ مکاتب غلام کی جانب سے بدلِ کتابت کا کفیل بنایا جائے اس سے قطع نظر کہ کفیل آزاد شخص ہو یا وہ آزاد نہ ہو بلکہ غلام ہو۔ اس لئے کہ کفیل ہونا اس طرح کے مال کا

درست ہوا کرتا ہے کہ جو دینِ صحیح شمار ہوتا ہو اور وہ اس وقت تک ساقط نہ ہوتا ہو جب تک کہ اس کی ادائیگی نہ کردی جائے یا بری الذمہ نہ کر دیا جائے۔ رہا بدلِ کتابت تو وہ مکاتب کے ادائیگی سے مجبور ہونے کے باعث ساقط ہو جایا کرتا ہے تو اس کا شمار دینِ صحیح میں نہ ہوا۔ امام ابو حنیفہؒ بدلِ سعایت کا الحاق بدلِ کتابت کے ساتھ کرتے ہیں اور اس کی کفالت صحیح قرار نہیں دیتے۔

سواء حر تکفل بہ الخ۔ اگر یہاں کوئی یہ اشکال کرے کہ کفیل کے آزاد ہونے کی شکل میں بھی جب کفالت کو درست قرار نہیں دیا گیا تو کفیل کے آزاد نہ ہونے اور غلام ہونیکی شکل میں تو بدرجۂ اولیٰ کفالت درست نہ ہوگی۔ پھر صاحبِ کتاب نے اس کے بعد "او عبد" کس لئے کہا؟ اس اشکال کا یہ جواب دیا گیا کہ آزاد شخص کو بمقابلہ غلام افضلیت حاصل ہے اور کفیل کی حیثیت اصیل کے تابع کی ہوا کرتی ہے۔ اور اس جگہ اس کا ایہام ممکن ہے کہ کفالت کے درست نہ ہونیکی بنیاد یہ ہے کہ اس کے درست تسلیم کرنیکی صورت میں آزاد کو غلام کے تابع قرار دیا جائے گا جبکہ آزاد اس سے افضل واشرف ہے۔ علامہ قدوریؒ نے "او عبد" کی قید کا اضافہ کرکے اس کی نشاندہی کردی کہ کفالت کا درست نہ ہونا بدلِ کتابت کے دینِ صحیح نہ ہونیکی بنار پر ہے۔ آزاد کے تابع غلام ہونے کے وہم پر نہیں۔

واذا مات الرجل وعلیہ دیون الخ۔ کسی شخص کا بحالتِ افلاس انتقال ہو جائے درانحالیکہ وہ مقروض ہو اور پھر اس کی جانب سے ادائے قرض کی کوئی کفالت کرے تو امام ابو حنیفہؒ اس کفالت کو درست قرار نہیں دیتے۔ امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اسے درست قرار دیتے ہیں۔ اس لئے کہ روایت میں ہے کہ ایک انصاری کا جنازہ آنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ یہ کسی کا مقروض ہے؟ صحابہؓ عرض گذار ہوئے۔ اے اللہ کے رسولؐ! اس پر دو درہم یا دینار قرض ہیں۔ ارشاد ہوا۔ اس شخص کی نمازِ جنازہ تم لوگ پڑھ لو۔ حضرت ابو قتادہؓ عرض گذار ہوئے۔ اے اللہ کے رسول ان کا میں ذمہ دار ہوں۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں تا وقتیکہ محل موجود نہ ہو دَین کا قیام ممکن نہیں اور اس جگہ دَین کا محل (مقروض) انتقال کر چکا تو اسے ساقط دین کی کفالت قرار دیں گے جو درست نہیں۔ رہی یہ روایت تو ہو سکتا ہے کہ حضرت ابو قتادہؓ نے اس کے انتقال سے قبل ہی کفالت کرلی ہو اور آنحضورؐ کو اس کی اطلاع اب دی ہو۔

كتابُ الحوالَةِ

حوالہ کا ذکر

اَلْحَوَالَةُ جَائِزَةٌ بِالدُّيُوْنِ وَتَصِحُّ بِرِضَاءِ الْمُحِيْلِ وَالْمُحْتَالِ وَالْمُحْتَالِ عَلَيْهِ وَإِذَا

قرضوں کے اندر حوالہ درست ہے اور یہ محیل، محتال اور محتال علیہ کی رضاء سے درست ہوگا۔ اور حوالہ کی تکمیل

تمّت الحوالة برئ المحيل من الديون ولم يرجع المحتال له على المحيل الّا ان
کے بعد محیل دیون سے بری الذمہ قرار دیا جائے گا۔ اور محتال لہ کو محیل سے رجوع کرنے کا حق نہ ہوگا الا یہ کہ اس کا
يتوى حقه والتوى عند ابى حنيفة رحمه الله باحد الامرين امّا ان يجحد الحوالة ويحلف
حق ضائع ہو رہا ہو۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ دو امور میں سے کسی ایک امر کی بنا پر حق ضائع ہوتا ہے یا تو محتال علیہ کا ہی
ولا بينة له عليه او يموت مفلسا وقال ابو يوسف ومحمد رحمهما الله هذان الوجهان
منکر بحلف ہو جائے اور اس پر بینہ موجود نہ ہو یا وہ بحالت افلاس مرگیا ہو اور امام ابو یوسفؒ وامام محمدؒ کے نزدیک ان دو وجہوں
ووجه ثالث وهو ان يحكم الحاكم بافلاسه فى حال حياته۔
کے علاوہ تیسری وجہ بھی ہے اور وہ یہ کہ حاکم اس کی حیات ہی میں اس کے اندر افلاس کا حکم لگادے۔

لغت کی وضاحت:- يتوى۔ توى يتوى: تلف ہونا۔ ضائع ہونا۔ يجحد: دانستہ انکار کر دینا۔ جھٹلانا۔ وجہ ثالث: تیسری صورت۔

تشریح و توضیح کتاب الحوالة۔ صاحب کتاب کتاب الکفالہ کے بیان اور اس کے احکام کی تفصیل سے فارغ ہو کر اب کتاب الحوالہ لاکر اس کے احکام ذکر فرما رہے ہیں۔ دونوں میں باہم مناسبت یہ ہے کہ کفالہ اور حوالہ دونوں ہی میں صرف اعتماد و بھروسہ پر ایسے قرض کا لزوم ہوا کرتا ہے جس کا وجوب دراصل اصیل پر ہوتا ہے۔ دونوں کے درمیان فرق محض اتنا ہے کہ حوالہ کا جہاں تک تعلق ہے وہ اصیل کے مقید برات کے ساتھ ہوتا ہے اور کفالہ میں یہ بات نہیں ہوتی لہٰذا کفالہ کی حیثیت گویا فرد کی سی ہوئی اور حوالہ کی حیثیت مرکب کی اور ضابطہ کے مطابق مفرد مرکب سے پہلے آتا ہے۔ اسی ضابطہ کی رعایت سے اول کتاب الکفالہ لائے اور پھر کتاب الحوالہ۔ از روئے لغت حوالہ کے معنی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے اور زائل کرنیکے آتے ہیں۔ کہا جاتا ہے "اَحَال الامر علی فلان" (یعنی کام فلاں پر منحصر کر دیا) یا "احال الغریم بدینہ علی آخر" (مقروض نے اپنا قرض دوسرے کے حوالہ کر دیا)۔

اصطلاحی الفاظ مقروض اور دین کے حوالہ کرنیوالے کو اصطلاح میں محیل اور قرض خواہ کو محتال۔ محال اور محال لہٗ۔ اور حوالہ منظور کرنیوالے کو محتال علیہ اور محال علیہ اور حوالہ کردہ مال کو محال بہ اور اس فعل کو الحوالہ کہا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر ساجد راشد کے پانچسو دراہم کا مقروض ہوا اور پھر ساجد وہ قرض جو اس کے ذمہ ہے وہ عادل کے حوالہ کردے اور اس کی طرف منتقل کردے اور عادل اسے تسلیم و منظور کرلے تو اصطلاح میں ساجد محیل (مقروض) اور راشد محتال، محال یا محال لہٗ (قرض خواہ) اور عادل محال علیہ، محتال علیہ کہا جائیگا اور یہ پانچ سو دراہم محال بہ کہے جائیں گے۔

جائزة بالديون الخ۔ صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ حوالہ کا جہاں تک معاملہ ہے وہ عین میں نہیں بلکہ محض دین میں درست قرار دیا جاتا ہے۔ دین کا حوالہ درست ہونیکی دلیل ترمذی شریف اور ابوداؤد شریف میں مروی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کا یہ ارشادِ گرامی ہے کہ مالدار کا ٹالنا ظلم ہے۔ اور جب تم میں سے کسی کو مالدار پر محتال علیہ بنایا جائے تو اسے قبول کرلینا چاہئے۔
رہا عین کا حوالہ تو اس کے درست نہ ہونیکا سبب یہ ہے کہ حوالہ تو دراصل نقل حکمی کو کہتے ہیں اور دین درحقیقت وصف حکمی ہوتا ہے جو کسی کے ذمہ ثابت ہوا کرتا ہے تو دراصل نقل حکمی محض دین ہی میں ثابت ہوگا عین میں نہ ہوگا۔ وجہ یہ ہے کہ عین کے اندر نقل حسّی کی احتیاج ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں حوالہ درست ہونیکے واسطے یہ شرط ہے کہ محتال اور محتال علیہ دونوں اس پر راضی ہوں۔ محتال کے راضی ہونیکی شرط تو اس بنیاد پر ہے کہ دین دراصل حق محتال ہے اور بروقت ادائیگی اور عدمِ ادائیگی میں لوگوں کی عادتوں میں اختلاف ہوا کرتا ہے۔ اسواسطے اسے نقصان سے بچانیکی خاطر اس کا راضی ہونا ناگزیر ہے۔ رہا محتال علیہ تو اس کے راضی ہونے کی قید کا سبب یہ ہے کہ اس پر دین کے اداکرنیکا لزوم ہوتا ہے اور لزوم التزام کے بغیر نہیں ہوا کرتا۔ اس کے علاوہ تقاضہ میں بھی لوگوں کی عادتیں یکساں نہیں ہوتیں۔ کوئی تو سہولت ونرمی کے ساتھ طلب کرتا ہے اور کسی کے طلب کرنیکا ڈھنگ سخت ہوتا ہے اس واسطے محتال علیہ کی رضا مندی بھی ناگزیر ہوئی۔ رہ گیا محیل تو راجح قول کیمطابق اس کے راضی ہونے کو شرط قرار نہیں دیا گیا۔ اسلئے کہ محتال علیہ کے ذمہ ادائیگی میں محیل کا کسی طرح کا نقصان نہیں بلکہ محیل کا فائدہ ہی ہے۔

واذا تمت الحوالۃ الخ۔ فرماتے ہیں کہ حوالہ کے سارے شرائط کے ساتھ پایۂ تکمیل کو پہنچنے پر محیل دین سے بھی بری الذمہ قرار دیا جائیگا اور دین کے مطالبہ سے بھی۔ بعض اسے محض مطالبۂ دین سے بری الذمہ قرار دیتے ہیں۔ امام زفرؒ کے نزدیک وہ مطالبۂ دین سے بھی بری الذمہ نہ ہوگا۔ انھوں نے دراصل حوالہ کو کفالہ پر قیاس کیا ہے۔ دیگر ائمۂ احنافؒ فرماتے ہیں کہ شرعی احکام لغوی معنے کے مطابق ہوتے ہیں اور حوالہ لغت کے اعتبار سے منتقل کرنے کو کہتے ہیں لہٰذا دین کے محیل سے منتقل ہوجانے کی صورت میں اس کا کوئی سوال ہی نہیں رہتا کہ اس کے ذمہ باقی رہے۔ اس کے برعکس کفالہ میں دین ذمہ سے منتقل ہونے کے بجائے اس کے ذریعہ ایک ذمہ دوسرے ذمہ سے ملایا جاتا ہے بہرحال راجح قول کے مطابق محیل کو بری الذمہ قرار دیا جائے گا اور محتال کو محیل سے رجوع کرنیکا حق نہ ہوگا۔ البتہ اگر اس کا مال تلف ہوگیا ہو تو اس شکل میں رجوع کا حق ہوگا۔ اس واسطے کہ محیل اس صورت میں بری الذمہ شمار ہوگا جبکہ محتال کا حق سلامت رہے۔

والتوی عند ابی حنیفۃؒ الخ۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حق کے تلف ہونے اور مال کی ہلاکت اس صورت میں ہوتی ہے جبکہ دو باتوں میں سے کوئی بات واقع ہو۔ وہ یہ کہ محتال علیہ عقدِ حوالہ ہی کا سرے سے انکار کر بیٹھے اور حلف کرلے اور محیل ومحتال میں سے کسی کے پاس بینہ موجود نہ ہو کہ اس کے ذریعہ ثابت کرسکیں۔ یا یہ کہ محتال کا افلاس کی حالت میں انتقال ہوجائے۔ حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ان دو شکلوں کے علاوہ ایک تیسری شکل بھی حق تلف ہوجانے کی ہے وہ یہ کہ حاکم نے اس کی حیات ہی میں اس پر افلاس کا حکم لگادیا ہو اور اسے مفلس قرار دیدیا ہو تو ان ذکر کردہ وجوہ کے باعث مال تلف شدہ شمار کرتے ہوئے محتال کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ محیل سے رجوع کرے تاکہ اس کی تلافی ہوسکے۔

وَاذا طالبَ المُحتالُ عَليہِ المحيلَ بمثلِ مالِ الحَوالۃِ فقالَ المحيلُ احلتُ بدينٍ لی عليكَ
اور اگر محتال علیہ محیل حوالہ کے مال کا طلبگار ہو اور محیل کہے میں نے وہی قرض حوالہ کیا تھا جو کہ میرا تجھ پر تھا تو اس کا قول
لَمْ يُقبَلْ قولُہٗ وَكانَ عَليہِ مثلُ الدَّينِ وَانْ طالبَ المحيلُ المحتالَ بما احالہٗ بہٖ فقالَ اِنّمَا
قابلِ قبول نہ ہوگا اور اس پر بقدرِ دین روپیہ واجب ہوگا اور اگر محیل محتال سے اس روپیے کا طلبگار ہو جو اس نے حوالہ کرایا تھا
اَحلتُكَ لتقبضَہٗ لِی وَقالَ المحتالُ بَل احلتَنی بدينٍ لی عليكَ فالقولُ قولُ المحيلِ مَعَ
اور کہے کہ میں نے اسی واسطے حوالہ کرایا تھا کہ تو میرے واسطے وصولیابی کرلے اور محتال کہے کہ تو نے اس قرض کے باعث حوالہ
يمينہٖ وَيكرہُ السَّفاتِجُ وهوقرضٌ استفادَ بہٖ المقرضُ اَمْنَ خطرِ الطريقِ۔
کرایا تھا جو کہ میرا تجھ پر ہے تو بحلف محیل کا قول قابلِ قبول ہوگا اور سفاتج باعثِ کراہت ہے اور وہ ایسا قرض کہلاتا ہے کہ جسے دینے والا راہ کے اندیشہ سے مامون (ومحفوظ) ہوگیا ہو۔

حوالہ کے بارے میں باقی مسائل

تشریح وتوضیح

وَاذا طالبَ المحتالُ عَليہِ الخ۔ اگر محیل سے محتال علیہ مال کی اتنی مقدار طلب کرے جس کا محیل حوالہ کرچکا تھا اور محیل اس مطالبہ کے جواب میں کہے کہ میں نے تو دین کا حوالہ کیا تھا جو کہ میرا تیرے ذمہ تھا تو محیل کے اس قول کو قابلِ قبول قرار نہ دیں گے اور وہ مثلِ دین کے ضمان کی محتال علیہ کو ادائیگی کرے گا۔ اسواسطے کہ محیل تو دین کا دعویٰ کررہا ہے اور محتال علیہ اس سے انکار کرتا ہے اور قول انکار کرنے والے کا بحلف معتبر شمار ہوگا۔ رہ گیا یہ شبہ کہ محتال علیہ کے حوالہ کو قبول کرنے سے اس کی نشاندہی ہورہی ہے کہ وہ دراصل محیل کا مقروض تھا۔ تو اس شبہ کا جواب یہ دیا گیا کہ محض قبولِ حوالہ دین کے اقرار کی نشاندہی نہیں کرتا۔ اس لئے کہ حوالہ کا جہانتک تعلق ہے وہ بلا دین کے بھی درست ہے۔

وان طالبَ المحيلُ المحتالَ الخ۔ اور اگر ایسا ہو کہ محیل اس مال کا محتال سے طلبگار ہو جس کا وہ حوالہ کراچکا ہو اور وہ یہ کہے کہ میرا حوالہ کرانے سے مقصد یہ تھا کہ تو میرے واسطے اس مال کی وصولیابی کرے اور محتال یہ کہے کہ تیرا حوالہ کرانا اسی دین کا تھا جو میرا تجھ پر واجب تھا تو اس جگہ مع الحلف محیل کا قول قابلِ اعتبار ہوگا۔ اس لئے کہ محتال دین کا دعویٰ کررہا ہے اور محیل انکار کرتا ہے۔ اور بات محض اس قدر ہے کہ وہ لفظ "حوالہ" برائے وکالت استعمال کررہا ہے اور اس استعمال میں درحقیقت کوئی حرج نہیں اس لئے کہ لفظ "حوالہ" کا استعمال مجازی طور پر برائے وکالت ہوا کرتا ہے۔

ویکرہ السفاتج وھو قرض الخ۔ سفاتج کی شکل یہ ہے کہ کوئی شخص کسی جگہ جاکر کسی تاجر کو اس شرط کے ساتھ قرض کے طریقہ سے کچھ مال دے کہ تم مجھے دوسری جگہ رہنے والے فلاں شخص کے نام ایک تحریر دیدو کہ وہ اس تحریر کے ذریعہ پیسے کی وصولیابی کرلے اور اس طریقہ سے راستہ کے خطرات سے حفاظت کرلے۔ توکیونکہ اس ذکر کردہ شکل میں قرض دینے

والا قرض سے نفع اٹھا رہا ہے کہ وہ راستہ کے خطرات سے بچ گیا اور "کل قرض جر نفعاً فہو ربو" کی رو سے ایسا قرض جس سے فائدہ اٹھایا جائے شرعاً ممنوع ہے۔ پس یہ شکل بھی مکروہ قرار دیجائیگی مگر یہ کراہت اسی صورت میں ہے جبکہ وہ پیسہ اس تحریر وغیرہ حاصل کرنے کی شرط کے ساتھ دے رہا ہو۔ اور اگر کسی شرط کے بغیر دیدے تو پھر کراہت نہ رہے گی۔

کتاب الصلح

صلح کا ذکر

الصلح علی ثلثۃ اضرب صلح مع اقرار و صلح مع سکوت وھو ان لا یقر المدعی علیہ ولا

صلح تین قسموں پر مشتمل ہے (۱) صلح اقرار کے ساتھ (۲) صلح سکوت کے ساتھ۔ صلح سکوت اسے کہتے ہیں کہ جس پر دعویٰ کیا گیا وہ نہ اقرار

ینکر و صلح مع انکار وکل ذلک جائز فان وقع الصلح عن اقرار اعتبر فیہ ما یعتبر فی

کرتا ہو اور نہ انکار (۳) صلح انکار کے ساتھ صلح کی یہ تینوں شکلیں درست ہیں۔ پس صلح اقرار کے ساتھ ہونے پر اس میں وہ امور معتبر ہونگے جو فروخت

البیاعات ان وقع عن مال بمال وان وقع عن مال بمنافع فیعتبر بالاجارات۔

کیجانیوالی چیزوں میں ہوا کرتے ہیں کہ مال کا دعویٰ ہو تو صلح مع المال ہو اور اگر صلح مع المنافع ہو تو اس میں اجارات کے مانند اعتبار کیا جائیگا۔

تشریح و توضیح

علی ثلثۃ اضرب الخ۔ صلح تین قسموں پر مشتمل ہے (۱) صلح اقرار کے ساتھ (۲) صلح انکار کیساتھ (۳) صلح سکوت کے ساتھ۔ صلح کی ان صورتوں کو قرآن اور احادیث کی رو سے درست قرار دیا گیا۔ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمدؒ اسے جائز قرار دیتے ہیں مگر حضرت امام شافعیؒ محض پہلی قسم یعنی صلح مع الاقرار کو درست قرار دیتے ہیں اسلئے کہ حضورؐ کا ارشاد گرامی ہے کہ مسلمانوں میں باہم صلح درست ہے لیکن وہ صلح (درست نہیں) جس سے حرام حلال ہو جائے، یا حلال حرام ہو جائے۔ یہ روایت ابوداؤد شریف وغیرہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ باقی دو قسموں کے عدم جواز کا سبب یہ قرار دیتے ہیں کہ صلح مع الانکار ہو یا صلح مع السکوت دونوں میں حرام کو حلال یا حلال کو حرام کرنے کا وقوع ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اگر دعویٰ کرنیوالے کا دعویٰ درست ہو تو اس کے واسطے جس چیز پر دعویٰ کیا گیا اسے صلح سے قبل لینا حلال اور صلح کے بعد لینا حرام ہے اور دعویٰ ہی باطل ہونے پر یہ حرام ہے کہ مال صلح سے پہلے لیا جائے البتہ صلح کے بعد حلال ہوگا۔

احناف فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ میں "والصلح خیر" مطلقاً آیا ہے۔ اور اسی طرح حدیث شریف میں "الصلح جائز بین المسلمین" کے الفاظ مطلق ہیں۔ جس کے زمرے میں یہ تینوں قسمیں آجاتی ہیں۔ رہے حدیث شریف کے یہ آخری الفاظ "الا صلحا احل حراما وحرم حلالا" تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ ایسی صلح جس کے باعث حرام لعینہ کا وقوع لازم آتا ہو۔ مثال کے طور پر کوئی شخص شراب پر صلح کرے یا حلال لعینہ کا اس کے ذریعہ حرام ہونا لازم آتا ہو تو اس طرح کی صلح جائز نہ ہوگی۔

فان وقع الصلح عن اقرار الخ۔ اگر اس صلح کا وقوع بمقابلۂ مال مدعا علیہ کے اقرار کے باعث ہو تو اس صلح کو بحکم بیع قرار دیا جائے گا۔ اسواسطے کہ اس کے اندر بیع کے معنے یعنی دونوں عقد کرنیوالوں کے درمیان مال کا تبادلہ مال

کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ پس اس میں احکام بیع کا نفاذ ہوگا۔ لہٰذا ایک گھر کی صلح دوسرے گھر مبادلہ میں ہونے پر دونوں ہی گھروں میں شفعہ کا حق ثابت ہونیکا حکم ہوگا۔ اور مثال کے طور پر بدلِ صلح غلام ہونے پر اگر وہ عیب دار پایا گیا تو اسے لوٹا دینا درست ہوگا۔ علاوہ ازیں صلح کے وقت اسے نہ دیکھ سکا ہو جس پر مصالحت ہوئی تو اسے دیکھنے کے بعد لوٹانیکا حق ہوگا۔ ایسے ہی اگر ان میں سے کوئی شخص اندرونِ صلح اپنے واسطے تین روز کی خیارِ شرط کرے تو اسے اس کا حق حاصل ہوگا۔ اس کے علاوہ بدلِ صلح کے مجہول وغیر معین ہونے کی صورت میں عقدِ صلح باطل قرار دیا جائے گا۔ اس واسطے کہ اس کا حکم ثمن مجہول کا سا ہے کہ اس کی وجہ سے بیع باطل قرار دیجاتی ہے۔ البتہ عند الاحناف مصالح عنہ کے مجہول ہونیکو معاملۂ صلح میں حارج قرار نہیں دیا گیا کیونکہ وہ مدعیٰ علیہ کے ذمہ میں باقی نہیں رہتا اور اس بنا پر یہ باہم نزاع کا سبب نہیں بنتا۔

وَان وَقع عن مَال بمنافع الخ۔ اگر کوئی شخص مال پر صلح منفعت کے مقابلہ میں کرے۔ مثال کے طور پر ساجد راشد پر کسی چیز کا دعویٰ کرے اور راشد اقرار کرلے۔ اس کے بعد راشد ساجد سے اس پر صلح کرلے کہ وہ اسکے مکان میں سال بھر رہے گا تو یہ صلح بحکم اجارہ ہوگی۔ یعنی جس طریقہ سے اجارہ کے اندر منفعت کے پورا کرنے کی مدت کی تعیین شرط ہوا کرتی ہے ٹھیک اسی طرح اس میں بھی ہوگی اور جس طریقہ سے عقد کرنیوالوں میں سے کسی ایک کے انتقال کے باعث اجارہ باطل و کالعدم ہو جایا کرتا ہے اسی طریقہ سے اسے بھی باطل قرار دیں گے۔

وَالصُّلحُ عَنِ السُّكوتِ وَالانكارِ فِي حَقِّ المُدعىٰ عليهِ لافتداءِ اليمينِ وَقطعِ الخصومةِ وَ
اور صلح عن السکوت اور صلح مع الانکار بحق مدعیٰ علیہ حلف کا فدیہ دینے اور نزاع ختم کرنیکی خاطر ہوا کرتی ہے اور

فِي حَقِّ المُدعِي لمعنى المعَاوضةِ وَإِذَا صَالحَ عَنْ دَارٍ لَمْ يَجِبْ فِيهَا الشفعَةُ وَاذَا صَالحَ
دعویٰ کرنیوالے کے حق میں بمنزلہ معاوضہ ہوتی ہے۔ اور اگر گھر سے صلح ہو اس میں شفعہ کا وجوب نہ ہوگا اور اگر گھر پر

عَلىٰ دَارٍ وَجَبَتْ فيهَا الشفعَةُ وَاذَا كَانَ الصُّلحُ عَنْ إقْرَارٍ فَاستحقَّ فيهِ بعضُ
صلح ہو تو اس میں شفعہ کا وجوب ہوگا۔ اور صلح مع الاقرار ہونے پر اگر کوئی حصہ دار نکل آیا صلح کردہ شے میں تو مدعیٰ علیہ

المصَالحِ عَنْهُ رَجعَ المُدعىٰ عليهِ بحصَّةِ ذٰلكَ مِنَ العوضِ وَإذَا وَقَعَ الصُّلحُ عَنْ
اس حصہ کے مطابق اپنا ادا کردہ عوض لوٹا لے۔ اور صلح عن السکوت اور صلح مع الانکار میں

سكوتٍ أَوْ انكارٍ فَاستحقَّ المتنازَعُ فيهِ رَجَعَ المُدعىٰ بالخصومةِ وَرَدَّ العوَضَ
جس میں نزاع ہو اس میں کوئی مستحق نکل آئے تو دعویٰ کرنیوالا اسی اعتبار سے خصومت اور عوض لوٹا دے

وَانِ استُحِقَّ بعضُ ذٰلكَ رَدَّ حصَّتَهُ وَرَجَعَ بالخصومةِ فيهِ وَانُ ادَّعىٰ حقًّا فِي دارٍ وَلم
اور اگر کوئی بعض حصہ کا مستحق نکل آئے تو بقدر حصہ واپس کرنے کے بعد اس میں نزاع کرے اور اگر کوئی شخص مکان میں اپنے حصہ کا

يُبيِّنهُ فصُولِحَ مِنْ ذٰلِكَ علىٰ شيءٍ ثمَّ استُحِقَّ بعضُ الدارِ لَمْ يردَّ شيئًا منَ العوضِ۔
مدعی ہو اور وہ اسکی تفصیل بیان کرے پھر اس بارہ میں کسی شے پر صلح ہو جائے اسکے بعد مکان کا کوئی مستحق نکل آئے تو مدعی اس عوض میں سے کچھ بھی نہ لوٹائے۔

32

احکام صلح مع السکوت و مع الانکار کا بیان

تشریح و توضیح

والصلح عن السکوت والانکار الخ. اگر مدعا علیہ کے سکوت اختیار کرنے یعنی نہ اقرار کرنے اور نہ انکار کرنے پر صلح ہو یا اس کے انکار کے ساتھ صلح ہو تو اس سے مقصود بحق مدعا علیہ حلف کا فدیہ دینا اور نزاع کا ختم کرنا ہوا کرتا ہے۔ رہا مدعی تو اس کے واسطے اسے معاوضہ اسواسطے قرار دیا گیا کہ وہ اپنے خیال کے مطابق یہ معاوضہ اپنے ہی حق کا لے رہا ہے اور رہا مدعیٰ علیہ تو اس کے واسطے فدیۂ حلف اس بنیاد پر ہے کہ اگر یہ صورتِ صلح پیش نہ آتی تو مدعا علیہ پر حلف کرنا لازم ہوتا اور باہم نزاع پیش آتا۔ لہٰذا مدعا علیہ کے انکار سے یہ بات عیاں ہو گئی کہ اس کا صلح کے طور پر دینا باہمی نزاع ختم کرنے کی خاطر ہے۔

لم یجب فیہا الشفعۃ الخ. اس مسئلہ کی وضاحت اس طریقہ سے ہے کہ کوئی شخص دوسرے شخص پر مکان کا دعویٰ کرے اور اس کے جواب میں مدعیٰ علیہ یا تو اس کا انکار کرے اور یا سکوت اختیار کرے پھر وہ مکان کے سلسلہ میں کچھ معاوضہ دیکر صلح کرلے تو اس مکان میں شفعہ کا وجوب نہ ہوگا۔ اس لئے کہ مدعیٰ علیہ کا اسے لینا اپنے حق اصلی کی بنیاد پر ہے، اس سے خریدنے کی بناء پر نہیں۔ اور اگر دعویٰ کرنیوالا دعویٰ مال کرے اور پھر مدعا علیہ اسے ایک مکان دیکر صلح کرلے تو اس صورت میں اس کے اندر شفعہ کا وجوب ہوگا اس لئے کہ یہاں دعویٰ کرنیوالے کا اسے لینا اپنے مال کے عوض سمجھتے ہوئے ہے۔ تو یہ بحق مدعی معاوضہ شمار ہونے پر اس میں شفعہ کا وجوب ہوگا۔

واذا کان الصلح عن اقرار الخ. اگر ایسا ہو کہ صلح عن الاقرار کی صورت میں جس چیز پر صلح ہوئی ہو وہ تمام کسی اور کی نکل آئے یا اس کا کچھ حصہ کسی اور کا نکل ہو تو اس صورت میں مدعی اس کے حصہ کی مقدار معاوضۂ صلح مدعیٰ علیہ کو لوٹا دے اس واسطے صلح دراصل بیع کی مانند مطلق معاوضہ ہے اور اس کے اندر حکم یہ ہے کہ استحقاق کی صورت میں اس کے بقدر لوٹانا ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر خالد ایک گھر کے بارے میں دعویٰ کرے اور اس گھر پر حامد قابض ہوا اور حامد بعد اقرار خالد سے ہزار دراہم پر صلح کرلے اس کے بعد آدھا یا سارے مکان کا کوئی دوسرا مستحق نکل آئے تو حامد پہلی شکل میں خالد سے پانچ سو اور دوسری شکل میں ہزار دراہم لے گا۔

فاستحق المتنازع فیہ الخ. اس مسئلہ کی وضاحت اسطرح ہے کہ اگر مثلاً رشید ایک گھر پر قابض ہوا اور حمید اسکا مدعی ہو کہ وہ اس گھر کا مالک ہے۔ اور رشید اس کے دعوے کے جواب میں یا تو سرے سے انکار کرے یا سکوت اختیار کرے پھر وہ حمید کو ہزار دراہم دیکر مصالحت کرلے کہ وہ اس دعوے سے باز آجائے اور پھر اس گھر کا کوئی اور مالک نکل آئے تو اس صورت میں حمید رشید سے لئے ہوئے ہزار دراہم لوٹا کر اس سے خصومت و نزاع کرے جو کہ ملکیت کا مدعی ہو۔ اس واسطے کہ رشید نے یہ دراہم حمید کے نزاع کو ختم کرنیکی خاطر دیئے تھے کہ اس کے بعد مصالح عنہ نزاع کے بغیر اس کے پاس رہے اور مالک کوئی اور نکل آنے کی صورت میں مقصود پورا نہیں ہوا۔ اور اگر ایسا ہو کہ بجائے کل کے کچھ حصہ کا حقدار نکل آئے تو پھر اسی کے مطابق لوٹا دے اور حصہ

کے بقدر حقدار سے بات کرلے۔

لم یرد شیئاً من العوض الخ۔ کوئی شخص کسی گھر کے بارے میں اس کا مدعی ہو کہ اس میں اس کا حق بیٹھتا ہے اور یہ ظاہر نہ کرے کہ اس میں اس کا حصہ آدھا ہے یا تہائی یا گھر کا کون سا گوشہ ہے اس کے بعد وہ اسے کچھ معاوضہ دے کر مصالحت کرلے۔ اس کے بعد اسی گھر کا کوئی اور شخص جزوی اعتبار سے حقدار نکل آئے تو اس صورت میں یہ دعویٰ کرنیوالا اس عوض میں سے بالکل بھی نہ لوٹائیگا۔ اس لئے کہ اس کے تفصیل بیان نہ کرنے کے باعث اس کا امکان ہے کہ اس شخص کا دعویٰ گھر کے اسی حصہ کے سلسلہ میں جو کہ حصہ دار کے حوالہ کرنے کے بعد برقرار رہ گیا ہو۔

وَالصلح جائز من دعوى الاموال والمنافع وجناية العمد والخطاء ولا يجوز من
اور دعویٰ مال ومنافع ودعویٰ جنایت عمد وخطا صلح کرلینا درست ہے۔ اور دعویٰ حد کے اندر درست نہیں۔

دعوى حد واذا ادعى رجل على امرأة نكاحا وهي تجحد فصالحته على مال بذلته
اور ایک شخص کسی عورت سے نکاح کا مدعی ہو اور عورت منکر اس کے بعد عورت مال حوالہ کرکے مصالحت کرلے تاکہ

حتى يترك الدعوى جاز وكان في معنى الخلع واذا ادعت امرأة نكاحا على رجل
وہ اپنے دعویٰ سے باز آجائے تو درست ہے۔ اور یہ بحکم خلع ہوگا۔ اور کوئی عورت اگر کسی شخص سے نکاح کی مدعیہ ہو اور

فصالحها على مال بذله لها لم يجز وان ادعى رجل على رجل انه عبده فصالحه
مرد اسے کچھ مال حوالہ کرکے صلح کرلے تو اسے درست قرار نہ دیں گے اور اگر کوئی شخص کسی کے بارے میں مدعی ہو کہ وہ اسکا غلام ہے

على مال اعطاه جاز وكان في حق المدعي في معنى العتق على مال۔
پھر وہ کچھ مال سپرد کرکے مصالحت کرلے تو درست ہے اور یہ بحق مدعی بعوض مال نعمت آزادی عطا کرنیکے حکم میں ہوگا۔

جن امور پر صلح درست ہے اور جن پر درست نہیں

تشریح وتوضیح وَالصلح جائز من دعوى الاموال الخ۔ صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص مدعی مال ہو تو اس سلسلہ میں یہ درست ہے کہ مصالحت کرلی جائے اس لئے کہ یہ صلح بمعنی بیع ہوگی۔ لہٰذا وہ شئ جس کی شرعاً بیع درست ہو اس کے اندر صلح بھی درست شمار ہوگی۔ علاوہ ازیں منفعت کے دعوے کی صورت میں بھی مصالحت باہم درست ہے۔ مثال کے طور پر کوئی شخص مدعی ہو کہ فلاں آدمی اس کی وصیت کرچکا ہے کہ میں اس گھر میں سال بھر رہوں۔ اور پھر ورثاء اسکے کچھ مال حوالہ کرکے مصالحت کرلیں تو اسے درست قرار دیں گے۔ اسواسطے کہ بواسطۂ عقد اجارہ منافع پر ملکیت حاصل ہو جاتی ہے لہٰذا بواسطۂ صلح بھی ملکیت حاصل ہوگی۔

وَجنایۃ العمدِ والخطاءِ الخ۔ کسی کو موت کے گھاٹ اتارنیکا گناہ خواہ قصداً ہو یا غلطی سے ایسا ہوگیا ہو۔ دونوں صورتوں میں باہم صلح جائز ہے۔ عمداً کی شکل میں جوازِ صلح کا مستدل یہ ارشادِ ربانی ہے "فمن عُفی لہ من اخیہ شئ فاتباع بالمعروف واداءٌ الیہ باحسان (الآیہ) مشہور و معروف مفسرِ قرآن حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اس آیت کا شانِ نزول یہی بیان فرماتے ہیں کہ یہ صلح سے متعلق نازل ہوئی۔ اور رہا قتل خطار تو اس میں صلح کے جواز کا سبب یہ ہے کہ خطاءً قتل کے گناہ سے دیت (مال بعوضِ جان) واجب ہوتی ہے اور مال کے اندر مصالحت بغیر کسی اشکال و شبہ کے درست ہے۔

وَلا یجوزُ من دعویٰ حدٍ الخ۔ اور حد کے دعوے کا جہاں تک تعلق ہے اس میں صلح درست نہ ہوگی۔ اسواسطے کہ اس کا شمار اللہ تعالیٰ کے حقوق میں ہے بندہ کے نہیں۔ تو کسی کے لئے یہ درست نہیں کہ وہ دوسرے کے حق کا بدلہ لے۔ لہٰذا اگر مثلاً کوئی شخص شراب نوش کو عدالتِ حاکم میں لے جارہا ہو اور پھر وہ شراب نوش اس سے بمعاوضۂ مال مصالحت کرلے تاکہ وہ اسے وہاں نہ لیجائے تو اس صلح کو درست قرار نہ دیں گے۔

وھی تجحد فصالحتہ الخ۔ کوئی شخص کسی عورت کے بارے میں یہ دعویٰ کرے کہ وہ اس کی منکوحہ ہے اور عورت اس کا انکار کرے مگر انکار کے باوجود وہ کچھ مالی معاوضہ پر مصالحت کرلے تو صحیح ہے اور یہ باہمی صلح اس شخص کے لئے بمنزلۂ خلع کے ہوگی اور عورت کیلئے اسے حلف کا ذریعہ قرار دیں گے کہ وہ حلف سے بچ گئی۔ اور اگر کوئی عورت یہ دعویٰ کرے کہ وہ فلاں کی منکوحہ ہے اور پھر مرد نے بمعاوضۂ مال صلح کرلی تو یہ درست نہ ہوگی۔ اس واسطے کہ مرد کا یہ مالی معاوضہ دعویٰ ختم کرنیکی خاطر ہے اور عورت کا ترکِ دعویٰ علیٰحدگی کیلئے قرار دیں تو علیٰحدگی کیلئے عورت مال پیش کرتی ہے مرد نہیں۔ اور علیٰحدگی کے واسطے نہ قرار دیں تو پھر بمعاوضۂ مال کوئی شی نہیں آرہی ہے۔

وَکُلّ شئٍ وَقَعَ علیہِ الصُّلحُ وَھُوَ مُسْتَحَقٌّ بعَقْدِ المُدَاینَۃِ لَمْ یُحْمَلْ عَلَی المُعَاوضۃِ وَاِنّما
اور ہر ایسی چیز جس کے ساتھ صلح ہو درآں حالیکہ وہ عقدِ مداینت کے باعث واجب ہورہی ہو تو اس کو معاوضہ پر محمول کرنے کے

یُحْمَلُ عَلیٰ اَنّہٗ اسْتَوفیٰ بعضَ حقہٖ وَاَسْقَطَ باقِیَہٗ کمَنْ لہٗ عَلیٰ رَجُلٍ اَلفُ دِرْھَمٍ جِیادٍ
بجائے اس کے اوپر محمول کریں گے کہ مدعی نے اپنے کچھ حق کی وصولیابی کرلی اور باقیماندہ ساقط کرچکا۔ جس طرح کہ ایک شخص کے کسی شخص

فصالحہٗ عَلیٰ خمسِ مِأۃٍ زیوفٍ جَازَ وَصَارَ کانّہٗ اَبْرَأہٗ عَنْ بعضِ حقہٖ وَلو صَالحہٗ
پر ہزار کھرے دراہم واجب ہوں اور پھر وہ پانچ سو کھوٹے دراہم پر مصالحت کرلے تو یہ درست ہے اور گویا وہ اس کو اپنے کچھ حق سے

عَلَی الفٍ مؤجّلۃٍ جَازَ وَکانّہٗ اَجّلَ نفسَ الحقّ ولو صَالحہٗ عَلیٰ دَنانیرَ الیٰ شہرٍ لَمْ یجُزْ
بری کرچکا اور اگر ہزار دراہم مؤجل پر صلح کرے تو درست ہے اور اس طرح گویا اس نے نفسِ حق میں تاخیر کردی اور اگر دیناروں پر ایک مہینہ

ولو کَانَ لہٗ الفٌ مؤجّلۃٌ فصالحہٗ عَلیٰ خمسِ مِأۃٍ حَالّۃٍ لَمْ یجُزْ ولَوْ کَانَ لہٗ الفُ
کی مہلت کیساتھ صلح کرے تو درست نہیں اور اگر کسی کے کسی پر ہزار مؤجل واجب ہوں پھر وہ فوری پانچ سو پر مصالحت کرلے تو درست نہیں۔

دِرْھَمٍ سُوْدٍ فصالحہٗ عَلیٰ خمسِ مِأۃٍ بیضٍ لَمْ یجُزْ
اور اگر اس کے ہزار سیاہ دراہم واجب ہوں پھر اس نے پانچ سو سفید دراہم پر صلح کرلی تو درست نہیں۔

قرض سے مصالحت کا ذکر

لغات کی وضاحت: مستحق: واجب۔ الف: ہزار۔ مؤجلۃ: جنکی ادائیگی کی میعاد مقرر ہو۔ بیض: اُجلے، کھرے سکے۔

تشریح و توضیح: وکل شئ وقع علیہ الصلح الخ۔ یہاں صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ ایسی چیز جس پر باہم صلح ہوئی ہو اگر وہ ایسی ہو کہ عقد مداینت کے باعث اسکا وجوب ہو رہا ہو تو یہ صلح اس پر محمول کی جائے گی اور یہ سمجھا جائیگا کہ مدعی نے اپنے حق میں سے اس طرح کچھ حصّہ کی وصولیابی کرلی اور کچھ سے دست بردار ہو گیا۔ اسے معاوضہ قرار نہ دیا جائے گا تاکہ عوضین میں کمی زیادتی ہو تو سود کے زمرے میں شمار نہ ہو۔ اور اگر کسی کے کسی شخص پر ہزار ایسے دراہم واجب ہوں جو کہ کھرے ہوں اور وہ بجائے کھرے دراہم کے پانچ سو کھوٹے دراہم پر صلح کرلے تو اس صلح کو درست قرار دینگے۔ اور ان پانچ سو دراہم کو ہزار کا بدلہ شمار نہ کرتے ہوئے یہ کہا جائیگا کہ مدعی باقی پانچ سو سے دست بردار ہو گیا ایسے ہی اگر ہزار دراہم غیر مؤجل واجب ہوں اور پھر وہ ہزار دراہم مؤجل پر مصالحت کرلے تو اسے بھی درست کہا جائے گا اور یہ کہیں گے کہ اس نے نفس حق میں تاخیر کردی۔

علیٰ دنانیر الیٰ شہر الخ۔ اور اگر کسی شخص کے کسی پر غیر مؤجل ہزار دراہم واجب ہوں اور پھر ہزار دنانیر مؤجل پر مصالحت کرلے تو درست نہ ہوگی اس واسطے کہ عقد مداینت کے باعث دیناروں کا وجوب نہیں ہوا اور میعاد کو وصولیابی حق میں تاخیر پر محمول نہیں کرسکتے بلکہ معاوضہ پر محمول کریں گے اور معاوضہ کی بنا پر یہ صلح نہیں رہی بلکہ بیع صرف بن گئی اور بیع صرف کے اندر یہ درست نہیں کہ دراہم و دیناروں کے بدلہ ادھار فروخت ہوں۔ اور ایسے ہی اگر ہزار دراہم مؤجل واجب ہوں اور پھر نقد اور فوری ادا کئے جانے والے پانچ سو دراہم پر صلح ہو جائے تو اسے بھی درست قرار نہ دیں گے۔ اس واسطے کہ مؤجل ہونا حق مقروض تھا تو یہ نصف غیر مؤجل مؤجل عوض بن گیا اور یہ جائز نہیں کہ اجل کا عوض لیا جائے اور ایسے ہی ہزار سیاہ دراھم کے بدلہ پانچ سو سفید دراہم پر صلح درست نہ ہوگی۔ اسواسطے کہ مع زیادتی واضافۂ وصف پانچ سو سفید دراھم ہزار سیاہ دراہم کا معاوضہ بن گئے۔ اور نقدین کے معاوضہ میں اعتبار وصف نہ کئے جانیکی بنا پر سود کی صورت بن گئی اور سود کی حرمت ظاہر ہے۔

وَمَنْ وَكَّلَ رَجُلًا بِالصُّلْحِ عَنْهُ فَصَالَحَهُ لَمْ يَلْزَمِ الْوَكِيْلَ مَا صَالَحَ عَلَيْهِ إِلَّا أَنْ يَضْمَنَهُ
اور جو شخص اپنی جانب سے کسی کو صلح کا وکیل بنائے اور وہ صلح کرادے تو وکیل پر معاوضۂ صلح کا وجوب ہوگا مگر یہ کہ وہ اسکی
وَالْمَالُ لَازِمٌ لِلْمُوَكِّلِ فَإِنْ صَالَحَ عَنْهُ عَلَىٰ شَئٍ بِغَيْرِ أَمْرِهِ فَهُوَ عَلَىٰ أَرْبَعَةِ أَوْجُهٍ إِنْ
ضمانت لیلے بلکہ مؤکل پر مال کا لزوم ہوگا لہٰذا اگر اس کی جانب سے کسی شے پر اجازت کے بغیر صلح کرلی ہو تو یہ چار قسموں پر مشتمل ہے۔

صَالَحَ بِمَالٍ ضَمِنَہٗ تَمَّ الصُّلْحُ وَکَذٰلِکَ لَوْ قَالَ صَالَحْتُکَ عَلٰی اَلْفٍ ھٰذِہٖ اَوْ عَلٰی عَبْدِیْ
(۱) اگر بمعاوضۂ مال صلح کرے اور اس کا ضامن بھی بن جائے تو صلح کی تکمیل ہوگئی (۲) اور ایسے ہی اگر کہے کہ میں ہزار دراہم یا
ھٰذَا تَمَّ الصُّلْحُ وَلَزِمَہٗ تَسْلِیْمُھَا اِلَیْہِ وَکَذٰلِکَ لَوْ قَالَ صَالَحْتُکَ عَلٰی اَلْفٍ وَسَلَّمَھَا اِلَیْہِ وَ
اپنے اس غلام کے بدلہ مصالحت کرتا ہوں تو صلح کی تکمیل ہوگئی اور اسے سپرد کرنا لازم ہوگا (۳) اور ایسے ہی اگر کہے کہ میں ہزار دراہم پر مصالحت
اِنْ قَالَ صَالَحْتُکَ عَلٰی اَلْفٍ وَلَمْ یُسَلِّمْھَا اِلَیْہِ فَالْعَقْدُ مَوْقُوْفٌ فَاِنْ اَجَازَہُ الْمُدَّعٰی
کرتا ہوں اور وہ ہزار اس کے سپرد کرے (۴) اور اگر کہے کہ میں نے ہزار دراہم پر صلح کی اور وہ دعویٰ کرنے والے کے سپرد نہ کرے تو عقدِ صلح موقوف
عَلَیْہِ جَازَ وَلَزِمَہُ الْاَلْفُ وَاِنْ لَمْ یُجِزْہُ بَطَلَ۔
رہیگا۔ لہٰذا اگر مدعیٰ علیہ اس کی اجازت دیدے تو درست ہوجائیگا اور اجازت نہ دینے پر عقدِ صلح باطل و کالعدم ہوگا۔

تشریح و توضیح

وَمَنْ وَکَّلَ رَجُلًا بِالصُّلْحِ الخ۔ اس کے بارے میں وضاحت اور تفصیل اس طرح ہے کہ اگر کوئی شخص خود پر قتل عمد کے دعوے کے سلسلہ میں کسی اور وکیل مقرر کرے یا اس پر دین کی جتنی مقدار کا دعویٰ ہو اس کے سلسلہ میں کسی کو وکیل بنائے تو بدلِ صلح کا وجوب وکیل پر نہیں بلکہ مؤکل پر ہوگا۔ اس لئے کہ اس صلح کا مقصد دراصل یہ ہے کہ قتل کرنے والے شخص کا قصاص ساقط کردیا جائے اور مدعیٰ علیہ سے کچھ قرض کا ساقط کرنا اس میں بھی وکیل کی حیثیت صرف سفیر کی ہوئی عقد کرنیوالے کی نہیں۔ پس حقوق کے سلسلہ میں مؤکل کی جانب رجوع کیا جائے گا۔ البتہ اگر ایسا ہو کہ وکیل بوقت عقدِ صلح بدلِ صلح کی ضمانت لے لے تو پھر بدلِ صلح کا وجوب اسی پر ہوگا مگر یہ وجوب ضامن بننے کی وجہ سے ہوگا، وکیل بننے کے باعث نہیں۔

فان صالح عنہ علی شئی الخ۔ صورتِ مسئلہ اس طرح ہے کہ کوئی فضولی کسی کی جانب سے عقدِ صلح کرے تو یہ چار قسموں پر مشتمل ہوگا۔

(۱) ایک یہ کہ فضولی عقدِ صلح کرے اور معاوضۂ صلح کا ضامن بن جائے۔ (۲) معاوضۂ صلح کا انتساب اپنے مال کیجانب کرے کہ میں نے ہزار دراہم پر یا اپنے اس غلام کے بدلہ صلح کی (۳) نہ تو وہ بجانب مال انتساب کرے اور نہ اس کا کوئی اشارہ کرے اور مطلقاً و بلا قید اس طرح کہے کہ میں نے ہزار دراہم پر عقدِ صلح کیا اور پھر ہزار دراہم اس کے سپرد کردے تو ان ذکر کردہ تینوں مسئلوں میں صلح درست ہوگی۔ (۴) اور اگر فضولی محض اس اس قدر کہے کہ میں نے ہزار دراہم پر صلح کی اور وہ مال حوالہ نہ کرے تو ایسی شکل میں بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ یہ عقدِ صلح موقوف رہے گا۔ پس اگر علم کے بعد مدعیٰ علیہ اسے درست قرار دے تو عقدِ صلح درست ہوجائے گا۔ اور اگر درست قرار نہ دے تو اسے اس صورت میں درست قرار نہ دیں گے۔ وجہ یہ ہے کہ فضولی دراصل مطلوب کا ولی نہیں پس اس کا تصرف بلا اجازت سرے سے قابلِ نفاذ ہی نہیں اور اس کا نفاذ اجازت پر موقوف و معلق رہتا ہے اجازت دیدی گئی تو نافذ ہوجاتا ہے اور عدمِ اجازت کی صورت میں باطل و کالعدم ہوتا ہے۔

وَاِذَا كَانَ الدَّيْنُ بَيْنَ شَرِيْكَيْنِ فَصَالَحَ اَحَدُهُمَا عَنْ نَصِيْبِهٖ عَلٰى ثَوْبٍ فَشَرِيْكُهٗ بِالْخِيَارِ
اور اگر دین کے اندر دو شریک ہوں اور ان دونوں میں سے ایک نے اپنے حصہ کے بقدر کسی کپڑے پر صلح کرلی تو اس کے شریک کو یہ حق حاصل
اِنْ شَاءَ اتَّبَعَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الدَّيْنُ بِنِصْفِهٖ وَاِنْ شَاءَ اَخَذَ نِصْفَ الثَّوْبِ اِلَّا اَنْ
ہے کہ خواہ اپنا آدھا حصہ لینے کی خاطر جو مقروض ہو اس کا تعاقب کرے اور خواہ نصف کپڑا لے لے۔ الّا یہ کہ اس کے شریک
يَضْمَنَ لَهٗ شَرِيْكُهٗ رُبُعَ الدَّيْنِ وَلَوِ اسْتَوْفٰى نِصْفَ نَصِيْبِهٖ مِنَ الدَّيْنِ كَانَ لِشَرِيْكِهٖ
نے چوتھائی دین کی ضمانت لی ہو اور اگر ان دونوں میں سے کسی نے اپنے آدھے دین کی وصولیابی کرلی ہو تو اس کا شریک وصول
اَنْ يُشَارِكَهٗ فِيْمَا قَبَضَ ثُمَّ يَرْجِعَانِ عَلَى الْغَرِيْمِ بِالْبَاقِيْ وَلَوِ اشْتَرٰى اَحَدُهُمَا بِنَصِيْبِهٖ مِنَ
شدہ میں شرکت کرسکتا ہے پھر دونوں شریک مقروض شخص سے باقیماندہ قرض کی وصولیابی کرلیں اور اگر دونوں میں سے ایک اپنے حصہ
الدَّيْنِ سِلْعَةً كَانَ لِشَرِيْكِهٖ اَنْ يُضَمِّنَهٗ رُبُعَ الدَّيْنِ وَاِذَا كَانَ السَّلَمُ بَيْنَ شَرِيْكَيْنِ
کے قرض سے کچھ سامان خریدلے تو اس کے شریک کو اس سے چوتھائی دین وصول کرنیکا حق ہوگا اور اگر عقد سلم کے اندر دو شریک ہوں
فَصَالَحَ اَحَدُهُمَا مِنْ نَصِيْبِهٖ عَلٰى رَاْسِ الْمَالِ لَمْ يَجُزْ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا
پھر ان شریکوں میں سے ایک اپنے حصہ سے راس المال کے اوپر مصالحت کرلے تو امام ابوحنیفہؒ وامام محمدؒ درست قرار
اللّٰهُ تَعَالٰى وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ يَجُوْزُ الصُّلْحُ۔
نہیں دیتے اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک یہ صلح درست ہوگی۔

مشترک قرض میں صلح کا ذکر

تشریح وتوضیح

وَاِذَا كَانَ الدَّيْنُ بَيْنَ شَرِيْكَيْنِ الخ۔ اصطلاح میں مشترک قرض اسے کہا جاتا ہے جس کا وجوب متحد سبب کے واسطہ سے ہو رہا ہو۔ مثلاً اس خرید کردہ شے کی قیمت جس کی بیع ایک ہی صفقہ میں کی گئی ہو یا مثلاً اس طرح کا قرض جو دو اشخاص کا موروثی ہو تو ایسے دین کے متعلق یہ حکم کیا جاتا ہے کہ دونوں شریکوں میں سے اگر ایک شریک نے مشترک قرض سے کچھ مقدار لیلی تو دوسرے کو یہ حق حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ اسی میں شرکت اختیار کرلے جو وصول ہوچکا اور خواہ اصل مقروض سے اپنے حصہ کا طلبگار ہو۔ لہٰذا اگر ایسا ہو کہ دونوں شریکوں میں سے ایک شریک اپنے حصہ کے اعتبار سے کسی کپڑے پر مصالحت کرلے تو اس صورت میں اس کے شریک کو دو اختیار حاصل ہوں گے یا تو یہ کہ وہ نصف کپڑا لے لے اور یا نصف کپڑا لینے کے بجائے اصلی مقروض سے اپنے حصہ کا طلبگار ہو البتہ اگر صلح کرنیوالا شریک اس کیواسطے چوتھائی دین کی ضمانت لیلے تو اس صورت میں دوسرے شریک کا اس کپڑے میں کوئی حق نہیں رہے گا اور اگر ایسا ہو کہ دونوں شریکوں میں سے کوئی سا شریک اپنے قرض کے حصہ کی وصولیابی کرلے تو اس وصول شدہ میں اس کا دوسرا شریک بھی شریک شمار ہوگا۔

اور پھر باقیماندہ قرض کے طلبگار مقروض سے دونوں شریک ہوں گے اور دونوں میں سے ایک اگر مقروض سے اپنے حصہ کے بدلہ میں کوئی شئے خریدلے تو اس شکل میں دوسرے شریک کو یہ حق ہوگا کہ خواہ چوتھائی قرض کے تاوان کا شریک سے طلبگار ہو اور خواہ اصل مقروض سے طلب کرے۔ اس لئے کہ بذمۂ مقروض اس کے حق کا جہاں تک تعلق ہے وہ برقرار رہے۔

واذا کان السّلم بین شریکین الخ۔ اگر دو اشخاص مثلاً ایک من گندم میں عقدِ سلم کریں اور دوسو دراہم راس المال قرار پائے اور پھر دونوں میں سے ہر ایک اپنے حصہ کے سو دراہم دے اس کے بعد رب السّلم آدھے من گندم کے عوض سو دراہم پر مسلم الیہ کے ساتھ مصالحت کرلے اور اس نے وہ دراہم وصول کرلئے تو اسطرح کی صلح امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ جائز قرار نہیں دیتے۔ اس لئے کہ مصالحت کی اس شکل میں یہ لازم آتا ہے کہ قابض ہونے سے پہلے ہی دین کی تقسیم ہوجائے اور اس کا باطل ہونا ظاہر ہے۔ امام ابویوسفؒ اسے درست قرار دیتے ہیں اور وجہ جواز یہ ہے کہ اس کا تصرف کرنا اپنے حق خالص کے اندر ہے جس کا درست ہونا واضح ہے۔

وَاذا کانتِ الترکۃ بینَ ورثۃٍ فاخرجوا احدَھم منھا بمالٍ اعطوہ ایّاہُ وَالترکۃ عقارٌ

اور اگر ترکہ میں چند ورثار ہوں اس کے بعد وہ ان میں سے کسی کو مال عطا کرکے الگ کردیں درآنحالیکہ یہ ترکہ زمین ہو یا اسباب

اَوْعروضٌ جازَ قلیلاً کانَ مَا اعطوہ اوکثیرًا فانْ کانتِ الترکۃُ فضۃً فاعطوہ ذھبًا

تو درست ہوگا خواہ عطا کردہ قلیل ہو یا کثیر۔ اور ترکہ چاندی ہونے پر اگر انھوں نے سونا دیا یا ترکہ سونا ہونے پر انھوں

اَوْذھبًا فاعطوہُ فضۃً فھوکذٰلکَ وَانْ کانتِ الترکۃُ ذھبًا وفضۃً وَغیرَ ذٰلکَ

نے چاندی دی تو اس کا حکم بھی ایسا ہی ہوگا اور ترکہ سونا چاندی اور ان کے علاوہ بھی ہو اور پھر وہ اس سے مصالحت

فصَالحوہُ علیٰ ذھبٍ اَوْ فضۃٍ فلابُدَّ اَنْ یکونَ مَا اعطوہُ اکثرَمِنْ نصیبہٖ من ذٰلکَ

محض سونے پر یا چاندی پر کریں تو پھر یہ لازم ہوگا کہ ان کے عطا کردہ کی مقدار اس کے اسی جنس کے حصہ کے مقابلہ

الجنسِ حتیٰ یکونَ نصیبہُ بمثلہٖ وَالزیادۃُ بحقہٖ مِنْ بقیۃِ المیراثِ وَاِنْ کانَ فِے

میں زیادہ ہو تاکہ اس شخص کا حصہ اسکے مساوی ہوسکے اور زیادہ مقدار باقی ترکہ میں اس کے ہونیوالے حق کے مقابلہ میں

الترکۃِ دَیْنٌ علی الناسِ فادخلوہُ فِی الصُّلحِ علیٰ اَنْ یخرجوا المصَالحَ عنہ وَیکونُ

شمار ہو۔ اور اگر ترکہ لوگوں کے اوپر واجب قرض ہو اور پھر وہ کسی ایک کو مصالحت میں اس شرط کے ساتھ شامل کرلیں کہ جس سے

الدینُ لھُمْ فالصّلحُ باطلٌ فانْ شرطوا اَنْ یبرئَ الغرماءَ منہ وَلایرجع علیھِمْ

صلح ہوئی اسے اس قرض کے حصہ سے نکال دیں گے اور سارا قرض انھیں لوگوں کا رہیگا تو ایسی صلح باطل وکالعدم ہوگی اور اگر اس شرط کے

بنصیبِ المصَالحِ عنہ فالصُّلحُ جائزٌ

ساتھ صلح کریں کہ وہ مقروضوں کو تو اپنے حصہ سے بری الذمہ کردے اور اپنے حصہ کا ورثار سے طلبگار نہ ہوگا تو ایسی صلح درست ہے۔

خارج کرنے سے متعلق مسائل کا ذکر

تشریح و توضیح

فاخرجوا احد منها بمال الخ۔ صاحب کتاب یہاں ایک مسئلہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ کوئی شخص موت کی آغوش میں سو جائے اور وہ بطور ترکہ کوئی زمین یا سامان چھوڑ جائے اور ورثاء یہ کریں کہ اپنے میں سے کسی وارث کو تھوڑا مال دیکر اسے زمرۂ ورثاء سے نکالدیں تو ایسا کرنا درست ہوگا اس سے قطع نظر کہ اس ملنے والے مال کی مقدار قلیل ہو یا کثیر۔ البتہ سونا یا چاندی ہو تو یہ نکالنا اس وقت درست ہوگا جبکہ دونوں قابض ہوجائیں تاکہ سود کی شکل نہ بنے۔

فلابد ان یکون ما اعطوہ اکثر الخ۔ فرماتے ہیں اگر ایسا ہو کہ ترکہ کے اندر سونا چاندی بھی اور اسباب بھی ہوں اور ورثاء کسی وارث کو ترکہ میں محض سونا یا فقط چاندی دیکر وراثت سے الگ کردیں تو یہ اس وقت تک درست نہ ہوگا جب تک کہ وارث کو دیا جانیوالا سونا، چاندی اس مقدار سے نہ بڑھ جائے جو کہ اس وارث کو اسی جنس سے بطور ترکہ ملنے والا حصہ تھا۔

وان کانَ فی الترکۃِ دینٌ علیَ الناسِ الخ۔ جس کا انتقال ہوا اگر لوگوں پر باقیماندہ اس کا قرض ہی اس کا ترکہ ہو اور پھر ورثاء اپنے میں سے کسی کو اس شرط کے ساتھ وراثت سے نکالیں کہ لوگوں پر جو واجب قرض ہو وہ اس کے علاوہ دیگر ورثاء کا ہوگا تو یہ صلح درست نہ ہوگی۔ البتہ اگر ورثاء نے یہ شرط کرلی ہو کہ صلح کرنیوالا اپنے حصہ کے بقدر قرض سے مقروضوں کو بریٔ الذمہ کردیگا اور ترکہ میں سے اپنا حصہ ورثاء سے وصول نہ کریگا۔ اور اس شرط کو قبول کرتے ہوئے وہ دیگر ورثاء سے کچھ مال پر مصالحت کرلے تو یہ صلح درست قرار دی جائے گی۔ اس لئے کہ اس براءت میں مالکِ قرض اسی کو مقرر کیا گیا جس پر کہ قرض کا وجوب تھا تو اس صورت میں جتنی مقدار اس کے حصہ کی ہو اس کے بقدر قرض مقروض سے ساقط ہونیکا حکم ہوگا اور یہ مصالحت درست ہوگی۔

کتابُ الهِبَۃِ

ہبہ کا ذکر

اَلهِبَۃُ تصِحّ بالایجابِ وَالقبولِ وَتتِمّ بالقبضِ فانْ قبضَ المَوهوبُ لہٗ فی المَجْلِسِ بغَیرِ اِذنِ الواھبِ جَازَ وَاِنْ قبضَ بعد الافتراقِ لَمْ تصِحّ اِلا ان یاذنَ لہٗ الواھِبُ فی القبضِ۔

ہبہ بذریعہ ایجاب و قبول درست ہوتا ہے اور قابض ہونے پر مکمل ہوجاتا ہے اور اگر موہوب لہ ہبہ کرنیوالے کی بلا اجازت اندرون مجلس قابض ہوجائے تو درست ہے اور الگ ہونیکے بعد قابض ہو تو درست نہیں البتہ اگر ہبہ کرنیوالا اسے قابض ہونیکی اجازت دیدے تو درست ہے۔

لغات کی وضاحت: موھوب لہ: جس کے لئے ہبہ کیا گیا۔ الواھب: ہبہ کرنیوالا۔ الافتراق: الگ ہونا۔ مجلس ختم ہوجانا۔

تشریح و توضیح: الھبۃ تصح الخ۔ ہبہ ہا کے کسرہ کے ساتھ فِعلَۃ کے وزن پر۔ ہبہ کسی کو ایسی چیز دینے کا نام ہے جو کہ اس کے واسطے نفع بخش ہو۔ اس سے قطع نظر کہ وہ مال ہو یا اس کے علاوہ۔ ارشادِ ربانی ہے "فھب لی من لدنک ولیا یرثنی ویرث من آل یعقوب" (آپ مجھ کو خاص اپنے پاس سے ایک ایسا وارث (یعنی بیٹا) دیدیجئے کہ وہ (میرے علوم خاصہ میں) میرا وارث بنے اور (میرے جد) یعقوب کے خاندان کا وارث بنے)۔

اصطلاحِ فقہ میں یہ کسی عوض کے بغیر عینِ شئ کا مالک بنادینے کا نام ہے۔ عین کی قید لگانے کا یہ فائدہ ہے کہ اس تعریف سے اباحت و عاریت دونوں ہبہ کی تعریف کے زمرے سے نکل گئے۔ اور عوض کے بغیر کی قید لگ جانے سے اجارہ و بیع اس تعریف سے نکل گئے۔ البتہ اس تعریف کا اطلاق وصیت پر ضرور ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ ابن کمال ہبہ کی اس تعریف کے ساتھ ساتھ اس کی تعریف میں حال کی قید کا اضافہ کرتے ہیں۔

الھبۃ تصح بالایجاب والقبول الخ۔ فرماتے ہیں کہ ہبہ کرنیوالے کی جانب سے ایجاب اور جسے ہبہ کیا جارہا ہے اس کی طرف سے قبول واقع ہو تو ہبہ کا انعقاد ہوجائیگا۔ اس لئے کہ ہبہ کی حیثیت بھی ایک قسم کے عقد کی ہے۔ اور عقد کا انعقاد بذریعۂ ایجاب وقبول ہوجایا کرتا ہے اور جس وقت وہ شخص جس کے لئے ہبہ کیا گیا ہو مجلس کے اندر ہی اس پر قابض ہوجائے تو اس صورت میں ہبہ کی تکمیل ہوجائے گی۔ اسواسطے کہ ہبہ کے اندر اس کے لئے ملکیت کا ثبوت ہوتا ہے جس کے واسطے وہ چیز ہبہ کی گئی ہو اور ملکیت ثابت ہونیکا انحصار قابض ہونے پر ہے۔

حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ملکیت کا ثبوت قابض ہونے سے قبل بھی ہوجاتا ہے۔ حضرت امام مالکؒ نے ہبہ کو بیع پر قیاس کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ جس طریقہ سے خریدار کو خرید کردہ شے پر قابض ہونے سے قبل ملکیت حاصل ہوجاتی ہے ٹھیک اسی طرح ہبہ میں بھی قابض ہونے سے قبل ملکیت ثابت ہوگی۔

احنافؒ اس اثر سے استدلال فرماتے ہیں کہ ہبہ قابض ہونے سے قبل درست نہ ہوگا۔ مصنف عبدالرزاق میں حضرت ابراہیمؒ کے نقل کردہ اقوال میں ایک قول "لاتجوز الھبۃ حتی تقبض" بھی نقل کیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ ہبہ اسی صورت میں مکمل ہوگا جبکہ موھوب یعنی ہبہ کردہ شے پر موہوب لہ یعنی جس کیواسطے وہ چیز ہبہ کی گئی قبضہ حاصل کرلے۔ اور اس سے قبل ہبہ مکمل نہیں ہوجائے گا۔

وَتنعقدُ الھبۃُ بقولہٖ وَھبتُ وَنحلتُ واَعطیتُ وَاطعمتُکَ ھٰذا الطعامَ وجعلتُ
اور ہبہ کا انعقاد اس قول سے ہوجاتا ہے کہ میں ہبہ کرچکا ہوں اور دے چکا ہوں اور عطا کرچکا ہوں اور تجھ کو یہ کھانا کھلاچکا اور اس

الثوبَ لکَ واعمرتُکَ ھٰذا الشئَ وَحملتُکَ علیٰ ھٰذہ الدابۃِ اذا نویٰ بالحُملانِ
کپڑے کو میں تیرے واسطے کرچکا اور ساری عمر کیواسطے یہ شئ تجھ کو عطا کردی اور اس سواری پر تجھ کو سوار کرچکا بشرطیکہ سوار کرنے کے ذریعہ نیت

الھبۃ ولا تجوز الھبۃ فیما یقسم الا محوزۃ مقسومۃ وھبۃ المشاع فیما لا یقسم
ہبہ کرے اور بانٹنے کے قابل اشیاء جبتک کہ تقسیم کی ہوئی اور حقوق سے فارغ نہ ہوں ان میں ہبہ درست نہ ہوگا اور ایسی شئی کا ہبہ جو

جائزۃ ومن وھب شقصا مشاعا فالھبۃ فاسدۃ فان قسمہ وسلمہ جاز و
ناقابل تقسیم ہو درست ہے اور جو شخص مشترک شئی کے بعض حصہ کو ہبہ کرے تو یہ ہبہ فاسد ہوگا اور اگر بانٹ کر حوالہ کردے تو درست ہے اور

لو وھب دقیقا فی حنطۃ او دھنا فی سمسم فالھبۃ فاسدۃ فان طحن وسلم لم یجز
اگر آٹا گندم میں یا تلوں میں موجود تیل ہبہ کرے تو یہ ہبہ فاسد شمار ہوگا۔ لہٰذا پیس کر سپرد کرنا بھی درست نہ ہوگا۔

واذا کانت العین فی ید الموھوب لہ ملکھا بالھبۃ وان لم یجدد فیھا قبضا
اور ہبہ کردہ چیز کے موہوب لہ کے قابض ہونے پر اس کے ہبہ کے ذریعہ مالک قرار دیا جائے گا اگرچہ اس پر قابض ہونے کی تجدید نہ کرے

واذا وھب الاب لابنہ الصغیر ھبۃ ملکھا الابن بالعقد وان وھب لہ اجنبی
اور والد اپنے نابالغ لڑکے کو کوئی شے ہبہ کرے تو لڑکا محض بذریعہ عقد ہی مالک شمار ہوگا اور اگر اسے کوئی اجنبی شخص کوئی

ھبۃ تمت بقبض الاب واذا وھب للیتیم ھبۃ فقبضھا لہ ولیہ جاز وان
شے ہبہ کرے تو والد کے قابض ہونے پر ہبہ مکمل ہو جائیگا اور اگر برائے یتیم کوئی شے ہبہ کرے اور اس کا ولی اس پر قابض ہو جائے

کان فی حجر امہ فقبضھا لہ جائز وکذلک ان کان فی حجر اجنبی یربیہ
تو درست ہے اور اگر بچہ ماں کے زیر پرورش ہو تو بچہ کیواسطے ماں کا قابض ہونا درست ہے۔ ایسے ہی اگر بچہ کسی غیر شخص کے زیر

فقبضہ لہ جائز وان قبض الصبی الھبۃ بنفسہ وھو یعقل جاز واذا وھب
پرورش ہو تو اس اجنبی شخص کا قابض ہونا درست ہے اور اگر بچہ بذات خود قابض ہو جائے درانحالیکہ بچہ سمجھ دار ہو تو درست ہے۔

اثنان من واحد دارا جاز وان وھب واحد من اثنین لم تصح عند ابی
اور اگر دو آدمیوں نے کسی شخص کو ایک گھر ہبہ کیا تو یہ درست ہے اور ایک شخص کا دو اشخاص کیلئے ہبہ کرنا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک

حنیفۃ رحمہ اللہ وقالا رحمھما اللہ تصح۔
درست نہیں اور امام ابویوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک درست ہے۔

لغات کی وضاحت: ۔ الثوب: کپڑا۔ الدابۃ: سواری۔ محوزۃ: حقوق اداشدہ۔ المشاع: مشترک۔ شقصا: بعض حصہ۔ تھوڑا حصہ۔ دقیق: آٹا۔ حنطۃ: گندم۔ سمسم: تل۔ الصغیر: نابالغ الحجر: گود۔ کہا جاتا ہے "نشأ فلان فی حجر فلان" (فلاں کی پرورش فلاں کی گود میں ہوئی۔

تشریح و توضیح: وتنعقد الھبۃ الخ۔ یہاں صاحب کتاب وہ متعدد الفاظ بیان فرما رہے ہیں جن میں کسی بھی ایک کے استعمال سے ہبہ کا انعقاد ہو جاتا ہے۔

اذا نوی بالحملان الھبۃ الخ۔ اس جگہ قید نیت لگانے کا سبب یہ ہے کہ حملان کے جہاں تک حقیقی

معنیٰ کا تعلق ہے اس کے معنیٰ سوار کرنے اور اٹھانیکے آتے ہیں مگر مجازی طور پر اسے برائے ہبہ بھی استعمال کرتے ہیں۔ الحملان ، باربرداری کا جانور جو کسی کو ہبہ کیا جائے۔

اِلّا محوزۃً مقسومۃً الخ۔ ایسی اشیاء جو اس لائق ہوں کہ انھیں تقسیم کیا جاسکے اور ان میں تقسیم کی اہلیت موجود ہو اور ہبہ کرنیوالا ایسی اشیاء میں سے کوئی شے ہبہ کرنی چاہتا ہو تو اس میں یہ دیکھا جائے گا کہ اگر وہ شے ہبہ کرنیوالے کی ملکیت نیز اور اس کے فارغ ہو اور تقسیم شدہ ہو تو اس صورت میں اس کے ہبہ کو درست قرار دیا جائے گا اور اگر اس میں یہ دونوں باتیں موجود نہ ہوں تو ہبہ درست نہ ہوگا۔ لہٰذا اگر مثال کے طور پر کوئی ایسے پھل ہبہ کرے جو ابھی درخت پر لگے ہوئے ہوں اور انھیں توڑا نہ گیا ہو تو ہبہ درست نہ ہوگا۔ اسی طریقہ سے اگر وہ اُون ہبہ کرے جو ابھی بکری وغیرہ کی پشت پر ہو اور الگ نہ ہو تو اس کا ہبہ صحیح نہ ہوگا۔ اسی طریقہ سے وہ کھیتی جو ابھی کاٹی نہ گئی ہو اور زمین پر کھڑی ہوئی ہو۔ اس کا بھی ہبہ درست قرار نہ دیں گے۔ البتہ وہ اشیاء جو تقسیم کے لائق نہ ہوں۔ یعنی اگر انھیں تقسیم کردیا جائے تو ان سے نفع نہ اٹھایا جاسکے اس سے قطع نظر کر ان سے نفع اٹھانا بالکل ہی ممکن نہ ہو مثلاً ایک چوپایہ کہ تقسیم سے پہلے اس سے فائدہ اٹھایا جاسکتا تھا یا مثلاً بہت چھوٹا گھر۔ تو اس طرح کی اشیاء میں حکم یہ ہے کہ انھیں تقسیم کئے بغیر مشترک طور پر ہبہ کرنا درست ہے۔ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ذکر کردہ دونوں شکلوں میں مشترک ہبہ اس کے عقدِ تملیک ہونے کی بناء پر جائز ہے۔

احنافؒ فرماتے ہیں کہ "لاتجوز الھبۃ حتیٰ تقبض" (ہبہ جائز نہ ہوگا تاوقتیکہ قبضہ نہ ہو) میں قابض مکمل طریقہ سے ہونے کی شرط ہے۔ اور مشترک ہبہ میں کامل قبضہ کا نہ ہونا بالکل عیاں ہے۔ لہٰذا ایسی چیزوں میں مشترک ہبہ درست نہ ہوگا جو تقسیم کے قابل ہوں۔

ولو وھب دقیقاً فی حنطۃٍ الخ۔ صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے گندم میں آٹا یا وہ تیل جو ابھی تلوں میں ہو ہبہ کیا تو اس ہبہ کو فاسد قرار دیا جائے گا۔ اس طرح ہبہ کرنے کے بعد اگر وہ ایسا کرے کہ گندم پیس کر آٹا سپرد کرے تب بھی یہ ہبہ درست نہ ہوگا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ جس وقت اس نے ہبہ کیا تو آٹا نہیں تھا بلکہ گندم تھا اور جو شے معدوم ہو اس میں اہلیتِ ملک نہیں ہوا کرتی لہٰذا یہ ہبہ جو کہ ایک طرح کا عقد ہے باطل و کالعدم شمار ہوگا۔ اور یہ ضروری ہوگا کہ آٹا پس جانیکے بعد اسے از سرِ نو ہبہ کیا جائے۔ رہ گئی یہ بات کہ اگرچہ اس وقت بالفعل آٹے کا وجود نہیں مگر بالقوہ تو اس کا وجود ہے۔ تو اس کا جواب یہ دیا جائے گا کہ صرف بالقوہ موجود ہونا معتبر نہیں۔

وَاِذا وھب اثنانِ مِن واحدٍ دارًا الخ۔ اگر ایسا ہو کہ دو آدمیوں نے ایک مکان ایک شخص کے لئے ہبہ کیا ہو تو یہ ہبہ صحیح ہوگا اس لئے کہ دونوں ہبہ کرنیوالوں نے سارا مکان موہوب لہٗ کے سپرد کیا اور موہوب لہٗ سارے مکان پر قابض ہوا۔ پس اس طرح ہبہ کرنا بلاشبہ درست ہوگیا۔ البتہ اگر صورت اس کے برعکس ہو کہ کوئی شخص اپنا مکان دو آدمیوں کو ہبہ کردے تو اب یہ درست ہے یا نہیں؟ اس میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام زفرؒ اسے درست قرار نہیں دیتے۔
حضرت امام ابویوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ اسے درست قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک کیونکہ اتحادِ تملیک بھی ہے اور عقد بھی ایک ہے تو یہ شیوع کے زمرے سے نکل گیا۔ جس طرح ایک شئ دو اشخاص کے پاس رہن رکھنے کو درست قرار دیا گیا اسی طرح اس کا حکم ہے۔
امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کیونکہ ہبہ کرنیوالے نے ان میں سے ہر ایک کو آدھا آدھا ہبہ کیا۔ اور اس آدھے کی نہ تقسیم ہے اور نہ تعیین اور یہ ہبہ کے درست ہونے میں رکاوٹ ہے۔ اس کے برعکس رہن میں پوری چیز ہر ایک کے قرض کے عوض محبوس شمار ہوگی۔ پس رہن درست ہوگا۔

وَاذا وَهبَ لاجنبي هبةً فلهُ الرجوعُ فيها الا أن يعوّضَ عنها أو يزيدَ زيادةً
اور اگر اجنبی شخص کوئی شے ہبہ کرے تو اسے لوٹالینا درست ہے الا یہ کہ جس کے لئے ہبہ کی ہو وہ اسکا بدل دیدے یا ایسا اضافہ کردے
متصلةً أو يموتَ احدُ المتعاقدين أو يخرجَ الهبةُ من ملكِ الموهوبِ لهُ
جسمیں اتصال ہو یا عقدِ ہبہ کرنیوالوں میں سے کسی کا انتقال ہو جائے یا ہبہ کردہ شے موہوب لہ کی ملکیت سے نکل گئی ہو۔ اور اگر
وَانْ وَهبَ هبةً لذي رَحِمٍ محرمٍ منهُ فلا رجوعَ فيها وَكذٰلكَ ما وهبهُ احدُ
کوئی شے ذی رحم محرم کے واسطے ہبہ کرے تو اسے لوٹانیکا حق نہیں۔ اور ایسے ہی وہ شے جو میاں بیوی میں سے کسی
الزّوجينِ للآخرِ وَاذا قالَ الموهوبُ لهُ للواهبِ خُذْ هٰذا عِوَضًا عن هبتكَ أوْ
نے دوسرے کو ہبہ کی ہو۔ اور اگر موہوب لہٗ ہبہ کرنیوالے سے کہے کہ یہ بدلِ ہبہ کا لے یا اس کے عوض لیلے یا اس کے بالمقابل
بَدلًا عنها أوْ فِي مقابلتِها فقبضهُ الواهبُ سَقطَ الرجوعُ وَإنْ عوّضهُ اجنبيٌّ
عوض لے اور ہبہ کرنے والا اس بدل پر قابض ہو جائے تو لوٹانیکا حق ساقط ہو جائیگا اور اگر اس کا بدل کوئی اجنبی
عَنِ الموهوبِ لهُ متبرّعًا فقبضَ الواهبُ العوضَ سَقطَ الرجوعُ وَاذا استُحِقّ
شخص بطور تبرع موہوب لہ کیجانب سے دیدے اور ہبہ کرنیوالا یہ عوض لیلے تو رجوع کا حق باقی نہ رہیگا اور اگر آدھے ہبہ
نصفُ الهبةِ رَجعَ بنصفِ العوضِ وَان استُحِقّ نصفُ العوضِ لم يرجعْ في الهبةِ
کا کوئی مستحق نکل آیا تو آدھا عوض لوٹالئے اور اگر آدھے عوض کا مستحق نکل آیا تو ہبہ میں سے کچھ بھی نہ لوٹائے۔
بشيءٍ إلا أن يردّ ما بقيَ مِن العوضِ ثم يرجعُ فِي كلِ الهبةِ ولا يصحُّ الرجوعُ
الا یہ کہ وہ باقیماندہ بدل بھی لوٹادے۔ پھر سارے ہبہ میں رجوع کرے۔ اور اندرونِ ہبہ رجوع طرفین کی رضا
فِي الهبةِ إلا بتراضيهما أوْ بحكمِ الحاكمِ وَاذا تلفتِ العينُ الموهوبةُ ثم استحقّها
یا حکمِ حاکم کے بغیر درست نہ ہوگا۔ اور اگر ہبہ کردہ شے ضائع ہوگئی اس کے بعد اس کا کوئی مستحق نکل آیا اور
مُستحقٌ فضمّنَ الموهوبَ لهُ لم يرجعْ على الواهبِ بشيءٍ۔
اس نے موہوب لہٗ سے ضمان وصول کرلیا تو موہوب لہٗ کو ہبہ کرنیوالے سے کچھ وصول کرنیکا حق نہ ہوگا۔

لغات کی وضاحت: الرجوع: واپس لینا، لوٹانا۔ زیادۃ: اضافہ۔ المتعاقدین: عقدِ ہبہ کرنیوالے عوض: بدل۔

ہبہ کے لوٹانے کا ذکر

تشریح و توضیح

فلہ الرجوع فیہا الا ان یعوّضہ الخ۔ فرماتے ہیں کہ ہبہ کرنیوالے کو یہ حق حاصل ہے کہ بعد ہبہ اگر موہوب لہٗ اجنبی یعنی غیر ذی رحم محرم ہو تو اس سے ہبہ کردہ چیز واپس لیلے۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک اسے لوٹانیکا حق نہ ہوگا بجز والد کے کہ اگر اس نے کوئی شے اپنی اولاد کو ہبہ کی ہو تو اسے لوٹانیکا حق حاصل ہوگا اس لئے کہ ابن ماجہ وغیرہ میں روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہبہ کرنیوالا ہبہ کرنے کے بعد اسے نہ لوٹائے البتہ والد اپنی اولاد کو کچھ ہبہ کرنے کے بعد اگر لوٹائے تو درست ہے۔

احناف کا مستدل دارقطنی وغیرہ میں مروی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشادِ گرامی ہے کہ ہبہ کرنیوالا تا وقتیکہ اس کا عوض نہ لے لے وہ ہبہ کردہ شے کا زیادہ مستحق ہے۔ رہ گیا حضرت امام شافعیؒ کا مذکورہ بالا روایت سے استدلال تو اس کے معنے یہ ہیں کہ بجز والد کے کسی دوسرے کے واسطے یہ موزوں نہیں کہ وہ حکمِ حاکم یا تراضیِ طرفین کے بغیر ہبہ کردہ کو لوٹائے۔ البتہ والد کو اگر ضرورت ہو تو اسے ذاتی طور پر بھی ہبہ سے رجوع درست ہے۔ یعنی رجوع سے مقصود کراہتِ رجوع ہے اور جہاں تک کراہت کا سوال ہے احناف بھی ہبہ کے بعد اس سے رجوع کو مکروہ قرار دیتے ہیں۔ اس لئے کہ بیہقی وغیرہ میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہبہ کرنے کے بعد اسے لوٹانیوالا کتے کیطرح ہے کہ کتا قے کرکے پھر اسے کھالیتا ہے۔

الا ان یعوضہ او یزید الخ۔ اس جگہ صاحبِ کتاب ان رکاوٹوں کو بیان فرمارہے ہیں کہ جن کے باعث رجوع کرنا درست نہیں۔ وہ رکاوٹیں حسبِ ذیل ہیں۔

(۱) جس شخص کو کوئی چیز ہبہ کی گئی اگر وہ بعوضِ ہبہ ہبہ کرنیوالے کو کوئی شے دے تو اس کی وجہ سے واہب کا حقِ رجوع باقی نہ رہے گا۔ مگر شرط یہ ہے کہ موہوب لہٗ نے اس کی نسبت ہبہ کی جانب کی ہو۔ مثال کے طور پر کہے کہ اسے اپنے ہبہ کے عوض یا اس چیز کے مقابل یا اس کے بدلہ کے طور پر لے لے اور پھر اس چیز پر قابض بھی ہو جائے تو اس صورت میں واہب کو رجوع کا حق نہ رہے گا۔ (۲) اگر ہبہ کردہ شے میں کسی ایسے اضافہ کا اتصال ہو گیا جس کے باعث اس کی قیمت میں بھی اضافہ ہو گیا ہو۔ مثال کے طور پر ہبہ کردہ خالی زمین ہو اور جسے ہبہ کی گئی وہ اس پر تعمیر کرلے تو ایسی شکل میں ہبہ کرنیوالے کو رجوع کا حق باقی نہ رہے گا۔ اس واسطے کہ رجوع بغیر اضافہ کے یہاں ممکن نہیں۔ (۳) اگر دونوں عقد کرنیوالوں میں سے کوئی ایک موت کی آغوش میں سو جائے تو رجوع کا حق باقی نہ رہے گا۔ کیونکہ اگر بالفرض موہوب لہٗ موت سے ہمکنار ہو تو ملکیت موہوب لہٗ کے ورثاء کی جانب منتقل ہو جائے گی۔ تو جس طریقہ سے اس کی حیات میں ملک

منتقل ہونیکے بعد رجوع کو درست قرار نہیں دیا جاتا ٹھیک اسی طرح مرنے کے باعث ملکیت منتقل ہوجانے پر بھی رجوع درست نہ ہوگا۔ اور واہب کے انتقال کی صورت میں ورثاء کی حیثیت عقدہبہ کے اعتبار سے اجنبی کی سی ہے۔ (۴) اگر ہبہ کردہ چیز موہوب لہٗ کی ملکیت سے نکل جائے مثال کے طور پر وہ اسے بیچدے یا کسی شخص کو بطور ہبہ دیدے تو اب واہب کو حق رجوع نہ رہے گا۔ البتہ اگر ہبہ کردہ میں سے آدھی چیز بیچے تو ہبہ کرنیوالے کو آدھی میں رجوع کا حق ہوگا۔

لذی رحم محرم منہ الخ۔ کوئی شخص بجائے اجنبی کے کوئی شے ذی رحم محرم کو ہبہ کرے تو اس کو اس کے رجوع کا حق نہ ہوگا۔ اس لئے کہ دار قطنی وغیرہ میں روایت ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہبہ ذی رحم محرم کو کرنے کے بعد اسے نہ لوٹائے۔

(۶) اگر شوہر و بیوی میں سے کوئی دوسرے کو کچھ ہبہ کرے تو لوٹانیکا حق نہ ہوگا اس لئے کہ یہ ہبہ صلۂ رحمی کے زمرے میں داخل ہے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ بوقت ہبہ دونوں میاں بیوی ہوں۔ پس اگر ایسا ہو کہ کوئی شخص کسی اجنبی عورت کو کچھ ہبہ کرے اس کے بعد اس کے ساتھ نکاح کرلے تو اسے لوٹانے کا حق ہوگا۔

واذا استحق نصف الھبۃ الخ۔ اگر عوض و بدل دیدینے کے بعد یہ بات ظاہر ہو کہ ہبہ کردہ میں آدھے کا مالک کوئی اور ہے تو اس صورت میں موہوب لہٗ کو یہ حق ہے کہ وہ آدھا عوض ہبہ کرنے والے سے وصول کرلے۔ اور اگر آدھا عوض کسی دوسرے کا ہونا ثابت ہو تو اس صورت میں ہبہ کرنے والے کو یہ حق نہیں کہ ہبہ کردہ میں سے آدھے کو لوٹالے۔ بلکہ اسے چاہئے کہ وہ باقیماندہ آدھا جو وہ اپنے پاس رکھتا ہے موہوب لہٗ کو لوٹا کر اپنے سارے ہبہ کردہ کو واپس لے لے اور اگر ایسا نہ کرسکے تو اسی آدھے عوض کے اوپر قناعت کرے۔

حضرت امام زفرؒ دیگر ائمۂ احناف سے الگ یہ بات فرماتے ہیں کہ ہبہ کرنیوالے کو بھی حق رجوع حاصل ہوگا۔

وَاِذَا وَهَبَ بِشَرْطِ الْعِوَضِ اُعْتُبِرَ التَّقَابُضُ فِي الْعِوَضَيْنِ جَمِيْعًا وَاِذَا تَقَابَضَا صَحَّ

اور اگر عوض کی شرط کے ساتھ کوئی شئ ہبہ کرے تو دونوں عوضوں پر قابض ہونا لازم ہوگا اور دونوں کے قابض ہونے پر عقدِ ہبہ

الْعَقْدُ وَكَانَ فِي حُكْمِ الْبَيْعِ يُرَدُّ بِالْعَيْبِ وَخِيَارِ الرُّؤْيَةِ وَيَجِبُ فِيْهَا الشُّفْعَةُ

درست ہوگا اور اسے بحکم بیع قرار دیں گے کہ عیب اور خیارِ رویت کے باعث لوٹانا درست ہوگا اور اسمیں شفعہ کا وجوب ہوگا۔

وَالْعُمْرٰى جَائِزَةٌ لِلْمُعْمَرِ لَهٗ فِي حَالِ حَيَاتِهٖ وَلِوَرَثَتِهٖ بَعْدَ مَوْتِهٖ وَالرُّقْبٰى بَاطِلَةٌ

اور معمر کے واسطے عمریٰ اس کی حیات تک اور اس کے ورثاء کے واسطے اسکے انتقال کے بعد درست ہے۔ اور رقبیٰ امام ابوحنیفہؒ

عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ جَائِزَةٌ وَمَنْ وَهَبَ

اور امام محمدؒ باطل قرار دیتے ہیں۔ اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک درست ہے۔ اور جو شخص باندی ہبہ

جَارِيَةً اِلَّا حَمْلَهَا صَحَّتِ الْهِبَةُ وَبَطَلَ الْاِسْتِثْنَاءُ وَالصَّدَقَةُ كَالْهِبَةِ لَا تَصِحُّ

کرتے ہوئے اس کے حمل کو مستثنیٰ کرے تو ہبہ درست ہے اور مستثنیٰ کرنا باطل ہوجائے گا اور صدقہ ہبہ کی طرح ہے کہ قابض ہوئے

اِلّا بالقبضِ وَلا تجوزُ فی مشاعٍ یحتملُ القسمۃَ وَاِذا تصدّقَ علیٰ فقیرَین بشیءٍ جازَ
بغیر درست نہ ہوگا اور ہبہ قابلِ تقسیم مشترک شے میں جائز نہ ہوگا اور اگر دو غریبوں پر کوئی شے صدقہ کرے تو درست ہے ۔

وَلا یصِحُّ الرّجوعُ فی الصّدقۃِ بعدَ القبضِ وَمَنْ نذرَ اَنْ یتصدّقَ بمالِہٖ لزمَہٗ
اور صدقہ میں قابض ہونیکے بعد رجوع درست نہ ہوگا ۔ اور جو شخص اپنے مال کے صدقہ کرنے کی نذر کرے تو اس پر اس

اَنْ یتصدّقَ بجنسِ مَا تجبُ فیہ الزکوٰۃُ وَمَنْ نذرَ اَنْ یتصدّقَ بملکِہٖ لزمَہٗ
طرح کے مال کے صدقہ کرنیکا وجوب ہوگا جس میں زکوٰۃ کا وجوب ہوتا ہو اور جو شخص یہ نذر کرے کہ اپنی ملک صدقہ کریگا تو اس پر سارے

اَنْ یتصدّقَ بالجمیعِ وَیقالُ لہٗ اَمسِکْ منہ مقدارَ مَا تُنفقہٗ علیٰ نفسِکَ وَعیالِکَ
مال کے صدقہ کا لزوم ہوگا اور اس میں سے اتنا روکنے کے لئے کہا جائیگا کہ دوسرا مال کمانے تک وہ خود پر اور اپنے عیال پر خرچ

اِلیٰ اَنْ تکتسبَ مَالاً فاذا اکتسبَ مَالاً قیلَ لہٗ تصدّقْ بمثلِ مَا اَمسکتَ لِنفسِکَ ۔
کرے پھر اس کے مال کما لینے پر اس سے اپنے واسطے روکے ہوئے مال کے بقدر صدقہ کرنے کے لئے کہیں گے ۔

لغت کی وضاحت

تقابضا : دونوں کا قابض ہو جانا ۔ مشاع : مشترک ۔ امسک : روک لے ۔

تشریح و توضیح

وَاِذا وَھَبَ بشرطِ العوضِ اعتبرَ التقابضَ الخ ۔ عوض و بدل کی شرط کے ساتھ ہبہ کا حکم حضرت امام ابوحنیفہؒ، حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک یہ ہے کہ عقد کے آغاز کے لحاظ سے یہ ہبہ، اور انتہاء کے لحاظ سے بیع شمار ہوتا ہے ۔ تو اس اعتبار سے کہ یہ ہبہ ہے دونوں عوض پر قابض ہونا شرط قرار دیا گیا ۔ اور ہبہ کی گئی چیز مشترک ہو اور ایسی ہو کہ اس کی تقسیم ہو سکے تو اس صورت میں عوض باطل قرار دیا جائے گا ۔ اور اس اعتبار سے کہ یہ بیع ہے خیارِ عیب اور خیارِ رویت کے اعتبار سے لوٹایا جائے گا ۔ نیز اس کے اندر شفیع کو بھی شفعہ کا حق حاصل ہوگا ۔

حضرت امام زفرؒ، حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اسے ابتداء کے لحاظ سے بھی بیع قرار دیا جائے گا اور انتہاء کے لحاظ سے بھی بیع شمار ہوگا ۔ اس لئے کہ اس ہبہ کے اندر بیع یعنی عوض کے ذریعہ مالک بنانے کے معنے ہوا کرتے ہیں اور جہانتک عقود کا تعلق ہے ان میں معانی ہی معتبر قرار دیئے جاتے ہیں ۔

احنافؒ فرماتے ہیں کہ اس کے اندر دونوں جہتیں پائی جاتی ہیں ۔ بلحاظ لفظ اسے ہبہ قرار دیا جاتا ہے ۔ اور بلحاظِ معنے بیع ۔ لہٰذا جہانتک ہو سکے گا دونوں پر عمل پیرا ہونیکا حکم کیا جائے گا ۔

وَالعمریٰ جائزۃٌ الخ ۔ اس کا مطلب ہے تاحیات اپنا مکان اس شرط کے ساتھ رہائش کیلئے دینا کہ اس کے انتقال پر واپس لے لے گا ۔ تو اس طریقہ سے ہبہ کرنے کو درست قرار دیا گیا اور یہ کہ لوٹانے کی شرط باطل قرار دی جائے گی ۔ اور موہوب لہٗ کے مرنے کے بعد وہ موہوب لہٗ کے ورثاء کے واسطے ہوگا ۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت امام احمدؒ یہی فرماتے ہیں اور حضرت امام شافعیؒ کا جدید قول اسی طرح کا ہے۔ نیز حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت طاؤس، حضرت مجاہد، حضرت سفیان ثوری اور حضرت شریح رحمہم اللہ سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ اور حضرت لیثؒ فرماتے ہیں کہ عمریٰ کے اندر تملیک منافع کا جہاں تک تعلق ہے وہ تو ضرور ہوتی ہے مگر تملیک عین نہیں ہوتی۔ لہٰذا تا زندگی یہ گھر موہوب لہٗ کیواسطے ہوگا۔ اور اس کے انتقال کے بعد اصل گھر کے مالک کو لوٹا دیا جائے گا۔

مسلم شریف میں حضرت جابر بن عبداللہؓ سے منقول ہے کہ وہ عمریٰ جسے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے درست فرمایا۔ اس میں ارشاد ہوا: "ہیَ لکَ وَلعَقبکَ" (وہ تیرے لئے اور تیرے بعد والوں کے لئے ہے) اگر محض "لکَ ماعشتَ" (تاحیات تیرے لئے) ارشاد ہوتا تو اصلی مالک کو لوٹایا جاتا۔

احناف کا مستدل نسائی اور ابو داؤد میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنے مال کو اپنے پاس رہنے دو تلف نہ کرو۔ جو شخص عمریٰ کرے تو تاحیات وہ دیئے گئے شخص کا اور اس کے انتقال کے بعد وہ اس کے ورثا کا ہے۔

وَالرقبیٰ بَاطلۃ عند ابی حنیفۃ الخ۔ رقبیٰ کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مالک نے اس طریقہ سے کہا ہو کہ اگر میرا تجھ سے قبل انتقال ہو جائے تو اس گھر کا مالک تو ہے اور اگر تیرا انتقال مجھ سے قبل ہو تو میں ہی اس کا مالک ہوں۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ، حضرت امام محمدؒ، حضرت امام مالکؒ ہبہ کی اس شکل کو درست قرار نہیں دیتے۔ اسلئے کہ اس صورت میں دونوں میں سے ہر ایک کو دوسرے کی موت سے ہمکنار ہونیکا انتظار رہتا ہے۔ صاحب ہدایہ تحریر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے عمریٰ کو درست قرار دیا ہے اور رقبیٰ کی تردید فرمائی ہے۔

حضرت امام ابو یوسفؒ، حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ رقبیٰ کو درست قرار دیتے ہیں۔ ان کا مستدل نسائی وغیرہ میں مروی حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی یہ روایت ہے کہ عمریٰ اس کے لئے درست ہے جس کے واسطے عمریٰ کیا، اور رقبیٰ درست ہے اس کے واسطے جس کے واسطے رقبیٰ کیا۔

وَبطل والاستثناء الخ۔ اگر کوئی شخص ایسا کرے کہ کسی کو باندی تو ہبہ کرے مگر اس کے حمل کو مستثنیٰ قرار دے تو اس صورت میں ہبہ باندی کے لئے بھی درست ہوگا اور اس کے حمل کے لئے بھی۔ اور اس کا حمل کو مستثنیٰ قرار دینا باطل و کالعدم ہوگا۔ اس لئے کہ استثناء کے عمل کا جہاں تک تعلق ہے وہ اسی جگہ ہوتا ہے جہاں کہ عملِ عقد ہوتا ہے۔ اور حمل کا معاملہ یہ ہے کہ اس میں عقدِ ہبہ کا کسی طرح کا عمل حمل کے وصف اور اس کے تابع ہونے کے باعث نہیں ہوتا۔

لہٰذا اس استثناء کو شرطِ فاسد کے زمرے میں رکھا جائے گا اور فاسد شرائط کی بنار پر ہبہ کے باطل ہونیکا حکم نہیں ہوا کرتا اور ہبہ بدستور صحیح ہوتا ہے اور شرطیں کالعدم شمار ہوتی ہیں۔

کتاب الوقف

وقف کا ذکر

لَا یَزُوْلُ مِلْکُ الوَاقِفِ عَنِ الوَقْفِ عِنْدَ اَبِی حَنِیْفَۃَ رَحِمَہُ اللہُ اِلَّا اَنْ یَحْکُمَ بِہٖ
حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وقف کرنیوالے کی ملکیت وقف سے ختم نہیں ہوتی۔ الّا یہ کہ حاکم نے اس کا حکم کیا
الحَاکِمُ اَوْ یُعَلِّقَہٗ بِمَوْتِہٖ فَیَقُوْلُ اِذَا مِتُّ فَقَدْ وَقَفْتُ دَارِیْ عَلٰی کَذَا وَقَالَ اَبُوْیُوْسُفَ رَحِمَہُ
ہو یا اس نے اپنے انتقال پر اسکی تعلیق کی ہو اور اس طرح کہدیا ہو کہ میں نے اپنے انتقال پر اپنا مکان وقف کیا اور امام ابویوسفؒ محض قول
اللہُ یَزُوْلُ المِلْکُ بِمُجَرَّدِ القَوْلِ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَہُ اللہُ لَا یَزُوْلُ المِلْکُ حَتّٰی
ہی سے ملک زائل ہونیکا حکم فرماتے ہیں اور امام محمدؒ کہتے ہیں کہ اس وقت تک ملک ختم نہ ہوگی جبتک کہ وہ متولی وقف بنا کر اس
یَجْعَلَ لِلْوَقْفِ وَلِیًّا وَیُسَلِّمَہٗ اِلَیْہِ وَاِذَا صَحَّ الوَقْفُ عَلَی اخْتِلَافِہِمْ خَرَجَ مِنْ مِلْکِ
کے حوالہ نہ کردے۔ اور ان کے اختلاف کے مطابق وقف صحیح ہونے پر وہ ملکیت واقف سے خارج ہو جائے گی۔
الوَاقِفِ وَلَمْ یَدْخُلْ فِیْ مِلْکِ المَوْقُوْفِ عَلَیْہِ وَوَقْفُ المُشَاعِ جَائِزٌ عِنْدَ اَبِی
اور موقوف علیہ کی ملکیت میں نہ آئے گا۔ اور امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ مشترک شے کے وقف کو درست قرار
یُوْسُفَ رَحِمَہُ اللہُ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَہُ اللہُ لَا یَجُوْزُ وَلَا یَتِمُّ الوَقْفُ عِنْدَ اَبِی حَنِیْفَۃَ
دیتے ہیں اور امام محمدؒ درست قرار نہیں دیتے۔ اور امام ابوحنیفہؒ و امام محمدؒ کے نزدیک وقف اسوقت تک
وَمُحَمَّدٍ رَحِمَہُمَا اللہُ حَتّٰی یَجْعَلَ اٰخِرَہٗ بِجِہَۃٍ لَا تَنْقَطِعُ اَبَدًا وَقَالَ اَبُوْیُوْسُفَ رَحِمَہُ
کامل نہ ہوگا جب تک کہ اس کا آخر ایسا نہ ہو کہ دائمی طور پر غیر منقطع ہو۔ اور امام ابویوسفؒ کہتے ہیں کہ اگر وہ منقطع ہونے
اللہُ اِذَا سَمّٰی فِیْہِ جِہَۃً تَنْقَطِعُ جَازَ وَصَارَ بَعْدَہَا لِلْفُقَرَاءِ وَاِنْ لَمْ یُسَمِّہِمْ وَیَصِحُّ
والی جہت کا نام لے تب بھی درست ہے اور وہ اس کے بعد برائے فقراء ہو جائے گا خواہ وہ فقراء کا نام نہ لے۔ اور زمین
وَقْفُ العَقَارِ وَلَا یَجُوْزُ وَقْفُ مَا یُنْقَلُ وَیُحَوَّلُ وَقَالَ اَبُوْیُوْسُفَ رَحِمَہُ اللہُ اِذَا وَقَفَ
کا وقف کرنا درست ہوگا اور ایسی اشیاء کا وقف درست نہ ہوگا جو منتقل ہو سکتی اور بدلتی رہتی ہوں اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک
ضَیْعَۃً بِبَقَرِہَا وَاَکَرَتِہَا وَہُمْ عَبِیْدُہٗ جَازَ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَہُ اللہُ یَجُوْزُ حَبْسُ
اگر زمین کو کارندوں اور بیلوں کے ساتھ وقف کیا درانحالیکہ کارندے اس کے غلام ہوں تو وقف درست ہوگا اور امام محمدؒ کے نزدیک
الکُرَاعِ وَالسِّلَاحِ
گھوڑے اور ہتھیاروں کو فی سبیل اللہ وقف کرنا درست ہے۔

لغت کی وضاحت: بمجرد: محض۔ فقط۔ فقراء۔ فقیر کی جمع: مفلس۔ محتاج۔ یحول: پھر جانا۔

ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا۔ بقر؛ گائے۔ بیل (اسم جنس) جمع بقرات۔ اکر۔ اکرۃ الارض: جوتنا۔ اور کاشت کرنا۔ اکراع: گھوڑے۔ خچر۔ گدھے۔ کراع الارض: زمین کے گوشے۔ کہا جاتا ہے "امشی فی کراع الطریق" (یعنی راستہ کے کنارے میں چلو) اکارع الارض: زمین کی آخری حدیں۔

تشریح و توضیح

کتاب الوقف۔ لغت کے اعتبار سے وقف کے معنے ٹھیرانا، کھڑا کرنا، منع کرنا کے آتے ہیں۔ اور شرعی اصطلاح میں: وقف کسی شئے کو اپنی ملکیت میں روک کر اس کے منافع کو وقف وخیرات کرنیکا نام ہے۔ وقف کی یہ تعریف حضرت امام ابوحنیفہؒ کے قول کی رو سے ہے۔ حضرت امام ابویوسف رحمہ اللہ اور حضرت امام محمد رحمہ اللہ کے قول کے مطابق کسی شئے کو اللہ کی ملک پر روکتے ہوئے اس کے منافع کسی پر بھی وقف کرنے کا نام ہے۔

لا یزول ملک الواقف الخ۔ وقف کا جہاں تک تعلق ہے وہ حضرت امام ابوحنیفہؒ، حضرت امام ابویوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ و دیگر ائمہ کے نزدیک درست ہے مگر حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس کا لزوم نہیں ہوتا یعنی وقف کرنیوالے کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ وقف کو باطل و کالعدم کردے پس حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک واقف کی ملکیت دو ہی صورتوں میں زائل وختم ہوگی (۱) یا تو ایسا ہو کہ حاکم اس کا حکم دے (۲) یا وقف کرنیوالے نے اسے اپنے انتقال پر معلق کردیا ہو یعنی واقف نے یہ کہدیا ہو کہ میرا انتقال ہوجائے تو میرا مکان فلاں شخص کیلئے وقف ہے۔

حضرت امام ابویوسفؒ اور حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اس طرح کہنے کی احتیاج نہیں بلکہ صرف واقف کے وقف کردینے سے ملکیتِ واقف ختم ہوجائے گی۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ متولیٔ وقف مقرر ہونے کی صورت میں اور وقف کردہ شئے پر متولی کے قابض ہوجانے پر ملکیتِ واقف ختم ہوگی۔

فقہاء نے امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کے قول کو راجح قرار دیتے ہوئے اسی پر فتویٰ دیا ہے۔

ووقف المشاع جائز الخ۔ ایسی چیز جو مشترک طور پر وقف ہو اس کی دو قسمیں ہیں (۱) ایسی چیز ہو جس کی تقسیم ممکن نہ ہو (۲) ایسی چیز ہو جو تقسیم کی جاسکتی ہو۔ مثلاً گھر وغیرہ۔ تو ایسی چیز کا مشترک وقف کرنا جس کی تقسیم ممکن نہ ہو یہ متفقہ طور پر سب کے نزدیک درست ہے۔ اور رہی ایسی چیز جس کی تقسیم ہوسکتی ہو اس کے وقف کو امام ابویوسفؒ درست فرماتے ہیں۔ اس لئے کہ تقسیم قبضہ کے اتمام سے قبل ہے اور امام ابویوسفؒ کیونکہ اس میں قابض ہونے کو شرط قرار نہیں دیتے تو اس کا اتمام بھی شرط نہ ہوگا۔ اس کے برعکس امام محمدؒ قابض ہونے کو شرط قرار دیتے ہیں لہٰذا ان کے نزدیک مشترک وقف درست نہ ہوگا۔

فقہائے بخارا امام محمدؒ ہی کے قول کو اختیار فرماتے ہیں۔ اور فقہائے بلخ کا اختیار کردہ قول امام ابویوسفؒ ہے۔ بزازیہ وغیرہ معتبر کتب فقہ میں لکھا ہے کہ مشترک وقف کا جہاں تک تعلق ہے اس میں مفتیٰ بہ امام محمدؒ کا قول ہے۔ اور صاحب شرح وقایہ قولِ امام ابویوسفؒ کو مفتیٰ بہ قرار دیتے ہیں۔

ولایتم الوقف عند ابی حنیفۃ الخ۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک اتمام وقف کے واسطے یہ ناگزیر ہے کہ وقف کی ایسی شکل اختیار کی جائے کہ وہ غیر منقطع و دائمی ہو۔ مثال کے طور پر اگر وقف چند مخصوص لوگوں پر کردیا کہ ایک وقت ان سب کے نہ ہونیکا امکان ہے تو اس میں یہ قید لگادے کہ ان لوگوں کے موجود نہ رہنے کی صورت میں اس کا نفع علماء یا فقراء کیلئے ہوگا۔ امام ابویوسفؒ سے اس سلسلہ میں دو قسم کی روایتیں منقول ہیں۔ ایک کی رُو سے یہ ناگزیر ہے کہ وقف ابدی و دائمی ہو مگر اس میں دائمی کے ذکر کو شرط قرار نہیں دیا جائیگا۔ اسی روایت کو درست قرار دیا گیا، دوسری روایت کی رو سے صحت وقف کیلئے ابدی اور دائمی کی سرے سے شرط نہیں۔

ویصح وقف العقار الخ۔ متفقہ طور پر سب کے نزدیک یہ درست ہے کہ تنہا زمین وقف کی جائے۔ اسواسطے کہ اس کا ثبوت خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین اور دوسرے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے ہوتاہے مگر حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ منتقل ہونے کے قابل چیزوں کا وقف درست نہ ہوگا اور حضرت امام ابویوسف رحمہ اللہ کے نزدیک اگر زمین اس طریقہ سے وقف کی جائے کہ اس کے ساتھ ساتھ اس کے بیل اور کارندے بھی وقف ہوں تو یہ وقف درست ہوگا۔ اس لئے کہ ان چیزوں کا جہاں تک تعلق ہے وہ دراصل اس زمین ہی کے تابع ہیں اور زمین کا وقف بالاتفاق صحیح ہے تو تابع کو متبوع یعنی زمین سے الگ شمار کرتے ہوئے ان چیزوں کے وقف کے صحیح نہ ہونیکا حکم نہ ہوگا بلکہ صحتِ وقف میں بھی یہ زمین کے تابع قرار دی جائیں گی۔
حضرت امام محمدؒ بھی وقفِ تابع کے درست ہونے کے سلسلہ میں حضرت امام ابویوسفؒ کے ہمنوا ہیں اور جواز کے قائل ہیں۔

وَاِذَا صَحَّ الْوَقْفُ لَمْ یَجُزْ بَیْعُہٗ وَلَا تَمْلِیْکُہٗ اِلَّا اَنْ یَکُوْنَ مُشَاعًا عِنْدَ اَبِیْ یُوْسُفَ رَحِمَہُ اللّٰہُ
اور وقف درست ہونے پر نہ اسکی بیع درست ہوگی اور نہ ہی تملیک الا یہ کہ وقف مشترک کیا گیا ہو امام ابویوسفؒ یہی فرماتے ہیں۔
فَیَطْلُبُ الشَّرِیْكُ الْقِسْمَۃَ فَتَصِحُّ مُقَاسَمَتُہٗ وَالْوَاجِبُ اَنْ یَّبْتَدِئَ مِنْ اِرْتِفَاعِ الْوَقْفِ
پس اگر شریک تقسیم کا طالب ہو تو تقسیم کرنا صحیح ہوگا اور اول منافعِ وقف سے اس کی مرمت ناگزیر ہے خواہ وقف کرنے والا اس
بِعِمَارَتِہٖ شَرَطَ ذٰلِكَ الْوَاقِفُ اَوْ لَمْ یَشْتَرِطْ وَاِذَا وَقَفَ دَارًا عَلٰی سُکْنٰی وَلَدِہٖ فَالْعِمَارَۃُ
کی شرط لگائے یا نہ لگائے اور اگر کسی مکان کو اپنی اولاد کے رہنے کی خاطر وقف کرے تو اس کی مرمت کا ذمہ دار
عَلٰی مَنْ لَہُ السُّکْنٰی فَاِنِ امْتَنَعَ مِنْ ذٰلِكَ اَوْ کَانَ فَقِیْرًا اٰجَرَھَا الْحَاکِمُ وَعَمَّرَھَا بِاُجْرَتِھَا
رہنے والا ہوگا۔ پس اگر وہ مرمت نہ کرائے یا وہ مفلس ہو تو حاکم اس کو کرایہ پر چڑھادے اور کرایہ کے ذریعہ اس مکان
فَاِذَا عَمَّرَتْ رَدَّھَا اِلٰی مَنْ لَّہُ السُّکْنٰی وَمَا انْھَدَمَ مِنْ بِنَاءِ الْوَقْفِ وَاٰلَتِہٖ صَرَفَہُ
کی مرمت کرائے اور مرمت کے بعد وہ جسے اس میں رہنا تھا رہنے کیلئے دیدے اور عمارت وقف و سامان سے جو منہدم ہوجائے تو حاکم اسے
الْحَاکِمُ فِیْ عِمَارَۃِ الْوَقْفِ اِنِ احْتَاجَ اِلَیْہِ وَاِنِ اسْتَغْنٰی عَنْہُ اَمْسَکَہٗ حَتّٰی یَحْتَاجَ اِلٰی
مرمتِ وقف میں خرچ کرے بشرطیکہ اس کی احتیاج ہو اور اس کی احتیاج نہ ہونے پر اسے روک لے حتیٰ کہ احتیاج مرمت ہو تو

عمارته فيصرفه فيها ولا يجوز أن يقسمه بين مستحقي الوقف وإذا جعل الواقف
اسے اس میں لگائے اور اسے وقف کے حقداروں میں تقسیم کرنا درست نہ ہوگا اور وقف کرنیوالا آمدنیٔ وقف اپنے واسطے کرلے
غلة الوقف لنفسه أو جعل الولاية إليه جاز عند أبي يوسف رحمه الله وقال محمد
یا خود اس کا متولی بن جائے تو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اسے درست قرار دیتے ہیں اور امام محمدؒ کے نزدیک
لا يجوز وإذا بنى مسجدا لم يزل ملكه عنه حتى يفرزه عن ملكه بطريقه ويأذن
درست نہیں۔ اور جو شخص مسجد بنائے تو اس کی ملکیت اس وقت تک ختم نہ ہوگی جب تک کہ وہ اس کو اپنی ملکیت سے مع اسکے راستہ کے
للناس بالصلوة فيه فإذا صلى فيه واحد زال ملكه عند أبي حنيفة رحمه الله وقال
الگ کر دے اور لوگوں کو اس کے اندر نماز ادا کرنیکی اجازت نہ دیدے پھر جب اس میں ایک شخص نماز پڑھ لے تو امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اسکی
أبو يوسف رحمه الله يزول ملكه عنه بقوله جعلته مسجدا ومن بنى سقاية للمسلمين
ملکیت ختم ہوجائیگی اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس کی ملکیت اس قول کے ساتھ ہی ختم ہوجائیگی کہ میں نے اسے مسجد قرار دیدیا۔ اور جو شخص
أو خانا يسكنه بنو السبيل أو رباطا أو جعل أرضه مقبرة لم يزل ملكه عن ذلك
مسلمانوں کیواسطے حوض بنائے یا مسافروں کے ٹھہرنے کی خاطر سرائے بنائے یا مسافر خانہ تعمیر کرے یا اپنی زمین قبرستان بنا دے تو
عند أبي حنيفة رحمه الله حتى يحكم به حاكم وقال أبو يوسف رحمه الله يزول ملكه
امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں تاوقتیکہ حاکم حکم نہ کردے اس کی ملکیت ختم نہ ہوگی اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک محض قول سے ہی اسکی
بالقول وقال محمد إذا استقى الناس من السقاية وسكنوا الخان والرباط ودفنوا
ملکیت ختم ہوجائے گی اور امام محمدؒ کے نزدیک لوگوں کے حوض سے پانی پینے لگنے اور سرائے و مسافر خانہ میں ٹھہرنے لگنے اور
في المقبرة زال الملك.
قبرستان میں دفن کرنے لگنے پر ملکیت ختم ہوجائیگی۔

لغات کی وضاحت:۔ مشاعا: مشترک۔ القسمة: تقسیم۔ مقاسمة: تقسیم کرنا۔ بانٹ دینا۔ دارا: مکان سکنی: قیام۔ رہنا۔ فقیر: محتاج۔ مفلس۔ غلة الوقف: وقف کی آمدنی۔ الولاية: تولیت، متولی ہونا۔ یفرز: الگ کرنا۔ جدا کرنا۔ رباط: قلعہ۔ وہ مقام کہ جہاں لشکر سرحد کی حفاظت کی خاطر ٹھہرے۔ جمع رُبُط۔ السقاية: حوض۔

تشریح و توضیح وإذا صح الوقف لم يجز بيعه الخ۔ فرماتے ہیں کہ جب شرائطِ وقف پوری ہونے اور مانع عن الوقف ساری رکاوٹیں دور ہونے پر وقف پایۂ تکمیل کو پہونچ جائے اور یہ کہا جائے کہ وقف مکمل ہوگیا تو اب تکمیل وقف کے بعد اس کا حکم یہ ہے کہ نہ تو اس وقف کی بیع درست ہوگی اور نہ اس کی تملیک۔ یعنی کسی کو اس کا مالک بنا دینا اور نہ یہ درست ہوگا کہ اسے بطور عاریت کسی کو دیا جائے

اور نہ یہ جائز ہوگا کہ اسے رہن رکھا جائے اور نہ ہی یہ جائز ہوگا کہ اسے مستحقین وقف میں بانٹ دیا جائے۔
وجہ یہ ہے کہ وقف کے مستحقین کے حق کا جہاں تک تعلق ہے وہ عین وقف میں قطعاً نہیں بلکہ منافع وقف میں ہے اور مالک بنادینے اور بانٹ دینے میں اس کی نفی ہوتی ہے۔ حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں اگر موقوفہ چیز مشترک ہو اور پھر شریک یہ چاہے کہ اس کی تقسیم ہو جائے تو اس صورت میں تقسیم کرنا صحیح ہوگا۔ علامہ قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے خصوصیت سے امام ابو یوسفؒ کیطرف نسبت اس لئے کی کہ وہ مشترک شے کے وقف کو درست قرار دیتے ہیں اور امام ابو حنیفہؒ و امام محمدؒ اسے درست قرار نہیں دیتے۔
واذا جعل الواقف غلة الوقف الخ۔ اگر کسی وقف کرنیوالے نے اس وقف سے ہونیوالی آمدنی سے کچھ حصہ کی اپنے لئے ہونیکی شرط ٹھہرائی یا ساری آمدنی اس کی ہونیکی شرط ٹھہرائی تو حضرت امام ابو حنیفہؒ اور حضرت امام ابو یوسفؒ اسے درست قرار دیتے ہیں اور حضرت امام محمدؒ دونوں صورتوں کو درست قرار نہیں دیتے۔ حضرت امام شافعیؒ پہلی صورت کو درست قرار نہیں دیتے۔
واذا بنی مسجداً لم یزل ملکہ عنہ الخ۔ اگر کسی شخص نے مسجد بنوائی تو وہ اس وقت تک اس کی ملکیت سے نہ نکلے گی جب تک کہ اس نے اسے اپنی ملکیت سے اس کے راستہ سمیت الگ نہ کر دیا ہو اور اس کی اجازت نہ دیدی ہو کہ لوگ اس میں نماز پڑھا کریں۔ ملکیت سے الگ کرنے کی احتیاج تو اس بنیاد پر ہے کہ جب تک وہ ایسا نہ کرے گا مسجد اللہ کے لئے نہ ہوگی۔ اور رہی اجازتِ نماز تو وہ اس لئے ناگزیر ہے کہ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ اندرون وقف قبضہ کرانے کو ناگزیر قرار دیتے ہیں اور اس جگہ حقیقی طور پر قابض ہونا دشوار ہے۔ پس مقصود و منشاء وقف کو حقیقی قبضہ کی جگہ قرار دیا جائے گا اور ظاہر ہے اس وقت کا منشاء وہاں نماز پڑھنا ہے پھر بعد اجازت ایک شخص کے وہاں نماز پڑھ لینے پر مالک کی ملکیت اس میں باقی نہ رہے گی۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مالک کے "میں نے اسے مسجد بنادیا" کہنے پر ہی ملکیت باقی نہ رہے گی اس لئے کہ وہ سپرد کرنے اور قبضہ کو شرط قرار نہیں دیتے۔
ومن بنی سقایۃ للمسلمین الخ۔ اگر کوئی شخص حوض بنوا کر یا مسافر خانہ و سرائے بنوا کر وقف کرے یا اپنی زمین برائے قبرستان وقف کرے تو امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں تاوقتیکہ حاکم اس کے موقوفہ ہونیکا حکم نہ کرے وہ مالک کی ملکیت برقرار رہے گی اور اس کی ملکیت سے خارج نہ ہوگی۔ اس لئے کہ اس صورت میں حقِ مالک ختم نہیں ہوا۔ لہٰذا اس کا حوض وغیرہ سے انتفاع درست ہوگا۔ پس مابعد الموت یا حکمِ حاکم کیطرف اس کی اضافت شرط قرار دی جائے گی۔

حضرت امام ابو یوسفؒ طرفین سے الگ یہ بات فرماتے ہیں کہ اس کا موقوف ہونا اس پر ہرگز منحصر نہیں بلکہ صرف زبان سے کہنا کافی ہوگا اور اس کے قول کے ساتھ ہی اس کی ملکیت اس پر سے ختم ہو جائے گی اس لئے کہ وہ قبضہ اور سپرد کرنے کو شرطِ وقف قرار نہیں دیتے۔
حضرت امام محمدؒ کے نزدیک اگر کسی شخص نے اس سے نفع اٹھا لیا مثلاً حوض سے پانی پی لیا تو مالک کی ملکیت

اس میں باقی نہ رہے گی اور شرعاً اسے موقوف شمار کیا جائیگا۔ اس لئے کہ امام محمدؒ کے نزدیک اگرچہ قبضہ و سپرد کرنا شرط ہے مگر ایک کا انتفاع اور قبضہ سب کے انتفاع اور قبضہ کے قائم مقام ہوگا کیونکہ جنس کے ہر ہر فرد کا انتفاع اور اس پر وقف کا انحصار متعذر ہے۔

کتاب الغصب

غصب کا ذکر

وَمَنْ غَصَبَ شَيْئًا مِمَّا لَهُ مِثْلٌ فَهَلَكَ فِي يَدِهٖ فَعَلَيْهِ ضَمَانُ مِثْلِهٖ وَاِذَا كَانَ مِمَّا
اور جو شخص کوئی مثلی شے غصب کرے اور وہ اسی کے پاس تلف ہو جائے تو اس کے مانند کا تاوان لازم ہوگا اور وہ شے مثل نہ ہونے
لَامِثْلَ لَهُ فَعَلَيْهِ قِيمَتُهُ وَعَلَى الْغَاصِبِ رَدُّ الْعَيْنِ الْمَغْصُوْبَةِ فَاِنِ ادَّعٰى هَلَاكَهَا
پر اس کی قیمت کا وجوب ہوگا۔ اور غصب کرنے والے پر لازم ہے کہ وہ عین مغصوب لوٹائے اگر وہ اس کے ضائع ہونیکا مدعی ہو
حَبَسَهُ الْحَاكِمُ حَتّٰى يَعْلَمَ اَنَّهَا لَوْ كَانَتْ بَاقِيَةً لَاَظْهَرَهَا ثُمَّ قَضٰى عَلَيْهِ بِبَدَلِهَا
تو اس وقت تک حاکم قید میں ڈال دے کہ حاکم اس کا یقین کرلے کہ اس کے باقی رہنے پر وہ یقیناً بتا دیتا اس کے بعد اسکے عوض کا فیصلہ
وَالْغَصْبُ فِيْمَا يُنْقَلُ وَيُحَوَّلُ وَاِذَا غَصَبَ عَقَارًا فَهَلَكَ فِي يَدِهٖ لَمْ يَضْمَنْهُ عِنْدَ
کرے اور غصب ان اشیاء میں ہوا کرتا ہے جو منتقل ہونے کے لائق ہوں اور زمین اگر غصب کرے پھر وہ اس کے پاس ضائع ہو جائے
اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَاَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ يَضْمَنُهُ وَمَا نَقَصَ مِنْهُ
تو امام ابوحنیفہؒ و امام ابویوسفؒ ضمان نہ لازم ہونیکا حکم فرماتے ہیں اور امام محمدؒ کے نزدیک اس کا ضمان لازم ہوگا اور اس کے فعل
بِفِعْلِهٖ وَسُكْنَاهُ ضَمِنَهُ فِي قَوْلِهِمْ جَمِيْعًا وَاِذَا هَلَكَ الْمَغْصُوْبُ فِي يَدِ الْغَاصِبِ
اور سکونت کے باعث زمین میں پیداشدہ نقص کا ضمان تمام کے قول کے مطابق لازم ہوگا اور اگر غصب کرنیوالے کے پاس غصب کردہ
بِفِعْلِهٖ اَوْ بِغَيْرِ فِعْلِهٖ فَعَلَيْهِ ضَمَانُهُ وَاِنْ نَقَصَ فِي يَدِهٖ فَعَلَيْهِ ضَمَانُ النُّقْصَانِ وَمَنْ
چیز ضائع ہوگئی خواہ خود اس کے فعل سے ہوئی ہو یا کسی اور کے تو اس پر اسکے ضمان کا لزوم ہوگا اور اس کے پاس ہوتے ہوئے نقص آئے تو
ذَبَحَ شَاةَ غَيْرِهٖ فَمَالِكُهَا بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ ضَمَّنَهُ قِيْمَتَهَا وَسَلَّمَهَا اِلَيْهِ وَاِنْ شَاءَ ضَمَّنَهُ
نقصان کا ضمان آئے گا اور جو شخص کسی کی بکری ذبح کر ڈالے تو بکری کے مالک کو یہ حق ہے کہ خواہ بکری کی قیمت وصول کر کے بکری اسکے حوالہ کردے اور خواہ
نُقْصَانَهَا وَمَنْ خَرَقَ ثَوْبَ غَيْرِهٖ خَرْقًا يَسِيْرًا ضَمِنَ نُقْصَانَهُ وَاِنْ خَرَقَ خَرْقًا كَثِيْرًا
تاوانِ نقصان وصول کرلے اور جو شخص دوسرے کے کپڑے کو ذرا سا پھاڑ دے تو ضمان لازم ہوگا اور اگر اس قدر زیادہ پھاڑے کہ اسکا عام نفع ہی
يُبْطِلُ عَامَّةَ مَنَافِعِهٖ فَلِمَالِكِهٖ اَنْ يُضَمِّنَهُ جَمِيْعَ قِيْمَتِهٖ۔
باقی نہ رہے تو مالک کو یہ حق ہے کہ کامل قیمت کا تاوان وصول کرلے۔

لغات کی وضاحت: غصب - غصبًا: چھین لینا - زبردستی لے لینا - الغصب: چھینی ہوئی چیز - المغصوب: غصب کردہ چیز - خرق - نصر اور ضرب سے: پھاڑنا - یسیرا: تھوڑا، معمولی۔

تشریح و توضیح: کتاب الغصب الخ - کتاب الوقف کے بعد کتاب الغصب تقابل کی مناسبت کے اعتبار سے لائے اس لئے کہ غاصب کی غصب کردہ چیز سے بحالت غصب فائدہ اٹھانا جائز نہیں اور اس کے مقابلہ میں موقوف علیہ کا وقف کردہ چیز سے فائدہ اٹھانا جائز ہے۔

باعتبارِ لغت غصب کسی کی چیز زبردستی لینے کا نام ہے۔ شرح کنز للعینی میں اسی طرح ہے۔ شرعی اصطلاح کے اعتبار سے غصب قیمت والی چیز مالک کی اجازت کے بغیر لینے کا نام ہے۔

ومن غصب شیئًا مما لہ مثل الخ - یہاں سے یہ فرما رہے ہیں کہ اگر غصب کردہ چیز جوں کی توں موجود ہو تو اس کی واپسی ناگزیر ہوگی۔ اور اگر غصب کردہ چیز بعینہٖ موجود نہ ہو بلکہ تلف ہوگئی ہو اور وہ تلف شدہ چیز ناپ کر دی جانیوالی یا تول کر دی جانیوالی ہو تو غصب کردہ چیز کی مانند اسکی واپسی ناگزیر ہوگی۔ اور اگر وہ ایسی ہو کہ مثل باقی نہ رہی ہو اور بازار میں اس کی مانند چیز دستیاب نہ ہوتی ہو تو ایسی مجبوری کی صورت میں اس کی قیمت لازم ہوگی۔ قیمت کے بارے میں تفصیل یہ ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ خصومت و نزاع کے دن جو اس کی قیمت رہی ہو اسے معتبر قرار دیتے ہیں۔ یعنی مطلب یہ ہے کہ حاکم نے جس روز اس کے بارے میں فیصلہ کیا ہو اس روز اس کی جو قیمت ہو وہ معتبر ہوگی اور اسی کا وجوب ہوگا۔ اور حضرت امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ اس کے غصب کے روز اس کی جو قیمت رہی ہو اسی کا اعتبار ہوگا اور وہی لازم ہوگی۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ جس روز اس کا مثل ختم ہوا اور ملنا ممکن نہ رہے، اس روز جو بھی اس کی قیمت ہو اسی کا وجوب ہوگا۔

امام ابویوسفؒ بطور دلیل یہ فرماتے ہیں کہ اس کا مثل ختم ہو جانے کے باعث اس چیز کا الحاق غیر مثلی چیزوں کے ساتھ ہو گیا لہٰذا وہ قیمت معتبر ہوگی جو غصب کے دن رہی ہو۔ امام محمدؒ یہ دلیل بیان فرماتے ہیں کہ غصب کرنے والے پر اس کے مثل کا وجوب ہوگا اور اس کا مثل باقی نہ رہنے اور نہ ملنے کی بنا پر مثل کا رخ قیمت کی جانب مڑ جائیگا اور انقطاع مثل کے دن جو قیمت اس چیز کی ہوگی اسی کا اعتبار کیا جائے گا۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مثل کے وجوب کا قیمت کی جانب منتقل ہو جانا اس کا سبب محض مثل کا منقطع ہونا اور باقی نہ رہنا نہیں بلکہ اس کا سبب قاضی کا فیصلہ ہے۔ لہٰذا فیصلہ کے روز جو قیمت ہوگی وہی معتبر قرار دی جائے گی۔ امام ابوحنیفہؒ کے قول کو خزانہ میں زیادہ صحیح قرار دیا گیا۔ اور صاحب شرح وقایہ قول امام ابویوسفؒ کو اعدل اور صاحب نہایہ مختار و راجح قرار دیتے ہیں اور صاحب ذخیرۃ الفتاویٰ فرماتے ہیں کہ فتویٰ امام محمدؒ کے قول پر ہے۔

والغصب فیما ینقل ویحول الخ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ غصب کے تحقق اور اس کے ثابت ہونیکا جہاں تک تعلق ہے وہ محض ایسی چیزوں میں ہوگا جو منتقل ہونیکے لائق ہوں۔ تو مثال

کے طور پر اگر خالد کسی شخص کی زمین پر قابض ہو جائے اور پھر وہ اسی کے پاس کسی سماوی آفت کے باعث ضائع ہو جائے تو خالد پر اس کا ضمان واجب نہ ہوگا۔ حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اس پر ضمان کا وجوب ہوگا اس واسطے کہ ان کے یہاں غصب ایسی چیزوں میں بھی ہوتا ہے جو منتقل ہونے کے لائق نہ ہوں۔

امام مالک، امام شافعی، امام احمد، امام ابو یوسف اور امام زفر رحمہم اللہ کا قول اول اسی طرح کا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ خالد کے زمین پر قابض ہونے کے باعث مالک کے قبضہ کا باقی نہ رہنا بالکل ظاہر ہے اسواسطے کہ ایک حالت میں محل واحد پر یہ ممکن نہیں کہ دو کا قبضہ اکٹھا ہو۔ پس اس صورت میں ضمان لازم ہوگا۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ غصب کیواسطے یہ بھی ناگزیر ہے کہ غصب کرنیوالے کا عین مغصوب کے اندر تصرف ہو اور زمین میں یہ نہیں ہو سکتا اس لئے کہ مالک کے قبضہ کے ختم کرنے کی شکل اسے زمین سے نکال دینا ہے اور ایسا کرنا مالک میں تصرف شمار ہوگا غصب کردہ شے میں نہیں۔

صاحب بزازیہ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے قول کو درست قرار دیتے ہیں مگر عینی وغیرہ میں اس کی صراحت ہے کہ وقف کے سلسلہ میں مفتی بہ امام محمدؒ کا قول ہے۔

وَمَن ذبح شاۃ غیرہٖ فمالکھا بالخیار الخ۔ اگر ایسا ہو کہ غصب کرنیوالا کسی کی بکری غصب کرلے اور پھر اسے ذبح کر ڈالے تو اس صورت میں مالک کو یہ حق حاصل ہوگا کہ خواہ بکری غصب کرنیوالے کے پاس ہی رہنے دے اور اس سے بکری کی قیمت وصول کرلے اور خواہ یہ بکری خود رکھ کر غصب کرنے والے سے نقصان کی مقدار تاوان وصول کرلے۔

ومن خرق ثوب غیرہٖ الخ۔ اگر کوئی شخص کسی کا کپڑا پھاڑ دے۔ پس اگر پھاڑنے کی مقدار تھوڑی ہو تو پھاڑنے والے پر نقصان کا ضمان لازم ہوگا اور اگر اتنی زیادہ مقدار پھاڑ دی ہو کہ اس کی وجہ سے کپڑے کے اکثر فوائد ختم ہو گئے ہوں تو پھاڑنیوالے سے مالک کو کپڑے کی پوری قیمت وصول کرنیکا حق ہوگا۔

وَ اِذا تغیّرت العینُ المغصوبۃُ بفعل الغاصب حتّٰی زالَ اسمُھا وَ اعظمُ منافعھا زالَ
اور اگر عین غصب کردہ چیز غصب کرنیوالے کے فعل کے باعث بدل جائے حتیٰ کہ اس کا نام اور عظیم نفع باقی نہ رہے تو جس

ملکُ المغصوب منہ عنھا وملکھا الغاصبُ وَضمنھا ولایحلّ لہٗ الانتفاعُ بھا حتّٰی
سے وہ غصب کی ہے اس کی ملکیت ختم ہو کر غصب کرنیوالے کی ملکیت میں آجائیگی اور غاصب اسکا تاوان اداکریگا اور اس سے اسوقت

یؤدّیَ بدلھا وَ ھٰذا کمَن غصبَ شاۃً فذبحَھا وشوَاھا اَو طبخَھا اَو غصبَ حنطۃً
تک انتفاع حلال نہ ہوگا جب تک کہ اس کا بدلہ نہ دیدے اور یہ مثلاً کوئی شخص بکری غصب کرکے ذبح کر ڈالے اور اسے بھون لے یا پکالے

فطحنَھا اَو حدیدًا فاتخذہٗ سیفًا او صفرًا فعملہٗ اٰنیۃً وَان غصبَ فضۃً اوذھبًا
یا گندم غصب کرے اور انہیں پیس ڈالے یا لوہا غصب کرے اور تلوار بنالے یا وہ پیتل غصب کرے اور برتن بنالے اور اگر غصب کردہ چیز چاندی

فضربها دراهم او دنانیر او آنیة لم یزل ملک مالکها عنها عند ابی حنیفة رحمہ
یا سونا ہو پھر انہیں ڈھال کر ان کے درہم یا دینار یا برتن بنالے تو امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مالک کی ملکیت ختم نہ ہوگی۔ اور
اللہ ومن غصب ساجة فبنی علیها زال ملک مالکها عنها ولزم الغاصب قیمتها
جو شخص شہتیر غصب کرے اور اس پر تعمیر کرلے تو اس پر مالک کی ملکیت باقی نہ رہے گی اور غصب کرنے والے پر اس کی قیمت کا
ومن غصب ارضا فغرس فیها او بنیٰ قیل له اقلع الغرس والبناء وردها الی
وجوب ہوگا اور جو شخص زمین غصب کرے اور پھر اس نے اس میں پودے لگادیئے یا وہ تعمیر کرلے تو اس سے کہیں گے کہ یہ پودے اور
مالکها فارغة فان کانت الارض تنتقص بقلع ذلک فللمالک ان یضمن له قیمة
تعمیر اکھاڑ لے اور زمین کے مالک کو خالی زمین لوٹادے پس اگر زمین میں اکھاڑنے کی وجہ سے نقص پیدا ہوتا ہو تو مالک کے لئے درست ہے کہ
البناء والغرس مقلوعا ومن غصب ثوبا فصبغه احمر او سویقا فلته بسمن
وہ اکھڑے ہوئے پودوں اور تعمیر کی قیمت غصب کرنیوالے کو دیدے۔ اور جو شخص کپڑا غصب کرے پھر اسے سرخ رنگ لے یا وہ ستو غصب کرے اور
فصاحبه بالخیار ان شاء ضمنه قیمة ثوب ابیض ومثل السویق وسلمه للغاصب
اس میں گھی شامل کردے تو مالک کو یہ حق ہے کہ خواہ غاصب سے سفید کپڑے کی قیمت وصول کرلے اور اسی کے مانند ستو لے کر رنگا ہوا کپڑا اور وہ ستو
وان شاء اخذهما وضمن ما زاد الصبغ والسمن فیهما۔
غصب کرنیوالے ہی کو دیدے اور خواہ وہی کپڑا اور ستو لے کر رنگ اور گھی کے معاوضہ کی ادائیگی کردے۔

لغات کی وضاحت :۔ زال: ختم ہونا۔ باقی نہ رہنا۔ اعظم: بڑا۔ بہت زیادہ۔ حنطة: گیہوں۔ حدید: لوہا۔ فضة: چاندی۔ ذهبا: سونا۔ اقلع: اکھاڑنا۔ ابیض: سفید۔

تشریح و توضیح

واذا تغیرت العین المغصوبة الخ۔ اگر ایسا ہو کہ غصب کرنیوالا کوئی شئے غصب کرکے اس میں زیادہ تصرف کرے مثلاً اسے اس طریقہ سے بدل دے کہ نہ تو اس کا سابق نام ہی باقی رہے اور نہ ہی اس کے وہ منافع باقی رہیں بلکہ تغیر کے بعد اکثر منافع ختم ہوجائیں مثال کے طور پر یہ غصب کردہ شئے بکری ہو اور وہ یہ بکری ذبح کرے اور پھر اسے بھون ڈالے یا اسے پکالے یا یہ کہ غصب کردہ چیز گندم ہو اور غصب کرنیوالا انہیں اسی ہیئت پر برقرار نہ رکھے بلکہ انہیں پیس دے۔ یا غصب کردہ شئے لوہا ہو اور وہ اس کو کام میں لاتے ہوئے اس کی تلوار بنالے یا وہ پیتل ہو اور وہ اسے اس کی اصل ہیئت پر قائم نہ رکھتے ہوئے اس کا کوئی برتن بنالے تو ان ذکر کردہ ساری شکلوں میں احنافؒ فرماتے ہیں کہ غصب کرنے والے کو ملکیت حاصل ہوجائے گی اور وہ غصب کردہ کا تاوان ادا کردے گا۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ذکر کردہ ان شکلوں میں جو اصل مالک ہے اس کا حق ختم نہ ہوگا۔ حضرت امام ابویوسفؒ سے بھی ایک اسی طرح کی روایت منقول ہے ان کا فرمانا ہے کہ غصب کردہ چیز جوں کی توں باقی ہو

پس وہ اصل مالک کی ملکیت میں برقرار رہے گی۔ رہ گیا اس میں صنعت کا ظہور مثلاً لوہے کا تلوار بن جانا، یا پیتل کا برتن بن جانا تو اسے اصل کے تابع قرار دیں گے۔ دیگر ائمہ احناف فرماتے ہیں کہ غصب کرنیوالے نے غصب کردہ میں ایک اس طرح کی بیش قیمت صنعت کا اضافہ کر دیا کہ اس کے باعث حق مالک ایک اعتبار سے باقی نہ رہا اور صنعت کے اندر غصب کرنیوالے کا حق ثابت ہو رہا ہے تو اس کا حق پوری طرح باقی رہنے کے باعث اسے اصل کے مقابلہ میں راجح قرار دیا جائے گا۔ البتہ تاوقتیکہ وہ تاوان ادا نہ کردے اس کے واسطے اس سے نفع اٹھانا حلال نہ ہوگا۔ حضرت حسن بن زیادؒ اور حضرت امام زفرؒ تاوان ادا کرنے سے پہلے بھی فائدہ اٹھانے کو حلال قرار دیتے ہیں اور قیاس بھی اسی کو چاہتا ہے۔ فقیہ ابواللیث نے حضرت امام ابوحنیفہؒ سے بھی اسی طرح کی روایت نقل کی ہے۔ سبب یہ بیان کرتے ہیں غصب کرنیوالے کا جہاں تک تعلق ہے اس کے واسطے مطلقاً ملکیت ثابت ہو چکنے کی بنا پر اسے اس سے نفع اٹھانا درست ہوگا۔

احناف دلیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ واقعہ پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک انصاری کے یہاں دعوت تھی۔ انصاریؓ بھنی ہوئی بکری خدمتِ اقدس میں لائے۔ آنحضورؐ نے لقمہ لیا تو وہ حلق سے نیچے نہ اتر سکا۔ ارشاد ہوا ایسا لگتا ہے کہ اس بکری کو ناحق ذبح کیا گیا۔ انصاری عرض گذار ہوئے۔ اے اللہ کے رسول! یہ بکری میرے بھائی کی تھی اور میں اسے اس سے عمدہ دیکر رضامند کرلوں گا۔ آنحضورؐ نے اسے خیرات کرنیکا حکم فرمایا۔ ذکر کردہ حدیث سے دو باتوں کا علم ہوا۔ ایک تو یہ کہ غصب کرنے والے کو غصب کردہ پر ملکیت حاصل ہو جاتی ہے اور دوسری بات یہ کہ غصب کردہ سے اس وقت تک نفع اٹھانا حلال نہیں جب تک کہ مالک کو رضامند نہ کرلیا جائے۔

لم یزل ملك مالکها عند ابی حنیفة الخ۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سونے یا چاندی کو دراہم یا دینار میں غاصب کے ڈھال لینے سے اصل مالک کی ملکیت ختم نہ ہوگی اور امام ابویوسفؒ و امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ غصب کرنیوالے کی ملکیت ثابت ہو جائے گی۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اس نے ایک قابلِ اعتبار صفت سونے اور چاندی میں ظاہر کی۔ اور اس پر غصب کردہ چاندی کے بقدر ہی چاندی کا وجوب ہوگا اور وہ قطعیہ لگائے بغیر سونے اور چاندی کو محض پگھلائے تو اس صورت میں بالاتفاق سب کے نزدیک مالک کی ملکیت برقرار رہے گی۔

ومن غصب ساجة فبنی علیها الخ۔ اگر کوئی شخص شہتیر غصب کرے اور پھر اس پر تعمیر کرلے تو اس میں ابوجعفر ہندوانیؒ اور علامہ کرخیؒ کے یہاں یہ تفصیل ہے کہ غصب کرنے والا اس کے اوپر عمارت کے ساتھ ساتھ اردگرد بھی بنالے تو شہتیر کے مالک کا حق منقطع ہو جائے گا اور محض اس کے اوپر بنانے سے منقطع نہ ہوگا۔ صاحب ذخیرہ فرماتے ہیں یہ حکم اس صورت میں ہے کہ قیمتِ عمارت زیادہ ہو اور قیمتِ شہتیر زیادہ ہونے پر مالک کے حق کے منقطع نہ ہونے کا حکم کیا جائے گا۔

ومن غصب ارضاً الخ۔ اگر کوئی شخص زمین غصب کرنے کے بعد اس میں پودے لگالے یا کوئی عمارت

بنالے یا کپڑا غصب کرے اور اسے رنگ لے، یا ستو غصب کرے اور پھر اس میں گھی مخلوط کرلے تو غصب کرنیوالے سے یہ پودے یا عمارت اکھاڑ کر زمین کے مالک کے حوالہ کرنیکے لئے کہا جائے گا۔ اور اکھاڑنا زمین کے واسطے باعث نقصان ہونے پر اس کے بقدر تاوان وصول کیا جائیگا۔ اور کپڑے و ستو میں مالک کو یہ حق ہوگا کہ خواہ سفید کپڑے کی جو قیمت ہو وہ وصول کرلے اور ستو میں اسی طرح کا ستو لیلے اور خواہ رنگ اور گھی کی قیمت ادا کر کے یہی لے لے۔

وَمَنْ غَصَبَ عَيْنًا فَغَيَّبَهَا فَضَمَّنَهُ الْمَالِكُ قِيْمَتَهَا مَلَكَهَا الْغَاصِبُ بِالْقِيْمَةِ وَالْقَوْلُ فِي
اور جو شخص کوئی شے غصب کرے اور پھر غائب کردے اس کے بعد مالک تاوانِ قیمت وصول کرلے تو قیمت دینے کے بعد غاصب کو ملکیت
الْقِيْمَةِ قَوْلُ الْغَاصِبِ مَعَ يَمِيْنِهِ إِلَّا أَنْ يُقِيْمَ الْمَالِكُ الْبَيِّنَةَ بِأَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَإِذَا
حاصل ہوجائیگی اور قیمت کے بارے میں غاصب کا قول قابلِ اعتبار مع الحلف ہوگا الایہ کہ مالک نے اس سے زیادہ قیمت کے گواہ پیش کردیئے ہوں۔
ظَهَرَتِ الْعَيْنُ وَقِيْمَتُهَا أَكْثَرُ مِمَّا ضَمِنَ وَقَدْ ضَمِنَهَا بِقَوْلِ الْمَالِكِ أَوْ بِبَيِّنَةٍ أَقَامَهَا أَوْ بِنُكُوْلِ
اس کے بعد اگر وہ شے عیاں ہوا ور وہ غصب کرنیوالے کی دی ہوئی قیمت سے زیادہ قیمت رکھتی ہو دراں حالیکہ غاصب نے اس قیمت کی ادائیگی قولِ
الْغَاصِبِ عَنِ الْيَمِيْنِ فَلَا خِيَارَ لِلْمَالِكِ وَهُوَ لِلْغَاصِبِ وَإِنْ كَانَ ضَمِنَهَا بِقَوْلِ الْغَاصِبِ
مالک یا مالک کے گواہوں کے باعث یا حلف سے غصب کرنیوالے کے انکار کی بناپر کی ہو تو مالک کو کسی طرح کا اختیار حاصل نہ ہوگا اور وہ شی غاصب کی
مَعَ يَمِيْنِهِ فَالْمَالِكُ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ أَمْضَى الضَّمَانَ وَإِنْ شَاءَ أَخَذَ الْعَيْنَ وَرَدَّ الْعِوَضَ
قراردی جائیگی اور اگر قیمت کی ادائیگی غصب کرنیوالے کے قول کے باعث ہو مع الحلف تو مالک کو یہ حق ہوگا کہ خواہ وہی قیمت برقرار رکھے اور خواہ وہ شے وصول کر کے اس کا عوض لوٹا دے۔

لغات کی وضاحت: یمین: قسم۔ حلف۔ البینۃ: گواہ۔ دلیل۔ نکول: انکار۔ العوض: بدلہ۔

تشریح و توضیح: ومن غصب عینا فغیبہا الخ۔ اگر ایسا ہو کہ غصب کرنیوالا غصب کردہ شی کو غائب کردے اور پھر اس چیز کے مالک کو اس کی قیمت کی ادائیگی کردے تو عند الاحناف رحمہم اللہ غصب کرنے والے کو اس پر ملکیت حاصل ہوجائے گی۔ حضرت امام شافعیؒ اس کے مالک نہ ہونیکا حکم فرماتے ہیں۔ ان کے نزدیک اس غصب کا جہاں تک تعلق ہے وہ نرا ظلم ہے اور خالص ظلم ملکیت کا سبب نہیں ہوا کرتا۔ مثال کے طور پر کسی شخص نے اول مدبر غلام کو غصب کیا اور پھر اسے غائب کر کے اس کی قیمت کی ادائیگی کردی تو متفقہ طور پر سب کے نزدیک غصب کرنیوالا مالک نہ ہوگا۔

احناف کے نزدیک مالک کو غصب کردہ چیز کے بدل یعنی قیمت پر مکمل ملکیت حاصل ہوچکی تھی اور ضابطہ یہ ہے کہ جس شخص کو بدل پر ملکیت حاصل ہوجاتی ہے تو مبدل عنہ پر اس کی ملکیت برقرار نہ رہنے کا حکم ہوتا ہے اور اس چیز کو بدلہ دینے والے کی ملکیت میں داخل قرار دیا جاتا ہے تاکہ بدلہ دینے والا نقصان سے محفوظ رہے۔ البتہ اس کے

اندریہ شرط ناگزیر ہے کہ مبدل عنہ میں یہ صلاحیت موجود ہو کہ اسے ایک کی ملکیت سے نکال کر دوسرے کی ملکیت میں منتقل کیا جاسکے اور وہ صلاحیت اس جگہ پائی جارہی ہے۔ اس کے برعکس مدبر کہ اس میں دوسرے کی ملک میں مستقل ہونے کی صلاحیت نہیں۔

وَالقول فی القیمۃ قول الغاصب الخ۔ اگر ایسا ہو کہ غصب کرنے والے اور مالک کے بیچ قیمت کے متعلق اختلاف پایا جائے تو اس صورت میں غصب کرنیوالے کے قول کو مع الحلف قابلِ قبول قرار دیں گے اس لئے کہ مالک اضافہ کا دعویدار ہے اور غصب کرنیوالا انکار کر رہا ہے البتہ اگر مالک نے گواہ پیش کر دیئے تو وہ قابل قبول ہوں گے۔ اس کے بعد اگر غصب کردہ چیز عیاں ہوگئی اور اس چیز کی قیمت غصب کرنیوالے کے ادا کردہ تاوان سے بڑھی ہوئی تھی دراں حالیکہ تاوان کی ادائیگی قولِ مالک کے مطابق یا اس کے گواہوں کی گواہی کے مطابق یا حلف سے انکار کے باعث کی ہو تو اس صورت میں غصب کردہ چیز ملکیتِ غاصب شمار ہوگی اور مالک کو اس میں کوئی حق حاصل نہ ہوگا۔ اس لئے کہ مالک اسی مقدار کا دعویدار تھا اور اس پر رضامندی ظاہر کر چکا تھا اور اگر غصب کرنے والے نے اپنے قول کے مطابق حلف کرکے تاوان کی ادائیگی کی ہو تو مالک کو یہ حق ہوگا کہ خواہ غصب کردہ چیز لیکر اس کے ضمان کو لوٹا دے اور یہی ضمان باقی رکھے۔

وَوَلَدُ المَغصُوبَۃِ وَنَمَاؤُھَا وَثَمرَۃُ البُستَانِ المَغصُوبِ اَمَانَۃٌ فِی یَدِ الغَاصِبِ اِن
اور غصب کردہ کا بچہ اور اس کا اضافہ اور غصب کردہ باغ کے پھل کی حیثیت غصب کرنیوالے کے پاس امانت کی ہوتی ہے کہ اگر
ھَلَکَ فِی یَدِہٖ فَلَا ضَمَانَ عَلَیہِ اِلَّا اَن یَتَعَدّٰی فِیھَا اَو یَطلُبَھَا مَالِکُھَا فَیَمنَعُھَا اِیَّاہُ وَمَا نَقَصَتِ
ضائع ہوگیا تو اس پر اس کا ضمان لازم نہ ہوگا الا یہ کہ اس نے اس میں تعدی سے کام لیا ہو یا مالک کے طلب کرنیکے باوجود وہ حوالہ کرنے
الجَارِیَۃُ بِالوِلَادَۃِ فَھُوَ فِی ضَمَانِ الغَاصِبِ فَاِن کَانَ فِی قِیمَۃِ الوَلَدِ وَفَاءٌ بِہٖ جُبِرَ
اور باندی میں جو نقصان پیدائش کے باعث آیا ہو تو اس کا تعلق غصب کرنیوالے کے ضمان سے ہوگا لہٰذا اگر بچہ کی قیمت کے ذریعہ یہ نقصان پورا ہوجائے
النُّقصَانُ بِالوَلَدِ وَسَقَطَ ضَمَانُہٗ عَنِ الغَاصِبِ وَلَا یَضمَنُ الغَاصِبُ مَنَافِعَ مَا غَصَبَہٗ
تو نقصان اسی کے ذریعہ پورا کردیں گے اور غصب کرنیوالے سے اسکا ضمان ساقط ہوگا اور غصب کردہ کے منافع کا ضمان غصب کرنیوالے پر نہ ہوگا
اِلَّا اَن یَنقُصَ بِاستِعمَالِہٖ فَیَغرَمُ النُّقصَانَ وَاِذَا استَھلَکَ المُسلِمُ خَمرَ الذِّمِّیِّ اَو خِنزِیرَہٗ
الا یہ کہ اس کے اندر نقصان اسکے استعمال کے باعث پیدا ہوا ہو تو وہ تاوانِ نقصان ادا کریگا اور اگر مسلمان نے کسی ذمی کی شراب ضائع کردی یا اس کا
ضَمِنَ قِیمَتَھُمَا وَاِنِ استَھلَکَھُمَا المُسلِمُ لِمُسلِمٍ لَم یَضمَن۔
خنزیر ضائع کردیا تو انکی قیمت کا ضمان لازم ہوگا اور اگر کوئی مسلمان کسی مسلمان کی ان دو چیزوں کو ضائع کرے تو اس پر ضمان نہ آئے گا۔

لغات کی وضاحت: ولد: بچہ۔ نماء: اضافہ۔ ثمرۃ: پھل۔ ید: ہاتھ۔ پاس۔ خمر: شراب۔ الذمی: دار الاسلام کا غیر مسلم باشندہ

تشریح وتوضیح وما نقصت الجاریة الخ. اگر ایسا ہو کہ کوئی شخص کسی شخص کی باندی ہی غصب کرلے پھر وہ بچہ کو جنم دے تو بچہ کی پیدائش کے باعث باندی کی قیمت میں جو کمی آئیگی غصب کرنیوالے پر اس کے تاوان کا وجوب ہوگا۔ البتہ اگر اس بچہ کی قیمت میں جتنا نقصان ہوا اس کے بقدر ہو تو یہ کمی بچہ کی قیمت سے پوری کردی جائیگی اور غاصب پر مزید کچھ واجب نہ ہوگا۔ اور بچہ کی قیمت کم ہو تو اس صورت میں قیمت کے بقدر ضمان ساقط ہونیکا حکم ہوگا۔ مثال کے طور پر غصب کردہ باندی ہزار روپئے کی ہو اور بچہ کی پیدائش کی وجہ سے اس کی قیمت گھٹ کر آٹھ سو رہ جائے اور بچہ کی قیمت دو سو روپئے ہو تو دو سو روپئے کا نقصان پورا کرے یعنی باندی بچہ سمیت مالک کے حوالہ کردیں گے اور غصب کرنے والے پر مزید کا وجوب نہ ہوگا۔ اور اگر مثلاً بچہ کی قیمت صرف سو روپئے ہو تو سو روپئے کے ضمان کا وجوب غصب کرنے والے پر ہوگا مگر بذریعہ قیمت نقصان کی تلافی بچہ کے زندہ ہونے کی شکل میں ہوتی ہے۔ اگر زندہ نہ ہو تو بذریعہ دیت نقصان کے پورا کرنیکا حکم ہوگا۔

ولا یضمن الغاصب منافع ما غصبہ الخ. احناف کے نزدیک غصب کرنے والے پر غصب کردہ چیز کے منافع کا ضمان لازم نہ ہوگا۔ اس سے قطع نظر کہ اس نے ان منافع کا بالفعل حصول کیا ہو یا غصب کردہ چیز بیکار ڈالے رکھی ہو اور اس سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا ہو۔ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ اجرتِ مثل کے وجوب کا حکم فرماتے ہیں۔ حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ منافع حاصل کرنے کی صورت میں اجرتِ مثل کا وجوب ہوگا اور بیکار ڈالے رکھنے میں کچھ واجب نہ ہوگا۔ ان کا فرمانا ہے کہ منافع کی حیثیت مالِ متقوم کی ہے اور جس طریقہ سے بذریعہ عقود اعیان کا ضمان لازم ہوتا ہے اسی طریقہ سے منافع کا ضمان بھی لازم ہوگا۔ احنافؒ اس سے استدلال فرماتے ہیں کہ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے باندی کے منافع کے معاوضہ کا حکم نہیں کیا تھا۔

واذا استھلک المسلم الخ. اگر کسی مسلمان شخص نے کسی ذمی کی شراب کو ضائع یا خنزیر کو تلف کردیا تو اس پر اس کی قیمت کا ضمان لازم ہوگا اس لئے کہ بحق ذمی انھیں مال قرار دیا گیا۔ البتہ یہ اشیاء مسلمان کی ہونے پر تلف ہونے پر ضمان لازم نہ ہوگا۔ حضرت امام شافعیؒ دونوں شکلوں میں عدمِ تاوان کا حکم فرماتے ہیں۔

کتابُ الوَدِیعَۃِ

ودیعت کا ذکر

اَلْوَدِیْعَۃُ اَمَانَۃٌ فِیْ یَدِ الْمُوْدَعِ اِذَا ہَلَکَتْ فِیْ یَدِہٖ لَمْ یَضْمَنْہَا وَلِلْمُوْدَعِ اَنْ

ودیعت کی حیثیت مودَع کے پاس امانت کی ہوتی ہے کہ اگر اس کے پاس تلف ہوگئی تو اس کا ضمان لازم نہ ہوگا اور امانت رکھنے والا

یَحْفَظَہَا بِنَفْسِہٖ وَبِمَنْ فِیْ عِیَالِہٖ فَاِنْ حَفِظَہَا بِغَیْرِہِمْ اَوْ اَوْدَعَہَا ضَمِنَ اِلَّا اَنْ یَقَعَ

اسکی حفاظت خود کرے یا اپنے بال بچوں کیواسطے سے کرائے اگر وہ ان کے علاوہ سے حفاظت کرائے یا کسی دوسرے کے پاس امانت رکھدے تو ضمان

فِی دَارِہٖ حَرِیْقٌ فیسلمها الی جارِہٖ اَوْ یکونُ فِی سفینۃٍ فخاف الغرق فیلقیها الی سفینۃٍ
لازم ہوگا البتہ اگر گھر میں آگ لگ جانیکے باعث اپنے ہمسایہ کے سپرد کردے یا کشتی میں ہونیکی بنا پر غرق کا خطرہ ہو اور وہ اسے کسی اور کشتی
اُخریٰ وَاِنْ خَلَطَهَا المُوْدَعُ بِمَالِہٖ حتیٰ لا تتمیز ضمنها فان طلبها صاحبها فحبسها
میں ڈال دے (تو یہ صورت مستثنیٰ ہے) اور اگر مودَع نے ودیعت اس طریقہ سے اپنے مال میں شامل کرلی کہ الگ کرنا ممکن نہ ہو تو ضمان لازم ہوگا۔
عَنْہُ وَہُوَ یقدرُ علیٰ تسلیمها ضمنها وَاِنِ اختلطتْ بمالِہٖ مِنْ غیرِ فعلہٖ فهو شریکٌ
اگر ودیعت کا مالک اسے طلب کرے اور مودَع اسے روک لے درآنحالیکہ وہ دینے پر قادر ہو تو ضمان لازم ہوگا اور اگر اس کے فعل کے بغیر مودَع
لِصَاحِبِها وَاِنْ اَنفقَ المُوْدَعُ بعضَها وهلکَ الباقی ضمنَ ذٰلکَ القدرَ فانْ انفقَ
کے مال میں شامل ہو جائے تو مودَع کو مالک کے ساتھ شریک قرار دیں گے اور اگر مودَع نے بعض حصۂ ودیعت خرچ کرلیا اور باقی حصہ ضائع ہوگیا تو
المُوْدَعُ بعضَها ثُمَّ رَدَّ مثلَہٗ فخلطہٗ بالباقی ضمنَ الجمیعَ وَاِذَا تعدّی المُوْدَعُ
خرچ کردہ کے بقدر ضمان آئیگا اور اگر مودَع بعض حصۂ ودیعت خرچ کرکے خرچ کردہ کے بقدر باقی میں شامل کردے تو کامل ودیعت کا ضمان آئیگا
فِی الودیعۃِ بِاَنْ کانتْ دابۃً فرکبها اَوْ ثوباً فلبسہٗ اَوْ عبداً فاستخدمہٗ اَوْ اَوْدعها
اور اگر مودَع ودیعت میں مرتکب تعدی ہو مثلاً ودیعت جانور ہو وہ اس پر سواری کرلے یا کپڑا ہونے پر اسے پہن لے یا غلام ہونے پر کوئی خدمت لیلے
عِنْدَ غیرِہٖ ثُمَّ اَزالَ التعدّی وَرَدَّها الی یدِہٖ زالَ الضمانُ فانْ طلبها صاحبها
یا وہ کسی دوسرے کے پاس ودیعت رکھدے اس کے بعد تعدی سے باز آجائے اور اپنے پاس لوٹالے تو ضمان ختم ہوجائیگا اور مالک کے مانگنے پر انکار
فجحدہٗ اِیّاها ضمنها فانْ عادَ الی الاعترافِ لم یبرأْ مِنَ الضمانِ ۔
کرے تو ضمان لازم ہوگا اور اس کے بعد اقرار بھی کرلے تب بھی ضمان سے بری الذمہ شمار نہ ہوگا ۔

لغات کی وضاحت ۔ الودیعۃ : امانت ۔ جمع ودائع ۔ المُوْدَع : امانت رکھا گیا شخص ۔ خلط : ملانا ۔
کہا جاتا ہے "خلطَ المریض : بیمار نے مفر چیزیں کھائیں ۔ خلط فی الکلام : اس نے بکواس کی ۔ التعدّی : تجاوز کرنا ۔
ظلم کرنا ۔ عادَ : لوٹنا ۔ پھرنا ۔

تشریح و توضیح الودیعۃ امانۃ فی ید المودَع الخ ۔ شرعی اصطلاح میں ایداع اور امانت رکھنا اس کا نام ہے کہ کسی دوسرے شخص کو اپنے مال کا نگراں بنایا جائے اور اسے اپنا مال سپرد کیا جائے ۔ جس شے کو برائے حفاظت دیا جائے اسے ودیعت یا امانت کہا جاتا ہے اور وہ شخص جسے یہ چیز دیں کہ اس کا محافظ بنایا جائے اسے فقہی اصطلاح میں مودَع کہا جاتا ہے ۔ اس کے پاس برائے حفاظت رکھے ہوئے مال کی حیثیت امانت کی ہوتی ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ اگر یہ مال تلف ہوگیا مگر اس اتلاف میں اس کی لاپروائی اور تعدی کا کوئی دخل نہ تھا بلکہ اس کی پوری حفاظت و احتیاط کے باوجود مال ضائع ہوگیا تو تلف شدہ کا ضمان و تاوان مودَع پر واجب نہ ہوگا ۔ اسواسطے کہ دارقطنی وغیرہ میں روایت ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا کہ عاریۃً لینے والے شخص اور غیر خائن مودَع پر تلف شدہ کا ضمان نہیں۔

وَلَہٗ فِی عِیَالِہٖ الخ۔ مودَع کیلئے یہ درست ہے کہ اس مالِ امانت کی پوری حفاظت اپنے آپ کرے یا خود نہ کرے بلکہ اپنے بال بچوں کے ذریعہ اس کی حفاظت کرائے۔ حضرت امام شافعیؒ بال بچوں سے حفاظت کرانے اور ان کے پاس مال چھوڑنے کو درست قرار نہیں دیتے اور فرماتے ہیں کہ خود مودَع حفاظت کرے اسواسطے کہ مال کے مالک نے محض مودَع کو برائے حفاظت دیا ہے۔

اس کا جواب یہ دیا گیا کہ صرف ودیعت کے باعث نہ یہ ممکن ہے کہ مودَع ہمہ وقت گھر میں بیٹھا رہے اور نہ اس کا اسے ہر جگہ لئے پھرنا ممکن ہے تو لازمی طور پر وہ اپنے اہل خانہ کے پاس برائے حفاظت رکھے گا۔ عیال سے مقصود اس کے ہمراہ رہنے والے افراد ہیں چاہے وہ حقیقی اعتبار سے ہوں کہ انکی نان نفقہ میں شرکت ہو یا باعتبار حکم ہوں کہ نان نفقہ میں انکی شرکت نہ ہو۔

وَاِذَا تَعَدَّی الْمُوْدَعُ فِی الْوَدِیْعَۃِ الخ۔ اگر ایسا ہو کہ مودَع ودیعت وامانت کے سلسلہ میں تعدی وزیادتی سے کام لے۔ مثال کے طور پر ودیعت جانور ہو اور وہ اس پر سواری کرلے یا یہ کہ وہ کپڑا ہو اور وہ اسے پہن لے۔ یا یہ کہ ودیعت کوئی غلام ہو اور وہ غلام سے خدمت لے یا مودَع کسی دوسرے کے پاس اسے رکھدے اور پھر وہ تعدی وزیادتی سے باز آتے ہوئے اسے اپنے پاس رکھ لے تو اس صورت میں ضمان اس سے ساقط ہونیکا حکم ہوگا۔ حضرت امام شافعیؒ اس کے اس صورت میں ضمان سے بری الذمہ نہ ہونیکا حکم فرماتے ہیں۔ ان کے نزدیک مودَع پر تعدی کے باعث تاوان لازم ہوگیا تو سابق عقدِ ودیعت برقرار نہ رہا۔ اس لئے کہ تاوان اور امانت کا جہاں تک تعلق ہے ان میں باہم منافات ہے پس تاوقتیکہ وہ مالک کو نہ لوٹائے بری الذمہ قرار نہ دیا جائے گا۔ احناف فرماتے ہیں کہ حفاظت کا امر اسوقت تک برقرار ہے یعنی امانت ابھی موجود ہے اور امانت رکھنے والے کا یہ قول کہ اس مال کی حفاظت کرو مطلقاً ہے اور وہ سارے اوقات پر مشتمل ہے۔ رہ گیا ضمان وتاوان کا معاملہ تو جب اس کی نقیض باقی نہ رہی تو سابق حکمِ عقد واپس آجائے گا۔

فَجَحَدَہَا اِیَّاہَا الخ۔ اگر ایسا ہو کہ وہ شخص جس کے پاس امانت رکھی گئی وہ پہلے تو امانت اپنے پاس ہونیکا انکار کردے اور کہدے کہ اس نے اس کے پاس کوئی چیز بطور امانت نہیں رکھی اور اس کے بعد اس کا اقرار کرلے پھر وہ چیز تلف ہوجائے تو مودَع مع حسب ذیل شرائط کے بریٔ الذمہ شمار نہ ہوگا۔

(۱) مالک کے طلب کرنے پر وہ منکر ہوا ہو۔ اگر امانت کا مالک طلب نہ کرے بلکہ محض اس کے بارے میں پوچھے اور اس پر مودَع ودیعت کا انکار کردے اس کے بعد وہ ضائع ہوجائے تو تاوان واجب نہ ہونیکا حکم کیا جائے گا۔
(۲) مودَع بوقت انکار امانت اس مقام سے منتقل کردے۔ منتقل نہ کرنے اور امانت تلف ہونے پر تاوان کا وجوب نہ ہوگا (۳) بوقت انکار کوئی اس طرح کا آدمی وہاں نہ ہو جس کے باعث امانت کے ضائع ہونیکا خطرہ ہو۔ اگر اس طرح کا ہو تو ودیعت کے انکار سے تاوان کا وجوب نہ ہوگا۔ اسواسطے کہ اس طرح کے آدمی کے

کے سامنے انکار زمرۂ حفاظت میں آتا ہے (۴) بعد انکار ودیعت سامنے نہ لائے۔ اگر وہ امانت اس طریقہ سے سامنے کردے کہ اسے اگر لینا چاہے لے سکے۔ اس کے بعد مالک مودَع سے یہ کہے تو اسے اپنے ہی پاس بطور امانت برقرار رکھ تو اس صورت میں ایداع جدید ہونیکے باعث مودَع پر ضمان برقرار نہ رہے گا (۵) یہ ودیعت سے انکار اس نے اس شے کے مالک سے کیا ہو۔ کسی دوسرے کے سامنے انکار کی صورت میں یہ چیز تلف ہونے پر اس کے اوپر تاوان واجب نہ ہوگا۔ اس واسطے کہ دوسرے کے سامنے اس کا انکار کرنا ودیعت کی حفاظت کے زمرہ میں شامل ہے۔

وَلِلْمُودَعِ اَنْ یُسَافِرَ بِالْوَدِیْعَةِ وَاِنْ کَانَ لَهَا حَمْلٌ وَمُؤْنَةٌ وَاِذَا اَوْدَعَ رَجُلَانِ

اور مودَع کے لئے یہ درست ہے کہ وہ ودیعت اپنے ساتھ سفر میں لیجائے خواہ اس کے اندر بوجھ اور اذیت ہی کیوں نہ ہو۔ اور اگر دو آدمی کسی

عِنْدَ رَجُلٍ وَدِیْعَةً ثُمَّ حَضَرَ اَحَدُهُمَا یَطْلُبُ نَصِیْبَهٗ مِنْهَا لَمْ یَدْفَعْ اِلَیْهِ شَیْئًا عِنْدَ

شخص کے پاس کوئی شے بطور امانت رکھیں اس کے بعد ان دونوں میں سے ایک اپنے حصہ کا طلبگار ہو تو امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں تاوقتیکہ دوسرا

اَبِیْ حَنِیْفَةَ حَتّٰی یَحْضُرَ الْاٰخَرُ وَقَالَ اَبُوْ یُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ یَدْفَعُ اِلَیْهِ نَصِیْبَهٗ

شخص نہ آجائے مودَع اسے نہ دے اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ اس کا حصہ اسے دیدینے کیلئے فرماتے ہیں۔ اور اگر کوئی شخص

وَاِنْ اَوْدَعَ رَجُلٌ عِنْدَ رَجُلَیْنِ شَیْئًا مِمَّا یُقْسَمُ لَمْ یَجُزْ اَنْ یَدْفَعَهٗ اَحَدُهُمَا اِلَی الْاٰخَرِ

دو اشخاص کے پاس ایسی شے امانۃً رکھیں جس کی تقسیم ممکن ہو تو یہ درست نہیں کہ ان میں سے ایک دوسرے کے کل شی کو حوالہ کردے

وَلٰکِنَّهُمَا یَقْتَسِمَانِهٖ فَیَحْفَظُ کُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا نِصْفَهٗ وَاِنْ کَانَ مِمَّا لَا یُقْسَمُ جَازَ اَنْ

بلکہ اسے بانٹ لیں اس کے بعد دونوں میں سے ہر ایک اپنے آدھے حصہ کی حفاظت کرلیں اور اگر اس طرح کی چیز ہو جس کا بانٹنا ممکن نہ

یَحْفَظَ اَحَدُهُمَا بِاِذْنِ الْاٰخَرِ وَاِذَا قَالَ صَاحِبُ الْوَدِیْعَةِ لِلْمُوْدَعِ لَا تُسَلِّمْهَا اِلٰی زَوْجَتِکَ

ہو تو دونوں میں سے ہر ایک کیلئے درست ہے کہ وہ دوسرے کی اجازت سے حفاظت کرے اور اگر امانت رکھنے والا مودَع سے یہ کہے کہ

فَسَلَّمَهَا اِلَیْهَا لَمْ یَضْمَنْ وَاِنْ قَالَ لَهٗ اِحْفَظْهَا فِیْ هٰذَا الْبَیْتِ فَحَفِظَهَا فِیْ بَیْتٍ

اسے اپنی اہلیہ کے حوالہ نہ کرنا پھر وہ حوالہ کردے تو ضمان لازم نہ ہوگا اور اگر وہ مودِع اس سے کہے کہ اس کی حفاظت اسی کمرہ میں کی جائے اور

اٰخَرَ مِنَ الدَّارِ لَمْ یَضْمَنْ وَاِنْ حَفِظَهَا فِیْ دَارٍ اُخْرٰی ضَمِنَ۔

پھر وہ مکان کے کسی دوسرے کمرہ میں حفاظت کرے تو ضمان لازم نہ ہوگا اور کسی اور مکان میں حفاظت کرنے پر ضمان لازم ہوگا۔

امانت کے باقی ماندہ مسئلے

تشریح وتوضیح وَلِلْمُوْدَعِ اَنْ یُسَافِرَ الخ۔ صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ اگر مودَع ایسا کرے کہ امانت

کو دوران سفر اپنے ساتھ رکھے تو درست ہے اگرچہ اس کے اٹھانیکی خاطر کسی جانور کی یا بار برداری کرنے والے کی اجرت کی احتیاج ہو مگر اس میں یہ شرط ہے کہ مالک نے اسے اس سے روکا نہ ہو۔ نیز امانت کے تلف ہونے کا خطرہ موجود نہ ہو۔ امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اس کے واسطے بار برداری کی ضرورت ہونے کی صورت میں درست نہیں۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک دونوں شکلوں میں درست نہیں۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک حفاظتِ امانت متعارف حفاظت پر محمول ہے اور امانت رکھنے والا اس خلافِ متعارف طریقہ پر رضامند نہ ہوگا۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک امانت رکھنے والے کیطرف سے امانت کی حفاظت کا حکم مطلقاً ہے تو جس طرح اس کی تقیید زمانہ کے ساتھ نہیں ٹھیک اسی طرح تقیید مع المکان بھی نہ ہوگی۔

واذا اودع رجلان الخ۔ کسی شخص کے پاس دو اشخاص کوئی شے امانۃً رکھدیں۔ اس کے بعد ایک شخص اپنے حصہ کے لوٹا لینے کا طلبگار ہو تو اگر اس کا شمار ذوات القیم اشیاء میں ہوتا ہو تو مودع پر بالاتفاق یہ درست نہ ہوگا کہ دوسرے شخص کے حاضر ہونے سے پہلے وہ چیز ایک کو دیدے۔ اور اگر وہ شے ناپ کر یا تول کر دی جانے والی ہو تو امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ یہ درست ہے۔ اس لئے کہ وہ اپنے حصہ کا طلبگار رہے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ اسے درست قرار نہیں دیتے اسواسطے کہ وہ محض اپنے ہی حصہ کا نہیں غیر حاضر شخص کے حصہ کا بھی طلبگار رہے۔ اس واسطے کہ وہ تقسیم شدہ کا طلبگار ہے جبکہ وہ مشترک میں حقدار ہے۔

وان قال لہ احفظھا الخ۔ امانت رکھنے والا مودَع سے اسے اسی کمرے میں رکھنے کے لئے کہے اور مودَع اسی مکان کے دوسرے کمرے میں رکھدے تو تلف ہونے پر ضمان نہ آئے گا اور دوسرے گھر رکھنے پر ضمان لازم ہوگا۔ اس لئے کہ باعتبارِ حفاظت وغیرہ دو گھروں کا حکم الگ ہوتا ہے کہ ایک میں زیادہ حفاظت ہو سکتی ہے اور دوسرے میں کم۔ البتہ باعتبارِ حفاظت دونوں کے برابر ہونے یا دوسرے مکان کے پہلے سے بڑھ کر محفوظ ہونیکی صورت میں اگر ضائع ہو جائے تو مودَع پر ضمان نہ آئے گا۔

كتاب العارية

مانگنے کا بیان

اَلْعَارِيَةُ جَائِزَةٌ وَهِيَ تَمْلِيكُ الْمَنَافِعِ بِغَيْرِ عِوَضٍ وَتَصِحُّ بِقَوْلِهِ أَعَرْتُكَ وَأَطْعَمْتُكَ

عاریت درست ہے اور عاریت یہ ہے کہ کسی بدلہ کے بغیر مالکِ منافع بنا دیا جائے اور اس طرح کہنے سے یہ درست ہو جاتی ہے کہ میں نے

هٰذِهِ الْأَرْضَ وَمَنَحْتُكَ هٰذَا الثَّوْبَ وَحَمَلْتُكَ عَلٰى هٰذِهِ الدَّابَّةِ إِذَا لَمْ يُرِدْ بِهِ الْهِبَةَ وَ

تجھ کو عاریۃً دی" اور میں نے تجھے یہ زمین کھانیکی خاطر دی اور میں نے تجھے یہ کپڑا اعطا کر دیا اور تجھے اس جانور پر سوار کیا جبکہ اس سے مقصود ہبہ نہ ہو

أَخْدَمْتُكَ هٰذَا الْعَبْدَ وَدَارِي لَكَ سُكْنٰى وَدَارِي لَكَ عُمْرٰى سُكْنٰى۔

اور میں نے تجھے یہ غلام برائے خدمت عطا کیا اور میرا مکان تیری رہائش کی خاطر ہے اور میرا مکان تیری زندگی بھر رہائش کی خاطر ہے۔

لغات کی وضاحت - العاریۃ: ادھار لی ہوئی چیز۔ عوض: بدلہ - منحتک: عطیہ، جمع منح، اسی سے ہے المناح: بہت دینے والا - دار: گھر۔

تشریح و توضیح لفظ "العاریۃ" کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ یہ کس سے مشتق ہے۔ صاحب ہدایہ اور صاحب مبسوط دونوں فرماتے ہیں کہ یہ دراصل "عریۃ" سے مشتق ہے اور اس کے معنے بخشش و عطیہ کے آتے ہیں۔ ابن اثیر وغیرہ کا کہنا ہے کہ اس کا انتساب عار کی جانب کیا گیا اسواسطے کہ کسی اور سے چیز طلب کرنا باعثِ ننگ اور زمرۂ عیب میں شمار کیا جاتا ہے مگر صاحب مغربؒ اس کے عار کیطرف انتساب کی سختی سے تردید کی ہے اور تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ عاریۃً کسی چیز کا لینا رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ اگر واقعی سببِ عار قرار دی جاتی تو آنحضرتؐ کبھی طلب نہ فرماتے اور اس سے بالکل احتراز فرماتے۔ بخاری و مسلم میں حضرت قتادہؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت انسؓ کو یہ فرماتے سنا کہ مدینہ میں دشمن کی جانب سے خوف ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوطلحہؓ سے گھوڑا طلب فرمایا جسے مندوب کہا جاتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر سواری فرمائی پھر واپسی پر ارشاد فرمایا کہ میں نے (خوف کی) کوئی بات نہیں دیکھی اور میں نے گھوڑے کو سمندر پایا۔

وھی تملیک المنافع الخ۔ شرعی اصطلاح کے اعتبار سے عاریت کسی عوض کے بغیر منافع کا مالک بنا دینے کو کہا جاتا ہے فقہی الفاظ کے اعتبار سے مالک بنانیوالا شخص معیر اور مالک بنایا گیا شخص مستعیر کہلاتا ہے۔ اور وہ شئے جسکے منافع کا مالک بنایا جاتا ہے اس کا نام مستعار یا عاریت ہوتا ہے۔ عاریت میں جو بلا عوض کی قید لگائی گئی اس سے اجارہ اس کی تعریف سے خارج ہو گیا کہ اجارہ کا جہاں تک تعلق ہے اس میں منافع کا مالک اگرچہ بنایا جاتا ہے لیکن بلا عوض نہیں بناتے۔

اذا لم یرد بہ الھبۃ الخ۔ منحتک اور حملتک کے الفاظ سے نیتِ ہبہ قطعاً نہ ہونیکی صورت میں مجازاً انھیں عاریت پر محمول کیا جائے گا اور بہ نیتِ ہبہ ان کے استعمال سے شرعاً ہبہ درست ہو جاتا ہے۔

وَلِلْمُعِیْرِ اَنْ یَّرْجِعَ فِی الْعَارِیَۃِ مَتٰی شَاءَ وَالْعَارِیَۃُ اَمَانَۃٌ فِیْ یَدِ الْمُسْتَعِیْرِ اِنْ ھَلَکَ مِنْ
اور معیر کو یہ حق ہے کہ جسوقت چاہے عاریت واپس لے لے۔ اور مستعیر کے قبضہ میں عاریت کی حیثیت امانت کی ہوتی ہے کہ اگر بلا تعدی تلف
غَیْرِ تَعَدٍّ لَمْ یَضْمَنِ الْمُسْتَعِیْرُ وَلَیْسَ لِلْمُسْتَعِیْرِ اَنْ یُّؤَجِّرَ مَا اسْتَعَارَہٗ فَاِنْ اٰجَرَہٗ فَھَلَکَ
ہو جائے تو مستعیر پر ضمان لازم نہ ہوگا اور مستعیر کے واسطے یہ درست نہیں کہ جو چیز عاریت پر لی ہو اسے کرایہ پر دیدے لہٰذا اگر وہ کرایہ
ضَمِنَ وَلَہٗ اَنْ یُّعِیْرَہٗ اِذَا کَانَ الْمُسْتَعَارُ مِمَّا لَا یَخْتَلِفُ بِاِخْتِلَافِ الْمُسْتَعْمِلِ وَعَارِیَۃُ
دیدے اور پھر وہ ضائع ہو جائے تو ضمان لازم ہوگا البتہ اگر کوئی عاریۃً لے تو دینا درست ہے مگر شرط یہ ہے کہ استعمال کرنیوالے کی تبدیلی سے
الدَّرَاھِمِ وَالدَّنَانِیْرِ وَالْمَکِیْلِ وَالْمَوْزُوْنِ قَرْضٌ وَاِذَا اسْتَعَارَ اَرْضًا لِیَبْنِیَ فِیْھَا اَوْ
اس چیز میں کوئی تغیر نہ آتا ہو اور درہم و دینار اور ناپ اور تول کر دیجانیوالی اشیاء عاریۃً قرض ہے اور اگر کوئی شخص گھر تعمیر کرنے یا درخت لگانے

يَغرِسَ جَازَ وَلِلْمُعِيرِ اَنْ يَرجِعَ عَنهَا وَ يُكَلِّفَه قَلعَ البِنَاءِ وَالغَرسِ فَاِنْ لَمْ يَكُن وَقَّتَ
کی خاطر زمین مانگے تو درست ہے اور معیر کیلئے یہ درست ہے کہ اسے واپس لیلے اور پھر اس کیلئے یہ درست ہے کہ وہ اسے گھر توڑنے اور درخت

العَارِيَةَ فَلَا ضَمَانَ عَلَيهِ وَاِنْ كَانَ وَقَّتَ العَارِيَةَ وَرَجَعَ قَبلَ الوَقتِ ضَمِنَ المُعِيرُ
اکھاڑ لینے پر مجبور کرے اگر اس نے وقتِ عاریت کی تعیین نہ کی ہو تو اس پر ضمان کا وجوب ہوگا اور اگر وقت کی تعیین کے بعد قبل از وقت لینے لگے تو معیر

لِلْمُستَعِيرِ مَا نَقَصَ مِنَ البِنَاءِ وَالغَرسِ بِالقَلعِ وَاُجرَةُ رَدِّ العَارِيَةِ عَلَى المُستَعِيرِ وَاُجرَةُ
پر گھر کے توڑنے اور درخت اکھاڑنے کا نقصان کا ضمان واجب ہوگا۔ اور عاریت کے لوٹانے کی اجرت کا ذمہ دار مستعیر ہوگا اور جس چیز کو کرایہ

رَدِّ العَينِ المُستَاجِرَةِ عَلَى المُوجِرِ وَاُجرَةُ رَدِّ العَينِ المَغصُوبَةِ عَلَى الغَاصِبِ وَ
پر لیا ہو اس کے لوٹانے کی اجرت کا وجوب موجر پر ہوگا۔ اور غصب کردہ شے کے لوٹانے کی اجرت غصب کرنے والے پر ہوگی۔ اور

اُجرَةُ رَدِّ العَينِ المُودَعَةِ عَلَى المُودَعِ وَاِذَا استَعَارَ دَابَّةً فَرَدَّهَا اِلَى اِصْطَبلِ
امانت رکھی ہوئی شے کے لوٹانیکی اجرت کا وجوب مودع پر ہوگا اور اگر سواری مانگ کر پھر اسے اصطبل مالک تک پہونچادے اور

مَالِكِهَا فَهَلَكَتْ لَمْ يَضمَنْ وَاِنِ استَعَارَ عَينًا وَرَدَّهَا اِلَى دَارِ المَالِكِ وَلَمْ يُسَلِّمْهَا
وہ ضائع ہو جائے تو ضمان واجب نہ ہوگا اور اگر کوئی چیز عاریۃً لے اور پھر اسے مالک کو دینے کے بجائے اس کے گھر پہنچادے تو ضمان

اِلَيهِ لَمْ يَضمَنْ وَاِنْ رَدَّ الوَدِيعَةَ اِلَى دَارِ المَالِكِ وَلَمْ يُسَلِّمْهَا ضَمِنَ وَاللهُ اَعلَمُ.
لازم نہ ہوگا اور اگر امانت مالک کے سپرد کرنے کے بجائے اس کے گھر پہنچادے تو ضمان (تلف ہونے پر) لازم ہوگا۔ واللہ اعلم۔

لغات کی وضاحت: مُعِیر: عاریت پر دینے والا۔ مُستعیر: عاریت پر لینے والا۔ اَجَر: اجرت اور کرایہ پر دینا۔ ارض: زمین۔ المستاجرة: اجرت پر لی ہوئی۔

عاریت کے مفصل احکام

تشریح و توضیح: وَلِلْمُعِيرِ اَنْ يَرجِعَ فِي العَارِيَةِ الخ. صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ عاریت پر دینے والے کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ جس وقت چاہے عاریۃً دی گئی چیز لوٹالے اس سے قطع نظر کہ یہ مطلقاً ہو یا اس کے اندر کسی وقت کی تعیین کی گئی ہو۔

ان هلك من غير تعد لم يضمن الخ. فرماتے ہیں اگر ایسا ہو کہ عاریۃً لی ہوئی چیز تلف ہو جائے اور اس اتلاف میں مستعیر کی جانب سے کسی طرح کی تعدی و زیادتی نہ ہو اور اس کی تعدی کے بغیر یہ چیز ضائع ہو جائے تو اس صورت میں اس کے تلف ہونیکے باعث مستعیر پر کسی طرح کا تاوان واجب نہ ہوگا۔ حضرت امام مالکؒ، حضرت ثوریؒ اور حضرت اوزاعیؒ یہی فرماتے ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ، حضرت حسنؒ، حضرت شعبیؒ اور حضرت نخعیؒ سے اسی طرح نقل کیا گیا۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک اگر عادت کے مطابق استعمال ہی سے وہ تلف ہو گئی تو ضمان واجب نہ ہوگا ورنہ ضمان کا وجوب ہوگا۔ دراصل اس اختلاف کا سبب یہ ہے کہ احنافؒ عاریت کو مطلقاً امانت قرار دیتے ہیں۔ اس میں وقتِ استعمال کی کوئی قید نہیں۔ اور حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ کے نزدیک وقتِ استعمال کی قید ہے۔

احنافؒ کا مستدل مصنف عبدالرزاق میں منقول حضرت عمرؓ کا یہ قول ہے کہ عاریت ودیعت کے درجہ میں ہے اور تاوقتیکہ تعدی نہ ہو اس میں ضمان واجب نہ ہوگا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ صاحبِ عاریت پر ضمان نہیں۔

وَلَہُ ان یعیرہا اذا کان المُستعار الخ فرماتے ہیں کہ جو اشیاء اس طرح کی ہوں کہ ان میں استعمال کرنے والوں کے بدلنے سے کوئی فرق واقع نہ ہوتا ہو تو ان میں اس کی گنجائش ہے کہ عاریت پر لینے والا کسی دوسرے کو عاریۃً دیدے۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک اس کی اجازت نہ ہوگی۔ اسواسطے کہ وہ عاریت کے اندر منافع کو مباح قرار دیتے ہیں اور مباح کا جہاں تک معاملہ ہے اس میں جس کے واسطے اس کی اباحت ہوا سے یہ حق حاصل نہیں ہوتا کہ وہ از خود اسے دوسرے کیلئے مباح کرے۔

احنافؒ عاریت میں تملیکِ منافع کے قائل ہیں۔ لہٰذا عاریت پر دینے والے کے عاریۃً لینے والے کو مالکِ منافع بنانے پر اسے یہ حق ہوگا کہ وہ کسی اور کو مالک بنادے۔

وَعَاریۃُ الدَّراہم والدنانیر الخ۔ دینار و دراہم اور اسی طرح ناپ اور تول کر دیجانیوالی چیزوں کو عاریت پر دینا بحکم قرض قرار دیا گیا۔ اس لئے کہ عاریت کا جہاں تک معاملہ ہے اس میں تملیکِ منافع ہوا کرتی ہے اور ذکر کردہ چیزوں سے نفع اٹھانا استہلاکِ عین کے بغیر ممکن نہیں۔ اس بناء پر ان چیزوں میں عاریت قرض کے معنے میں ہوگی۔ لیکن یہ عاریت کے مطلقاً ہونے کی صورت میں ہے اور اگر اس کی جہت کے تعین کردیجائے۔ مثال کے طور پر دینار لینے کا مقصد یہ ہو کہ دوکان کو فروغ ہو اور لوگ اسے مالدار اور صاحبِ حیثیت سمجھتے ہوئے اسی کے مطابق معاملات کریں تو ایسی شکل میں یہ عاریت بحکم قرض قرار نہ دیجائے گی۔

وَیکلف قلع البناء الخ۔ کوئی شخص اس مقصد کی خاطر زمین عاریت کے طور پر لے کہ وہ اس میں گھر بنائیگا یا باغ لگائے گا تو یہ درست ہے لیکن عاریت پر دینے والے کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ مکان گروا کر یا درخت اکھڑوا کر اپنی زمین لوٹالے۔ اگر ایسا ہو کہ اس نے وقتِ عاریت کی تعیین نہ کی ہو تو مکان کے گروانے یا درختوں کے اکھڑوانے سے جو نقصان ہوا ہو اس کا کوئی ضمان اس پر لازم نہ ہوگا اس لئے کہ اس شکل میں عاریت پر دینے والے نے مستعیر کو کسی دھوکہ میں نہیں رکھا بلکہ وہ دھوکہ کھانے کی ذمہ داری خود اس پر ہے کہ متعین کئے بغیر وہ اس پر رضامند ہو گیا۔ البتہ اگر معیر وقت کی تعیین کردے اور پھر ایسا ہو کہ قبل از وقت مکان گروادے یا درخت اکھڑوا دے تو اس پر تاوان کا وجوب ہوگا۔

وَاُجْرَةُ رَدِّ العَارِيَةِ الخ. اگر عاریت ہو تو اسکی واپسی کی جو اجرت و مزدوری ہوگی وہ مستعیر پر واجب ہوگی۔ اور ایسی چیز جو کہ کرایہ پر لی ہو اس کے لوٹانیکی مزدوری کا وجوب موجر پر ہوگا۔

کتاب اللقیط

لقیط کا بیان

اَللقيطُ حُرٌّ وَنفقتُهُ مِنْ بَيْتِ المَالِ وَاِنْ اِلتقطه رَجُلٌ لَمْ يَكُنْ لغيرِهٖ اَنْ يَاخذهُ
لقیط کا حکم آزاد کا ہے اور اس کا خرچ بیت المال سے دیا جاتا ہے اور اگر کوئی شخص لقیط کو اٹھالے تو دوسرے کو یہ حق نہ ہوگا کہ اس سے لے لے۔

مِنْ يَدِهٖ فَاِنْ ادّعٰى مُدّعٍ اَنَّهُ ابنُهُ فَالقَولُ قَولُهُ مَعَ يَمِينِهٖ وَاِنْ ادّعاهُ اثنانِ
اگر کوئی شخص لقیط کے متعلق دعویٰ کرے کہ وہ اس کا بیٹا ہے تو مع الحلف اس کا قول قابلِ اعتبار ہوگا اور اگر دو آدمی مدعی ہوں اور

وَوَصفَ اَحدُهُمَا عَلَامَةً فِي جَسَدِهٖ فَهُوَ اَولٰى بِهٖ وَاِذَا وُجِدَ فِي مِصْرٍ مِنْ اَمصَارِ المُسلمِينَ
ان میں سے ایک شخص اس کے جسم کی کوئی نشانی بیان کرے تو وہ اسکا زیادہ مستحق ہوگا اور اگر لقیط مسلمانوں کے شہروں میں سے کسی شہر میں ملے

اَوْ فِي قَريَةٍ مِنْ قُرَاهُمْ فَادّعٰى ذِمِّيٌّ اَنَّهُ ابنُهُ ثبتَ نسبُهُ مِنهُ وَكَانَ مُسلمًا وَاِنْ
یا ان کے دیہات میں سے کسی دیہات میں ملے اس کے بعد کوئی ذمی مدعی ہو کہ وہ اس کا لڑکا ہے تو وہ اسکے ثابت النسب ہوگا اور بچہ مسلمان قرار دیا جائیگا۔

وُجِدَ فِي قَريَةٍ مِنْ قُرَى اَهْلِ الذِّمَّةِ اَوْ فِي بِيعَةٍ اَوْ كَنِيسَةٍ كَانَ ذِمِّيًّا وَمَنْ ادّعٰى
اور اگر ذمیوں کے دیہات میں سے کسی دیہات میں ملے یا کلیسا یا گرجا میں تو بچہ ذمی قرار دیا جائے گا۔ اور جو شخص اس کا مدعی ہو کہ

اَنَّ اللقيطَ عبدُهُ اَوْ اَمتُهُ لَمْ يُقبلْ مِنهُ وَكَانَ حُرًّا وَاِنْ ادّعٰى عبدٌ اَنَّهُ ابنُهُ
لقیط اس کا غلام ہے یا اس کی باندی ہے تو اس کا قول قابلِ قبول نہ ہوگا اور بچہ آزاد شمار ہوگا اور اگر کوئی غلام اس کا مدعی ہو کہ وہ اس کا

ثبتَ نسبُهُ مِنهُ وَكَانَ حُرًّا وَاِنْ وُجِدَ مَعَ اللقيطِ مَالٌ مشدودٌ عَلَيهِ فَهُوَ لَهُ وَلَا يَجُوزُ
لڑکا ہے تو وہ اس سے ثابت النسب اور آزاد شمار ہوگا اور اگر لقیط کے ہمراہ بندھا ہوا مال ملے تو وہ لقیط کا قرار دیا جائیگا۔ اور ملتقط کیلئے اس سے

تزويجُ المُلتقطِ وَلَا تصرّفُهُ فِي مَالِ اللقيطِ وَيَجُوزُ اَنْ يَقبضَ لَهُ الهِبَةَ وَيُسلِّمَهُ
نکاح کرنا اور لقیط کے مال میں متصرف ہونا جائز نہ ہوگا اور اس کے واسطے ہبہ پر قابض ہونا اور کسی پیشہ کی خاطر اسے حوالہ کرنا

فِي صِناعَةٍ وَيُؤاجِرُهُ ۔۔۔
اور اسے کہیں اجرت پر لگانا ملتقط کو درست ہوگا۔

لغات کی وضاحت

اللقیط: اٹھایا ہوا، نومولود بچہ جو پھینکدیا جائے۔ علامة: نشان۔ قریة: دیہات
ذمی: دار الاسلام کا غیر مسلم باشندہ۔ صناعة: کاریگری۔ پیشہ۔

تشریح و توضیح

کتاب اللقیط۔ یہ فعیل کے وزن پر دراصل مفعول کے معنے میں ہے از روئے لغت

لقیط ایسا بچہ کہلاتا ہے جو کہیں پڑا ہوا ملا ہو اور اس کے ولی کا پتہ نہ ہو۔ اور شرعی اعتبار سے لقیط آدمی کا پھینکا ہوا وہ بچہ کہلاتا ہے جسے یا تو کسی نے افلاس کے باعث پھینکا ہو یا اس کا پھینکنا اس اندیشہ کی بنا پر ہو کہ اس پر بدکاری کی تہمت لگائی جائے گی۔ اب لقیط کے بارے میں تفصیل یہ ہے کہ اگر یہ خطرہ نہ ہو کہ نہ اٹھانیکی صورت میں ہلاک ہو جائیگا تو اسے اٹھانا دائرۂ استحباب میں داخل ہوگا کہ اس میں جہاں شفقت و مہربانی کا پہلو ہے وہیں ایک جان کا تحفظ اور گویا نئی زندگی بخشنا بھی ہے۔ اور اگر اس کے ضائع ہونیکا پورا خطرہ ہو تو اس صورت میں اٹھالینا واجب ہوگا۔

اللقیط حر ونفقتہ الخ۔ اس لقیط کا حکم یہ ہے کہ اسے دار الاسلام کے تابع قرار دیتے ہوئے مسلمان بھی شمار کیا جائیگا اور اس کے ساتھ ساتھ آزاد بھی۔ اور رہا اس کا نفقہ تو وہ بیت المال سے ادا کیا جائیگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اسی طرح منقول ہے۔

وان ادعاہ اثنان ووصف الخ۔ لقیط کے بارے میں اگر بجائے ایک کے دو شخص مدعی ہوں کہ وہ اس کا بیٹا ہے اور ان دونوں میں سے ایک شخص اس کے جسم کی کوئی امتیازی علامت بیان کرے تو اس کا زیادہ مستحق قرار دیا جائیگا۔

واذا وجد فی مصر الخ۔ اگر یہ لقیط مسلمانوں کے شہروں میں سے کسی شہر میں ملے اور کوئی ذمی مدعی ہو کہ وہ اس کا بیٹا ہے تو نسب اسی ذمی سے ثابت ہوگا مگر یہ بچہ مسلمان قرار دیا جائے گا اور لقیط کے ساتھ جو مال بندھا ہوا ملا ہو وہ لقیط ہی کا قرار دیں گے۔

كتاب اللقطة

لقطہ کا بیان

اَللُّقْطَةُ اَمَانَةٌ فِي يَدِ الْمُلْتَقِطِ اِذَا اَشْهَدَ الْمُلْتَقِطُ اَنَّهُ يَاخُذُهَا لِيَحْفَظَهَا وَيَرُدَّهَا

ملتقط کے قبضہ میں لقطہ کی حیثیت امانت کی ہوتی ہے جبکہ وہ اس پر شاہد بنالے کہ وہ اسے حفاظت کی خاطر اٹھا رہا ہے۔ اور اسکے

عَلٰى صَاحِبِهَا فَاِنْ كَانَتْ اَقَلَّ مِنْ عَشَرَةِ دَرَاهِمَ عَرَّفَهَا اَيَّامًا وَاِنْ كَانَتْ عَشَرَةً فَصَاعِدًا

مالک کے لوٹانے کیواسطے اٹھاتا ہے۔ اس چیز سے دس درہم سے کم قیمت والی ہونے پر کچھ دن اس کا اعلان وتشہیر کرے اور دس دراہم

عَرَّفَهَا حَوْلًا كَامِلًا فَاِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا وَاِلَّا تَصَدَّقَ بِهَا فَاِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا وَهُوَ قَدْ

یا دس سے زیادہ قیمت ہونے پر سال بھر تشہیر اور اعلان کرتا رہے پھر اگر اس چیز کا مالک آگیا تو فبہا ورنہ اسے صدقہ کردے اور اگر اسے

تَصَدَّقَ بِهَا فَهُوَ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ اَمْضَى الصَّدَقَةَ وَاِنْ شَاءَ ضَمَّنَ الْمُلْتَقِطَ۔

صدقہ کرنے کے بعد مالک آئے تو مالک کو یہ حق ہے کہ خواہ وہ صدقہ بحال رکھے اور خواہ ملتقط سے اس کا ضمان وصول کرلے۔

لغات کی وضاحت۔ الملتقط: گری پڑی چیز اٹھانیوالا۔ عشرۃ: دس۔ عرّف: اعلان۔ تشہیر۔ ایاما۔ یوم کی جمع: دن۔ صاحب: مالک۔ خیار: اختیار۔ امضٰی: باقی، برقرار۔

تشریح و توضیح

اَللُّقَطَةُ اَمَانَةٌ الخ صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ لقطہ کی حیثیت اٹھانیوالے کے پاس بالکل امانت کی سی ہوتی ہے بشرطیکہ اس نے چند گواہ وہ چیز اٹھاتے وقت اس کے بنالئے ہوں کہ اس اٹھانے سے اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ یہ چیز اس کے اصل مالک کے پاس پہنچ جائے۔ جب اس کی حیثیت امانت کی ہوئی تو اس کا حکم بھی ٹھیک امانت کا سا ہوگا کہ اگر وہ کسی تعدی وزیادتی کے بغیر اسی کے پاس تلف ہوگئی تو اس پر اس کے تاوان کا وجوب نہ ہوگا۔ اب اگر یہ اٹھائی ہوئی چیز ایسی ہو کہ اس کی قیمت دس دراہم سے کم ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ صرف چند دن اس کا اعلان وتشہیر کرے۔ اس درمیان میں مالک آگیا تو ٹھیک ہے اور مالک کے نہ آنے اور اس کا پتہ نہ چلنے کی صورت میں وہ چیز صدقہ کردے۔ اور اگر وہ دس دراہم سے زیادہ قیمت کی ہو تو پھر چند روز کی تشہیر واعلان پر اکتفاء نہ کرے بلکہ مسلسل سال بھر تک اس کی تشہیر کرتا رہے اور اسے اس کے مالک تک پہنچانے کیلئے کوشاں رہے۔ اگر سال بھر تک اعلان سے بھی فائدہ نہ ہوا اور مالک نہ آئے تو پھر اسے صدقہ کردے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کی ایک روایت کے مطابق یہی حکم ہے۔

حضرت امام محمدؒ اپنی معروف کتاب "اصل" میں اس قید کے بغیر کہ وہ چیز دس درہم سے کم یا زیادہ کی ہو مطلقاً سال بھر تک تشہیر کیلئے فرماتے ہیں۔

حضرت امام مالکؒ بھی یہی فرماتے ہیں اور مفتیٰ بہ قول یہ ہے کہ اسقدر عرصہ تک تشہیر واعلان کرتا رہے کہ ظنِ غالب مالک کے اس چیز کی عدم جستجو کا ہو جائے۔ اتنی مدت گذر جانے اور مالک کے نہ آنے کی صورت میں اسے صدقہ کردے۔

فَاِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا الخ۔ اگر لقطہ کے صدقہ کرنے کے بعد مالک آجائے تو چیز کے مالک کو دو حق حاصل ہوں اور ان میں سے کسی ایک کو اختیار کرلینے کا استحقاق ہوگا یعنی یا تو اس صدقہ کو اپنی جگہ برقرار رکھے اور خواہ صدقہ کرنے والے ملتقط سے اس کا ضمان وصول کرلے۔ اس لئے کہ اس کا تصرف دوسرے کے مال میں اسکی اجازت کے بغیر ہوا۔ ضمان دینے کی صورت میں ملتقط کو اس صدقہ کا ثواب ملے گا اور وہ اسی کی طرف سے شمار ہوگا۔

وَيَجُوْزُ اِلْتِقَاطُ الشَّاةِ وَالْبَقَرِ وَالْبَعِيْرِ فَاِنْ اَنْفَقَ الْمُلْتَقِطُ عَلَيْهَا بِغَيْرِ اِذْنِ الْحَاكِمِ فَهُوَ

اور یہ درست ہے کہ بکری اور گائے اور اونٹ پکڑ لیں لہٰذا اگر ملتقط بلا اجازتِ حاکم اس پر خرچ کرے تو اسے تبرع کرنے والا

مُتَبَرِّعٌ وَاِنْ اَنْفَقَ بِاِذْنِهٖ كَانَ ذٰلِكَ دَيْنًا عَلٰى صَاحِبِهَا وَاِذَا رُفِعَ ذٰلِكَ اِلَى الْحَاكِمِ

قرار دیں گے اور باجازتِ حاکم خرچ کرنے پر وہ بذمۂ مالک دین شمار ہوگا اور اگر یہ مقدمہ حاکم کے سامنے پیش ہو تو وہ اسے

نَظَرَ فِيْهِ فَاِنْ كَانَ لِلْبَهِيْمَةِ مَنْفَعَةٌ اٰجَرَهَا وَاَنْفَقَ عَلَيْهَا مِنْ اُجْرَتِهَا وَاِنْ لَّمْ

دیکھے کہ اگر اس چوپایہ میں کچھ منفعت ہو تو اسے کرایہ پر دیکر اس کے اوپر کرایہ میں سے صرف کرے اور اگر اس سے منفعت نہ ہو

يَكُنْ لَّهَا مَنْفَعَةٌ وَخَافَ اَنْ تَسْتَغْرِقَ النَّفَقَةُ قِيْمَتَهَا بَاعَهَا الْحَاكِمُ وَاَمَرَ بِحِفْظِ ثَمَنِهَا

اور یہ اندیشہ ہو کہ اس پر خرچ سے اس کی قیمت بھی ڈوب جائے گی تو حاکم اسے فروخت کرکے اس کی قیمت بحفاظت رکھوا دے

وَاِنْ كَانَ الْاَصْلَحُ الْاِنْفَاقَ عَلَيْهَا اَذِنَ فِىْ ذٰلِكَ وَجَعَلَ النَّفَقَةَ دَيْنًا عَلٰى مَالِكِهَا فَاِذَا
اور اس پر زیادہ خرچ ہی ہو تو اس کی اجازت دیتے ہوئے اس کا خرچ بذمۂ مالک دین قرار دے پھر اس کے مالک کے آنے پر
حَضَرَ مَالِكُهَا فَلِلْمُلْتَقِطِ اَنْ يَّمْنَعَهَا مِنْهَا حَتّٰى يَاْخُذَ النَّفَقَةَ وَلُقَطَةُ الْحِلِّ وَالْحَرَمِ سَوَاءٌ
ملتقط کے خرچ کی وصولیابی تک اسے روکنا درست ہے ۔ اور حل اور حرم کے لقطہ کا حکم یکساں ہے۔
وَاِذَا حَضَرَ الرَّجُلُ فَادَّعٰى اَنَّ اللُّقَطَةَ لَهٗ لَمْ تُدْفَعْ اِلَيْهِ حَتّٰى يُقِيْمَ الْبَيِّنَةَ فَاِنْ
اور اگر کوئی شخص حاضر ہو کر مدعی ہو کہ یہ لقطہ اس کا ہے تو تاوقتیکہ وہ اس کے شاہد پیش نہ کردے لقطہ اسے نہ دیں گے۔
اَعْطٰى عَلَامَتَهَا حَلَّ لِلْمُلْتَقِطِ اَنْ يَّدْفَعَهَا اِلَيْهِ وَلَا يُجْبَرُ عَلٰى ذٰلِكَ فِى الْقَضَاءِ وَ
اور اگر اس نے اس کی نشانی بتادی تو جائز ہے کہ ملتقط اسے دیدے اور قضاءً اسے اس پر مجبور نہ کیا جائے گا ۔ اور لقطہ
لَا يَتَصَدَّقُ بِاللُّقَطَةِ عَلٰى غَنِيٍّ وَاِنْ كَانَ الْمُلْتَقِطُ غَنِيًّا لَمْ يَجُزْ اَنْ يَّنْتَفِعَ بِهَا وَ
کو مالدار پر صدقہ نہ کریں گے اور ملتقط کے مالدار ہونے پر اسے یہ جائز نہیں کہ وہ اس سے فائدہ اٹھائے اور
اِنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلَا بَاْسَ بِاَنْ يَّنْتَفِعَ بِهَا وَيَجُوْزُ اَنْ يَّتَصَدَّقَ بِهَا اِذَا كَانَ غَنِيًّا
مفلس ہو تو فائدہ اٹھانے میں حرج نہیں اور ملتقط کے خود مالدار ہونے پر اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے والد، اپنے
عَلٰى اَبِيْهِ وَابْنِهٖ وَاُمِّهٖ وَزَوْجَتِهٖ اِذَا كَانُوْا فُقَرَاءَ ۔
لڑکے، اور اپنی والدہ اور اپنی اہلیہ پر صدقہ کردے بشرطیکہ یہ مفلس ہوں۔

تشریح و توضیح — لقطہ کے کچھ اور احکام

وَيَجُوْزُ الْتِقَاطُ الشَّاةِ الخ۔ کسی کی بکری یا گائے یا اونٹ گمشدہ کسی شخص کو ملے تو اس کیلئے درست ہے کہ اسے پکڑ لے مگر یہ اس صورت میں ہے جبکہ ان کے ضائع ہونیکا پورا خطرہ ہو اور اگر اس طرح کا کوئی خطرہ نہ ہو تو یہ درست نہیں کہ بکری کے علاوہ ان میں سے کسی کو پکڑے۔ بکری کے بارے میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ بکری کو پکڑ لو وہ تمہاری یا تمہارے بھائی کی ہے یا بھیڑیئے کے لئے ہے۔

فَاِنْ اَنْفَقَ الْمُلْتَقِطُ الخ۔ فرماتے ہیں کہ لقطہ پر ملتقط کا خرچ کرنا تبرع کے زمرے میں ہوگا اور اسے یہ حق نہ ہوگا کہ مالک سے اس خرچ کا طلبگار ہو۔ البتہ بحکم قاضی خرچ کرنے پر وہ بذمۂ مالک دین شمار ہوگا۔

وَلُقَطَةُ الْحِلِّ وَالْحَرَمِ سَوَاءٌ الخ۔ یہاں صاحب کتاب اس کی وضاحت فرما رہے ہیں کہ لقطہ کا جہانتک تعلق ہے خواہ وہ حرم کا ہو یا حل کا بہر صورت میں اچھا یہ ہے کہ اٹھالیا جائے۔ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ حرم کے لقطہ کا تاوقتیکہ مالک نہ آجائے ملتقط تشہیر و اعلان کرے گا۔

وَلَا يُجْبَرُ عَلٰى ذٰلِكَ الخ۔ کوئی شخص اس کا مدعی ہو کہ لقطہ اس کا ہے اور وہ اس کی کوئی نشانی بیان کردے تو ملتقط

اگر چاہے تو اسے دیدے۔ احناف کے نزدیک اسے تضاءً اس پر مجبور نہ کریں گے۔ حضرت امام مالکؒ و حضرت امام شافعیؒ اسے مجبور کرنے کا حکم فرماتے ہیں۔

کتاب الخنثیٰ

خنثیٰ کا بیان

اِذَا کَانَ لِلْمَوْلُوْدِ فَرْجٌ وَذَکَرٌ فَہُوَ خُنْثیٰ فَاِنْ کَانَ یَبُوْلُ مِنَ الذَّکَرِ فَہُوَ غُلَامٌ وَاِنْ
مولود کے فرج و ذکر دونوں ہونے پر وہ خنثیٰ شمار ہوگا پھر اگر بذریعۂ ذکر پیشاب کرتا ہو تو لڑکا کہلائے گا اور فرج

کَانَ یَبُوْلُ مِنَ الْفَرْجِ فَہُوَ اُنْثیٰ وَاِنْ کَانَ یَبُوْلُ مِنْہُمَا وَالْبَوْلُ یَسْبِقُ مِنْ اَحَدِہِمَا نُسِبَ
سے پیشاب کرنے پر لڑکی کہلائے گی۔ اور دونوں سے پیشاب کرنے پر اول پیشاب جس راستہ سے نکلتا ہو اس کی نسبت اس

اِلَی الْاَسْبَقِ مِنْہُمَا وَاِنْ کَانَا فِی السَّبْقِ سَوَاءً فَلَا یُعْتَبَرُ بِالْکَثْرَۃِ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ رَحِمَہُ اللّٰہُ
کی طرف کیجائے گی اور دونوں سے یکساں آنے پر کسی سے پیشاب زیادہ آنا معتبر نہ ہوگا امام ابوحنیفہؒ یہی فرماتے ہیں۔

وَقَالَا رَحِمَہُمَا اللّٰہُ یُنْسَبُ اِلٰی اَکْثَرِہِمَا بَوْلًا وَاِذَا بَلَغَ الْخُنْثیٰ وَخَرَجَتْ لَہٗ لِحْیَۃٌ اَوْ وَصَلَ
اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک جس راستہ سے پیشاب زیادہ آیا کرتا ہو اسی کیطرف انتساب ہوگا اور خنثیٰ دائرۂ بلوغ میں

اِلَی النِّسَاءِ فَہُوَ رَجُلٌ وَاِنْ ظَہَرَ لَہٗ ثَدْیٌ کَثَدْیِ الْمَرْأَۃِ اَوْ نَزَلَ لَہٗ لَبَنٌ فِیْ ثَدْیَیْہِ
داخل ہو جائے اور اس کے ڈاڑھی نکلے یا عورتوں سے ہمبستر ہو تو اسے مرد قرار دیا جائیگا اور اس کا سینہ عورت کے سینہ کی مانند ہونے یا چھاتیوں

اَوْ حَاضَ اَوْ حَبِلَ اَوْ اَمْکَنَ الْوُصُوْلُ اِلَیْہِ مِنْ جِہَۃِ الْفَرْجِ فَہُوَ امْرَأَۃٌ فَاِنْ لَمْ یَظْہَرْ
میں دودھ اتر آنے یا حیض آنے یا حاملہ ہونے یا فرج کی جانب سے ہمبستری ہو سکنے کی صورت میں وہ عورت قرار دیا جائے گا اور ان علامات

لَہٗ اِحْدٰی ہٰذِہِ الْعَلَامَاتِ فَہُوَ خُنْثیٰ مُشْکِلٌ۔
میں سے کوئی علامت ظاہر نہ ہونے پر وہ خنثیٰ مشکل شمار ہوگا۔

لغات کی وضاحت:۔ مولود: چھوٹا بچہ۔ جمع موالید۔ سَبَق: آگے بڑھ جانا۔ سبقت کرنا۔ سَوَاءٌ: برابر۔ ثدی: پستان۔ الوصول: پہنچنا۔ بہت میل ملاپ رکھنے والا۔ بہت دینے والا۔

تشریح و توضیح

فہو خنثیٰ الخ۔ اصطلاح میں خنثیٰ وہ کہلاتا ہے جس کے فرج بھی ہو اور ذکر بھی۔ اب اس کے مذکر یا مؤنث قرار دیئے جانے میں تفصیل یہ ہے کہ اس کے ذکر سے پیشاب کرنے کی صورت میں اسے مذکر شمار کریں گے اور وہ دوسری جگہ محض شگاف سمجھی جائے گی اور اس کے فرج سے پیشاب کرنے کی شکل میں اسے مؤنث تسلیم کیا جائے گا اور ذکر کو محض مسّہ قرار دیا جائے گا۔ بیہقی وغیرہ میں

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خنثیٰ کے بارے میں پوچھا گیا کہ وہ کیسا وارث ہوگا۔ (یعنی مذکر وارث یا مؤنث) ارشاد ہوا۔ جس طرح سے وہ پیشاب کرے۔ یعنی فرج سے پیشاب کرے تو مؤنث اور ذکر سے کرے تو مذکر۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بھی اسی طرح کی روایت ہے۔ اور اگر ایسی شکل ہو کہ وہ پیشاب دونوں مقامات سے کرے تو یہ دیکھا جائے کہ اول کس راستہ سے کرتا ہے۔ جس راہ سے اول کرتا ہو اسی کا اعتبار کرتے ہوئے اس کے مذکر اور مؤنث ہونیکا حکم لگایا جائے گا۔ اور اگر ایسا ہو کہ بیک وقت دونوں ہی سے پیشاب نکلے تو اس کا معاملہ پھر دشوار ہے اور ایک جانب فیصلہ مشکل ہے۔

حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک جس مقام سے زیادہ پیشاب کرتا ہو وہی معتبر ہوگا اور وہی اس کا اصل عضو قرار دیا جائیگا۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک پیشاب کی زیادتی اس راستہ کے کشادہ ہونے کی علامت ہے۔ اس کے اصل عضو ہونے کی نہیں۔ اس واسطے صرف اس کو معیار قرار دیکر ایک جانب قطعی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا اور محض اس بنیاد پر اسے مذکر یا مؤنث نہیں ٹھیرایا جاسکتا۔

وَاِذَا بلغ الخنثیٰ الخ۔ خنثیٰ بالغ ہوگیا اور ڈاڑھی نکل آئی یا وہ عورت سے ہمبستر ہوجائے تو اسے مرد قرار دیں گے۔ اور اگر عورتوں کیطرح اس کے پستان ابھر آئیں یا پستانوں میں دودھ آجائے یا ماہواری ہونے لگے یا استقرارِ حمل ہوجائے یا یہ کہ اس سے فرج میں ہمبستری ہوسکے تو اسے عورت قرار دیں گے اور ان علامات میں سے کسی علامت کے ظاہر نہ ہونے پر اسے خنثیٰ مشکل قرار دیا جائے گا۔

وَاِذَا وَقَفَ خلفَ الامامِ قامَ بینَ صَفِّ الرجالِ وَالنساءِ وَتُبتاعُ لَہٗ اَمَۃٌ من مالہٖ

اور یہ امام کے پیچھے برائے نماز کھڑا ہو تو مردوں اور عورتوں کی صفوں کے بیچ کھڑا ہو اور اسی کے پیسہ سے ایک باندی خریدے

تختنُہٗ اِنْ کانَ لَہٗ مالٌ فانْ لَمْ یکُنْ لَہٗ مالٌ اِبتاعَ لہُ الامامُ مِنْ بیتِ المالِ اَمَۃً

جو اسکے ختنہ کا کام انجام دے بشرطیکہ وہ صاحب مال ہو اور اس کے صاحبِ مال نہ ہونے پر خلیفۃ المسلمین بیت المال سے اس کے واسطے

فاذا ختنَتْہُ باعَھا وَرَدَّ ثمنَھا الی بیتِ المالِ وَاِنْ ماتَ اَبوہُ وَخلفَ ابنًا وخنثیٰ فالمالُ

باندی کی خریداری کرے اور باندی اسکی ختنہ سے فارغ ہو جائے تو اسے فروخت کرکے اسکی قیمت داخل بیت المال کرے۔ اور اگر اس کے والد کا انتقال

بَیْنَھُمَا عندَ اَبی حَنیفۃَ رحمہُ اللہُ علی ثلٰثۃِ اَسھُمٍ لِلابنِ سَھْمَانِ وَللخنثیٰ سَھْمٌ

ہوجائے اور وہ اپنے بعد ایک بیٹا اور خنثیٰ چھوڑے تو امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ مال ان دونوں کے بیچ تین سہام پر بانٹا جائیگا دو سہام بیٹے کے ہونگے

وَھو انثیٰ عندَ ابی حنیفۃَ رحمہُ اللہُ فی المیراثِ اِلاّ اَنْ یثبتَ غیرُ ذٰلکَ وَقالَا

اور ایک سہم (حصہ) خنثیٰ کا ہوگا۔ میراث کے سلسلہ میں امام ابو حنیفہؒ اسے عورت قرار دیتے ہیں الا یہ کہ اس کے علاوہ کسی اور بات کا ثبوت ہو اور

رَحِمَھُمَا اللہُ للخنثیٰ نِصفُ میراثِ الذکرِ وَنصفُ میراثِ الانثیٰ وَھو قولُ الشعبی

امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ خنثیٰ کے واسطے آدھا تر کہ مذکر کا اور آدھا مؤنث کا ہے۔ حضرت شعبیؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔

وَاختلفا فِی قیاسِ قولِہ فقال ابویوسف رحمہ اللہ المال بینھما علی سبعۃ اسھم
امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ نے حضرت شعبیؒ کے قول کے قیاس میں اختلاف کیا ہے امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ مال ان دونوں کے درمیان سات سہام پر
للابن اربعۃ وللخنثی ثلثۃ وقال محمد رحمہ اللہ المال بینھما علی اثنی
بانٹا جائیگا چار سہام لڑکے کیواسطے اور خنثیٰ کے واسطے تین سہام ہوں گے اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ان کے بیچ مال کے بارہ سہام ہوں
عشر سھما للابن سبعۃ وللخنثی خمسۃ۔
گے سات تو لڑکے کیواسطے اور پانچ خنثیٰ کے واسطے ۔

خنثیٰ سے متعلق کچھ اور احکام

تشریح و توضیح

واذا وقف خلف الامام الخ. یہاں یہ مسئلہ بیان فرماتے ہیں کہ اگر کوئی خنثیٰ مشکل امام کی اقتدار میں نماز پڑھے تو اس کے کھڑے ہونیکی صورت یہ ہوگی کہ وہ مردوں کی صف اور عورتوں کی صف کے بیچ میں کھڑا ہوگا۔ اس کا سبب خنثیٰ کے بارے میں انتہائی احتیاط کا پہلو ہے اس واسطے کہ اس کے مردوں کی صف میں کھڑے ہونے پر اگر وہ فی الواقع عورت ہو تو نماز میں مردوں کی فساد لازم آئیگا اور مرد ہونیکی شکل میں عورتوں کی نماز میں فساد لازم آئے گا۔

وتبتاع لہ امۃ الخ. خنثیٰ کی ختنہ کے سلسلہ میں یہ حکم ہے کہ اگر وہ مالدار ہو تو باندی اس کے مال سے خریدی جائے اور وہ ختنہ کرے اس واسطے کہ مملوکہ کیواسطے یہ درست ہے کہ اپنے آقا کے ستر کو دیکھے۔ خنثیٰ کے باعتبار اصل مرد ہونے پر تو سرے سے اشکال ہی نہ ہوگا۔ اس واسطے کہ باندی تو اس کی مملوکہ ہوگی اور عورت ہونیکی صورت میں بھی اشکال پیدا نہ ہوگا اس لئے کہ بہت مجبوری کی صورت میں ضرورۃً ایک عورت کا دوسری عورت کے ستر کو دیکھنا درست ہے۔

وان مات ابوہ وخلف الخ. اگر صورت واقعہ اس طرح ہو کہ کوئی شخص ایک لڑکا اور ایک خنثیٰ مرتے ہوئے اپنے وارث چھوڑ جائے تو خنثیٰ کو لڑکے کے مقابلہ میں آدھا ملے گا یعنی ترکہ کے تین سہام ہو کر دو سہام لڑکے کو ملیں گے اور ایک سہم (حصہ) خنثیٰ کو ملے گا۔ اور امام ابویوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک نصف حصہ مذکر کا اور نصف مؤنث کا اسے ملے گا۔ حضرت شعبیؒ بھی یہی کہتے ہیں۔

واختلف فی قیاس قولہ الخ. حضرت عامر بن شراحیل المعروف بالشعبی حضرت امام ابوحنیفہؒ کے اساتذہ میں سے ہیں اور اس سلسلہ میں ان کا جو قول ذکر کیا گیا ہے اس کے اندر ابہام ہے اس واسطے حضرت شعبیؒ کے قول کی تشریح و تخریج کے اندر امام ابویوسفؒ و امام محمدؒ کے درمیان اختلاف واقع ہو گیا۔ مقصود یہ ہرگز نہیں کہ ان دونوں کی ذکر کردہ تشریح و توضیح کو ان کا قول قرار دیا گیا اس لئے کہ صاحب سراجیہ اس کی وضاحت

فرماتے ہیں کہ اس سلسلہ میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے ذکرکردہ قول کے مطابق حضرت امام ابویوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کا قول بھی ہے اور اسی کو مفتیٰ بہ قرار دیا ہے۔ صاحبینؒ کے حضرت شعبیؒ کے قول پر فتویٰ نہ دینے کے متعلق شمس الائمہ کا یہ قول کنز کی شرح عینی میں نقل کیا گیا ہے کہ حضرت امام ابویوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ نے حضرت شعبیؒ کے قول کی تخریج کی مگر اس پر فتویٰ نہ دیا۔

فقال ابویوسف رحمہ اللہ المال الخ۔ حضرت امام ابویوسفؒ نے دراصل حضرت شعبیؒ کے قول پر قیاس اور اس کی تخریج کرتے ہوئے لڑکے اور خنثیٰ کا ہر وہ حصہ معتبر قرار دیا ہے جو اس کے تنہا ہونیکی حالت میں ہے۔ لہٰذا وارث صرف لڑکا ہونیکی صورت میں سارے مال کا مستحق وہ ہوتا ہے اور محض خنثیٰ ہونیکی شکل میں اگر وہ مذکر شمار ہوتا ہو تو اس کے واسطے سارا مال ہے اور انثیٰ قرار دیئے جانے پر آدھا مال ہے۔ لہٰذا خنثیٰ دونوں حصہ آدھے آدھے کا مستحق ہوگا یعنی سارے مال کے چار ربع اور تین ربع خنثیٰ کے ملاکر مجموعی طور پر تعداد سات سہام ہوگئی۔ ان میں سے چار سہام کا مستحق لڑکا ہوگا اور تین کا مستحق خنثیٰ۔

وقال محمد بینھما الخ۔ حضرت امام محمدؒ نے حضرت شعبیؒ کے قول پر قیاس اور اس کی تخریج کرتے ہوئے لڑکے اور خنثیٰ کا وہ حصہ معتبر قرار دیا ہے جو دونوں کے اکٹھے ہونیکی صورت میں انھیں ملاکرتا ہے جس کی وضاحت اس طریقہ سے ہے کہ لڑکے کے ساتھ اگر یہ خنثیٰ مذکر قرار دیا گیا تو سارا مال ان دونوں کے درمیان آدھا آدھا ہوگا اور خنثیٰ مؤنث قرار دیئے جانے پر لڑکے سے اسے نصف ملے گا یعنی کل تین سہام ہوکر دو سہام لڑکے کو ملیں گے اور ایک خنثیٰ کو ملے گا مگر دو اور تین کے عدد میں توافق نہیں لہٰذا اول ایک عدد کو دوسرے میں ضرب دینے پر کل عدد چھ ہوگا۔ اس میں خنثیٰ کو مؤنث قرار دیئے جانے کی صورت میں وہ دو سہام کا مستحق ہوتا ہے اور مذکر قرار دیئے جانے پر تین کا۔ تو وہ دونوں میں سے آدھے آدھے کا حقدار ہوگا۔ ان میں دو کا آدھا تو ایک کسی کسر کے بغیر درست ہے مگر تین کا جہاں تک تعلق ہے وہ درست نہیں اور اس میں کسر آتی ہے۔ پس چھ کے عدد کو دو میں ضرب دیں گے اور دو میں ضرب دینے پر کل عدد بارہ ہوں گے۔ ان میں اگر خنثیٰ کو مذکر تسلیم کیا جائے تو وہ چھ کا مستحق ہوتا ہے اور مؤنث تسلیم کرنے پر چار کا۔ لہٰذا وہ ان دونوں عدد یعنی چھ اور چار کے آدھے کا مستحق ہوگا۔ اور اسے مجموعی طور پر بارہ سہام میں سے پانچ سہام ملیں گے۔ رہا لڑکا تو وہ بارہ میں سے سات سہام کا حقدار ہوگا۔

كِتَابُ الْمَفْقُوْدِ

غائب شدہ کا ذکر

إِذَا غَابَ الرَّجُلُ فَلَمْ يُعْرَفْ لَهُ مَوْضِعٌ وَلَا يُعْلَمُ أَحَيٌّ هُوَ أَمْ مَيِّتٌ نَصَبَ الْقَاضِي

گم شدہ شخص کے ٹھکانے کا جب پتہ نہ چلے اور نہ یہ پتہ چلے کہ وہ بقید حیات ہے یا انتقال ہوگیا تو قاضی کسی شخص کو اس کے مال کی حفاظت

مَنْ يَحْفَظُ مَالَهُ وَيَقُوْمُ عَلَيْهِ وَيَسْتَوْفِيْ حُقُوْقَهُ وَيُنْفِقُ عَلَى زَوْجَتِهٖ وَأَوْلَادِهِ الصِّغَارِ مِنْ

اور انتظام کی خاطر مقرر کرے اور اس کے حقوق کی وصولیابی کرے اور اسی کے مال کو اس کی بیوی اور نابالغ بچوں پر صرف کرے۔

مَالَہٗ وَلَا یفرق بینہ وبین امرأتہ فاذا تمّ لہ مائۃ وعشرون سنۃً من یوم وُلِدَ
اور اس کے اور اس کی زوجہ کے درمیان علیحدگی نہ کرائے پھر اس کے پیدا ہونے کے دن سے ایک سو بیس سال گذرنے پر اس کے
حکمنا بموتہٖ واعتدّت امرأتہٗ وقسّم مالہٗ بین ورثتہ الموجودین فی ذٰلک الوقت
مرنے کا حکم لگادیں گے اور اس کی بیوی عدت گذاریگی اور اس وقت موجود ورثاء پر اس کے ترکہ کی تقسیم ہوگی۔ اور
ومن مات منہم قبل ذٰلک لم یرث منہ شیئًا ولا یرث المفقود من احد مات فی حال فقدہٖ
ان میں سے جس شخص کا اس سے قبل انتقال ہوگیا تو اسے اسکے ترکہ میں سے کچھ نہ ملے گا اور مفقود کے گمشدہ ہونیکے زمانہ میں اسکے جس وارث کا انتقال ہو مفقود کو اسکا ترکہ نہ ملیگا

لغات کی وضاحت۔ غائب: غیر موجود۔ موضع: مقام، جگہ۔ حیّ: زندہ۔ میت: انتقال شدہ۔ یقوم علیہ: مال کا منتظم۔ انتظام رکھنے والا۔ الصغار: نابالغ۔ مائۃ: سو۔ عشرون: بیس۔ المفقود: گم شدہ۔ فقد: مزید گم کرنا۔ کھونا۔

تشریح و توضیح: اذا غاب الرجل الخ۔ شرعی اعتبار سے مفقود وگمشدہ وہ شخص کہلاتا ہے جس کے ملنے کی کسی جگہ کا علم نہ ہو اور کوشش کے باوجود اس کا پتہ نہ چل سکے کہ وہ بقید حیات ہے یا موت سے ہمکنار ہوچکا۔ لہٰذا ایسا شخص جس کی موت وحیات کا علم نہ ہو اس کیلئے یہ حکم ہے کہ جہانتک اس کی ذات کا تعلق ہے وہ اس کے حق میں تو بقید حیات شمار ہوتا ہے مثلاً اس کے بقید حیات ہونیکا اثر یہ ہوتا ہے کہ نہ اس کی زوجہ دوسرا نکاح کرسکتی ہے اور اسی طرح اس کے مال کی ورثاء پر تقسیم بھی نہیں ہوتی کہ ترکہ مرنے کے بعد تقسیم ہوا کرتا ہے اور یہاں اس کی ذات کے حق میں اسے وفات یافتہ تسلیم نہیں کیا گیا۔ اور جہانتک دوسرے لوگوں کے حقوق کا معاملہ ان کے سلسلہ میں وہ وفات یافتہ قرار دیا جاتا ہے مثلاً اگر اس کے ایسے عزیزوں میں سے کسی کا انتقال ہوا جس کے ترکہ سے اسے کچھ ملتا تو مفقود ہونے کے باعث اسے کچھ نہ ملے گا۔ اور اسی طریقہ سے اگر کسی شخص نے اس کے حق میں وصیت کی اور پھر وہ وصیت کرنیوالا وفات پاگیا تو مفقود کو اس وصیت کردہ مال کا استحقاق نہ ہوگا بلکہ یہ وصیت کردہ مال اس وقت تک محفوظ رکھا جائے گا جب تک کہ اس کے ہمعصر اور ہمعمر لوگ وفات نہ پاجائیں۔ خلاصہ یہ کہ دوسروں کے حقوق کے بارے میں اسے مردہ تصور کیا جائے گا اور اسی کے مطابق حکم ہوگا۔

تنبیہ: حالاتِ زمانہ کے اعتبار سے اور شدید ابتلاء وفتنہ کے اندیشہ کے باعث اور لوگوں کی سہولت کے پیشِ نظر علماءِ احناف نے حضرت امام مالکؒ کے قول پر اس سلسلہ میں فتویٰ دیا ہے اور اسی پر عمل ہے۔

ولا یفرق بینہ وبین امرأتہ الخ۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ قاضی کو چاہئے کہ مفقود اور اس کی زوجہ میں علیحدگی نہ کرے اور ان کا نکاح بدستور باقی رکھے۔ حضرت امام مالکؒ کے نزدیک اگر کسی شخص کی گمشدگی کو چار سال کی زیادہ مدت گذر جائے تو قاضی کو چاہئے کہ مزید انتظار کئے بغیر مفقود اور اس کی زوجہ کے بیچ علیحدگی کردے۔ اب عورت کو اختیار ہوگا کہ وفات کی عدت گذرنے کے بعد جس سے مرضی ہو نکاح کرے۔ ایک قول کے مطابق حضرت

امام شافعیؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔ اور ایک روایت کے مطابق حضرت امام احمدؒ کا قول بھی یہی ہے۔ اسلئے کہ امیرالمؤمنین حضرت عمرؓ نے اس شخص کے بارے میں اسی طرح کا حکم فرمایا تھا جسے بوقت شب جنوں نے اٹھالیا تھا۔

احنافؒ دارقطنی میں حضرت مغیرہؓ سے مروی اس روایت سے استدلال فرماتے ہیں کہ مفقود کی زوجہ اسی کی رہیگی تاآنکہ اس کے مرجانے یا طلاق دینے کی اطلاع ملے۔ علاوہ ازیں امیرالمؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ اس عورت کو ابتلاء پیش آیا۔ لہٰذا اسے صبر سے کام لینا چاہئے تاآنکہ خاوند کے مرنے یا طلاق کا علم ہو۔ حضرت شعبیؒ، حضرت نخعیؒ، حضرت ابو قلابہؒ اور حضرت جابر بن زیدؒ کا قول بھی ابن ابی شیبہ نے اسی طرح کا نقل کیا ہے۔ رہا حضرت عمرؓ کے قول سے حضرت امام مالکؒ کا استدلال فرمانا تو وہ درست نہیں اس لئے کہ یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس بارے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے قول کی جانب رجوع فرمالیا تھا۔

فاذا تم له مأة وعشرون سنة الخ۔ فرماتے ہیں کہ مفقود کی پیدائش کے حساب سے جب ایک سو بیس سال کی مدت گذر جائے تو قاضی کو اس کے وفات پاجانیکا فیصلہ کرنا چاہئے اور اس کی زوجہ موت کی عدت پوری کرے۔ حضرت حسنؒ نے حضرت امام ابوحنیفہؒ سے اسی طرح روایت کی ہے اور ظاہر الروایت کے اعتبار سے مرنے کا حکم اسوقت کیا جائے گا جبکہ اس کے سارے ہم عصر اور ہم عمر لوگ مرجائیں۔ اس لئے کہ اکثر و بیشتر آدمی اپنے ہمعصر و ہمعمر لوگوں کے مقابلہ میں کم بقید حیات رہتا ہے۔ حضرت امام ابویوسفؒ اس کا عرصہ سو برس بیان فرماتے ہیں۔ بعض فقہاء کے نزدیک نوّے برس سے زیادہ بقیدِ حیات نہیں رہتا۔ مفتیٰ بہ قول نوّے برس کا ہے۔

علامہ قہستانیؒ فرماتے ہیں کہ اگر احتیاج کی صورت میں کوئی شخص حضرت امام مالکؒ کے قول کیمطابق فتویٰ دے تو اس میں بھی حرج نہیں۔

تنبیہ:۔ حضرت تھانویؒ نے حالاتِ زمانہ اور ضرورت کے پیشِ نظر اپنی معروف کتاب "الحیلۃ الناجزہ" میں حضرت امام مالکؒ کے قول کو اختیار فرماتے ہوئے اس کی گنجائش دی ہے۔

کتابُ الاباقِ

غلام کے بھاگ جانیکا بیان:

اِذَا اَبَقَ الْمَمْلُوْكُ فَرَدَّهٗ رَجُلٌ عَلٰی مَوْلَاهُ مِنْ مَسِيْرَةِ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فَصَاعِدًا فَلَهٗ عَلَيْهِ

اگر غلام مفرور ہوجائے اور پھر اسے کوئی شخص تین روز یا تین روز سے زیادہ مسافت طے کرکے اس کے آقا کے پاس اس کو لایا

جُعْلُهٗ وَهُوَ اَرْبَعُوْنَ دِرْهَمًا وَاِنْ رَدَّهٗ لِاَقَلَّ مِنْ ذٰلِكَ فَبِحِسَابِهٖ وَاِنْ كَانَتْ قِيْمَتُهٗ

ہو تو اس کے لئے چالیس دراہم بطور اجرت ہوں گے اور مسافت اس سے کم طے کرنے پر اجرت اسی اعتبار سے ہوگی اور قیمتِ غلام چالیس

أَقَلَّ مِنْ أَرْبَعِيْنَ دِرْهَمًا قُضِيَ لَهُ بِقِيمَتِهِ إِلَّا دِرْهَمًا وَإِنْ أَبَقَ مِنَ الَّذِي رَدَّهُ

دراہم سے کم ہونے پر اس کی قیمت کے بارے میں فیصلہ ایک درہم ان میں سے کم کرتے ہوئے کیا جائیگا اور اگر لوٹا کر لانیوالے کے پاس

فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ وَلَا جُعْلَ لَهُ وَيَنْبَغِي أَنْ يُشْهِدَ إِذَا أَخَذَهُ أَنَّهُ يَأْخُذُهُ لِيَرُدَّهُ عَلَى صَاحِبِهِ

سے بھی غلام فرار ہو جائے تو اس پر کسی چیز کا وجوب نہ ہوگا اور نہ لوٹا کر لانیوالے کیلئے اجرت ہوگی۔ لوٹا کر لانیوالے کو چاہئے کہ پکڑتے ہوئے اس کے

فَإِنْ كَانَ الْعَبْدُ الْآبِقُ رَهْنًا فَالْجُعْلُ عَلَى الْمُرْتَهِنِ۔

شاہد بنالے کہ میرا اسے پکڑنا اس کے آقا تک پہنچانیکی خاطر ہے اگر بھاگنے والا غلام رہن ہو تو مرتہن پر اسکی اجرت واجب ہوگی۔

لغات کی وضاحت: ۔ اٰبق: بھاگا ہوا۔ مَوْلیٰ: غلام کا مالک۔ مسیرۃ: مسافت۔ اربعین: چالیس
الآبق: بھاگنے والا۔ فرار ہونیوالا۔ المرتھن: کوئی چیز اپنے پاس رہن رکھنے والا۔

تشریح و توضیح کتاب الاباق۔ سرکشی اختیار کرتے ہوئے غلام اور باندی کے فرار ہونیکا نام اباق ہے۔
اس ذکر کردہ تعریف کے زمرے میں ایسا غلام بھی آجاتا ہے جو آقا سے اجرت پر لینے والے یا عاریۃً اور بطور امانت لینے والے یا اس کے وصی کے پاس سے فرار ہو گیا ہو۔ اگر مفرور غلام کو پکڑنیوالا اس کے تحفظ پر قدرت رکھتا ہو اور آقا تک پہنچانا اس کے لئے ممکن ہو تو اس کے لئے پکڑنا باعث استحباب ہے ورنہ استحباب کے زمرہ میں داخل نہیں۔

اذا ابق المملوک الخ۔ اگر کوئی شخص فرار شدہ غلام تین دن یا تین دن سے زیادہ کی مسافت سے پکڑ کر لایا ہو تو اس صورت میں اس کی اجرت چالیس دراہم قرار دیجائے گی اور اس سے کم مسافت سے پکڑ کر لانے پر اجرت اور اس کی محنت کا معاوضہ مسافت کے اعتبار سے ہوگا۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک تاوقتیکہ آقا نے اجرت کی شرط لگائی ہو لانیوالا اس کا مستحق نہ ہوگا۔ قیاس کا تقاضہ یہی معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ پکڑنیوالا متبرع شمار ہوگا۔
احنافؒ کے نزدیک نفس اجرت پر تو اجماع صحابہؓ ہے محض اس کی مقدار کے بارے میں مختلف رائیں ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ چالیس دراہم اور حضرت عمرؓ و حضرت علیؓ بارہ دراہم یا ایک دینار قرار دیتے ہیں۔ ابن ابی شیبہ میں حضرت عمرؓ سے چالیس دراہم بھی منقول ہیں۔ لہٰذا احناف رحمہم اللہ نے شرعی مسافتِ سفر سے پکڑ کر لانیکی صورت میں چالیس دراہم لازم کئے اور مسافتِ شرعی سے کم کے اندر چالیس سے کم۔

وان ابق من الذی ردہ الخ۔ اگر ایسے شخص کے پاس سے غلام فرار ہو جائے جو اسے اس کے مالک تک پہنچانا چاہتا تھا تو اس پر ضمان لازم نہ ہوگا۔ اس لئے کہ غلام کی حیثیت اس کے پاس امانت کی تھی اور امانت اگر تعدی و ظلم کے بغیر تلف ہو جائے تو اس پر ضمان لازم نہیں ہوتا۔ البتہ اگر اس نے اسے کسی ذاتی کام پر مقرر کیا اور وہ بھاگ گیا تو ضمان لازم ہونیکا حکم ہوگا۔

فان کان عبد الآبق رھنا الخ۔ اگر رہن رکھا ہوا غلام مرتہن ہی کے پاس سے فرار ہو گیا تو اس کے لوٹانے کے سلسلہ میں اجرت کے وجوب مرتہن پر ہوگا۔ مگر شرط یہ ہے کہ قیمتِ غلام دَین کے مساوی ہو یا دین سے کم۔

زیادہ ہونیکی صورت میں مرتہن پر دین کی مقدار کے اعتبار سے اجرت کا وجوب ہوگا اور باقیماندہ کا ذمہ دار راہن قرار دیا جائیگا

کتاب احیاء الموات

مردہ زمین کو قابل کاشت کرنیکا ذکر

اَلْمَوَاتُ مَالَا یُنْتَفَعُ بِہٖ مِنَ الْاَرْضِ لِانْقِطَاعِ الْمَاءِ عَنْہُ اَوْ لِغَلَبَۃِ الْمَاءِ عَلَیْہِ اَوْ مَا اَشْبَہَ
موات ایسی زمین کہلاتی ہے جو پانی کے انقطاع یا پانی کی زیادتی یا اس طرح کے کسی دوسرے سبب سے ناقابل انتفاع ہو اور ناقابل

ذٰلِکَ مِمَّا یَمْنَعُ الزِّرَاعَۃَ فَمَا کَانَ مِنْہَا عَادِیًّا لَا مَالِکَ لَہٗ اَوْ کَانَ مَمْلُوْکًا فِی الْاِسْلَامِ وَلَا
کاشت ہو لہٰذا زمین کے عادی ہونے پر کہ وہ کسی کی ملکیت نہ ہو یا اسلام میں قبضہ کردہ ہو اور اس کے کسی خاص

یُعْرَفُ لَہٗ مَالِکٌ بِعَیْنِہٖ وَھُوَ بَعِیْدٌ مِنَ الْقَرْیَۃِ بِحَیْثُ اِذَا وَقَفَ اِنْسَانٌ فِیْ اَقْصَی
مالک کا علم نہ ہو اور وہ آبادی سے اتنی مسافت پر ہو کہ اگر کوئی شخص آبادی کے آخری سرے پر کھڑے ہو کر چلائے

الْعَامِرِ فَصَاحَ لَمْ یُسْمَعِ الصَّوْتُ فِیْہِ فَھُوَ مَوَاتٌ مَنْ اَحْیَاہُ بِاِذْنِ الْاِمَامِ مَلَکَہٗ وَاِنْ اَحْیَاہُ
تو اس کی آواز اس بستی میں نہ سنی جائے تو وہ زمین موات کہلائیگی۔ جو شخص با جازت حاکم اسے قابل انتفاع بنالے وہی اس

بِغَیْرِ اِذْنِہٖ لَمْ یَمْلِکْہُ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ رَحِمَہُ اللّٰہُ وَقَالَا رَحِمَہُمَا اللّٰہُ یَمْلِکُہٗ وَیَمْلِکُہُ الذِّمِّیُّ
کا مالک قرار دیا جائیگا اور قابل انتفاع بنانے پر امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وہ مالک شمار نہ ہوگا اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک

بِالْاِحْیَاءِ کَمَا یَمْلِکُہُ الْمُسْلِمُ وَمَنْ حَجَّرَ اَرْضًا وَلَمْ یَعْمُرْھَا ثَلٰثَ سِنِیْنَ اَخَذَھَا الْاِمَامُ مِنْہُ
مالک قرار دیا جائے گا اور قابل انتفاع بنانے پر مسلمان کی طرح ذمی کو بھی ملکیت حاصل ہو جائیگی اور جو شخص کسی زمین میں کسی پتھر کی علامت

وَدَفَعَھَا اِلٰی غَیْرِہٖ وَلَا یَجُوْزُ اِحْیَاءُ مَا قَرُبَ مِنَ الْعَامِرِ وَیُتْرَکُ مَرْعًی لِاَھْلِ الْقَرْیَۃِ وَ
لگا کر اسے تین برس تک اسی طرح رہنے دے تو امام المسلمین اسے اس سے لیلے اور دوسرے کے حوالہ کر دے اور بستی کے آس پاس کی زمین کو اس طرح

مَطْرَحًا لِحَصَائِدِھِمْ۔
قابل انتفاع بنانا درست نہیں اور اس طرح کی زمین اہل بستی کے جانوروں کی چراگاہ بنا دی جائیگی اور کٹی ہوئی کھیتی ڈالنے کی خاطر رہنے دیجائیگی۔

لغات کی وضاحت:۔ احیاء: تر و تازہ کرنا۔ قابل کاشت اور قابل انتفاع بنانا۔ القریۃ: بستی۔ مرعٰی: سبزہ زار جگہ۔ حصد: کھیت کا ایسا حصہ جسے کاٹا گیا ہو۔ الحصیدۃ: کھیتی کا وہ نچلا حصہ جو درانتی سے کٹنے کے بعد رہ جائے جمع حصائد۔

تشریح و توضیح | احیاء الموات الخ مقصود دراصل احیاء سے زمین کو ایسی کارآمد اور باصلاحیت بنانا ہے کہ اس میں کاشت کی جا سکے اور بذریعہ کاشت اس سے فائدہ اٹھایا جا سکے اور اس کے مقابلہ میں موات ایسی زمین کہلاتی ہے جو نا قابل انتفاع ہو۔ نیز جس کے کسی مالک کا پتہ نہ ہو اور بظاہر کوئی مالک نہ ہو

اصطلاحی اعتبار سے یہ اس طرح کی زمین کہلاتی ہے جو آبادی سے بہت زیادہ فاصلہ پر ہو اور پانی کے انقطاع یا پانی کی زیادتی کے باعث اس میں کاشت نہ کی جا سکے۔ حضرت امام محمدؒ کے نزدیک زمین کے موات ہونیکے واسطے یہ شرط ہے کہ بستی والے اس سے انتفاع نہ کرتے ہوں۔ اس سے قطع نظر کہ وہ بستی سے زیادہ مسافت پر ہو یا پاس ہو۔ امام مالک، امام شافعی رحمہما اللہ بھی یہی فرماتے ہیں اور ظاہر الروایت بھی اسی طرح کی ہے۔ صاحب فتاویٰ کبریٰ وغیرہ اسی قول کو مفتیٰ بہ قرار دیتے ہیں۔

وَمَنْ احیاہ باذن الامام ملکہ الخ۔ ایسا شخص جس نے باجازتِ حاکم ناقابلِ انتفاع زمین کو قابلِ کاشت بنا لیا تو امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اسی کو اس کا مالک قرار دیا جائیگا۔ امام ابویوسفؒ و امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ بلا اجازتِ حاکم بھی اگر وہ قابلِ انتفاع بنالے تو وہ مالک شمار ہوگا۔ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ بھی یہی فرماتے ہیں ان کا استدلال بخاری، ترمذی، ابوداؤد وغیرہ کی اس روایت سے ہے کہ جو زمین کو زندہ کرے وہ اسی کی ہے۔

وَمَنْ حجرا رضا الخ۔ کوئی شخص ناقابلِ انتفاع زمین محض پتھر بطور علامت لگا کر اسے اسی طرح تین سال تک رکھے اور وہ اس میں کچھ نہ بوئے تو محض پتھر لگانے سے وہ مالک شمار نہ ہوگا۔ حاکم ایسے شخص سے یہ زمین لیکر دوسرے کے حوالہ کردے گا تاکہ وہ اسے کاشت کے لائق بنائے۔

وَمَنْ حَفَرَ بِئْرًا فِی بَرِّیَّۃٍ فَلَہٗ حَرِیْمُھَا فَاِنْ کَانَتْ لِلْعَطَنِ فَحَرِیْمُھَا اَرْبَعُوْنَ ذِرَاعًا وَ
اور جس شخص نے جنگل میں کنواں کھودا تو اس کا اردگرد اس کے لئے ہوگا۔ لہٰذا وہ کنواں پانی پلانیکی خاطر ہو تو اس کا اردگرد چالیس ہاتھ ہوگا اور
اِنْ کَانَتْ لِلنَّاضِحِ فَحَرِیْمُھَا سِتُّوْنَ ذِرَاعًا وَاِنْ کَانَتْ عَیْنًا فَحَرِیْمُھَا خَمْسُمِائَۃِ ذِرَاعٍ
کھیت کی سینچائی کی خاطر ہو تو اس کا اردگرد ساٹھ ہاتھ ہوگا اور چشمہ ہونے پر اس کا اردگرد پانچ سو ہاتھ ہوگا
فَمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّحْفِرَ بِئْرًا فِیْ حَرِیْمِھَا مُنِعَ مِنْھَا وَمَا تَرَکَ الْفُرَاتُ وَالدِّجْلَۃُ وَعَدَلَ
لہٰذا اگر کوئی شخص اس کے حریم (اردگرد) میں کنواں کھودنے کا ارادہ کرے تو اسے اس سے روکا جائیگا اور دریائے دجلہ و فرات کی چھوڑی ہوئی
عَنْہُ الْمَاءُ فَاِنْ کَانَ یَجُوْزُ عَوْدُہٗ اِلَیْہِ لَمْ یَجُزْ اِحْیَاؤُہٗ وَاِنْ کَانَ لَا یَجُوْزُ اَنْ یَّعُوْدَ اِلَیْہِ
زمین میں اگر دوبارہ پانی آنیکا امکان ہو تو اسے قابلِ کاشت بنانا درست نہ ہوگا اور پانی آنیکا امکان نہ ہو تو اس کا حکم موات کا سا
فَھُوَ کَالْمَوَاتِ اِذَا لَمْ یَکُنْ حَرِیْمًا لِعَامِرٍ یَمْلِکُہٗ مَنْ اَحْیَاہُ بِاِذْنِ الْاِمَامِ وَمَنْ کَانَ لَہٗ
ہوگا کہ وہ زمین کسی کی حریم نہ ہونے پر باجازتِ حاکم وہ زندہ کرنے اور کاشت کے قابل بنانیوالے کی ملک ہو جائیگی اور وہ شخص جس
نَھْرٌ فِیْ اَرْضِ غَیْرِہٖ فَلَیْسَ لَہٗ حَرِیْمٌ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ رَحِمَہُ اللّٰہُ اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ لَہٗ
کی نہر دوسرے شخص کی زمین میں آرہی ہو تو امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں تاوقتیکہ اس پر اس کے پاس شاہد نہ ہوں اس کا کوئی حریم
الْبَیِّنَۃُ عَلٰی ذٰلِکَ وَعِنْدَھُمَا لَہٗ مُسَنَّاۃُ النَّھْرِ یَمْشِیْ عَلَیْھَا وَیُلْقِیْ عَلَیْھَا طِیْنَہٗ۔
نہ ہوگا اور امام ابویوسفؒ و امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اس کے واسطے نہر کی ایسی پٹڑی کا حق ہوگا جس پر وہ چلکر نہر کی مٹی ڈال سکتا ہو۔

لغات کی وضاحت:۔ حَرِیم: آس پاس کی کشادہ جگہ۔ عطن: ایسا کنواں جس سے اونٹوں کو سیراب کرنیکی خاطر پانی بھرتے ہوں۔ ناضح: ایسا کنواں جس سے کھیتوں کو سیراب کرنے کے لئے پانی کھینچا جائے۔ مسناة۔ سیلاب کو روکنے والا بند۔

تشریح و توضیح وَمَنْ حَفَرَ بِئْرًا الخ۔ کوئی شخص ایک ایسی زمین میں جو کہ آباد نہ ہو حاکم کی اجازت سے کنواں کھودے تو اس صورت میں حضرت امام ابو حنیفہؒ، حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ تینوں کے نزدیک کنویں کا آس پاس چالیس گز شمار ہوگا اور اتنے حصہ میں کسی دوسرے شخص کو کنواں کھودنے کی اجازت نہ ہوگی اور اگر بلا اجازت حاکم کوئی کنواں کھودے تب بھی امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک یہی حکم ہوگا۔ اس سے قطع نظر کہ دوسرے کا کنواں ناضح ہو یا عطن۔ حضرت امام ابو یوسفؒ و حضرت امام محمدؒ عطن کا اردگرد چالیس گز اور ناضح کا ساٹھ گز قرار دیتے ہیں اور چشمہ کے حریم و اردگرد کا جہانتک تعلق ہے وہ متفقہ طور پر تینوں کے نزدیک پانچ سو گز قرار دیا گیا۔ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک حریم کے بارے میں عرف معتبر ہوگا۔
حضرت امام ابو یوسفؒ و حضرت امام محمدؒ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے استدلال فرماتے ہیں کہ چشمہ کا حریم تو پانچ سو گز اور عطن کا چالیس اور ناضح کا ساٹھ گز قرار دیا گیا۔ یہ روایت کتاب الخراج میں حضرت زہری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے۔
حضرت امام ابو حنیفہؒ کا مستدل ابن ماجہ وغیرہ کی یہ روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو کنواں کھودے اس کے لئے حریم چالیس گز ہے۔ اس ارشاد میں تعمیم ہے اور کنویں کے عطن یا ناضح ہونے کی تفصیل نہیں فرمائی گئی۔ اور ایسے عموم پر عمل پیرا ہونا جو متفق علیہ ہو اس خاص کے مقابلہ میں اولیٰ ہوگا جس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔
وَمَنْ کَانَ لَهُ نَهْرٌ فِی اَرْضِ غَیْرِہٖ الخ۔ ایسا شخص جس کی نہر دوسرے شخص کی زمین اور دوسرے کی ملکیت میں واقع ہو رہی ہو تا وقتیکہ اس کے پاس گواہ وغیرہ نہ ہوں اور کوئی شرعی ثبوت نہ ہو اس کا کوئی حریم قرار نہیں دیا جائے گا۔ حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ضرورت کی مقدار اس کیواسطے حریم ہوگا۔ یعنی صرف اس قدر نہر کی پٹری اور راستہ کہ اس پر چلنا ممکن ہو اور نہر کے مٹی سے پٹ جانے پر وہ اس میں سے مٹی نکالکر ڈال سکے۔ علامہ قہستانیؒ تتمہ کے حوالہ سے اور صاحب شرح مجمع بحوالۂ محیط نقل کرتے ہیں کہ اسی قول کو درست قرار دیا گیا۔
پھر حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ پٹری اور مینڈھ کے اندازہ کا جہاں تک تعلق ہے وہ نہر کی چوڑائی کی مقدار کے اعتبار سے ہوگا اور حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ نہر کی نصف گہرائی کے اعتبار سے ہوگا۔ برجندی بحوالۂ نوازل اور علامہ قہستانی بواسطۂ کرمانی نقل کرتے ہیں کہ اس بارے میں مفتیٰ بہ حضرت امام ابو یوسفؒ کا قول ہے۔ صاحب کبریٰ بھی یہی فرماتے ہیں کہ مفتیٰ بہ حضرت امام ابو یوسفؒ کا قول ہے۔

ایک اشکال کا ازالہ صاحب شرح مجمع کفایہ سے نقل کرتے ہیں حضرت امام ابو حنیفہؒ اور حضرت امام ابو یوسفؒ و حضرت امام محمدؒ کے درمیان یہ اختلاف دراصل ایسی بڑی نہر سے

متعلق ہے جس کی مٹی کی صفائی کی ہمہ وقت احتیاج نہیں ہوتی۔ لیکن اگر بجائے بڑی نہر کے یہ ایسی چھوٹی نہر ہو جس کی مٹی کی صفائی کی ہمہ وقت ضرورت رہتی ہو تو تینوں کے نزدیک متفقہ طور پر اس کے واسطے حریم ثابت ہوگا۔
علامہ قہستانیؒ بحوالہ کرمانی نقل کرتے ہیں کہ یہ اختلاف ایسی مملوک نہر کے سلسلہ میں ہے جس کی پٹری پر کوئی درخت وغیرہ نہ ہو اور اس کے پہلو میں نہر کے مالک کے علاوہ کسی دوسرے شخص کی زمین آرہی ہو کہ ایسی شکل میں حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ تو فرماتے ہیں کہ پٹری نہر والے کی ملکیت ہوگی اور حضرت امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ یہ زمین کے مالک کی مملوک ہوگی۔
اور اگر ایسا ہو کہ پٹری پر نہر کے مالک یا زمین کے مالک کے درخت ہوں یا اور کوئی چیز ہو تو اس صورت میں متفقہ طور پر جو درختوں وغیرہ کا مالک ہوگا زمین بھی اسی کی ملکیت قرار دی جائے گی۔ علامہ عینی قاضی خاں سے یہ نقل فرماتے ہیں کہ پٹری زمین کے برابر نہ ہونے اونچی ہونیکی صورت میں وہ نہر کے مالک کی ملکیت قرار دی جائے گی۔ اس لئے کہ اس صورت میں بظاہر یہ زمین سے نہر کی مٹی کے باعث اونچی ہوئی ہے۔
علامہ شامیؒ نے اس مسئلہ اور اختلاف ائمہ کو تفصیل اور زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ مزید تفصیل اور اس کے ہر گوشہ کی وضاحت کے طالب کو شامی سے رجوع کرنا اور اس کا گہرائی سے مطالعہ کرنا چاہئے۔ اختصار کے ساتھ علامہ قدوریؒ بیان فرما ہی چکے ہیں۔

كتاب المأذون

اجازت دیئے ہوئے غلام کا ذکر

إِذَا أَذِنَ الْمَوْلٰى لِعَبْدِهٖ إِذْنًا عَامًّا جَازَ تَصَرُّفُهٗ فِي سَائِرِ التِّجَارَاتِ وَلَهٗ أَنْ
اگر آقا اپنے غلام کو عمومی اجازت عطا کردے تو اس کے واسطے ساری تجارتوں میں تصرف درست ہوگا اور اسے خریدنے بیچنے اور

يَشْتَرِيَ وَيَبِيعَ وَيَرْهَنَ وَيَسْتَرْهِنَ وَإِنْ أَذِنَ لَهٗ فِي نَوْعٍ مِنْهَا دُوْنَ غَيْرِهٖ فَهُوَ
گروی رکھنے اور کسی کی چیز اپنے پاس رکھنے کا حق حاصل ہوگا اور اگر اسے ایک ہی نوع کی اجازت تجارت دی گئی ہو تب بھی اسے

مَأْذُوْنٌ فِي جَمِيْعِهَا فَإِذَا أَذِنَ لَهٗ فِي شَيْءٍ بِعَيْنِهٖ فَلَيْسَ بِمَأْذُوْنٍ وَإِقْرَارُ الْمَأْذُوْنِ
ہر تجارت میں اجازت حاصل ہوگی اور اگر اسے کسی متعین شے کی اجازت دی گئی ہو تو اسے اجازت یافتہ قرار نہ دینگے اور اجازت یافتہ غلام کے

بِالدُّيُوْنِ وَالْغُصُوْبِ جَائِزٌ وَلَيْسَ لَهٗ أَنْ يَتَزَوَّجَ وَلَا أَنْ يُزَوِّجَ مَمَالِيْكَهٗ وَلَا
لئے درست ہے کہ وہ دیون اور غصب کردہ اشیاء کا اقرار کرے اور اسے یہ حق نہ ہوگا کہ وہ اپنا نکاح کرے اور نہ یہ حق ہوگا کہ وہ اپنے غلاموں اور مکاتبوں

يُكَاتِبَ وَلَا يَعْتِقَ عَلٰى مَالٍ وَلَا يَهَبَ بِعِوَضٍ وَلَا بِغَيْرِ عِوَضٍ إِلَّا أَنْ يُهْدِيَ الْيَسِيْرَ
کا نکاح کرائے اور نہ مال کے بدلہ اسے آزاد کرنیکا حق ہوگا اور نہ بعوض و بلاعوض ہبہ کا حق ہوگا الا یہ کہ ذرا سا کھانا بطور ہدیہ دے

مِنَ الطعامِ اَوْ يُضيفَ مَنْ يُطعمَهٗ وَ دُيونُهٗ متعلقةٌ برقبتِهٖ يُباعُ فيها للغرماءِ
یا اس کی ضیافت کرے جو اسے کھلا چکا ہو۔ اور اس کے دیون کا تعلق اسی کی گردن سے ہوگا کہ وہ قرض خواہوں کی خاطر فروخت
الا اَنْ يَفدِيَهُ المولىٰ وَيقسّم ثمنهٗ بينهم بالحِصَصِ فان فضلَ مِنْ دُيونِهٖ شيٌ
کردیا جائیگا الا یہ کہ اس کے آقا نے اس کا فدیہ دیدیا ہو اور اس کی قیمت کو بحصۂ رسد بانٹا جائیگا اور اگر تھوڑا قرض پھر بھی باقی رہ گیا
طُولِبَ بهٖ بعد الحريةِ وَ انْ حجرَ عليهِ لَمْ يصِرْ محجورًا عليهِ حتىٰ يظهرَ الحجرُ بينَ
تو اس کے آزاد ہو جانیکے بعد اس سے طلب کیا جائیگا اور اگر آقا اسے تجارت سے روک دے تو وہ مجور و منع کردہ اسوقت شمار نہ ہوگا جب
اهلِ السوقِ فانْ ماتَ المولىٰ اَوْ جُنّ اَوْ لحِقَ بدارِ الحربِ مرتدًا صارَ المأذونُ
تک کہ بازار والوں پر یہ بات عیاں نہ ہو جائے اگر آقا موت کی آغوش میں سو جائے یا پاگل ہو جائے یا اسلام سے پھر کر دار الحرب چلا جائے تو غلام
محجورًا عليهِ وَلو اَبِقَ العبدُ المأذونُ صارَ محجورًا عليهِ۔
تجارت وغیرہ سے رکا ہوا (مجور) قرار دیا جائیگا اور ماذون غلام فرار ہونے پر مجور علیہ قرار دیا جائے گا۔

لغات کی وضاحت:۔ اذن: اجازت۔ سائر: تمام۔ ماذون: تجارت وغیرہ تصرفات کی اجازت دیا گیا غلام۔ یسترھن، کسی کی چیز اپنے پاس رہن رکھنا۔ یکاتب: غلام کو مکاتب بنانا۔ یعنی یہ کہنا کہ اتنا مال ادا کرنے پر تو حلقۂ غلامی سے آزاد ہے۔ حجر: آقا کا تجارت وغیرہ سے غلام کو روک دینا۔ ابق: فرار ہونا۔ بھاگنا۔ محجور: تجارت وغیرہ تصرفات سے رکا ہوا غلام۔

تشریح و توضیح اذا اذن المولی لعبدہٖ اذنا عاما الخ. اگر کوئی آقا اپنے غلام کو عمومی اجازت عطا کرے مثال کے طور پر اس طرح کہے کہ میں تجھ کو اجازت عطا کرتا ہوں تو اس کے بعد غلام کو ہر طرح کی تجارت کا اختیار حاصل ہوگا اور اس کیواسطے خریدنے بیچنے، رہن لینے، رہن رکھنے وغیرہ سارے تصرفات کی اجازت ہوگی۔ سبب یہ ہے کہ آقا کیطرف غلام کو عطا کردہ اجازت مطلقًا اور بغیر کسی قید اور تخصیص کے ہے۔ اس اطلاق اور عموم کا تقاضا یہ ہے کہ تجارت کی ساری قسموں کی اجازت حاصل ہوگی اور اس تخصیص کی بنار پر تعمیم ختم نہ ہوگی۔

حضرت امام زفر، حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ محض اسی نوع میں اجازتِ تجارت حاصل ہوگی جس کی آقا کی جانب سے اجازت دی گئی ہو۔ اس لئے کہ اس جگہ اذن سے مقصود نائب و وکیل مقرر کرنا ہے تو آقا جس شے کے ساتھ تصرف خاص کردے اجازت بھی اسی کے ساتھ مخصوص ہوگی۔ احنافؒ کے نزدیک اذن کا مطلب تجارت کی ممانعت کا ختم ہونا اور اسقاطِ حق ہے اور یہ ممانعت ختم ہونیکی بنار پر غلام کو اپنی اہلیت کے باعث تصرف کرے گا تو اذن اور تصرف کا جہاں تک تعلق ہے دونوں کے لئے نہ تو وقت کی تقیید ہوگی اور نہ اس کی کسی خاص نوع کی تجارت کے ساتھ تخصیص ہوگی البتہ اگر آقا محض متعین شے کے بارے میں اجازت عطا کرے تو غلام درحقیقت اجازت یافتہ شمار نہ ہوگا۔ اسلئے کہ حقیقت کے اعتبار سے یہ اجازت نہیں بلکہ صرف خدمت لینا ہے۔

وَدیونہٗ متعلقۃ الخ۔ آقا نے جس غلام کو اجازتِ تجارت دے رکھی ہو اس پر جو قرض تجارت کے باعث لازم ہوا ہو مثلاً خرید و فروخت کے سبب سے اس کا وجوب ہوا ہو یا تجارت کے مرادف اس کی کوئی وجہ ہو مثال کے طور پر ایسے غصب اور امانت کا ضمان جن کا تجارت کی اجازت دیا گیا غلام منکر ہو تو اسطرح کے ہر قرض کا تعلق اسکی ذات سے رہیگا اور ہر ایسے قرض میں اسے بیچ کر اس کے ثمن کو قرض خواہوں کے حصۂ رسد کے اعتبار سے بانٹ دیں گے۔ البتہ اگر اس کے آقا نے اس کے قرض کی ادائیگی کردی ہو تو پھر اس کی خاطر اسے نہیں بیچا جائے گا۔

فان حجر علیہ العبد محجوراً الخ۔ اگر تجارت کی اجازت دیئے گئے غلام کو آقا تصرف سے روک دے تو یہ اسوقت محجور قرار دیا جائیگا جبکہ اہل بازار کو اس کی خبر ہوگئی ہو تاکہ اس سے جو لوگ معاملہ کریں انھیں نقصان میں مبتلا نہ ہونا پڑے امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک اس طرح کی شرط نہیں۔ احناف کے نزدیک اگر لوگوں کے علم میں آئے بغیر اسے محجور ٹھہرایا جائے تو وہ روکنے کے بعد اس کا جو تصرف ہوگا اس کے قرض کی ادائیگی اس کے حلقۂ غلامی سے آزاد ہونے کے بعد واجب ہوگی اور اس طرح معاملہ کرنیوالوں کے حق میں تاخیر ان کے نقصان کا باعث ہوگی

فان مات المولیٰ اوجن الخ۔ اگر ایسا ہو کہ آقا موت کی آغوش میں سو جائے یا پاگل ہوگیا ہو یا اسلام سے پھر کر دار الحرب چلا گیا ہو تو اس صورت میں بھی غلام کو محجور قرار دیا جائیگا۔ چاہے اسے اس کی خبر ہوگئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔

ولو ابق العبد الماذون الخ۔ اگر ایسا ہو کہ تجارت کی اجازت دیا گیا غلام فرار ہو جائے تو اس کے بھاگنے کے باعث بھی وہ محجور شمار ہوگا چاہے بازار والوں کو اس کی اطلاع ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ حضرت امام زفر، حضرت امام مالک، حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ یہ محجور شمار نہ ہوگا۔ اس لئے کہ فرار ہونا ابتدائی اجازت کے منافی نہیں ہے تو اسے بقاءً بھی منافی قرار نہ دیں گے۔ سبب یہ ہے کہ جہاں تک اذن و اجازت کے صحیح ہونیکا تعلق ہے وہ آقا کی ملکیت اور اس کی رائے کے لحاظ سے ہوا کرتی ہے اور غلام کے فرار ہونے کے باعث آقا کی ملکیت اور اس کی رائے کے اندر کوئی خلل واقع نہیں ہوا پس فرار ہونیکے باعث وہ محجور شمار نہ ہوگا۔

احنافؒ کے نزدیک غلام کا فرار ہونا دلالۃً زمرۂ حجر و روکنے میں داخل ہے اس واسطے کہ بلحاظِ عادت آقا ایسے غلام کے تصرفات پر رضامند نہیں ہوا کرتا جو سرکش و نافرمان ہو۔

وَاِذَا حُجِرَ عَلَیْہِ فَاِقْرَارُہٗ جَائِزٌ فِیْمَا فِیْ یَدِہٖ مِنَ الْمَالِ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ رَحِمَہُ اللّٰہُ وَ

اور جب غلام کو روک دیا جائے تو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کا اس مال کے بارے میں اقرار درست ہوگا جس پر وہ قابض ہو

قَالَا لَا یَصِحُّ اِقْرَارُہٗ وَاِذَا لَزِمَتْہُ دُیُوْنٌ تُحِیْطُ بِمَالِہٖ وَرَقَبَتِہٖ لَمْ یَمْلِکِ الْمَوْلٰی مَا فِیْ یَدِہٖ

اور صاحبینؒ کے نزدیک اس کا اقرار درست نہ ہوگا اور اگر وہ اسقدر مقروض ہو جائے جو اس کی جان و مال کو محیط ہو تو آقا کو غلام

فَاِنْ اَعْتَقَ عَبِیْدَہٗ لَمْ یَعْتِقُوْا عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ رَحِمَہُ اللّٰہُ وَقَالَا رَحِمَہُمَا اللّٰہُ یَمْلِکُ مَا فِیْ یَدِہٖ

کے پاس موجود مال پر ملکیت حاصل نہ ہوگی لہٰذا آقا کے غلام کے غلاموں کو آزاد کرنے پر امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وہ نعمتِ آزادی سے ہمکنار

وَاِذا بَاعَ عبدٌ مأذونٌ مِنَ المَولیٰ شیئًا بمثلِ القیمۃِ جَازَ وَاِنْ بَاعَ بنقصانٍ لَمْ یجُز
نہ ہوں گے اور صاحبینؒ کے نزدیک آقا کو اس کے پاس موجود مال پر ملکیت حاصل ہوگی اور اگر تجارت کی اجازت دیا گیا غلام آقا کو کوئی شے مثل قیمت
وَاِنْ بَاعَہ المَولیٰ شیئًا بمثلِ القیمۃِ اَوْ اَقَلَّ جَازَ البیعُ فان سَلَّمَہ اِلیہِ قبلَ قبضِ
سے فروخت کرے تو درست ہے اور نقصان سے فروخت کرنے پر درست قرار نہ دیں گے اور اگر آقا کوئی شے مثل قیمت یا اس سے کم پر ماذون غلام کو فروخت کرے
الثمنِ بَطَلَ الثمنُ وَاِنْ اَمْسَکَہ فِی یدہٖ حتی یستوفی الثمنَ جَازَ وَاِنْ اَعتقَ المَولیٰ
تو درست ہے لہٰذا اگر وہ ثمن کی وصولیابی سے قبل اس کے سپرد کردے تو ثمن کے باطل ہونیکا حکم ہوگا اور اگر آقا خریدی گئی چیز ثمن کی وصولیابی
العبدَ المأذونَ وَعلیہِ دیونٌ فعتقہ جَائزٌ وَالمَولیٰ ضَامنٌ بقیمتہٖ للغرماءِ وَمَا
روک رکھے تو درست ہے اور اگر آقا اجازت دیئے گئے غلام کو حلقۂ غلامی سے آزاد کردے حالانکہ وہ مقروض ہو تو آزاد کرنیکو درست قرار دیں گے اور
بقِیَ مِنَ الدینِ یطالَبُ بہ المعتقُ بعدَ العتقِ وَاِذا وَلَدَتِ المأذونۃُ مِن مَولاھا
قرض خواہوں کے واسطے اس کی قیمت کا ضمان آقا پر لازم ہوگا اور باقیماندہ قرض آزاد شدہ غلام سے طلب کیا جائیگا جبکہ وہ نعمتِ آزادی سے ہمکنار
فذٰلکَ حَجرٌ علیھا وَاِنْ اَذِنَ وَلِیُّ الصبیِّ للصبیِّ فِی التجارۃِ فھو فی الشراءِ وَالبیعِ
ہوجائے اور جب آقا کے نطفہ سے تجارت کی اجازت دی گئی باندی بچہ کو جنم دے تو یہ اسے روکنا شمار ہوگا اور اگر بچہ کا ولی اجازتِ تجارت بچہ کو دیدے
کالعبدِ المأذونِ اذا کانَ یعقلُ البیعَ وَالشراءَ۔
تو بچہ کا حکم خرید و فروخت کے سلسلہ میں اجازت دیئے گئے غلام کا سا ہوگا بشرطیکہ وہ خرید و فروخت کا شعور رکھے اور اسے سمجھے۔

لغات کی وضاحت: حجر: روک دینا۔ سابق اجازت ختم کردینا۔ ماذون: اجازت دیا گیا۔ غرماء: قرض خواہ۔ مولیٰ: آقا۔ الشراء: خریداری۔

تشریح و توضیح: واذا حجر علیہ فاقرارہ جائز الخ۔ اگر تجارت کی اجازت دیا گیا غلام روک دیئے جانیکے بعد یہ اقرار کرے کہ میرے پاس جو بھی کچھ موجود ہے یہ غصب کردہ یا قرض یا فلاں شخص کی امانت کے طور پر ہے تو حضرت امام ابوحنیفہؒ استحساناً اس کے اقرار کو درست قرار دیتے ہیں لہٰذا وہ اس مال سے جو اس کے پاس ہے قرض وغیرہ کی ادائیگی کریگا۔ حضرت امام ابویوسفؒ، حضرت امام محمدؒ، حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ یہ اقرار درست نہ ہوگا۔ قیاس کے مطابق یہی معلوم ہوتا ہے۔ اس واسطے کہ اقرار کا درست ہونا تجارت کی اجازت کے باعث تھا اور اجازتِ تجارت آقا کے روک دینے کیوجہ سے باقی نہیں رہی لہٰذا اس صورت میں یہ اقرار بھی درست نہ ہوگا۔ علاوہ ازیں اپنی وہ کمائی جس پر غلام قابض تھا وہ بھی روکنے کے باعث باقی نہ رہا۔ اس لئے کہ مجبور کا قابض ہونا قابلِ اعتبار نہیں ہوتا۔ لہٰذا اقرار کو بھی درست قرار دیں گے۔ رہا استحساناً صحیح ہونا تو اس کا سبب یہ ہے کہ اقرار کے درست ہونیکا انحصار قبضہ پر ہوا کرتا ہے اور اس کے قبضہ کا جہاں تک تعلق ہے وہ برقرار ہے پس اقرار بھی درست ہوگا۔

وَاِذَا لزمتہ دیونٌ الخ اگر تجارت کی اجازت دیا گیا غلام لوگوں کا اسقدر مقروض ہو کہ وہ قرض اسکی جان و مال سب کو گھیر لے تو اس صورت میں اس کے پاس موجود مال کا مالک اس کا آقا نہ ہوگا لہٰذا اگر ماذون غلام کی کمائی کے ذیل میں کوئی غلام ہو اور اسے آقا حلقۂ غلامی سے آزادی عطا کرے تو وہ آزاد قرار نہ دیا جائیگا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ آقا کو تجارت کرنے والے غلام کی کمائی پر ملکیت اس وقت حاصل ہوتی ہے جبکہ وہ مال غلام کی احتیاج سے زیادہ ہو اور ایسا مال جس کو قرض نے گھیر لیا ہے وہ تو اس کی ضرورت میں داخل ہے۔ لہٰذا اس مال میں آقا کو ملکیت حاصل نہ ہوگی۔ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ اور تینوں امام فرماتے ہیں کہ آقا کو تجارت کی اجازت دیئے گئے غلام کے مال پر ملکیت حاصل ہوگی۔ لہٰذا آقا کے آزاد کردینے پر ذکر کردہ غلام حلقۂ غلامی سے آزاد قرار دیا جائے اور آقا کے مالدار ہونیکی صورت میں اس پر اس کی قیمت کا وجوب ہوگا اور مفلس ہونے پر ماذون غلام کے قرض خواہوں کو آزاد غلام سے تاوان وصول کرنا درست ہوگا اور پھر وہ غلام آقا سے وصول کریگا اور دین کے جان و مال پر محیط نہ ہونیکی شکل میں بالاتفاق سب کے نزدیک یہ آزاد کرنا درست ہوگا۔

واذا باع عبد ماذون الخ۔ اگر تجارت کی اجازت دیا گیا غلام کسی شے کی موزوں قیمت کیساتھ اپنے آقا ہی کو بیچدے تو درست ہے لیکن یہ حکم جواز اس صورت میں ہوگا جبکہ غلام پر قرض ہو کہ قرض کی شکل میں اس کا آقا اجنبی شخص کیطرح ہوگا اور غلام کے مقروض نہ ہونے پر آقا اور غلام کے درمیان خرید و فروخت درست نہ ہوگی کہ اس صورت میں تمام کا مالک آقا ہی ہوگا۔

وان باعہ المولیٰ شیئًا الخ۔ اگر ایسا ہو کہ تجارت کی اجازت دیئے ہوئے غلام کو اس کا آقا کوئی شئے کامل قیمت کے ساتھ یا نقصان کے ساتھ بیچے تو درست ہے۔ اب اگر آقا نے خریدکردہ شے قیمت پر قابض ہونے سے قبل ہی سپرد کردی تو قیمت کے باطل ہونیکا حکم ہوگا۔ اس لئے کہ اس شکل میں آقا کی جانب سے بذمۂ غلام قرض قرار پائے گی۔ حالانکہ بذمۂ غلام آقا کا قرض نہیں ہوا کرتا۔ قیمت کے باطل ہونیکے معنٰے یہ ہیں کہ آقا کو اس کے طلب کرنیکا حق نہ ہوگا۔

وان اعتق المولیٰ العبد الماذون الخ آقا کے لئے یہ درست ہے کہ تجارت کی اجازت دیئے گئے مقروض غلام کو حلقۂ غلامی سے آزاد کردے البتہ آزاد کرنے پر آقا پر قیمتِ غلام کا ضمان لازم آئے گا اور قرض خواہوں کو ادا کرے گا۔ اس لئے کہ قرض خواہوں کے حق کا تعلق غلام کی ذات سے تھا اور اس کے آقا نے اسے حلقۂ غلامی سے آزادی عطا کردی۔ اور اگر قرض زیادہ اور قیمتِ غلام کم اور ناکافی ہو تو باقیماندہ قرض کی رقم غلام سے طلب کی جائے گی۔

واذا ولدت الماذونۃ الخ۔ اگر تجارت کی اجازت دی گئی باندی سے اس کے آقا نے ہمبستری کرلی اور اس کے نطفہ سے وہ بچہ کو جنم دے اور آقا اس بچہ کے بارے میں دعویٰ کرے تو اب یہ باندی اس کی ام ولد بن جائے گی اور بچہ کی پیدائش کے باعث وہ مجور قرار دی جائے گی۔ امام زفرؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد رحمہم اللہ اس کے مجور نہ ہونے کے قائل ہیں اور فرماتے ہیں کہ بچہ کی پیدائش ابتداءً دی گئی اجازت کے منافی ہی نہیں۔ اس واسطے کہ آقا کے لئے یہ درست ہے کہ وہ اپنی ام ولد کو اجازتِ تجارت دیدے۔ لہٰذا بقاءً بھی اسے منافی قرار نہ دیں گے۔ احنافؒ کے نزدیک ام ولد کا جہاں تک تعلق ہے وہ پردار ہوتی ہے اور آقا اسے پسند

نہیں کرتا کہ وہ خرید و فروخت کی خاطر نکلے۔

وان اذن ولی الصبی الخ۔ فرماتے ہیں کہ اگر بچہ کا ولی اسے اجازتِ خرید و فروخت دیدے تو اس کا حکم عبدِ ماذون کا سا ہوگا مگر اس میں شرط یہ ہے کہ بچہ سمجھ دار ہو اور بیع و شراء کو اچھی طرح سمجھتا ہو۔

کتاب المزارعة

کاشتکاری کا بیان

قَالَ ابوحنیفة رحمہ اللّٰہ المُزارعةُ بالثلث والربع باطلة وقالا جائزةٌ وهی

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ درست نہیں کہ تہائی یا چوتھائی پر کاشت کی جائے اور امام ابویوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک درست

عندهما علٰی اربعة اوجه اذا کانت الارض والبذر لواحد والعمل والبقر لواحد

ہے اور یہ ان چار طریقوں پر مشتمل ہے۔ زمین اور بیج ایک شخص کا ہو اور دوسرے شخص کا عمل اور بیل تو مزارعت درست

جازت المزارعة وان کانت الارض لواحد والعمل والبقر والبذر لاخر جازت

ہوگی۔ اور زمین ایک کی ہونے اور عمل اور بیل اور بیج دوسرے شخص کی ہونے پر مزارعت

المزارعة وان کانت الارض والبذر والبقر لواحد والعمل لواحد جازت۔

درست ہوگی۔ اور زمین اور بیج اور بیل ایک کی ہونے اور عمل دوسرے شخص کا ہونے پر مزارعت درست ہوگی۔

لغات کی وضاحت: المزارعة: بونا۔ بٹائی پر معاملہ کرنا۔ الثلث: تہائی۔ الربع: چوتھائی۔ البذر: بیج البقر: گائے، بیل۔ اسم جنس۔ واحد بقرة۔ جمع بقرات۔

تشریح و توضیح: المزارعة الخ۔ از روئے لغت اس کے معنے بیج ڈالنے اور بیج بونے کے آتے ہیں۔ اس کا دوسرا نام محاقلہ اور مخابرہ بھی ہے۔ اہلِ عراق کے نزدیک اس کا نام قراح ہے۔ شرعاً یہ ایسا عقد کہلاتا ہے جو پیداوار کے نصف یا چوتھائی یا تہائی وغیرہ پر کیا گیا ہو۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ اس عقد کو فاسد قرار دیتے ہیں اس لئے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مخابرہ کی ممانعت فرمائی ہے۔ یہ روایت مسلم میں حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ مخابرہ مزارعت ہی کا نام ہے۔ حضرت امام ابویوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ اسے درست قرار دیتے ہیں۔ اسی کو مفتیٰ بہ قرار دیا گیا۔ کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے نخلستان کو اسی طرح عطا فرمایا تھا۔ دورِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ سے آج تک لوگ اس پر عمل پیرا رہے ہیں۔

بالثلث والربع الخ۔ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے جب مخابرہ کی ممانعت فرمائی تو حضرت زید بن ثابتؓ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! مخابرہ کسے کہتے ہیں؟ ارشاد ہوا تمہارا تہائی یا

چوتھائی کی بٹائی کے اوپر کسی شخص سے برائے کاشت لینا۔ صاحب کتاب نے تبرکاً وہی الفاظ نقل فرمائے۔ ورنہ اگر تہائی سے کم پر یا چوتھائی سے زیادہ پر معاملہ ہو تب بھی حکم اسی طرح کا ہوگا اور علامہ قدوری کے یہ الفاظ ذکر فرمانیکی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ان کے دور میں لوگ حصوں پر جو بٹائی کرتے تھے اس میں لوگوں کا معمول یہی تھا۔

وھی عندھما علی اربعۃ اوجہ الخ۔ حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک مزارعت چار شکلوں پر مشتمل ہے۔ ان میں سے تین شکلیں درست ہیں اور ایک شکل ناجائز۔ جواز کی تین شکلیں حسب ذیل ہیں۔

(۱) ایک شخص کی زمین اور بیل ہو اور عمل دوسرے شخص کا (۲) زمین تو ایک شخص کی اور باقی چیزیں یعنی بیل، بیج اور عمل دوسرے شخص کا۔ (۳) عمل تو ایک شخص کا ہو اور باقی چیزیں دوسرے کی۔ ان تینوں صورتوں کو فقہاء نے جائز قرار دیا ہے۔

وَاِنْ كَانَتِ الْاَرْضُ وَالْبَقَرُ لِوَاحِدٍ وَالْبَذْرُ وَالْعَمَلُ لِوَاحِدٍ فَهِيَ بَاطِلَةٌ وَلَا تَصِحُّ

اور اگر یہ ہو کہ ایک شخص کا تو بیل و زمین ہوں اور دوسرے شخص کا عمل اور بیج تو اسے باطل قرار دیں گے۔ اور درست نہ ہوگی

الْمُزَارَعَةُ اِلَّا عَلٰى مُدَّةٍ مَعْلُوْمَةٍ وَاَنْ يَكُوْنَ الْخَارِجُ بَيْنَهُمَا مُشَاعًا فَاِنْ شَرَطَا لِاَحَدِهِمَا

مزارعت لیکن مقررہ مدت پر اور یہ کہ پیداوار کا دونوں کے درمیان اشتراک ہو لہٰذا دونوں میں سے کسی ایک کیواسطے

قُفْزَانًا مُسَمَّاةً فَهِيَ بَاطِلَةٌ وَكَذٰلِكَ اِذَا شَرَطَا مَا عَلَى الْمَاذِيَانَاتِ وَالسَّوَاقِيْ وَاِذَا صَحَّتِ

متعین قفیز کی شرط باطل ہوگی اور ایسے ہی بڑی اور چھوٹی نہر کے کناروں پر پیدا شدہ غلہ (کسی ایک کو دینے) کی شرط باطل ہوگی

الْمُزَارَعَةُ فَالْخَارِجُ بَيْنَهُمَا عَلَى الشَّرْطِ وَاِنْ لَمْ تُخْرِجِ الْاَرْضُ شَيْئًا فَلَا شَيْءَ لِلْعَامِلِ۔

اور مزارعت درست ہو جانے پر پیداوار دونوں کے درمیان موافقِ شرط ہوگی اور زمین میں پیداوار نہ ہونے پر عامل کیواسطے کچھ نہ ہوگا۔

فاسد مزارعت کا ذکر

لغات کی وضاحت: مسماۃ: متعین۔ الارض: زمین۔ شیئاً: کچھ۔ عامل: عمل کرنیوالا۔ کام کرنیوالا۔

تشریح و توضیح: وان کانت الارض والبقر لواحد الخ۔ اگر ایسا ہو کہ معاملۂ مزارعت کرنیوالے دو افراد میں سے ایک کے تو بیل اور زمین ہوں اور دوسرے شخص کا عمل اور بیج۔ تو ظاہر الروایت کے اعتبار سے یہ صورت باطل قرار دی جائے گی۔ اسی طرح اگر ایسا ہو کہ بیل اور بیج ایک شخص کے ہوں اور عمل و زمین دوسرے شخص کے یا اس طرح ہو کہ ایک شخص کا تو محض بیل ہو اور بیج و عمل وغیرہ دوسرے شخص کا۔ یا ایسا ہو کہ ایک شخص کے فقط بیج ہوں اور باقی امور دوسرے شخص کے۔ تو ان تینوں شکلوں کو بھی فاسد قرار دیا جائے گا۔ درمختار وغیرہ میں یہ تفصیل موجود ہے۔

ولا تصح المزارعة الا علی مدة معلومة الخ. حضرت امام ابویوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ مزارعت کا جہاں تک تعلق ہے وہ حسب ذیل شرائط کے ساتھ درست ہوگی۔

(۱) مزارعت کے سلسلہ میں ایسی مدت ذکر کی جائے جس کا رواج عموماً کاشتکاروں میں ہوتا ہو اور اس لحاظ سے یہ جانی پہچانی اور مشہور ہو۔ مثال کے طور پر سال بھر کی مدت۔ (۲) معاملۂ مزارعت کرنیوالوں کی پیداوار کے اندر کسی مقدار کی تعیین کے بغیر شرکت ہو۔ پس اگر ان میں سے کسی ایک کے واسطے معاملہ میں متعین غلہ و مقدار کی شرط کی گئی تو مزارعت باطل قرار دیں گے۔ اس واسطے کہ اس میں اس کا امکان ہے کہ محض اتنی پیداوار ہو جس کی تعیین کر لی گئی۔ اور یہ بات دونوں کے درمیان باعث نزاع بنے۔ ایسے ہی نالیوں اور نہروں کے کناروں پر ہونیوالی کھیتی کی اگر ان میں سے کسی ایک کیلئے شرط کرلی گئی تو معاملۂ مزارعت درست نہ ہوگا۔ اس واسطے کہ اس کا امکان ہے کہ محض اسی جگہ غلہ کی پیداوار ہو (۳) صحتِ مزارعت کیلئے زمین کا قابلِ زراعت ہونا بھی شرط ہے۔ بنجر زمین اور ریگستان میں یہ معاملۂ مزارعت درست نہ ہوگا اس لئے کہ اس صورت میں مزارعت کا منشا رہی فوت ہو جائے گا۔ (۴) یہ معلوم ہو کہ بیج کس کا ہوگا۔ اس لئے کہ زمین کے مالک کی جانب سے بیج ہونیکی شکل میں عمل کرنیوالے کی حیثیت مزدور کی ہوگی اور کام کرنیوالے کیجانب سے بیج ہو تو زمین کرایہ پر قرار دی جائے گی اور احکام ہر ایک کے الگ الگ ہیں اور اس کے ذکر کے بغیر جس کے بیج ہیں وہ مجہول شمار ہوگا (۵) بیج کی جنس بیان کی جائے (۶) جس کی جانب سے بیج نہ ہوں اس کے حصہ کا ذکر۔ اس لئے کہ حصہ کے کرایۂ زمین یا عمل ہونیکی صورت میں اس کی تعیین ناگزیر ہے۔

وَاِذَا فَسَدَتِ الْمُزَارَعَةُ فَالْخَارِجُ لِصَاحِبِ الْبَذْرِ فَاِنْ كَانَ الْبَذْرُ مِنْ قِبَلِ رَبِّ
اور معاملۂ زراعت فاسد ہونے پر پیداوار کا مالک بیج والا ہوگا۔ لہٰذا بیج کے زمین والے کی جانب سے ہونے پر کام کرنے

الْاَرْضِ فَلِلْعَامِلِ اَجْرُ مِثْلِهٖ لَا يُزَادُ عَلٰی مِقْدَارِ مَا شُرِطَ لَهٗ مِنَ الْخَارِجِ وَقَالَ مُحَمَّدٌ
والے کو اس قدر اجرتِ مثل دیجائے گی جو شرط کردہ پیداوار کی مقدار سے نہ بڑھے۔ امام محمدؒ کے نزدیک وہ

رَحِمَهُ اللّٰهُ لَهٗ اَجْرُ مِثْلِهٖ بَالِغًا مَا بَلَغَ وَاِنْ كَانَ الْبَذْرُ مِنْ قِبَلِ الْعَامِلِ فَلِصَاحِبِ
اجرتِ مثل کا مستحق ہوگا جس قدر بھی ہو اور بیج کے عمل کرنے والے کی جانب سے ہونے پر زمین والا اجرتِ مثل کا

الْاَرْضِ اَجْرُ مِثْلِهَا وَاِذَا عُقِدَتِ الْمُزَارَعَةُ فَامْتَنَعَ صَاحِبُ الْبَذْرِ مِنَ الْعَمَلِ لَمْ
حقدار ہوگا۔ اور اگر معاملۂ مزارعت طے ہو جائے اس کے بعد بیج والا عمل سے رک جائے تو اس پر جبر نہیں

يُجْبَرْ عَلَيْهِ وَاِنِ امْتَنَعَ الَّذِیْ لَيْسَ مِنْ قِبَلِهِ الْبَذْرُ اَجْبَرَهُ الْحَاكِمُ عَلَی الْعَمَلِ وَاِذَا
کیا جائیگا اور اگر وہ شخص رک گیا جس کی جانب سے بیج نہیں تھے تو حاکم اس پر کام کرنے کی خاطر جبر کریگا اور عقد کرنیوالوں

مَاتَ اَحَدُ الْمُتَعَاقِدَيْنِ بَطَلَتِ الْمُزَارَعَةُ وَاِذَا انْقَضَتْ مُدَّةُ الْمُزَارَعَةِ وَالزَّرْعُ
میں سے کسی ایک کے مرنے پر عقدِ مزارعت باطل ہو جائے گا اور اگر مدتِ مزارعت گزر گئی اور کھیتی اس وقت

لَمْ يُدْرِكْ كَانَ عَلَى الْمُزَارِعِ أَجْرُ مِثْلِ نَصِيْبِهٖ مِنَ الْأَرْضِ إِلٰى أَنْ يَّسْتَحْصِدَ وَ
تک نہیں پکی تو کھیتی کٹنے تک اس قسم کی زمین کا جو کرایہ ہوتا ہو وہ کاشتکار دیگا اور کھیتی کا خرچ ان دونوں کے حصوں کیمطابق ان پر تقسیم
النَّفَقَةُ عَلَى الزَّرْعِ عَلَيْهِمَا عَلٰى مِقْدَارِ حُقُوْقِهِمَا وَ أُجْرَةُ الْحَصَادِ وَ الدِّيَاسِ وَ الرِّفَاعِ
ہوگا اور کھیتی کے کاٹے جانے اور اسے گاہنے اور جمع کرنے اور غلہ کی صفائی کی مزدوری حصص کیموافق دونوں پر تقسیم ہوگی اور اگر معاملۂ مزارعت میں
وَ التَّذْرِيَةِ عَلَيْهِمَا بِالْحِصَصِ فَإِنْ شَرَطَاهُ فِي الْمُزَارَعَةِ عَلَى الْعَامِلِ فَسَدَتْ .
کاشتکار کے ذمہ قرار دیئے جانے کی شرط کی گئی تو عقدِ مزارعت باطل و فاسد ہوجائیگا۔

کچھ اور احکام مزارعت

لغات کی وضاحت: صاحبُ البذر: بیج والا۔ ربّ الارض: زمین والا۔ زمین کا مالک۔ انقضت: مدت پوری ہونا۔ الزرع: کھیتی۔

تشریح و توضیح

وَاِذَا فَسَدَتِ الْمُزَارَعَةُ الخ. صاحبِ قدوریؒ فرماتے ہیں کہ اگر ایسا ہو کہ کسی سبب معاملۂ مزارعت فاسد ہوگیا تو اس صورت میں زمین کی پیداوار کا مالک بیج والا ہوگا لیکن اگر بیج زمین کے مالک کی جانب سے ہو تو اس صورت میں کام کرنیوالے کو وہ اجرتِ کار کرد گی جو دستور کے مطابق ایسے عمل کے باعث ملا کرتی ہولے گی۔ البتہ اس کا لحاظ ضروری ہوگا کہ یہ اجرت اس مقدار سے بڑھنے نہ پائے جو کہ اس کیواسطے مقرر و مشروط پیداوار کی قیمت ہو۔ حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اس کام کی جو اجرت دینے کا رواج ہو اسے اسی کے مطابق دیجائے گی۔ اس سے قطع نظر کہ وہ اس کو ملنے والی پیداوار کی قیمت سے بڑھ جائے یا نہ بڑھے۔ اگر بیج کاشت کرنیوالے کی جانب سے ہو تو اس شکل میں زمین والے کو محض اسقدر کرایۂ زمین دیا جائے گا جس قدر کہ اس طرح کی زمینوں کا ملا کرتا ہو۔

وَاِذَا عُقِدَتِ الْمُزَارَعَةُ الخ. اگر ایسا ہو کہ معاملۂ مزارعت طے ہونے کے بعد بیج والا کام سے رک جائے تو اسے کام پر مجبور نہیں کیا جائیگا اور اگر اس کے برعکس وہ رک گیا جس کی جانب سے بیج نہ ہو تو اس صورت میں حاکم اسے عمل پر مجبور کرے گا اور دباؤ ڈالے گا۔

وَاِذَا مَاتَ اَحَدُ الْمُتَعَاقِدَيْنِ الخ. فرماتے ہیں کہ اگر دونوں عقد کرنیوالوں میں سے ایک موت کی آغوش میں سو جائے تو اس کی مزارعت باطل قرار دی جائے گی۔

وَاِذَا انْقَضَتِ الخ. اگر طے شدہ مدتِ مزارعت گذرنے کے باوجود کھیتی نہ پکے تو فرماتے ہیں کہ کاشتکار کو ایسے کرایہ کی ادائیگی کرنی پڑے گی جو اس طرح کی زمین کا ہوا کرتا ہے۔

كتاب المساقاة

قَالَ اَبُوحنيفةَ رحمهُ اللهُ المُسَاقاةُ بجُزءٍ مِنَ الثمرةِ بَاطلةٌ وَقالا رحمهما اللهُ جائزةٌ
امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ تھوڑے سے پھل متعین کر لینے پر مساقات باطل ہو جائے گی اور صاحبینؒ کے نزدیک درست ہے۔
اذا ذكرا مدةً معلومةً وَسمَّيا جزءً مِنَ الثمرةِ مشاعًا وتجوزُ المساقاةُ فی النخلِ والشجرِ
بشرطیکہ مدت کی تعیین اور بطور مشاع پھلوں کا حصہ معین کر دیا جائے اور مساقات کو کھجوروں اور درختوں اور
وَالكرمِ وَالرطابِ وَاصولِ الباذنجانِ فانْ دَفعَ نخلاً فيهِ ثمرةٌ مُساقاةً وَالثمرةُ
انگوروں اور سبزیوں اور بیگنوں کی جڑوں میں درست قرار دیا گیا لہٰذا اگر کھجور کے پھلدار درخت کو مساقات پر دیا جائے درانحالیکہ پھل
تزيدُ بالعملِ جازَ وَإن كانتْ قد انتهتْ لم يَجُزْ وَاذا فسدتِ المساقاةُ فللعاملِ
میں بذریعہ عمل بڑھوتری ہوتی ہو تو یہ درست ہے اور اگر پھل کی بڑھوتری کی تکمیل ہو چکی ہو تو درست نہیں اور مساقاۃ کے فاسد ہونے پر عمل کرنیوالا
اَجرُ مثلهِ وَتبطلُ المساقاةُ بالموتِ وَتفسخُ بالاعذارِ كما تفسخُ الإجارةُ۔
اجرت مثل کا مستحق ہوگا اور مساقات مرنے کے باعث باطل ہو جائیگی اور اعذار کی وجہ سے یہ بھی اسی طرح فسخ ہو جاتی ہے جسطرح کہ اجارہ فسخ ہو جایا کرتا ہے۔

لغات کی وضاحت:۔ معلومة: متعین۔ مقرر۔ مشاعًا: مشترک۔ الرطاب: سبزیاں۔

مساقات کا بیان

تشریح و توضیح

كتابُ المساقاة:۔ از روئے شرع اور از روئے لغت مساقات اسے کہا جاتا ہے کہ کسی شخص نے اپنا باغ کسی کو اسواسطے دیا ہو کہ وہ اس کے باغ کی پوری طرح نگہداشت کرے۔ باغ کے درختوں کی بڑھوتری اور انکی مناسب دیکھ بھال کیطرف توجہ کرے اور پھر اس میں آنیوالا پھل باغ کے مالک اور اس کے درمیان مشترک ہو۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ جس طرح مزارعت کو باطل قرار دیتے ہیں ٹھیک اسی طرح ان کے نزدیک مساقات بھی باطل ہے۔ حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ اسے درست قرار دیتے ہیں۔ اور مفتی بہ قول یہی ہے۔

وتجوز المساقاة الخ۔ حسبِ ذیل اشیاء میں معاملۂ مساقات درست ہے (۱) انگور (۲) سبزیاں (۳) درختِ کھجور (۴) بیگن۔ حضرت امام شافعیؒ کے نئے قول کے مطابق یہ کھجور اور انگور کے ساتھ اس کی تخصیص ہے اور یہ محض انھیں دو میں درست ہے۔ اس لئے کہ مساقات کا جائز ہونا اگرچہ قیاس کے خلاف ہے لیکن حدیث شریف میں ان دو کے ذکر کے باعث انھیں جائز قرار دیا گیا۔ اس کا جواب دیا گیا کہ بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی روایت جو خیبر کے باغات کے عامل سے متعلق ہے وہ مطلق ہے بس اسے اس کے اطلاق پر باقی رکھا جائیگا۔

فان دفع نخلاً فیہا ثمرۃ الخ۔ کوئی شخص کھجور کے ایسے باغ کو مساقات پر دے جس کے پھل ابھی کچے ہوں اور اس میں عمل کرنیوالے کی محنت سے بڑھوتری ہو سکتی ہو تو یہ معاملۂ مساقات درست ہوگا۔ اور اگر پھل پختہ ہو چکے ہوں اور اس میں عمل کرنیوالے کی احتیاج نہ رہی ہو تو اس صورت میں معاملۂ مساقات باطل ہو جائیگا اس لئے کہ اس صورت میں جواز کے حکم سے یہ لازم آئیگا کہ عامل کسی عمل اور کام کے بغیر اجرت و معاوضہ کا مستحق قرار دیا جائے اور اس کا فاسد ہونا بالکل ظاہر ہے۔

کتاب النّکاح

نکاح کا بیان

النکاحُ ینعقدُ بالایجابِ والقبولِ بلفظینِ یعبّرُ بھمَا عنِ الماضی اَوْ یعبّرُ باحدھمَا عنِ الماضی وَالْآخرِ عنِ المستقبلِ مثلَ اَنْ یقولَ زوجنی فیقولُ زوّجتُكَ۔

نکاح ایجاب وقبول سے منعقد ہوتا ہے کہ دونوں ماضی کے صیغے سے ہوں یا ایک ماضی کے صیغہ سے اور دوسرا مستقبل کے صیغہ سے۔ مثلاً کہے کہ تو میرے ساتھ عقدِ نکاح کرلے اور دوسرا کہے میں نے تیرے ساتھ نکاح کرلیا۔

تشریح وتوضیح

النکاح الخ نون کے زیر کے ساتھ ضم ہو جانا، جذب ہو جانا۔ مثلاً کہا جاتا ہے "تناکحت الاشجار" یعنی درخت آپس میں گتھ گئے۔ نکاح کے معنے ہمبستری کے بھی آتے ہیں۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد "فان طلقہا فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجاً غیرہ" (الآیۃ) اس آیت میں تنکح سے مراد ہمبستری ہے۔ یعنی کوئی شخص اگر اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدے تو اس کے لئے اس سے دوبارہ نکاح کرنا اس وقت تک جائز نہیں جب تک بعد عدت اس سے دوسرا شخص نکاح کرنے کے بعد ہمبستر ہو کر طلاق نہ دیدے اور اسکی عدت نہ گذر جائے۔ شرعاً اسی کا نام حلالہ ہے۔ نکاح کے حقیقی معنیٰ دو چیزوں کو ملانے اور جمع کرنے کے ہیں اور اسی اعتبار سے وطی اور عقد کو نکاح کہا جاتا ہے۔ جمع کے معنی کیونکہ حقیقۃً وطی میں پائے جاتے ہیں اس لئے اس معنے میں اس کا استعمال باعتبار حقیقت اور بمعنیٰ عقد مجازاً ہے۔

ینعقد بالایجاب والقبول الخ۔ فرماتے ہیں کہ نکاح کا انعقاد ایجاب وقبول دو اسطرح کے لفظوں سے ہو جاتا ہے جن سے ماضی کے زمانہ کی نشان دہی ہو رہی ہو۔ اس لئے کہ واقع ہونے اور تحقق کا جہاں تک تعلق ہے اسکی نشاندہی ماضی ہی کے ذریعہ ہوتی ہے۔ اس کے برعکس حال کا زمانہ کہ اس کی فی نفسہٖ الگ کوئی حقیقت نہیں ہوتی بلکہ اس کی ترکیب میں دو زمانے یعنی ماضی ومستقبل داخل ہوتے ہیں اور زمانۂ مستقبل کا معاملہ یہ ہے کہ تکلم کے وقت اس کا وجوب نہیں ہوتا اس تفصیل کے مطابق یہ ناگزیر ہے کہ یا تو ایجاب وقبول کے صیغے ماضی کے ہوں یا کم از کم ان میں سے ایک ماضی کا صیغہ ہو۔

تنبیہ: واضح رہے کہ صاحب کتاب نے جو عبارت میں زوجنی تحریر فرمایا یہ دراصل ایجاب نہیں بلکہ وہ توکیل ہے۔ پھر صاحب کتاب کا قول "زوجتك" ایجاب وقبول ہے۔ کیونکہ نکاح کا جہاں تک تعلق ہے اس میں ایجاب وقبول دونوں کی ادائیگی ایک لفظ سے بھی ہو جاتی ہے۔

بیع ونکاح میں فرق بیع کا معاملہ نکاح کے برعکس ہے اس لئے کہ اگر خریدنیوالا فروخت کرنیوالے سے کہے کہ یہ چیز مجھے بیچدے اور وہ کہے میں نے بیچدی تو تاوقتیکہ خریدنیوالا دوبارہ "میں نے خریدی" نہ کہے بیع منعقد نہ ہوگی اس لئے کہ بیع میں ایجاب وقبول ایک لفظ سے ادا نہیں ہوتا۔ نکاح وبیع کے دراصل اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ بیع کے اندر تو حقوق عقد بیع کرنیوالے کی طرف لوٹا کرتے ہیں اور نکاح میں حقوق عاقد کیطرف نہیں بلکہ شوہر اور بیوی کیطرف لوٹتے ہیں۔ اس واسطے کہ مثلاً اگر عاقد ان دونوں کے علاوہ یعنی ولی یا وکیل ہو تو اس کی حیثیت محض سفیر کی ہوگی۔

شرعاً نکاح کی اہمیت اگر بدکاری میں ابتلاء کا سخت اندیشہ ہو اور بہ ظاہر بغیر نکاح بدکاری سے احتراز ناممکن ہو تو ایسی صورت میں نکاح کرنا فرض ہو جاتا ہے اور اگر غلبۂ شہوت نہ ہو تو زیادہ صحیح قول کے مطابق یہ سنتِ مؤکدہ قرار پائے گا اور اگر اس کے ذریعہ عورت کی حقوق تلفی ہو تو مکروہ ہوگا اور ظلم و تعنت کے یقین کی صورت میں حرام ہوگا۔

وَلَا يَنْعَقِدُ نِكَاحُ الْمُسْلِمِيْنَ اِلَّا بِحُضُوْرِ شَاهِدَيْنِ حُرَّيْنِ بَالِغَيْنِ عَاقِلَيْنِ مُسْلِمَيْنِ اَوْ رَجُلٍ
اور مسلمانوں کے نکاح کا انعقاد نہ ہوگا مگر یہ کہ دو آزاد عاقل بالغ مسلمان بطور گواہ موجود ہوں یا ایک مرد اور دو عادل عورتیں
وَامْرَأَتَيْنِ عُدُوْلًا كَانُوْا اَوْ غَيْرَ عُدُوْلٍ اَوْ مَحْدُوْدِيْنَ فِي قَذْفٍ فَاِنْ تَزَوَّجَ مُسْلِمٌ
یا غیر عادل یا تہمت لگانے کے باعث حد لگے ہوئے موجود ہوں۔ لہٰذا اگر مسلمان کسی ذمی عورت
ذِمِّيَّةً بِشَهَادَةِ ذِمِّيَّيْنِ جَازَ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَاَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ وَقَالَ
کے ساتھ دو ذمی گواہوں کی موجودگی میں نکاح کرے تو امام ابو حنیفہؒ وامام ابو یوسفؒ کے نزدیک درست ہوگا اور امام محمدؒ کے
مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَا يَجُوْزُ اِلَّا اَنْ يَشْهَدَ شَاهِدَيْنِ مُسْلِمَيْنِ۔
نزدیک درست نہ ہوگا الا یہ کہ اس نے دو مسلمان گواہ بنالئے ہوں۔

تشریح وتوضیح وَلَا يَنْعَقِدُ نِكَاحُ الْمُسْلِمِيْنَ الخ صحتِ نکاح کیلئے گواہوں کا ہونا شرط ہے۔ مسند احمد، ابو داؤد اور ترمذی وابن ماجہ میں حضرت ابو موسیٰؓ سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ولی کے بغیر نکاح نہیں۔ اور مسند احمد وترمذی وابو داؤد میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس عورت نے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کیا تو اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے۔

ابن حبان میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ولی اور دو عادل گواہوں کے بغیر نکاح نہ ہوگا۔ ترمذی شریف میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ گواہوں کے بغیر نکاح کرنیوالی عورتیں زانیہ ہیں۔
حضرت امام مالکؒ کے نزدیک صحتِ نکاح کیلئے گواہوں کی شرط نہیں فقط نکاح کا اعلان کافی ہوگا۔ اس لئے کہ ترمذی میں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نکاح کا اعلان کرو اور نکاح مساجد میں کیا کرو۔
الا بحضور شاھدین حرین الخ۔ صحتِ نکاح کیلئے یہ ناگزیر ہے کہ گواہ آزاد ہوں اس لئے کہ گواہی ولایت کے بغیر نہیں ہوا کرتی اور غلام اپنی ذات ہی پر ولایت نہیں رکھتا تو اسے دوسرے پر کیا حاصل ہوسکتی ہے۔ علاوہ ازیں گواہوں کا عاقل بالغ ہونا بھی شرط ہے کہ عقل اور بلوغ نہ ہو تو ولایت بھی حاصل نہیں ہوا کرتی۔ ایسے ہی مسلمانوں کے نکاح میں یہ بھی ناگزیر ہے کہ شاھد مسلمان ہوں کہ غیر مسلم کو مسلمان پر ولایت حاصل نہ ہوگی۔ البتہ صحتِ نکاح کیلئے یہ شرط ہرگز نہیں کہ دونوں گواہ مرد ہی ہوں۔ اگر گواہ ایک مرد ہو اور دو عورتیں تب بھی نکاح درست ہوگا۔
حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک یہ ضروری ہے کہ دونوں گواہ مرد ہوں۔ علاوہ ازیں عند الاحناف صحتِ نکاح کے لئے گواہوں کے عادل ہونے کو بھی شرط قرار نہیں دیا گیا۔ اگر گواہ فاسق ہوں یا ایسے ہوں کہ کسی کو متہم کرنیکی وجہ سے ان پر حد لگ چکی ہو تب بھی نکاح درست ہو جائے گا۔ حضرت امام شافعیؒ کا اس میں بھی احناف سے اختلاف ہے۔
فان تزوج مسلم ذمیۃ الخ۔ فرماتے ہیں عورت کے ذمیہ ہونیکی صورت میں امام ابوحنیفہؒ وامام ابو یوسفؒ کے نزدیک مسلمان مرد کا نکاح دو ذمی گواہوں کی موجودگی میں درست ہو جائیگا۔ امام محمدؒ وامام زفرؒ فرماتے ہیں کہ درست نہ ہوگا اس لئے کہ ایجاب وقبول کا سننا زمرۂ شہادت میں داخل ہے اور بحقِ مسلمان کافر کی شہادت مقبول نہیں۔

وَلَا يَحِلُّ لِلرَّجُلِ اَنْ يَتَزَوَّجَ بِاُمِّهٖ وَلَا بِجَدَّاتِهٖ مِنْ قِبَلِ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَلَا بِبِنْتِهٖ وَلَا
اور جائز نہیں کہ کوئی شخص اپنی والدہ سے نکاح کرے اور دادی سے نکاح جائز نہیں ہے خواہ مردوں کی جانب سے ہو یا عورتوں کی۔ اور نہ یہ
بِبِنْتِ وَلَدِهٖ وَاِنْ سَفُلَتْ وَلَا بِاُخْتِهٖ وَلَا بِبَنَاتِ اُخْتِهٖ وَلَا بِعَمَّتِهٖ وَلَا بِخَالَتِهٖ وَلَا بِبَنَاتِ
جائز ہے کہ اپنی لڑکی اور اپنی پوتی سے نکاح کرے نیچے تک۔ اور نہ یہ جائز ہے کہ اپنی بہن، اپنی بھانجی اور پھوپھی اور خالہ اور بھتیجیوں اور
اَخِيْهِ وَلَا بِاُمِّ امْرَأَتِهٖ دَخَلَ بِابْنَتِهَا اَوْ لَمْ يَدْخُلْ وَلَا بِبِنْتِ امْرَأَتِهِ الَّتِيْ دَخَلَ
اپنی خوشدامن سے نکاح کرے خواہ خوشدامن کی بیٹی سے ہمبستر ہو چکا ہو یا نہ ہو چکا ہو۔ اور نہ اس بیوی کی لڑکی سے جس کے ساتھ
بِهَا سَوَاءٌ كَانَتْ فِيْ حِجْرِهٖ اَوْ فِيْ حِجْرِ غَيْرِهٖ وَلَا بِامْرَأَةِ اَبِيْهِ وَاَجْدَادِهٖ وَلَا بِامْرَأَةِ
ہمبستر ہو چکا ہو خواہ وہ لڑکی اس کے زیر پرورش ہو یا دوسرے کی پرورش میں ہو اور نہ یہ جائز ہے کہ اپنے والد کی اور دادا کی بیوی
اِبْنِهٖ وَبَنِيْ اَوْلَادِهٖ وَلَا بِاُمِّهٖ مِنَ الرَّضَاعَةِ وَلَا بِاُخْتِهٖ مِنَ الرَّضَاعَةِ وَلَا يَجْمَعُ بَيْنَ
اور اپنے لڑکے اور اپنے پوتوں کی بیوی سے نکاح کرے اور اپنی رضاعی والدہ اور رضاعی بہن سے نکاح جائز نہیں اور نہ بواسطۂ

الاُختَین بنکاحٍ وَلا بملكِ یمینٍ وطئًا وَلا یجمعُ بَینَ المَرأةِ وَ عمّتِها اَوخالتِها وَ لا
نکاح دو بہنوں کو ہمبستری میں جمع کرنا جائز ہے اور نہ بواسطۂ ملک یمین درست ہے اور کسی عورت اور اسکی پھوپھی یا اسکی خالہ اور اسکی بھانجی

ابنۃِ اُختِھا وَلا ابنۃِ اَخِیھا وَلا یجمعُ بینَ امرأتَینِ لوکانتْ کلُّ واحدۃٍ منھما
اور بھتیجی کو نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں اور نہ ایسی دو عورتوں کو جمع کرنا جائز ہے کہ ان میں سے ایک کے مرد ہونے پر اس کا نکاح

رَجُلًا لَمْ یجُزلَہٗ اَنْ یَتزوّجَ بالاُخریٰ وَلا بأسَ باَنْ یجمعَ بینَ امرأۃٍ وَ ابنۃِ زَوجٍ
دوسری سے درست نہ ہو اور عورت اور اس سابق شوہر کی لڑکی (جو دوسرے کے بطن سے ہو) کو جمع کرنے میں مضائقہ نہیں

کانَ لھا مِنْ قبلُ وَمَنْ زنیٰ بامرأۃٍ حرُمتْ علیہِ اُمُّھا وَابنتُھا وَاِذا طلّق الرجلُ
اور جو شخص کسی عورت سے زنا کرے تو اس پر اس عورت کی والدہ اور اس کی بیٹی حرام ہو جائیگی اور جو شخص اپنی اہلیہ کو طلاق

اِمرأتَہٗ طلاقًا بائنًا اَوْ رَجعیًّا لَمْ یجُزْ لہٗ اَنْ یتزوّجَ باُختِھا حتّٰی تنقضیَ عدّتُھا وَ
بائن یا رجعی دے تو عدت گذرنے تک اس کا اس کی بہن سے نکاح درست نہیں

لا یجوزُ للمولیٰ اَنْ یتزوّجَ اَمتَہٗ وَلا المرأۃُ عبدَھا وَیجوزُ تزویجُ الکتابیاتِ وَلا
اور آقا کے واسطے یہ درست نہیں کہ وہ اپنی باندی کے ساتھ نکاح کرے اور نہ عورت کا اپنے غلام سے نکاح جائز ہے اور کتابیہ عورتوں کیساتھ

یجوزُ تزویجُ المجوسیاتِ وَلا الوثنیاتِ وَیجوزُ تزویجُ الصّابیاتِ اِنْ کانُوا
نکاح درست ہے اور آتش پرست و بت پرست عورتوں کے ساتھ درست نہیں اور صابیہ عورتوں کا اگر کسی نبی پر ایمان ہو اور کتاب

یؤمنونَ بنبیٍّ وَیقرءُونَ الکتابَ وَاِنْ کانوا یعبدُونَ الکواکبَ وَ لا کتابَ لھمْ
پڑھا کرتی ہوں تو ان کے ساتھ نکاح جائز ہے اور اگر ستاروں کی پرستش کرنیوالی ہوں اور ان کے واسطے کتاب نہ ہو

لَمْ یجُزْ مناکحتُھم۔
تو ان سے نکاح کرلینا درست نہیں۔

لغات کی وضاحت:۔ اُمّ: ماں۔ جدّات: دادیاں۔ نانیاں۔ الرجال: رجل کی جمع: مرد۔ اخت: بہن

عمّۃ: پھوپھی۔ بناتِ اخیہ: بھتیجیاں۔ امرأۃ ابیہ: سوتیلی ماں۔ المجوسیات: آگ کی پرستش کرنے والی عورتیں۔ الوثنیات: بتوں کو پوجنے والی عورتیں۔ الکواکب۔ کوکب کی جمع: ستارے۔ مناکحۃ: نکاح کرنا۔

شرعی محرّمات

تشریح و توضیح وَلا یحلُّ للرجُلِ الخ۔ یہ ذکر کردہ عورتیں جن سے نکاح کرنا حرام ہے ان کے حرام ہونے کی اصل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے "حُرِّمَتْ عَلَیْکُمْ اُمَّھَاتُکُمْ وَبَنَاتُکُمْ وَاَخَوَاتُکُمْ وَعَمّٰتُکُمْ وَ

خالاتکم وبناتُ الاخ وبنات الاختِ وامهاتکم اللاتی ارضعنکم واخواتکم من الرضاعۃ وَامھاتِ نسائکم وربائبکم اللاتی فی حجورکم من نسائکم اللاتی دخلتم بھن فان لم تکونوا دخلتم بھن فلا جناح علیکم وحلائل ابنائکم الذین من اصلابکم وان تجمعوا بین الاختین الا ما قد سلف ان اللہ کان غفوراً رحیماً ۔

ولا بأس بہ من الرضاعۃ الخ ۔ یعنی نسباً جن رشتوں کی حرمت کے بارے میں بتایا گیا رضاعاً بھی ان رشتوں کی حرمت ثابت ہے ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے " وامہاتکم اللاتی ارضعنکم " (الآیہ) طبرانی نے معجم کبیر میں روایت نقل کی ہے کہ نسباً جن رشتوں کی حرمت ثابت ہے رضاعاً بھی وہ رشتے حرام ہیں ۔

بخاری ومسلم میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی سے نکاح کے بارے میں عرض کیا گیا تو ارشاد ہوا کہ وہ میرے لئے حلال نہیں کیونکہ وہ میرے رضاعی بھائی (حضرت حمزہؓ رضاعی بھائی بھی تھے) کی لڑکی ہے ۔ اور رضاعاً بھی رشتے حرام ہیں جو کہ نسباً حرام ہیں ۔

ولا یجمع بین الاختین بنکاح الخ ۔ یہ جائز نہیں کہ کوئی شخص دو بہنوں کو بیک وقت نکاح میں رکھے ۔ اسی طرح یہ بھی درست نہیں کہ کوئی شخص دو بہنوں کو بذریعۂ ملک یمین اکٹھی کرے ۔

ولا یجمع بین امرأتین لو کانت الخ ۔ یہاں صاحب کتاب ایک ضابطۂ کلیہ بیان فرما رہے ہیں وہ یہ کہ کسی شخص کا ایسی دو عورتوں کو بیک وقت نکاح میں رکھنا جائز نہیں کہ اگر ان میں سے کسی ایک کو مرد تصور کیا جائے تو اس کا نکاح دوسری سے درست نہ ہو ۔ مثال کے طور پر ایک عورت اور اسکی خالہ ۔ کہ اگر عورت کو مرد تصور کر لیا جائے تو اس کا نکاح اپنی خالہ سے جائز نہ ہوگا ۔ رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمائی ۔ بخاری ومسلم میں حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص کسی عورت اور اس کی پھوپھی کو اور کسی عورت اور اس کی خالہ کو جمع نہ کرے اور اگر ایسا ہو کہ ایک کو مرد تصور کرنے پر دوسری سے نکاح حرام نہ ہوتا ہو تو ایسی دو عورتوں کو بیک وقت نکاح میں رکھنا جائز ہے ۔ اس پر چاروں ائمہ متفق ہیں ۔ مثال کے طور پر کوئی عورت اور اس کے سابق شوھر کی لڑکی جو کسی دوسری عورت کے بطن سے ہو کہ ان کے جمع کرنے میں شرعاً مضائقہ نہیں ۔

ومن زنیٰ بامرأۃ الخ اس بارے میں صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور صحابہؓ کے بعد کے علماء کا اختلاف ہے کہ حرمتِ مصاہرت زنا سے لازم ہوتی ہے یا نہیں ؟ حرمتِ مصاہرت سے مراد چار حرمتیں ہیں ۔ یعنی ہمبستری کرنیوالے کی حرمت موطوءہ کے اصول وفروع پر اور موطوءہ کی حرمت ہمبستر ہونیوالے کے اصول وفروع پر ۔ ایک جماعت تو بذریعۂ زنا ثبوتِ حرمت کا انکار کرتی ہے ۔

احنافؒ حرمتِ مصاہرت زنا کے ذریعہ بھی ثابت ہونے کے سلسلہ میں بطور تائید حضرت عمرؓ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم کا قول پیش کرتے ہیں ۔ وجہ حرمت یہ ہے کہ ہمبستری جزئیت اور اولاد کا سبب ہے

لہٰذا عورت کے اصول و فروع کا حکم مرد کے اصول و فروع کا سا ہوگا اور جزء سے استمتاع وانتفاع حرام ہے۔ صرف ضرورۃً اس کی گنجائش ہے اور رہ وہ عورت ہے جس کے ساتھ ہمبستری ہو چکی ہو۔ اگر یہ کہا جائے کہ ایک مرتبہ کے بعد موطوءہ سے ہمبستری حرام ہے تو اس میں حرج عظیم واقع ہوگا اور اس سے احتراز ضروری ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ وجہ حلال ہمبستری کے ساتھ خاص نہیں بلکہ حرام ہمبستری بھی اس میں داخل ہے۔ احناف کے مستدل کی تائید میں ابن ابی شیبہ کی یہ مرفوعاً روایت ہے کہ جس شخص نے کسی عورت کی شرمگاہ کو دیکھا اس پر اس عورت کی ماں اور بیٹی حرام ہو گئی۔
حضرت امام شافعیؒ اس کے قائل نہ ہوتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مصاہرت تو زمرۂ نعمت میں داخل ہے اور اس نعمت کا حصول بذریعۂ فعل حرام نہیں ہو سکتا۔

و اذا طلق الرجل امرأتہ الخ۔ یہاں فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے اپنی زوجہ کو طلاق دیدی اس سے قطع نظر کردہ طلاق بائن ہو یا رجعی بہر صورت تا وقتیکہ عدت نہ گذر جائے اس کی دوسری بہنیں نکاح کیلئے جائز نہیں۔ طلاق بائن میں بھی من وجہ اور ایک اعتبار سے حکم نکاح برقرار رہتا ہے اس واسطے عدت کے دوران کا حکم بھی عورت کے نکاح میں رہنے کا سا ہے۔ صحابۂ کرام میں حضرت علی، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ ابن مسعود اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم وغیرہ یہی فرماتے ہیں۔ حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ اور حضرت ابن ابی لیلےٰ کے نزدیک اگر یہ عدت طلاقِ مغلظہ یا بائن کی ہو تو اس صورت میں عدت پوری ہونے سے قبل بھی اس کے بہن کے ساتھ نکاح جائز ہے اس لئے کہ اس شکل میں نکاح سرے سے باقی نہیں رہا۔
عند الاحناف من وجہٍ احکام برقرار ہیں مثال کے طور پر نفقہ کا وجوب، اسی طرح عورت کے گھر سے نکلنے کی ممانعت وغیرہ۔

و یجوز تزویج الکتابیات الخ۔ یہودیہ اور نصرانیہ وغیرہ سے نکاح جائز ہے جن کا اعتقاد آسمانی دین پر ہو اور ان کے لئے کوئی منزل من اللہ کتاب ہو۔ مثال کے طور پر حضرت داؤد علیہ السّلام پر نازل شدہ کتاب زبور۔ اس کے اطلاق میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ حکم حربیہ ذمیہ اور آزاد عورت اور باندی سب کو شامل ہے اور یہ کہ کتابیہ سے نکاح جائز ہے۔ صحیح یہی ہے کہ ان سے نکاح کرنا اور ان کا ذبیحہ کھانا مطلقاً جائز ہے۔ ارشادِ ربانی ہے "ولا تنکحوا المشرکات" کتابیات کے علاوہ کے ساتھ مخصوص ہے۔

و یجوز تزویج الصابیات الخ۔ صابیہ سے نکاح کا جائز نہ ہونا دراصل دو قیدوں کے ساتھ مقید ہے۔ ایک تو یہ کہ اہل کتاب نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ ستاروں کی پرستش کرتی ہو۔ اس بارے میں کہ صابیہ سے نکاح جائز ہے یا نہیں۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ تو نکاح درست قرار دیتے ہیں اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ عدم جواز کے قائل ہیں۔ دراصل یہ اختلاف اس بنیاد پر ہے کہ اس فرقہ کو اہل کتاب میں شمار کیا جائے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کی تحقیق کی رو سے یہ فرقہ زبور کو مانتا ہے اور اہل کتاب میں داخل ہے۔ نیز ستاروں کو پوجتا نہیں محض تعظیم کرتا ہے۔ حضرت ابو العالیہ سے منقول ہے کہ صابیین اہل کتاب میں سے ایک فرقہ ہے جو زبور کی تلاوت کرتا ہے۔ حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کی تحقیق کے مطابق یہ ستاروں کی پرستش کرنیوالا گروہ ہے۔ مصنف عبد الرزاق میں حضرت

عبد اللہ ابن عباسؓ سے نقل کیا گیا کہ یہ فرقہ یہود و نصاریٰ میں سے نہیں بلکہ مشرکین میں سے ہے۔ لہٰذا اس کا ذبیحہ حلال ہے اور نہ اس کے ساتھ مناکحت جائز ہے۔

ویجوزُ للمُحرِمِ والمُحرِمَۃِ ان یتزوّجا فی حالۃِ الاحرامِ۔
اور محرم اور محرمہ کا بحالتِ احرام نکاح کرنا جائز ہے۔

احرام کی حالت میں نکاح کا ذکر

تشریح وتوضیح ویجوزُ للمحرمِ الخ۔ حج اور عمرہ کے احرام کی حالت میں یہ جائز ہے کہ نکاح کرلیا جائے حضرت امام شافعیؒ اس کے عدم جواز کے قائل ہیں۔ احنافؒ تو صحاح ستہ میں مروی حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ کی اس روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے احرام کی حالت میں ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔ قیاس بھی اس کا مؤید ہے۔ اس لئے کہ نکاح ان تمام عقود کی مانند ہے جن کا تلفظ زبان سے ہوتا ہے۔ اور احرام باندھنے والے کے واسطے محض زبان سے تلفظ کی ممانعت نہیں۔ مثال کے طور پر محرم کے لئے یہ درست ہے کہ بحالتِ احرام باندی خریدلے۔

شوافع حضرت یزید بن الاصمؓ کی اس روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا تو آپ حلال تھے۔ یہ روایت مسلم میں موجود ہے۔

محشیٔ مشکوٰۃ ان دونوں روایتوں کا موازنہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ احناف رحمہم اللہ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت کو حضرت یزید بن الاصم رضی اللہ عنہ کی روایت پر ترجیح اسلئے دی کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ حفظ واتقان کے اعتبار سے حضرت یزید سے افضل ہیں۔ علاوہ ازیں حضرت ابن عباسؓ کی روایت پر اصحاب صحاح ستہ متفق ہیں اور حضرت یزید رضی اللہ عنہ کی روایت بخاری اور نسائی نے نہیں لی۔ رہ گئیں وہ تاویلات جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کے بارے میں کی گئی ہیں ان کی حیثیت تکلفات بعیدہ سے زیادہ نہیں۔

درست یہ ہے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اہلیہ حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں حضرت عباسؓ کو وکیل نکاح بنایا اور انھوں نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا نکاح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے کردیا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اس وقت محرم تھے پھر جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم حلال ہوکر مقام سرف میں تشریف لائے تو وہاں آپ نے حضرت میمونہؓ سے ملاقات فرمائی۔ عجیب اتفاق ہے کہ حضرت میمونہؓ سے مقام سرف میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خلوت فرمائی اور اسی جگہ ۵۱ھ میں ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا اور اسی جگہ آپ کی تدفین ہوئی۔

وَینعقدُ نکاحُ الحرۃِ البالغۃِ العاقلۃِ برضاھا وان لم یعقدْ علیھا ولیٌّ عندابی حنیفۃؒ
اور عاقلہ بالغہ آزاد عورت کے نکاح کا انعقاد امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس کی رضا سے ہوجاتاہے اگرچہ اس کا ولی نہ کرے۔
بکرًا کانت اوثیبًا وقالا لاینعقدُ اِلّا باذنِ ولیٍّ ولایجوزُ للولیِّ اجبارُ البکرِ البالغۃِ العاقلۃِ
عورت خواہ کنواری ہو یا ثیبہ۔ اور امام ابو یوسفؒ وامام محمدؒ کے نزدیک منعقد نہ ہوگا لیکن باجازت ولی اور ولی کیواسطے یہ درست نہیں کہ عاقلہ بالغہ
وَاِذا استأذنھا الولیُّ فسکتتْ اَوضحکتْ اَوبکتْ بغیرِصوتٍ فذلکَ اِذنٌ منھا واِنِ
کنواری لڑکی پر جبر کرے اور اگر ولی کے طلب اجازت پر وہ چپ رہے یا ہنسے یا بغیر آواز روئے تو یہ اسکی جانب سے اجازت ہوگی اور ثیبہ سے طلب
استأذنَ الثیبَ فلابُدَّ مِن رضاھا بالقولِ واِذا زالتْ بکارتُھا بوثبۃٍ اَوحیضۃٍ اَو
اجازت پر اس کا اظہار رضا قولاً ناگزیر ہے۔ اور اگر لڑکی کی بکارت کودنے یا ماہواری آنے یا زخم یا
جراحۃٍ اَوتعنیسٍ فھیَ فی حُکمِ الابکارِ وان زالتْ بکارتُھا بالزنا فھیَ کذلکَ عندَ
مدت دراز تک بیٹھے رہنے کیوجہ سے جاتی رہے تو اس کا حکم باکرہ لڑکیوں کا ساہوگا اور بوجہ زنا زائل ہونے پر بھی امام ابو حنیفہؒ کے
ابی حنیفۃَ رحمہُ اللہُ وقالا رحمھما اللہُ ھیَ فی حُکمِ الثیبِ واِذا قالَ الزوجُ للبکرِ بلغکِ
نزدیک اس کا حکم باکرہ کا ہوگا اور امام ابو یوسفؒ وامام محمدؒ کے نزدیک وہ بحکم ثیبہ ہوگی اور اگر خاوند باکرہ سے کہے کہ تو نکاح کی
النکاحُ فسکتِّ وقالتْ لا بلْ رددتُ فالقولُ قولُھا ولا یمینَ علیھا ولا یُستحلفُ فی النکاحِ
اطلاع ملنے پر خاموش رہی تھی اور وہ کہے نہیں میں نے رد کردیا تھا تو عورت کا قول قابل اعتبار ہوگا اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس سے
عندَ ابی حنیفۃَؒ وقالا یستحلفُ فیہِ وینعقدُ النکاحُ بلفظِ النکاحِ والتزویجِ والتملیکِ
نکاح کے سلسلہ میں حلف نہیں لیا جائیگا اور امام ابو یوسفؒ وامام محمدؒ فرماتے ہیں کہ حلف لیا جائیگا اور نکاح کا انعقاد نکاح اور تزویج
والھبۃِ والصدقۃِ ولاینعقدُ بلفظِ الاجارۃِ والاعارۃِ والاباحۃِ۔
اور تملیک اور ہبہ اور صدقہ کے لفظ سے ہوجائیگا اور اجارہ، اعارہ اور اباحہ کے لفظ سے نہ ہوگا۔

کنواری اور ثیبہ کے احکام کا بیان

لغات کی وضاحت: البکر: دوشیزگی۔ کنوارا پن۔ استأذن: اجازت طلب کرنا۔ الثیب: شادی شدہ مرد یا عورت۔ دونوں کیلئے یکساں ہے۔ کہتے ہیں "رجلٌ ثیبٌ" (شادی شدہ مرد) "امرأۃ ثیب" (شوہر سے جدا شدہ عورت) ثیب جو عورتوں کے لئے ہے اس کی جمع ثیبات ہے۔

تشریح وتوضیح: وینعقد نکاح الحرۃ الخ: حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک عاقلہ بالغہ بلا اذن ولی نکاح کرے تب بھی منعقد ہوجائے گا۔ حضرت امام ابو یوسفؒ وحضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ نکاح کا انعقاد ولی کی رضامندی پر موقوف ومنحصر رہے گا۔ حضرت امام مالکؒ اور

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ بلا رضائے ولی عورتوں کو نکاح کر لینے کا حق ہی حاصل نہیں۔ انکا مستدل ابوداؤد و ترمذی اور ابن ماجہ میں مروی یہ روایت ہے "لانکاح الابولی" (بلا اذنِ ولی نکاح نہیں) نیز ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت ہے کہ جو عورت بلا اذنِ ولی نکاح کرے اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے

حضرت امام ابوحنیفہؒ کا استدلال ان آیات سے ہے جن میں بظاہر بھی نکاح کی اضافت بجانب عورت ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد "فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره" (الآیۃ) نیز فرمایا "فلا تعضلوهن ان ينكحن ازواجهن اذا تراضوا بينهم بالمعروف" (الآیۃ) نکاح کا جہاں تک تعلق ہے وہ خالص عورت کے حق میں تصرف ہے اور اس میں عاقلہ بالغہ ہونیکی بنا پر اس کی اہلیت ہے اسی لئے اموال اور شوہروں کے حسب صوابدید انتخاب و نکاح کرنے کا بالاتفاق اسے حق دیا گیا۔ رہ گئی ولی کی شرط تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی امر نکاح میں کمی پیش آئے تو ولی کو حقِ اعتراض ہے۔ مثلاً عورت مہرِ مثل سے کم پر نکاح کر رہی ہو۔

ولا یجوز للولی اجبار البکر البالغۃ الخ۔ فرماتے ہیں کہ عاقلہ بالغہ لڑکی خواہ کنواری ہی کیوں نہ ہو ولی کو اس پر ولایتِ اجبار حاصل نہیں۔

ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ باکرہ بالغہ لڑکی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اس کے باپ نے اس کا نکاح زبردستی کر دیا اور وہ اس نکاح کو پسند نہیں کرتی تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اسے اختیارِ فسخ عطا فرمایا۔ اسی طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس ثیبہ کو اختیار دیا جس کا نکاح اس کے باپ نے زبردستی کر دیا تھا اور اسے یہ نکاح پسند نہ تھا۔ یہ روایت نسائی اور دارقطنی میں موجود ہے۔

واذا استاذنہا الولی الخ۔ فرماتے ہیں کہ اگر بالغہ باکرہ کا ولی اس سے اجازتِ نکاح طلب کرے اور وہ اس پر چپ رہے یا ہنسے یا آواز کے بغیر رونے لگے تو اس سے اس کی رضامندی کی نشاندہی ہوگی اور اظہارِ رضا پر محمول کریں گے۔

واذا قال الزوج للبکر الخ۔ جب مرد و عورت کے درمیان نزاع و اختلاف واقع ہوا اور خاوند باکرہ بالغہ سے یہ کہے کہ جب تجھ تک نکاح کی اطلاع پہنچی تو تو نے خاموشی اختیار کی تھی اور میرے تیرے درمیان نکاح کی تکمیل ہو گئی تھی اور عورت اس کے جواب میں کہے کہ میں نے تو اسے قولاً رد کر دیا تھا یا اس عمل سے رد کر دیا تھا جو رد کی علامت ہوتا ہے لہٰذا میرے اور تیرے درمیان نکاح ہی نہیں ہوا اور خاوند کے پاس اپنے دعوے کے شاہد موجود نہ ہوں تو اس صورت میں عورت کا قول معتبر ہوگا۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ حلف کے بغیر اس کے قول کو معتبر قرار دیتے ہیں۔ اور حضرت امام ابویوسفؒ و حضرت امام محمدؒ مع الحلف معتبر قرار دیتے ہیں۔ مفتیٰ بہ حضرت امام ابویوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کا قول ہے۔

وینعقد النکاح بلفظ النکاح الخ۔ فرماتے ہیں کہ انعقادِ نکاح کا جہاں تک تعلق ہے وہ ہر ایسے لفظ سے منعقد ہو جاتا ہے جس کی وضع صریح طور پر اس کے واسطے ہوئی ہو مثلاً نکاح، تزویج، تملیک، ہبہ، صدقہ۔ لفظِ اجارہ اور اعارہ

اور اباحہ کے ذریعہ نکاح کا انعقاد نہ ہوگا اس لئے کہ ان الفاظ کا جہاں تک تعلق ہے وہ تملیکِ عین کیلئے وضع نہیں کئے گئے بلکہ ان کی وضع دراصل تملیکِ منفعت کی خاطر ہوئی ہے۔
حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک ان الفاظ سے نکاح منعقد نہیں ہوتا جو حالاً ملکِ عین کیواسطے وضع کئے گئے ہوں۔
اور رہا لفظِ ہبہ سے نکاح کا انعقاد تو وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے۔ ارشادِ ربانی ہے "خالصۃً لک من دُونِ المؤمنین" (الآیۃ)
احناف اس ارشادِ باری تعالیٰ سے استدلال کرتے ہیں "ان وہبت نفسہا للنبی" (الآیۃ)۔ (جو بلا عوض اپنے کو پیغمبر کو دیدے) مجاز ہے۔ اور مجازاً آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص نہ ہوگا۔ اور ارشادِ ربانی "خالصۃً لک" عدمِ وجوبِ مہر سے متعلق ہے یا یہ کہ وہ خالص طور پر آپ کیلئے حلال ہیں۔ یعنی کسی کو ان سے نکاح کرنا (آپؐ کے بعد) حلال نہ ہوگا۔

وَيَجُوْزُ نِكَاحُ الصَّغِيْرِ وَالصَّغِيْرَةِ اِذَا زَوَّجَهُمَا الْوَلِيُّ بِكْرًا كَانَتِ الصَّغِيْرَةُ اَوْ ثَيِّبًا وَالْوَلِيُّ هُوَ
اور ولی کو نابالغ لڑکے اور لڑکی کا نکاح کرنا جائز ہے لڑکی خواہ کنواری ہو یا ثیبہ - اور ولی وہ عصبہ
الْعَصَبَةُ فَاِنْ زَوَّجَهُمَا الْاَبُ اَوِ الْجَدُّ فَلَا خِيَارَ لَهُمَا بَعْدَ الْبُلُوْغِ وَاِنْ زَوَّجَهُمَا غَيْرُ الْاَبِ
ہوا کرتا ہے۔ پھر اگر باپ یا دادا نے نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح کر دیا تو بالغ ہونے کے بعد انھیں حقِ فسخ حاصل نہ ہوگا اور اگر باپ دادا کے
وَالْجَدِّ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا الْخِيَارُ اِنْ شَاءَ اَقَامَ عَلَى النِّكَاحِ وَاِنْ شَاءَ فَسَخَ وَلَا وِلَايَةَ لِعَبْدٍ
علاوہ کوئی نکاح کرے تو دونوں میں سے ہر ایک کو یہ حق حاصل ہوگا کہ خواہ یہ نکاح برقرار رکھیں اور خواہ فسخ کر دیں۔ اور غلام اور نابالغ
وَلَا لِصَغِيْرٍ وَلَا لِمَجْنُوْنٍ وَلَا لِكَافِرٍ عَلٰى مُسْلِمَةٍ وَقَالَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ يَجُوْزُ لِغَيْرِ الْعَصَبَاتِ مِنَ
اور پاگل اور کافر کو مسلمہ عورت پر کسی طرح کی ولایت حاصل نہیں ہوتی اور امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اقارب میں سے عصبات کے
الْاَقَارِبِ التَّزْوِيْجُ مِثْلُ الْاُخْتِ وَالْاُمِّ وَالْخَالَةِ وَمَنْ لَا وَلِيَّ لَهَا اِذَا زَوَّجَهَا مَوْلَاهَا
علاوہ کو نکاح کر دینا درست ہے مثلاً بہن اور والدہ اور خالہ اور وہ عورت جس کا کوئی شخص ولی نہ ہو اگر اس کا نکاح اسے
الَّذِيْ اَعْتَقَهَا جَازَ وَاِذَا غَابَ الْوَلِيُّ الْاَقْرَبُ غَيْبَةً مُنْقَطِعَةً جَازَ لِمَنْ هُوَ اَبْعَدُ مِنْهُ
نعمتِ آزادی عطا کرنے والا آقا کر دے تو درست ہے اور ولیِ اقرب کے غیبت منقطعہ کی صورت میں ولی ابعد کے لئے
اَنْ يُّزَوِّجَهَا وَالْغَيْبَةُ الْمُنْقَطِعَةُ اَنْ يَّكُوْنَ فِيْ بَلَدٍ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ الْقَوَافِلُ فِي السَّنَةِ
ولایتِ نکاح ہے اور غیبتِ منقطعہ یہ کہلاتی ہے کہ اس کا قیام ایسی جگہ ہو کہ جہاں قافلے پورے سال میں محض ایک
اِلَّا مَرَّةً وَّاحِدَةً۔
بار پہنچ سکتے ہوں۔

نکاح کے اولیاء کا ذکر

تشریح و توضیح

والولی ھو العصبۃ الخ فرماتے ہیں کہ نکاح کی ولایت کا جہاں تک معاملہ ہے اس میں بھی ولایتِ نکاح عصبہ بنفسہ کو حاصل ہوتی ہے۔ عصبہ بنفسہ سے مراد یہ ہے کہ میت کیطرف اس کے انتساب میں کسی مؤنث کا واسطہ نہ ہو یعنی مثلاً اول بیٹا پھر پوتا نیچے تک پھر باپ پھر دادا اوپر تک۔ پھر باپ کا جزء یعنی بھائی پھر ان کے بیٹے نیچے تک۔ پھر دادا کا جزء یعنی چچا۔ پھر ان کے بیٹے نیچے تک۔ پھر ان کے ایک کو دوسرے پر قوت قرابت کے اعتبار سے ترجیح دیجائیگی۔ حضرت امام مالکؒ کے نزدیک محض باپ کو ولایتِ نکاح حاصل ہے اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک محض باپ اور دادا کو۔

وان زوجھا غیر الاب والجد الخ۔ اگر نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح باپ یا دادا کے علاوہ کوئی دوسرا ولی کرے تو اس صورت میں بالغ ہونیکے بعد انھیں یہ حق حاصل ہوگا کہ خواہ وہ نکاح برقرار رکھیں اور خواہ برقرار نہ رکھیں۔ حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ انھیں یہ حق حاصل نہ ہوگا۔ انھوں نے اسے باپ اور دادا پر قیاس فرمایا۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک کیونکہ دوسرے اولیا باپ دادا کے برابر شفیق نہیں ہوتے۔ لہٰذا ان کے عقد کو ناقابلِ فسخ قرار دینا ان کے مقاصد میں خلل کا سبب بنے گا۔

واذا غاب الولی الاقرب الخ۔ اگر ایسا ہو کہ ولی اقرب اس قدر مسافت پر ہو کہ اس پر غیبتِ منقطعہ کا اطلاق ہو سکے تو اس صورت میں ولی ابعد کیلئے درست ہے کہ اس کا نکاح کردے۔ پھر اگر نکاح کردینے کے بعد ولی اقرب آگیا تو اس کے آجانے سے بھی ولی ابعد نے جو نکاح کردیا تھا وہ باطل قرار نہیں دیا جائے گا۔ علامہ قدوریؒ کے نزدیک غیبتِ منقطعہ کا اطلاق اتنی مسافت پر ہوتا ہے کہ وہاں پورے سال میں قافلے ایک بار پہنچ سکتے ہوں۔ مگر زیلعی وغیرہ میں صراحت ہے کہ ولیٔ اقرب اگر مسافتِ شرعی پر ہو تو ولی ابعد کا نکاح کردینا درست ہے۔ مفتیٰ بہ قول یہی ہے۔

وَالکفاءۃُ فی النکاحِ مُعتَبَرۃٌ فاذا تزوَّجتِ المرأۃُ بغیرِ کفوٍ فللاولیاءِ اَنْ یُفرِّقوا

اور نکاح میں کفارت کا اعتبار ہے۔ لہٰذا اگر عورت غیر کفو میں نکاح کرلے تو ان کے درمیان اولیاء کو تفریق کرانے کا حق

بَینھُمَا وَالکفاءۃُ تُعتبرُ فی النسبِ وَالدِّینِ وَالمَالِ وَھُوَ اَنْ یکُونَ مَالکًا للمھرِ وَالنفقۃِ

ہوگا۔ اور کفارۃ کا اعتبار نسب، دین اور مال میں ہوتا ہے اور مال میں اعتبار سے مراد یہ ہے کہ شوہر مالک مہر و نفقہ ہو۔

وَتُعتبرُ فِی الصنائعِ وَاذا تزوَّجتِ المرأۃُ وَنقصتْ مِنْ مھرِ مثلھا فللاولیاءِ الاعتراضُ

اور کفارت کا پیشوں میں اعتبار کیا جاتا ہے اور اگر عورت نکاح کرکے مہرِ مثل سے کم لے تو امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں اولیاء کو

عَلیھا عندَ ابی حنیفۃَ رحمہُ اللّٰہُ حتیٰ یتمَّ لھا مھرُ مثلھا اَوْ یُفارقھَا وَاذا زوَّجَ الابُ

اس پر اعتراض کا حق ہوگا یہاں تک کہ اس کے مہرِ مثل کی تکمیل ہو جائے یا اس سے علیحدگی اختیار کرلے اور اگر باپ اپنی نابالغہ

اِبنتہ الصّغیرۃَ ونقصَ مِن مَہرِمثلِہا اَوْ ابنہ الصغیرَ وزادَ فِی مَہرِ امرأتہ جازَ ذٰلکَ
لڑکی کا نکاح کردے اور وہ اس کے مہر مثل میں کمی کردے یا اپنے نا بالغ لڑکے کا نکاح کرے اور اس کی بیوی کے مہر میں اضافہ کردے

عَلَیْہِمَا وَلَا یجوزُ ذٰلکَ لغیرِ الابِ وَالجدِّ۔
تو دونوں کیلئے اسے درست قرار دیں گے اور ایسا کرنا باپ دادا کے علاوہ کے واسطے جائز نہ ہوگا۔

کفارت (مساوات) کا ذکر

لغات کی وضاحت

الصنائع:۔ صنعت کی جمع: پیشہ۔ نقص: کم کرنا، گھٹانا۔ زاد: اضافہ، بڑھوتری۔

تشریح و توضیح

وَالکفاءۃُ فِی النکاحِ معتبرۃٌ الخ۔ شرعاً کفارت معتبر قرار دینے میں بہت سی مصلحتیں ملحوظ ہیں۔ میاں بیوی کے درمیان انتہائی تعلق و موانست، ایک دوسرے کے رنج و غم کا خیال اور ایک دوسرے پر عائد حقوق کی خوشگوار طریقہ سے ادائیگی اور باہم پاکیزہ زندگی۔ یہ شرعاً مطلوب ہے۔ اور شرعی اعتبار سے اسے بنظر استحسان دیکھا جاتا ہے لہٰذا ایسے طریقے اپنانے کا حکم فرمایا گیا کہ جو باہم زیادہ سے زیادہ خوشگواری اور محبت و تعلق میں اضافہ کا سبب بن سکیں اور ہر ایسی بات کی ممانعت فرمائی گئی جن کی وجہ سے باہم تعلق خوشگوار نہ رہے اور ایک دوسرے کیطرف دل میں کھٹک اور کشیدگی پیدا ہو جائے۔ فطری طور سے وہ عورت جو بلحاظ حسب و نسب برتر ہو اپنے سے کمتر کی بیوی بننا پسند نہیں کرتی اور اگر اتفاقاً ایسا ہو جائے تو عموماً خوشگوار و آسودہ زندگی بسر نہیں ہوتی۔ شریعت کی نظر ان باریکیوں پر ہوتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ کفارت کو معتبر قرار دیا گیا۔

ابن ماجہ میں ہے "وانکحوا الاکفاء" (اور کفو میں نکاح کرو) قریش میں ہاشمی نوفلی تیمی عدوی وغیرہ بلحاظ کفارت سب برابر ہیں۔ اسی واسطے جب حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کی صاحبزادی سے عقدِ نکاح کی خواہش کا اظہار فرمایا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنی صاحبزادی حضرت ام کلثوم بنت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عمرؓ سے کر دیا۔ حضرت عمرؓ قریش کے قبیلہ عدوی سے تھے۔

حتی یتم لہا مہر مثلہا الخ۔ یعنی اگر کوئی عورت اپنے مہر مثل سے کم پر نکاح کرے تو اس کے اولیاء کو اس پر معترض ہونے کا حق ہے۔ پھر یا تو اس کا شوہر اس کا مہر مثل پورا کردے اور اگر پورا نہ کرسکے تو عورت اس سے علیحدگی اختیار کرلے۔ صرف باپ اور دادا کو یہ حق ہے کہ وہ اپنی نابالغہ لڑکی کا نکاح مہر مثل سے کم پر کردے یا نابالغ لڑکے کی بیوی کے مہر میں اضافہ کردے۔

وَیصحُّ النکاحُ وَانْ لَمْ یسمَّ فیہ مہرًا وَاقلُّ المہرِ عشرۃُ دَرَاہِمَ فانْ سمّٰی
اور نکاح صحیح ہوگا خواہ مہر مقرر نہ کیا ہو۔ اور مہر کی سب سے کم مقدار دس درہم ہیں۔ لہٰذا دس درہم

اَقَلَّ مِنْ عَشْرَةٍ فَلَهَا عَشَرَةٌ وَاِنْ سَمّٰى عَشَرَةً فَمَا زَادَ فَلَهَا الْمُسَمّٰى اِنْ دَخَلَ بِهَا اَوْ
سے کم مقرر کرنے پر عورت کیلئے دس درہم ہی ہونگے اور مہر دس دراہم یا دس سے زیادہ مقرر کرنے پر اسے متعین کردہ ملیگا بشرطیکہ اس سے
مَاتَ عَنْهَا فَاِنْ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُوْلِ وَالْخَلْوَةِ فَلَهَا نِصْفُ الْمُسَمّٰى وَاِنْ تَزَوَّجَهَا وَ
ہمبستری کرلی ہو یا انتقال ہوگیا ہو اور اگر عورت کو ہمبستری اور خلوت سے پہلے طلاق دیدی گئی تو وہ متعین کردہ مہر میں نصف پائیگی اور اگر عورت سے
لَمْ يُسَمِّ لَهَا مَهْرًا اَوْ تَزَوَّجَهَا عَلٰى اَنْ لَا مَهْرَ لَهَا فَلَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا اِنْ دَخَلَ بِهَا اَوْ
مہر مقرر کئے بغیر نکاح کرلیا یا مہر نہ ہونے کی شرط پر نکاح کیا تو وہ مہر مثل پائے گی۔ بشرطیکہ اس سے ہم بستری کرلی ہو یا
مَاتَ عَنْهَا وَاِنْ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُوْلِ بِهَا وَالْخَلْوَةِ فَلَهَا الْمُتْعَةُ وَهِيَ ثَلٰثَةُ اَثْوَابٍ
اس کا انتقال ہوگیا ہو اور اسے ہمبستری اور خلوت سے قبل طلاق دینے پر وہ متعہ پائے گی۔ اور متعہ اس کی پوشاک کیطرح
مِنْ كِسْوَةِ مِثْلِهَا وَهِيَ دِرْعٌ وَخِمَارٌ وَمِلْحَفَةٌ وَاِنْ تَزَوَّجَهَا الْمُسْلِمُ عَلٰى خَمْرٍ اَوْ خِنْزِيْرٍ
کے تین کپڑوں کا نام ہے وہ یہ ہیں۔ کرتا، دوپٹہ اور چادر۔ اور اگر مسلمان شراب یا خنزیر پر نکاح کرے تو
فَالنِّكَاحُ جَائِزٌ وَلَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا وَاِنْ تَزَوَّجَهَا وَلَمْ يُسَمِّ لَهَا مَهْرًا ثُمَّ تَرَاضَيَا عَلٰى تَسْمِيَةِ
نکاح درست ہوگا اور عورت مہر مثل پائے گی اور اگر تعیین مہر کے بغیر نکاح کیا اس کے بعد مہر کی کسی معین مقدار پر دونوں رضامند
مَهْرٍ فَهُوَ لَهَا اِنْ دَخَلَ بِهَا اَوْ مَاتَ عَنْهَا وَاِنْ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُوْلِ بِهَا وَالْخَلْوَةِ
ہو گئے تو عورت وہی پائیگی بشرطیکہ اس کے ساتھ ہمبستری کی ہو یا اسکا انتقال ہوگیا ہو اور اگر ہمبستری اور خلوت سے پہلے طلاق دیدے
فَلَهَا الْمُتْعَةُ وَاِنْ زَادَهَا فِي الْمَهْرِ بَعْدَ الْعَقْدِ لَزِمَتْهُ الزِّيَادَةُ اِنْ دَخَلَ بِهَا اَوْ
تو وہ متعہ کی مستحق ہوگی اور مہر میں بعد عقد اضافہ کرنے پر وہ واجب ہوجائیگا بشرطیکہ اس سے ہمبستری کرلی ہو یا اس کا
مَاتَ عَنْهَا وَتَسْقُطُ الزِّيَادَةُ بِالطَّلَاقِ قَبْلَ الدُّخُوْلِ وَاِنْ حَطَّتْ عَنْهُ مِنْ مَهْرِهَا
انتقال ہوگیا ہو اور ہمبستری سے پہلے طلاق دینے پر یہ بڑھوتری ساقط ہوجائیگی اور اگر شوہر کے ذمہ مقرر اپنے مہر میں سے عورت
صَحَّ الْحَطُّ وَاِذَا خَلَا الزَّوْجُ بِامْرَأَتِهٖ وَلَيْسَ هُنَاكَ مَانِعٌ مِنَ الْوَطْئِ ثُمَّ طَلَّقَهَا فَلَهَا
کچھ کم کردے تو یہ کمی درست ہوگی اور اگر خاوند اپنی بیوی سے خلوت کرے درانحالیکہ ہمبستری میں کوئی چیز رکاوٹ نہ ہو اسکے بعد وہ اسے طلاق
كَمَالُ الْمَهْرِ وَعَلَيْهَا الْعِدَّةُ وَاِنْ كَانَ اَحَدُهُمَا مَرِيْضًا اَوْ صَائِمًا فِي رَمَضَانَ
دیدے تو عورت مکمل مہر پائے گی اور اس پر عدت کا وجوب ہوگا اور اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک مریض ہو یا رمضان شریف کا روزہ رکھے ہو
اَوْ مُحْرِمًا بِحَجٍّ اَوْ عُمْرَةٍ اَوْ كَانَتْ حَائِضًا فَلَيْسَتْ بِخَلْوَةٍ صَحِيْحَةٍ وَاِذَا خَلَا الْمَجْبُوْبُ
یا حج یا عمرہ کا احرام باندھ رکھا ہو یا عورت کو ماہواری آرہی ہو تو اسے خلوت صحیحہ نہ کہیں گے اور آلہ تناسل قطع شدہ شخص اپنی
بِامْرَأَتِهٖ ثُمَّ طَلَّقَهَا فَلَهَا كَمَالُ الْمَهْرِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَيُسْتَحَبُّ الْمُتْعَةُ لِكُلِّ مُطَلَّقَةٍ
منکوحہ سے خلوت کرے اسکے بعد اسے طلاق دیدے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وہ کامل مہر پائیگی اور متعہ کا استحباب بجز ایک مطلقہ کے اور سب کے
اِلَّا لِمُطَلَّقَةٍ وَاحِدَةٍ وَهِيَ الَّتِيْ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُوْلِ وَلَمْ يُسَمِّ لَهَا مَهْرًا۔
واسطے ہے۔ ایک وہ مطلقہ ہے کہ اسے ہمبستری سے قبل طلاق دیدی ہو اور اس کے واسطے مہر کی تعیین نہ کی ہو۔

مہر کا ذکر

لغت کی وضاحت :۔ لم یسم: متعین نہ کرنا۔ اقل: سب سے کم۔ عشرة: دس۔ خلوة: تنہائی کی جگہ۔ جمع خلوات۔

تشریح و توضیح ویصح النکاح وان لم یسم الخ فرماتے ہیں کہ بوقت نکاح خواہ مہر مقرر نہ کیا ہو تب بھی نکاح اپنی جگہ درست ہو جائے گا اور اس عدم تعیین کا اثر صحت نکاح پر نہ پڑیگا۔ اس واسطے کہ نکاح کے لغوی مفہوم کے زمرے میں مال نہیں آتا۔

واقل المھر عشرة دراھم الخ۔ عندالاحناف مہر کی کم سے کم مقدار دس دراہم ہیں۔ دارقطنی میں حضرت جابرؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ عورتوں کا نکاح کفو میں کرو اور ان کا نکاح نہ کریں مگر اولیا، اور مہر دس درہم سے کم نہ ہو۔ پس اگر بوقت نکاح دس درہم سے کم مہر مقرر ہو تو دس درہم ہی واجب ہوں گے۔ حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ مہر کی کم سے کم مقدار چوتھائی دینار یا تین دراہم ہیں۔ حضرت ابراہیم نخعیؒ مہر کی کم سے کم مقدار چالیس دراہم اور حضرت ابن جبیرؒ پچاس درہم قرار دیتے ہیں۔ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ کے نزدیک جس چیز کا بیع کے اندر ثمن بننا درست ہے اس کا نکاح میں مہر بننا بھی درست ہے۔ احنافؒ کی دلیل دارقطنی وغیرہ میں مروی رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ مہر کی مقدار دس درھم سے کم نہیں۔

ولم یسم لھا مھرًا الخ۔ کسی شخص نے کسی عورت سے مہر کی تعیین پر نکاح کرکے ہمبستری کرلی یا مہر نہ ہونیکی شرط پر نکاح کرلیا اور پھر اس سے ہمبستری کی یا مرگیا۔ تو اس صورت میں عورت مہر مثل کی مستحق ہوگی۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی روایت میں ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت سے بلاتعیین مہر نکاح کیا اور پھر ہمبستری سے قبل اس کا انتقال ہوگیا۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ اس کا مہر اس کے خاندان کی عورتوں کا سا ہوگا۔ حضرت معقل ابن سنانؓ نے (یہ سنکر) شہادت دی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی طرح فیصلہ فرمایا تھا۔ یہ روایت ترمذی اور ابو داؤد وغیرہ میں موجود ہے۔ اور ہمبستری سے قبل طلاق دینے پر عورت متعہ یعنی قمیص، چادر اور دوپٹہ کی مستحق ہوگی۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے متعہ کی یہی مقدار منقول ہے۔ عندالاحنافؒ متعہ واجب اور امام مالکؒ کے نزدیک دائرہ استحباب میں داخل ہے۔

وان زادھا فی المھر بعد العقد الخ فرماتے ہیں کہ اگر ناکح نکاح کے بعد مہر کی مقررہ مقدار میں اضافہ کردے تو یہ اضافہ درست ہوگا اور یہ بھی اس پر واجب ہو جائے گا۔

واذا خلا الزوج بامرأتہ الخ۔ فرماتے ہیں وطی کے علاوہ جس سے مہر واجب ہوتا ہے اس کا ذکر کیا جارہا ہے یعنی خلوت صحیحہ کی صورت میں بھی پورا مہر واجب ہوگا۔ اصل اس باب میں یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"وَاِنْ اَرَدْتُم استبدالَ زَوجٍ مكانَ زوجٍ وَّاٰتيتم احداهن قنطارًا فلا تاخذوا منه شيئًا. (الیٰ قولہ) وكيف تاخذونہ وقد افضیٰ بعضكم الیٰ بعض (الآیۃ)۔ الافضاء سے مراد خلوت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ جس نے عورت کا کپڑا (شرمگاہ سے) ہٹایا اور اسے دیکھا تو اس پر مہر واجب ہو گیا خواہ اس سے صحبت کی ہو یا نہ کی ہو۔

مؤطا امام مالکؒ وغیرہ میں حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ جب پردے کھینچ دیئے گئے (خلوتِ صحیحہ ہو گئی) تو مہر واجب ہو گیا۔ البتہ خلوتِ صحیحہ کیواسطے ان چار رکاوٹوں کا نہ ہونا شرط قرار دیا گیا (۱) دونوں میں سے کوئی ایک مریض ہو تو یہ حسی رکاوٹ ہو گی (۲) کوئی طبعی رکاوٹ مثلاً میاں بیوی کے درمیان کسی تیسرے عاقل شخص کی موجودگی (۳) شرعی رکاوٹ مثلاً حج یا عمرہ کا احرام باندھے ہوئے ہونا (۴) شرعی اور طبعی رکاوٹ مثلاً عورت کو حیض آنا۔

ویستحب الخ۔ متعہ کا استحباب خاص اس شکل میں ہے کہ وہ موطوءہ ہو۔ اور اگر وہ مطلقہ ایسی ہو کہ نہ اس سے ہمبستری کی گئی ہو اور نہ اس کا مہر ہی متعین ہوا ہو تو اس کا متعہ واجب ہو گا۔

وَاِذَا زَوَّجَ الرَّجُلُ ابْنَتَهٗ عَلٰی اَنْ يُّزَوِّجَهُ الرَّجُلُ اُخْتَهٗ اَوْ بِنْتَهٗ لِيَكُوْنَ اَحَدُ الْعَقْدَيْنِ
اور اگر کوئی شخص اپنی لڑکی کا نکاح اس شرط کے ساتھ کرے کہ وہ اس کا نکاح اپنی بہن یا لڑکی سے کر دیگا تاکہ یہ عقد ایک دوسرے کا
عِوَضًا عَنِ الْاٰخَرِ فَالْعَقْدَانِ جَائِزَانِ وَلِكُلِّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُمَا مَهْرُ مِثْلِهَا وَاِنْ تَزَوَّجَ
عوض بن جائیں تو دونوں عقد درست ہونگے۔ اور ان میں سے ہر ایک کے واسطے مہر مثل ہو جائیگا اور اگر آزاد شخص ایک
حُرٌّ اِمْرَاَةً عَلٰی خِدْمَتِهٖ سَنَةً اَوْ عَلٰی تَعْلِيْمِ الْقُرْاٰنِ فَلَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا وَاِنْ تَزَوَّجَ عَبْدٌ
عورت کے ساتھ اس کی سال بھر کی خدمت کرنے یا قرآن کی تعلیم دینے پر نکاح کرے تو عورت مہر مثل پائیگی۔ اور اگر باجازتِ آقا کوئی غلام
حُرَّةً بِاِذْنِ مَوْلَاهُ عَلٰی خِدْمَتِهٖ سَنَةً جَازَ وَلَهَا خِدْمَتُهٗ وَاِذَا اجْتَمَعَ فِی الْمَجْنُوْنَةِ اَبُوْهَا
کسی آزاد عورت کے ساتھ سال بھر خدمت کرنے پر نکاح کرے تو جائز ہے اور عورت کو حق ہو گا کہ اس سے خدمت لے اور اگر پاگل عورت کا باپ اور
وَابْنُهَا فَالْوَلِیُّ فِیْ نِكَاحِهَا اِبْنُهَا عِنْدَهُمَا وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ اَبُوْهَا وَلَا يَجُوْزُ نِكَاحُ
لڑکا دونوں ہوں تو اسکا ولی نکاح اس کا لڑکا ہو گا امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اسکا ولی باپ ہوگا اور یہ درست
الْعَبْدِ وَالْاَمَةِ اِلَّا بِاِذْنِ مَوْلَاهُمَا وَاِذَا تَزَوَّجَ الْعَبْدُ بِاِذْنِ مَوْلَاهُ فَالْمَهْرُ دَيْنٌ فِیْ
نہیں کہ غلام اور باندی نکاح کریں لیکن باجازت آقا۔ اور باجازتِ آقا غلام کے نکاح کر لینے پر مہر کی حیثیت اسکی گردن میں قرض کی ہوگی
رَقَبَتِهٖ يُبَاعُ فِيْهِ وَاِذَا زَوَّجَ الْمَوْلٰی اَمَتَهٗ فَلَيْسَ عَلَيْهِ اَنْ يُّبَوِّئَهَا بَيْتًا لِلزَّوْجِ وَلٰكِنَّهَا
کہ اسے اسکی خاطر فروخت کیا جائیگا اور آقا کے اپنی باندی کے نکاح کرنے پر خاوند کو شب باشی کرانا اس پر واجب نہیں۔ وہ آقا کی
تَخْدُمُ الْمَوْلٰی وَيُقَالُ لِلزَّوْجِ مَتٰی ظَفِرْتَ بِهَا وَطِئْتَهَا وَاِنْ تَزَوَّجَ اِمْرَاَةً عَلٰی اَلْفِ دِرْهَمٍ
خدمت بجا لائیگی اور خاوند سے کہدیا جائے گا کہ جب تجھے موقع ملے اس سے ہمبستری کر لے اور اگر کسی عورت سے ہزار دراہم پر بایں شرط

عَلٰی اَنْ لَا یُخْرِجَهَا مِنَ الْبَلَدِ اَوْ عَلٰی اَنْ لَا یَتَزَوَّجَ عَلَیْهَا اِمْرَأَۃً فَاِنْ وَفٰی بِالشَّرْطِ
نکاح کرے کہ وہ اسے اسکے شہر سے باہر کہیں نہ لیجائیگا یا اس شرط کے ساتھ کہ وہ کسی اور عورت سے نکاح نہ کریگا تو خاوند کے شرط پوری
فَلَهَا الْمُسَمّٰی وَاِنْ تَزَوَّجَ عَلَیْهَا اَوْ اَخْرَجَهَا مِنَ الْبَلَدِ فَلَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا وَاِنْ تَزَوَّجَهَا
کرنے پر عورت متعین مہر کی مستحق ہوگی اور اگر وہ کسی دوسری عورت سے نکاح کرلے یا اسے اس شہر سے باہر لیجائے تو وہ مہر مثل پائیگی اور اگر ایسے جانور
عَلٰی حَیَوَانٍ غَیْرِ مَوْصُوْفٍ صَحَّتِ التَّسْمِیَۃُ وَلَهَا الْوَسَطُ مِنْهُ وَالزَّوْجُ مُخَیَّرٌ اِنْ شَاءَ
کے عوض کسی عورت سے نکاح کرے جسکی صفت بیان نہ کی ہو تو متعین کرنا درست ہوگا اور عورت درمیانی درجہ کا جانور پائیگی اور شوہر کو حق ہوگا
اَعْطَاهَا ذٰلِكَ وَاِنْ شَاءَ اَعْطَاهَا قِیْمَتَهٗ وَلَوْ تَزَوَّجَهَا عَلٰی ثَوْبٍ غَیْرِ مَوْصُوْفٍ فَلَهَا
خواہ وہ جانور دے اور خواہ اس کی قیمت۔ اور اگر صفت بیان نہ کردہ کپڑوں کے عوض نکاح کرے تو عورت
مَهْرُ مِثْلِهَا۔
مہر مثل پائے گی۔

لغات کی وضاحت: اخت: بہن۔ بنت: لڑکی۔ عوض: بدلہ۔ الآخر: دوسرا۔ حر: آزاد۔ سنۃ: ایک سال۔ الف: ہزار۔ التسمیۃ: متعین، مقرر۔ الوسط: درمیان۔ درمیانی۔

تشریح و توضیح: واذا زوج الرجل ابنتہ الخ۔ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی لڑکی کا نکاح کسی سے اس شرط کے ساتھ کرے کہ وہ بھی اپنی ہمشیرہ یا اپنی لڑکی کا نکاح اس کے ساتھ کردیگا اور ایک عقد کی حیثیت اس طرح دوسرے عقد کے عوض کی ہوگی۔ تو یہ نکاح اصطلاح میں نکاح شغار سے معروف ہے۔ اس کے بارے میں احنافؒ فرماتے ہیں کہ دونوں نکاح اپنی جگہ درست ہو جائیں گے اور اس صورت میں ان میں سے ہر ایک کے واسطے مہر مثل ہوگا۔

ایک اشکال کا جواب: اگر کوئی اس جگہ یہ اشکال کرے کہ روایاتِ صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے نکاح شغار کی ممانعت فرمائی تو پھر یہ عقد درست کس طرح ہوگا۔ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ نکاح شغار میں مہر نہیں ہوا کرتا اور اس جگہ مہرِ مثل لازم کردینے کی بنا پر یہ دراصل نکاح شغار ہی نہیں رہا لہٰذا یہ عدم صحت کے زمرے سے نکل گیا۔

حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک ان دونوں عقد کو باطل قرار دیا جائے گا۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ ان کے اندر آدھا بضع مہر اور آدھا بضع منکوحہ کا لزوم ہوتا ہے جبکہ اندرونِ نکاح اشتراک نہیں ہوا کرتا۔ احنافؒ اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس کے اندر مہر اس طرح کی چیز کو قرار دیا جاتا ہے جس میں اس کی اہلیت ہی موجود نہیں کہ اسے مہر قرار دیں۔ لہٰذا ایسی شکل میں عقد باطل ہونے کے بجائے مہر مثل کا وجوب ہوگا۔

وان تزوج حرا الخ۔ فرماتے ہیں اگر کوئی شخص کسی عورت سے اس شرط کے ساتھ نکاح کرے کہ وہ سال بھر اسکی خدمت کریگا یا یہ کہ وہ قرآن کی تعلیم دیگا یعنی ان میں سے کسی کو مہر قرار دے تو خاوند قلب موضوع اور معاملہ برعکس ہونیکی بنا پر عورت کی خدمت بجا نہیں لائیگا بلکہ وہ مہر مثل ادا کریگا۔ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مہر تو مقرر کردہ ہی قرار پائیگا۔ ان کے نزدیک شرط کے ذریعہ جس شے کا بدلہ لینا درست ہو اس کا مہر قرار دینا بھی درست ہوگا۔ عندالاحناف بواسطۂ مال طلب نکاح ناگزیر ہے اور تعلیم قرآن یا خدمت کا جہانتک تعلق ہے وہ مال میں داخل نہیں۔ پس مہر مثل کا وجوب ہوگا۔ البتہ اگر ایسا ہو کہ کوئی غلام باجازت آقا نکاح کرے اور وہ خدمت کو مہر قرار دے تو اس صورت میں عورت کو اس سے خدمت لینا درست ہوگا۔ اس لئے کہ اس کے واسطے عورت کی خدمت بمنزلہ خدمت آقا ہے۔

ولا یجوز نکاح العبد والامۃ الخ۔ عندالاحناف اگر کوئی غلام یا باندی نکاح کرے تو اس کا نفاذ اجازت آقا پر موقوف ہوگا اگر وہ اجازت دیگا تو نافذ ہوگا ورنہ نہیں۔ حضرت امام مالکؒ غلام کے از خود نکاح کرنے کو درست قرار دیتے ہیں۔ اس لئے کہ جب وہ طلاق دے سکتا ہے تو اسے نکاح کرنیکا بھی حق ہوگا۔ احناف کا مستدل ترمذی شریف وغیرہ کی یہ روایت ہے کہ بلا اجازت آقا نکاح کرنیوالا غلام زانی ہے۔

واذا زوج المولی امتہ الخ۔ فرماتے ہیں اگر کوئی آقا اپنی باندی کا کسی شخص کے ساتھ نکاح کردے تو آقا پر یہ ہرگز واجب نہیں کہ وہ باندی کو اس کے شوہر کے گھر شب باشی کے لئے بھیجے بلکہ باندی حسب دستور خدمت آقا انجام دیتی رہے گی اور اس کا شوہر جس وقت موقع پائے گا اس سے ہمبستری کرے گا۔ اس لئے کہ آقا کا جہانتک معاملہ ہے اسے باندی اور اس کے منافع دونوں پر ملکیت حاصل ہے اور اس اعتبار سے اس کا حق زیادہ قوی ہے۔ اور شب باشی کرانے میں اس کے حق کا سوخت ہونا لازم آتا ہے۔

وان تزوجھا علی حیوان الخ۔ کوئی شخص بطور مہر کسی جانور کو مقرر کرے اور فقط اسکی جنس ذکر کرے، نوع ذکر نہ کرے تو اس صورت میں شوہر کو یہ حق حاصل ہوگا کہ خواہ بطور مہر اوسط درجہ کا وہی جانور دیدے اور خواہ اس کی قیمت کی ادائیگی کردے اور مہر کی جنس مجہول ہونے کی صورت میں مثال کے طور پر اسطرح کہنا کہ میں نے کپڑے پر نکاح کیا تو حضرت امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں یہ تسمیہ درست نہ ہوگا اور اس بنار پر وہ مہر مثل کی ادائیگی کریگا۔

وَنِكَاحُ الْمُتْعَةِ وَالْمُوَقَّتِ بَاطِلٌ

اور نکاح متعہ و موقت دونوں باطل ہیں۔

متعہ و موقت نکاح کا ذکر

تشریح و توضیح

وَنِكَاحُ الْمُتْعَةِ وَالْمُؤَقَّتِ الخ اگر کسی شخص نے کسی عورت سے کہا کہ میں تجھ سے اتنی مدت تک اتنے مال کے عوض تمتع کروں گا یا کہے کہ مجھے اپنے سے اتنے دراہم کے عوض اتنی مدت تک تمتع کرنے (نفع اٹھانے) دے۔ اور عورت کہے کہ تو مجھ سے تمتع کرلے۔ تمتع میں لفظ تمتع کہنا ناگزیر ہے۔ احناف کے نزدیک متعہ حرام ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کیطرف اس کی تحلیل کی شہرت ہے۔ شیعوں کا مسلک یہی ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور اکثر صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس کی مخالفت کی ہے۔ صحابۂ کرامؓ کا مستدل یہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے خیبر کے دن حرام فرمایا۔ یہ روایت بخاری و مسلم میں حضرت علیؓ سے مروی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسے فتح مکہ مکرمہ کے دن حرام فرمانا مروی ہے۔ یہ روایت مسلم شریف میں ہے تو اس کا منسوخ ہونا ثابت ہوگیا اور حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ انھوں نے اس فتوے سے رجوع فرمالیا تھا۔

محقق ابو الطیب السندی شرح الترمذی میں فرماتے ہیں کہ یہ آغاز اسلام میں جائز تھا پھر حرام کردیا گیا۔ المازریؒ کہتے ہیں کہ نکاح متعہ جائز تھا پھر منسوخ ہوگیا۔ یہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور اس کے حرام ہونے پر اجماع ہے۔ اور مبتدعین کی ایک جماعت کے علاوہ کسی نے اس کی مخالفت نہیں کی۔ علامہ طیبیؒ کہتے ہیں شیخ محی الدین نے فرمایا کہ اس کی حرمت اور اباحت دوبار ہوئی۔ یہ غزوۂ خیبر سے پہلے حلال تھا پھر خیبر کے دن حرام کردیا گیا پھر فتح مکہ کے دن مباح کیا گیا اور یہی غزوۂ اوطاس کا سال ہے کہ دونوں متصلاً پیش آئے۔ پھر تین روز کے بعد ہمیشہ کیلئے حرام کردیا گیا۔ اور حضرت امام مالکؒ کیطرف اس کے جواز کی شہرت غلط ہے اس لئے کہ امام مالکؒ نے مؤطا میں اس کے حرام ہونے کی صراحت فرمائی ہے۔

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ سے متعہ کے حلال ہونیکی روایت صحیح نہیں اس لئے کہ اس روایت کے راوی موسیٰ بن عبیدہ ہیں اور وہ نہایت ضعیف ہیں۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے امام ابوحنیفہؒ اُن سے حضرت حمادؒ نے اور ان سے حضرت ابراہیمؒ نے اور انھوں نے حضرت ابن مسعودؓ سے روایت کی عورتوں کے متعہ کے بارے میں کہ صحابۂ کرامؓ نے بعض غزوات میں گھر سے دور ہونے کے بارے میں خدمت اقدس میں عرض کیا تو متعہ کی رخصت دی گئی۔ پھر یہ آیت نکاح و میراث و مہر سے منسوخ ہوگیا۔

اور نکاح موقت کی شکل یہ ہے کہ گواہوں کی موجودگی میں دس روز یا ایک ماہ کیلئے کسی عورت سے نکاح کیا جائے۔ الجوھرہ میں اسی طرح ہے۔ امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ نکاح صحیح ہوگا اور مدت کی شرط باطل ہوگی۔ احنافؒ فرماتے ہیں کہ مقاصد نکاح کا حصول مؤقت سے نہیں ہوتا اور اس میں تابید و دوام شرط ہے۔

وَتَزْوِيجُ الْعَبْدِ وَالْأَمَةِ بِغَيْرِ إِذْنِ مَوْلَاهُمَا مَوْقُوفٌ فَإِنْ أَجَازَهُ الْمَوْلَى

اور غلام و باندی کا بلا اجازت آقا نکاح اس کی اجازت پر موقوف رہے گا اگر آقا اجازت دے تو نافذ

جَازَ وَإِنْ رَدَّهُ بَطَلَ وَكَذَٰلِكَ إِنْ زَوَّجَ رَجُلٌ امْرَأَةً بِغَيْرِ رِضَاهَا أَوْ رَجُلًا بِغَيْرِ

ہوگا اور اجازت نہ دے تو باطل ہوجائیگا اور اسی طرح اگر کوئی شخص کسی عورت کا نکاح بلا اس کی رضامندی کے یا کسی مرد

رضاهُ ويَجُوزُ لِابْنِ العَمِّ اَنْ يُزَوِّجَ بِنْتَ عَمِّهِ مِنْ نَفْسِهِ وَاِذَا اَذِنَتِ الْمَرْأَةُ لِلرَّجُلِ
کا نکاح بلا اسکی رضامندی کے کرے (اس کا حکم ہوگا)، اور چچا کے لڑکے کیلئے یہ درست ہے کہ وہ چچا کی لڑکی کا نکاح اپنے سے کرلے اور جب کوئی عورت
اَنْ يُزَوِّجَهَا مِنْ نَفْسِهِ فَعَقَدَ بِحَضْرَةِ شَاهِدَيْنِ جَازَ وَاِذَا ضَمِنَ الوَلِيُّ المَهْرَ لِلْمَرْأَةِ
کسی شخص کو اسکا نکاح اپنے سے کرنیکی اجازت دیدے اور وہ بموجودگی شاہدین نکاح کرلے تو درست ہے اور اگر ولی عورت کے مہر کی ضمانت لے تو
صَحَّ ضَمَانُهُ وَلِلْمَرْأَةِ الخِيَارُ فِي مُطَالَبَةِ زَوْجِهَا اَوْ وَلِيِّهَا۔
درست ہے اور عورت کو یہ حق ہوگا کہ وہ خاوند سے مطالبہ کرے یا اس کے ولی سے ۔

فضولی کے نکاح کردینے وغیرہ کا حکم

لغات کی وضاحت: تزویج: نکاح کرنا۔ الامۃ: باندی۔ بحضرۃ: موجودگی۔ الخیار: اختیار، حق۔

تشریح و توضیح: وتزویج العبد الخ۔ فرماتے ہیں کہ اگر کسی فضولی نے کسی غلام یا باندی کا نکاح ان کے آقا کی اجازت کے بغیر از خود کردیا اور آقا سے اجازت لینا ضروری نہ سمجھی تو اس صورت میں اس نکاح کا نفاذ اجازتِ آقا پر موقوف و منحصر رہے گا اگر وہ اجازت دیدے گا نافذ ہوجائیگا ورنہ باطل و کالعدم شمار ہوگا۔ اصل اس بارے میں ترمذی شریف کی یہ روایت ہے کہ جو غلام اپنے مالکین کی اجازت کے بغیر نکاح کریں وہ زانی ہیں۔ یعنی انکا نکاح منعقد نہ ہوگا۔ اسی طرح کی روایت ابن ماجہ میں بھی ہے۔ ایسے ہی اگر کسی فضولی نے مرد یا عورت کے حکم و اجازت کے بغیر انکا نکاح کردیا تو نکاح کا نفاذ انکی اجازت پر موقوف و منحصر رہے گا۔

حضرت امام شافعیؒ فضولی کے سارے تصرفات کو باطل و کالعدم قرار دیتے ہیں۔ حضرت امام احمدؒ سے بھی اسی طرح مروی ہے کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ فضولی کو اثباتِ حکم پر قدرت نہیں ہوتی۔ پس ان کے تصرفات کو بھی کالعدم قرار دیں گے۔ احنافؒ کے نزدیک ایجاب و قبول اس کی اہلیت رکھنے والوں سے برموقعہ ہونے کے باعث لغو و بیکار قرار نہیں دیا جاسکتا۔ بہت سے بہت اسے اجازت پر موقوف کہہ سکتے ہیں اور فضولی کا جہاں تک تعلق ہے اسے اگرچہ اثباتِ حکم پر قدرت نہیں لیکن صرف اس بناء پر حکم کالعدم نہ ہوگا محض مؤخر ہوجائے گا۔

ویجوز لابن العم الخ۔ فرماتے ہیں کہ اگر چچا زاد بھائی اپنی چچا زاد بہن سے اپنا نکاح کرلے تو درست ہے۔ امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ عورت اگر نابالغہ ہے تو یہ جائز نہیں۔ اور اگر بالغہ ہے تو اس کی اجازت ضروری ہے۔ جوہرہ میں اسی طرح ہے۔

واذا ضمن الولی المهر الخ۔ مہر کے سلسلہ میں یہ درست ہے کہ ولی اس کی ضمانت لے لے اس لئے کہ عقد کرنے والے کے ولی کی حیثیت اس سلسلہ میں فقط سفیر کی ہوتی ہے اور حقوقِ نکاح اس کی جانب نہیں لوٹتے۔ البتہ ضمانت کے درست ہونیکی دو شرطیں قرار دی گئیں۔ ایک تو یہ کہ ولی نے بحالتِ صحت ضمانت لی ہو۔ مرض الموت میں اس کی ضمانت درست نہ ہوگی۔ دوسرے یہ کہ عورت کے بالغہ ہونے پر وہ اپنے آپ اس ضمانت کو تسلیم کرے اور نابالغہ

ہوتو اس کے ولی نے ضمانت تسلیم کی ہو۔ بعد ضمانت عورت کو یہ حق ہوگا کہ خواہ ولی سے مہر کی طلبگار ہو اور خواہ خاوند سے۔

وَاِذَا فَرَّقَ الْقَاضِیْ بَیْنَ الزَّوْجَیْنِ فِی النِّکَاحِ الْفَاسِدِ قَبْلَ الدُّخُوْلِ فَلَا مَهْرَ لَهَا وَ
اور فاسد نکاح کے اندر ہمبستری سے قبل قاضی نے ناکح و منکوحہ میں تفریق کردی تو عورت مہر نہ پائے گی ۔ اور

کَذٰلِكَ بَعْدَ الْخَلْوَةِ فَاِنْ دَخَلَ بِهَا فَلَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا وَلَا یُزَادُ عَلَی الْمُسَمّٰی وَعَلَیْهَا الْعِدَّةُ
ایسے ہی بعد خلوت اگر ایسا ہوا۔ اور اگر اس کے ساتھ ہمبستری کرلی ہو تو وہ مہر مثل کی مستحق ہوگی اور اسے متعین مہر سے زیادہ نہ دیں گے اور اس پر عدت واجب

وَیَثْبُتُ نَسَبُ وَلَدِهَا مِنْهُ وَمَهْرُ مِثْلِهَا یُعْتَبَرُ بِاَخَوَاتِهَا وَعَمَّاتِهَا وَبَنَاتِ عَمَّاتِهَا وَ
ہوگی اور اس کا بچہ اسی شخص سے ثابت النسب ہوگا اور مہر مثل میں اس کی بہنوں، پھوپھیوں اور چچازاد بہنوں کے مہر کا اعتبار ہوگا اور اسکی

لَا یُعْتَبَرُ بِاُمِّهَا وَخَالَتِهَا اِذَا لَمْ تَکُوْنَا مِنْ قَبِیْلَتِهَا وَیُعْتَبَرُ فِیْ مَهْرِ الْمِثْلِ اَنْ یَّتَسَاوٰی
ماں وخالہ اس کے خاندان میں سے نہ ہونے پر ان کے مہر کا اعتبار نہ ہوگا اور مہر مثل پہ معتبر ہوگا کہ دونوں عورتیں باعتبار

الْمَرْأَتَانِ فِی السِّنِّ وَالْجَمَالِ وَالْمَالِ وَالْعَقْلِ وَالدِّیْنِ وَالنَّسَبِ وَالْبَلَدِ وَالْعَصْرِ وَالْعِفَّةِ۔
عمر اور جمال اور مال و عقل و دین و نسب و شہر و زمانہ و عفت برابر ہوں ۔

مہر مثل وغیرہ کا ذکر

تشریح و توضیح

وَاِذَا فَرَّقَ الْقَاضِیْ بَیْنَ الزَّوْجَیْنِ فِی النِّکَاحِ الْفَاسِدِ الخ۔ شرعاً نکاح فاسد وہ کہلاتا ہے کہ صحت نکاح کی شرائط میں سے کوئی شرط اس میں باقی رہ جائے۔ مثال کے طور پر بلا گواہوں کے نکاح۔ اس کا حکم یہ ہے کہ عورت کے ساتھ خواہ خلوت بھی ہوگئی ہو مگر ہمبستری کی نوبت نہ آئے تو کچھ واجب نہ ہوگا۔ البتہ اگر اس نکاح کے بعد عورت سے ہمبستری کرلی تو مہر مثل کا وجوب ہوگا۔ مگر اس میں اس بات کی شرط ہوگی کہ یہ مہر مقررہ مہر سے بڑھا ہوا نہ ہو۔ اگر مہر مثل کی مقدار متعین مہر کے مساوی ہو یا مہر متعین سے کم ہو تو اس صورت میں مہر مثل لازم ہوگا اور زیادہ ہو تو اضافہ واجب نہ ہوگا۔ نکاح فاسد میں عورت کے بچہ کا نسب اسی مرد سے ثابت ہوگا۔ حضرت امام محمدؒ کے نزدیک اس کی مدت ہمبستری کے وقت سے شمار ہوگی اور مفتیٰ بہ قول یہی ہے۔ یعنی اگر ہمبستری کے وقت سے وضع حمل تک چھ ماہ کی مدت گذر جائے تو اسی شخص سے نسب ثابت ہوگا اور چھ ماہ سے کم ہونے پر نسب ثابت نہ ہوگا۔ اور امام ابوحنیفہؒ و امام ابو یوسفؒ کے نزدیک نکاح فاسد میں بھی مدت کا اعتبار وقت نکاح سے ہوگا۔

وَمَهْرُ مِثْلِهَا یُعْتَبَرُ الخ۔ عورت کے مہر مثل کا جہاں تک تعلق ہے اس میں عورت کے باپ کے خاندان کا اعتبار کیا جائے گا مثلاً پھوپھیاں اور چچا زاد بہنیں وغیرہ۔ اس کے بعد صاحب کتاب ان چیزوں کو بیان فرمارہے

ہیں جن میں مماثلت معتبر ہے۔ دونوں عورتوں میں باعتبارِ عمر، جمال، مال، عقل، دین، شہر، زمانہ اور عفت میں مساوات دیکھی جائے گی۔ پس اگر باپ کے خاندان میں عورت کوئی اس کے مماثل نہ ملے تو اجانب اور غیر عورتوں کا اعتبار کریں گے اور ان عورتوں میں یہ دیکھیں گے کہ ایسے اوصاف والی عورت کا مہر کیا ہے۔ عورت کی ماں اور خالہ کے مہر مثل کا اعتبار نہ ہوگا۔ البتہ اگر ماں اور خالہ اس کے باپ کے خاندان سے ہوں مثلاً اس کی ماں اس کے باپ کے چچا کی لڑکی ہو تو اس صورت میں اس کے مہر مثل کو معتبر قرار دیا جائے گا اور اس کے لئے وہی مہر مقرر ہوگا۔

وَيَجُوْزُ تَزْوِيْجُ الْاَمَةِ مُسْلِمَةً كَانَتْ اَوْ كِتَابِيَّةً وَلَا يَجُوْزُ اَنْ يَتَزَوَّجَ اَمَةً عَلٰى حُرَّةٍ

اور باندی کے ساتھ نکاح کرنا درست ہے خواہ وہ مسلمان ہو یا کتابیہ۔ اور یہ درست نہیں کہ آزاد عورت ملنے کے باوجود باندی سے

وَيَجُوْزُ تَزْوِيْجُ الْحُرَّةِ عَلَيْهَا وَلِلْحُرِّ اَنْ يَتَزَوَّجَ اَرْبَعًا مِنَ الْحَرَائِرِ وَالْاِمَاءِ وَلَيْسَ لَهٗ اَنْ

نکاح کیا جائے اور باندی کے ہوتے ہوئے بھی آزاد سے نکاح درست ہے اور آزاد شخص کو چار آزاد عورتوں یا چار باندیوں سے نکاح کرنا درست ہے۔

يَتَزَوَّجَ بِاَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَا يَتَزَوَّجُ الْعَبْدُ بِاَكْثَرَ مِنِ اثْنَتَيْنِ فَاِنْ طَلَّقَ الْحُرُّ اِحْدَى

اور چار سے زیادہ سے نکاح کرنا درست نہیں اور غلام کیلئے دو سے زیادہ سے نکاح کرنا درست نہیں پس اگر آزاد شخص چار عورتوں میں سے

الْاَرْبَعِ طَلَاقًا بَائِنًا لَمْ يَجُزْ لَهٗ اَنْ يَتَزَوَّجَ رَابِعَةً حَتّٰى تَنْقَضِيَ عِدَّتُهَا۔

ایک کو طلاق بائن دیدے تو اس کے لئے اس کی عدت گذرنے تک چوتھی عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں۔

نکاح سے متعلق کچھ اور مسائل

لغات کی وضاحت: الحرائر: حُر کی جمع: آزاد عورتیں۔ الاماء: اَمَۃ کی جمع: باندیاں۔ الاربع: چار۔ رابعۃ: چوتھی۔ تنقضی: گذر جانا، عدت پوری ہوجانا۔

تشریح و توضیح: وَيَجُوْزُ تَزْوِيْجُ الْاَمَةِ مُسْلِمَةً الخ۔ فرماتے ہیں یہ درست ہے کہ باندی کے ساتھ نکاح کیا جائے۔ اس سے قطع نظر کہ یہ باندی مسلمہ ہو یا کتابیہ۔ یعنی مسلمہ باندی کی طرح کتابیہ باندی سے بھی نکاح شرعاً جائز ہے۔ ارشادِ ربانی ہے "وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ (الآیۃ)" (اور جو شخص تم میں سے پوری وسعت اور گنجائش نہ رکھتا ہو آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی تو وہ اپنے آپس کی مسلمان لونڈیوں سے جو کہ تم لوگوں کی مملوکہ ہیں نکاح کرے) حضرت تھانویؒ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں کہ لونڈی کے ساتھ نکاح کرنے میں دو شرطیں لگائیں۔ ایک یہ کہ وہ ایسی عورت سے نکاح نہ کرسکے جس میں دو صفتیں ہوں۔ حریت، دوسرے ایمان۔ دوسری قید یہ کہ وہ مسلمان لونڈی ہو۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک

ان قیود کی رعایت اولیٰ ہے، اور اگر بلا رعایت ان قیود کے لونڈی سے نکاح کیا تو نکاح ہوجائیگا لیکن کراہت ہوگی۔
عند الاحناف مرد کے حرہ سے نکاح کرنیکی استطاعت کے باوجود باندی سے نکاح کرنا درست ہے۔ اسواسطے کہ احناف کے نزدیک جو ہمبستری بذریعۂ ملک یمین جائز ہے وہ بواسطۂ نکاح بھی جائز ہے اور باندی سے بواسطۂ ملک یمین ہمبستری جائز ہے۔ پس بواسطۂ نکاح بھی جائز ہوگی۔ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ حرہ سے نکاح کی استطاعت ہوتے ہوئے باندی سے نکاح کرنا درست نہ ہوگا۔ اس لئے کہ مذکورہ بالا آیت میں استطاعت نہ ہونے اور ایمان کی قید موجود ہے لہٰذا استطاعت کے ہوتے ہوئے اور مؤمنہ باندی کی موجودگی میں کتابیہ باندی کے ساتھ نکاح درست نہیں۔
ولا یجوز امۃ علی حرۃ الخ۔ جو شخص باندی کے ساتھ نکاح کئے ہو اس کا آزاد عورت کے ساتھ نکاح کرنا درست ہے اور یہ درست نہیں کہ آزاد عورت کے نکاح میں ہوتے ہوئے باندی کے ساتھ نکاح کرے۔ دار قطنی وغیرہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمائی۔
وللحران یتزوج اربعًا الخ۔ یعنی آزاد شخص زیادہ سے زیادہ چار عورتوں سے نکاح کرسکتا ہے خواہ وہ آزاد ہوں یا باندیاں۔ اور غلام کے لئے زیادہ سے زیادہ دو کی اجازت ہے۔

وَاِذَا زَوَّجَ الْاَمَۃَ مولاھا ثُمَّ اُعْتِقَتْ فَلَھَا الْخِیَارُ حُرًّا کَانَ زَوْجُھَا اَوْ عَبْدًا وَ
اور اگر باندی کا نکاح اس کے آقا نے کردیا اس کے بعد وہ حلقۂ غلامی سے آزاد کردی گئی تو اسے اختیار حاصل ہوگا خواہ اسکا خاوند آزاد ہو یا غلام ہو
کَذٰلِکَ الْمُکَاتَبَۃُ وَاِنْ تَزَوَّجَتْ اَمَۃٌ بِغَیْرِ اِذْنِ مَوْلَاھَا ثُمَّ اُعْتِقَتْ صَحَّ النِّکَاحُ وَ
اور یہی حکم مکاتبہ کا ہوگا اور اگر باندی بلا اجازت آقا نکاح کرلے اس کے بعد وہ آزاد ہوجائے تو نکاح درست ہوگا اور اسے خیار فسخ حاصل
لَاخِیَارَ لَھَا وَمَنْ تَزَوَّجَ امْرَأَتَیْنِ فِیْ عَقْدٍ وَّاحِدٍ وَاِحْدٰھُمَا لَایَحِلُّ لَہٗ نِکَاحُھَا
نہ ہوگا۔ کوئی شخص دو عورتوں کے ساتھ ایک ہی عقد میں نکاح کرے اور ان میں سے ایک کے ساتھ اسے نکاح کرنا حلال نہ ہو تو اس کے
صَحَّ نِکَاحُ الَّتِیْ تَحِلُّ لَہٗ وَبَطَلَ نِکَاحُ الْاُخْرٰی وَاِذَا کَانَ بِالزَّوْجَۃِ عَیْبٌ فَلَا
واسطے حلال کے ساتھ نکاح درست، اور دوسری سے نکاح باطل و کالعدم ہوجائیگا اور زوجہ میں کسی عیب کی بناء پر خاوند کو خیار فسخ
خِیَارَ لِزَوْجِھَا وَاِذَا کَانَ بِالزَّوْجِ جُنُوْنٌ اَوْ جُذَامٌ اَوْ بَرَصٌ فَلَاخِیَارَ لِلْمَرْأَۃِ عِنْدَ
حاصل نہ ہوگا اور اگر خاوند پاگل ہو یا اسے جذام یا برص کا مرض ہو تو امام ابو حنیفہ وامام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک
اَبِیْ حَنِیْفَۃَ وَاَبِیْ یُوْسُفَ رَحِمَھُمَا اللہُ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَہُ اللہُ لَھَا الْخِیَارُ وَاِذَا کَانَ
اسے خیار فسخ حاصل نہ ہوگا اور امام محمدؒ کے نزدیک اسے اختیار حاصل ہوگا اور اگر خاوند عنین ہو تو حاکم
الزَّوْجُ عِنِّیْنًا اَجَّلَہُ الْحَاکِمُ حَوْلًا فَاِنْ وَصَلَ اِلَیْھَا وَاِلَّا فَرَّقَ بَیْنَھُمَا اِنْ طَلَبَتْ
اسے سال بھر کی مہلت عطا کرے پھر وہ ہمبستری کے لائق ہوگیا تو فبہا ورنہ ان دونوں کے درمیان تفریق واقع کردے

الْمَرْأَةُ ذٰلِكَ وَكَانَتِ الْفُرْقَةُ تَطْلِيقَةً بَائِنَةً وَلَهَا كَمَالُ الْمَهْرِ إِذَا كَانَ قَدْ
بشرطیکہ عورت اسکی طلبگار ہو اور یہ تفریق بمنزلہ طلاق بائن کے ہوگی۔ اور عورت کامل مہر پائے گی جبکہ خاوند نے اس کے ساتھ
خَلَا بِهَا وَإِنْ كَانَ مَجْبُوْبًا فَرَّقَ الْقَاضِيْ بَيْنَهُمَا فِي الْحَالِ وَلَمْ يُؤَجِّلْهُ وَالْخَصِيُّ يُؤَجَّلُ
خلوت کرلی ہو اور اگر شوہر کا آلۂ تناسل کٹا ہوا ہو تو قاضی ان دونوں کے درمیان بلا مہلت دیئے تفریق کردے اور خصی کو عنین
كَمَا يُؤَجَّلُ الْعِنِّيْنُ وَإِذَا أَسْلَمَتِ الْمَرْأَةُ وَزَوْجُهَا كَافِرٌ عَرَضَ عَلَيْهِ الْقَاضِيْ
کیطرح مہلت عطا کی جائے گی اور جب عورت اسلام قبول کرلے اور خاوند کافر ہو تو قاضی اسے دعوت اسلام دے پھر وہ دائرۂ اسلام
الْاِسْلَامَ فَإِنْ أَسْلَمَ فَهِيَ امْرَأَتُهُ وَإِنْ أَبٰى فَرَّقَ بَيْنَهُمَا وَكَانَ ذٰلِكَ طَلَاقًا
میں داخل ہو جائے تو وہ اسی کی بیوی برقرار رہے گی اور اگر اسلام قبول نہ کرے تو ان دونوں کے درمیان تفریق ہو جائے گی اور
بَائِنًا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ وَقَالَ أَبُوْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَيْسَ بِطَلَاقٍ
امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک یہ بائن طلاق شمار ہوگی اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک طلاق نہیں ہوگی۔

وَإِنْ أَسْلَمَ الزَّوْجُ وَتَحْتَهُ مَجُوْسِيَّةٌ عَرَضَ عَلَيْهَا الْاِسْلَامَ فَإِنْ أَسْلَمَتْ فَهِيَ امْرَأَتُهُ
اور اگر خاوند اسلام قبول کرلے اور اسکی منکوحہ عورت آتش پرست ہو تو اسے دعوتِ اسلام دی جائے اگر وہ اسلام قبول کرلے تو
وَإِنْ أَبَتْ فَرَّقَ الْقَاضِيْ بَيْنَهُمَا وَلَمْ تَكُنِ الْفُرْقَةُ طَلَاقًا فَإِنْ كَانَ قَدْ دَخَلَ بِهَا
اسکی زوجہ برقرار رہے گی اور انکار کی صورت میں قاضی دونوں کے درمیان تفریق کرادے اور یہ تفریق بمنزلہ طلاق کے نہ ہوگی پھر اگر خاوند اس سے
فَلَهَا كَمَالُ الْمَهْرِ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ دَخَلَ بِهَا فَلَا مَهْرَ لَهَا۔
ہمبستر ہو چکا ہو تو وہ کامل مہر پائے گی اور اگر ہمبستر نہ ہوا ہو تو وہ مہر نہ پائے گی۔

تشریح و توضیح

وَإِذَا زَوَّجَ الْأَمَةَ مَوْلَاهَا الخ. اگر ایسا ہو کہ آقا اپنی خالص باندی یا مکاتبہ باندی کا نکاح کسی سے کردے پھر اسے آقا حلقۂ غلامی سے آزادی عطا کردے تو اس صورت میں باندی کو یہ حق حاصل ہوگا کہ خواہ آقا کا کیا ہوا نکاح برقرار رکھے یا نہ رکھے۔ اس سے قطع نظر کہ اس کا خاوند آزاد شخص ہو یا غلام۔ بہرصورت اسے یہ اختیار حاصل ہوگا۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ خاوند کے آزاد ہونے کی صورت میں اسے یہ اختیار حاصل نہ ہوگا۔ لیکن اس قول کے خلاف حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت حجت ہے کہ جب وہ آزاد ہوئیں تو آنحضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ تیرے ساتھ تیری بضعہ بھی آزاد ہے بس تجھے اختیار ہے۔ اس میں ملکیتِ بضعہ کا حاصل ہونا علی الاطلاق ہے اور خواہ خاوند آزاد ہو یا غلام، دونوں شکلوں میں یہ اختیار حاصل ہے۔

وان تزوجت امۃ الخ. اگر ایسا ہو کہ باندی بلا اجازتِ آقا نکاح کرے اور پھر وہ حلقۂ غلامی سے آزاد ہو جائے تو اس کا نکاح صحیح ہو جائے گا مگر نکاح فسخ کرنیکا حق حاصل نہ ہوگا۔ نفاذِ نکاح کی تو وجہ

یہ ہے کہ باندی میں صلاحیتِ نکاح موجود ہی مگر آقا کے اس پر حق کے باعث اس کا نفاذ بلا اجازتِ آقا نہیں ہو پاتا۔ پھر اس کے نعمتِ آزادی سے ہمکنار ہونے پر آقا کا حق کیونکہ باقی نہ رہا اسواسطے اب نفاذِ نکاح ہو جائیگا رہ گیا اختیار نہ ہونا تو اس کا سبب یہ ہے کہ نفاذِ نکاح بعدِ آزادی ہوا۔ اور شوہر کی ملکیتِ طلاق کا جہاں تک تعلق ہے اس میں کسی اور حق کا حصول نہیں ہوا۔ پہلی شکل میں باندی کو خیارِ فسخ حاصل ہونے کی وجہ یہ تھی کہ باندی آزادی سے پہلے محض دو ہی طلاقوں کا محل قرار دیجاتی تھی اور بعدِ آزادی خاوند کو ایک اور طلاق کا حق مل گیا۔ اور دوسری شکل میں ایسا نہیں۔ پس باندی کو بھی اس صورت میں خیارِ فسخ نہ ہوگا۔

ومَن تزوج امرأتین فی عقدٍ واحدٍ الخ۔ اگر ایسا ہو کہ کوئی شخص دو ایسی عورتوں کے ساتھ ایک ہی عقد میں نکاح کرے جن میں سے ایک کے ساتھ اس کے واسطے نکاح کرنا جائز ہو اور دوسری سے ناجائز۔ تو اس صورت میں جس سے اس کا نکاح جائز ہو اس سے درست ہو جائیگا اور جس سے نکاح ناجائز ہو اس سے باطل و کالعدم ہو جائیگا۔ اور جس قدر مہر کی تعیین ہوئی ہو اس کا استحقاق محض اس کو ہوگا جس کے ساتھ نکاح درست ہوا۔ حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک دونوں عورتوں کے مہرِ مثل پر بانٹا جائے گا۔

واذا کان الزوج عنیناً اجلہ الحاکمُ الخ۔ زوج کے عنین (نامرد) یا خصی ہونے کی صورت میں اسے علاج کی خاطر سال بھر کی مہلت عطا کی جائے گی۔ دارقطنی وغیرہ میں حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے اسی طرح منقول ہے۔ اگر سال بھر میں وہ اس لائق ہو جائے کہ بیوی سے ہمبستر ہو سکے تو ٹھیک ہے ورنہ قاضی ان دونوں کے درمیان تفریق کر دیگا اور عورت مطلقہ بائنہ ہو جائے گی۔ اور مقطوع الذکر کو قاضی مہلت نہ دیگا اور بلا مہلت تفریق کر دیگا کہ یہاں مہلت بے سود ہے۔

واذا اسلمت المرأۃ الخ۔ اگر مرد و عورت میں سے عورت اسلام قبول کرلے تو قاضی اس صورت میں دوسرے کو دعوتِ اسلام دیگا۔ پس اگر وہ دائرۂ اسلام میں داخل ہو گیا تو عورت بدستور اس کی بیوی برقرار رہے گی۔ ورنہ ان دونوں کے درمیان تفریق کر دی جائے گی۔ اور امام ابو حنیفہؒ و امام محمدؒ کے نزدیک یہ تفریق بمنزلۂ طلاقِ بائن کے ہوگی۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک دعوتِ اسلام نہیں دیجائیگی بلکہ اگر اس نے ہمبستری سے قبل اسلام قبول کرلیا تو فوری تفریق کر دیجائے گی۔ اور بعد ہمبستری اسلام قبول کیا تو بعد تین ماہواری تفریق کی جائے گی۔

احنافؒ کا مستدل یہ روایت ہے کہ صفوانؓ بن امیہ کی بیوی نے فتح مکہ کے روز اسلام قبول کیا اور صفوان ایک ماہ بعد اسلام لائے مگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کا وہی نکاح برقرار رکھا۔

وان اسلم الزوج الخ۔ اگر شوہر اسلام قبول کرلے اور اس کی بیوی آتش پرست ہو تو فرماتے ہیں کہ اس سے اسلام قبول کرنے کے لئے کہا جائے گا۔ اسلام قبول کرنے پر وہ بدستور اس کی زوجہ رہے گی اور قبول نہ کرنے کی صورت میں قاضی دونوں کے درمیان تفریق کر دیگا۔ اور اس فرقت کو طلاق قرار نہیں دیا جائیگا۔ اب اس

میں تفصیل یہ ہے کہ اگر شوہر اس کے ساتھ ہمبستر ہو چکا تھا تو اس کو کامل مہر ملے گا اور ہمبستری نہیں کی تو کچھ بھی نہ ملیگا۔

وَاِذَا اَسْلَمَتِ الْمَرْأَةُ فِيْ دَارِ الْحَرْبِ لَمْ تَقَعِ الْفُرْقَةُ عَلَيْهَا حَتّٰى تَحِيْضَ ثَلٰثَ حِيَضٍ فَاِذَا حَاضَتْ
اور اگر عورت دار الحرب میں اسلام قبول کرے تو تین ماہواری آنے تک فرقت کا وقوع نہ ہوگا اور تین ماہواری آنے پر وہ زوج
بَانَتْ مِنْ زَوْجِهَا وَاِذَا اَسْلَمَ زَوْجُ الْكِتَابِيَّةِ فَهُمَا عَلٰى نِكَاحِهِمَا وَاِذَا خَرَجَ اَحَدُ الزَّوْجَيْنِ
سے بائنہ شمار ہوگی۔ اور کتابیہ عورت کا خاوند اسلام قبول کرلے تو ان دونوں کا نکاح برقرار رہیگا اور جب شوہر و بیوی میں سے
اِلَيْنَا مِنْ دَارِ الْحَرْبِ مُسْلِمًا وَقَعَتِ الْبَيْنُوْنَةُ بَيْنَهُمَا وَاِنْ سُبِيَ اَحَدُهُمَا وَقَعَتِ الْبَيْنُوْنَةُ
کوئی ایک دار الحرب سے دار الاسلام میں اسلام قبول کرکے آجائے تو انکے درمیان جدائی ہوجائیگی اور اگر ان دونوں میں سے کسی ایک کو قید
بَيْنَهُمَا وَاِنْ سُبِيَا مَعًا لَمْ تَقَعِ الْبَيْنُوْنَةُ وَاِذَا خَرَجَتِ الْمَرْأَةُ اِلَيْنَا مُهَاجِرَةً جَازَ لَهَا
کرلیا گیا تب بھی دونوں کے درمیان جدائی واقع ہوجائے گی اور بیک وقت دونوں کو قید کئے جانے پر جدائی واقع نہ ہوگی اور اگر عورت دار الاسلام میں ہجرت
اَنْ تَتَزَوَّجَ فِي الْحَالِ وَلَا عِدَّةَ عَلَيْهَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَاِنْ كَانَتْ حَامِلًا
کرکے آگئی تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کے واسطے فوری نکاح کرلینا درست ہے اور اس پر عدت واجب ہوگی اور اگر حاملہ ہو تو تاوضع
لَمْ تَتَزَوَّجْ حَتّٰى تَضَعَ حَمْلَهَا وَاِذَا ارْتَدَّ اَحَدُ الزَّوْجَيْنِ عَنِ الْاِسْلَامِ وَقَعَتِ الْبَيْنُوْنَةُ
حمل اس کا نکاح کرنا درست نہیں۔ اور شوہر و بیوی میں سے کسی ایک کے اسلام سے پھر جانے پر دونوں کے درمیان جدائی ہوجائیگی۔
بَيْنَهُمَا وَكَانَتِ الْفُرْقَةُ بِغَيْرِ طَلَاقٍ فَاِنْ كَانَ الزَّوْجُ هُوَ الْمُرْتَدُّ وَقَدْ دَخَلَ بِهَا
اور یہ جدائی بغیر طلاق کے ہوگی۔ لہٰذا اگر اسلام سے پھرنے والا زوج ہو اور وہ بیوی کے ساتھ ہمبستر ہو چکا ہو تو وہ
فَلَهَا كَمَالُ الْمَهْرِ وَاِنْ لَمْ يَدْخُلْ بِهَا فَلَهَا النِّصْفُ وَاِنْ كَانَتْ هِيَ الْمُرْتَدَّةُ قَبْلَ
کامل مہر پائے گی۔ اور ہمبستر نہ ہوا ہو تو آدھا مہر ملے گا۔ اور اگر ہمبستری سے قبل عورت اسلام سے پھر گئی ہو تو وہ مہر کی
الدُّخُوْلِ فَلَا مَهْرَ لَهَا وَاِنْ كَانَتِ ارْتَدَّتْ بَعْدَ الدُّخُوْلِ فَلَهَا جَمِيْعُ الْمَهْرِ وَاِنِ ارْتَدَّا
مستحق نہ ہوگی۔ اور اگر دائرۂ اسلام سے ہمبستری کے بعد نکلی ہو تو وہ کامل مہر پائے گی۔ اور اگر دونوں بیک وقت اسلام
مَعًا ثُمَّ اَسْلَمَا مَعًا فَهُمَا عَلٰى نِكَاحِهِمَا وَلَا يَجُوْزُ اَنْ يَتَزَوَّجَ الْمُرْتَدُّ مُسْلِمَةً وَلَا مُرْتَدَّةً
سے پھر جائیں اور پھر بیک وقت اسلام قبول کریں تو ان دونوں کا نکاح برقرار رہے گا اور مرتد شخص کے لئے کسی مسلمان عورت یا مرتدہ اور
وَلَا كَافِرَةً وَكَذٰلِكَ الْمُرْتَدَّةُ لَا يَتَزَوَّجُهَا مُسْلِمٌ وَلَا كَافِرٌ وَلَا مُرْتَدٌّ وَاِذَا كَانَ اَحَدُ
کافرہ سے نکاح کرنا جائز نہیں اور اسی طریقہ سے مرتدہ عورت کو نہ کسی مسلمان سے نکاح کرنا جائز ہے اور نہ کافر و مرتد سے درست ہے اور اگر شوہر و
الزَّوْجَيْنِ مُسْلِمًا فَالْوَلَدُ عَلٰى دِيْنِهٖ وَكَذٰلِكَ اِنْ اَسْلَمَ اَحَدُهُمَا وَلَهٗ وَلَدٌ صَغِيْرٌ صَارَ
بیوی میں سے ایک اسلام قبول کرے تو بچہ اسی کے دین پر کہلائیگا اور اسی طریقہ سے اگر میاں بیوی میں سے ایک اسلام قبول کرلے اور اس کا کوئی چھوٹا
وَلَدُهٗ مُسْلِمًا بِاِسْلَامِهٖ وَاِنْ كَانَ اَحَدُ الْاَبَوَيْنِ كِتَابِيًّا وَالْاٰخَرُ مَجُوْسِيًّا
بچہ (بھی) ہو تو اس کو اسلام کے تابع قرار دیتے ہوئے بچہ مسلمان ہی کہلائیگا اور اگر ان دونوں میں سے ایک تو کتابی اور دوسرا آگ کو پوجنے

فَالوَلَدُ كِتَابِيٌّ .
والا ہو تو بچہ کو کتابی قرار دیں گے۔

تشریح وتوضیح

وَاِذَا اَسْلَمَتِ الْمَرْأَةُ فِی دَارِ الْحَرْبِ الخ. اگر کسی عورت نے دار الحرب میں رہتے ہوئے اسلام قبول کرلیا تو تاوقتیکہ تین ماہواریاں نہ آجائیں حکم فرقت نہ ہوگا۔ اور تین ماہواریاں آجانے پر اس کی شوہر سے تفریق ہوجائے گی۔ کیونکہ دار الحرب میں شوہر کو دعوت اسلام دینا دشوار ہے اور ادھر فساد رفع کرنے کی خاطر جدائی ضروری ہے۔ تو تین ماہواریاں آنے کو سبب کی جگہ قرار دیا جائے گا۔ اگر ایسا ہو کہ کسی کتابیہ عورت کا شوہر دائرۂ اسلام میں داخل ہوجائے تو اس سے ان کے نکاح پر کوئی اثر نہ پڑیگا اور دونوں کا نکاح بدستور برقرار رہے گا۔ اس لئے کہ ان کے درمیان جب آغاز ہی میں نکاح درست ہے تو بدرجۂ اولیٰ یہ بقاءً درست ہوگا۔

وَاِذَا خَرَجَ اَحَدُ الزَّوْجَیْنِ اِلَیْنَا الخ. اگر میاں بیوی میں سے کسی ایک نے اسلام قبول کیا اور پھر وہ دار الحرب سے دار الاسلام میں آگیا یا یہ کہ اسے قید کرلیا گیا تو اس صورت میں دونوں کے درمیان تفریق ہوجائے گی۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک تفریق نہ ہوگی۔ اور اگر بیک وقت دونوں قیدی بنالئے گئے تو ان کے درمیان تفریق واقع نہ ہوگی۔ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ان دونوں کے درمیان تفریق واقع ہوجائے گی۔

خلاصہ یہ کہ احنافؒ کے نزدیک فرقت کا سبب دار کا الگ الگ ہونا ہے، قید ہونا نہیں۔ اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک فرقت کا سبب قید ہونا ہے تباینِ دار نہیں۔ ان کے نزدیک دارین کا الگ الگ ہونا ولایت کے منقطع ہونے میں مؤثر ہوتا ہے اور یہ فرقت کے اندر اثر انداز نہیں ہوتا بخلاف قید کے کہ اس کا تقاضہ یہ ہوتا ہے کہ قید کردہ شخص محض قید کنندہ کیواسطے ہو اور یہ انقطاع نکاح ہی کی صورت میں ممکن ہے۔

احنافؒ فرماتے ہیں کہ دارین کا الگ ہونا خواہ حقیقی ہو یا حکمی اس سے مصالح نکاح فوت ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس قیدی کہ وہ ملکِ رقبہ کا سبب ہے اور ملکِ رقبہ کا جہاں تک تعلق ہے وہ جب آغاز میں ہی نکاح کے منافی نہیں تو اسے بقاءً بھی نکاح کے منافی قرار نہ دیں گے۔

وَاِذَا خَرَجَتِ الْمَرْأَةُ الخ. اگر کسی غیر حاملہ عورت نے دار الحرب سے ہجرت کی اور وہ دار الاسلام میں آگئی تو حضرت امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس کے ساتھ فوری طور پر بھی نکاح کرنا درست ہے۔ حضرت امام ابو یوسفؒ، حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ تاوقتیکہ عدت نہ گذر گئی ہو اس کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہ ہوگا۔ ان حضرات نے اس غیر حاملہ کو حمل والی عورت پر قیاس فرمالیا ہے کہ جس طرح حاملہ عورت سے تا وضع حمل نکاح صحیح نہیں ٹھیک اسی طرح اس غیر حاملہ سے بھی جائز نہ ہوگا۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کا مستدل یہ آیت کریمہ ہے "وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَا اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ (الاٰیۃ) (اور تم کو ان عورتوں سے نکاح کرلینے میں کچھ گناہ نہ ہوگا جبکہ تم ان کے مہران کو دیدو) اس آیت کریمہ میں مطلقاً ہجرت کرکے آنیوالی عورت کے ساتھ اجازت عطا

فرمادی گئی۔ لہٰذا اس میں عدت پوری ہونے تک کی قید لگانا یہ کتاب اللہ پر زیادتی ہوگی۔

واذا ارتد احد الزوجین الخ۔ اگر میاں بیوی میں سے کوئی ایک دائرۂ اسلام سے نکل جائے تو ان کے درمیان اسی وقت فرقت ہوجائے گی۔ تین ماہواری گذرنے تک موقوف قرار نہ دیں گے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک یہ تفریق بغیر طلاق کے ہوگی۔ اب اگر ایسا ہو کہ شوہر دائرۂ اسلام سے نکلا ہو اور اس نے بیوی سے ہمبستری کرلی ہو تو اس صورت میں عورت کامل مہر پائے گی۔ اس لئے کہ ہمبستری کے باعث مہر لازم و مؤکد ہوگیا اور اسکے ساقط ہونے کی صورت نہیں رہی اور ہمبستری نہ ہونے کی صورت میں آدھا مہر پائے گی کہ یہ تفریق ہمبستری سے پہلے طلاق دینے سے مشابہت رکھتی ہے۔ اور اگر ابھی شوہر نے ہمبستری نہیں کی تھی کہ عورت دائرۂ اسلام سے نکل گئی تو اسے کچھ نہیں ملے گا۔ اس لئے کہ اس نے دائرۂ اسلام سے نکل کر بضعہ (اور شرمگاہ سے انتفاع) پر روک لگادی تو یہ ٹھیک ایسی شکل ہوگئی جیسے فروخت کرنیوالا فروخت کردہ چیز کو قابض ہونے سے قبل ضائع کردے اور اگر ہمبستری کے بعد اسلام سے پھری تو پورے مہر کی مستحق ہوگی۔

ولا یجوز ان یتزوج المرتد الخ۔ دائرہ اسلام سے نکلنے والے کو مسلمہ یا کتابیہ یا کافرہ مرتدہ، کسی سے بھی نکاح کرنا جائز نہیں۔ اس لئے کہ اسے تو قتل کرنا واجب ہے اور یہ دی گئی مہلت محض غور و فکر کی خاطر ہے۔ اور نکاح اس کیواسطے باعث غفلت ہوگا۔ ایسے ہی مرتدہ کو بھی کسی سے نکاح کرنا جائز نہیں۔ اسواسطے کہ اسے بھی غور و فکر کی خاطر مقید کیا جاتا ہے۔

واذا کان احد الزوجین مسلماً الخ۔ ماں باپ میں سے جس کا دین بہتر ہوگا بچہ کو اسی کے تابع قرار دیں گے باپ کے مسلمان ہونے کی صورت میں اس کا تابع اور ماں کے ہونے پر اسے ماں کے تابع قرار دیں گے۔

وَاِذَا تَزَوَّجَ الْكَافِرُ بِغَيْرِ شُهُوْدٍ اَوْ فِيْ عِدَّةٍ مِنْ كَافِرٍ وَذٰلِكَ جَائِزٌ فِيْ دِيْنِهِمْ ثُمَّ

اور اگر کافر کافرہ عورت سے بلا گواہوں کے نکاح کرلے یا دوسرے کافر کی عدت میں نکاح کرے اور یہ انکے مذہب میں جائز ہو اس کے بعد

اَسْلَمَا اُقِرَّا عَلَيْهِ وَاِنْ تَزَوَّجَ الْمَجُوْسِيُّ اُمَّهٗ اَوْ اِبْنَتَهٗ ثُمَّ اَسْلَمَا فُرِّقَ بَيْنَهُمَا۔

دونوں اسلام قبول کرلیں تو انکا پہلا نکاح باقی رہے گا اور اگر مجوسی اپنی والدہ یا اپنی لڑکی سے نکاح کرلے پھر دونوں مسلمان ہوجائیں تو دونوں میں تفریق کرادی جائے

نکاح کفّار کا ذکر

لغات کی وضاحت: شہود: شاہد کی جمع: گواہ۔ شہد شہوداً: گواہی دینا۔ المجوسی: آتش پرست۔

تشریح و توضیح: واذا تزوج الکافر بغیر شہود الخ۔ خلاصہ یہ کہ جب کافر کافرہ عورت سے گواہوں کے بغیر نکاح کرے یا ایسی عورت سے نکاح کرے جو دوسرے کافر کی عدت

گذار رہی ہو یا بیوہ ہو اور یہ نکاح اُن کے مذہب کی رُو سے جائز ہو، اس کے بعد دونوں اسلام قبول کرلیں تو حضرت امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ان دونوں کا سابق نکاح برقرار رہے گا۔ حضرت امام زفرؒ کے نزدیک سابق نکاح برقرار نہ رہے گا۔ حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ پہلی شکل میں امام ابو حنیفہؒ سے متفق ہیں۔ اور دوسری شکل میں حضرت امام زفرؒ کے نزدیک "گواہوں کے بغیر نکاح نہیں" خطابات کا جہاں تک تعلق ہے ان میں تعمیم ہے اور اس کے زمرے میں سب آجاتے ہیں۔ امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک معتدہ سے نکاح حرام ہونے پر سب کا اتفاق ہے پس یہ بھی اس کے تحت آجائیں گے۔ اس کے برعکس گواہوں کے بغیر نکاح کا حرام ہونا کہ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ چنانچہ حضرت امام مالکؒ اور حضرت ابن ابی لیلےٰ سے اس کا جواز منقول ہے۔ لہٰذا نکاح بلا شہود دوسری صورت کے زمرے میں نہ آئے گا۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک کافر کیلئے حرمت کا ثابت ہونا نہ از روئے شرع ہے کہ وہ شرعی حقوق کے مخاطبین میں سے ہے ہی نہیں اور نہ از روئے حقِ زوج کافر کہ اس پر اس کا اعتقاد نہیں۔ لہٰذا لازمی طور پر نکاح درست قرار دیا جائے گا۔ اور نکاح درست ہونے پر مسلمان ہونیکی حالت نکاح کے باقی رہنے کی حالت ہے اور یہ بات عیاں ہے کہ بقاءِ نکاح کی حالت کیواسطے شہادت کی کہیں بھی شرط نہیں لگائی گئی۔ رہ گئی عدت تو وہ منافیٔ حالتِ بقاء ہے ہی نہیں۔

وَانْ تزوج المجوسی امہ الخ. اگر کافر محرمات میں سے کسی محرمہ سے نکاح کرلے مثلاً اپنی والدہ یا اپنی بیٹی سے۔ اس کے بعد وہ دونوں اسلام قبول کرلیں تو سب ائمہ اس پر متفق ہیں کہ ان دونوں کے درمیان تفریق کردی جائے گی۔ امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک تو اس کا حکم بالکل عیاں ہے اس لئے کہ وہ تو محارم سے نکاح بحقِ کفار بھی باطل قرار دیتے ہیں۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اگرچہ درست ہے مگر محرمیت کے بقائے نکاح کے منافی ہونے کی بناء پر تفریق ناگزیر ہے۔

وَانْ كَانَ للرجل امرأتانِ حُرّتانِ فعَلَيهِ اَنْ يَعدِلَ بينهما فِى القسمِ بكرَيْنِ كَانَتا اَوْ
اور اگر کوئی شخص دو آزاد بیویاں رکھتا ہو تو اس پر لازم ہے کہ انکی باری کے سلسلہ میں انصاف کرے خواہ دونوں باکرہ ہوں یا

ثَيّبَيْنِ او احدهما بكرًا وَالاخرىٰ ثيّبًا وَانْ كانت احدهما حرة وَالاخرىٰ امةٌ فالحرةُ
دونوں ثیبہ یا ان دونوں میں سے ایک تو باکرہ ہو اور دوسری ثیبہ۔ اور ان بیویوں میں سے ایک کے آزاد اور دوسری کے باندی ہونے پر

الثلثانِ وَللامةِ الثُلثُ وَلاحقّ لهنّ فى القسمِ فى حَالِ السّفرِ وَيُسافرُ بمن شاءَ منهن
حُرّہ کیلئے نوبت کے دو ثلث قرار دیئے جائیں گے اور باندی کیلئے ایک ثلث۔ اور بیویوں کے واسطے بحالت سفر نوبت کا حق نہیں۔ انمیں سے

وَالاَولىٰ ان يَقرعَ بينهنّ فيُسافرُ بمَنْ خرجت قرعتها وَاذا رضيَتْ اِحْدٰى
جس کے ساتھ مرضی ہو سفر کرے اور اولیٰ ان کے درمیان قرعہ اندازی ہے پھر قرعہ اندازی میں جس کا نام نکل آئے اسے سفر میں ساتھ

الزوجاتِ بترکِ قسمِھَا لِصاحِبتِھَا جَازَ وَلَھَا اَن ترجِعَ فِی ذٰلکَ۔

لیجائے اور اگر بیویوں میں سے کوئی اپنی نوبت دوسری کو دینے پر رضامند ہو تو یہ بھی درست ہے اور اسکا اس سے رجوع کرنا بھی درست ہے۔

بیویوں کی نوبت کے احکام کا بیان

تشریح و توضیح

وَانْ کَانَ للرجلِ امرأتان الخ۔ اگر کسی شخص کی بیویوں کی تعداد دو یا دو سے زیادہ ہو تو اسے چاہئے کہ ان کے ساتھ رات گذارنے اور پہنانے اور انس و تعلق میں حتی الامکان مساوات سے کام لے اور انکے درمیان اس سلسلہ میں کوئی فرق و امتیاز نہ برتے۔ اس میں کنواری، غیر کنواری، پرانی اور نئی، مسلمان اور کتابیہ کا حکم عند الاحناف یکساں ہے۔ اس لئے کہ ارشادِ ربانی "وَلَن تستطیعُوا ان تعدلوا بین النساء" (الآیۃ) مطلق اور بغیر کسی قید کے ہے۔ ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ باکرہ کے یہاں سات روز اور غیر باکرہ (ثیبہ) کے یہاں تین روز رہے۔ اس لئے کہ بخاری و مسلم کی روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ ان روایات کے معنٰی یہ ہیں کہ باری کا آغاز نئی منکوحہ سے ہو اور یہ کہ شوہر باکرہ کے یہاں سات روز رہے تو دوسری بیویوں کے یہاں بھی سات ہی روز قیام کرے، اور باکرہ کے یہاں تین روز گذارے تو دوسری بیویوں کے یہاں بھی تین روز بسر کرے۔

وان کانت احدٰھما حرۃ والاخریٰ امۃ الخ۔ اگر ایسا ہو کہ کسی شخص کی دو بیویاں ہوں مگر ان میں سے ایک بیوی آزاد عورت ہو اور دوسری باندی ہو تو آزاد عورت کے مقابلہ میں اس کا حق نصف ہوگا۔ یعنی اگر آزاد عورت کے یہاں چار روز رہے تو باندی کے پاس دو روز۔

ویسافر بمن شاء منھن الخ۔ یعنی نوبت کی تقسیم کا تعلق حضر سے ہے۔ اور سفر میں یہ تقسیم لازم نہیں رہتی بلکہ شوہر کو یہ حق و اختیار ہوتا ہے کہ ان میں سے جس کو چاہے اپنے ساتھ سفر میں لیجائے، اور دوسری بیویوں کو نہ لے جائے۔ البتہ دلدہی اور کسی کے دل پر میل آنے سے بچانے کی خاطر اگر قرعہ اندازی کرلے اور پھر قرعہ میں جس بیوی کا نام آجائے اسے ساتھ لیجائے تو یہ صورت زیادہ بہتر ہے۔ حضرت امام شافعیؒ قرعہ اندازی کو واجب و لازم قرار دیتے ہیں۔ اس لئے کہ بخاری و مسلم میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قصدِ سفر فرماتے وقت قرعہ اندازی فرمایا کرتے تھے۔ احنافؒ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل محض ازواجِ مطہرات کی دلجوئی کی خاطر تھا پس یہ بجائے واجب کے محض مستحب ہوگا۔

واذا رضیت الخ۔ کسی بیوی کا اپنی نوبت دوسری کو دیدینا درست ہے۔ روایات میں ہے کہ ام المؤمنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے اپنی نوبت ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کیواسطے ہبہ فرمادی تھی۔

کتاب الرّضاع

رضاعت کا ذکر

قَلِيلُ الرَّضَاعِ وَكَثِيرُهُ إِذَا حَصَلَ فِي مُدَّةِ الرَّضَاعِ تَعَلَّقَ بِهِ التَّحْرِيمُ وَمُدَّةُ الرَّضَاعِ
دودھ کم پئے یا زیادہ، مدتِ رضاعت میں پینے پر حرمتِ رضاعت ثابت ہو جائے گی۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک

عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ ثَلٰثُونَ شَهْرًا وَعِنْدَهُمَا سَنَتَانِ وَإِذَا مَضَتْ مُدَّةُ الرَّضَاعِ
مدتِ رضاعت ڈھائی سال اور امام ابویوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک دو سال ہے۔ اور مدتِ رضاعت گذرنے پر دودھ پینے

لَمْ يَتَعَلَّقْ بِالرَّضَاعِ تَحْرِيمٌ وَيَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ إِلَّا أُمَّ أُخْتِهِ مِنَ
کے باعث ثبوتِ حرمت نہ ہوگا۔ اور رضاعت کی بنا پر وہی حرمت ثابت ہوگی جو نسب کی بنا پر ہوتی ہے بجز رضاعی بہن کی والدہ

الرَّضَاعِ فَإِنَّهُ يَجُوزُ لَهُ أَنْ يَتَزَوَّجَهَا وَلَا يَجُوزُ أَنْ يَتَزَوَّجَ أُمَّ أُخْتِهِ مِنَ النَّسَبِ وَأُخْتَ
کے کہ اس کے ساتھ نکاح کرلینا درست ہے۔ اور یہ جائز نہیں کہ نسبی بہن کی والدہ سے نکاح کیا جائے۔ اور بجز رضاعی

اِبْنِهِ مِنَ الرَّضَاعِ يَجُوزُ أَنْ يَتَزَوَّجَهَا وَلَا يَجُوزُ أَنْ يَتَزَوَّجَ أُخْتَ اِبْنِهِ مِنَ النَّسَبِ
لڑکے کی ہمشیرہ کے کہ اس کے ساتھ نکاح درست ہے۔ اور یہ جائز نہیں کہ نسبی لڑکے کی ہمشیرہ سے نکاح کرے۔

وَلَا يَجُوزُ أَنْ يَتَزَوَّجَ اِمْرَأَةَ اِبْنِهِ مِنَ الرَّضَاعِ كَمَا لَا يَجُوزُ أَنْ يَتَزَوَّجَ اِمْرَأَةَ
اور یہ جائز نہیں کہ اپنے رضاعی لڑکے کی بیوی سے نکاح کرے جس طرح کہ یہ جائز نہیں کہ اپنے نسبی

اِبْنِهِ مِنَ النَّسَبِ۔
لڑکے کی اہلیہ سے نکاح کرے۔

لغات کی وضاحت

الرضاع: دودھ پینا۔ قلیل: کم۔ کثیر: زیادہ۔ مضت: گذرنا۔ تحریم: حرمت

تشریح و توضیح

کتاب الرضاع۔ رِضَاع۔ را کے زیر کے ساتھ چھاتی یا تھن سے دودھ پینا۔ نکاح سے مقصود اولاد اور سلسلۂ توالد و تناسل بھی ہوتا ہے اور بچہ کی زندگی کا ابتدائی دار و مدار رضاعت پر ہوا کرتا ہے۔ اسی مناسبت کے باعث احکامِ نکاح سے فراغت کے بعد رضاعت اور اس کے احکام بیان کئے گئے۔

قلیل الرضاع وکثیرہ الخ۔ اس سے قطع نظر کہ دودھ کم پیا ہو یا زیادہ، رضاعت کے باعث ان ساری عورتوں سے نکاح حرام ہو جاتا ہے جن سے نسب کے باعث نکاح حرام ہے۔ اکابر صحابۂ کرام یہی فرماتے ہیں۔

حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک پانچ بار چھاتی چوسنے اور دودھ پینے سے رضاعت ثابت ہوتی ہے۔ اس واسطے کہ مسلم شریف میں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت

ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک دو مرتبہ چھاتی چوسنے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔
احناف فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ "وامہاتکم اللّٰتی ارضعنکم" اور حدیث شریف "یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب" میں اس طرح تفصیل نہیں فرمائی گئی۔ اور بواسطۂ خبر واحد کتاب اللہ پر اضافہ درست نہیں۔ رہ گئی مذکورہ بالا روایت تو وہ منسوخ ہو چکی، حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کے قول سے اسکا منسوخ ہونا واضح ہوتا ہے۔

ومدۃ الرضاع عند ابی حنیفۃ الخ۔ رضاعت کی مدت کتنی ہے۔ اس کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ڈھائی سال، اور حضرت امام ابویوسفؒ و حضرت امام محمدؒ کے نزدیک دو برس مدتِ رضاعت ہے۔ فتح القدیر وغیرہ میں اس کی تصریح ہے۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک بھی دو ہی برس ہے۔ حضرت امام زفرؒ کے نزدیک مدتِ رضاعت تین برس ہے۔ بعض کے نزدیک پندرہ اور بعض کے نزدیک چالیس برس، اور بعض کے نزدیک مدتِ رضاعت ساری عمر ہے۔

حضرت امام ابویوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کا مستدل آیت کریمہ "وحملہ وفصالہ ثلثون شہرا" آیت کریمہ میں حمل اور فصال دونوں کا عرصہ تیس مہینہ بتایا ہے۔ اور کم سے کم مدتِ حمل چھ مہینے ہے۔ لہٰذا برائے فصال دو برس کی مدت برقرار رہی۔ علاوہ ازیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رضاعت دو برس کے بعد نہیں۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مستدل بھی مذکورہ بالا آیت کریمہ ہے۔ اور وہ استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں دو چیزوں کو بیان فرمایا اور دونوں ہی کیواسطے مدت کی تعیین فرمائی تو اس مدت کو دونوں کیواسطے پوری پوری قرار دیں گے۔ لہٰذا رضاعت کی مدت بھی ڈھائی برس اور حمل کی مدت بھی ڈھائی برس ہوگی۔ البتہ مدتِ حمل کا جہانتک تعلق ہے اس کا کم ہونا احادیث سے ثابت ہوتا ہے اور اس کے برعکس رضاعت کی مدت کا کم ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ پس مدتِ رضاعت مکمل ڈھائی برس ہوگی۔ اور مدتِ رضاعت کے بعد دودھ پینے سے حرمتِ رضاعت ثابت نہ ہوگی۔ طبرانی اور مصنف عبدالرزاق وغیرہ میں روایت ہے کہ مدتِ رضاعت پوری ہونے کے بعد رضاعت نہیں۔

الا ام اختہ من الرضاع الخ۔ جو عورتیں نسب کیوجہ سے حرام ہوتی ہیں اور ان سے نکاح جائز نہیں ہوتا وہ رضاعت کیوجہ سے بھی حرام ہو جاتی ہیں۔ البتہ رضاعی بہن کی نسبی ماں اس سے مستثنیٰ ہے کہ اس سے کوئی رشتہ ایسا حرمت کا نہیں جس کی بناء پر اس سے نکاح جائز نہ ہو، اور اسی طرح لڑکے کی رضاعی بہن کی ماں سے نکاح درست ہے کہ اس سے کوئی رشتہ حرمتِ نکاح کا نہیں۔

تنبیہ: حرمتِ رضاعت کا تحقق عورت کا دودھ پینے کے ساتھ خاص ہے۔ خواہ وہ عورت کنواری ہو یا شادی شدہ، اور وہ عورت زندہ ہو یا مردہ۔ دوسرے یہ قید ہے کہ عورت کی عمر نو سال سے کم نہ ہو کیونکہ نو سال سے کم عمر والی عورت کے دودھ سے حرمتِ رضاعت ثابت نہ ہوگی۔ وجہ یہ ہے کہ دودھ کا حکم بھی اسی سے متعلق ہوگا جس سے

پیدائش متوقع ہو، اور اس سے کم عمر میں ولادت کی صلاحیت ہی نہیں ہوتی۔ لہٰذا نو سال سے کم عمر والی کا حکم مرد کا سا ہوگا کہ اس سے حرمت رضاعت متحقق نہ ہوگی۔

ایک اشکال کا جواب ۔ فقہائے کرام حدیث شریف "یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب" کے حکم سے ام الاخت اور اخت الابن کو جو مستثنیٰ قرار دیتے ہیں اس کے اوپر عقلی اعتبار سے یہ اشکال ہوتا ہے کہ اس کی وجہ سے حدیث کے عموم میں تخصیص پیدا ہوتی ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ مستثنیٰ شکلوں کا حرام ہونا بوجہ حرمت مصاہرت ہے بوجہ نسب نہیں۔ لہٰذا فقہاء کرام کی مستثنیٰ کردہ شکلیں حدیث میں شامل ہی نہیں قرار دی گئیں۔

ولا یجوز ان یتزوج امرأۃ ابنہ الخ فرماتے ہیں کہ جس طرح نسبی بیٹے کی بیوی سے نکاح جائز نہیں۔ ٹھیک اسی طرح رضاعی بیٹے کی بیوی کا حکم ہے کہ اس کے ساتھ بھی نکاح کرنا جائز نہیں اور باعتبار حرمت نکاح رضاعی اور نسبی بیٹے کی بیوی کے درمیان کوئی فرق نہیں، نکاح حرام ہونے میں دونوں کا حکم یکساں ہے۔

وَلَبَنُ الْفَحْلِ یَتَعَلَّقُ بِہِ التَّحْرِیْمُ وَھُوَ اَنْ تُرْضِعَ الْمَرْأَۃُ صَبِیَّۃً فَتَحْرُمُ ھٰذِہِ الصَّبِیَّۃُ

اور حرمت کا تعلق مرد کے ذریعہ پیدا شدہ دودھ سے ہوتا ہے اس کی صورت یہ ہے کہ جس بچی کو عورت دودھ پلائے وہ حرام ہو جائے

عَلٰی زَوْجِھَا وَعَلٰی اٰبَائِہٖ وَاَبْنَائِہٖ وَیَصِیْرُ الزَّوْجُ الَّذِیْ نَزَلَ لَھَا مِنْہُ اللَّبَنُ اَبًا لِلْمُرْضَعَۃِ

گی اسکے خاوند اور اس کے آباء اور لڑکوں پر اور وہ خاوند جو دودھ اترنے کا سبب بنا اس دودھ پینے والی بچی کا باپ بن جائیگا۔

وَیَجُوْزُ اَنْ یَتَزَوَّجَ الرَّجُلُ بِاُخْتِ اَخِیْہِ مِنَ الرَّضَاعِ کَمَا یَجُوْزُ اَنْ یَتَزَوَّجَ بِاُخْتِ اَخِیْہِ مِنَ

اور یہ درست ہے کہ کوئی شخص اپنے رضاعی برادر کی ہمشیرہ سے نکاح کرے جسطرح یہ درست ہے کہ اپنے نسبی بھائی کی ہمشیرہ

النَّسَبِ وَذٰلِکَ مِثْلُ الْاَخِ مِنَ الْاَبِ اِذَا کَانَ لَہٗ اُخْتٌ مِنْ اُمِّہٖ جَازَ لِاَخِیْہِ مِنْ اَبِیْہِ

سے نکاح کرے اور صورت یہ ہے کہ مثال کے طور پر ایک علاتی بھائی ہو اور اس بھائی کی ایک اخیافی بہن ہو تو علاتی بھائی کیلئے

اَنْ یَتَزَوَّجَھَا وَکُلُّ صَبِیَّیْنِ اجْتَمَعَا عَلٰی ثَدْیٍ وَاحِدٍ لَمْ یَجُزْ لِاَحَدِھِمَا اَنْ یَتَزَوَّجَ الْاٰخَرَ وَلَا

اسکی اخیافی بہن سے نکاح کرنا درست ہے اور جو دو بچے ایک چھاتی کا (ایک عورت کا) دودھ پئیں ان میں سے ایک کا نکاح دوسرے سے جائز نہیں۔

یَجُوْزُ اَنْ یَتَزَوَّجَ الْمُرْضَعَۃُ اَحَدًا مِنْ وَلَدِ الَّتِیْ اَرْضَعَتْھَا وَلَا یَتَزَوَّجُ الصَّبِیُّ الْمُرْضَعُ

اور یہ جائز نہیں کہ اس دودھ پینے والی کا نکاح دودھ پلانیوالی عورت کے لڑکوں میں کسی کیساتھ ہو اور یہ دودھ پینے والا بچہ دودھ پلانیوالی

اُخْتَ زَوْجِ الْمُرْضِعَۃِ وَاِذَا اخْتَلَطَ اللَّبَنُ بِالْمَاءِ وَاللَّبَنُ ھُوَ الْغَالِبُ یَتَعَلَّقُ بِہِ التَّحْرِیْمُ

عورت کے خاوند کی ہمشیرہ سے نکاح نہ کرے اور اگر دودھ پانی میں مخلوط ہو جائے اور دودھ کا غلبہ ہو تو اس کے ذریعہ حرمت متعلق ہو جائے

وَاِذَا اخْتَلَطَ بِالطَّعَامِ لَمْ یَتَعَلَّقْ بِہِ التَّحْرِیْمُ وَاِنْ کَانَ اللَّبَنُ غَالِبًا عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ وَقَالَا

گی اور دودھ کھانے میں ملنے پر حرمت اس سے متعلق نہ رہے گی خواہ دودھ غالب ہی کیوں نہ ہو امام ابوحنیفہؒ یہی فرماتے ہیں اور امام ابویوسفؒ

رَحِمَھُمَا اللہُ یَتَعَلَّقُ بِہِ التَّحْرِیْمُ وَاِذَا اخْتَلَطَ بِالدَّوَاءِ وَاللَّبَنُ غَالِبٌ تَعَلَّقَ بِہِ التَّحْرِیْمُ

و امام محمدؒ کے نزدیک حرمت اس سے متعلق ہو جائے گی اور اگر دودھ دوا میں مخلوط ہو گیا ہو اور دودھ کا غلبہ ہو تو اس سے حرمت متعلق ہوگی

وَاذا حلبَ اللبن مِنَ المرأۃِ بعد موتِہا فَاُوجِرَ بہ الصبیّ تعلّق بہ التحریمُ وَاذا اختلط لبنُ
اور اگر عورت کے انتقال کے بعد اس کا دودھ نکالکر بچہ کے حلق میں ڈالدیا جائے تو اس سے حرمت ثابت ہوجائے گی۔ اور عورت کے دودھ
المرأۃِ بلبنِ شاۃٍ وَلبنُ المرأۃِ ہُوَ الغالبُ تعلّق بہ التحریمُ وَاِنْ غلبَ لبنُ الشاۃِ لم یتعلّق
کے بکری کے دودھ میں ملجانے پر عورت کے دودھ کو غلبہ ہو تو اس سے حرمت کا تعلق ہوگا اور بکری کے دودھ کو غلبہ ہو تو حرمت
بہ التحریمُ وَاذا اختلط لبنُ امرأتینِ یتعلق التحریم باکثرہما عند ابی یوسفؒ وقالَ
ثابت نہ ہوگی اور دو عورتوں کا دودھ مخلوط ہونے پر امام ابو یوسفؒ کے نزدیک دونوں میں سے جسکا دودھ بڑھا ہوا ہو حرمت اسی سے ثابت ہوگی۔
محمدٌ رحمہ اللّٰہُ تعلّق بہما وَاذا نزلَ للبکرِ لبنٌ فَاَرضعتْ صبیًّا یتعلّقُ بہ التحریمُ۔
اور امام محمدؒ حرمت دونوں سے ثابت فرماتے ہیں اور اگر کنواری کے دودھ اترنے پر اس نے بچہ کو پلادیا تو حرمت ثابت ہوجائے گی۔

مفصّل رضاعت کے احکام کا بیان

تشریح و توضیح

وَلبنُ الفحل یتعلق بہ التحریم الخ۔ اس سے مقصود ایسا دودھ ہے جو مرد کے ہمبستر ہونے اور اس کے نتیجہ میں بچہ پیدا ہونیکے باعث ہوا ہو۔ مقصود یہاں یہ بتانا ہے کہ اگر مثلاً کسی عورت نے کسی لڑکی کو دودھ پلایا تو دودھ پلانے کی بنا پر یہ لڑکی اس کی رضاعی بیٹی ہوجائے گی اور یہ لڑکی اس عورت کے خاوند اور خاوند کے باپ دادا اور اسی طرح اس کے لڑکوں پر حرام ہوگی کہ ان میں سے کسی کو اس کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہ ہوگا۔ اور اس عورت کا شوہر جو دودھ اترنے کا سبب بنا وہ اس لڑکی کا رضاعی باپ قرار دیا جائے گا۔ اور یہ حدیث پہلے بیان کی جاچکی ہے کہ نسبی اعتبار سے جن رشتوں میں نکاح حرام ہے باعتبار رضاعت بھی اُن رشتوں میں نکاح حرام ہوگا۔

ویجوز اَنْ یتزوج الرجلُ باختِ اخیہ من الرضاع الخ۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کا باپ دو عورتوں سے نکاح کرے ایک تو ان میں سے اس کی ماں ہو، اور دوسری اس کے بھائی کی ماں اور اس علاتی بھائی کی ایک اخیافی بہن ہو۔ یعنی اس کی ماں نے پہلے کسی اور شخص سے نکاح کیا ہو اور اس سے ایک لڑکی ہو تو اس لڑکی کا نکاح اس کے اخیافی بھائی کے علاتی بھائی یعنی پہلے شخص سے جائز ہوگا۔

وَکلُّ صبیّینِ اجتمعا علیٰ ثدیٍ واحدٍ الخ۔ اور اگر ایسا ہو کہ دو بچے ایک عورت کا دودھ پئیں (خواہ دونوں نے ایک ساتھ پیا ہو یا کچھ فصل سے) تو ان میں سے ایک کا نکاح دوسرے سے جائز نہ ہوگا۔ اسلئے کہ اگر دودھ اترنے کا سبب عورت کے دو شوہر ہوں تب بھی یہ دونوں اخیافی بھائی بہن ہونگے۔ اور ایک شوہر سے ہو تو یہ دونوں حقیقی (والدین شریک) بہن بھائی ہوں گے۔ ایسے ہی یہ بھی جائز نہیں کہ یہ دودھ پینے والی لڑکی اپنی دودھ پلانے والی عورت کے کسی لڑکے کے ساتھ نکاح کرے کہ یہ لڑکی ان لڑکوں کی رضاعی ہے، اور رضاعی بہن سے حقیقی و نسبی بہن کیطرح نکاح حرام ہے۔ اور اسی طرح دودھ پینے والے بچہ کا نکاح دودھ پلانیوالی عورت کے خاوند کی بہن سے

جائز نہیں کہ یہ رشتہ میں اس بچہ کی رضاعی پھوپھی ہوتی اور بھتیجہ کا نکاح بھی پھوپھی حقیقی بھتیجہ کیطرح حرام ہے۔

واذا اختلط اللبن بالماء الخ اور اگر ایسا ہو کہ دودھ پانی میں مخلوط ہو جائے اور پانی کے مقابلہ میں دودھ کی مقدار زیادہ ہو اور دودھ غالب ہو تو حرمتِ رضاعت ثابت ہو جائے گی۔ امام شافعیؒ کے نزدیک پانچ بار چوسنے کی مقدار میں دودھ ہو تو حرمتِ رضاعت ثابت ہوگی ورنہ نہیں۔ عند الاحناف مغلوب چیز کالعدم ہوتی ہے اور اس پر حکم حرمت مرتب نہ ہوگا۔ اور اگر دودھ کھانے میں مل گیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس سے حرمتِ رضاعت ثابت نہ ہوگی۔ خواہ اس صورت میں دودھ غالب ہی کیوں نہ ہو۔ اور امام ابویوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک اگر دودھ غالب ہو تو حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی۔

واذا حلب اللبن من المرأة بعد موتها الخ۔ اگر کسی عورت کے دودھ کو اس کے انتقال کے بعد نکال کر بچہ کے حلق میں ڈالدیں تو احناف کے نزدیک حرمتِ رضاعت ثابت ہو جائے گی اور امام شافعیؒ کے نزدیک حرمتِ رضاعت ثابت نہ ہوگی۔ وہ فرماتے ہیں کہ حرمت کے ثابت ہونے میں عورت کی حیثیت اصل کی ہے اور اس کے ذریعہ سے حرمت دوسروں تک پہنچتی ہے اور انتقال کے بعد یہ عورت حرام ہونیکا محل باقی نہ رہی اور اسی بنا پر اگر کوئی مرد عورت کے ساتھ ہمبستری کرلے تو حرمت مصاہرت ثابت ہونیکا حکم نہیں کیا جاتا۔ احنافؒ فرماتے ہیں کہ حرمتِ رضاعت ثابت ہونیکی بنیاد جزئیت کا شبہ جو دودھ کے اندر اس طرح ہے کہ بچہ کی اس کے ذریعہ نشوونما ہوتی ہے اور دودھ میں یہ خاصیت بہرصورت موجود ہے۔ اسی طرح اگر عورت کا دودھ بکری کے دودھ میں مل جائے اور عورت کا دودھ غالب ہو تو حرمتِ رضاعت ثابت ہو جائے گی اور مغلوب ہو تو ثابت نہ ہوگی۔

واذا اختلط لبن امرأتین الخ اگر باہم دو عورتوں کا دودھ مل جائے تو امام ابویوسفؒ کے نزدیک جس عورت کے دودھ کی مقدار زیادہ ہو اس سے حرمتِ رضاعت ثابت ہوگی۔ امام ابوحنیفہؒ کی بھی ایک روایت اسی طرح کی ہے۔ امام محمدؒ کے نزدیک دونوں سے حرمتِ رضاعت ثابت ہوگی۔ اور اگر کسی کنواری غیر شادی شدہ عورت کے دودھ اتر آیا اور پھر اس نے وہ دودھ کسی بچہ کو پلادیا تو اس سے بھی حرمتِ رضاعت ثابت ہو جائے گی۔

وَاذا نَزَلَ لِلرَّجُلِ لبنٌ فارضعَ صَبيًّا لم يتعلق به التحريم وَاذا شرب صبيان من لبن شاة

اور اگر مرد کے دودھ اتر آئے اور بچہ پی لے تو اس سے حرمتِ رضاعت ثابت نہ ہوگی اور اگر دو بچے ایک بکری کا دودھ پی لیں تو

فلا رضاع بينهما وَاذا تزوج الرجلُ صغيرةً وكبيرةً فارضعت الكبيرةُ الصغيرةَ حَرُمَتا

ان کے درمیان رضاعت ثابت نہ ہوگی اور اگر کوئی شخص نابالغہ اور بالغہ سے نکاح کرے اور بالغہ نابالغہ کو دودھ پلادے تو خاوند پر

على الزوج فان كان لم يدخل بالكبيرة فلا مهر لها وَللصغيرة نصف المهر وَيرجع به

دونوں حرام ہو جائیں گی لہٰذا اگر وہ بالغہ سے ہمبستر نہ ہوا ہو تو وہ مہر نہ پائے گی اور نابالغہ آدھا مہر پائے گی اور وہ آدھا مہر بالغہ سے

الزوجُ على الكبيرة ان كانت تعمدت به الفساد وَان لم تتعمد فلا شئ عليها ولا تقبل

وصول کرے گا بشرطیکہ بالغہ نے نکاح فاسد کرنے کا قصد کیا ہو ورنہ اس کے اوپر کچھ واجب نہ ہوگا۔ اور رضاعت میں محض

فی الرضاع شہادۃُ النساءِ منفرداتٍ وانما یثبت بشہادۃِ رجلین اَوْ رجُلٍ وامرأتین۔
عورتوں کی شہادت قابلِ قبول نہ ہوگی اور رضاعت دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت سے ثابت ہوگی۔

رضاعت سے متعلق کچھ اور احکام

تشریح و توضیح

واذا انزل للرجل الخ۔ یعنی مرد کے دودھ سے حرمتِ رضاعت ثابت نہ ہوگی۔ وجہ یہ ہے کہ وہ حقیقۃً دودھ نہیں بلکہ دودھ سے مشابہ ایک رطوبت ہوتی ہے جیسے مچھلی کا خون کہ وہ حقیقۃً خون نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس کے ساتھ احکام رضاعت بھی متعلق نہ ہوں گے اور مرد کا دودھ پی لینے سے حرمتِ رضاعت ثابت نہ ہوگی۔

واذا تزوج الرجل صغیرۃ وکبیرۃ الخ۔ کوئی شخص بالغہ اور نابالغہ دو عورتوں سے نکاح کرے اور ان میں سے بالغہ نابالغہ کو دودھ پلادے تو اس صورت میں وہ دونوں عورتیں خاوند پر حرام ہوجائیں گی۔ اس لئے کہ یہ دونوں رضائی ماں بیٹی بن گئیں۔ اس صورت میں اگر خاوند نے بالغہ سے ہمبستری کرلی ہو تو اس کا مہر اس پر واجب ہوگا اور ہمبستری نہ کرنے کی شکل میں بالغہ مہر نہ پائے گی۔ اس واسطے کہ جدائی کا سبب یہی بنی ہے۔ اور رہی نابالغہ تو وہ آدھے مہر کی مستحق ہوگی۔ اس لئے کہ جدائی کا سبب یہ نہیں بنی اور اس نے اگرچہ دودھ پیا ہے لیکن حق کے ساقط ہونے میں یہ معتبر نہیں۔ البتہ اگر بالغہ نے نکاح فاسد ہی کرنے کی غرض سے ایسا کیا ہو تو اس صورت میں خاوند نابالغہ کو دیا ہوا آدھا مہر بالغہ سے لے گا۔ اور اگر اس کا مقصد یہ نہ رہا ہو بلکہ مثلاً بھوک دور کرنا ہو تو پھر اسے آدھا مہر بالغہ سے وصول کرنے کا حق نہ ہوگا۔

ولا تقبل فی الرضاع شہادۃ النساء منفرداتٍ الخ۔ فرماتے ہیں کہ رضاعت کے ثابت ہونے کے سلسلہ میں محض عورتوں کی شہادت ناکافی اور ناقابلِ قبول ہوگی۔ البتہ اگر دو مرد شہادت دیں یا دو عادلہ عورتوں کے ساتھ ایک عادل مرد بھی شہادت دے تو شہادت قابلِ قبول ہوگی اور اس شہادت کی بنیاد پر رضاعت ثابت ہونے کا حکم ہوگا۔ حضرت امام مالکؒ کے نزدیک محض ایک عادلہ عورت کی شہادت سے بھی رضاعت ثابت ہوجائے گی۔ وہ فرماتے ہیں کہ حرمتِ رضاعت کا جہاں تک تعلق ہے وہ بھی دوسرے حقوقِ شرع کی طرح ایک حق ہے لہٰذا خبرِ واحد سے اسکا ثبوت درست ہے۔ مثال کے طور پر کوئی شخص گوشت خریدے اور کوئی شخص اسے بتائے کہ یہ گوشت آتش پرست کے ذبیحہ کا ہے تو اس اطلاع کے بعد اسکے لئے یہ درست نہ ہوگا کہ اسے کھائے۔ احنافؒ فرماتے ہیں کہ نکاح کے سلسلہ میں حرمت کا ثابت ہونا ملک کے زائل ہونے سے الگ نہیں ہوتا۔ اسلئے کہ دائمی حرمت کے ثابت ہوجانیکے بعد نکاح کے باقی رہنے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اور نکاح اسوقت تک باطل نہ ہوگا جب تک کہ دو عادل مرد یا دو عادلہ عورتیں اور ایک عادل مرد شہادت نہ دیں۔ یہی حکم حرمت کے ثابت ہونے کا ہوگا۔ اسکے برعکس گوشت کا معاملہ ہے کہ اس میں کھانیکی حرمت ملک کے زائل ہونے سے الگ ممکن ہے۔

كتابُ الطّلاقِ

طلاق کا بیان

اَلطَّلاقُ علٰى ثلٰثةِ اَوْجُهٍ اَحْسَنُ الطلاقِ وَطلاقُ السُّنةِ وَطلاقُ البِدعةِ فَاَحْسَنُ
طلاق تین قسموں پر مشتمل ہے (۱) احسن الطلاق (۲) طلاق السنۃ (۳) طلاق البدعت ۔ طلاقِ احسن
الطلاقِ اَنْ يُطلِّقَ الرجلُ اِمرأتَهٗ تطليقةً واحدةً فِي طُهرٍ واحدةٍ لم يُجامِعْهَا فيه ويتركها
یہ کہلاتی ہے کہ مرد اپنی اہلیہ کو اس طہر میں طلاق دے ایک طلاق جس میں اس کے ساتھ ہمبستر نہ ہوا ہو اور پھر اسکو
حتّٰى تنقضيَ عدّتُهَا وَطلاقُ السُّنّةِ اَنْ تطلّقَ المدخولُ بِهَا ثلٰثًا فِي ثلٰثةِ اَطهارٍ وَطلاقُ
چھوڑ رکھے حتیٰ کہ عدت پوری ہو جائے اور طلاقِ سنۃ یہ کہلاتی ہے کہ موطوءہ کو تین طلاق تین طہر میں دے ۔ اور طلاقِ
البدعةِ اَنْ يُطلِّقَهَا ثلٰثًا بكلمةٍ واحدةٍ اَوْ ثلٰثًا فِي طُهرٍ واحدٍ فَاِذَا فعلَ ذٰلكَ وقعَ
بدعی اسے کہتے ہیں کہ تینوں طلاقیں بیک لفظ دیدے یا تینوں طلاقیں ایک طہر میں دے لہٰذا اگر وہ ایسا کرے تو طلاق پڑ جائیگی
الطلاقُ وَبَانَتْ اِمرأتُهٗ مِنهُ وَكانَ عاصيًا ۔
اور اس کی زوجہ اس سے بائنہ ہو جائے گی اور وہ عاصی شمار ہوگا ۔

تشریح و توضیح

الطّلاق علٰی ثلٰثۃ اوجہ الخ ۔ صاحب کتاب طلاق کی تین قسمیں بیان فرمارہے ہیں اور وہ یہ ہیں (۱) احسن (۲) حسن یا طلاقِ سنہ (۳) طلاقِ بدعی ۔ احسن اور حسن ان دونوں پر مسنون کا اطلاق ہوتا ہے ۔ کہ احسن طلاق دیجائے تو وہ بھی دائرۂ سنت میں داخل ہے ۔ اور حسن دیجائے تو وہ طلاق کا مسنون طریقہ ہے ۔ اور بدعی وہ ہے جو اس سنت طلاق کے مقابل ہو ۔ مسنون کے معنے یہ ہیں کہ وہ طریقۂ طلاق جو باعثِ عتاب نہ ہو، یہ مطلب نہیں کہ مسنون طریقۂ طلاق باعثِ ثواب ہے ۔ یہاں مراد مباح ہے ۔

وطلاق السّنۃ الخ ۔ یعنی تین طلاقیں تین متفرق طہروں میں دی جائیں ۔ اور ہر طلاق ایسے طہر میں دیجائے جس میں ہمبستری نہ کی ہو ۔ یہ حکم اس صورت میں ہے کہ عورت کو حیض آتا ہو، لیکن اگر حیض نہ آتا ہو بایں طور کہ وہ حاملہ ہو یا نابالغہ یا ایسی عمر کو پہنچ چکی ہو جس میں حیض منقطع ہو جاتا ہے تو اس کے حق میں مہینوں کو طہر کے قائم مقام قرار دیں گے اور اسے ہر ماہ ایک طلاق دی جائے گی ۔

وطلاق البدعۃ الخ ۔ طلاقِ بدعی یہ ہے کہ مدخولہ عورت کو تین طلاقیں بیک جملہ دیجائیں ۔ مثلاً کہا جاتا ہے ۔ "انتِ طالقٌ ثلٰثًا" یا متفرق طور پر اس طرح دیجائیں "انتِ طالقٌ طالقٌ طالقٌ" تو اسطرح طلاق دینے سے طلاق تو واقع ہو جائے گی مگر یہ طریقۂ طلاق مکروہ ہے ۔ جمہور صحابہؓ، تابعین و مجتہدین اور حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے اسی طرح منقول ہے ۔ بحالتِ حیض طلاق دینے کو دائرۂ بدعت میں داخل قرار دیا گیا اور زیادہ صحیح قول کے

مطابق اس میں رجوع کرلینا چاہئے۔ پھر اس کے حیض سے پاک ہونے پر اختیار ہوگا کہ خواہ اسے نکاح میں بدستور برقرار رکھے اور خواہ اس کے طہر کی حالت میں اسے طلاق دیدے۔

بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے اپنی اہلیہ کو بحالتِ حیض طلاق دی۔ اس کا ذکر حضرت عمرؓ نے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے کیا تو اس پر آنحضورؐ نے ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ اور ارشاد ہوا کہ انھیں چاہئے کہ رجوع کرلیں پھر اسے حالتِ طہر اور پھر حالتِ حیض اور پھر حالتِ طہر تک روکے رکھیں۔ پھر اسے طلاق دینا ہی چاہیں تو ہمبستری سے قبل حالتِ طہر میں اسے طلاق دیدیں۔

وَالسُّنَّةُ فِي الطلاقِ مِنْ وَجهَيْنِ سُنَّةٌ فِي الوقتِ وَسنةٌ فِي العَدَدِ فَالسُّنَّةُ فِي العَدَدِ يَسْتَوِي
سنت فی الطلاق کی دو صورتیں ہیں (۱) سنت فی الوقت (۲) سنت فی العدد۔ سنت فی العدد میں مدخول بہا اور غیر

فِيهَا المَدْخولُ بِهَا وَغَيْرُ المَدْخُولِ بِهَا وَالسُّنَّةُ فِي الوَقتِ تثبتُ فِي حقِّ المدخولِ بِهَا
مدخول بہا یکساں ہیں۔ اور سنت فی الوقت کا ثبوت خصوصیت کے ساتھ بحق مدخول بہا ہوتا ہے۔

خَاصَّةً وَهُوَ اَنْ يطلّقهَا وَاحِدَةً فِي طهرٍ لمْ يجامِعْهَا فيهِ وغيرُ المَدْخُولِ بِهَا انْ يطلقهَا
وہ یہ کہ اسے اس طرح کے طہر میں طلاق دیجائے جس میں شوہر اسکے ساتھ ہمبستر نہ ہوا ہو اور غیر مدخول بہا کو خواہ بحالتِ طہر

فِي حَالِ الطهرِ والحيضِ وَاِذَا كَانَتِ المرأةُ لاتحيضُ مِنْ صِغَرٍ اَوْ كِبرٍ فَاَرَادَ اَنْ يطلّقهَا
طلاق دے اور خواہ بحالتِ حیض۔ اور اگر عورت کو کم عمری یا بڑھاپے کے باعث ماہواری نہ آتی ہو اور خاوند اسے مطابقِ سنت

لِلسنةِ طَلَّقَهَا واحدةً فَاِذَا مضىٰ شهرٌ طَلَّقَهَا اُخرىٰ فاذا مضىٰ شهرٌ طلقهَا اخرىٰ وَيجوزُ
طلاق دینے کا قصد کرے تو اسے ایک طلاق دیدے پھر ایک مہینہ گذرنے پر دوسری طلاق دیدے اس کے بعد ایک مہینہ اور گذرنے پر اسے

اَنْ يطلقهَا وَلا يفصلُ بَيْنَ وَطئهَا وَطَلاقِهَا بزمانٍ وَطلاقُ الحَامِلِ يجوزُ عقيبَ الجماعِ
اور طلاق دیدے۔ اور یہ بھی درست ہے کہ اسے طلاق دے اور اسکی ہمبستری اور طلاق کے بیچ وقت سے فصل نہ کرے اور حاملہ عورت کو درست ہے کہ

ويطلقهَا للسنةِ ثلثًا يفصلُ بينَ كلِّ تطليقتَيْنِ بشهرٍ عندَ ابي حنيفةَ وَابي يوسفَ
ہمبستری کے بعد طلاق دے اور اسے مطابقِ سنت اسطرح تین طلاق دے کہ ہر دو طلاقوں کے درمیان ایک مہینہ سے فصل کرے۔ امام ابوحنیفہؒ اور

رَحمهمَا اللهُ وَقَالَ محمدٌ رحمهُ اللهُ لايطلقهَا للسنةِ اِلّا واحدةً وَاِذَا اطلقَ الرجلُ
امام ابو یوسفؒ یہی فرماتے ہیں اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اسے مطابقِ سنت فقط ایک طلاق دیگا اور اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو بحالتِ

اِمرأتَهُ فِي حَالِ الحيضِ وَقَعَ الطلاقُ وَيستحبُّ لهُ اَنْ يُرَاجِعَهَا فَاِذَا طَهُرَتْ وَحَاضَتْ
حیض طلاق دے تو پڑ جائے گی اور اس کا اس سے رجوع کرنا باعثِ استحباب ہے پھر جس وقت پاک ہو اور ماہواری آئے اس

ثُمّ طَهُرَتْ فهُوَ مخيّرٌ اِنْ شَاءَ طَلَّقَهَا وَاِنْ شَاءَ اَمْسَكَهَا وَيقعُ طلاقُ كُلِّ زوجٍ اِذَا
کے بعد پاک ہو تو اسے یہ حق ہوگا کہ خواہ طلاق واقع کرے اور خواہ اسے روکے رکھے اور طلاق واقع ہوتی ہے ہر عاقل بالغ

كَانَ عَاقِلاً بَالِغًا وَلَا يَقَعُ طَلَاقُ الصَّبِيِّ وَالْمَجْنُونِ وَالنَّائِمِ وَإِذَا تَزَوَّجَ الْعَبْدُ بِإِذْنِ
شوہر کی۔ اور بچہ اور پاگل اور سوئے ہوئے کی طلاق نہیں پڑتی۔ اور اگر غلام باجازت آقا نکاح کرے اس کے
مَوْلَاهُ وَطَلَّقَ وَقَعَ طَلَاقُهُ وَلَا يَقَعُ طَلَاقُ مَوْلَاهُ عَلَى امْرَأَتِهِ۔
بعد طلاق دیدے تو طلاق پڑجائے گی اور آقا کی اپنے غلام کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوتی۔

تشریح وتوضیح

من وجهين سنة فى الوقت الخ. طلاق السنہ دو قسموں پر مشتمل ہے۔ ایک سنت فی الوقت، اور دوسرے سنت فی العدد۔ سنت فی العدد کا جہاں تک معاملہ ہے اس میں خواہ عورت مدخول بہا ہو یا غیر مدخول بہا، دونوں باعتبارِ حکم یکساں ہیں۔ اس لئے کہ بیک کلمہ تین طلاقوں سے منع کرنیکا سبب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے شوہر کو طلاق دینے پر ندامت ہو اور وہ اس ندامت کے باعث اس کی تلافی کرنا چاہے۔ اس معاملہ میں عورت مدخول بہا ہو یا غیر مدخول بہا دونوں برابر ہیں۔ مگر سنۃ فی الوقت کی تخصیص محض مدخول بہا کے ساتھ ہے اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ اسے اس طرح کے طہر میں طلاق دے جس میں اس کے ساتھ ہمبستری نہ ہوئی ہو۔ اس لئے کہ بحالتِ ماہواری طلاق دینے کی صورت میں اس کی عدت دراز ہو جائے گی۔ اور اگر اس طرح کے طہر میں طلاق دے گا جس میں ہمبستر ہوچکا تو اس میں استقرارِ حمل کا امکان موجود ہے۔ اور اس میں ممکن ہے اسے اپنے فعل پر ندامت ہو۔ اس کی تخصیص مدخول بہا کے ساتھ ظاہر ہے۔

ولا يقع طلاق الصبي الخ. یہاں فرماتے ہیں کہ نابالغ اور پاگل اور سوئے ہوئے شخص کی طلاق واقع نہ ہوگی۔ اور اسی طرح غلام کے آقا کی اگر غلام کی بیوی کو طلاق دے تو وہ واقع نہ ہوگی کیونکہ طلاق کا حق صرف نکاح کرنیوالے کو ہی حاصل ہوگا۔ "انما الطلاق لمن اخذ بالساق"۔

وَالطَّلَاقُ عَلَى ضَرْبَيْنِ صَرِيْحٌ وَكِنَايَةٌ فَالصَّرِيْحُ قَوْلُهُ أَنْتِ طَالِقٌ وَمُطَلَّقَةٌ وَطَلَّقْتُكِ
طلاق دو قسموں پر مشتمل ہے (۱) صریح (۲) کنایہ۔ صریح تو اس طرح کہنا ہے کہ تو طلاق والی ہے۔ یا تو مطلقہ ہے۔ اور میں
فَهٰذَا يَقَعُ بِهِ الطَّلَاقُ الرَّجْعِيُّ وَلَا يَقَعُ بِهِ إِلَّا وَاحِدَةٌ وَلَا يَفْتَقِرُ إِلَى نِيَّةٍ وَقَوْلُهُ
نے تجھ کو طلاق دی تو اس سے فقط ایک رجعی طلاق واقع ہوگی اور اس کے اندر نیت کی بھی احتیاج نہ ہوگی۔ اور خاوند کے
أَنْتِ الطَّلَاقُ وَأَنْتِ طَالِقٌ الطَّلَاقَ وَأَنْتِ طَالِقٌ طَلَاقًا فَإِنْ لَمْ تَكُنْ لَهُ نِيَّةٌ فَهِيَ
"انت الطلاق" اور "انت طالق الطلاق" اور "انت طالق طلاقا" سے اگر کسی طرح کی نیت نہ ہو تو ایک
وَاحِدَةٌ رَجْعِيَّةٌ وَإِنْ نَوَى ثِنْتَيْنِ لَا يَقَعُ إِلَّا وَاحِدَةٌ وَإِنْ نَوَى بِهَا
رجعی طلاق پڑے گی اور دو کی نیت ہونے پر بھی ایک طلاق پڑے گی۔ اور تین کی نیت ہونے پر
ثَلٰثًا كَانَ ثَلٰثًا۔
تین پڑجائیں گی۔

طلاقِ صریح کا ذکر

لغات کی وضاحت:- ضربین : دو قسمیں - صاریح : واضح - یفتقر : احتیاج ، ضرورت -

تشریح و توضیح: فالصریح قولہٗ الخ - طلاق کی ایک قسم صریح ہے اور وہ ایسے الفاظ کا استعمال کرنا ہے کہ طلاق کے علاوہ اور کسی کے لئے مستعمل نہ ہوں. مثلاً کہے " تو طلاق والی ہے " یا " تو مطلقہ ہے " یا " میں نے تجھ کو طلاق دی. اور ان الفاظ سے ایک طلاقِ رجعی واقع ہوگی - خواہ اس سے دو یا تین طلاق کی نیت کیوں نہ کرے - مختصر کے الفاظ یہ ہیں کہ صریح لفظ سے ہمیشہ طلاقِ رجعی واقع ہوگی خواہ کوئی نیت کرے یا ایک رجعی یا ایک بائنہ کی نیت کرے یا اس سے زیادہ کی نیت کرے یا کچھ نیت نہ کرے -

اور اگر کہے " انت الطلاق " (تو طلاق ہے) یا تو طالق الطلاق ہے یا کہے " انت طالق طلاقاً " اس صورت میں اگر کوئی نیت نہ کرے یا ایک یا دو طلاق کی نیت کرے تو ایک طلاقِ رجعی واقع ہو گی - اور اگر تین طلاق کی نیت کرے اور عورت آزاد ہو تو تین طلاقیں پڑ جائیں گی -

رُکنِ طلاق: طلاق کا رکن اسے قرار دیا گیا کہ زبان سے لفظِ طلاق وغیرہ کا تلفظ بھی کیا جائے محض ارادہ اور عزم و نیت سے تاوقتیکہ تلفظ نہ ہو کوئی طلاق واقع نہ ہو گی - بنایہ میں اسی طرح ہے -

حاصل یہ کہ الفاظِ صریح کے ساتھ وقوعِ طلاق میں نیت کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ نیت کرنا نہ کرنا برابر ہوتا ہے۔ اور نیت نہ کرنے سے حکمِ طلاق اور وقوعِ طلاق پر کوئی اثر نہیں پڑتا - اصل اس بارے میں وہی حدیث ہے کہ طلاق مذاق میں بھی واقع ہو جاتی ہے - البتہ دیانۃً اور قضاءً وقوعِ طلاق کے لئے عورت کی جانب اضافت ضروری ہے - پس اگر کوئی مسائلِ طلاق بیوی کی موجودگی میں دہرا رہا ہو یا " امرأتی طالق " وغیرہ لکھا ہوا تلفظ کے ساتھ نقل کر رہا ہو اور اس سے صرف یاد کرنا اور مسائل کو محفوظ کرنا ہی مقصود ہو تو قضاءً اور دیانۃً کوئی طلاق واقع نہ ہو گی - اسی طرح اگر گفتگو کا ارادہ ہے اور سبقتِ لسانی سے " انت طالق " نکل گیا تو دیانۃً طلاق نہیں ہو گی - فتح القدیر اور نہر میں اسی طرح ہے -

---

وَالضربُ الثانی الکنایاتُ وَلَا یَقعُ بِھَا الطلاقُ اِلّا بنیّۃٍ اَوْ بِدلالۃِ حَالٍ وَھِیَ عَلٰی

اور طلاق کی دوسری قسم کنایات ہے - کنایات میں نیت یا دلالتِ حال کے بغیر طلاق نہیں پڑتی - اور کنایات کی دو

ضَرْبَیْنِ منھا ثلٰثۃ الفاظٍ یقعُ بِھا رجعیٌّ وَلا یقعُ بِھَا اِلّا واحِدَۃٌ وَھِیَ قولہٗ اِعْتَدِّیْ

قسمیں ہیں ان میں تین لفظ ایسے ہیں کہ ان سے طلاق اور محض ایک پڑتی ہے - اور ایسے الفاظ " اعتدی " اور

وَاسْتَبْرِئِیْ رحمَکِ وَانتِ وَاحِدَۃٌ وَبقیۃ الکنایاتِ اِذا نوٰی بِھَا الطلاقَ کَانَتْ

" استبرئی رحمک " اور " انت واحدۃ " ہیں - اور باقی الفاظ کنایات میں بشرطِ نیت طلاق ایک بائن واقع

وَاحِدَةٌ بَائِنَةٌ وَاِنْ نَوٰی ثَلٰثًا کَانَتْ ثَلٰثًا وَاِنْ نَوٰی ثِنْتَیْنِ کَانَتْ وَاحِدَةً وَ هٰذِهٖ
ہوگی ۔ اور تین کی نیت کرنے پر تین پڑ جائیں گی اور دو کی نیت کرنے پر محض ایک واقع ہوگی ۔ اور اس طرح
مِثْلُ قَوْلِهٖ اَنْتِ بَائِنٌ وَبَتَّةٌ وَبَتْلَةٌ وَحَرَامٌ وَحَبْلُكِ عَلٰی غَارِبِكِ وَالْحَقِیْ بِاَهْلِكِ وَخَلِیَّةٌ
کے الفاظ طلاق "انت بائن" بتۃ ، بتلۃ ، حرام ، حبلک علی غاربک (تجھے خود پر اختیار ہے) اور الحقی باہلک (تو اپنے
وَبَرِیَّةٌ وَوَهَبْتُكِ لِاَهْلِكِ وَسَرَّحْتُكِ وَاخْتَارِیْ وَفَارَقْتُكِ وَاَنْتِ حُرَّةٌ وَتَقَنَّعِیْ
اقارب سے مل جا) خلیۃ (تجھے بالکل چھوڑ دیا گیا) بریۃ (تو قطعاً بری ہے) وھبتک لاہلک (تجھ کو تیرے اقارب کو ہبہ کیا) سرحتک (میں نے
وَاسْتَتِرِیْ وَاعْزُبِیْ وَابْتَغِی الْاَزْوَاجَ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ لَهٗ نِیَّةٌ لَّمْ یَقَعْ بِهٰذِهِ الْاَلْفَاظِ
تجھکو چھوڑا) اختاری (تو اختیار کرلے) فارقتک (میں نے تجھکو الگ کیا) انت حرۃ (تو حرہ ہے) تقنعی (کپڑے میں لپٹ جا) استتری (تو پردہ کر)
طَلَاقٌ اِلَّا اَنْ یَّكُوْنَا فِیْ مُذَاكَرَةِ الطَّلَاقِ فَیَقَعُ بِهَا الطَّلَاقُ فِی الْقَضَاءِ وَلَا یَقَعُ فِیْمَا
اعزبی (دور ہٹ) ابتغی الازواج (خاوند کی جستجو کر) اور ان سے نیت طلاق نہ ہونے پر طلاق نہ پڑیگی لیکن دونوں کے درمیان مذاکرۂ طلاق ہو رہا ہو تو
بَیْنَهٗ وَبَیْنَ اللّٰهِ تَعَالٰی اِلَّا اَنْ یَّنْوِیَهٗ وَاِنْ لَّمْ یَكُوْنَا فِیْ مُذَاكَرَةِ الطَّلَاقِ وَكَانَا
قضاءً طلاق پڑ جائیگی اور دیانۃً نہ پڑے گی الا یہ کہ اس نے نیت طلاق کی ہو اگر ان کے درمیان مذاکرۂ طلاق نہ ہو رہا ہو مگر حالت غضب و
فِیْ غَضَبٍ اَوْ خُصُوْمَةٍ وَقَعَ الطَّلَاقُ بِكُلِّ لَفْظَةٍ لَا یُقْصَدُ بِهَا السَّبُّ وَالشَّتِیْمَةُ وَلَمْ یَقَعْ
خصومت ہو تو ہر ایسے لفظ سے طلاق پڑ جائے گی جس سے سب وشتم کا قصد نہ کیا جاتا ہو ۔ اور ایسے لفظ سے طلاق
بِمَا یُقْصَدُ بِهَا السَّبُّ وَالشَّتِیْمَةُ اِلَّا اَنْ یَّنْوِیَهٗ وَاِذَا وَصَفَ الطَّلَاقَ بِضَرْبٍ مِّنَ الزِّیَادَةِ
نہ پڑیگی جس کے ذریعہ سب وشتم کا قصد کیا جاتا ہو مگر یہ کہ اس سے نیت طلاق کرلی ہو اور اگر طلاق کسی زیادہ وصف کے ساتھ بیان
كَانَ بَائِنًا مِّثْلُ اَنْ یَّقُوْلَ اَنْتِ طَالِقٌ بَائِنٌ وَاَنْتِ طَالِقٌ اَشَدَّ الطَّلَاقِ اَوْ اَفْحَشَ
کرے تو بائن پڑ جائے گی مثال کے طور پر کہے "انت طالق بائن" اور "انت طالق اشد الطلاق یا افحش الطلاق" یا
الطَّلَاقِ اَوْ طَلَاقَ الشَّیْطَانِ اَوْ طَلَاقَ الْبِدْعَةِ اَوْ كَالْجَبَلِ اَوْ مِلْءَ الْبَیْتِ ۔
طلاق الشیطان، یا طلاق البدعۃ یا کالجبل (پہاڑ کی طرح) یا ملأ البیت (مکان بھرنے کی مانند) ۔

لغات کی وضاحت :- الضرب : قسم ۔ الثانی : دوسرا ۔ اعتدّی : عدت شمار کر ۔ استبرئ : رحم کی صفائی کر ۔ بتۃ : کاٹنا ، ٹکڑے ٹکڑے کرنا ۔ اعزبی ۔ الغربۃ : دوری ۔ اسی سے ہے عزب : دور ہونا ، وطن سے علیٰحدہ ہونا ، دور کرنا ، علیٰحدہ کرنا ، جلاوطن کرنا ۔ الازواج ۔ زوج کی جمع : شوہر ۔ مذاکرۃ : گفتگو ۔ سبّ : سخت گالی ۔ الشتیمۃ : گالی ۔ جمع شتائم ۔

تشریح وتوضیح : والضرب الثانی الکنایات الخ ۔ اول صاحب کتاب نے طلاق صریح کی تفصیل بیان فرمائی اور اس کے الفاظ وحکم سے آگاہ فرمایا ۔ اب یہاں سے طلاق کی دوسری قسم کنائی

کے بارے میں بیان فرما رہے ہیں۔ فرماتے ہیں طلاق کنائی میں مسئلہ ضابطہ یہ ہے کہ تاوقتیکہ کنائی لفظ سے طلاق واقع نہ کرنے کی نیت نہ ہو یا حال سے نیت کی نشاندہی نہ ہو رہی ہو اور یہ ثابت نہ ہو رہا ہو کہ یہ لفظ طلاق ہی کیلئے استعمال کیا ہے۔ طلاق واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ کنائی لفظ میں احتمال دونوں ہیں یہ بھی ہے کہ اس نے بہ نیت طلاق کہا ہو اور یہ بھی ہے کہ سرے سے طلاق کی نیت ہی نہ ہو۔ پس تاوقتیکہ کوئی سی شق راجح نہ ہو اور وجہ ترجیح موجود نہ ہو، ایک شق کی تعیین درست نہ ہوگی اور ترجیح کی دو ہی صورتیں ہیں یا تو خود اس کی نیت ہو یا حال و قرائن سے اس کی نشاندہی ہو رہی ہو۔

مثال کے طور پر شوہر و بیوی میں مذاکرۂ طلاق ہو رہا ہو اور طلاق سے متعلق بات چیت ہو رہی ہو، اسی گفتگو کے دوران بیوی شوہر سے کہے کہ تو مجھ کو طلاق دے، اور شوہر اس کے جواب میں کہے "اعتدی" یا کہے "استبرئی" تو ان مبہم الفاظ سے طلاق اور عدم طلاق دونوں ہی کا احتمال موجود ہے۔ مثال کے طور پر ان میں اس کا بھی احتمال ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کر۔ اور استبرئی کے معنے یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ تو اپنا رحم صاف کر کہ تجھ پر طلاق پڑ گئی ہے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ تو اپنا رحم صاف کرلے کہ تجھ پر طلاق واقع کردی۔ مگر ان دونوں احتمال کے باوجود مذاکرۂ طلاق بنیت طلاق کہنے کی نشاندہی ہو رہی ہے۔ پس اس صورت میں ایک طلاق رجعی پڑ جائے گی۔

وبقیۃ الطلاق اذا نوی بہا الخ۔ حاصل یہ کہ وہ الفاظ ایسے نہ ہوں جو طلاق ہی کیلئے مستعمل ہوتے ہیں بلکہ دوسرے معنے کا بھی احتمال ہو اور وقوع طلاق نیت طلاق یا اس کے قائم مقام سے ہو، یہ حکم قضاءً ہے۔ اور دیانۃً بغیر نیت کے طلاق واقع نہ ہوگی اگرچہ دلالت حال بھی پائی جائے۔ بحر الرائق وغیرہ میں اس کی صراحت ہے۔ الفاظ کنایہ سے نیت کی صورت میں ایک طلاق بائن واقع ہوگی۔ اور اگر تین کی نیت کرے تو تین ہی شمار ہوں گی ورنہ ایک ہی شمار ہوگی۔

اصل اس باب میں وہ حدیث ہے جو سنن ترمذی شریف اور ابو داؤد شریف میں موجود ہے کہ حضرت رکانہؓ بن یزید نے خدمت نبوی میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ میں نے اپنی بیوی کو لفظ "البتۃ" سے طلاق دیدی۔ اور بخدا میں نے ایک کا ارادہ کیا تھا تو رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے انکی اہلیہ کو ان کی طرف لوٹا دیا۔

اور مؤطا امام مالک میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس شخص سے فرمایا جس نے اپنی بیوی سے کہا تھا "حبلک علیٰ غاربک" (تیری رسی تیری پشت پر ہے)، اور اس نے فراق و جدائی کا ارادہ کیا تھا۔ تیرے لئے حکم تیرے ساتھ (ونیت) کیمطابق ہے۔ الفاظ کنایات میں بھی تین طرح کے احتمالات موجود ہیں۔ ایک احتمال یہ کہ ان کے ذریعہ طلاق کا رد مقصود ہو اور اس کا جواب بھی ممکن ہے۔ دوسرے یہ کہ ان الفاظ میں سب وشتم کی اہلیت ہو اور اس کے ساتھ ساتھ جواب کی بھی اہلیت موجود ہو۔ مثال کے طور پر "بریۃ، بتۃ"۔ تیسرے یہ کہ نہ الفاظ سے طلاق کا رد مقصود ہو سکتا ہو اور نہ ان میں سب وشتم کی اہلیت ہو البتہ اہلیت جواب ضرور موجود ہو۔ مثلاً "اعتدی" وغیرہ۔ تو بحالت رضا تینوں طرح کے الفاظ کنایات کا اثر نیت ہی پر منحصر رہے گا۔ اور بحالت ناراضگی پہلے ذکر کردہ دونوں قسم کے الفاظ کنایات کا اثر نیت پر منحصر رہے گا اور اگر مذاکرۂ طلاق ہو تو محض قسم اول میں الفاظ کنایہ کا اثر نیت پر منحصر رہے گا۔

وان نوی ثنتین الخ۔ یعنی ان ذکر کردہ الفاظ سے اگر دو طلاقوں کی نیت کرے تو ایک ہی پڑے گی۔ بخاری و مسلم میں

حضرت کعب بن مالکؓ کا واقعہ ہے کہ انھوں نے اپنی اہلیہ سے کہا "الحقی باہلک" اور اس سے انھوں نے طلاق کا ارادہ نہیں کیا تھا تو ان کے اس جملہ کو طلاق شمار نہیں کیا گیا۔
انتِ طالق بائن الخ۔ اس جملہ اور دیگر ذکر کردہ جملوں "انتِ طالق اشدّ الطلاق" وغیرہ سے طلاق بائن واقع ہوگی۔

وَاِذَا اَضَافَ الطَّلَاقَ اِلٰی جُمْلَتِهَا اَوْ اِلٰی مَا یُعَبَّرُ بِهٖ عَنِ الْجُمْلَةِ وَقَعَ الطَّلَاقُ مِثْلَ اَنْ
اور اگر طلاق کی نسبت ساری عورت کیطرف کرے یا ایسے عضو کی جانب جس کے ذریعہ کل کی تعبیر ہو سکتی ہو مثال کے طور پر کہے
یَقُوْلَ اَنْتِ طَالِقٌ اَوْ رَقَبَتُكِ اَوْ عُنُقُكِ اَوْ رُوْحُكِ اَوْ بَدَنُكِ اَوْ جَسَدُكِ اَوْ فَرْجُكِ
انتِ طالقٌ (تو طلاق والی ہے)، یا تیری گدی یا تیری گردن یا تیری روح یا تیرا بدن یا تیرا جسد یا تیری شرمگاہ،
اَوْ وَجْهُكِ وَكَذٰلِكَ اِنْ طَلَّقَ جُزْءً شَائِعًا مِثْلَ اَنْ یَقُوْلَ نِصْفُكِ اَوْ ثُلُثُكِ طَالِقٌ
یا تیرا چہرہ۔ اور اسی طرح اگر غیر مبہم جزء کو طلاق دے مثلاً اس طرح کہے کہ تیرا آدھا حصہ یا تیرا ثلث حصہ طلاق والا ہے۔
وَاِنْ قَالَ یَدُكِ اَوْ رِجْلُكِ طَالِقٌ لَمْ یَقَعِ الطَّلَاقُ وَاِنْ طَلَّقَهَا نِصْفَ تَطْلِیْقَةٍ اَوْ ثُلُثَ تَطْلِیْقَةٍ
اور اگر اس طرح کہے کہ تیرا ہاتھ یا پاؤں طلاق والا ہے تو طلاق نہیں پڑے گی اور اگر اسے آدھی یا تہائی طلاق دے تو مکمل
کَانَتْ تَطْلِیْقَةً وَاحِدَةً وَطَلَاقُ الْمُكْرَهِ وَالسَّكْرَانِ وَاقِعٌ وَیَقَعُ الطَّلَاقُ اِذَا قَالَ نَوَیْتُ
ایک طلاق پڑے گی۔ اور مکرہ اور نشہ میں دھت کی طلاق پڑ جاتی ہے۔ اور طلاق پڑ جائیگی اگر (کچھ بول کر) کہے کہ میرا اس سے
بِهِ الطَّلَاقَ وَیَقَعُ طَلَاقُ الْاَخْرَسِ بِالْاِشَارَةِ۔
قصد طلاق تھا اور گونگے شخص کی طلاق بذریعہ اشارہ پڑ جائے گی۔

تشریح وتوضیح

او الٰی مایعبر بہ عن الجملۃ الخ۔ یعنی ایسے عضو سے تعبیر کیجائے کہ اس سے ذات مراد لی جاتی ہو۔ جیسے رقبہ۔ ارشادِ ربانی ہے "فتحریر رقبۃٍ مؤمنۃٍ" (الآیہ) اسی طرح عنق ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے "فظلت اعناقھم لھا خاضعین" (الآیۃ) یہاں اعناق سے مراد ذاتیں ہیں۔ اسی طرح لفظ روح ہے کہا جاتا ہے "ھلک روحہ ای نفسہ"۔
وان قال یدك الخ۔ یعنی وہ الفاظ جنھیں بول کر کل مراد نہیں لیتے۔ مثلاً ہاتھ پاؤں پیٹ بیٹھ، بال، ناک، کان وغیرہ ان کے بولنے سے طلاق واقع نہیں ہوگی اور جزء بول کر کل مراد نہ ہوگا۔

ایک اشکال

لفظ ید بول کر اسکی کل سے تعبیر نص قطعی سے ثابت ہے۔ ارشادِ ربانی ہے "تبت یدا ابی لھب" (الآیہ) اس کا جواب یہ دیا گیا کہ فقط استعمال کافی نہ ہوگا بلکہ یہ ناگزیر ہے کہ یہ شائع ذائع ہو۔
حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام زفرؒ کے نزدیک الیاسمعین جزء جو شائع نہ ہو اس کی جانب بھی نسبت سے طلاق پڑ جائے گی۔ عند الاحنافؒ طلاق کا محل وہی جزء بن سکتا ہے جس کے اندر قید کے معنے لئے جا سکتے ہوں۔ اور ذکر کردہ

اجزاء میں ایسا ہے نہیں، لہٰذا طلاق نہ پڑے گی۔

وطلاق المکرہ والسکران الخ۔ فرماتے ہیں کہ خواہ بحالتِ اکراہ طلاق دے تب بھی واقع ہو جائے گی، بطور ہنسی مذاق بھی اگر حسبِ ذیل تین چیزیں کی جائیں تو حدیث شریف میں ان کے وقوع کی صراحت ہے۔

(۱) نکاح (۲) طلاق (۳) آزادی۔ اسی طرح نشہ میں مست کی طلاق پڑ جائے گی۔ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ نشہ میں مست کی طلاق نہیں پڑے گی۔ انکا مستدل ابن ماجہ وغیرہ میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت سے غلطی، بھول اور وہ چیز اٹھا لی گئی جوان سے مکرہاً کرائی جائے۔

احنافؒ ترمذی شریف میں مروی حضرت ابوہریرہؓ کی اس روایت سے استدلال فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا " ثلث جدھن جد وھزلھن جد النکاح والطلاق والرجعۃ " اور امام شافعیؒ کی استدلال کردہ حدیث میں اجماعاً حکم آخرت مقصود ہے، دنیاوی حکم نہیں۔

اذا قال نویت بہ الطلاق الخ۔ عموماً فقہاء احنافؒ کے نزدیک سکران کی صریح طلاق میں نیت کی احتیاج نہیں۔ بلا نیت بھی پڑ جائے گی اور گونگا اگر بذریعہ اشارہ طلاق دے تو یہ تلفظ کے قائم مقام ہوگا اور طلاق پڑ جائے گی۔

وَاِذَا اَضَافَ الطَّلَاقَ اِلَى النِّكَاحِ وَقَعَ عَقِيْبَ النِّكَاحِ مِثْلَ اَنْ يَّقُوْلَ اِنْ تَزَوَّجْتُكِ فَاَنْتِ طَالِقٌ

اور اگر طلاق کی نسبت نکاح کیطرف کرے تو بعد نکاح طلاق پڑ جائے گی۔ مثال کے طور پر اس طرح کہے کہ اگر میں تیرے ساتھ نکاح کروں تو

اَوْ قَالَ كُلُّ امْرَاَةٍ اَتَزَوَّجُهَا فَهِيَ طَالِقٌ وَاِذَا اَضَافَهُ اِلَى شَرْطٍ وَقَعَ عَقِيْبَ الشَّرْطِ مِثْلَ

تجھ کو طلاق یا کہے کہ ہر وہ عورت جس سے میں نکاح کروں اس کو طلاق۔ اور اگر طلاق کا انتساب بجانب شرط ہو تو بعد شرط پڑ جائے گی۔ مثال کے طور

اَنْ يَّقُوْلَ لِامْرَاَتِهٖ اِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَاَنْتِ طَالِقٌ وَلَا يَصِحُّ اِضَافَةُ الطَّلَاقِ اِلَّا اَنْ

پر کہے کہ اگر تو مکان میں داخل ہو تو تیرے اوپر طلاق۔ اور طلاق کا انتساب صحیح نہ ہوگا الا یہ کہ حلف

يَّكُوْنَ الْحَالِفُ مَالِكًا اَوْ يُضِيْفَهٗ اِلَى مِلْكِهٖ فَاِنْ قَالَ لِاَجْنَبِيَّةٍ اِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَاَنْتِ طَالِقٌ

کرنیوالا مالک ہو یا اس کا انتساب اپنی ملکیت کی جانب کرے لہٰذا اگر اجنبیہ عورت سے کہے کہ اگر تو مکان میں داخل ہو تو تجھ پر طلاق

ثُمَّ تَزَوَّجَهَا فَدَخَلَتِ الدَّارَ لَمْ تُطَلَّقْ۔

اس کے بعد اس کے ساتھ نکاح کرے پھر وہ مکان میں داخل ہو تو طلاق نہ پڑیگی۔

طلاق شرط پر معلق کرنیکا بیان

لغات کی وضاحت: اضافت: نسبت کرنا۔ عقیب: بعد۔ الدار: مکان۔ الحالف: حلف کرنیوالا۔ اجنبیۃ: غیر منکوحہ، غیر عورت

تشریح وتوضیح

وَاِذَا اَضَافَ الطلاقَ اِلی النکاح الخ۔ تعلیق کا وقوع اسی صورت میں ہوتا ہے جبکہ ملکیت بھی ثابت ہو ورنہ وقوع نہ ہوگا۔ مثلاً کسی شخص نے اپنی منکوحہ سے کہا کہ "اگر تو مکان میں داخل ہو تو تجھ پر طلاق۔ یا اس کا انتساب بجانب ملک کرتے ہوئے مثلاً اس طرح کسی اجنبیہ عورت سے کہے کہ" اگر میں تجھ سے نکاح کروں تو تجھ پر طلاق۔ ان دونوں صورتوں میں عندالاحناف وجود شرط کی صورت میں طلاق پڑ جائیگی۔ حضرت امام احمدؒ کے نزدیک بھی یہی حکم ہے۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک ملک کیجانب اضافت ونسبت کی شکل میں بھی طلاق نہ پڑے گی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تعلیق مرد کے اس قول" ان تزوجتک فانت طالق" (اگر میں تجھ سے نکاح کروں تو تو طلاق والی ہے) میں اگرچہ یہ جملہ فی الحال کہا گیا ہے لیکن طلاق وجود شرط کے ساتھ پائی جائے گی اور اس وقت طلاق کے وقوع کو درست کرنے والی ملکیت حاصل ہوگی۔ بخلاف اس کے قول" ان دخلتِ الدار فانت طالق" کے۔ کہ اجنبیہ عورت کے لئے نہ حالاً اثر ملکیت موجود ہے اور نہ مآلاً اس لئے طلاق نہیں پڑیگی۔ اسی پر رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد محمول ہے کہ جس میں ملکیت نہیں اس میں طلاق نہیں۔ ابن ماجہ کے نزدیک" لاطلاق قبلَ النکاح" (نکاح سے پہلے طلاق نہیں) حدیث مرفوع ہے اور حاکم کے نزدیک روایت کے الفاظ ہیں" لاطلاقَ الابعدَ النکاح" (طلاق نکاح کے بعد ہی ہے)۔ لہٰذا حضرت امام شافعیؒ کا استدلال درست نہ ہوگا۔

حضرت امام مالکؒ کے نزدیک اگر وہ عورت کے نام ونسب یا قبیلہ کے بارے میں بیان کردے تو پڑیگی ورنہ نہیں۔

وَاَلفَاظُ الشَّرطِ اِنْ وَاِذَا وَاِذَامَا وَکُلُّ وَکُلَّمَا وَمَتٰی وَمَتٰی مَا فَفِی کُلِّ هٰذِهِ الْاَلْفَاظِ

اور الفاظ شرط یہ ہیں۔ ان، اذا، اذا ما، کل، کلما، متی، متی ما۔ لہٰذا ان سارے لفظوں میں اگر شرط

اِنْ وُجِدَ الشَّرطُ انحلَّتِ الیمینُ وَوَقَعَ الطَّلاقُ اِلَّا فِی کُلَّمَا فَاِنَّ الطَّلاقَ یتکرّرُ بتکرُّرِ الشرطِ

پائی جائے تو حلف پورا ہو کر طلاق پڑ جائے گی۔ سوائے کلما کے کہ اس میں تکرار شرط کے ساتھ طلاق بھی مکرر ہوجائیگی

حَتّٰی یقعَ ثلثُ تطلیقاتٍ فَاِنْ تزوَّجَهَا بَعْدَ ذٰلِکَ وَتکرَّرَ الشَّرطُ لَمْ یَقَعْ شَئٌ وَزَوَالُ المِلْکِ

حتی کہ تین طلاقیں پڑ جائیں گی۔ تین کے بعد اگر اس سے نکاح کرے اور شرط میں تکرار ہو تو کوئی طلاق نہ پڑے گی اور بعد یمین زوال

بَعْدَ الیمینِ لَایُبْطِلُهَا فَاِنْ وُجِدَ الشَّرطُ فِی مِلْکٍ انحلَّتِ الیمینُ وَوَقَعَ الطلاقُ وَاِنْ وُجِدَ

ملک سے یمین باطل نہ ہوگی لہٰذا ملک میں وجود شرط ہونے پر حلف پورا ہو جائے گا اور طلاق پڑ جائے گی۔ اور غیر ملک میں

فِی غَیْرِ مِلْکٍ انحلَّتِ الیمینُ وَلَمْ یَقَعْ شَئٌ وَاِذَا اختلفَا فِی وجودِ الشرطِ فالقولُ قولُ الزَّوجِ اِلَّا

وجود شرط پر حلف پورا ہو جائے گا اور کوئی طلاق نہ پڑے گی اور اگر میاں بیوی کے درمیان شرط پائے جانے میں اختلاف واقع ہو تو شوہر

اَنْ تقیمَ المرأۃُ البیِّنَۃَ فَاِنْ کَانَ الشَّرطُ لَایُعْلَمُ اِلَّا مِنْ جِهَتِهَا فَالقولُ قولُهَا فِی حَقِّ

کا قول قابل اعتبار ہوگا الا یہ کہ بیوی گواہ پیش کردے اور اگر عورت ہی کی جانب سے شرط کا علم ہوسکتا ہو تو اسکی ذات کے بارے میں اسی کا قول

نَفْسِهَا مِثْلَ اَنْ یقولَ اِنْ حِضْتِ فَاَنْتِ طَالِقٌ فقالَتْ قَدْ حِضْتُ طُلِّقَتْ وَاِنْ قَالَ لَهَا

قابل اعتبار ہوگا مثال کے طور پر اس طرح کہے کہ اگر تجھ کو ماہواری آئے تو تجھ کو طلاق اور وہ کہے کہ مجھے ماہواری آگئی تو طلاق پڑجائیگی اور اگر کہے

اِذَا حِضْتِ فَاَنْتِ طَالِقٌ وَفُلَانَةٌ مَعَكِ فَقَالَتْ قَدْ حِضْتُ طُلِّقَتْ هِيَ وَلَمْ تُطَلَّقْ فُلَانَةٌ
کہ جب تجھ کو ماہواری آئے تو تجھ کو طلاق اور تیرے ہمراہ فلاں عورت کو۔ وہ کہے کہ مجھے ماہواری آگئی تو محض اسی پر طلاق پڑے گی فلاں عورت مطلقہ نہ ہوگی
وَاِذَا قَالَ لَهَا اِذَا حِضْتِ فَاَنْتِ طَالِقٌ فَرَأَتِ الدَّمَ لَمْ يَقَعِ الطَّلَاقُ حَتّٰى يَسْتَمِرَّ الدَّمُ ثَلٰثَةَ
اور جب کہے کہ جب تجھ کو ماہواری آئے تو تجھ کو طلاق اور وہ خون دیکھے تو تاوقتیکہ خون تین روز تک جاری نہ رہے طلاق نہ پڑے گی ۔
اَيَّامٍ فَاِذَا تَمَّتْ ثَلٰثَةُ اَيَّامٍ حَكَمْنَا بِوُقُوْعِ الطَّلَاقِ مِنْ حِيْنَ حَاضَتْ وَاِنْ قَالَ لَهَا
پھر تین روز مکمل ہونے پر ہم ماہواری آنے کے وقت سے طلاق واقع ہونے کا حکم لگائیں گے ۔ اور اگر اس سے کہے کہ
اِذَا حِضْتِ حَيْضَةً فَاَنْتِ طَالِقٌ لَمْ تُطَلَّقْ حَتّٰى تَطْهُرَ مِنْ حَيْضِهَا وَطَلَاقُ الْاَمَةِ تَطْلِيْقَتَانِ
جب تجھ کو ایک ماہواری آئے تو تجھ کو طلاق، تو اس کے ماہواری سے پاک ہونے تک طلاق نہ پڑیگی۔ اور باندی کی طلاقوں کی تعداد دو ہے
وَعِدَّتُهَا حَيْضَتَانِ حُرًّا كَانَ زَوْجُهَا اَوْ عَبْدًا وَطَلَاقُ الْحُرَّةِ ثَلٰثٌ حُرًّا كَانَ
اور باندی کی عدت دو ماہواریاں ہیں خواہ اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام ہو اور آزاد عورت کیلئے تین طلاقیں ہونگی خواہ اس کا خاوند
زَوْجُهَا اَوْ عَبْدًا
آزاد ہو یا غلام

لغات کی وضاحت :- انحلت : پوری ہونا ۔ یمین : قسم، حلف ۔ زوال : زائل ہونا، ختم ہونا ۔ البینة : گواہ، دلیل ۔ الدم : خون ۔ یستمر : استمرار سے : جاری رہنا ۔

تشریح و توضیح

والفاظ الشرط ان واذا الخ :- فرماتے ہیں کہ الفاظِ شرط اِنْ، اِذَا اور اِذَا مَا وغیرہ کا جہاں تک تعلق ہے یہ تکرار کے متقاضی نہیں اور اس وجہ سے ایک مرتبہ وجودِ شرط کے بعد یمین ختم ہو جایا کرتی ہے ۔ البتہ محض ایک لفظ "کلما" ان میں ایسا ہے جو متقاضیٔ تکرار ہوتا ہے اور اس میں ایک مرتبہ وجودِ شرط سے یمین ختم نہیں ہوتی بلکہ اس کا تین مرتبہ پایا جانا لازم ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اندرونِ افعال کلما عموم کا متقاضی ہے اور لفظ کل اسماء کے اندر متقاضیٔ عموم ہے ۔ لہٰذا مثال کے طور پر اگر کسی شخص نے اس طرح کہا " کلما تزوجت امرأة فهي طالق " تو وہ جس وقت اور جتنی بار بھی نکاح کریگا طلاق پڑ جائے گی ۔ اس لئے کہ یہ لفظ کلما ملکیت کے سبب یعنی " تزوج " پر لایا ہے ۔ لہٰذا جب بھی فعلِ تزوج کا وجود ہوگا طلاق پڑ جائے گی ۔

وزوال الملك بعد اليمين الخ :- اگر ایسا ہو کہ بعد یمین ملکیت زائل وختم ہوگئی ہو تو اس کی وجہ سے یمین باطل نہ ہوگی ۔ مثال کے طور پر کوئی شخص اپنی اہلیہ سے کہے کہ اگر تو مکان میں داخل ہو تو تجھ پر طلاق ۔ پھر وہ اسے ایک یا دو بائن طلاق دیدے اور اس کی عدتِ طلاق پوری ہو جائے پھر دوسرے شخص سے نکاح ہو اور اس کے طلاق دینے کے بعد عدت گذرنے پر پہلا شوہر اس سے نکاح کرے اور اب شرطِ تعلیق پائی جائے یعنی وہ عورت مکان میں داخل ہو تو طلاق پڑ جائے گی اور یمین بھی ختم ہو جائے گی ۔ اور ملکیت کی شرط نہ پائی جانے کی شکل میں طلاق نہ پڑے گی مگر یمین ختم ہو جائیگی ۔

خلاصہ یہ کہ یمین تو بہرشکل باقی نہ رہے گی اور ختم ہو جائے گی مگر وقوعِ طلاق میں شرط یہ ہوگی کہ وجودِ شرط ملک میں ہوا ہو۔
فان کان الشرط لا یعلم الا من جہتہا الخ۔ فرماتے ہیں کہ اگر خاوند نے تعلیقِ طلاق اس طرح کی شرط پر کی کہ جس کے پائے جانے کا علم محض عورت ہی کی طرف سے ممکن ہے اور اس کے بعد دونوں کے درمیان شرط کے پائے جانے میں اختلاف پیش آئے تو اس صورت میں عورت کے قول کو قابلِ اعتبار قرار دیں گے لیکن یہ اعتبار محض اس عورت کی ذات سے متعلق ہوگا بحق غیر اس کا اعتبار نہ ہوگا۔ مثال کے طور پر خاوند نے طلاق کی تعلیق ماہواری آنے پر کی اور کہا کہ اگر تجھ کو ماہواری آئے تو تجھ پر اور تیرے ہمراہ فلاں عورت پر طلاق۔ اب عورت کہے کہ مجھے ماہواری آگئی تو طلاق اس پر پڑ جائے گی لیکن اس کے ساتھ دوسری پر نہ پڑے گی۔ وجہ یہ ہے کہ دوسری عورت کے حق میں اس کے قول کو قابلِ اعتبار قرار نہ دینگے۔
واذا قال لہا اذا حضت فانت طالق فرأت الدم الخ۔ فرماتے ہیں اگر شوہر نے اپنی بیوی سے اس طرح کہا تھا کہ جب تجھ کو ماہواری آئے تو تجھ پر طلاق۔ تو اس کے صرف خون دیکھنے سے اس پر طلاق نہ پڑے گی بلکہ یہ دیکھا جائے کہ خون مسلسل تین روز آیا یا نہیں۔ اگر تین روز تک آیا تو اس صورت میں ماہواری آنے کے وقت سے طلاق پڑ جائے گی۔ اور اگر اس طرح کہا "اذا حضت حیضۃ فانت طالق" تو اس صورت میں تاوقتیکہ اس ماہواری سے پاک نہ ہو جائے طلاق نہ پڑے گی۔ اس لئے کہ "حیضۃ" کے اضافہ سے اسکا مقصود مکمل ماہواری ہے۔
وطلاق الامۃ تطلیقتان الخ۔ عند الاحنافؒ عددِ طلاق کا جہاں تک تعلق ہے اس میں عورت کا حال معتبر ہوگا یعنی اگر وہ آزاد ہو تو تین طلاق کا حق ہوگا اور باندی ہونے کی صورت میں دو کا اس سے قطع نظر کہ شوہر آزاد شخص ہو یا وہ غلام ہو۔ بہرصورت اس سے مذکورہ بالا حکم میں کوئی فرق نہ پڑے گا۔
حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ مرد کے حال کو معتبر قرار دیتے ہیں۔ اس لئے کہ ابن ابی شیبہ وغیرہ میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کا قول نقل کیا گیا ہے کہ عددِ طلاق مردوں کے اعتبار سے معتبر ہوگا اور عدت میں عورتوں کا اعتبار کیا جائے گا۔
احنافؒ کا مستدل ترمذی و ابوداؤد کی یہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ باندی کیلئے دو طلاقیں ہیں، اور باندی کی عدت دو ماہواریاں ہیں۔ رہی حضرت ابن عباسؓ کی روایت تو اس سے مقصود وقوعِ طلاق ہے، طلاق کا عدد نہیں۔

وَاِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ اِمْرَأَتَہٗ قَبْلَ الدُّخُوْلِ بِہَا ثَلٰثًا وَقَعْنَ وَاِنْ فَرَّقَ الطَّلَاقَ بَانَتْ
اور جو شخص اپنی بیوی کو ہمبستری سے قبل تین طلاق (ایک جملہ میں) دے تو تینوں طلاقیں پڑ جائیں گی اور اگر الگ الگ جملوں میں کہے تو پہلی
بِالْاُوْلٰی وَلَمْ تَقَعِ الثَّانِیَۃُ وَالثَّالِثَۃُ وَاِنْ قَالَ لَہَا اَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَۃً وَّوَاحِدَۃً وَقَعَتْ
طلاق سے بائنہ ہو جائے گی اور دوسری و تیسری طلاق واقع نہ ہوگی اور اگر بیوی سے کہے کہ تو طلاق والی ہے ایک اور ایک تو ایک طلاق
عَلَیْہَا وَاحِدَۃٌ وَاِنْ قَالَ وَاحِدَۃً قَبْلَ وَاحِدَۃٍ وَقَعَتْ وَاحِدَۃٌ وَاِنْ قَالَ وَاحِدَۃً قَبْلَہَا
پڑے گی اور اگر کہے ایک سے قبل ایک طلاق ہے تو ایک پڑے گی۔ اور اگر کہے کہ اس سے قبل ایک ہے تو

وَاحِدَةٌ وَقَعَتْ ثِنْتَانِ وَإِنْ قَالَ وَاحِدَةً بَعْدَ وَاحِدَةٍ أَوْ مَعَ وَاحِدَةٍ أَوْ مَعَهَا وَاحِدَةٌ
دو طلاقیں پڑ جائیں گی ۔ اور اگر کہے بعد ایک کے ایک طلاق ، یا ایک طلاق کے ساتھ ، یا اس طلاق کے ساتھ ایک
وَقَعَتْ ثِنْتَانِ وَإِنْ قَالَ لَهَا إِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَأَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً وَوَاحِدَةً فَدَخَلَتِ
تو دو پڑ جائیں گی ۔ اور اگر کہے کہ اگر تو مکان میں داخل ہو تو تجھ پر ایک طلاق اور ایک ۔ پھر وہ مکان میں
الدَّارَ وَقَعَتْ عَلَيْهَا وَاحِدَةٌ عِندَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ وَقَالَا تَقَعُ ثِنْتَانِ وَإِنْ قَالَ لَهَا
داخل ہو تو امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس پر ایک طلاق پڑ جائے گی اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک دو طلاقیں پڑ جائینگی ۔ اگر کہے
أَنْتِ طَالِقٌ بِمَكَّةَ فَهِيَ طَالِقٌ فِي الْحَالِ فِي كُلِّ الْبِلَادِ وَكَذٰلِكَ إِذَا قَالَ لَهَا أَنْتِ
کہ تو طلاق والی ہے مکہ میں تو ہر شہر میں فوراً طلاق پڑ جائے گی ۔ اور اسی طریقہ سے اگر کہے کہ تو طلاق والی ہے
طَالِقٌ فِي الدَّارِ وَإِنْ قَالَ لَهَا أَنْتِ طَالِقٌ إِذَا دَخَلْتِ مَكَّةَ لَمْ تَطْلُقْ حَتَّى تَدْخُلَ مَكَّةَ
مکان میں ۔ اور اگر اس سے کہے کہ تو مکہ میں داخل ہونے پر طلاق والی ہے تو تا وقتیکہ وہ مکہ میں نہ داخل ہو طلاق نہ پڑیگی
وَإِنْ قَالَ لَهَا أَنْتِ طَالِقٌ غَدًا وَقَعَ عَلَيْهَا الطَّلَاقُ بِطُلُوعِ الْفَجْرِ الثَّانِي ۔
اور اگر کہے کہ تو کل طلاق والی ہے تو اس پر فجر ثانی کے طلوع کے ساتھ ہی طلاق پڑ جائے گی ۔

غیر مدخولہ کی طلاق کا ذکر

تشریح و توضیح

واذا طلق الرجل امرأتہ الخ ۔ اگر کوئی شخص اپنی غیر مدخولہ بیوی کو بیک جملہ تین طلاقیں دے مثال کے طور پر اس سے کہے کہ "تجھ پر تین طلاق" تو تینوں طلاقیں پڑ جائیں گی اور طلاق دینے والے کا اس سے بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح جائز نہ ہوگا ۔ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کا یہی فتویٰ ہے ۔ مؤطا امام مالکؒ اور سنن ابو داؤد میں اس کی تصریح موجود ہے کہ جس شخص کا یہ خیال ہو کہ اس طرح غیر مدخولہ کو تین طلاقیں دیجائیں تب بھی اس پر طلاق مغلظہ واقع نہیں ہوتی اور اس کے لئے حلالہ شرط نہیں تو وہ غلطی پر ہے ۔ ابن الہمامؒ نے فتح القدیر میں اسے تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے ۔ حاصل یہ ہے کہ صیغۂ طلاق واحد ہوا اور اس کے ساتھ متصلاً کوئی عدد ہوں مثلاً دو طلاق، تین طلاق تو اس صورت میں حکم عددِ طلاق کے اعتبار سے ہوگا ، لفظِ طلاق واحد ہونیکے لحاظ سے حکم نہ ہوگا ۔

وان فرق الطلاق بانت بالاولیٰ الخ ۔ اگر غیر مدخولہ کا شوہر اسے بیک جملہ تین طلاقیں نہ دے بلکہ الگ الگ دے ۔ اور الگ دینے کی کئی شکلیں ہیں (۱) ایک شکل یہ ہے کہ وصفِ طلاق الگ الگ ہو ۔ مثلاً "انت طالقٌ واحدۃً وواحدۃً وواحدۃً" (۲) دوسری شکل یہ کہ خبر کا ذکر علیحدہ علیحدہ ہو ۔ مثلاً "انتِ طالقٌ وطالقٌ وطالقٌ" (۳) تیسری شکل یہ کہ اقوال مع العطف بیان کئے جائیں، یا عطف کے بغیر مثال کے طور پر کہے "انتِ طالقٌ انتِ طالقٌ انتِ طالقٌ" یا کہے

انتِ طالقٌ وانت طالقٌ ۔ توان ذکرکردہ تینوں شکلوں میں محض ایک طلاق بائن پڑیگی۔ اس واسطے کہ اس جگہ ہر طلاق کوالگ واقع کرنیکا ارادہ کیاگیاہے۔ اور کلام کے اخیر میں کسی ایسی بات کا ذکر نہیں جس کی بنار پر کلام کی ابتدار میں تبدیلی ہو۔ مثال کے طور پر نہ کسی شرط کا ذکر ہے اور نہ کوئی عدد بیان کیا گیا۔ لہٰذا اس صورت میں ایک طلاق کے ساتھ ہی بائن ہوجائے گی اور باقی دو طلاقیں بیکار ہوں گی۔

انت طالق واحدۃ وواحدۃ الخ اس کی تفہیم دراصل دو ضابطوں پر منحصر ہے۔ ایک تو یہ کہ بواسطہ حرف عطف تفریق طلاق ہو تو ایک ہی طلاق پڑیگی بشرطیکہ حروفِ عاطفہ واو حرفِ عطف استعمال ہوا ہو کیونکہ واؤ مطلقاً برائے جمع آیا کرتا ہے۔ اس سے قطع نظر کہ واؤ معیت کے طور پر آئے یا تقدیم وتاخیر کے طور پر۔ لہٰذا اس میں اول کا انحصار آخر پر نہ ہوگا بلکہ ہر لفظ کا اپنا الگ عمل ہوگا۔ پس عورت محض ایک طلاق کے ذریعہ بائنہ ہوجائے گی اور باقی دو طلاقیں نہیں پڑیں گی۔ دوسرا ضابطہ یہ ہے کہ خواہ لفظ قبل ہو یا لفظ بعد دونوں ظرف واقع ہوئے ہیں۔ لفظِ قبل کا جہاں تک تعلق ہے وہ اس زمانہ کیواسطے اسم واقع ہوا جو کہ اس کے مضاف الیہ سے پہلے ہو۔ اور رہا لفظ بعد تو وہ مضاف الیہ سے مؤخر کے واسطے ہے۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ اگر ظرف دو اسموں کے بیچ میں آرہا ہوا ور ہائے کنایہ اس کے ساتھ ملی ہوئی نہ ہو تو وہ صفتِ اسم اول شمار ہوگا۔ یہ ضابطہ واضح ہونے کے بعد کہ مثلاً زید اپنی اہلیہ سے کہے "انت طالق واحدۃ وواحدۃ" تو ایک ہی طلاق پڑے گی۔ اس لئے کہ واؤ برائے مطلق جمع ہے۔ تو اول طلاق کے واقع ہونیکا انحصار ثانی کے واقع ہونے پر نہیں رہا اور طلاق پڑ گئی۔ اور ایک طلاق پڑنے کے بعد اور ایک طلاق واقع ہوجانے پر وہ طلاقِ ثانی کا محل ہی نہیں رہی۔ اور اگر اس طرح کہے "انتِ طالق واحدۃ قبل واحدۃ" تو گویا اس نے دوسری طلاق سے پہلے طلاق واقع کردی اور وہ اس طلاق سے بائنہ ہونے کی بنار پر طلاقِ ثانی کا محل برقرار نہ رہی اور اگر اس طریقہ سے کہے "انت طالق واحدۃ بعدہا واحدۃ" تو اس صورت میں بھی محض ایک طلاق پڑے گی۔ اور اگر اس طرح کہے "انت طالق واحدۃ قبلہا واحدۃ" تو اس صورت میں دو طلاقیں پڑجائیں گی۔ اس واسطے کہ ماضی میں طلاق دینا گویا فوری دینا ہے۔ اور اگر "انت طالق واحدۃ بعد واحدۃ۔ یا مع واحدۃ۔ یا معہا واحدۃ" کہے تب بھی دو طلاقیں پڑجائیں گی۔

وان قال لہا ان دخلتِ الدار الخ۔ کوئی شخص اپنی زوجہ سے کہے "ان دخلتِ الدار فانت طالق واحدۃ وواحدۃ" اس کے بعد زوجہ مکان میں داخل ہوجائے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس پر ایک طلاق پڑجائے گی۔ اور امام ابویوسفؒ وامام محمدؒ دو طلاقیں واقع ہونے کا حکم فرماتے ہیں۔

وان قال لہا انتِ طالق بمکۃ الخ۔ اگر کوئی شخص اپنی زوجہ سے اس طرح کہے تو اس پر فوری طلاق پڑجائے گی۔ اس سے قطع نظر کہ وہ کسی بھی شہر میں ہو۔ وجہ یہ ہے کہ طلاق کے واقع ہونے میں کسی مخصوص جگہ کی تخصیص نہیں۔ اسی طرح اگر "انتِ طالق فی الدار" کہے تب بھی یہی حکم ہوگا کہ خواہ کسی گھر میں داخل ہو طلاق فوری پڑ جائے گی۔ البتہ اگر اس طرح کہے "انت طالق اذا دخلت بمکۃ" تو جس وقت تک وہ مکہ میں داخل نہ ہو اس پر طلاق واقع نہ ہوگی۔ اس واسطے کہ یہاں طلاق کا وقوع اس کے داخلہ پر معلق ومشروط ہے، جس کا ابھی وجود نہیں۔

اور جب تک اس کا وجود نہ ہو طلاق بھی نہ پڑیگی ۔ اور اگر کسی نے اپنی زوجہ سے کہا "انت طالق غدًا" تو بوقتِ طلوعِ فجر ثانی طلاق پڑ جائے گی ۔ اس واسطے کہ اس نے عورت کو متصف بالطلاق پورے غد (کل) کے ساتھ کیا ہے اور یہ اتصاف اسی صورت میں ممکن ہے جب کہ طلاق اس کے پہلے جزء میں پڑے ۔

وَاِنْ قَالَ لِامْرَأَتِہٖ اِخْتَارِیْ نَفْسَكِ یَنْوِیْ بِذٰلِكَ الطَّلَاقَ اَوْ قَالَ لَہَا طَلِّقِیْ نَفْسَكِ فَلَہَا
اور اگر کوئی شخص اپنی زوجہ سے کہے تو اپنے آپکو اختیار کرلے اور اس سے وہ نیتِ طلاق کرے یا کہے کہ اپنے آپ پر طلاق واقع کرلے تو
اَنْ تُطَلِّقَ نَفْسَہَا مَادَامَتْ فِیْ مَجْلِسِہَا ذٰلِكَ فَاِنْ قَامَتْ مِنْہُ اَوْ اَخَذَتْ فِیْ عَمَلٍ اٰخَرَ
اس مجلس میں رہنے تک اسے طلاق واقع کرنیکا اختیار ہوگا اور اگر مجلس سے اٹھ گئی یا کسی دوسرے کام میں مصروف ہوگئی
خَرَجَ الْاَمْرُ مِنْ یَدِہَا فَاِنِ اخْتَارَتْ نَفْسَہَا فِیْ قَوْلِہٖ اِخْتَارِیْ نَفْسَكِ کَانَتْ وَاحِدَۃً
تو اس کا اختیار باقی نہ رہے گا ۔ پھر "اختاری نفسک" کے اندر اگر اس نے خود کو اختیار کرلیا تو ایک بائن طلاق پڑے گی ۔
بَائِنَۃً وَلَا یَکُوْنُ ثَلٰثًا وَاِنْ نَوَی الزَّوْجُ ذٰلِكَ وَلَا بُدَّ مِنْ ذِکْرِ النَّفْسِ فِیْ کَلَامِہٖ اَوْ کَلَامِہَا
اور تین واقع نہ ہونگی خواہ شوہر نے اس سے تین ہی کی نیت کیوں نہ کی ہو ۔ اور مرد کے کلام یا عورت کے کلام لفظِ نفس کا ذکر
وَاِنْ طَلَّقَتْ نَفْسَہَا فِیْ قَوْلِہٖ طَلِّقِیْ نَفْسَكِ فَہِیَ وَاحِدَۃٌ رَجْعِیَّۃٌ وَاِنْ طَلَّقَتْ نَفْسَہَا ثَلٰثًا
کیا جانا ناگزیر ہے ۔ اور اگر "طلقی نفسکِ" کہنے پر اپنے آپ پر طلاق واقع کرلے تو ایک طلاق رجعی ہوگی اور اگر عورت نے تین واقع کرلی ہوں
وَقَدْ اَرَادَ الزَّوْجُ ذٰلِكَ وَقَعْنَ عَلَیْہَا وَاِنْ قَالَ لَہَا طَلِّقِیْ نَفْسَكِ مَتٰی شِئْتِ فَلَہَا اَنْ تُطَلِّقَ
اور خاوند بھی اس کی نیت کرلے تو تین پڑجائیں گی ۔ اور اگر کہے کہ اپنے آپ پر جب چاہے طلاق واقع کرلے تو وہ اپنے آپ پر
نَفْسَہَا فِی الْمَجْلِسِ وَبَعْدَہٗ وَاِذَا قَالَ لِرَجُلٍ طَلِّقِ امْرَأَتِیْ فَلَہٗ اَنْ یُّطَلِّقَہَا فِی الْمَجْلِسِ
مجلس میں طلاق واقع کرسکتی ہے اور مجلس کے بعد بھی اور اگر کسی شخص سے کہے کہ میری زوجہ پر طلاق واقع کردے تو اسے طلاق دینے
وَبَعْدَہٗ وَاِنْ قَالَ طَلِّقْہَا اِنْ شِئْتَ فَلَہٗ اَنْ یُّطَلِّقَہَا فِی الْمَجْلِسِ خَاصَّۃً وَاِنْ قَالَ لَہَا
کا حق ہوگا مجلس میں بھی اور مجلس کے بعد بھی اگر کہے کہ تو چاہے تو اس پر طلاق واقع کردے تو اسے خاص طور پر مجلس ہی میں طلاق دینے کا
اِنْ کُنْتِ تُحِبِّیْنِیْ اَوْ تُبْغِضِیْنِیْ فَاَنْتِ طَالِقٌ فَقَالَتْ اَنَا اُحِبُّكَ اَوْ اُبْغِضُكَ وَقَعَ الطَّلَاقُ
حق ہوگا اور اگر بیوی سے کہے کہ اگر تجھے مجھ سے محبت ہے یا مجھ سے بغض ہے تو تجھ پر طلاق اور وہ کہے کہ مجھے تجھ سے محبت ہے یا مجھے تجھ سے عداوت
وَاِنْ کَانَ فِیْ قَلْبِہَا خِلَافُ مَا اَظْہَرَتْ وَاِنْ طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَہٗ فِیْ مَرَضِ مَوْتِہٖ
ہے تو طلاق پڑجائے گی اگرچہ اس کے قلب میں ظاہر کردہ کے خلاف ہو ۔ اگر کوئی شخص اپنی زوجہ کو مرض الموت میں بائن طلاق
طَلَاقًا بَائِنًا فَمَاتَ وَہِیَ فِی الْعِدَّۃِ وَرِثَتْ مِنْہُ وَاِنْ مَاتَ بَعْدَ انْقِضَاءِ عِدَّتِہَا فَلَا
دیدے اس کے بعد اس کا انتقال بیوی کی عدت کے دوران ہوجائے تو عورت اسکا ترکہ پائیگی اور اگر انتقال اسکی عدت گذر جانے
مِیْرَاثَ لَہَا وَاِذَا قَالَ لِامْرَأَتِہٖ اَنْتِ طَالِقٌ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی مُتَّصِلًا لَمْ یَقَعِ الطَّلَاقُ
کے بعد ہو تو عورت کو ترکہ نہ ملے گا اور اگر اپنی زوجہ سے کہے تجھ پر طلاق ان شاء اللہ متصلاً کہے تو طلاق نہیں پڑے گی ۔

وَاِنْ قَالَ لَهَا اَنْتِ طَالِقٌ ثَلٰثًا اِلَّا وَاحِدَةً طَلُقَتْ ثِنْتَيْنِ وَاِنْ قَالَ ثَلٰثًا اِلَّا ثِنْتَيْنِ
اور اگر زوجہ سے کہے کہ تجھ پر تین طلاقیں لیکن ایک، تو دو طلاقیں واقع ہوں گی۔ اور اگر کہے کہ تین لیکن دو۔ ایک ہی
طُلِّقَتْ وَاحِدَةً وَاِنْ قَالَ ثَلٰثًا اِلَّا ثَلٰثًا يقع ثلاثا واذا ملك الزوج اِمْرَأَتَهٗ اَوْ شِقْصًا مِنْهَا
طلاق پڑے گی اور اگر کہے کہ تین ہیں لیکن تین تو تینوں پڑ جائیں گی۔ اور جب شوہر کو بیوی پر ملکیت حاصل ہو جائے یا اسکے کچھ حصہ پر
اَوْ مَلَكَتِ الْمَرْأَةُ زَوْجَهَا اَوْ شِقْصًا مِنْهُ وَقَعَتِ الْفُرْقَةُ بَيْنَهُمَا
ملکیت حاصل ہو جائے یا بیوی کو شوہر پر یا اس کے کچھ حصہ پر ملکیت ہو جائے تو ان دونوں کے درمیان جدائی کا وقوع ہو جائیگا۔

طلاق وغیرہ کا اختیار دینے کا ذکر

تشریح و توضیح

ینوی بذلک الطلاق الخ فرماتے ہیں اگر کوئی شخص اپنی زوجہ سے طلاق کی نیت سے اختاری نفسکِ" کہے۔ یا "طلقی نفسکِ" کہے تو تاوقتیکہ عورت مجلس سے اٹھ کر نہ جائے اسے شوہر کے اختیار دینے پر خود پر طلاق واقع کرنیکا حق حاصل رہے گا۔ البتہ اگر وہ مجلس سے اٹھ کر چلی گئی یا وہ کسی دوسرے کام میں مصروف ہو گئی تو اس صورت میں شوہر کا دیا ہوا اختیار باقی نہ رہے گا اور اسے خود پر طلاق واقع کرنیکا حق نہ ہوگا۔ اب اگر عورت اس اختیار سے کام لیتے ہوئے خود پر طلاق واقع کرے تو اس کے نتیجہ میں اس پر طلاق بائن واقع ہوگی۔ تین طلاقیں اس اختیار کی بناء پر نہ ہوں گی خواہ شوہر نے اس سے تین کی نیت کی ہو تب بھی تین واقع نہ ہوں گی۔
حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک اگر شوہر اس سے تین کی نیت کرے تو تین پڑ جائیں گی۔

فھی واحدۃ رجعیۃ الخ۔ اگر شوہر کے اختیار دادہ جملے "طلقی نفسک" کے باعث عورت اپنے آپ طلاق واقع کرلے تو اس صورت میں اس پر ایک رجعی طلاق پڑ جائے گی اور اگر بجائے ایک طلاق کے عورت خود پر تین طلاقیں واقع کرے اور خاوند بھی نیتِ طلاق کرلے تو تین پڑ جائیں گی۔ اس کا سبب یہ ہے کہ "طلقی" امر کا تقاضہ تطلیق ہے۔ اور تطلیق کا جہانتک تعلق ہے وہ مصدر اسم جنس ہے اور اس کے اندر ایک کا احتمال بھی موجود ہے اور کل کا بھی موجود ہے۔ لہٰذا کل کی نیت کی صورت میں تینوں پڑ جائیں گی ورنہ اسے ایک پر محمول کریں گے۔ اور تفویض طلاقِ صریح کی ہونے کے باعث طلاق رجعی پڑیگی۔

وان قال ان کنتِ تحبینی الخ۔ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے کہ اگر تجھے مجھ سے محبت یا مجھ سے بغض ہو تو تجھ پر طلاق۔ اور عورت اس کے جواب میں کہے کہ مجھے تجھ سے محبت ہے یا مجھے تجھ سے بغض ہے۔ تو خواہ اس کے قلب میں اس کے خلاف ہی کیوں نہ ہو مگر اس پر طلاق پڑ جائے گی۔

وان طلق الرجل امرأتہ فی مرض موتہا الخ اگر ایسا ہو کہ کوئی شخص اپنی زوجہ کو اپنے مرض الموت میں طلاق بائن دیدے۔ اس کے بعد ابھی عورت کی عدت پوری نہ ہوئی ہو کہ وہ مر جائے تو عورت کو اس کے مال میں وارث قرار دیا جائے گا۔ اور اگر عدت پوری ہو گئی اور عدت گذر جانے کے بعد اس کا انتقال ہوا تو وارث شمار نہ ہوگی۔ حضرت امام احمدؒ فرماتے

ہیں کہ اگر شوہر کا انتقال عدت گذر جانے کے بعد ہو تب بھی وہ اسوقت تک وارث شمار ہوگی جب تک کہ وہ کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کرلے اور حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ خواہ وہ یکے بعد دیگرے دس اشخاص سے نکاح کیوں نہ کرلے وہ وارث قرار دیجائیگی۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک وہ عورت جسے تین طلاقیں دی گئیں ہوں یا اس سے خلع کیاگیا ہو وہ وارث نہ ہوگی، چاہے شوہر دورانِ عدت وفات پا چکا ہو یا عدت گذر جانے کے بعد۔ اس لئے کہ میراث کی بنیاد زوجیت ہے اور بائن طلاق کی بنا پر زوجیت باطل وکالعدم ہوگئی۔

احنافؒ فرماتے ہیں کہ وراثت کی بنیاد زوجیت ہے اور شوہر کا مرض الموت میں طلاق دینے سے مقصود سبب وراثت کو باطل کردینا ہے۔ اسواسطے اس کے ارادہ کے تاثیر کے نقصان سے عورت کو دور رکھنے کی خاطر اس میں عدت پوری ہونے تک تاخیر کیجائے گی۔ اس لئے کہ بعض حقوق کا اعتبار دورانِ عدت نکاح برقرار رہتا ہے۔ اسواسطے وراثت کے حق میں بھی یہ برقرار رہ سکتا ہے، البتہ بعد عدت اس کا امکان نہیں رہتا۔

انشاء اللہ متصلاً الخ۔ کسی شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی مگر متصلاً ان شاء اللہ کہدیا۔ مثال کے طور پر اس طرح کہا "انت طالق ان شاء اللہ" تو اس صورت میں امام ابوحنیفہؒ وامام محمدؒ اور شوافع فرماتے ہیں کہ طلاق نہیں پڑیگی امام مالکؒ کے نزدیک اس طرح کہنے سے طلاق وعتاق وصدقہ کے باطل ہونے کا حکم نہ ہوگا۔ البتہ نذر ویمین کو باطل قرار دیں گے۔ امام احمدؒ کہتے ہیں کہ محض طلاق باطل قرار نہیں دیجائیگی۔ احنافؒ کے نزدیک ترمذی وغیرہ میں مروی روایات کی رو سے طلاق وعتاق وغیرہ میں بالاتصال استثناء کے باعث طلاق نہیں پڑیگی۔

انت طالق ثلثا الا واحدۃً الخ۔ از روئے قاعدہ کل سے بعض کو مستثنیٰ کرنا درست ہے۔ بعد استثناء جو برقرار رہے گا وہ معتبر ہوگا۔ پس صورتِ مذکورہ میں دو طلاقیں پڑجائیں گی۔ اور "انت طالق ثلثا الا اثنتین" کہنے پر بعد استثناء جو بچی تھی ایک طلاق وہ پڑجائے گی۔

بَابُ الرَّجعَةِ

رجعت کا بیان

اِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ اِمْرَأَتَہٗ تَطْلِیْقَۃً رَجْعِیَّۃً اَوْ تَطْلِیْقَتَیْنِ فَلَہٗ اَنْ یُّرَاجِعَھَا فِیْ عِدَّتِھَا

مرد اگر اپنی بیوی کو طلاق رجعی دے خواہ ایک دے، یا دو ۔ اور خاوند اس سے دورانِ عدت رجوع کرلے تو درست ہے

رَضِیَتْ بِذٰلِکَ اَوْ لَمْ تَرْضَ وَالرَّجْعَۃُ اَنْ یَّقُوْلَ لَھَا رَاجَعْتُکِ اَوْ رَاجَعْتُ اِمْرَأَتِیْ اَوْ

اگرچہ عورت اس پر رضامند نہ ہو۔ اور رجعت یہ کہنا ہے کہ میں نے تجھ سے رجوع کرلیا یا میں نے اپنی زوجہ کے ساتھ رجعت

یَطَأَھَا اَوْ یُقَبِّلَھَا اَوْ یَلْمَسَھَا بِشَھْوَۃٍ اَوْ یَنْظُرَ اِلٰی فَرْجِھَا بِشَھْوَۃٍ وَیُسْتَحَبُّ اَنْ یُّشْھِدَ عَلٰی

کرلی یا اس کے ساتھ ہمبستری کرلے یا بوسہ لے لے یا شہوت کے ساتھ چھوئے یا شرمگاہ کی جانب شہوت سے دیکھے اور باعثِ استحباب

الرَّجْعَةِ شَاهِدَيْنِ وَاِنْ لَمْ يُشْهِدْ صَحَّتِ الرَّجْعَةُ وَاِذَا انْقَضَتِ الْعِدَّةُ فَقَالَ قَدْ
یہ ہے کہ رجعت پر دو شاہد بنالے اور اگر شاہد نہ بنائے تب بھی رجعت درست ہو جائے گی اور اگر عدت گذرنے کے بعد خاوند کہے کہ میں
كُنْتُ رَاجَعْتُهَا فِي الْعِدَّةِ فَصَدَّقَتْهُ فَهِيَ رَجْعَةٌ وَاِنْ كَذَّبَتْهُ فَالْقَوْلُ قَوْلُهَا وَلَا يَمِيْنَ
تجھ سے دوران عدت رجعت کرچکا تھا اور عورت اس کی تصدیق کر دے تو رجعت درست ہو جائیگی اور اگر جھٹلائے تو عورت کا قول قابل اعتبار
عَلَيْهَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَاِذَا قَالَ الزَّوْجُ قَدْ رَاجَعْتُكِ فَقَالَتْ مُجِيْبَةً لَهُ قَدْ
ہوگا اور اس پر حلف بھی لازم نہ ہوگا۔ امام ابوحنیفہؒ یہی فرماتے ہیں اور اگر خاوند کہے کہ میں تجھ سے رجعت کرچکا تھا اور عورت اس کے جواب میں
انْقَضَتْ عِدَّتِيْ لَمْ تَصِحَّ الرَّجْعَةُ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَاِذَا قَالَ زَوْجُ الْاَمَةِ بَعْدَ انْقِضَاءِ
کہے کہ میری عدت پوری گئی تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک رجعت درست نہ ہوگی اور اگر باندی کا خاوند اس کی عدت پوری ہونے کے
عِدَّتِهَا قَدْ كُنْتُ رَاجَعْتُهَا فَصَدَّقَهُ الْمَوْلٰى وَكَذَّبَتْهُ الْاَمَةُ فَالْقَوْلُ قَوْلُهَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ
بعد کہے کہ میں تجھ سے رجعت کرچکا تھا اور آقا اس کی تصدیق اور باندی انکار کرے تو امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ باندی کا قول قابل
وَاِذَا انْقَطَعَ الدَّمُ مِنَ الْحَيْضَةِ الثَّالِثَةِ لِعَشَرَةِ اَيَّامٍ انْقَطَعَتِ الرَّجْعَةُ وَاِنْ لَمْ تَغْتَسِلْ وَاِنْ
اعتبار ہوگا اور معتدہ کی تیسری ماہواری دس دن میں پوری ہو تو حق رجعت ختم ہو جائے گا اگرچہ غسل نہ کرے اور دس سے
انْقَطَعَ لِاَقَلَّ مِنْ عَشَرَةِ اَيَّامٍ لَمْ تَنْقَطِعِ الرَّجْعَةُ حَتّٰى تَغْتَسِلَ اَوْ يَمْضِيَ عَلَيْهَا وَقْتُ صَلٰوةٍ اَوْ
کم میں بند ہونے پر حق رجعت ختم نہ ہوگا جب تک کہ وہ غسل نہ کرلے یا اس پر ایک (فرض) نماز کا وقت نہ گذر جائے
تَتَيَمَّمَ وَتُصَلِّيَ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَاَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ وَقَالَ مُحَمَّدٌ اِذَا تَيَمَّمَتِ انْقَطَعَتِ
یا تیمم (بربنائے عذر) کرکے نماز نہ پڑھ لے۔ امام ابویوسفؒ یہی فرماتے ہیں۔ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ تیمم کر چکنے پر حق
الرَّجْعَةُ وَاِنْ لَمْ تُصَلِّ وَاِنِ اغْتَسَلَتْ وَنَسِيَتْ شَيْئًا مِنْ بَدَنِهَا لَمْ يُصِبْهُ الْمَاءُ فَاِنْ كَانَ
رجعت ختم ہو جائے گا اگرچہ نماز بھی نہ پڑھے۔ اور اگر عورت غسل کرتے ہوئے بدن کا کچھ حصہ دھونا بھول جائے کہ اس
عُضْوًا كَامِلًا فَمَا فَوْقَهُ لَمْ تَنْقَطِعِ الرَّجْعَةُ وَاِنْ كَانَ اَقَلَّ مِنْ عُضْوٍ انْقَطَعَتْ
پر پانی نہ پہونچا ہو بس اگر یہ ایک کامل عضو یا اس سے بڑھا ہوا ہو تو حق رجعت ختم نہ ہوگا اور اگر ایک عضو سے کم دھونا رہ گیا ہو تو حق
وَالْمُطَلَّقَةُ الرَّجْعِيَّةُ تَتَشَوَّفُ وَتَتَزَيَّنُ وَيُسْتَحَبُّ لِزَوْجِهَا اَنْ لَا يَدْخُلَ عَلَيْهَا
رجعت ختم ہو جائیگا اور مطلقہ رجعیہ زیب و زینت کرے گی اور شوہر کے واسطے مستحب ہے کہ اسے اطلاع کئے بغیر اس کے پاس نہ آئے
حَتّٰى يُؤْذِنَهَا اَوْ يُسْمِعَهَا خَفْقَ نَعْلَيْهِ وَالطَّلَاقُ الرَّجْعِيُّ لَا يُحَرِّمُ الْوَطْءَ وَاِنْ كَانَ
اور جوتوں کی آواز اس تک پہونچادے۔ اور طلاق رجعی میں ہمبستری حرام نہیں ہوتی۔ اور طلاق بائن تین سے کم
طَلَاقًا بَائِنًا دُوْنَ الثَّلٰثِ فَلَهُ اَنْ يَّتَزَوَّجَهَا فِيْ عِدَّتِهَا وَبَعْدَ انْقِضَاءِ عِدَّتِهَا۔
دینے پر اس سے دوران عدت اور بعد عدت نکاح کرنا درست ہے۔

لغات کی وضاحت:- الرجعة: واپسی۔ شاهدين۔ شاہد کا تثنیہ: گواہ۔ انقضاء: اختتام۔ انقطع:

بندہونا، ختم ہونا۔ عشرۃ: دس۔ فوق: زیادہ، بڑھ جانا۔ تتشوّف: مزیّن ہونا۔

تشریح و توضیح

اصطلاح فقہاء کے اعتبار سے رجعت ملکیت استمتاع قائم و باقی رہنے کو کہتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے "والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلثۃ قروء" (الآیۃ) اگر کوئی شخص اپنی زوجہ کو ایک یا دو طلاق دیدے اور ابھی عدت طلاق گذری نہ ہو تو اسے دوران عدت رجعت کرلینا درست ہوگا۔ اس سے قطع نظر کہ عورت اس رجعت پر رضامند ہو یا نہ ہو اس لئے کہ رجعت کا جہاں تک تعلق ہے یہ دراصل مرد کا حق ہے، عورت کا حق نہیں اور مرد کو اپنا حق عدت کے اندر اندر حاصل کرنیکا اختیار ہے۔ رجعت قولاً بھی درست ہے۔ مثلاً اس طرح کہدے "راجعتک" یا "راجعت امرأتی" اور فعلاً بھی رجعت درست ہو جاتی ہے مثلاً زبان سے کہنے کے بجائے اس نے ہمبستری کرلی، یا بوسہ لیلیے، یا اسے چھولے، یا شہوت کے ساتھ اس کی شرمگاہ کو دیکھ لے۔ ان سب صورتوں میں رجعت درست ہو جائے گی۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک رجعت محض قولاً درست ہے، فعلاً درست نہیں۔

ویستحب أن یشھد الخ۔ اگر شوہر طلاق دینے کے بعد زبان سے رجعت کرنا چاہے تو بہتر و مستحب یہ ہے کہ اس پر گواہ بنالے اور شوہر بیوی کو رجعت کی اطلاع کردے۔ گواہ بنانے کا حکم عندالاحناف صرف استحبابی ہے، اگر گواہ نہ بنائے اور رجعت کرلے تب بھی رجعت درست ہو جائے گی۔ امام مالکؒ اور ایک قول کے مطابق امام شافعیؒ بھی گواہ بنانے کو واجب قرار دیتے ہیں ان حضرات نے آیت کریمہ "وأشھدوا ذوی عدل منکم" میں امر برائے وجوب تسلیم کیا ہے اور عندالاحناف "فامساک بمعروف" اور "بعولتھن احق بردھن" "فلاجناح علیھما ان یتراجعا" یہ نصوص مطلق (غیر مقید) ہیں۔ اس سے پتہ چلا کہ ذکر فرمودہ امر استحباب کیلئے ہے وجوب کیلئے نہیں۔

فصدقتہ فی الرجعۃ الخ۔ اگر ایسا ہو کہ عورت کی عدت گذر جانے کے بعد شوہر اس سے کہے کہ میں دوران عدت تجھ سے رجوع کرچکا تھا۔ اور عورت بھی شوہر کے قول کو درست قرار دے تو رجعت درست ہو جائے گی۔ اور اگر عورت شوہر کے اس قول کو تسلیم نہ کرتے ہوئے رجعت کو جھٹلائے تو اس صورت میں عورت ہی کا قول قابل اعتبار ہوگا اور رجعت درست نہ ہوگی۔ اور عورت سے اس کے قول پر امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حلف کی بھی احتیاج نہیں۔ اور اگر عورت باندی ہو اور اس کا شوہر اس کی عدت گذر جانے کے بعد کہتا ہو کہ میں دوران عدت اس سے رجعت کرچکا تھا اور شوہر کے اس قول کی باندی کا آقا تصدیق کررہا ہو اور اس کے برعکس باندی انکار کرتی ہو تو یہاں باندی ہی کا قول معتبر قرار دیا جائے گا۔ امام ابوحنیفہؒ یہی فرماتے ہیں۔

واذا انقطع الدم من الحیضۃ الثالثۃ الخ۔ اگر تیسری ماہواری کا خون پورے دس دن آکر بند ہوا ہو تو خواہ اس نے غسل کیا یا نہ کیا ہو حق رجعت باقی نہ رہے گا۔ اور دس دن سے کم میں بند ہونے پر حق رجعت اس وقت ختم ہوگا جبکہ وہ غسل کرلے یا یہ کہ اس پر ایک نماز کا وقت گذر گیا ہو یا کسی عذر کی وجہ سے بجائے وضو کے تیمم کرکے نماز پڑھ لی ہو۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ یہی فرماتے ہیں اور امام محمدؒ کے نزدیک اس کے تیمم کرلینے کے ساتھ ہی شوہر کا حق رجعت ختم ہو جائے گا خواہ اس نے نماز پڑھی ہو یا نہ پڑھی ہو اس لئے کہ بعد تیمم اس کے واسطے ہر وہ شئے مباح ہو گئی جو بذریعہ

غسل ہو لی ۔

وَان اغتسلت وَنسیت الخ اگر ایسا ہو کہ عورت غسل کرتے وقت بعض حصۂ بدن دھونا بھول جائے اور اس پر پانی نہ بہایا گیا ہو تو اب دیکھا جائیگا کہ یہ باقی ماندہ حصہ پورا عضو یا اس سے زیادہ ہے یا نہیں۔ اگر کامل عضو یا اس سے زیادہ ہو تو حق رجعت اس کے دھونے تک باقی رہے گا اور کم ہو تو ختم ہو جائیگا۔

ویستحب لزوجها ان لا ید خل علیها الخ۔ مطلقۂ رجعی سے اگر رجعت کا قصد نہ ہو تو گھر میں داخل ہوتے وقت اس سے اجازت لینا مستحب ہے لیکن اگر رجعت کا ارادہ ہو تو پھر اجازت طلب کرنیکی احتیاج نہیں اور بلا اذن داخل ہونے کو خلافِ استحباب قرار نہ دیں گے۔

وَاِنْ كَانَ الطَّلَاقُ ثَلٰثًا فِی الْحُرَّةِ اَوْ ثِنْتَیْنِ فِی الْاَمَةِ لَمْ تَحِلَّ لَهٗ حَتّٰی تَنْكِحَ زَوْجًا غَیْرَهٗ نِكَاحًا

اور اگر آزاد عورت کو تین طلاقیں دیدی گئیں یا باندی کو دو، تو یہ عورت اس کے واسطے اسوقت تک حلال نہ ہوگی جب تک وہ دوسرے

صَحِیْحًا وَیَدْخُلُ بِهَا ثُمَّ یُطَلِّقُهَا اَوْ یَمُوْتُ عَنْهَا وَالصَّبِیُّ الْمُرَاهِقُ فِی التَّحْلِیْلِ كَالْبَالِغِ

شخص سے نکاح صحیح نہ کرے اور پھر وہ بعد ہمبستری طلاق دیدے یا اس کا انتقال ہو جائے اور قریب البلوغ لڑکے کا حکم حلالہ میں بالغ کا سا ہے۔

وَوَطْءُ الْمَوْلٰی اَمَتَهٗ لَا یُحِلُّهَا لَهٗ وَاِذَا تَزَوَّجَهَا بِشَرْطِ التَّحْلِیْلِ فَالنِّكَاحُ مَكْرُوْهٌ فَاِنْ طَلَّقَهَا

اور آقا کے باندی سے ہمبستر ہونے کی بنا پر وہ شوہر کیواسطے حلال نہ ہوگی اور حلالہ کی شرط کے ساتھ نکاح کرنا باعث کراہت ہے لیکن اگر بعد ہمبستری

بَعْدَ وَطْئِهَا حَلَّتْ لِلْاَوَّلِ وَاِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ الْحُرَّةَ تَطْلِیْقَةً اَوْ تَطْلِیْقَتَیْنِ وَانْقَضَتْ عِدَّتُهَا

طلاق دیدے تو پہلے شوہر کیواسطے حلال ہو جائیگی۔ اور جب کوئی شخص آزاد بیوی کو ایک طلاق یا دو طلاقیں دیدے اور اسکی عدت پوری

وَتَزَوَّجَتْ بِزَوْجٍ اٰخَرَ فَدَخَلَ بِهَا ثُمَّ عَادَتْ اِلَی الْاَوَّلِ عَادَتْ بِثَلٰثِ تَطْلِیْقَاتٍ وَیَهْدِمُ

ہو جائے اور وہ دوسرے شخص سے نکاح کرلے اور وہ بعد ہمبستری پہلے شوہر کی جانب لوٹے تو تین طلاق کے حق کے ساتھ لوٹے گی اور امام ابوحنیفہؒ

الزَّوْجُ الثَّانِیْ مَا دُوْنَ الثَّلٰثِ كَمَا یَهْدِمُ الثَّلٰثَ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ وَاَبِیْ یُوْسُفَ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ

وامام ابو یوسفؒ کے نزدیک دوسرا شوہر تین طلاقوں کی طرح تین سے کم طلاقوں کو بھی ختم و کالعدم کر دے گا۔ اور

وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَا یَهْدِمُ الزَّوْجُ الثَّانِیْ مَا دُوْنَ الثَّلٰثِ وَاِذَا طَلَّقَهَا ثَلٰثًا فَقَالَتْ

امام محمدؒ کے نزدیک دوسرا شوہر تین سے کم طلاقوں کو ختم و کالعدم نہ کرے گا۔ اور جب خاوند زوجہ کو تین طلاقیں دیدے اور عورت

قَدِ انْقَضَتْ عِدَّتِیْ وَتَزَوَّجْتُ بِزَوْجٍ اٰخَرَ وَدَخَلَ بِیَ الزَّوْجُ الثَّانِیْ وَطَلَّقَنِیْ وَانْقَضَتْ

کہے کہ میری عدت پوری ہو گئی اور میں نے دوسرے شخص سے نکاح کیا اور دوسرے شوہر نے مجھ سے ہمبستری کرکے طلاق دیدی اور اس کی

عِدَّتِیْ وَالْمُدَّةُ تَحْتَمِلُ ذٰلِكَ جَازَ لِلزَّوْجِ الْاَوَّلِ اَنْ یُصَدِّقَهَا اِذَا كَانَ

عدت بھی پوری ہو گئی درانحالیکہ مدت کے اندر اس کا احتمال موجود ہو تو پہلے شوہر کو اس کی تصدیق کرنا درست ہے بشرطیکہ

غَالِبُ ظَنِّهٖ اَنَّهَا صَادِقَةٌ۔

ظن غالب اس کے سچ بولنے کا ہو۔

حلالہ کا ذکر

تشریح و توضیح

وان کان الطلاق ثلثاً فی الحرۃ الخ اگر کسی شخص نے اپنی آزاد عورت کو تینوں طلاقیں دیدیں، یا بیوی باندی تھی اور اسے دو طلاقیں دیدیں تو اس صورت میں تاوقتیکہ بعد عدت دوسرا شخص نکاح کرکے اس سے ہمبستری کرکے طلاق نہ دیدے اور اس کی عدت نہ گذر جائے اس کا نکاح پہلے شخص سے جائز نہ ہوگا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے "فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره" (پھر اگر کوئی (تیسری) طلاق دیدے عورت کو تو پھر وہ اس کے لئے حلال نہ رہے گی اس کے بعد یہاں تک کہ وہ اس کے سوا ایک اور خاوند کے ساتھ (عدت کے بعد) نکاح کرے)۔ آیتِ مبارکہ میں "تنکح" سے مقصود ہمبستری ہے۔ اسواسطے کہ معنیٔ عقدِ نکاح کا جہانتک تعلق ہے وہ "زوج" مطلقاً لانے سے حاصل ہوچکے۔ اب اگر بلفظِ تنکح بھی عقدِ نکاح مقصود ہو تو اندرونِ کلام فقط تاکید ہی ہوگی جبکہ راجح یہ ہے کہ کلام کا حمل تاسیس پر ہو۔

والصبیّ المراهق فی التحلیل الخ۔ صحتِ حلالہ کیلئے یہ لازم نہیں کہ دوسرا شوہر بالغ ہی ہو۔ اگر وہ مراہق اور بالغ ہونے کے قریب ہو اور اس سے نکاح کردیا جائے اور وہ بعد ہمبستری طلاق دیدے تو حلالہ صحیح ہوجائے گا اور پہلے شوہر کا دوسرے شوہر کے طلاق دینے اور عدت گذرنے کے بعد نکاح جائز ہوگا۔

ووطی المولی أمته لا یحلها له الخ اگر ایسا ہو کہ پہلے شوہر کے باندی دو طلاقیں دینے کے بعد جب اس کی عدت گذر جائے تو باندی کا آقا اس سے ملک یمین کی بناء پر ہمبستری کرلے تو اس ہمبستری کے باعث وہ پہلے شوہر کیواسطے حلال نہ ہوگی۔ اس واسطے کہ نصِ قطعی سے حلت اس وقت ثابت ہورہی ہے جبکہ دوسرا شخص بعد نکاح ہمبستری کرکے طلاق دے اور مالک کی ہمبستری اس کے قائم مقام قرار نہیں دیجائیگی۔

بشرط التحلیل الخ۔ اگر دوسرا شخص تحلیل کی شرط کے ساتھ اسے نکاح میں لائے اور اس طرح کہے کہ طلاق دینے کی شرط کیساتھ تجھ سے نکاح کررہا ہوں تو اس طرح کی شرط مکروہ تحریمی قرار دیجائے گی۔ احادیث صحیحہ میں ایسے شخص پر لعنت کی گئی ہے۔ مگر اس کے باوجود اگر وہ بعد ہمبستری طلاق دیدے گا تو وہ پہلے شوہر کے واسطے حلال قرار دی جائے گی۔ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ وحضرت امام احمدؒ کے نزدیک اور امام ابویوسفؒ کی ایک روایت کے مطابق شرطِ تحلیل لگانے سے عقد کے فاسد ہونیکا حکم کیا جائے گا اور پہلے شوہر کے واسطے عورت کو حلال قرار نہ دیں گے۔ حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ عقد کو تو فاسد قرار نہ دیں گے مگر وہ پہلے شوہر کے واسطے حلال بھی شمار نہ ہوگی۔ ان حضرات کا مستدل ترمذی وابوداؤد وغیرہ کی یہ روایت ہے کہ محلل اور محلل لہ دونوں پر اللہ کی لعنت۔ احنافؒ فرماتے ہیں کہ اس روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے شوہر کو محلل فرمانے سے خود عورت کے پہلے شوہر کے واسطے حلال ہونے کی نشاندہی ہوتی ہے۔ لہٰذا محلل پر لعنت کی یہ تاویل کریں گے کہ ایسے شخص کے بارے میں لعنت ہے جو تحلیل کا کچھ معاوضہ لے۔

وکیھدم الزوج الثانی مادون الثلث الخ کوئی شخص اپنی زوجہ کو تین طلاق دیدے پھر عدت پوری ہونے کے بعد

وہ کسی اور سے نکاح کرلے اور دوسرا خاوند ہمبستری کے بعد طلاق دیدے اور عورت عدت گذرنے کے بعد پھر پہلے شوہر سے نکاح کرلے تو متفقہ طور پر سب کے نزدیک پہلا شوہر تین طلاق کا مالک ہو جائیگا اور اگر پہلے شوہر نے ایک طلاق یا دو طلاقیں دیں اس کے بعد اس نے دوسرے سے نکاح کرلیا اور پھر بعد ہمبستری اس کے طلاق دینے پر عدت گذار کر پہلے شوہر کے نکاح میں آئی تو امام ابو حنیفہؒ وامام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ پہلے شوہر کو اب بھی تین طلاق کا حق ہو جائے گا اور امام محمدؒ، امام زفرؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اسے صرف باقی ماندہ کا حق ہوگا۔ یعنی ایک طلاق دی ہوگی تو اب دو کا حق رہ جائیگا اور دو دی ہوں گی تو ایک کا حق رہے گا۔

وَاِذَا طلقہا ثلثًا الخ۔ اگر ایسا ہو کہ کوئی شخص اپنی زوجہ کو تین طلاقیں دیدے اور پھر وہ عورت بتلائے کہ اس نے عدت کے بعد دوسرے شخص سے نکاح کیا اور اس نے بعد ہمبستری مجھے طلاق دیدی اور اب اس کی عدت بھی گذر چکی اور جو مدت اس نے بتائی ہو اس میں اس کی گنجائش موجود ہو تو اس صورت میں اگر پہلے شوہر کو اس کے سچ بولنے کا ظن غالب ہو تو اس کیلئے اس کی تصدیق کرنا درست ہوگا اور اس کے بیان کی بنیاد پر اور ذکر کردہ تفصیل کے مطابق اس کا اعتبار کرتے ہوئے اس سے دوبارہ نکاح کرلینا درست ہوگا۔

تنبیہ :- مراہق کا حلالہ درست ہے۔ کیونکہ حدیث عسیلہ مطلق ہے۔ اور اس اطلاق کا تقاضہ یہ ہے کہ اس لڑکے کی تحلیل درست ہوگی جس کا آلۂ تناسل شہوت سے متحرک ہوتا ہو اگرچہ بالغ مردوں کے برابر نہ ہو۔ اور مراہق کی قید سے اس طرف اشارہ ہے کہ غیر مراہق کی تحلیل درست نہیں ہے۔

کتاب الایلاء

ایلاء کا بیان

اِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِامْرَأَتِہٖ وَاللّٰہِ لَا اَقْرَبُکِ اَوْ وَاللّٰہِ لَا اَقْرَبُکِ اَرْبَعَۃَ اَشْہُرٍ فَہُوَ مُوْلٍ

جب شوہر اپنی زوجہ سے کہے کہ اللہ کی قسم میں تجھ سے صحبت نہ کروں گا یا اللہ کی قسم میں تجھ سے چار ماہ تک ہمبستری نہ کرونگا تو وہ ایلاء

فَاِنْ وَطِئَہَا فِی الْاَرْبَعَۃِ الْاَشْہُرِ حَنِثَ فِیْ یَمِیْنِہٖ وَلَزِمَتْہُ الْکَفَّارَۃُ وَسَقَطَ الْاِیْلَاءُ

کرنیوالا ہوگا پھر اگر وہ چار مہینہ کے اندر اس کے ساتھ ہمبستر ہو جائے تو اسکی قسم ٹوٹ جائیگی اور کفارہ کا لزوم ہوگا اور ایلا ختم ہو جائیگا۔

وَاِنْ لَمْ یَقْرَبْہَا حَتّٰی مَضَتْ اَرْبَعَۃُ اَشْہُرٍ بَانَتْ بِتَطْلِیْقَۃٍ وَاحِدَۃٍ فَاِنْ کَانَ حَلَفَ

اور اگر چار مہینہ تک اس سے ہمبستر نہ ہو تو اس پر ایک بائن طلاق پڑ جائے گی۔ پھر اگر اس نے چار مہینہ کا حلف کیا ہو تو

عَلٰی اَرْبَعَۃِ اَشْہُرٍ فَقَدْ سَقَطَتِ الْیَمِیْنُ وَاِنْ کَانَ حَلَفَ عَلَی الْاَبَدِ فَالْیَمِیْنُ بَاقِیَۃٌ

یمین ختم ہو جائے گی۔ اور ہمیشہ کیلئے حلف کیا ہو تو یمین برقرار رہے گی۔

فَاِنْ عَادَ فَتَزَوَّجَہَا عَادَ الْاِیْلَاءُ فَاِنْ وَطِئَہَا وَاِلَّا وَقَعَتْ بِمُضِیِّ اَرْبَعَۃِ اَشْہُرٍ اُخْرٰی

پھر اگر وہ دوبارہ اس کے ساتھ نکاح کریگا تو ایلا کا بھی اعادہ ہو جائے گا اس کے بعد وہ اس سے ہمبستر ہو تو فبہا ورنہ چار مہینہ گذر جانے پر دوسری

فان تزوجها ثالثاً عاد الایلاء ووقعت علیها بمضی اربعة اشهر اخری فان تزوجها
طلاق پڑ جائیگی پھر اگر تیسری مرتبہ اس سے نکاح کیا تو ایلاء کا بھی اعادہ ہوگا اور چار مہینہ گذرنے پر تیسری طلاق پڑ جائے گی پھر اگر اس نے دوسرے
بعد زوج اٰخر لم یقع بذٰلک الایلاء طلاق والیمین باقیة فان وطئها کفر عن یمینه
شوہر کے بعد نکاح کیا تو (اب) اس ایلاء سے طلاق نہ پڑے گی اور یمین برقرار رہے گی پھر اگر وہ اس سے صحبت کریگا تو کفارۂ یمین ادا
فان حلف علی اقل من اربعة اشهر لم یکن مولیاً وان حلف بحج او صوم او صدقة
کریگا اور چار مہینہ سے کم کا حلف کرنے پر وہ ایلاء کرنیوالا نہ ہوگا ۔ اور اگر حج کرنے یا روزہ رکھنے یا صدقہ کرنے یا آزاد کرنے
او عتق او طلاق فهو مولٍ وان اٰلی من المطلقة الرجعیة کان مولیاً وان اٰلی من
یا طلاق کا حلف کرے تو وہ ایلاء کرنیوالا قرار دیا جائے گا اور مطلقۂ رجعیہ سے ایلاء کرنے پر ایلاء کرنیوالا شمار ہوگا اور مطلقہ بائنہ سے
البائنة لم یکن مولیاً ومدة ایلاء الامة شهران وان کان المولی مریضاً
ایلاء کرنے پر مولی شمار نہ ہوگا ۔ اور باندی کی مدت ایلاء دو مہینہ ہیں ۔ اور اگر ایلاء کرنے والا مریض ہو اور بوجہ مرض
لا یقدر علی الجماع او کانت المرأة مریضة او رتقاء او صغیرة لا یجامع مثلها
ہمبستری نہ کرسکتا ہو یا عورت مریضہ ہو یا مقام صحبت بند ہو یا اس قدر چھوٹی ہو کہ اس سے ہمبستری ممکن نہ ہو
او کانت بینهما مسافة لا یقدر ان یصل الیها فی مدة الایلاء ففیئة ان یقول
یا ان دونوں کے درمیان اس قدر مسافت ہو کہ مدت ایلاء میں اس تک پہنچنا ممکن نہ ہو تو اس کے کہنے کو رجوع قرار دیں گے کہ میں
بلسانه فئت الیها فان قال ذٰلک سقط الایلاء وان صح فی المدة بطل ذٰلک الفئ
اس کی جانب رجوع کیا لہٰذا اگر اس نے یہ کہدیا تو اس کا ایلاء ختم ہوگیا ۔ اور اگر مدت ایلاء کے اندر صحت مند ہوگیا تو یہ رجوع باطل ہوکر
وصار فیئه الجماع واذا قال لامرأته انت علیّ حرام سئل عن نیته فان قال
صحبت ہی اس کا رجوع کرنا شمار ہوگا ۔ اور اگر زوجہ سے کہے کہ تو میرے اوپر حرام ہے تو اس کی نیت کے متعلق پوچھا جائے گا اگر وہ کہے کہ
اردت الکذب فهو کما قال وان قال اردت به الطلاق فهی تطلیقة بائنة
میں نے جھوٹ کا قصد کیا تھا تو حکم اس کے کہنے کے مطابق ہوگا اور اگر کہتا ہو کہ میں نے قصد طلاق کیا تھا تو یہ بائن طلاق قرار دیجائیگی
الا ان ینوی الثلث وان قال اردت به الظهار فهو ظهار وان قال اردت به
الا یہ کہ اس نے اس کے ذریعہ تین کی نیت کی ہو اور اگر کہتا ہو کہ میں نے قصد ظہار کیا تھا تو ظہار قرار دیں گے اور اگر کہتا ہو کہ میں نے اس
التحریم او لم ارد به شیئاً فهی یمین یصیر به مولیاً
کے ذریعہ قصد حرمت کیا یا اس سے کوئی قصد نہیں کیا تو اسے یمین قرار دیں گے اور وہ اس سے ایلاء کرنیوالا ہو جائیگا ۔

لغات کی وضاحت

مولی : ایلاء کرنے والا ۔ الفیئة : لوٹنا ۔ کہا جاتا ہے "انه حسن الفیئة" (وہ بہتر واپسی والا ہے) ۔ ....

تشریح و توضیح

کتاب الایلاء الخ از روئے لغت ایلاء مصدر ہے یعنی حلف کرنا۔ شرعاً ایلاء یہ کہلاتا ہے کہ خاوند چار مہینے یا چار مہینے سے زیادہ تک ہمبستر نہ ہونیکا حلف کرے۔ مثال کے طور پر اس طرح کہے "واللہ لا اقربک" (واللہ میں تجھ سے ہمبستر نہ ہوں گا) یا اس طرح کہے۔ "واللہ لا اقربک اربعۃ اشہر" (واللہ میں چار مہینے تک تجھ سے صحبت نہ کروں گا) تو وہ ایلاء کرنے والا قرار دیا جائے گا۔ ذکر کردہ پہلی شکل تو مؤبد ایلاء کی ہے۔ اور دوسری شکل مؤقت ایلاء کی۔ لہٰذا اگر خاوند ذکر کردہ مدت کے دوران ہمبستری کرلے تو ایلاء کے ساقط ہونے اور کفارہ کے وجوب کا حکم ہوگا۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ کفارہ واجب نہ ہوگا اس لئے کہ ایلاء کی آیت کے اخیر میں ارشاد ہے "فان فاؤا فان اللہ غفور رحیم" احنافؒ فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ میں مغفرت سے مقصود یہ ہے کہ آخرت میں سزا ساقط ہوجائے گی، یہ مطلب نہیں کہ کفارہ ساقط وختم ہوجائے گا۔ اور مدتِ ایلاء یعنی چار ماہ کے اندر اگر ہمبستری نہیں کی تو عورت پر ایک طلاق بائن پڑ جائے گی۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ عورت صرف مدت ایلاء گذر جانے کے باعث جدا نہ ہوگی بلکہ اس کے لئے تفریقِ قاضی ناگزیر ہے۔ اس لئے کہ خاوند نے عورت کے حقِ ہمبستری کو روکا۔ لہٰذا عورت کی رہائی میں قاضی کو عورت کے قائم مقام قرار دیا جائے گا۔

احنافؒ فرماتے ہیں کہ خاوند عورت کے حقِ ہمبستری کو روکنے کے باعث مرتکب ظلم ہوا۔ لہٰذا شرعاً اس ظلم کا اسے یہ بدلہ ملا کہ وہ مرورِ مدت کے ساتھ ہی اس عظیم نعمت سے محروم ہوجائے اور گویا ظلم کی سزا بھگتے۔ بیہقی وغیرہ میں صحابۂ کرام میں سے حضرت عثمان، حضرت زید بن ثابت، حضرت عبداللہ ابن مسعود، حضرت عبداللہ ابن عمر اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم سے اسی طرح نقل کیا گیا ہے۔

فقد سقطت الیمین الخ۔ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے چار ماہ تک ہمبستر نہ ہونیکا حلف کیا تو چار مہینے گذرنے کے بعد یمین کے ساقط ہونیکا حکم ہوگا اس لئے کہ یمین کا جہاں تک معاملہ ہے وہ ایک مخصوص وقت کے ساتھ مؤقت تھی۔ اور وہ معین مدت گذرنے کی بناء پر یمین بھی برقرار نہ رہے گی البتہ یمین کے دائمی ہونے کی صورت میں محض ایک بار عورت پر طلاقِ بائن واقع ہونے سے اسقاطِ یمین نہ ہوگا بلکہ وہ یمین برقرار رہے گی۔

لہٰذا اگر خاوند نے بیوی سے ہمیشہ ہمبستر نہ ہونیکا حلف کرلیا ہو اور پھر مرورِ مدت کے باعث عورت پر طلاقِ بائن پڑ جائے اس کے بعد وہ اس کے ساتھ دوبارہ نکاح کرے اور پھر ہمبستری کے بغیر چار ماہ گذر جائیں تو دوسری مرتبہ طلاق پڑ جائے گی اور اگر ایسا ہو کہ تیسری مرتبہ نکاح کرے اور پھر چار مہینے صحبت کے بغیر گذر جائیں تو اس صورت میں تیسری مرتبہ طلاقِ بائن پڑ جائے گی۔ اب اگر اس نے دوسرے شخص کے ساتھ نکاح اور اس کے بعد ہمبستری، طلاق دینے اور عدت گذرنے کے بعد دوبارہ پہلے خاوند سے نکاح کیا تو اب طلاق تو نہ پڑیگی مگر اس کے ساتھ ہمبستری سے کفارہ کا لزوم ہوگا۔ اسواسطے کہ یمین اب بھی برقرار ہے۔

فان حلف علیٰ اقل الخ ائمہ اربعہ اس پر متفق ہیں کہ ایلاء کی مدت چار ماہ ہے اور اس سے کم میں ایلاء نہیں ہوتا۔

مثال کے طور پر اگر کوئی حلف کرے کہ وہ دو ماہ یا ایک ماہ بیوی سے ہمبستری نہ کریگا تو شرعاً یہ ایلاء نہیں ہوا اور اس پر ایلاء کا حکم مرتب نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر ایلاء کئے بغیر سستی یا غصہ وغیرہ کیوجہ سے چار ماہ تک بیوی سے ہمبستر نہ ہو تو یہ شرعاً ایلاء نہ ہوگا۔ شریعت میں ایلاء سے مراد نفس کو منکوحہ کے پاس چار ماہ یا اس سے زائد جانے سے روکنا ہے لہٰذا اگر کوئی کہے کہ "اگر میں تجھ سے صحبت کروں تو اللہ کیلئے مجھ پر دو رکعات پڑھنی لازم ہیں" تو اسے ایلاء قرار نہ دیں گے۔ فتح القدیر میں اسی طرح ہے۔ اصل اس باب میں یہ ارشادِ ربانی ہے للذین یولون من نسائھم تربص اربعة اشھر فان فاؤا فان اللہ غفور الرحیم وان عزموا الطلاق فان اللہ سمیع علیم (الآیۃ) فان فاؤا کے معنے یہ ہیں کہ اگر بغیر صحبت کئے چار ماہ کی مدت پوری کرنے کا ارادہ ہو۔ حضرت ابن عباس، حضرت علی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے اسی طرح مروی ہے۔

وان حلف بحج او صوم الخ۔ اگر کوئی شخص اس طرح حلف کرے کہ اگر میں تیرے ساتھ ہمبستری کروں تو میرے اوپر واجب ہے کہ میں حج کروں یا روزہ رکھوں یا صدقہ کروں یا غلام حلقۂ غلامی سے آزاد کروں یا طلاق دوں تو اس صورت میں وہ ایلاء کرنیوالا قرار دیا جائے گا۔

وان آلی من المطلقة الرجعیة الخ اگر کوئی شخص اپنی ایسی زوجہ سے ایلاء کرے جسے وہ طلاق رجعی دے چکا ہو تو یہ ایلاء درست ہو جائے گا۔ اس لئے کہ ان کے درمیان رشتۂ نکاح ابھی برقرار ہے۔ اور اگر ایلاء کی مدت گذرنے سے قبل اس کی عدت پوری ہو گئی تو ایلاء کے ساقط ہونیکا حکم کیا جائیگا۔ اسواسطے کہ اب محلیت باقی نہ رہی اور ایسی عورت جسے بائن طلاق دی گئی ہو اس کے ساتھ ایلاء درست نہیں کیونکہ درحقیقت ایلاء کا محل ہی نہیں رہی۔

وان کان المولی مریضًا لا یقدر الخ فرماتے ہیں کہ اگر ایلاء کرنیوالا اپنے مرض کی بناء پر ہمبستری نہ کر سکتا ہو، یا بیوی مریضہ ہو یا ہڈی شرمگاہ میں ابھر آنے کے باعث اس سے ہمبستری نہ ہو سکے، یا اسقدر چھوٹی ہو کہ اس کے ساتھ ہمبستری نہ ہو سکے یا ان کے بیچ اتنی مسافت ہو کہ مدتِ ایلاء میں پہونچنا ممکن نہ ہو تو ان ساری شکلوں میں قولاً رجوع کافی قرار دیا جائے گا۔ مثال کے طور پر یہ کہدے کہ "میں نے اس سے رجوع کر لیا" اس کے کہنے سے ایلاء کے ساقط ہونیکا حکم ہو گا۔ لیکن اگر ایلاء کی مدت کے اندر ہی وہ صحت یاب اور ہمبستری پر قادر ہو جائے تو پھر رجوع بذریعۂ ہمبستری ہو گا۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک رجوع محض بذریعۂ ہمبستری ہوتا ہے۔ امام طحاویؒ اسی کو مختار و راجح قرار دیتے ہیں۔

واذا قال لامرأته انت علی حرامٌ الخ کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے کہ تو مجھ پر حرام ہے تو بشرطِ نیت ایک طلاق بائن واقع ہوگی، اور اگر ظہار کی نیت کرے یا تین طلاق کی یا جھوٹے کی تو حکم نیت کے مطابق ہو گا۔ اور اگر خود پر حرام کرنیکی نیت کرے یا کوئی نیت نہ کرے تو وہ ایلاء ہو گا۔

اور بعض کے نزدیک اگر بیوی سے کہے کہ تو مجھ پر حرام ہے یا کہے کہ ہر حلال مجھ پر حرام ہے تو باعتبارِ عرف بلا نیت طلاق پڑ جائے گی۔ مفتیٰ بہ قول یہی ہے۔

کتاب الخلع

خلع کا بیان

اِذَا تَشَاقَّ الزَّوجَانِ وَخَافَا اَنْ لَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰہِ فَلَا بَأْسَ بِاَنْ تَفْتَدِیَ نَفْسَهَا مِنْهُ

جب شوہر اور بیوی میں نااتفاقی ہو اور انھیں حدود اللہ کو قائم نہ رکھ سکنے کا خطرہ ہو تو اس میں مضائقہ نہیں کہ عورت اپنے نفس کے بدلے

بِمَالٍ یَخْلَعُهَا فَاِذَا فَعَلَ ذٰلِكَ وَقَعَ بِالْخُلْعِ تَطْلِیْقَةٌ بَائِنَةٌ وَلَزِمَهَا الْمَالُ فَاِنْ كَانَ النُّشُوْزُ

کچھ مال سپرد کر کے خلع کر لے۔ اس طرح کر لینے پر بذریعہ خلع طلاق بائن پڑ جائے گی اور عورت پر بدل خلع واجب ہوگا پھر نافرمانی شوہر کیطرف

مِنْ قِبَلِهٖ كُرِهَ لَهٗ اَنْ یَّاْخُذَ مِنْهَا عِوَضًا وَاِنْ كَانَ النُّشُوْزُ مِنْ قِبَلِهَا كُرِهَ لَهٗ اَنْ یَّاْخُذَ

سے ہو تو معاوضۂ خلع لینا مکروہ ہے۔ اور نافرمانی عورت کی جانب سے ہو تو مہر سے بڑھ کر اس سے لینا مکروہ ہے

اَكْثَرَ مِمَّا اَعْطَاهَا فَاِنْ فَعَلَ ذٰلِكَ جَازَ فِی الْقَضَاءِ وَاِنْ طَلَّقَهَا عَلٰی مَالٍ فَقَبِلَتْ وَقَعَ الطَّلَاقُ

اگر وہ ایسا کرلے تو قضاءً درست ہے۔ اور اگر عورت کو مال پر طلاق دے اور عورت قبول کرے تو طلاق

وَلَزِمَهَا الْمَالُ وَكَانَ الطَّلَاقُ بَائِنًا وَاِنْ بَطَلَ الْعِوَضُ فِی الْخُلْعِ مِثْلُ اَنْ یُّخَالِعَ الْمَرْأَةُ

بائن واقع ہوگی اور عورت پر مال کا لزوم ہوگا۔ اور اندرون خلع عوض باطل ہونے پر مثلاً یہ کہ مسلمان عورت شراب

الْمُسْلِمَةُ عَلٰی خَمْرٍ اَوْ خِنْزِیْرٍ فَلَا شَیْءَ لِلزَّوْجِ وَالْفُرْقَةُ بَائِنَةٌ وَاِنْ بَطَلَ الْعِوَضُ فِی الطَّلَاقِ

یا سور کے بدلے خلع کرے تو شوہر کو کچھ نہ ملے گا۔ اور طلاق بائن پڑے گی۔ اور اندرون طلاق عوض باطل ہونے پر طلاق

كَانَ رَجْعِیًّا۔

رجعی پڑے گی۔

تشریح وتوضیح

کتاب الخلع الخ۔ ایلاء سے طلاق بعض اوقات (یعنی مدت ایلاء میں ہمبستر نہ ہونے پر) بلا عوض واقع ہوتی ہے، اور خلع میں طلاق بالعوض ہوتی ہے۔ پس ایلاء طلاق سے زیادہ قریب ہے۔ لہٰذا اسے خلع پر مقدم کیا گیا۔ نیز ایلاء میں نشوز مرد کیطرف سے ہوتا ہے اور خلع میں عورت کیطرف سے۔ لہٰذا خلع کو ایلاء سے مؤخر ہی ہونا چاہئے۔ عنایہ میں اسی طرح ہے۔

خلع، خا کے زبر کے ساتھ اس کے معنیٰ نزع (اتارنے) کے ہیں۔ کہا جاتا ہے "خلع ثوبہ عن بدنہ" اسے نزع (اس نے اپنے بدن سے کپڑے اتارے)۔ اور پیش کے ساتھ کہا جاتا ہے "خالعت المرأۃ خلعًا" (میں نے عورت سے خلع کیا، جبکہ عوض بالمال کی صورت ہو۔ کفایہ میں اسی طرح ہے۔ اصل اس میں یہ ارشاد ربانی ہے "اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌ بِاِحْسَانٍ وَلَا یَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّا اٰتَیْتُمُوْهُنَّ شَیْئًا اِلَّا اَنْ یَّخَافَا اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰہِ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰہِ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَا فِیْمَا افْتَدَتْ بِهٖ (الآیۃ)

وَاِنْ بَطَلَ العِوَضُ الخ ۔ اگر ایسا ہو کہ شوہر و بیوی خلع کریں اور خلع کا عوض جو قرار دیا جائے وہ شرعاً باطل و کالعدم ہو مثال کے طور پر کوئی مسلمہ عورت عوض خلع شراب یا سور قرار دے تو اس صورت میں شوہر کچھ نہ پائیگا ۔ اور طلاق بائن پڑ جائیگی اور اگر طلاق کا عوض باطل ہونیکی صورت میں بجائے طلاق بائن کے طلاق رجعی پڑیگی اور شوہر عوض کا مستحق نہ ہوگا بستحق نہ ہونیکی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں چیزیں بحق مسلم مال ہی نہیں ۔ اور ان کے علاوہ تیسری چیز لازم نہیں کی گئی کہ وہ دی جاتی ۔ امام مالکؒ و امام احمدؒ کے نزدیک بلفظِ خلع دی گئی طلاق رجعی ہوگی ۔ امام زفرؒ کے نزدیک اسے مقررہ مہر دیں گے ۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک مہر مثل دیا جائے گا ۔

تنبیہ :۔ اگر میاں بیوی کے درمیان کشیدگی حد سے بڑھ جائے اور باہمی نباہ اور تعلق زوجیت باقی رکھنا دشوار ہو اور شادی کا مقصد باہمی کشیدگی اور ناخوشگواری کے سبب فوت ہو رہا ہو اور حسنِ معاشرت تلخی کی نذر ہو رہا ہو تو ایسے موڑ پر اس میں شرعاً مضائقہ نہیں کہ خلع کر لیا جائے ۔

وَمَاجَازَ اَنْ یَکُوْنَ مَهْرًا فِی النِّکَاحِ جَازَ اَنْ یَکُوْنَ بَدَلًا فِی الْخُلْعِ فَاِنْ قَالَتْ خَالِعْنِیْ عَلٰی
اور جس شی کا نکاح کے اندر مہر بننا درست ہے تو اس کا خلع میں عوض بننا بھی درست ہے لہٰذا اگر عورت کہے کہ میرے ساتھ خلع
مَا فِیْ یَدِیْ فَخَالَعَهَا وَلَمْ یَکُنْ فِیْ یَدِهَا شَیْئٌ فَلَاشَیْئَ لَهٗ عَلَیْهَا وَاِنْ قَالَتْ خَالِعْنِیْ عَلٰی مَا
اس کے بدلہ کر لے جو میرے ہاتھ میں موجود ہے اور وہ خلع کرلے درانحالیکہ ہاتھ میں کوئی چیز نہ ہو تو خاوند کی عورت پر کوئی چیز واجب ہوگی۔
فِیْ یَدِیْ مِنْ مَالٍ فَخَالَعَهَا وَلَمْ یَکُنْ فِیْ یَدِهَا شَیْئٌ رَدَّتْ عَلَیْهِ مَهْرَهَا وَاِنْ قَالَتْ خَالِعْنِیْ
اور اگر کہے کہ میرے ساتھ اس مال کے بدلہ خلع کرلے جو میرے ہاتھ میں موجود ہے درانحالیکہ اس کے ہاتھ میں کچھ بھی نہ ہو تو عورت شوہر کو اپنا
عَلٰی مَا فِیْ یَدِیْ مِنْ دَرَاهِمَ اَوْ مِنَ الدَّرَاهِمِ فَفَعَلَ وَلَمْ یَکُنْ فِیْ یَدِهَا شَیْئٌ فَلَهٗ
مہر لوٹائیگی اور اگر کہے کہ میرے ہاتھ میں موجود دراہم کے عوض خلع کرلے اور وہ خلع کرلے درانحالیکہ عورت کے ہاتھ میں کچھ بھی نہ ہو تو عورت
عَلَیْهَا ثَلٰثَةُ دَرَاهِمَ وَاِنْ قَالَتْ طَلِّقْنِیْ ثَلٰثًا بِاَلْفٍ فَطَلَّقَهَا وَاحِدَةً فَعَلَیْهَا ثُلُثُ الْاَلْفِ
پر خاوند کو تین دراہم دینے واجب ہونگے ۔ اور اگر کہے کہ مجھے ہزار کے بدلہ تینوں طلاقیں دیدے اور وہ اسے ایک طلاق دے تو ہزار کی
وَاِنْ قَالَتْ طَلِّقْنِیْ ثَلٰثًا عَلٰی اَلْفٍ فَطَلَّقَهَا وَاحِدَةً فَلَاشَیْئَ عَلَیْهَا عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ
تہائی کا وجوب ہوگا ۔ اور اگر کہے کہ ہزار پر تینوں طلاق دیدے اور وہ ایک طلاق دے تو امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس پر کسی چیز کا
اللّٰهُ وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ عَلَیْهَا ثُلُثُ الْاَلْفِ وَلَوْ قَالَ الزَّوْجُ طَلِّقِیْ نَفْسَكِ ثَلٰثًا بِاَلْفٍ
وجوب نہ ہوگا اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک اس پر ہزار کے تہائی کا وجوب ہوگا اور اگر خاوند کہے کہ ہزار کے بدلہ یا ہزار پر
اَوْ عَلٰی اَلْفٍ فَطَلَّقَتْ نَفْسَهَا وَاحِدَةً لَمْ یَقَعْ عَلَیْهَا شَیْئٌ مِنَ الطَّلَاقِ وَالْمُبَارَاَةُ کَالْخُلْعِ
اپنے اوپر تین طلاقیں واقع کرلے پھر وہ ایک طلاق واقع کرے تو اس پر کوئی طلاق نہ پڑیگی اور مبارأۃ خلع کی طرح ہے ۔
وَالْمُبَارَاَةُ وَالْخُلْعُ یُسْقِطَانِ کُلَّ حَقٍّ لِکُلِّ وَاحِدٍ مِنَ الزَّوْجَیْنِ عَلَی الْاٰخَرِ مِمَّا یَتَعَلَّقُ
اور مبارأۃ اور خلع کے ذریعہ شوہر اور بیوی میں سے ہر ایک کا ایک دوسرے پر وہ حق ساقط ہو جاتا ہے جس کا تعلق نکاح

بالنکاح عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ وقال ابو یوسف رحمہ اللہ المبارأۃ تسقط والخلع
سے ہو۔ امام ابو حنیفہؒ یہی فرماتے ہیں۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مبارأۃ سے یہ حق ساقط ہوتا ہے خلع سے نہیں ساقط ہوتا
لا تسقط وقال محمد رحمہ اللہ لا تسقطان الا ما سمیاہ۔
اور امام محمدؒ کے نزدیک ان سے حقوق ساقط نہیں ہوتے لیکن وہی حق جس کا اسقاط دونوں کا معین کردہ ہو۔

لغات کی وضاحت:۔ الخلع: اتارنا، عضو کو جگہ سے ہٹا دینا، مال کی شرط پر جدائی اختیار کرنا۔

خلع کے کچھ اور احکام

تشریح و توضیح وما جاز ان یکون مھرا فی النکاح الخ فرماتے ہیں کہ ہر وہ چیز جس میں یہ صلاحیت ہو کہ وہ نکاح میں مہر بن سکے اسے خلع کا عوض بنانا اور قرار دینا بھی درست ہے۔
اس لئے کہ نکاح کے مانند خلع کی حیثیت بھی ایک طرح کے عقد کی ہے جس کا تعلق بضع سے ہے۔ فرق خلع اور مہر کے درمیان محض اتنا ہے کہ اگر کسی عورت نے عوض خلع شراب یا سور کو قرار دیا تو یہ عوض باطل ہوگا اور خاوند کو اس میں کچھ نہ ملے گا۔ مگر خلع کا جہاں تک تعلق ہے وہ اپنی جگہ درست ہو جائے گا۔ اس کے برعکس نکاح کہ اگر نکاح میں ایسا ہو تو خاوند پر لازم ہوگا کہ وہ مہر مثل کی ادائیگی کرے۔

فان قالت خالعنی علی ما فی یدی الخ اگر ایسا ہو کہ بیوی خاوند سے یہ کہے کہ میں اپنے ہاتھ میں جو کچھ رکھتی ہوں تو اس کے بدلہ میرے ساتھ خلع کرلے جبکہ درحقیقت اس کے ہاتھ میں کوئی بھی چیز نہ ہو تو اس صورت میں خلع تو ہو جائیگا مگر عورت پر عوض کا لزوم نہ ہوگا۔ وجہ یہ ہے کہ یہاں پر عورت نے مال کی تعیین نہیں کی اس لئے کہ لفظ ما کے ذیل میں مال اور غیر مال سب آجاتے ہیں۔ البتہ اگر عورت مثلاً "من مال" کہے اور دراصل اس کے ہاتھ میں کچھ نہ تو اس صورت میں عورت پر مہر کی واپسی لازم ہوگی۔ اس واسطے کہ عورت وضاحت مال کرچکی اور خاوند عوض و بدل کے بغیر اپنی ملکیت ختم کرنے پر رضامند نہ ہوگا۔ اس جگہ مال کے واجب ہونے میں تین احتمالات ہیں (۱) مہر کا وجوب ہو۔ (۲) بضع کی قیمت یعنی مہر مثل کا وجوب ہو۔ (۳) مال مسمّٰی کا وجوب ہو۔ مال مسمّٰی کا وجوب تو مجہول ہونے کی بناء پر ممکن نہیں اور رہ گئی قیمت بضع تو اس کا وجوب اس لئے ممکن نہیں کہ بحالت خروج اس کی قیمت نہیں ہوا کرتی۔ لہٰذا مہر کی تعیین ہوگئی۔ "من دراہم" کہنے کی شکل میں تین درہم دینے لازم ہوں گے۔ وجہ یہ ہے کہ دراہم جمع ہے اور کم سے کم عدد جمع تین ہے۔

وان قالت طلقنی ثلثا بالف الخ اگر عورت شوہر سے کہے کہ مجھے ہزار کے بدلہ تینوں طلاقیں دیدے اور شوہر عورت کی خواہش کے مطابق تین طلاقیں دینے کے بجائے اپنی مرضی کے مطابق ایک طلاق دے تو اس صورت میں اس پر ہزار

کے تہائی کا لزوم ہوگا۔ اور اگر عورت کہے کہ مجھے ہزار پر طلاق دیدے یعنی یہاں لفظ علیٰ استعمال کرے تو اس صورت میں امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس پر کسی چیز کا وجوب نہ ہوگا۔ البتہ امام ابویوسفؒ و امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ہزار کے تہائی کا وجوب ہو جائے گا۔

ولو قال الزوج طلقی نفسك ثلثاً بالف الخ. حاصل یہ ہے کہ شوہر نے عورت کو تین طلاقوں کا اختیار مطلق نہیں دیا بلکہ ہزار کے معاوضہ میں دیا یا پورے ہزار ادا کرنے کی شرط پر دیا لہٰذا وہ بینونت وجدائی پر ہزار حاصل کئے بغیر رضامند نہیں، اور ایک طلاق کی صورت میں یہ ہزار حاصل نہیں ہوں گے بلکہ صرف ہزار کا تہائی ملے گا۔ لہٰذا ایک طلاق شوہر کی تفویض کردہ شمار نہ ہوگی۔ اور عورت کے خود پر ایک طلاق واقع کرنے سے کوئی طلاق واقع ہونیکا حکم نہ ہوگا۔

والمبارأة کالخلع الخ. مبارأۃ کے معنی ایک دوسرے سے بریٔ الذمہ ہونے کے آتے ہیں۔ اس جگہ اس کی شکل یہ ہے کہ بیوی خاوند سے یہ کہے کہ تو مجھ کو اتنے مال کے عوض بریٔ الذمہ کردے اور خاوند اس کی خواہش کے مطابق کہدے کہ میں نے تجھ کو بریٔ الذمہ کیا۔ مبارأۃ اور خلع دونوں کا اثر یہ مرتب ہوتا ہے کہ خاوند و بیوی دونوں میں سے ہر ایک وہ حقوق ایک دوسرے پر سے ختم کر دیتا ہے جس کا وجوب ولزوم نکاح کے باعث ہوتا ہے مثلاً مہر اور نان نفقہ وغیرہ۔ یہاں نکاح سے مقصود وہ ہے کہ مبارأۃ یا خلع اس کے بعد واقع ہو رہا ہو۔ لہٰذا اگر کسی شخص نے اول عورت کو طلاق بائن دیدی اس کے بعد اس سے از سر نو نکاح کر کے نیا مہر متعین کیا۔ اس کے بعد عورت نے خواہش خلع کا اظہار کیا تو اس صورت میں خاوند محض دوسرے نکاح کے مہر سے بریٔ الذمہ شمار ہوگا۔ پہلے نکاح کے مہر سے وہ بریٔ الذمہ نہ ہوگا۔ امام محمدؒ اور امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ بذریعہ مبارأۃ و خلع صرف انھیں حقوق کا اسقاط ہوگا جو خاوند و بیوی کے مقرر و متعین کردہ ہوں اور باقی حقوق ان کے ذمہ برقرار رہیں گے امام ابویوسفؒ خلع کے بارے میں امام محمدؒ کے ہمراہ ہیں اور مبارأۃ کے معاملہ میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے ہمراہ۔ امام محمدؒ کے نزدیک خلع ایک عقد بالعوض کا نام ہے جس کا اثر محض مشروط کے اندر استحقاق کا ہوتا ہے۔ اسی بنا پر اگر شوہر و بیوی میں سے کسی کا دوسرے پر مثلاً قرض واجب ہو تو اسے ساقط قرار نہ دیں گے۔ امام ابویوسفؒ کے نزدیک مبارأۃ کا تقاضہ اگرچہ یہ ہے کہ دونوں طرف سے برات ہو مگر اس جگہ اس کی تقیید مع الحقوق کریں گے۔ اس لئے کہ بذریعہ مبارأۃ شوہر و بیوی کا مقصود حقوقِ معاشرت سے برات ہوا کرتا ہے۔ دوسرے اُن حقوق سے بری الذمہ ہونے کا ارادہ نہیں ہوتا جن کا لزوم معاملہ کے باعث ہوا کرتا ہے۔

كتاب الظهار

ظہار کا بیان

اذا قال الرجل لامرأته انتِ عليَّ كظهر امي فقد حرمت عليه لا يحل له وطيها

جب شوہر اپنی بیوی سے کہے کہ تو میرے اوپر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے تو بیوی اس پر حرام ہو جائے گی اور نہ اس کا اس سے

وَلا مَسُّهَا وَلا تقبيلها حتى يكفر عن ظهاره فان وطئها قبل ان يكفر استغفر الله ولا شئ
ہمبستر ہونا حلال ہوگا اور نہ اسے چھونا اور نہ اس کا بوسہ لینا حتیٰ کہ وہ کفارۂ ظہار کی ادائیگی کردے بس اگر کفارہ دینے سے قبل صحبت کرلے تو استغفار
عليه غير الكفارة الأولى ولا يعاود حتى يكفر والعود الذي يجب به الكفارة هو ان
کرے اور کفارۂ ظہار کے علاوہ اس پر کچھ واجب نہ ہوگا اور کفارہ ادا کرنے سے قبل دوبارہ ہمبستری نہ کرے اور عود جو کفارہ کا سبب ہے وہ قصد
يعزم على وطئها وإذا قال انت على كبطن امي او كفخذها او كفرجها فهو مظاهر و
صحبت ہے ۔ اور اگر کہے کہ تو میرے اوپر میری ماں کے شکم یا ران یا اس کی شرمگاہ کی طرح ہے تو اس سے ظہار ثابت ہوجائیگا
كذلك ان شبهها بمن لا يحل له النظر اليها على سبيل التابيد من محارمه مثل اخته او عمته
ایسے ہی اسے محارم کے ایسے اعضاء سے تشبیہ دینا کہ انھیں دیکھنا دائمی حرام ہو ، مثلاً ہمشیرہ یا پھوپھی یا
او امه من الرضاعة وكذلك ان قال راسك على كظهر امي او فرجك او وجهك
رضاعی ماں (کے اعضاء سے تشبیہ) اور ایسے ہی اگر کہے کہ تیرا سر میرے اوپر میری ماں کی پشت کی مانند ہے یا تیری شرمگاہ یا تیرا چہرہ
او رقبتك او نصفك او ثلثك وان قال انت على مثل امي يرجع الى نيته فان قال
یا تیری گردن یا تیرا آدھا یا تیرا تہائی (میری ماں کی پشت کی طرح ہے) اور اگر کہے کہ تو میرے اوپر میری ماں کی طرح ہے تو حکم اسکی نیت کی
اردت به الكرامة فهو كما قال وان قال اردت الظهار فهو ظهار وان قال
جانب لوٹیگا اگر وہ کہتا ہو کہ میرا قصد بزرگی (و بڑائی) کا تھا تو حکم اسکے کہنے کے مطابق ہوگا اور اگر کہے کہ میں نے ظہار کا ارادہ کیا تھا تو ظہار ہوجائیگا۔
اردت الطلاق فهو طلاق بائن وان لم تكن له نية فليس بشئ ولا يكون الظهار
اور اگر کہے کہ میں نے قصد طلاق کیا تھا تو طلاق بائن پڑجائیگی اور اگر وہ اس سے کسی طرح کی نیت نہ کرے تو کچھ بھی واقع نہ ہوگا اور ظہار محض اپنی
الا من زوجته فان ظاهر من امته لم يكن مظاهرا ومن قال لنسائه انتن على
زوجہ سے ہوتا ہے بس باندی سے ظاہر کرنے پر ظہار کرنے والا شمار نہ ہوگا ۔ اور جو شخص اپنی کئی بیویوں سے کہے کہ تم میرے اوپر
كظهر امي كان مظاهرا من جميعهن وعليه لكل واحدة منهن كفارة ۔
میری ماں کی پشت کی مانند ہو تو وہ تمام سے ظہار کرنیوالا ہوگا اور اس پر ہر ایک کی جانب سے کفارۂ ظہار لازم ہوگا ۔

لغت کی وضاحت :۔ الظہار : ایک دوسرے سے دور ہونا ۔ ایک دوسرے کی مدد کرنا ۔ ظہر : پیٹھ ۔ بطن : پیٹ ۔ فخذ : ران ۔

ظہار کا بیان

تشریح و توضیح

اذا قال الرجل الخ ۔ شرعاً ظہار یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی سے اس طرح کہے کہے کہ تو میرے اوپر ماں کی پشت کی طرح ہے ، یا محارم کے کسی اور ایسے عضو سے

تشبیہ دے جسے دیکھنا حرام ہو۔ اس تشبیہ کی حیثیت دراصل حرمت ظاہر کرنے کے لطیف استعارہ کی ہے۔ لہٰذا اس طرح کہنے سے کہنے والا مظاہر قرار دیا جائے گا۔ اور اس کا حکم یہ ہے کہ جس وقت تک کفارۂ ظہار ادا نہیں کریگا بیوی کے ساتھ ہمبستر ہونا اور اسے چھونا یا بوسہ لینا جو دواعی صحبت اور ہمبستری پر آمادہ کرنیوالے افعال شمار ہوتے ہیں جائز نہ ہوں گے۔ حضرت امام شافعیؒ کے قول جدید کیمطابق اور حضرت امام احمدؒ کی ایک روایت کی رو سے دواعی صحبت اس کیلئے حرام نہ ہوں گے۔ اس لئے کہ آیت کریمہ میں جو لفظ "تمَاسَا" آیا ہے یہ کنایہ صحبت سے ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ تماس کے معنے دراصل ہاتھ سے چھونے کے آتے ہیں، اور جب حقیقی معنے لئے جاسکتے ہیں تو پھر معنیٔ مجازی پر محمول کرنے کی احتیاج نہیں۔

اصل اس بارے میں سورۂ مجادلہ کی "قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ" سے "فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا" تک آیات ہیں۔ یہ آیات اس وقت نازل ہوئیں جب حضرت اوس بن صامتؓ نے اپنی اہلیہ سے ظہار کیا اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں اپنے شوہر کی شکایت کرتی ہوئی آئیں۔ ابوداؤد اور ابن ماجہ وغیرہ میں ان کا واقعہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

فان وطئہا قبل ان یکفر الخ۔ اگر ایسا ہو کہ کفارہ سے قبل ہی اپنی بیوی کے ساتھ ہمبستری کرلے تو اس کا حکم یہ ہے کہ اس ہمبستری پر استغفار کرے اور فقط کفارہ کی ادائیگی کردے۔ کفارہ کے علاوہ ہمبستری کا جو گناہ ہوا اس پر الگ سے کچھ واجب نہ ہوگا اور محض استغفار کافی ہوگا۔

والعود الذی یجب بہ الکفارۃ الخ۔ فرماتے ہیں کہ عود جو کہ کفارہ کا سبب ہے وہ قصدِ صحبت ہے اور اس صورت میں صرف ظہار ہی ثابت ہوتا ہے، یعنی خواہ نیت کرے یا نہ کرے ظہار ہی ہوگا، اسے طلاق یا ایلاء قرار نہ دیں گے۔

وان لم تکن لہ نیۃ الخ۔ یعنی اگر کوئی شخص "انتِ علیّ مثل امّی" کہہ کر کوئی نیت کرے یعنی طلاق یا ظہار کی جو بھی نیت کرے حکم اس کی نیت کے مطابق ہوگا۔ لیکن اگر وہ نیت ہی کا سرے سے انکار کرتے ہوئے کہے کہ میری اس جملہ سے اور اس طرح کہنے سے کسی طرح کی نیت ہی نہ تھی تو اس صورت میں امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک اس کا کلام لغو کلام کے زمرے میں داخل ہوگا اور اس پر کوئی حکم مرتب نہ ہوگا۔ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ظہار ہوجائے گا اس لئے کہ جب ماں کے کسی عضو سے تشبیہ دینا داخل ظہار قرار دیا گیا تو پورے کے ساتھ تشبیہ کو بدرجۂ اولیٰ ظہار شمار کیا جائیگا۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ اس کے کلام میں اجمال ہے اور اس لئے اس کے واسطے ناگزیر ہے کہ وہ اپنا مقصد بیان کرے۔

ولا یکون الظہار الا من زوجتہ الخ۔ یہاں صاحبِ کتاب ایک ضابطہ یہ بیان فرمارہے ہیں کہ عند الاحنافؒ ظہار محض اپنی بیوی سے درست ہے۔ کوئی اگر اپنی باندی یا ام ولد سے ظہار کرے تو وہ درست نہ ہوگا۔ حضرت امام مالکؒ کے نزدیک درست ہوگا مگر ان کے قول کے مقابلہ میں ظہار کی آیات ہیں۔ کہ آیت میں "من نسائہم" آیا ہے اور باعتبار عرف نساء کا اطلاق بیویوں پر کیا جاتا ہے، باندیوں پر نہیں۔

انتن علیّ کظہر امّی الخ۔ اگر کسی شخص کی کئی بیویاں ہوں اور وہ ان تمام بیویوں سے کہے "انتن علیّ کظہر امّی"

(تم میرے اوپر میری ماں کی پشت کی مانند ہو) تو اس صورت میں وہ ان تمام سے ظہار کرنیوالا قرار دیا جائے گا۔ اور اس پر لازم ہوگا کہ ہر ایک کا الگ الگ کفارہ ادا کرے۔ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ہر ایک کا الگ الگ کفارہ دینے کی ضرورت نہیں، محض ایک کفارہ سب کی طرف سے کافی ہوگا۔ انھوں نے دراصل اسے ایلاء پر قیاس کیا ہے کہ جس طریقہ سے ایلاء میں اگر کسی شخص نے یہ حلف کیا کہ میں اپنی بیویوں سے ہمبستر نہ ہوں گا اور پھر ان میں سے کسی ایک کے ساتھ ہمبستری کرلی تو محض ایک کفارہ کی ادائیگی پر اس کیواسطے ساری عورتیں حلال ہو جائیں گی۔

احنافؒ فرماتے ہیں کہ حرمت کا جہاں تک تعلق ہے وہ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ثابت ہے اور کفارہ کا مقصد یہی ہے کہ اس کے ذریعہ یہ حرمت زائل ہو، پھر جب حرمت کے اندر تعدد ہے تو کفارہ میں بھی تعدد ہوگا اور ایک کفارہ سب کے لئے کافی نہ ہوگا۔ اس کے برعکس ایلاء، کہ اس کے اندر اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک کی حفاظت کی خاطر وجوب کفارہ ہے۔ اور اس میں تعدد نہیں۔

وَكَفَّارَةُ الظِّهَارِ عِتْقُ رَقَبَةٍ فَإِنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَإِطْعَامُ

اور کفارۂ ظہار یہ ہے کہ ایک غلام آزاد کرے اور اگر غلام آزاد نہ کر سکے تو دو مہینہ کے مسلسل روزہ رکھے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو ساٹھ

سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا كُلُّ ذٰلِكَ قَبْلَ الْمَسِيْسِ وَيُجْزِئُ فِي الْعِتْقِ الرَّقَبَةُ الْمُسْلِمَةُ وَالْكَافِرَةُ

مساکین کو کھانا کھلائے۔ یہ تمام ہمبستری سے قبل ہو۔ اور ایک غلام آزاد کرنا کافی ہوگا غلام خواہ مسلمان ہو یا کافر

وَالذَّكَرُ وَالْأُنْثٰى وَالصَّغِيْرُ وَالْكَبِيْرُ وَلَا يُجْزِئُ الْعَمْيَاءُ وَلَا مَقْطُوْعَةُ الْيَدَيْنِ أَوِ الرِّجْلَيْنِ

اور مرد ہو یا عورت اور چھوٹا ہو یا بڑا۔ اور نابینا غلام اور دونوں ہاتھ یا دونوں پاؤں کٹا ہوا غلام کافی نہ ہوگا۔

وَيَجُوْزُ الْأَصَمُّ وَلَا يَجُوْزُ مَقْطُوْعُ إِبْهَامَيِ الْيَدَيْنِ وَلَا يَجُوْزُ الْمَجْنُوْنُ الَّذِي لَا يَعْقِلُ

اور اونچا سننے والا غلام کافی ہوگا اور دونوں ہاتھوں کے کٹے ہوئے انگوٹھوں والا جائز نہ ہوگا۔ اور لایعقل دیوانے اور مدبر

وَلَا يَجُوْزُ عِتْقُ الْمُدَبَّرِ وَأُمِّ الْوَلَدِ وَالْمُكَاتَبِ الَّذِي أَدّٰى بَعْضَ الْمَالِ فَإِنْ

اور ام ولد اور اس مکاتب کا بطور کفارہ آزاد کرنا جس نے کچھ حصۂ مال ادا کیا ہو جائز نہ ہوگا۔

أَعْتَقَ مُكَاتَبًا لَمْ يُؤَدِّ شَيْئًا جَازَ فَإِنِ اشْتَرٰى أَبَاهُ أَوِ ابْنَهُ يَنْوِيْ بِالشِّرَاءِ الْكَفَّارَةَ

اور اگر ایسے مکاتب کو آزاد کرے جس نے ابھی بدلِ کتابت ادا ہی نہ کیا ہو تو درست ہے۔ اور اپنے باپ یا بیٹے کو کفارہ کی نیت سے خریدا تو

جَازَ عَنْهَا وَإِنْ أَعْتَقَ نِصْفَ عَبْدٍ مُشْتَرَكٍ وَضَمِنَ قِيْمَةَ بَاقِيْهِ فَأَعْتَقَهُ لَمْ يُجْزِ

کفارہ ادا ہو جائے گا اور اگر مشترک غلام میں سے نصف غلام آزاد کرے اور غلام کی باقی قیمت کا ضامن بن جائے اسکے بعد اسے آزاد

عِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَإِنْ أَعْتَقَ نِصْفَ عَبْدِهٖ عَنْ كَفَّارَةٍ ثُمَّ أَعْتَقَ بَاقِيَهُ

کرے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک درست نہ ہوگا اور اگر بطور کفارہ اپنا آدھا غلام آزاد کرے اس کے بعد باقی بھی کفارہ میں

عَنْهَا جَازَ وَاِنْ اَعْتَقَ نِصْفَ عَبْدِهٖ عَنْ كَفَّارَتِهٖ ثُمَّ جَامَعَ الَّتِیْ ظَاهَرَ مِنْهَا ثُمَّ
آزاد کردے تو درست ہے اور اگر اپنے نصف غلام کو بطور کفارہ آزاد کرے پھر ظہار کردہ عورت سے ہمبستری کرلے اس کے بعد
اَعْتَقَ بَاقِیَهٗ لَمْ یَجُزْ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ۔
باقی ماندہ غلام آزاد کرے تو امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ درست نہیں۔

لغات کی وضاحت: عتق: آزادی۔ عَتَقَ۔ ضَرَبَ سے: آزاد ہونا۔ صفت عتیق۔ رقبۃ: مملوک غلام مجازاً کہا جاتا ہے "ہم غلاظ الرقاب" (وہ سخت اور سرکش لوگ ہیں)۔

ظہار کے کفّارہ کا ذکر

تشریح و توضیح: وَکفارۃ الظھار الخ۔ ظہار کا کفارہ یہ بتایا گیا کہ ایک غلام کو حلقۂ غلامی سے آزاد کیا جائے۔ احنافؒ کے نزدیک یہ غلام خواہ مسلمان ہو یا کافر اور بالغ ہو یا نابالغ اور مذکر ہو یا مؤنث (عورت) سب یکساں ہیں۔ اور ان میں سے کسی کو بھی بطور کفارۂ ظہار آزاد کرنا درست ہے۔ امام مالکؒ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اگر بطور کفارۂ ظہار کافر غلام کو آزاد کیا گیا تو درست نہ ہوگا، اور اس سے کفارہ ادا نہ ہوگا۔ اس لئے کہ کفارہ حق اللہ ہے تو اسے عدو اللہ پر صرف کردینا درست نہ ہوگا۔ جس طرح کہ زکوٰۃ کا مال کافر کو دینا درست نہیں۔

احنافؒ کے نزدیک آیت کریمہ میں جو لفظ رقبہ آیا ہے وہ مطلقاً ہے، اس میں مسلمان غلام کی تخصیص نہیں اور اس کا مصداق ہر وہ ذات قرار دی جاسکتی ہے جو ہر لحاظ سے مملوک ہو۔ اور یہ بات کافر رقبہ میں بھی پائی جاتی ہے۔ لہٰذا اسے ایمان کی قید سے مقید کرنا یہ کتاب اللہ پر اضافہ ہے جو درست نہیں۔ رہ گئی کفارہ کے حق اللہ ہونے کی بات، تو آزاد کرنے کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ حلقۂ غلامی سے آزاد ہونے والا اپنے آقا سے متعلق خدمتوں سے سبکدوش ہو جائے اور طاعتِ ربانی میں لگے۔ اب اگر وہ آزاد ہونے کے بعد بھی اسی کفر پر برقرار رہے اور دائرۂ اسلام میں داخل ہو کر اطاعتِ ربانی بجا نہ لائے تو اسے اس کے سوءِ اعتقاد پر محمول کریں گے۔

وَلَا یجزی العمیاء الخ۔ بطور کفارہ ایسا غلام دینا جائز نہیں جس کی جنس منفعت برقرار نہ رہی ہو۔ مثال کے طور پر نابینا غلام یا ایسا غلام جس کے دونوں ہاتھ یا دونوں پاؤں کٹ گئے ہوں یا ہاتھوں یا پاؤں کے دونوں انگوٹھے کٹے ہوئے ہوں، یا ایک ہاتھ اور ایک پاؤں ایک ہی جانب سے کٹے ہوئے ہوں، یا ایسا دیوانہ جسے کسی وقت ہوش ہی نہ آئے۔ علاوہ ازیں مدبر، ام ولد اور ایسے مکاتب کو بطور کفارہ آزاد کرنا جائز نہیں جو کچھ بدلِ کتابت ادا کر چکا ہو۔

فان اعتق مکاتبا لم یود شیئا جاز الخ. فرماتے ہیں کہ اگر بطور کفارہ ایسے مکاتب غلام کو حلقۂ غلامی سے آزاد کیا جائے جس نے ابھی بدلِ کتابت کچھ بھی ادا نہ کیا ہو تو یہ عند الاحناف درست ہے۔ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام زفرؒ اسے درست قرار نہیں دیتے۔ اس لئے کہ عقدِ کتابت کے باعث اسے آزاد ہونے کا استحقاق ہو چکا۔ احناف فرماتے ہیں کہ جہاں تک محلِ ملکیت اور محلِ رقیت کا معاملہ ہے یہ دونوں الگ الگ ہیں۔ اس لئے کہ محلِ ملکیت میں بمقابلۂ رقیت عموم ہے۔ پس ملکیت تو آدمی کے علاوہ دوسری چیزوں میں بھی ثابت ہوتی ہے مگر رقیت ثابت نہیں ہوتی۔ علاوہ ازیں بواسطۂ بیع ملکیت ختم ہو جاتی ہے اور اس کے برعکس رقیت ختم نہیں ہوتی۔ اور عقدِ کتابت کا جہاں تک تعلق ہے اس کے باعث بملکیتِ مکاتب تو کمی واقع ہوتی ہے مگر رقیت میں نہیں۔ ابوداؤد شریف میں روایت ہے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس وقت تک مکاتب پر بدلِ کتابت کوئی بھی چیز باقی ہو اس وقت تک مکاتب غلام ہی رہے گا۔ لہٰذا مکاتب کو حلقۂ غلامی سے آزاد کرنا درست ہوگا۔

فان اشتری اباہ الخ۔ اگر ایسا ہو کہ کوئی شخص اپنے کسی قریبی رشتہ دار مثلاً باپ وغیرہ کو کفارہ ادا کرنیکے قصد سے خریدے تو کفارہ کی ادائیگی ہو جائے گی۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور امام زفرؒ کے نزدیک کفارہ کی ادائیگی نہ ہوگی۔

وان اعتق نصف عبد مشترک الخ: اس کی صورت یہ ہے کہ کسی غلام کی ملکیت میں دو آدمی شریک ہوں اور پھر ان میں سے ایک اپنے حصہ کو بطور کفارہ آزاد کر دے اور باقی آدھے غلام کی جو قیمت ہو اس کا برائے شریک ضامن بن جائے اور اسے بھی آزاد کر دے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایسا کرنا درست نہیں۔ امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ آزاد کرنیوالیکے مالدار ہونیکی صورت میں درست ہے۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک اندرونِ اعتاق تجزی نہیں ہوا کرتی۔ اور کسی بھی جزء کو آزاد کرنے سے سارا ہی آزاد ہو جائیگا۔ اب اگر آزاد کرنیوالا مالدار ہوگا تو وہ حصۂ شریک کا ضامن بن جائے گا اور یہ آزاد کرنا عوض کے بغیر اور درست ہوگا۔ اور مفلس ہونے پر وہ غلام حصۂ شریک میں سعی کرے گا۔ اور یہ آزادی عوض کے ساتھ ہونے کی بناء پر درست نہ ہوگی۔

وان اعتق نصف عبدہ الخ۔ اگر کوئی شخص اپنے نصف غلام کو بطور کفارہ آزاد کرے اس کے بعد ہمبستری سے قبل باقی بھی بطور کفارہ آزاد کر دے تو درست ہوگا اور کفارہ کی ادائیگی ہو جائے گی۔ اس لئے کہ یہاں اگرچہ آزاد کرنا دو کلاموں سے ہوا مگر رقبہ کاملہ آزاد کیا گیا، پس کفارہ کی ادائیگی ہو گئی۔ اور اگر ایسا ہو کہ باقی آدھا آزاد کرنے سے قبل ہمبستری کر لے تو کفارہ کی ادائیگی نہ ہوگی۔ اس واسطے کہ غلام صحبت سے قبل آزاد کرنا ناگزیر ہے اور اس جگہ ہمبستری آزاد کرنے سے پہلے ہوئی۔

فَاِنْ لَّمْ یَجِدِ الْمُظَاهِرُ مَا یُعْتِقُهٗ فَکَفَّارَتُهٗ صَوْمُ شَهْرَیْنِ مُتَتَابِعَیْنِ لَیْسَ فِیْهِمَا شَهْرُ رَمَضَانَ وَلَا

اگر ظہار کرنیوالا غلام آزاد نہ کر سکتا ہو تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ وہ دو ماہ کے پے در پے روزے رکھے اور یہ دو مہینے ایسے ہوں کہ ان میں

يَوْمُ الفطرِ وَلَا يَوْمُ النحرِ وَلَا أيَّامُ التَّشريق فَإنْ جَامَعَ الَّتِي ظَاهَرَ مِنْهَا فِي خِلَالِ الشَّهْرَيْنِ
رمضان کا مہینہ اور عید الفطر و عید الاضحیٰ کے دن اور ایام تشریق نہ آئیں۔ اگر جس سے ظہار کیا تھا اس سے ان دو ماہ کے بیچ میں رات
لَيْلًا عَامِدًا أوْ نَهَارًا نَاسِيًا إسْتَأنَفَ عِنْدَ أبِي حنيفة وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللهُ وَإنْ أفْطَرَ يَوْمًا
میں قصداً یا دن میں سہواً ہمبستری کرے تو امام ابوحنیفہؒ و امام محمدؒ کے نزدیک از سرِ نو روزہ رکھے گا اور اگر ان دونوں
مِنْهَا بِعُذْرٍ أوْ بِغَيْرِ عُذْرٍ إسْتَأنَفَ وَإنْ ظَاهَرَ العَبْدُ لَمْ يُجْزِهِ فِي الكَفَّارَةِ إلَّا الصَّوْمُ فَإنْ
میں سے کسی دن عذر کے باعث یا بغیر عذر افطار کرے تو نئے سرے سے روزہ رکھے اور اگر غلام ظہار کرے تو اس کیلئے بطور کفارہ روزہ ہی ہوگا۔
أعْتَقَ المَوْلَى أوْ أطْعَمَ عَنْهُ لَمْ يُجْزِهِ وَإنْ لَمْ يَسْتَطِعِ المُظَاهِرُ الصِّيَامَ أطْعَمَ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا
پھر اگر آقا آزاد کردے یا اس کی جانب سے کھانا کھلادے تو اسے کافی قرار نہ دیں گے اور اگر ظہار کرنیوالا روزہ رکھنے پر قادر نہ ہو تو ساٹھ مساکین
لِكُلِّ مِسْكِيْنٍ نِصْفُ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ أوْ صَاعٌ مِنْ تَمْرٍ أوْ شَعِيْرٍ أوْ قِيْمَةُ ذٰلِكَ فَإنْ غَدَّاهُمْ وَ
کو کھانا کھلائے ہر مسکین کیلئے آدھا صاع گندم یا ایک صاع کھجور یا جَو یا ان کی قیمت ۔ اگر انھیں صبح و شام
عَشَّاهُمْ جَازَ قَلِيْلًا كَانَ مَا أكَلُوْا أوْ كَثِيْرًا وَإنْ أطْعَمَ مِسْكِيْنًا وَاحِدًا سِتِّيْنَ يَوْمًا أجْزَأهُ
کھلائے تو اسے بھی درست قرار دیں گے خواہ وہ کم کھاتے ہوں یا زیادہ اور اگر ساٹھ روز تک ایک مسکین کو کھلائے تو اسے بھی کافی
وَإنْ أعْطَاهُ فِي يَوْمٍ وَاحِدٍ طَعَامَ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا لَمْ يُجْزِهِ إلَّا عَنْ يَوْمِهِ فَإنْ قَرُبَ الَّتِي
قرار دیں گے اور اگر ایک مسکین کو ایک ہی روز میں ساٹھ مساکین کا کھانا دیدے تو یہ صرف ایک دن کا شمار ہوگا۔ اور اگر ظہار کردہ عورت
ظَاهَرَ مِنْهَا فِي خِلَالِ الإطْعَامِ لَا يَسْتَأنِفُ وَمَنْ وَجَبَ عَلَيْهِ كَفَّارَتَا ظِهَارٍ فَأعْتَقَ رَقَبَتَيْنِ
سے کھانا کھلانے کے بیچ میں ہی قربت کرے تو کھانے میں استیناف نہ ہوگا۔ اور جس پر ظہار کے دو کفاروں کا وجوب ہو اور وہ دونوں ظہاروں
لَا يَنْوِي عَنْ إحْدَاهُمَا بِعَيْنِهَا جَازَ عَنْهُمَا وَكَذٰلِكَ إنْ صَامَ أرْبَعَةَ أشْهُرٍ أوْ أطْعَمَ
میں سے کسی ایک کی متعین طور پر نیت کئے بغیر دو غلام آزاد کردے تو وہ دونوں کی جانب سے ہوجائیںگے اور ایسے ہی اگر چار مہینے روزے رکھے
مِائَةً وَعِشْرِيْنَ مِسْكِيْنًا جَازَ وَإنْ أعْتَقَ رَقَبَةً وَاحِدَةً أوْ صَامَ شَهْرَيْنِ كَانَ لَهُ أنْ
یا ایک سو بیس مساکین کو کھانا کھلائے تو درست ہے اور اگر ایک غلام کو آزاد کرے یا دو مہینے کے روزے رکھے تو یہ حق حاصل ہوگا کہ دونوں
يَجْعَلَ ذٰلِكَ عَنْ أيِّهِمَا شَاءَ۔
میں سے جس ظہار کیلئے چاہے متعین کردے۔

لغات کی وضاحت: شہر: مہینہ۔ متتابعین: لگاتار، پے درپے۔ خلال: بیچ۔ عامداً: ارادۃً و قصداً۔ ناسیاً: بھول کر۔ استأنف: دوبارہ۔ شعیر: جَو۔ قلیل: کم۔

تشریح و توضیح: فان لم یجد المظاھر الخ: فرماتے ہیں کہ اگر ظہار کرنے والے میں اتنی استطاعت اور قدرت نہ ہو کہ وہ غلام آزاد کرسکے اور اس کا افلاس اس میں رکاوٹ بن رہا

ہو تو پھر اسے چاہئے کہ بجائے غلام آزاد کرنے کے دو مہینے کے مسلسل اور پے در پے روزے رکھے۔ کفارہ سے متعلق آیت میں متتابعین یعنی پے در پے کی شرط موجود ہے۔ اور یہ دو ماہ اس طرح کے ہوں کہ ان کے بیچ میں نہ تو رمضان شریف کا مہینہ آرہا ہو اور نہ عیدین کے دن اور ایام تشریق آرہے ہوں۔ کہ عیدین اور تشریق کے دنوں میں روزے رکھنے کی ممانعت ہے، اگر رکھے گا تو ناقص ہوں گے اور اس پر کامل روزوں کا وجوب ہوا ہے اور کامل روزوں کی ادائیگی ناقص سے نہ ہوگی۔

فان جامع التی ظاھر منھا الخ۔ اگر ایسا ہو کہ ظہار کرنے والا دو ماہ کے پے در پے روزے رکھنے کے درمیان قصداً یا سہواً ظہار کردہ عورت سے ہمبستری کر بیٹھے تو امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اس پر واجب ہوگا کہ وہ نئے سرے سے اور دوبارہ روزہ رکھے۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہمبستری شب میں کی ہو تو از سرنو کی احتیاج نہ ہوگی۔ اس لئے کہ بوقتِ شب ہمبستری سے روزہ میں کوئی فساد نہیں آتا لہٰذا اس کے روزوں کی ترتیب بدستور باقی رہے گی۔ علاوہ ازیں روزے ہمبستری سے قبل ہونے چاہئیں۔ استیناف اور دوبارہ روزے رکھنے کو ضروری قرار دینے کی صورت میں سارے روزوں کے ہمبستری کے بعد ہونے اور ان کے مؤخر ہونے کا لزوم ہوگا۔ اس کے برعکس استیناف نہ ہونے پر بعض روزوں کا مؤخر ہونا لازم آئیگا۔ پس بہتر یہ ہے کہ استیناف نہ ہو۔ امام ابوحنیفہؒ و امام محمدؒ کے نزدیک جس طریقہ سے از روئے نص یہ شرط ہے کہ روزے ہمبستری سے قبل ہوں۔ ٹھیک اسی طریقہ سے یہ بھی شرط ہے کہ وہ ہمبستری سے خالی ہوں۔ پس اگر تقدیم کی شرط برقرار نہ رہی تو کم سے کم دوسری شرط تو برقرار رہنی چاہئے اور اس پر عمل ہونا چاہئے۔

لیلاً عامداً الخ۔ یہاں مع اللیل میں جو عمد کی قید لگائی گئی ہے اتفاقی قرار دی جائے گی، قید احترازی نہیں۔ اسلئے کہ معتبر کتابوں میں اس کی وضاحت ہے کہ بوقتِ شب ہمبستری قصداً اور سہواً کا حکم یکساں ہے۔

وان ظاھر العبد الخ۔ یعنی جب غلام اپنی بیوی سے ظہار کرے تو اس کا کفارہ محض روزے ہوں گے۔ نہ غلام آزاد کرنا اس کا کفارہ ہوگا اور نہ کھانا کھلانا۔ کیونکہ غلام کسی چیز کا مالک نہیں اور اس کے ہاتھ اور اس کی دسترس میں جو کچھ ہے وہ آقا کی ملک ہوگا اور آقا اسے روزے رکھنے سے نہیں روکے گا کیونکہ اس سے عورت کا حق متعلق ہے۔

وان اطعم مسکینا واحداً الخ۔ فرماتے ہیں کہ اگر ایک ہی مسکین شخص کو ساٹھ روز تک کھلاتا رہے اور نئے مسکینوں کو نہ کھلائے تب بھی کافی ہو جائے گا اور اس کے کفارہ کی ادائیگی ہو جائے گی۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک یہ ناگزیر ہے کہ متفرق ساٹھ مساکین کو کھلائے۔ اس لئے کہ آیت کریمہ میں "ستین مسکینا" فرمایا ہے۔

احنافؒ فرماتے ہیں کہ کھانا کھلانے سے مقصود ضرورت مند کی ضرورت کو پورا کرنا ہے اور اندرونِ حاجت ہر دن تجدد ہے یعنی ہر روز آدمی کو کھانے کی احتیاج ہوتی ہے۔ لہٰذا ہر روز ایک محتاج و مسکین کو کھلانے کی حیثیت گویا ہر دن نئے محتاج و مسکین کو کھلانے کی ہے۔ البتہ اگر ایک ہی دن میں دو ماہ کا غلہ دیدیا جائے تو درست نہ ہوگا مگر اسی ایک دن کا۔ اس لئے کہ اس صورت میں نہ حقیقی اعتبار سے تفریق ہے اور نہ حکم کے اعتبار سے۔ اس کی صورت ٹھیک اس طرح کی ہوگئی کہ جس طرح کوئی حاجی سات کنکریوں کی رمی الگ الگ کرنے کے

کے بجائے ساتوں کنکریاں بیک وقت اور ایک دفعہ مارے تو یہ بجائے سات کے ایک ہی کی رمی قرار دی جائیگی۔
ومَن وجبَ علیہِ کفارتاظہارٍ الخ۔ اگر کسی شخص پر ظہار کے دو کفاروں کا وجوب ہوا اور وہ اس طرح کرے کہ دونوں ظہاروں میں سے کسی ایک کی تعیین کئے بغیر دو غلام حلقۂ غلامی سے آزاد کردے، یا یہ کہ وہ چار مہینے کے روزے رکھے، یا بلاتعیین ایک سو بیس مساکین کو کھانا کھلادے تو اتحادِ جنس کی وجہ سے یہ صورت درست ہے اور اس طرح دونوں ظہاروں کا کفارہ ادا ہو جائے گا۔
وَانْ اعتق رقبۃً واحدۃً الخ۔ اگر کسی کے ذمہ دو ظہار کے کفارے ہوں اور وہ پھر ایک غلام حلقۂ غلامی سے آزاد کرے یا دو مہینے کے روزے رکھے تو اسے یہ حق ہوگا کہ دونوں ظہاروں میں سے جس ظہار کا چاہے اسے کفارہ شمار کرے۔

کتابُ اللِّعَانِ

لعان کا بیان

اذا قذفَ الرّجلُ امرأتَہٗ بالزنا وھما من اھلِ الشھادۃِ وَالمرأۃُ ممّن یُحدُّ قاذِفُھا اَوْ
جب مرد اپنی بیوی کو زنا سے متہم کرے اور مرد و عورت دونوں میں شہادت (گواہی) کی اہلیت ہوا اور وہ عورت ایسی ہو کہ جس پر تہمت
نفی نسبَ ولدِھا وطالبتہٗ بموجبِ القذفِ فعلیہِ اللعانُ فان امتنعَ منہُ حبسَہُ الحاکمُ حتّٰی
لگانیوالے پر حد کا نفاذ ہوتا ہو یا اسکے بچہ کے نسب کا انکار کرے اور عورت تہمت لگانیکے باعث حدِ قذف کا مطالبہ کرے تو شوہر پر لعان واجب ہوگا۔
یُلاعِنَ اَوْ یکذِّبَ نفسَہٗ فیُحدَّ فان لاعنَ وَجبَ علیھا اللعانُ فان امتنعت حبسھا الحاکمُ
پس اگر شوہر لعان کا انکار کرے تو حاکم اسے قید میں ڈالدیگا یہانتک کہ لعان کرے یا خود کو جھٹلائے تو اس پر حدِ قذف کا نفاذ ہوگا مرد اگر لعان کرے تو لعان
حتّٰی تلاعِنَ اَوْ تصدِّقَہٗ وَاِذا کانَ الزوجُ عبدًا اَوْ کافرًا اَوْ محدُودًا فی قذفٍ فقذفَ
کا وجوب عورت پر بھی ہوگا پس اگر عورت لعان نہ کرے تو حاکم اسے قید میں ڈالدے حتیٰ کہ وہ لعان کرے یا اسکی تصدیق کرے اور اگر خاوند غلام ایا کافر ہو
امرأتَہٗ فعلیہِ الحدُّ وَاِن کانَ الزوجُ مِن اھلِ الشھادۃِ وَھی اَمَۃٌ اَوْ کافرۃٌ اَوْ
یا تہمت کے باعث اس پر حدِ زنا نافذ ہو چکی ہو اور وہ اپنی زوجہ کو متہم کرے تو اس پر حد کا نفاذ ہوگا اور اگر خاوند میں شہادت کی اہلیت ہو اور زوجہ
محدودۃٌ فی قذفٍ اَوْ کانت مِمّن لا یُحدُّ قاذِفُھا فلاحدَّ علیہِ فی قذفِھا وَلا لعانَ
باندی یا کافرہ ہو یا حد کے باعث اس پر حد کا نفاذ ہوا ہو یا ایسی ہو کہ اسے متہم کرنیوالے پر حد کا نفاذ نہ ہوتا ہو تو اسے متہم کرنے پر نہ حد کا نفاذ ہوگا
وَصفۃُ اللعانِ اَن یبتدِئَ القاضی بالزوجِ فیشھدُ اَربعَ مرّاتٍ یقولُ فی کلِّ مرّۃٍ اشھدُ
اور نہ لعان۔ لعان کی شکل یہ ہے کہ قاضی شوہر سے آغاز کرے اور وہ چار مرتبہ شہادت دے، ہر مرتبہ کہے کہ میں اللہ کو گواہ بناتا
باللّٰہِ اِنّی لمِنَ الصّادقینَ فیما رمیتُھا بہٖ مِنَ الزنا ثمّ یقولُ فی الخامسۃِ لعنۃُ اللّٰہِ
ہوں کہ میں زنا کی نسبت عورت کیطرف کرنے میں سچا ہوں اور پانچویں مرتبہ کہے کہ اس پر اللہ کی لعنت، اگر وہ انتسابِ

عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكَاذِبِيْنَ فِيْمَا رَمَاهَا بِهٖ مِنَ الزِّنَا يُشِيْرُ اِلَيْهَا فِيْ جَمِيْعِ ذٰلِكَ ثُمَّ تَشْهَدُ
زنا میں جھوٹا ہو۔ ہر مرتبہ کہتے وقت بیوی کی جانب اشارہ کرتا رہے۔ اس کے بعد عورت چار
الْمَرْأَةُ اَرْبَعَ شَهَادَاتٍ تَقُوْلُ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ اَشْهَدُ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكَاذِبِيْنَ فِيْمَا رَمَانِيْ
مرتبہ شہادت دے اور ہر مرتبہ کہے کہ میں اللہ کو گواہ بناتی ہوں کہ وہ زنا کی نسبت میری طرف کرنے میں
بِهٖ مِنَ الزِّنَا وَتَقُوْلُ فِي الْخَامِسَةِ غَضَبُ اللّٰهِ عَلَيْهَا اِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِيْنَ فِيْمَا رَمَانِيْ بِهٖ
جھوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ کہے اللہ کا غضب اس پر (عورت پر) اگر وہ میری جانب انتساب زنا میں سچا ہو۔
مِنَ الزِّنَا وَاِذَا الْتَعَنَا فَرَّقَ الْقَاضِيْ بَيْنَهُمَا وَكَانَتِ الْفُرْقَةُ تَطْلِيْقَةً بَائِنَةً عِنْدَ اَبِيْ
پھر دونوں کے لعنت کر چکنے کے بعد قاضی دونوں کے درمیان تفریق کردے۔ اور امام ابوحنیفہؒ و امام محمدؒ کے نزدیک
حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ يَكُوْنُ تَحْرِيْمًا مُؤَبَّدًا وَاِنْ كَانَ
یہ علیحدگی طلاق بائن ہوگی اور امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ یہ تحریم ابدی ہوگی۔ اور اگر بچہ کو اپنا
الْقَذْفُ بِوَلَدٍ نَفَى الْقَاضِيْ نَسَبَهٗ وَاَلْحَقَهٗ بِاُمِّهٖ فَاِنْ عَادَ الزَّوْجُ وَاَكْذَبَ نَفْسَهٗ حَدَّهُ الْقَاضِيْ
ثابت نہ کرکے تہمت لگائے تو قاضی بچہ کے نسب کا الحاق اس سے کرنیکے بجائے اسکی ماں سے کردے۔ پھر اگر شوہر پلٹ جائے اور خود کو
وَحَلَّ لَهٗ اَنْ يَتَزَوَّجَهَا وَكَذٰلِكَ اِنْ قَذَفَ غَيْرَهَا فَحُدَّ بِهٖ اَوْ زَنَتْ فَحُدَّتْ ـــــ
جھٹلائے تو قاضی اسپر حد کا نفاذ کریگا اور اس کیلئے اس سے نکاح کرنا حلال ہوگا اور ایسے ہی اگر کسی دوسرے کو تہمت لگائے اور اس پر حد کا نفاذ ہو یا
عورت زنا کی مرتکب ہو اور اس پر حد نافذ ہو جائے۔

لِعَان کا بیان

تشریح و توضیح

كتاب اللعان الخ۔ لِعَان، لام کے زیر کے ساتھ مصدر ہے لاعَنَ کا۔ اور شرعًا ان مؤکد شہادتوں کا نام ہے جو لعنت کی حامل ہوں۔ اصل اس میں یہ ارشاد ربانی ہے "وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَاءُ اِلَّا اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الصَّادِقِيْنَ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَا اِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِيْنَ"۔ یہ آیات اس کی نشاندہی کرتی ہیں کہ لعان بیوی پر زنا کی تہمت لگانے کے باعث ہوتا ہے۔ اور اجنبیہ عورت پر تہمت لگانے سے حد کا وجوب ہوتا ہے۔

بحر الرائق وغیرہ میں ہے کہ لعان کی شرط یہ ہے کہ زوجہ بنکاح صحیح ہو۔ اگر عورت زوجیت میں بنکاح فاسد داخل ہوئی ہو تو اس سے لعان درست نہ ہوگا۔ نیز اگر عورت کو طلاق بائن دیدی ہو خواہ ایک ہی کیوں نہ دی ہو اس سے لعان کرنا صحیح نہ ہوگا۔ البتہ اگر مطلقہ رجعیہ ہو تو اس سے لعان درست ہے۔ نیز اس میں آزاد عاقل بالغ اور مسلمان ہونا شرط ہے اور یہ بھی شرط ہے کہ تہمت کی بنا پر حد نہ لگی ہو۔

فانْ لاعَنَ الخ. اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ لعان کی ابتدار شوہر کی طرف سے ہوگی. حتیٰ کہ اگر عورت لعان کی ابتدار کرے تو اس کا اعادہ کیا جائے گا تاکہ مشروع ترتیب برقرار رہے. بحرالرائق میں اسی طرح بیان کیا گیا۔

اوکافرًا الخ. اس پر یہ اشکال کیا جاتا ہے کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ شوہر کافر اور عورت مسلمہ ہو. اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے دونوں کافر ہوں پھر عورت اسلام قبول کرلے اور پھر شوہر پر اسلام پیش کئے جانے سے قبل وہ عورت پر تہمت لگائے. بنایہ میں اسی طرح ہے. یعنی کافر شوہر بیوی کو متہم کرے یا شوہر ایسا ہو کہ اس پر تہمت لگانے کے باعث حد کا نفاذ ہوچکا ہو، تو ایسے شوہر پر حد کا نفاذ ہوگا. اور اگر ایسا ہو کہ شوہر کا شمار تو اہل شہادت میں ہوتا ہو اور اس کے برعکس عورت باندی ہو یا کافرہ یا جس پر تہمت لگانے کے باعث حد کا نفاذ ہوچکا ہو یا ایسی ہو کہ اس پر تہمت لگانے سے تہمت والے پر حد کا نفاذ نہ ہوتا ہو تو اسے متہم کرنے میں نہ حد کا نفاذ ہوگا اور نہ لعان کا حکم ہوگا.

وَاذا التعنا فرّق القاضی الخ. یعنی زوجین کے لعان کے بعد قاضی پر واجب ہے کہ ان دونوں کے درمیان میں تفریق کردے. جیساکہ روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عویمر العجلانی رضی اللہ عنہ اور انکی بیوی کے درمیان دونوں کے لعان کے بعد تفریق فرمائی. بخاری شریف وغیرہ میں یہ روایت موجود ہے. اس میں اس کیطرف بھی اشارہ ہے کہ محض لعان سے تفریق ثابت نہیں ہوتی، بلکہ حاکم کی تفریق ان کے درمیان ضروری ہے. لہٰذا اگر کوئی میاں بیوی میں سے لعان کے بعد اور حاکم کی تفریق کرنے سے قبل مرجائے تو میراث جاری ہوگی۔ امام زفرؒ امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک محض لعان ہی کے باعث جدائی واقع ہوجائے گی. یہ حضرات ظاہر حدیث سے استدلال فرماتے ہیں. حدیث میں ہے "المتلاعنان لایجتمعان" (لعان کرنیوالے کبھی اکٹھا نہ ہوں گے) یہ حدیث دارقطنی اور بیہقی میں موجود ہے. اس کا جواب یہ دیا گیا کہ مراد عدم اجتماع سے یہ ہے کہ تفریق کئے جانے کے بعد اکٹھے نہ ہوں گے. اور اس سے اس کی نشاندہی ہوتی ہے کہ تفریق صرف لعان سے واقع نہیں ہوتی. صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عویمر العجلانی رضی اللہ عنہ نے لعان کے بعد عرض کیا. اے اللہ کے رسول! میں نے اس پر جھوٹ بولا. اگر اسے روکے رکھا پس انھوں نے اس عورت کو تین طلاقیں دیں. اگر نفس لعان سے ہی تفریق ہوجاتی اور نکاح برقرار نہ رہتا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم حضرت عویمرؓ کے طلاق واقع کرنے پر نکیر فرماتے. آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سکوت اس کی دلیل ہے کہ وہ عورت وقوع طلاق کا محل تھی، اور اس پر طلاق واقع کرنا درست تھا. امام شافعیؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ شوہر کے لعان سے عورت کے لعان سے پہلے ہی تفریق حاصل ہوجاتی ہے. عورت پر حاکم کی تفریق کے بعد طلاق بائن واقع ہوجائے گی اور حاکم کی تفریق بائنہ طلاق کے حکم میں ہوگی. امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک لعان کرنیوالے کو اس سے دوبارہ نکاح کرنا درست ہے اور امام زفرؒ، امام ابویوسفؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک درست نہیں۔

وَانْ قذفَ امرأتہٗ وھی صغیرۃٌ او مجنونۃٌ فلا لعانَ بینھما ولا حدَّ وَ قذفُ

اور اگر اپنی ایسی بیوی کو متہم کرے جو کہ بہت کم عمر (نابالغہ) ہو یا پاگل ہو تو ان کے درمیان نہ لعان ہوگا اور نہ نفاذ حد،

الْأَخْرَسِ لَا يَتَعَلَّقُ بِهِ اللِّعَانُ وَإِذَا قَالَ الزَّوْجُ لَيْسَ حَمْلُكِ مِنِّي فَلَا لِعَانَ وَإِنْ قَالَ زَنَيْتِ

اور گونگے کے متہم کرنے سے لعان نہ ہوگا اور اگر شوہر کہے کہ تو مجھ سے حاملہ نہیں ہے۔ تو لعان نہ ہوگا اور اگر کہے کہ تو نے زنا کا

وَهٰذَا الْحَمْلُ مِنَ الزِّنَا تَلَاعَنَا وَلَمْ يَنْفِ الْقَاضِي الْحَمْلَ مِنْهُ وَإِذَا نَفَى الرَّجُلُ وَلَدَ

ارتکاب کیا اور یہ زنا کا حمل ہے تو دونوں کے درمیان لعان ہوگا اور قاضی شوہر سے حمل کی نفی نہیں کریگا اور اگر شوہر بچہ کی پیدائش

امْرَأَتِهِ عَقِيْبَ الْوِلَادَةِ أَوْ فِي الْحَالِ الَّتِي تُقْبَلُ التَّهْنِئَةُ فِيْهِمَا وَتُبْتَاعُ لَهُ آلَةُ

کے بعد انکار کرے یا قبول مبارکباد کے وقت، یا اسباب ولادت کی خریداری کے وقت انکار

الْوِلَادَةِ صَحَّ نَفْيُهُ وَلَاعَنَ بِهِ وَإِنْ نَفَاهُ بَعْدَ ذٰلِكَ لَاعَنَ وَيَثْبُتُ النَّسَبُ وَقَالَ

کرے تو اس کا انکار صحیح ہوگا اور وہ لعان کریگا۔ اور اس کے بعد انکار کرنے پر لعان کریگا اور بچہ اسی سے ثابت النسب ہوگا اور

أَبُوْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ يَصِحُّ نَفْيُهُ فِي مُدَّةِ النِّفَاسِ وَإِنْ وَلَدَتْ وَلَدَيْنِ

امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک بچہ کا انکار نفاس کی مدت کے اندر درست ہوگا۔ اور اگر جڑواں بچوں میں سے

فِي بَطْنٍ وَاحِدٍ فَنَفَى الْأَوَّلَ وَاعْتَرَفَ بِالثَّانِي ثَبَتَ نَسَبُهُمَا وَحُدَّ الزَّوْجُ إِنِ اعْتَرَفَ

پہلے کا انکار اور دوسرے کا اقرار کرے تو دونوں اسی سے ثابت النسب ہوں گے اور شوہر پر حد کا نفاذ ہوگا اور اگر جڑواں میں

بِالْأَوَّلِ وَنَفَى الثَّانِي ثَبَتَ نَسَبُهُمَا وَلَاعَنَ۔

میں سے پہلا بچہ اپنا قرار دے اور دوسرے کا انکار کرے تو دونوں اسی سے ثابت النسب ہونگے اور لعان لازم ہوگا۔

لغات کی وضاحت: قذف: تہمت۔ مجنونۃ: پاگل۔ الاخرس: گونگا۔ عقیب: بعد۔

لعان سے متعلق کچھ اور احکام

تشریح و توضیح: وقذف الاخرس الخ۔ اگر میاں بیوی میں سے کوئی ایک گونگا ہو اور وہ بذریعہ اشارہ متہم کرے تو لعان نہیں ہوگا، کیونکہ لعان حدِ قذف کے قائم مقام ہے۔ لہٰذا یہ صریح نطق و تکلم سے متعلق ہوگا۔ اور گونگا ہونیکی صورت میں مراد ومفہوم کے عدم تیقن اور شبہ کی بنا پر لعان کے ساقط ہونیکا حکم ہوگا۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اشارہ کیواسطے سے گونگوں کے دوسرے تصرفات طلاق وغیرہ جس طرح درست ہوتے ہیں۔ ٹھیک اسیطرح بذریعہ اشارہ متہم کرنا بھی درست ہونا چاہئے۔ احنافؒ فرماتے ہیں کہ لعان کا جہاں تک تعلق ہے اس میں لفظ شہادت کی حیثیت رکنِ لعان کی ہے یہاں تک کہ اگر کسی نے لفظ اشہد چھوڑ کر مثلاً احلف کہا تو درست نہ ہوگا اور گونگا اس کا تلفظ نہیں کرسکتا، پس لعان بھی درست نہ ہوگا۔ ایسے ہی اگر شوہر زوجہ سے کہے کہ تیرا یہ حمل مجھ سے نہیں تو محض حمل کی نفی سے لعان نہ ہوگا اور حاکم حمل کی نفی نہ کرتے ہوئے اس کے قول کو

لغو قرار دیگا۔ کیونکہ اس میں احتمال ہے کہ حمل نہ ہو بلکہ نفخ ہو، اور پانی وغیرہ بھرا ہو جس سے حمل کا شبہ ہو رہا ہو۔ امام ابو یوسفؒ وامام محمدؒ کے نزدیک بچہ کے چھ ماہ سے پہلے ہونے پر لعان ہوگا۔

تقبل التهنئة الخ۔ یعنی اگر شوہر قبولِ مبارکبادی کے وقت بچہ کا انکار کرے تو انکار صحیح ہوگا۔ اور ان کے درمیان لعان ہوگا۔ مبارکبادی کا وقت تین دن بتایا گیا ہے اور ایک روایت کی رو سے سات دن ہے اور امام ابو یوسفؒ وامام محمدؒ کے نزدیک مدتِ نفاس ہے۔

وان ولدت ولدین الخ۔ اگر دو جڑواں بچے پیدا ہوں اور ان میں سے شوہر پہلے کا انکار کرے اور دوسرے کا اقرار تو اس پر حد کا نفاذ ہوگا کیونکہ اس کے محض اس اقرار نے کہ دوسرا بچہ اس کا ہے۔ اس کی تکذیب کر دی کہ پہلا بچہ اس کا نہیں۔ اس لئے کہ دونوں کی ایک ہی پانی (منی) سے تخلیق ہوئی ہے۔ لہٰذا وہ بیوی پر تہمت لگانیوالا شمار ہوگا۔ اور اس کے عکس کی شکل میں لعان ہوگا اور دونوں شکلوں میں بچے اسی سے ثابت النسب ہوں گے۔

كِتَابُ الْعِدَّةِ

عدت کا بیان

إِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ إِمْرَأَتَهُ طَلَاقًا بَائِنًا أَوْ رَجْعِيًّا أَوْ وَقَعَتِ الْفُرْقَةُ بَيْنَهُمَا بِغَيْرِ طَلَاقٍ

جب خاوند اپنی زوجہ کو بائن یا رجعی طلاق دیدے یا ان کے درمیان فرقت بلا طلاق واقع ہو جائے

وَهِيَ حُرَّةٌ مِمَّنْ تَحِيضُ فَعِدَّتُهَا ثَلٰثَةُ أَقْرَاءٍ وَالْأَقْرَاءُ الْحِيَضُ وَإِنْ كَانَتْ لَا تَحِيضُ

دراں حالیکہ عورت آزاد ہو تو حائضہ کی عدت تین حیض ہیں اور اگر یہ ان میں سے ہو جنھیں حیض نہ آتا ہو کم

مِنْ صِغَرٍ أَوْ كِبَرٍ فَعِدَّتُهَا ثَلٰثَةُ أَشْهُرٍ وَإِنْ كَانَتْ حَامِلًا فَعِدَّتُهَا أَنْ تَضَعَ

عمری یا زیادہ عمر کے باعث تو اس کی عدت تین مہینے ہوگی اور عدتِ حاملہ وضع حمل ہے

حَمْلَهَا وَإِنْ كَانَتْ أَمَةً فَعِدَّتُهَا حَيْضَتَانِ وَإِنْ كَانَتْ لَا تَحِيضُ فَعِدَّتُهَا شَهْرٌ وَنِصْفٌ

اور باندی ہونے پر اس کی عدت دو حیض ہوگی اور اگر یہ ان میں سے ہو جسے حیض آتا ہو تو اسکی عدت ایک مہینہ اور پندرہ روز ہوگی۔

تشریح و توضیح

كتاب العدّة الخ۔ عین کے زیر اور دال کی تشدید کے ساتھ اس سے مراد ہے "رکنا" اور شرعاً اس سے مراد وہ انتظار ہے جو عورت پر نکاح ختم ہونے کے بعد لازم ہوتا ہے۔ عورت پر لازم ہونے کی قید لگا کر مرد کے تربص سے احتراز مقصود ہے۔ جیسے کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دیدے تو اس کیلئے اس کی بہن سے اس کی عدت کے دوران نکاح جائز نہیں لیکن شرعاً اس کا نام عدت نہیں۔

وَهِيَ حُرَّةٌ الخ۔ آزاد عورت کی قید لگا کر باندی سے احتراز مقصود ہے کیونکہ اس کی عدت دو حیض ہیں۔ مسلمہ کی قید نہ لگانے سے مقصود یہ ہے کہ کتابیہ اور کافرہ بھی اسی حکمِ عدت میں داخل ہیں۔ اور اگر "تحیض" کی لگا کر نابالغہ سے احتراز مقصود ہے کیونکہ اس کی عدت مہینوں کے اعتبار سے ہوتی ہے۔

فعدتها ثلثة اقراء الخ۔ یہ حکم اس صورت میں ہے کہ جب عورت حقیقۃً یا حکماً (بوجہ خلوتِ صحیحہ) مدخولہ ہو اور عدت صرف مدخولہ ہی پر واجب ہوتی ہے۔ پھر اصل عدتِ طلاق میں یہ ارشادِ ربانی ہے "والمطلقات يتربصن بانفسهن ثلثة قروء" (الآیۃ) قروء کی تعیین مراد میں اختلاف ہے۔ قُروء: قاف کے پیش کے ساتھ قَرء کی جمع ہے۔ یہ نام حیض اور طہر کے درمیان مشترک ہے۔ بعض نے قروء سے مراد طہر لیکر عدت تین طہر قرار دی۔ امام شافعیؒ اور ان کے اصحاب اور امام مالکؒ یہی فرماتے ہیں۔

احنافؒ نے صحابہؓ کے جمِ غفیر اور اکثر کا اتباع کیا۔ ان صحابہ میں خلفاءِ راشدین رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں۔ ان صحابہؓ کے نزدیک قروء سے مراد حیض ہے۔ مسلکِ احناف کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے کہ باندی کے لئے دو طلاقیں ہیں اور اس کے قروء دو حیض ہیں۔ یہ روایت ابو داؤد، ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہ میں موجود ہے۔

وان كانت امة فعدتها حيضتان الخ۔ حدیث شریف میں ہے کہ باندی کی عدت دو حیض ہیں۔ اور حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے کہ اگر میں یہ کر سکتا کہ عدت باندی کی ایک حیض اور نصف کر دوں تو کر دیتا۔ یہ حکم تو حائضہ کے بارے میں ہے لیکن اگر باندی ایسی ہو کہ اسے حیض نہ آتا ہو خواہ کم عمری کی بناء پر یا زیادہ عمر ہو جانے کے باعث تو اس صورت میں اس کی عدت اسی طرح کی آزاد عورت سے نصف ہوگی یعنی ڈیڑھ ماہ۔ رہ گئی حاملہ تو خواہ آزاد عورت ہو یا باندی دونوں کی عدت وضعِ حمل ہے کیونکہ آیتِ مبارکہ مطلقاً حاملہ کی عدت وضعِ حمل بتائی گئی ہے۔

وَاِذَا مَاتَ الرَّجُلُ عَنْ اِمْرَاتِهِ الْحُرَّةِ فَعِدَّتُهَا اَرْبَعَةُ اَشْهُرٍ وَعَشَرَةُ اَيَّامٍ وَاِنْ كَانَتْ
اور جب آزاد عورت کے خاوند کا انتقال ہو جائے تو چار مہینے دس دن اس کی عدت ہے اور باندی ہو تو

اَمَةً فَعِدَّتُهَا شَهْرَانِ وَخَمْسَةُ اَيَّامٍ وَاِنْ كَانَتْ حَامِلًا فَعِدَّتُهَا اَنْ تَضَعَ حَمْلَهَا
اسکی عدت دو مہینے پانچ دن۔ اور حمل ہو تو اس کی عدت وضعِ حمل ہوگی

وَاِذَا وَرِثَتِ الْمُطَلَّقَةُ فِي الْمَرَضِ فَعِدَّتُهَا اَبْعَدُ الْاَجَلَيْنِ وَاِنْ اُعْتِقَتِ الْاَمَةُ فِي
اور مطلقہ کے مرض الموت میں وارث ہونے پر اس کی عدت دو مدتوں میں سے جو زیادہ بعید ہو وہ ہوگی اور طلاقِ رجعی

عِدَّتِهَا مِنْ طَلَاقٍ رَجْعِيٍّ اِنْتَقَلَتْ عِدَّتُهَا اِلَى عِدَّةِ الْحَرَائِرِ وَاِنْ اُعْتِقَتْ وَهِيَ مَبْتُوتَةٌ
کی عدت کے اندر باندی کو آزاد کر دیا جائے تو اس کی عدت بدل کر آزاد عورتوں کی سی ہو جائے گی اور اگر بائنہ ہونیکی صورت

اَوْ مُتَوَفًّى عَنْهَا زَوْجُهَا لَمْ تَنْتَقِلْ عِدَّتُهَا اِلَى عِدَّةِ الْحَرَائِرِ وَاِنْ كَانَتْ آئِسَةً فَاعْتَدَّتْ
میں وہ آزاد کی گئی یا یہ کہ اس کے خاوند کا انتقال ہو گیا ہو تو اس کی عدت بدل کر آزاد عورتوں کی سی نہ ہوگی اور اگر آئسہ مہینوں سے

بالشهور ثم رأت الدم انتقض ما مضى من عدتها وكان عليها ان تستانف العدة
عدت گذارنے والی کو خون نظر آئے تو گذری ہوئی عدت ختم ہو جائے گی اور وہ نئے سرے سے حیضوں کے اعتبار سے عدت
بالحيض والمنكوحة نكاحا فاسدا او الموطوءة بشبهة عدتهما الحيض في الفرقة
گذاریگی۔ اور نکاح فاسد والی منکوحہ اور شبہ میں ہمبستری شدہ عورت بصورتِ فرقت و موت دونوں بذریعۂ حیض عدت
والموت واذا مات مولى أم الولد عنها او اعتقها فعدتها ثلث حيض واذا مات
گذاریں گی اور جب ام ولد کے آقا کا انتقال ہو جائے یا وہ اسے آزادی عطا کر دے تو عدت تین ماہواریاں ہونگی اور اگر حاملہ عورت
الصغير عن امرأته وبها حبل فعدتها ان تضع حملها فان حدث الحبل بعد
کا نابالغ شوہر مر جائے تو وضعِ حمل اس کی عدت ہوگی ۔ اور انتقال کے بعد حمل ظاہر ہونے پر چار
الموت فعدتها اربعة اشهر وعشرة ايام واذا طلق الرجل امرأته في حال الحيض
مہینے دس دن اس کی عدت ہوگی ۔ اور اگر کوئی شخص اپنی زوجہ کو اس کی ماہواری کی حالت میں طلاق دے
لم تعتد بالحيضة التي وقع فيها الطلاق واذا وطئت المعتدة بشبهة فعليها عدة
تو جس حیض کے دوران طلاق دی وہ شمار نہ ہوگا ۔ اور معتدہ عورت کے ساتھ اگر شبہہ میں ہمبستری کر لی گئی تو اس پر
أخرى وتداخلت العدتان فيكون ما تراه من الحيض محتسبا منهما جميعا واذا انقضت
ایک دوسری عدت لازم ہوگی اور ایک عدت کا دوسری عدت میں تداخل ہو جائیگا لہٰذا اسے جو حیض نظر آئیگا وہ دونوں عدتوں میں شمار ہوگا اور اگر
العدة الاولى ولم تكمل الثانية فعليها إتمام العدة الثانية وابتداء العدة في
پہلی عدت گذر گئی ہو اور دوسری عدت کی تکمیل نہ ہوئی ہو تو وہ دوسری عدت پوری کرے گی اور طلاق کے اندر آغاز عدت
الطلاق عقيب الطلاق وفي الوفاة عقيب الوفاة فان لم تعلم بالطلاق او الوفاة حتى
طلاق کے بعد سے ہوا کرتا ہے ۔ اور وفات کے اندر بعد انتقال ۔ لہٰذا اگر اسے مدتِ عدت گذرنے تک طلاق یا وفات کی خبر نہ
مضت مدة العدة فقد انقضت عدتها والعدة في النكاح الفاسد عقيب التفريق
ہوئی ہو تو اس کی عدت مکمل ہوگئی ۔ اور اندرونِ نکاح فاسد عدت کا آغاز دونوں میں جدائی ہونے یا ہمبستری کرنیوالے
بينهما او عزم الواطي على ترك وطئها ۔
کے ہمبستری ترک کرنے کے قصد کے بعد سے ہوتا ہے ۔

لغات کی وضاحت: اربعة : چار ۔ اشهر ۔ شہر کی جمع : مہینے ۔ خمسة : پانچ ۔ الحبل : مدت ۔ الحرائر ۔ حرۃ کی جمع : آزاد عورتیں ۔ الآئسة : زیادہ عمر کیوجہ سے جو حیض سے مایوس ہو چکی ہو ۔ الحبل : حمل ۔ عقيب : بعد ۔ الواطي : ہمبستری کرنے والا ۔

انتقال کی عدت وغیرہ کا ذکر

تشریح وتوضیح

وَاِذا مات الرجلُ عن امرأتہا الخ۔ جس عورت کا خاوند وفات پا جائے اس کی مدت عدت چار مہینے دس روز ہیں اس سے قطع نظر کہ عورت سے ہمبستری ہو چکی ہو یا نہ ہو چکی ہو اور بالغہ ہو یا نابالغہ اور وہ مسلمان ہو یا کتابیہ۔ ارشادِ ربانی ہے "وَالذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا یتربصن بانفسہن اربعۃ اشہر وعشرا" (الآیۃ)۔ (اور جو لوگ تم میں سے وفات پا جاتے ہیں اور بیویاں چھوڑ جاتے ہیں وہ بیویاں اپنے آپ کو (نکاح وغیرہ سے) روک رکھیں چار مہینے اور دس دن)۔ نیز بخاری ومسلم میں حضرت ام عطیہؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کسی عورت کیلئے جائز نہیں کہ وہ کسی میت کا سوگ تین روز سے زیادہ کرے البتہ شوہر کا سوگ چار ماہ دس روز ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک عورت کے مدخولہ کتابیہ ہونیکی صورت میں اس کے اوپر محض رحم کا استبراء لازم ہے اور مدخولہ نہ ہونیکی صورت میں کسی چیز کا وجوب نہیں۔

وَاِذا ورثت المطلقۃ الخ۔ مرض الموت میں مبتلا شخص اگر اپنی بیوی کو تین طلاق دیدے پھر مرجائے اور وہ ابھی عدت میں ہی ہو تو عدتِ وفات اور عدتِ طلاق میں سے جسکی مدت زیادہ ہو احتیاطاً اسی کے گذارنیکا حکم ہوگا۔

حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام ابو یوسفؒ اس کی عدت تین ماہوار قرار دیتے ہیں۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ جب نکاح کا بقاء وراثت کے حق کے اعتبار سے ہے تو از روئے احتیاط اسکے حق عدت بھی برقرار رکھا جائیگا۔ یہ ساری تفصیل طلاقِ مغلظہ یا طلاقِ بائن دینے کی صورت میں ہے، اور طلاق رجعی کی صورت میں متفقہ طور پر اس کی عدت چار مہینے دس روز قرار دیجائے گی۔

وان اعتقت الامۃ فی عدتہا الخ۔ یعنی اگر کوئی شخص اپنی ایسی بیوی کو جو کہ باندی ہو طلاق رجعی دیدے اور ابھی وہ عدت ہی میں ہو کہ اس کا آقا اسے حلقۂ غلامی سے آزاد کردے تو اس صورت میں اس کی عدت آزاد عورت کی سی تین حیض ہو جائے گی۔ اور اگر عدتِ وفات یا عدتِ طلاقِ بائن میں سے کوئی سی گذار رہی ہو اور پھر اسے حلقۂ غلامی سے آزاد کردیا جائے تو وہی باندی والی عدت برقرار رہے گی۔ سبب ظاہر ہے کہ طلاقِ رجعی کے اندر تو نکاح تا اختتام عدت برقرار رہتا ہے۔ اور اس کے برعکس وفاتِ شوہر اور طلاقِ بائن کے باعث نکاح برقرار نہیں رہتا۔

وَاِن کانت اٰئسۃ فاعتدت بالشھور الخ۔ آئسہ وہ عورت کہلاتی ہے جو ایسی عمر کو پہنچ چکی ہو جس میں حیض آنا بند ہو جاتا ہے۔ ایسی عورت اگر مہینوں کے ذریعہ عدت پوری کر رہی تھی کہ خون نظر آگیا تو اس صورت میں جتنی عدت وہ گذار چکی ہو وہ کالعدم ہو جائے گی اور باعتبارِ حیض نئے سرے سے عدت گذارے گی۔

وَالمنکوحۃ نکاحًا فاسدًا الخ۔ فرماتے ہیں کہ ایسی عورت کہ جس کے ساتھ نکاح فاسد طریقہ سے ہوا ہو مثال کے طور پر نکاح گواہوں کے بغیر ہو گیا ہو یا کسی عورت کے ساتھ شبہ کے باعث ہمبستری کرلی گئی ہو تو ان دونوں کا حکم یہ ہے کہ یہ خواہ عدتِ وفات ہو یا عدتِ فرقت باعتبارِ حیض پوری کریں گی اور اسی طریقہ سے اگر ام ولد کے آقا کا انتقال ہو جائے

یا وہ اسے حلقۂ غلامی سے آزاد کردے تو اس کی عدت بھی تین ہی ماہواری ہوگی۔

وَاِذَا مَاتَ الصَّغِیْرُ عَنِ امْرَاتِہٖ الخ۔ کسی نابالغ کی بیوی حمل سے ہو اور نابالغ وفات پا جائے تو امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اس کی عدت وضع حمل ہوگی۔ اور امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک اس کی عدت چار مہینے دس دن ہوگی کیونکہ نابالغ سے استقرار حمل نہیں ہو سکتا اور عورت کا حمل اس سے ثابت النسب نہ ہوگا۔ تو اس کی صورت ایسی ہوگئی کہ گویا عورت کا استقرار حمل نابالغ شوہر کے وفات پا جانے کے بعد ہو۔ یعنی اس کے انتقال کے چھ مہینے یا چھ ماہ سے زیادہ میں وہ بچہ کو جنم دے کہ اس شکل میں اجماعاً اسکے اوپر عدت وفات لازم ہوگی۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ "وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُہُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَہُنَّ" مطلقاً ہے۔ اس سے قطع نظر کہ یہ حمل خاوند سے ہو یا خاوند کے علاوہ سے اور عدت طلاق یا عدت انتقال۔ اس کے اندر کوئی تفصیل نہیں کی گئی۔

وَاِذَا وُطِئَتِ الْمُعْتَدَّۃُ الخ۔ کسی عدت گذارنیوالی عورت سے ہمبستری شبہہ کے باعث کرلی جائے۔ مثال کے طور پر یہ عورت بستر پر ہو اور کوئی شخص اسے اس کی زوجہ قرار دے اور وہ اسے اپنی بیوی سمجھتے ہوئے ہمبستری کرلے یا کسی عدت گذارنیوالی سے نکاح کرلے اور نکاح کرنیوالے کو اسکی عدت کے اندر ہونیکا علم نہ ہو تو اس صورت میں اس عورت پر ایک اور عدت کا وجوب ہوگا اور دونوں عدتوں کا ایک دوسرے میں تداخل ہو جائیگا۔ اور دوسری عدت کے وجوب کے بعد نظر آنیوالا حیض دونوں عدتوں کا قرار دیا جائے گا۔ اور اگر عدت اول کی تکمیل ہوگئی ہو تو اس صورت میں لازم ہوگا کہ وہ دوسری عدت پوری کرے۔ مثال کے طور پر عورت کو بائنہ طلاق دی گئی ہو اور اسے ایک مرتبہ ماہواری آئی ہو پھر اس نے کسی اور سے نکاح کرلیا اور ہمبستری کے بعد علیحدگی ہوگئی اس کے بعد دو مرتبہ حیض آیا تو ان تینوں حیضوں کو دونوں عدتوں میں شمار کیا جائے گا۔ لہٰذا حیض اول اور یہ بعد والے دو حیض ان تینوں کے ساتھ شوہر اول کی عدت مکمل ہوگی، اور رہ گیا دوسرے شوہر کی عدت کا معاملہ تو ابھی فقط دو حیض آئے لہٰذا ایک حیض اور آنے کے بعد شوہر ثانی کی عدت کی تکمیل ہوگی۔ حاصل یہ کہ حیض اول کی عدت اول اور آخری حیض کی عدت ثانی کے ساتھ تخصیص ہے۔ علاوہ ازیں دونوں عدتوں کے مہینوں کے واسطے سے ہونے پر بھی دونوں میں تداخل ہوگا۔ مثال کے طور پر آئسہ عدت گذار رہی ہو کہ اس کے ساتھ شبہہ کے باعث ہمبستری کرلی تھی اب اگر عدت اولیٰ عدت ثانیہ سے پہلے مکمل ہوگئی ہو تو اس صورت میں یہ ناگزیر ہے کہ عدت ثانیہ بھی مہینوں کے واسطے سے پوری کی جائے۔ اور اگر عدت وفات گذارنیوالی عورت کے ساتھ شبہہ کی بنا پر صحبت ہوگئی تو اس کی عدت اولیٰ مہینوں کے واسطے سے ہے یعنی چار مہینے دس روز۔ اور عدت ثانیہ بواسطۂ حیض۔ اگر ان چار مہینے دس روز کے اندر تین ماہواریاں بھی آگئیں تو تداخل کی بنا پر دونوں عدتوں کی تکمیل ہو جائے گی اور اگر اس مدت کے دوران حیض نہ آئے تو عدت اولیٰ کے بعد بذریعہ تین حیض دوسری عدت کا الگ سے وجوب ہوگا۔

وَعَلَى الْمَبْتُوتَةِ وَالْمُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا إِذَا كَانَتْ عَاقِلَةً بَالِغَةً مُسْلِمَةً الْإِحْدَادُ
اور بائن طلاق کی عدت گذارنیوالی اور شوہر کی وفات کی عدت گذارنیوالی عاقلہ، بالغہ، مسلمہ پر سوگ ہے۔ وہ یہ
وَالْإِحْدَادُ أَنْ تَتْرُكَ الطِّيْبَ وَالزِّيْنَةَ وَالدُّهْنَ وَالْكُحْلَ إِلَّا مِنْ عُذْرٍ وَلَا تَخْتَضِبُ
کہ خوشبو، زینت و آرائش، تیل و سرمہ لگانا ترک کردے الا یہ کہ (سرمہ وغیرہ کا لگانا) عذر سے ہو۔ اور
بِالْحِنَّاءِ وَلَا تَلْبَسُ ثَوْبًا مَصْبُوْغًا بِعُصْفُرٍ وَلَا بِوَرْسٍ وَلَا بِزَعْفَرَانٍ وَلَا إِحْدَادَ عَلَى كَافِرَةٍ
معتدہ نہ مہندی لگائے گی اور نہ زعفران اور ورس اور نہ (خالص) زعفران میں رنگا ہوا کپڑا پہنے گی اور کافرہ اور نابالغہ پر
وَلَا صَغِيْرَةٍ وَعَلَى الْأَمَةِ الْإِحْدَادُ وَلَيْسَ فِي عِدَّةِ النِّكَاحِ الْفَاسِدِ وَلَا فِي عِدَّةِ أُمِّ الْوَلَدِ
سوگ نہیں۔ اور باندی کے لئے سوگ ہے۔ اور نہ نکاح فاسد کی عدت میں سوگ ہے اور نہ ام ولد کی عدت میں۔ اور
إِحْدَادٌ وَلَا يَنْبَغِيْ أَنْ تُخْطَبَ الْمُعْتَدَّةُ وَلَا بَأْسَ بِالتَّعْرِيْضِ فِي الْخِطْبَةِ
عدت گذارنیوالی کو پیغام نکاح دینا موزوں نہیں۔ اور کنایۃ دینے میں مضائقہ نہیں۔

لغت کی وضاحت :۔ الاحداد : سوگ منانا۔ عُصفر : زعفران۔ تعریض : کنایہ، اشارہ۔
خِطْبَۃ : پیغامِ نکاح۔

خاوند کے انتقال پر عورت کے سوگ کا ذکر

تشریح و توضیح وعلی المبتوتۃ الخ۔ یعنی وہ عورت جو طلاق بائنہ کی عدت گذار رہی ہو یا عدتِ وفات اس پر سوگ لازم ہے وہ عورت جس کے شوہر کا انتقال ہو گیا اُس کا سوگ منانا حدیث شریف سے ثابت ہے۔ کسی عورت کے لئے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہو جائز نہیں کہ کسی کے مرنے پر تین دن تین رات سے زیادہ سوگ منائے۔ البتہ شوہر کے انتقال پر چار ماہ دس روز سوگ منائے۔ اور نہ رنگا ہوا کپڑا پہنے، نہ سرمہ و خوشبو لگائے۔ مطلقہ بائنہ کا سوگ صاحب ہدایہ نے اس حدیث سے ثابت کیا ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اسے مہندی لگانے سے منع فرمایا، اور ارشاد ہوا کہ حنار (مہندی) بھی خوشبو ہے۔ بائن کی قید لگا کر معتدہ رجعی سے احتراز مقصود ہے کیونکہ بالاتفاق اس پر سوگ نہیں۔ بالغہ کی قید اس لئے لگائی کہ اس سے صغیرہ (نابالغہ) نکل جائے۔ اور عاقلہ و مسلمہ کی قید لگانے کا سبب یہ ہے کہ اس سے کافرہ اور مجنونہ نکل جائے۔ اس واسطے کہ ان میں سے کسی پر سوگ منانا واجب نہیں۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ معتدہ بائنہ پر سوگ واجب نہیں کیونکہ اظہارِ تأسف شوہر کے فوت ہونے پر اور مرنے کیوجہ سے بُعد و مفارقت پر واجب ہے۔ رہی مبتوتہ جو کہ شوہر کے ساتھ رات گذار چکی ہو اور ہمبستر ہو چکی ہو وہ شوہر کے طلاق دینے پر اس سے وحشت زدہ ہو گئی۔ لہٰذا اظہارِ تأسف واجب نہیں۔ احنافؒ فرماتے ہیں کہ یہ سوگ نعمتِ نکاح کے چھن جانے پر اظہارِ تأسف ہے۔

خواہ یہ وفات کی بنا پر ہو یا طلاق بائن دینے کے باعث۔ ہدایہ میں اسی طرح ہے۔

ولاینبغی ان تخطب المعتدۃ الخ فرماتے ہیں یہ جائز نہیں کہ معتدہ کو دوران عدت صاف طور پر نکاح کا پیغام دیا جائے۔ ارشاد ربانی ہے "ولا تعزموا عقدۃ النکاح حتیٰ یبلغ الکتاب اجلہ" (اور تم تعلق نکاح (فی الحال) کا ارادہ بھی مت کرو یہاں تک کہ عدت مقررہ اپنی ختم کو نہ پہنچ جاوے)۔ البتہ اشارۃً کہنے میں مضائقہ نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے "ولا جناح علیکم فیما عرضتم بہ من خطبۃ النساء" (اور تم پر کوئی گناہ نہیں ہوگا جو ان مذکورہ عورتوں کو پیغام (نکاح) دینے کے بارے میں کوئی بات اشارۃً ہو)۔

وَلَا یَجُوْزُ لِلْمُطَلَّقَۃِ الرَّجْعِیَّۃِ وَ الْمَبْتُوْتَۃِ الْخُرُوْجُ مِنْ بَیْتِهَا لَیْلًا وَ لَا نَهَارًا اَوِ الْمُتَوَفّٰی عَنْهَا زَوْجُهَا تَخْرُجُ نَهَارًا اَوْ بَعْضَ اللَّیْلِ وَ لَا تَبِیْتُ فِیْ غَیْرِ مَنْزِلِهَا وَ عَلَی الْمُعْتَدَّۃِ اَنْ تَعْتَدَّ فِی الْمَنْزِلِ الَّذِیْ یُضَافُ اِلَیْهَا بِالسُّکْنٰی حَالَ وُقُوْعِ الْفُرْقَۃِ وَالْمَوْتِ فَاِنْ کَانَ نَصِیْبُهَا مِنْ دَارِ الْمَیِّتِ یَکْفِیْهَا فَلَیْسَ لَهَا اَنْ تَخْرُجَ اِلَّا مِنْ عُذْرٍ وَ اِنْ کَانَ نَصِیْبُهَا مِنْ دَارِ الْمَیِّتِ لَا یَکْفِیْهَا وَ اَخْرَجَهَا الْوَرَثَۃُ مِنْ نَصِیْبِهِمْ اِنْتَقَلَتْ وَ لَا یَجُوْزُ اَنْ یُسَافِرَ الزَّوْجُ بِالْمُطَلَّقَۃِ الرَّجْعِیَّۃِ وَ اِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ اِمْرَاَتَهٗ طَلَاقًا بَائِنًا ثُمَّ تَزَوَّجَهَا فِیْ عِدَّتِهَا ثُمَّ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُوْلِ بِهَا فَعَلَیْهِ مَهْرٌ کَامِلٌ وَ عَلَیْهَا عِدَّۃٌ مُسْتَقْبِلَۃٌ وَ قَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَهَا نِصْفُ الْمَهْرِ وَعَلَیْهَا اِتْمَامُ الْعِدَّۃِ الْاُوْلٰی۔

اور مطلقۂ رجعی و بائنہ کیلئے دن اور رات میں اپنے مکان سے نکلنا جائز نہیں۔ اور انتقال کی عدت گذارنے والی کو دن اور رات کے کچھ حصہ میں نکلنا درست ہے اور وہ شب اپنے گھر کے علاوہ کہیں بسر نہ کرے اور معتدہ اسی مکان میں عدت گذارے جہاں اس کی رہائش فرقت اور مرنے کے وقت رہی ہو۔ میت کے گھر میں سے ملنے والا حصہ اس کے واسطے کافی ہوئے تو اسے عذر کے بغیر وہاں سے نکلنا درست نہیں۔ اور اگر میت کے گھر سے ملنے والا حصہ کافی نہ ہو یا ورثاء اسے اپنے حصہ سے نکال باہر کریں تو وہ کہیں منتقل ہو جائے اور خاوند کو مطلقۂ رجعیہ کے ساتھ سفر کرنا درست نہ ہوگا اور اگر خاوند بیوی کو طلاق بائن دینے کے بعد دوران عدت اس سے نکاح کرلے اس کے بعد اسے ہمبستری سے قبل طلاق دیدے تو اس پر کامل مہر واجب ہوگا اور عورت پر عدت مستقلہ واجب ہوگی اور امام محمدؒ کے نزدیک اس کے واسطے آدھا مہر ہوگا اور وہ پہلی عدت کی تکمیل کرے گی۔

معتدہ سے متعلق کچھ اور احکام

لغات کی وضاحت:۔ المبتوتۃ: مطلقہ بائنہ۔ لیل: رات۔ نہارا: دن۔ سکنیٰ: رہائش

نصیب: حصہ۔ اتمام: تکمیل۔ الاولیٰ: پہلی۔

تشریح وتوضیح

ولا یجوز للمطلقۃ الرجعیۃ الخ۔ فرماتے ہیں کہ خواہ عورت بائن طلاق کی عدت گذار رہی ہو یا طلاقِ رجعی کی، اسے دورانِ عدت یہ جائز نہیں کہ گھر سے باہر نکلے جس میں وہ بوقتِ فرقت ہو بلکہ وہ وہیں رہ کر ایامِ عدت پورے کرے۔ البتہ وہ عورت جو عدتِ وفات گذار رہی ہو اس کیواسطے ضرورۃً دن میں اور رات کے کچھ حصہ میں نکلنا جائز ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اس کے نفقہ کا وجوب کسی پر نہیں ہوتا اور وہ اس کی خاطر باہر نکلنے اور حصولِ معاش کیلئے مجبور ہوتی ہے۔ اس کے برعکس مطلقہ بائنہ ورجعیہ کہ اسے اس کیواسطے نکلنے کی احتیاج نہیں کیونکہ نفقۂ عدت شوہر پر واجب ہوتا ہے۔

ولا یجوز ان یسافر الزوج الخ۔ وہ شخص جس نے اپنی بیوی کو طلاقِ رجعی دیدی ہو اس کیلئے یہ درست نہیں کہ وہ اس کو اپنے ساتھ سفر میں لیجائے۔ حضرت امام زفرؒ اسے درست قرار دیتے ہیں۔ اس اختلاف کی بنیاد دراصل یہ ہے کہ احنافؒ اپنے ساتھ سفر میں لیجانے کو رجعت قرار نہیں دیتے۔ اس لئے کہ یہ ضروری نہیں کہ اپنی منکوحہ ہی کے ساتھ سفر ہو بلکہ آدمی اپنی قریبی عورتوں مثلاً ماں بہن وغیرہ کے ساتھ سفر کیا کرتا ہے۔ سفر کی تخصیص منکوحہ اور نکاح کے ساتھ نہیں۔ اس واسطے محض سفر باعثِ رجعت نہیں۔

امام زفرؒ اسے رجعت قرار دیتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اسے ساتھ لیجانا اپنے ساتھ رکھنے کی دلیل وعلامت ہے۔ اس واسطے کہ اگر اسے اپنے ساتھ رکھنے کا ارادہ نہ ہوتا تو سفر میں ساتھ نہ رکھتا اور اس سے دوری ہی اختیار کئے رکھتا پس سفر میں لے جانا خود علامتِ رجعت ہے۔

وَیثبت نسبُ ولدِ المُطلقۃِ الرَّجْعِیّۃِ اذا جاءت بہ لسنتَیْنِ اَوْ اکثرَ مالم تقرَّ بانقضاءِ عدّتِھا

اور مطلقہ رجعیہ کے بچہ کا نسب شوہر سے ثابت ہوگا خواہ بچہ دو برس یا دو سے زیادہ میں پیدا ہو جب تک کہ عورت عدت پوری ہونے

وَان جاءت بہٖ لِاقلَّ مِنْ سنتَیْنِ ثبتَ نسبُہٗ وَبانتْ منہ وَانْ جاءت بہٖ لاکثرَ من سنتَیْن

کا اقرار نہ کرے اور اگر دو برس سے کم میں بچہ پیدا ہوا ہے تو وہ اسی سے ثابت النسب ہوگا اور عورت پر طلاق بائنہ پڑ جائے گی اور اگر دو برس سے زیادہ

ثبتَ نسبُہٗ وَکانتْ رَجعیّۃً وَالمَبْتُوتۃُ یَثبتُ نسبُ وَلدِھا اذا جاءتْ بہٖ لاقلَّ مِنْ سنتَیْنِ وَاذا

میں بچہ کی پیدائش ہو تو بچہ ثابت النسب ہوگا اور یہ رجعت شمار ہوگی اور وہ عورت جسے اسکے شوہر نے طلاق بائن دی ہو دو برس سے کم میں اسکے بچہ ہو تو بچہ شوہر سے

جاءت بہٖ لتمامِ سنتَیْنِ مِنْ یومِ الفُرقۃِ لَمْ یَثبتْ نسبُہٗ اِلّا اَنْ یدَّعیہُ الزوجُ وَیثبتُ نسبُ وَلدِ

ثابت النسب ہوگا اور وقتِ فرقت دو برس پورے ہونے پر بچہ ہو تو وہ شوہر سے ثابت النسب نہ ہوگا الا یہ کہ شوہر اسکا مدعی ہو۔ اور عدت وفات گذارنے والی

المُتوفّٰی عَنْھا زوجُھا مابینَ الوفاۃِ وبینَ سنتَیْنِ وَاذا اعترفتِ المعتدۃُ بانقضاءِ عدّتِھا

عورت کا بچہ ثابت النسب ہوگا انتقال اور دو برس کے درمیان تک۔ اور معتدہ کے عدت پوری ہو جانے کے اعتراف کے بعد وہ چھ مہینے سے

ثمّ جاءتْ بولدٍ لاقلَّ مِنْ ستۃِ اشھرٍ ثبتَ نسبُہٗ وَانْ جاءتْ بہٖ لستۃِ اشھرٍ لم یثبت

کم میں بچہ کو جنم دے تو شوہر سے ثابت النسب ہوگا اور چھ مہینے میں جنم دینے پر ثابت النسب نہ ہوگا

نسب ثابت ہونیکا بیان

تشریح وتوضیح

وثبت نسب ولد المطلقة الرجعية الخ. فرماتے ہیں کہ وہ عورت جسے طلاق رجعی دی گئی ہو جس وقت تک وہ اقرار نہ کرے کہ اس کی عدت گذر گئی۔ بچہ طلاق دہندہ شوہر سے ہی ثابت النسب ہوگا۔ لہٰذا اگر اس نے دو برس سے کم میں بچہ کو جنم دیا تو وہ اس شوہر سے ثابت النسب ہوگا۔ اور عورت وضع حمل کے باعث مطلقہ بائنہ بنجائے گی۔ اور بچہ کو دو برس کے بعد جنم دینے پر بھی بچہ اسی شوہر سے ثابت النسب ہوگا۔ اس لئے کہ یہ استقرار طلاق کے بعد ہوا۔ لہٰذا اب مسلم کو زنا کی تہمت سے بچانے کی خاطر یہ خیال کیا جائے گا کہ وہ رجوع کر لیا تھا مگر اس میں شرط یہی ہے کہ عورت یہ اقرار نہ کر چکی ہو کہ اس کی عدت پوری ہو گئی۔

والمبتوتة يثبت نسب ولدها الخ. اگر ایسی عورت جسے طلاق بائن دیجا چکی ہو دو برس سے کم میں بچہ کو جنم دے تو وہ شوہر سے ثابت النسب ہوگا۔ اس لئے کہ اس کا امکان موجود ہے کہ بوقت طلاق عورت حاملہ ہو۔ اور جہاں تک نسب ثابت ہونے کا تعلق ہے اس کے واسطے محض احتمال وامکان ہی کافی ہو جاتا ہے۔ اور دو برس یا دو برس سے زیادہ میں بچہ کو جنم دیا ہو تو وہ اس شخص سے ثابت النسب نہ ہوگا۔ اس لئے کہ اس شکل میں یقینی طور پر استقرار حمل بعد طلاق ہوا ہے۔ البتہ اگر یہاں بھی شوہر اسکا مدعی ہو تو بچہ کا نسب اس سے ثابت ہو جائے گا۔

واذا اعترفت المعتدة بانقضاء عدتها الخ اگر عدت گذارنے والی عورت اس کا اقرار کرے کہ اس کی عدت گذر گئی۔ اس کے بعد وہ چھ مہینے سے کم مدت میں بچہ کو جنم دے تو اسکا جھوٹ ظاہر ہونے کی بنا پر اور یہ معلوم ہونے کے باعث کہ بوقت اقرار وہ حاملہ تھی بچہ شوہر سے ثابت النسب ہوگا۔ لہٰذا اس صورت میں عورت کا یہ دعویٰ کہ اس کی عدت پوری ہو گئی باطل قرار دیتے ہوئے بچہ کا انتساب طلاق دہندہ شوہر کی جانب ہوگا۔ البتہ اگر بچہ کی پیدائش اقرار کے وقت سے چھ مہینے یا چھ مہینے سے زیادہ گذر جانے پر ہوئی تو وہ شوہر سے ثابت النسب نہ ہوگا۔

وَاِذَا وَلَدَتِ الْمُعْتَدَّةُ وَلَدًا لَمْ يَثْبُتْ نَسَبُهُ عِنْدَ اَبِیْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ اِلَّا اَنْ يَّشْهَدَ

اور جب عدت گذارنے والی عورت بچہ کو جنم دے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس وقت تک ثابت النسب نہ ہوگا جب تک

بِوِلَادَتِهَا رَجُلَانِ اَوْ رَجُلٌ وَّامْرَأَتَانِ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ هُنَاكَ حَبَلٌ ظَاهِرٌ اَوِ اعْتِرَافٌ مِنَ

کہ اس کے پیدا ہونے ہونیکی شہادت دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں نہ دیں یا یہ کہ حمل بالکل نمایاں ہو یا بجانب شوہر اس کا اقرار ہو تو

قِبَلِ الزَّوْجِ فَيَثْبُتُ النَّسَبُ مِنْ غَيْرِ شَهَادَةٍ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ يُثْبَتُ فِی

شہادت کے بغیر بھی نسب ثابت شمار ہوگا امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ہر شکل میں ایک

الْجَمِيْعِ بِشَهَادَةِ امْرَأَةٍ وَّاحِدَةٍ وَاِذَا تَزَوَّجَ الرَّجُلُ امْرَأَةً فَجَاءَتْ بِوَلَدٍ لِاَقَلَّ

عورت کی گواہی سے نسب ثابت ہو جائیگا۔ اور اگر کوئی شخص ایک عورت سے نکاح کرے اور وہ نکاح

مِنْ سِتَّةِ اَشْهُرٍ مُنْذُ يَوْمِ تَزَوَّجَهَا لَمْ يَثْبُتْ نَسَبُهٗ وَاِنْ جَاءَتْ بِهٖ لِسِتَّةِ اَشْهُرٍ
کے دن سے چھ مہینے سے کم میں بچہ کو جنم دے تو وہ نا کح سے ثابت النسب نہ ہوگا اور چھ مہینے یا چھ سے زیادہ میں جنم دے

فَصَاعِدًا ثَبَتَ نَسَبُهٗ اِذَا اعْتَرَفَ بِهٖ اَوْ سَكَتَ وَاِنْ جَحَدَ الْوِلَادَةَ يَثْبُتُ بِشَهَادَةِ
تو ثابت النسب ہوگا جبکہ وہ اس کا مقر ہو یا چپ رہے۔ اور اگر بچہ پیدا ہونے کا منکر ہو تو پیدائش کی گواہی

اِمْرَأَةٍ وَاحِدَةٍ تَشْهَدُ بِالْوِلَادَةِ۔
دینے والی ایک عورت کی بنیاد پر وہ شوہر سے ثابت النسب ہوگا۔

لغات کی وضاحت

حَبَلٌ: حمل۔ شَهَادَة: گواہی۔ اِمْرَأَةٌ: عورت۔ صَاعِدًا: زیادہ۔ جَحَدَ: انکار
الولادة: پیدائش۔

تشریح و توضیح

واذا ولدت المعتدة الخ۔ کوئی عورت عدت گذار رہی ہو اور وہ مدعیہ ہو کہ اس نے بچہ کو جنم دیا اور خاوند یا ورثاء اس کے منکر ہوں تو اس صورت میں ثبوت نسب کیلئے اس کی احتیاج ہوگی کہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں اس عورت کے بچہ پیدا ہونیکی شہادت دیں، یا یہ کہ حمل بالکل نمایاں ہو اور اس کے معنیٰ یہ ہوں کہ بچہ کی پیدائش چھ مہینہ سے کم کے اندر ہو جائے گی، یا یہ کہ خود شوہر اس کا مقر ہو یا ورثاء اس کے بچہ پیدا ہونیکی تصدیق کریں، ان صورتوں میں بچہ اسی شوہر سے ثابت النسب ہوگا اور ان باتوں میں سے اگر کوئی بات بھی نہ پائی جائے تو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بچہ شوہر سے ثابت النسب نہ ہوگا۔ حضرت امام ابویوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک ان ذکر کردہ تمام شکلوں میں محض ایک عورت یعنی دایہ کی گواہی کو کافی قرار دیا جائیگا۔ کیونکہ ابھی عدت برقرار رہنے کی بناء پر فراش برقرار ہے۔ اور فراش کا برقرار رہنا نسب کو ثابت کرنیوالا ہے لہٰذا ثبوتِ نسب تو خود ہو چکا۔ اب محض احتیاج اس کی رہ گئی کہ اس کی تعیین ہو جائے کہ یہ بچہ اسی عورت سے پیدا ہوا ہے اور اس کی تصدیق دایہ کی گواہی سے ہو سکتی ہے۔ یہ ایسا ہے جیسا کہ نکاح برقرار رہنے کی صورت میں ثبوتِ نسب کیواسطے محض دایہ کی گواہی کافی ہے۔
حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ بسبب عدت فراش برقرار رہتا ہے مگر اصل اس جگہ عدت برقرار ہی نہیں اس لئے کہ عورت کے وضع حمل کے اعتراف کے ساتھ عدت باقی نہ رہی پس اس جگہ اولاً ثبوتِ نسب کی احتیاج ہے اور اس کیلئے نصاب شہادت مکمل ہونا چاہئے۔
وَاِذَا تزوج الرجل الخ۔ اگر کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرے اور پھر نکاح کے دن سے حساب لگانے پر اس نے چھ ماہ سے کم میں بچہ کو جنم دیا تو بچہ شوہر سے ثابت النسب نہ ہوگا اس لئے کہ حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ ہے۔ پس اس کا نکاح سے پہلے کا ہونا یقینی ہو گیا۔ اور چھ ماہ یا اس سے زیادہ میں ہونے پر شوہر سے ثابت النسب ہوگا۔ بشرطیکہ شوہر اقرار کرتا ہو یا سکوت کرے اور شوہر بچہ کی پیدائش کا منکر ہو تو بچہ ایک عورت (دایہ) کی گواہی سے ثابت النسب ہوگا۔

وَاَکْثَرُ مُدَّةِ الحَمْلِ سَنَتَانِ وَاَقَلُّهٗ سِتَّةُ اَشْهُرٍ وَاِذَا طَلَّقَ ذِمِّیٌّ ذِمِّیَّةً فَلَا عِدَّةَ
اور حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت دو برس اور کم سے کم چھ مہینے ہے۔ اور اگر ذمی مرد ذمیہ عورت کو طلاق دے تو اس پر عدت
عَلَیْهَا وَاِنْ تَزَوَّجَتِ الحَامِلُ مِنَ الزِّنَا جَازَ النِّکَاحُ وَلَا یَطَأُهَا حَتّٰی تَضَعَ حَمْلَهَا۔
واجب نہ ہوگی اور زنا سے حاملہ عورت کا نکاح درست ہوگا اور (ناکح) اس سے تا وضع حمل ہمبستری نہ کرے گا۔

حمل کی زیادہ اور کم مدت کا ذکر

تشریح و توضیح

واکثر مدة الحمل سنتان الخ۔ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ حمل کی کم سے کم مدت چھ مہینے ہے۔ البتہ حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت کیا ہے اس کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ احناف فرماتے ہیں کہ حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت دو برس ہے اس لئے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کی روایت میں ہے کہ حمل دو برس سے زیادہ نہیں رکتا۔ یہ بات ظاہر ہے کہ ایسا مضمون حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے ہی سنا ہوگا۔ یہ روایت مرفوع نہ ہونیکے باوجود بمنزلہ مرفوع کے ہے۔ حضرت لیث سے حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت تین برس منقول ہے۔ حضرت امام شافعیؒ چار برس کہتے ہیں۔ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمدؒ کا معروف مسلک اسی طرح کا ہے۔ حضرت امام مالکؒ سے تو ایک روایت پانچ برس کی بھی ہے۔ حضرت زہریؒ سے چھ برس منقول ہے۔

واذا طلق ذمی ذمیة فلا عدة علیها الخ۔ یعنی ذمیہ پر طلاق کے بعد عدت لازم نہیں۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ یہی فرماتے ہیں۔ لہٰذا طلاق کے بعد اس سے دوسرے شخص کا نکاح درست ہوگا۔ خواہ نکاح کرنیوالا مسلمان ہو یا ذمی۔ فتح القدیر وغیرہ میں اسی طرح ہے۔ اس پر یہ اشکال کیا گیا کہ ایک مسلمان کیلئے فوری طور پر اس سے نکاح کیلئے جائز ہو سکتا ہے جبکہ وہ وجوب عدت کا اعتقاد رکھتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ عدت کے وجوب کا حکم اس کیلئے اور سارے مسلمانوں کیلئے ہے۔ اور غیر مسلم اس کے وجوب کا اعتقاد نہیں رکھتا۔ البتہ اگر ذمی غیر مسلم (یہودی یا عیسائی) کا اعتقاد وجوب عدت کا ہو تو اس صورت میں عدت کے واجب ہونیکا حکم ہوگا۔ اور فوری طور پر اس سے نکاح جائز نہ ہوگا۔ امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کہتے ہیں کہ ان کے دار الاسلام میں ہونیکی وجہ سے بہر صورت عدت واجب ہوگی۔

وان تزوجت الحامل من الزنا جاز النکاح الخ۔ اگر ایسی عورت جس کے زنا کے باعث استقرار حمل ہو گیا ہو اگر وہ کسی سے نکاح کرے تو بحالت حمل بھی اس کا نکاح درست ہوگا۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام محمدؒ یہی فرماتے ہیں لیکن اس نکاح کرنیوالے کو اس کے ساتھ اسوقت تک ہمبستر ہونا جائز نہ ہوگا جب تک

وضع حمل نہ ہو جائے۔ اس لئے کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے وضع حمل سے پہلے اس کے ساتھ صحبت کی ممانعت فرمائی ہے۔ البتہ اگر نکاح کرنیوالا وہی شخص ہو جس نے زنا کیا تو اس کے لئے اس سے ہمبستر ہونا درست ہی حضرت امام زفرؒ اور حضرت امام ابو یوسفؒ حاملہ من الزنا کے نکاح کو فاسد قرار دیتے ہیں۔

کتاب النفقات

اخراجات کا بیان

النفقة واجبة للزوجة على زوجها مسلمة كانت او كافرة اذا سلمت نفسها فى منزله
بیوی کا نفقہ اس کے خاوند پر واجب ہے خواہ وہ عورت مسلمہ ہو یا کافرہ جبکہ وہ اپنے آپ کو خاوند کے گھر سپرد کردے

فعليه نفقتها وكسوتها وسكناها يعتبر ذلك بحالهما جميعا موسرا كان الزوج او
تو شوہر پر اس کا نان نفقہ لباس اور رہائش کیلئے جگہ واجب ہوگی اس میں خاوند و زوجہ کا حال معتبر ہوگا خواہ شوہر مال والا

معسرا فان امتنعت من تسليم نفسها حتى يعطيها مهرها فلها النفقة
ہو یا مفلس۔ اور اگر عورت تا ادائیگی مہر خود کو شوہر کے حوالہ نہ کرے تو وہ نفقہ پائے گی

وان نشزت فلا نفقة لها حتى تعود الى منزله وان كانت صغيرة لا يستمتع
اور اگر ناشزہ ہو تو تاوقتیکہ شوہر کے گھر لوٹ کر نہ آئے نفقہ نہ پائے گی اور اگر وہ اس قدر چھوٹی ہو کہ اس سے انتفاع نہ

بها فلا نفقة لها وان سلمت نفسها اليه وان كان الزوج صغيرا
ہو سکے تو اگرچہ وہ خود کو سپرد کردے اس کا نفقہ واجب نہ ہوگا۔ اور اگر شوہر کم سنی کی وجہ سے ہمبستری پر

لا يقدر على الوطئ والمرأة كبيرة فلها النفقة من ماله واذا طلق الرجل امرأته
قادر نہ ہو اور زوجہ بڑی ہو تو اس کے نفقہ کا وجوب اس کے مال سے ہوگا۔ اور جب کوئی شخص اپنی زوجہ کو طلاق دیدے

فلها النفقة والسكنى فى عدتها رجعيا كان او بائنا ولا نفقة للمتوفى عنها زوجها
تو دوران عدت اسکا نفقہ اور رہائش کی جگہ اس پر واجب ہوگی خواہ یہ طلاق رجعی یا طلاق بائن ہو اور جس عورت کے شوہر کا انتقال

وكل فرقة جاءت من قبل المرأة بمعصية فلا نفقة لها وان طلقها ثم
ہو گیا اس کا نفقہ واجب نہیں اور فرقت کا سبب عورت کی معصیت ہو تو اس کا نفقہ واجب نہ ہوگا اور اگر وہ اسے طلاق دیدے

ارتدت سقطت نفقتها وان مكنت ابن زوجها من نفسها بعد الطلاق فلها النفقة
پھر عورت دائرۂ اسلام سے نکل جائے تو اس کا نفقہ ساقط قرار دیا جائیگا اور اگر وہ بعد طلاق اپنے آپ پر خاوند کے لڑکے کو قابو دیدے

واذا حبست المرأة فى دين او غصبها رجل كرها فذهب بها او حجت مع غير محرم
تو وہ نفقہ پائے گی اور اگر عورت بوجہ قرض قید ہو جائے یا اسے کوئی زبردستی غصب کرکے لے جائے یا وہ برائے حج غیر محرم کیساتھ

فَلَا نَفَقَةَ لَهَا وَاِذَا مَرِضَتْ فِي بَيْتِ زَوْجِهَا فَلَهَا النَّفَقَةُ وَيُفْرَضُ عَلَى الزَّوْجِ اِذَا كَانَ

جائے تو اس کا نفقہ شوہر پر واجب ہوگا اور اگر وہ شوہر کے گھر بیمار رہوئی ہو تو وہ نفقہ کی مستحق ہوگی اور شوہر مالدار ہو تو اس پر بیوی

مُوْسِرًا نَفَقَةُ خَادِمِهَا وَلَا تُفْرَضُ لِاَكْثَرَ مِنْ خَادِمٍ وَاحِدٍ وَعَلَيْهِ اَنْ يُسْكِنَهَا فِي دَارٍ

کے ایک خادم کا نفقہ واجب ہوگا اور ایک سے زیادہ خادم کا نفقہ واجب نہ ہوگا اور خاوند پر اسے الگ مکان میں رکھنا واجب ہے

مُفْرَدَةٍ لَيْسَ فِيهَا اَحَدٌ مِنْ اَهْلِهِ اِلَّا اَنْ تَخْتَارَ ذٰلِكَ ۔

جس میں شوہر کے رشتہ داروں میں سے کسی کی رہائش نہ ہو البتہ اگر عورت ان کے ہمراہ رہنے پر رضامند ہو (تو الگ بات ہے)

لغت کی وضاحت :۔ منزل: گھر۔ کسوۃ: لباس۔ سُکنیٰ: رہائش کی جگہ۔ موسِر: مالدار۔ مُعْسِر: تنگدست۔ مفلس۔ دَین: قرض۔

تشریح و توضیح النفقۃ واجبۃ للزوجۃ الخ۔ نفقہ کے وجوب میں دونوں کے حال کی رعایت کی جائے گی اور اسی کے اعتبار سے موزوں مقدار کا وجوب ہوگا۔ ذخیرہ میں ہے کہ اگر شوہر کافی مالدار ہو اور حلوہ اور بھنا ہوا گوشت وغیرہ کھاتا ہو اور عورت مفلسی کیوجہ سے اب تک اپنے گھر میں جَو کی روٹی کھاتی رہی ہو تو شوہر کو اس پر مجبور نہیں کرسکتی کہ وہ وہی کھلائے جو اب تک وہ کھاتا رہا ہے بلکہ اسے درمیانی درجہ کا کھلائے۔ شوہر پر بیوی کا نان نفقہ لباس اور رہائش کی جگہ واجب ہوگی۔ اس سے قطع نظر کہ بیوی مسلمہ ہو یا کافرہ، کتابیہ اور مالدار ہو یا مفلس، آزاد ہو یا باندی اور اس سے ہمبستری ہوچکی ہو یا نہ ہوچکی ہو۔ اس لئے کہ آیتِ کریمہ "وعلی المولود لہ رزقھن وکسوتھن" مطلقاً ہے۔ نیز روایت میں ہے کہ تم پر حسبِ دستور بیویوں کا نفقہ واجب ہے۔

یُعتبر ذٰلک بحالھما الخ۔ فرماتے ہیں نفقہ کا جہانتک تعلق ہے اس میں خاوند اور زوجہ دونوں کا حال معتبر ہوگا۔ دونوں کے مالدار ہونے پر مالداروں کا سا نفقہ واجب ہوگا اور دونوں کے مفلس ہونے پر ناداروں کا سا نفقہ لازم ہوگا۔ اور خاوند کے مالدار اور عورت کے مفلس ہونے پر وہ مالدار عورتوں کے نفقہ سے کچھ کم پائے گی، اور ناداروں سے زیادہ۔ حضرت خصافؒ کا اختیار کردہ قول یہی ہے، مفتیٰ بہ قول یہی ہے۔ پھر عورت کے مہر کے معجل ہونیکی صورت میں اگر عورت اس کی وصولیابی کی خاطر اپنے آپ کو خاوند کے سپرد نہ کرے بلکہ روکے رکھے اور اسے ہمبستر نہ ہونے دے تب بھی اس کا نفقہ واجب ہوگا۔

وان نشزت فلا نفقۃ لھا الخ۔ اگر عورت شوہر سے نشوز کرے اور خود کو اس کے حوالہ نہ کرے اور اس کی اجازت کے بغیر گھر سے چلی جائے تو اس صورت میں تاوقتیکہ وہ گھر نہ لوٹے شوہر سے نفقہ پانے کی مستحق نہ ہوگی۔ اور ایسے ہی اگر اسقدر کم سن ہو کہ اس کے ساتھ صحبت نہ ہوسکے تو خواہ وہ خاوند کو اپنے اوپر قابو دیدے مگر نفقہ کی مستحق نہ ہوگی۔ اور اگر عورت تو بڑی ہو مگر خاوند کم عمری کیوجہ سے ہمبستر نہ ہوسکتا ہو تو خاوند کے مال

سے عورت کو نفقہ دیا جائے گا۔

واذا طلق الرّجل امرأتہ الخ۔ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دیدے تو دوران عدت اس کا نفقہ اور رہائش کا انتظام شوہر پر واجب ہوگا۔ چاہے یہ رجعی طلاق ہو یا بائن۔ دونوں کیلئے یہ حکم یکساں رہے گا۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک اگر عورت کو طلاق مغلظہ دی گئی ہو یا طلاق بالعوض کی صورت ہو تو اس کے نفقہ کا وجوب نہ ہوگا البتہ اس کے حاملہ ہونے کی صورت میں بالاتفاق اس کے نفقہ کا وجوب ہوگا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے "وَاِنْ کُنَّ اُولاتِ حَملٍ فانفقوا علیھنَّ حتّیٰ یضعن حملھنَّ" (اگر وہ (مطلقہ) عورتیں حمل والیاں ہوں تو حمل پیدا ہونے تک انکو (کھلانے پینے کا) خرچ دو)۔ ائمۂ ثلاثہ کا مستدل حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کی روایت ہے کہ ان کے خاوند نے انھیں طلاقِ مغلظہ دیدی تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے واسطے نہ نفقہ مقرر فرمایا اور نہ سکنیٰ۔

احنافؒ ارشادِ ربانی "اَسْکِنُوھُنَّ مِنْ حَیْثُ سَکَنْتُمْ مِن وُجدکم" (الآیۃ) سے استدلال فرماتے ہیں کہ اس میں سکنیٰ کا ضروری ہونا مطلقاً ہے۔ نیز بیہقی وغیرہ کی روایت سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا طلاقِ مغلظہ والی عورت کے لئے نفقہ اور سکنیٰ فرمانا معلوم ہوتا ہے۔ رہ گیا حضرت فاطمہؓ کی روایت کا معاملہ تو یہ روایت حجت نہیں بن سکتی۔ اس لئے کہ صحابۂ کرام اسے رد فرما چکے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے اس کے متعلق فرمایا کہ ہم کتاب اللہ اور سنتِ رسولؐ کو ایک ایسی عورت کے کہنے کی بنا پر ترک نہیں کرسکتے جس کے بارے میں پتہ نہیں کہ وہ بات محفوظ رکھ سکی ہے یا نہیں۔ اگر عورت قرض کے باعث قید میں ڈال دی جائے یا کوئی شخص اسے زبردستی غصب کرکے لے جائے یا وہ غیر محرم کے ساتھ حج کرے تو ان سب صورتوں میں اس کا نفقہ شوہر پر واجب نہ ہوگا۔ اور اگر وہ بیمار ہو مگر شوہر کے گھر میں ہو تو اس کا نفقہ واجب ہوگا۔ عورت اگر رشتہ داروں سے الگ رہنا چاہے تو شوہر پر اس کے لئے رہائش کا الگ انتظام ضروری ہے۔

وَللزَّوجِ اَنْ یمنعَ وَالدَیھَا وَوَلدِھَا مِنْ غیرِہٖ وَاھلَھَا مِنَ الدّخول علیھَا وَلَا یَمنعُھُمْ

اور خاوند کو یہ حق ہے کہ وہ بیوی کے ماں باپ اور دوسرے خاوند کی اولاد اور بیوی کے رشتہ داروں کو اس کے پاس آنیکی ممانعت

مِنَ النظرِ الیھَا وَلَا مِنْ کلامِھِم مَعَھَا فِی اَیِّ وقتٍ شاءُ وَمَنْ اعسر بنفقۃِ اِمْرَأتِہٖ لَمْ

کردے اور انھیں اس کی جانب دیکھنے اور اس کے ساتھ جس وقت بھی وہ گفتگو کرنا چاہے اسے منع نہ کرے اور بیوی کو نفقہ دینے سے

یُفَرِّقْ بینھُمَا وَیقالُ لھَا استَدِیْنِی عَلَیہِ وَاِذَا غَابَ الرَّجُلُ وَلَہٗ مَالٌ فِی یَدِ رَجُلٍ یَعْتَرِفُ

مجبور ہوجانے والے اور اسکی بیوی کے درمیان تفریق نہیں کریں گے بلکہ زوجہ سے یہ کہا جائے گا کہ تو اس کے نام سے قرض لیلے اور اگر کوئی شخص

بِہٖ وَبالزَّوجیۃِ فرضَ القاضی فِی ذٰلکَ المالِ نفقۃَ زوجۃِ الغائبِ وَاَولادِہِ الصّغارِ

غائب ہوجائے درانحالیکہ کسی شخص کے پاس اس کا مال موجود ہو اور وہ اس کا اور اسکی بیوی ہونیکا اقرار کرتا ہو تو قاضی اسکے مال میں غائب شخص

وَوالِدَیہِ وَیاخُذُ منھا کفیلًا بھَا وَلَا یقضِی بنفقۃٍ فِی مالِ الغائبِ اِلَّا لِھٰؤُلَاءِ وَاِذَا

کی زوجہ کے واسطے اور اسکے چھوٹے بچوں اور اسکے ماں باپ کا نفقہ مقرر کردے اور زوجہ سے ایک ضمانت کرنیوالا بھی لیلے اور غائب شخص کے مال میں سے

قضىٰ القاضي لها بنفقة الاعسار ثم ايسر فخاصمته تمم لها نفقة الموسر واذا مضت

مفلس انہیں افراد کیلئے مقرر کرے، اور اگر قاضی زوجہ کیواسطے نفقۂ نادار مقرر کردے اسکے بعد خاوند مالدار ہو جائے اور زوجہ نفقۂ مالداری کی مدعیہ

مدة لم ينفق الزوج عليها وطالبته بذلك فلا شئ لها الا ان يكون القاضي فرض

ہو تو اسکو مالدار کا نفقہ دیدے، اور اگر کچھ مدت ایسی گذر جائے کہ اس میں خاوند نفقہ نہ دے اور زوجہ اسکی طلبگار ہو تو اسے کچھ نہ ملے گا البتہ اگر قاضی اس کے

لها النفقة او صالحت الزوج على مقدارها فيقضي لها بنفقة ما مضى فان مات الزوج

واسطے نفقہ مقرر کردے یا زوجہ خاوند سے کسی مقدارِ نفقہ پر مصالحت کرے اور اس کے واسطے گذشتہ نفقہ کا فیصلہ ہو چکا ہو (تو اور بات ہے)

بعد ما قضي عليه بالنفقة ومضت شهور سقطت النفقة وان اسلفها نفقة سنة ثم

اگر شوہر کا فیصلۂ نفقہ کے بعد انتقال ہو جائے اور اسے چند مہینے گذر گئے ہوں تو نفقہ ساقط قرار دیا جائیگا اور اگر خاوند سال بھر کا نفقہ

مات لم يسترجع منها شيئا وقال محمد رحمه الله يحتسب لها بنفقة ما مضى وما بقي

پیشگی دینے کے بعد فوت ہو جائے تو زوجہ سے کچھ نہ لوٹایا جائیگا۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک زوجہ کے واسطے گذشتہ کا نفقہ محسوب ہوگا اور

للزوج واذا تزوج العبد حرة فنفقتها دين عليه يباع فيها واذا تزوج الرجل امة

باقی ماندہ خاوند کا ہوگا۔ اور جب غلام آزاد عورت سے نکاح کرے تو اس کے نفقہ کو بذمۂ غلام قرض قرار دینگے جسکے لئے اسے فروخت کیا جائے گا۔

فبوأها مولاها معه فنفقتها عليه وان لم يبوئها معه فلا نفقة لها عليه۔

اور جب کوئی شخص باندی سے نکاح کرے اور اسکا آقا اسے خاوند کے گھر بھیجدے تو خاوند پر نفقہ واجب ہوگا اور اگر خاوند کے گھر نہ بھیجے تو اس پر نفقہ واجب نہیں۔

بیویوں کے نفقہ کے کچھ اور احکام

لغات کی وضاحت:۔ فرض: مقرر کرنا۔ متعین کرنا۔ کفیل: ضامن۔ الاعسار: مفلسی۔ تنگدستی۔ موسر: مالدار۔ شهور: شہر کی جمع: مہینے۔

تشریح و توضیح: ومن اعسر بنفقته لم يفرق بينهما الخ فرماتے ہیں کہ اگر خاوند بیوی کے نفقہ کی ادائیگی سے عاجز و مجبور ہو جائے تو قاضی اس کی وجہ سے ان دونوں کے درمیان عند الاحنافؒ تفریق نہیں کرائیگا چاہے خاوند غائب ہو یا موجود بلکہ قاضی عورت کو یہ حکم کریگا کہ وہ کسی اور سے قرض لیکر اسے نفقہ میں محسوب کرلے اور اس قرض کا ادا کرنا خاوند پر لازم ہوگا۔ امام مالکؒ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک عورت کے اس صورت میں مطالبۂ تفریق پر تفریق کردی جائے گی۔ اس لئے کہ ارشادِ باری تعالٰی ہے "فامساك بمعروف او تسريح باحسان" (پھر خواہ رکھ لینا قاعدہ کے موافق خواہ چھوڑ دینا خوش عنوانی کے ساتھ) اور امساک بالمعروف عورت کے سارے حقوق کی ادائیگی ہے، جب وہ اس سے مجبور ہو گیا

تو از روئے قاعدہ اس کیلئے یہ بات متعین ہوگئی کہ وہ اسے چھوڑ دے۔ پھر حضرت امام مالکؒ اس تفریق کو طلاق قرار دیتے ہیں اور حضرت امام شافعیؒ و حضرت امام احمدؒ فسخ نکاح کہتے ہیں۔ احنافؒ فرماتے ہیں کہ ارشادِ ربانی "وَاِنْ کَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰی مَیْسَرَةٍ" سے اس کی نشاندہی ہوتی ہے کہ جب فقر و فاقہ سے ابتدائِ نکاح میں رکاوٹ نہیں تو بقاء پہ بدرجۂ اولیٰ رکاوٹ نہ ہوگا۔

وَاِذَا غَابَ الرَّجُلُ الخ۔ اگر یہ صورت ہو کہ خاوند خود موجود نہ ہو اور اس کا مال کسی شخص کے پاس قرض یا امانت موجود ہو اور وہ شخص اس کا اقرار و اعتراف بھی کرتا ہو تو اس صورت میں قاضی صرف زوجہ اور اس کے چھوٹے (نابالغ) بچوں اور والدین کا نفقہ اس مال سے مقرر کرکے اس کی زوجہ سے ایک ضامن اس پر لے لے گا کہ جو یہ حلف کریگا کہ خاوند نے اسے نفقہ عطا نہیں کیا، نیز یہ عورت نہ شوہر کی نافرمان ہے اور نہ طلاق یافتہ۔

وَاِذَا مَضَتْ مُدَّةٌ الخ۔ کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرے اور اسے ایک مدت تک نفقہ نہ دے پھر بیوی گذشتہ مدت کے نفقہ کی طلبگار ہو تو وہ کچھ نہ پائے گی۔ البتہ اس صورت میں گذشتہ کا نفقہ ملے گا کہ یہ نفقہ قاضی کا مقرر کردہ ہو یا عورت نفقہ کی کسی معین مقدار پر شوہر سے مصالحت کر چکی ہو۔ ائمۂ ثلاثہ کے نزدیک خواہ یہ قاضی نے نفقہ مقرر نہ کیا ہو اور خواہ باہم کسی مقدار پر مصالحت نہ ہوئی ہو تب بھی اس نفقہ کو بذمۂ شوہر دین قرار دیا جائے گا۔ وجہ یہ ہے کہ جس طرح مہر کا وجوب ہے ٹھیک اسی طرح نفقہ کا بھی وجوب ہے۔ احناف فرماتے ہیں کہ مہر منافع بضعہ کا عوض ہے اور نفقہ صلہ اور احتباس کی جزاء ہے اور صلات کا حکم یہ ہے کہ ان پر قبضہ سے قبل ملکیت حاصل نہیں ہوتی اور دونوں میں سے ایک کے مرجانے پر ساقط ہونے کا حکم کیا جاتا ہے۔

وَاِنْ اَسْلَفَهَا نَفَقَةَ سَنَةٍ الخ۔ اگر شوہر بیوی کو سال بھر کا نفقہ دینے کے بعد فوت ہو جائے تو امام ابوحنیفہؒ و امام ابویوسفؒ کے نزدیک دیا ہوا نفقہ بیوی سے واپس نہیں لیا جائے گا۔ اور امام محمدؒ و امام شافعیؒ کے نزدیک دیئے ہوئے نفقہ میں سے نفقۂ حیات وضع کرکے باقی حساب سے واپس لے لیں گے۔ اس لئے کہ نفقہ کا وجوب احتباس کی بناء پر ہوا کرتا ہے اور سال کی تکمیل سے قبل انتقال کے باعث عورت کو باقی نفقہ کا استحقاق نہیں ہوا۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ نفقہ کو ایک طرح کا عطیہ قرار دیتے ہیں جس پر وہ قابض ہو چکی اور عطیات کی مرنے کے بعد واپسی نہیں ہوا کرتی۔

یُبَاعُ فِیْهَا الخ۔ یعنی غلام کو نفقہ کی ادائیگی کی خاطر اس کا آقا فروخت کریگا۔ مگر یہ چند شرائط کے ساتھ مشروط ہے۔ (۱) غلام نے یہ نکاح آقا کی اجازت کے بغیر کیا ہو۔ (۲) یہ نفقہ قاضی کا مقرر کردہ ہو (۳) آقا نے اس کا جزیہ دینا اختیار نہ کیا ہو اس لئے کہ اس صورت میں اسے فروخت نہیں کیا جائیگا۔

وَاِذَا تَزَوَّجَ الرَّجُلُ اَمَةً فَبَوَّاَهَا الخ۔ کسی شخص نے کسی باندی سے نکاح کیا اور اس کے آقا نے اسے شوہر کے گھر بھیجدیا تو شوہر پر اس کے نفقہ کا وجوب ہوگا اور اگر آقا اسے شوہر کے گھر نہ بھیجے تو اس صورت میں اس کا نفقہ شوہر پر واجب نہ ہوگا۔

وَنفقةُ الاَوْلادِ الصّغارِ علی الابِ لایُشارِکُہٗ فیھا احدٌ کما لایُشارِکُہٗ فی نفقۃِ زوجتِہٖ
اور باپ پر چھوٹے بچوں کا نفقہ بلا شرکت غیرے اسی طرح ہوگا جس طرح کسی شرکت کے بغیر زوجہ کا نفقہ شوہر پر ہوتا
اَحَدٌ وَاِنْ کانَ الولدُ رضیعًا فلیسَ علی اُمّہٖ اَنْ تُرضِعَہٗ وَیَستاجرُ لہٗ الابُ مَن تُرضِعُ
ہے۔ اور شیر خوار بچہ کی ماں پر اسے دودھ پلانا واجب نہیں۔ اور بچہ کا باپ دودھ پلانیوالی عورت کو اجرت پر رکھے جو بچہ کی
عندَھا فان استاجرَھا وھی زوجتُہٗ اَوْ معتدّتُہٗ لتُرضِعَ وَلدَھا لم یَجُز وَاِنْ انقضَتْ
ماں کے پاس رہ کر اسے دودھ پلائیگی اور اگر بچہ کی ماں کو اجرت پر رکھے درانحالیکہ وہ (ابھی) اس کی منکوحہ یا معتدہ ہو تاکہ وہ اسے دودھ پلاۓ
عِدّتُھا فاستاجرَھا علٰی اِرضاعِہٖ جازَ وَاِنْ قالَ الابُ لا اَستاجرُھا وجاءَ بغیرِھا فرضِیَتْ
تو درست ہے اور اگر عدت پوری ہو چکی ہو اور اسی کو بچہ کو دودھ پلانیکی خاطر اجرت پر لے تو درست ہے اور اگر بچہ کا باپ کہے کہ میں اسے اجرت
الاُمُّ بمثلِ اُجرۃِ الاجنبیّۃِ کانتِ الاُمُّ اَحقَّ بہٖ وَاِنِ التمسَتْ زِیادۃً لم یُجبَرِ
پر نہ لونگا اور وہ کسی دوسری عورت کو اجنبیہ جیسی اجرت پر لے آیا ہو اور بچہ کی ماں اس پر رضامند ہو تو جائز ہے۔ اور بچہ کی ماں اسکی زیادہ
الزّوجُ علیھا ونفقۃُ الصّغیرِ واجبۃٌ علٰی اَبیہِ وَاِنْ خالفَہٗ فی دینِہٖ کما تجبُ نفقۃُ
مستحق ہوگی اور اس کے زیادہ اجرت مانگنے کی صورت میں خاوند پر اس کیلئے جبر نہیں کیا جائیگا اور بچہ کا نفقہ بچہ کے والد پر واجب ہے خواہ
الزّوجۃِ علی الزّوجِ وَاِنْ خالفتہٗ فی دینِہٖ۔
باعتبارِ دین وہ اس کے خلاف کیوں نہ ہو جسطرح کہ زوجہ کے نفقہ کا وجوب شوہر پر ہوتا ہے خواہ وہ اسکے دین کے خلاف ہو (مثلاً کتابیہ ہو)۔

بچوں کے نفقہ کا ذکر

تشریح و توضیح

ونفقۃ الاولاد الصّغار الخ۔ یعنی بچہ کا نفقہ والدین اور بیوی کے نفقہ کی طرح بچہ کے باپ پر لازم ہوگا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے "وَعَلَی المولودِ لہٗ رزقھنّ وکسوتھنّ" (اور جس کا بچہ ہے (یعنی باپ) اس کے ذمہ ہے۔ ان (ماؤں) کا کھانا اور کپڑا)

بچوں کا نفقہ محض باپ پر واجب ہوتا ہے اور اس میں اس کا کوئی شریک نہیں ہوتا۔ اس سے قطع نظر کہ باپ پیسے والا ہو یا مفلس۔ مفتیٰ بہ قول یہی ہے۔

فلیس علی امّہ ان ترضعہ الخ۔ ماں اگر بچہ کو دودھ نہ پلائے تو باپ پر واجب ہے کہ کسی دودھ پلانے والی عورت کا انتظام کرے جو بچہ کی ماں کے پاس رہتے ہوئے دودھ پلائے۔ یہ قید اس لئے لگائی کہ حقِ پرورش ماں کو حاصل ہے۔ لہٰذا باپ کیلئے درست نہیں کہ بچہ ماں سے لیکر دودھ پلانے والی عورت کو دیدے تاکہ وہ بچہ کو دوسرے کے گھر دودھ پلائے۔ اگر بچہ کا باپ اپنی ہی منکوحہ یا معتدہ بطلاقِ رجعی کو اجرت پر رکھ لے تو اسے دودھ پلانے کی اجرت دینا جائز نہیں۔ البتہ اگر اس کی عدت پوری ہو گئی ہو تو اسے بھی اجرت پر رکھنا اجنبیہ کیطرح جائز ہوگا۔

یہ حکم اس صورت میں ہے کہ باپ کو بچہ کی ماں کے علاوہ کسی اور کو بطور اُنا رکھنے میں بوجہ مالداری کوئی ضرر نہ ہو اور وہ بآسانی اس خرچ کا تحمل کر سکے اور ماؤں کی بچوں سے محبت و مہربانی کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ انھیں دودھ پلانے سے صرف عذر کی صورت میں انکار کریں بلا عذر نہیں۔

ونفقۃ الصغیر واجبۃ علی ابیہ الخ۔ جس طرح بیوی کا نفقہ خواہ شوہر مفلس ہی کیوں نہ ہو شوہر پر واجب ہوتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح چھوٹے بچوں کا نفقہ باپ پر واجب ہوگا۔ چاہے باپ مالدار ہو یا تنگدست

وَاِذَا وَقَعَتِ الْفُرْقَۃُ بَیْنَ الزَّوْجَیْنِ فَالْاُمُّ اَحَقُّ بِالْوَلَدِ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ لَہٗ اُمٌّ فَاُمُّ الْاُمِّ
اور اگر میاں بیوی کے درمیان علیحدگی ہو جائے تو بچہ کی ماں اسکی زیادہ مستحق ہے اور وہ نہ ہو تو دادی کے مقابلہ میں

اَوْلٰی مِنْ اُمِّ الْاَبِ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ لَہٗ اُمُّ الْاُمِّ فَاُمُّ الْاَبِ اَوْلٰی مِنَ الْاَخَوَاتِ فَاِنْ لَّمْ
نانی اس کی زیادہ مستحق ہوگی۔ اور نانی نہ ہونے پر بہنوں کے مقابلہ میں دادی زیادہ مستحق ہوگی۔ اور دادی نہ ہونے

تَکُنْ لَہٗ جَدَّۃٌ فَالْاَخَوَاتُ اَوْلٰی مِنَ الْعَمَّاتِ وَالْخَالَاتِ وَتُقَدَّمُ الْاُخْتُ مِنَ الْاَبِ وَ
پر پھوپھیوں اور خالاؤں کے مقابلہ میں بہنیں زیادہ مستحق ہوں گی۔ اور حقیقی بہن کو مقدم قرار دیا جائے گا۔

الْاُمِّ ثُمَّ الْاُخْتُ مِنَ الْاُمِّ ثُمَّ الْاُخْتُ مِنَ الْاَبِ ثُمَّ الْخَالَاتُ اَوْلٰی مِنَ الْعَمَّاتِ وَ
اس کے بعد اخیافی بہن پھر علاتی (باپ شریک) بہن۔ پھر پھوپھیوں کے مقابلہ میں خالائیں زیادہ مستحق ہوں گی۔

یُنَزَّلْنَ کَمَا نُزِّلَتِ الْاَخَوَاتُ ثُمَّ الْعَمَّاتُ یُنَزَّلْنَ کَذٰلِکَ وَکُلُّ مَنْ تَزَوَّجَتْ مِنْ
اور ان کے درمیان ترتیب بہنوں کی ترتیب کیطرح ہوگی پھر پھوپھیوں کے درمیان ترتیب اسی طرح ہوگی اور ان عورتوں میں

ھٰٓؤُلَآءِ سَقَطَ حَقُّھَا فِی الْحَضَانَۃِ اِلَّا الْجَدَّۃَ اِذَا کَانَ زَوْجُھَا الْجَدَّ۔
سے جو عورت نکاح کرلے اس کا حق پرورش باقی نہ رہے گا بجز نانی کے جبکہ اس کا خاوند بچہ کا دادا ہی ہو۔

بچہ کی پرورش کے مستحقین کا ذکر

تشریح و توضیح

وَاِذَا وَقَعَتِ الْفُرْقَۃُ بَیْنَ الزَّوْجَیْنِ فَالْاُمُّ اَحَقُّ الخ۔ بچہ کی پرورش کا جہاں تک تعلق ہے اس کی سب سے بڑھ کر حقدار اس کی ماں ہے۔ طلاق سے پہلے اور طلاق کے بعد، دونوں صورتوں میں یہی حکم ہے۔ مسند احمد اور ابوداؤد میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت نے خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول! میرا یہ بیٹا کہ جس کیلئے میرا پیٹ رہائش کی جگہ اور میری چھاتیاں مقامِ سیرابی اور میری گود حفاظت گاہ رہی ہے۔

اس بچہ کے باپ نے مجھے طلاق دیکر اسے مجھ سے چھیننے کا ارادہ کیا ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تو اس کی زیادہ مستحق ہے تاوقتیکہ تو (اس کے غیر محرم سے) نکاح نہ کرے۔ لمعات حاشیۂ مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ یہ حدیث مطلق ہے اور اس میں علمائے احناف نے غیر محرم کی قید لگائی ہے کہ اگر وہ بچہ کے غیر ذی رحم محرم سے نکاح کرے گی تو اس کا حق پرورش ساقط ہو جائے گا۔ اور محرم سے کرنے میں حق حضانت (پرورش) بدستور باقی رہے گا۔

وکل من تزوجت من ھؤلاء الخ۔ یعنی ان ذکر کردہ عورتوں میں سے جنھیں بالترتیب بچہ کا حق پرورش حاصل ہے جو بھی بچہ کے کسی غیر ذی رحم محرم سے نکاح کریگا اس کا حق پرورش ساقط ہو جائے گا۔ وجہ یہ ہے کہ قدرتی طور پر اجنبی شخص اپنی منکوحہ کے ساتھ آئی ہوئی اولاد کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھتا اور اس کی نظر میں اس کی کوئی خاص وقعت نہیں ہوتی اور عموماً اس پر اپنا پیسہ صرف کرنے میں انقباض محسوس کرتا ہے۔ اور اس کی تعلیم و تربیت کی جانب توجہ نہیں کرتا۔ ایسے ماحول میں اس عورت کے زیر پرورش بچہ کا رہنا بچہ کے حق میں نقصان دہ ہوتا ہے اور اسکے تاریک مستقبل کی نشاندہی کرتا ہے۔ اس واسطے شرعاً ایسی عورت کے حق حضانت کو ساقط کر دیا گیا۔ البتہ حق پرورش باقی رہنے اور نکاح کے باوجود ساقط نہ ہونے کی ایک استثنائی صورت بھی ہے۔ وہ یہ کہ بچہ کی نانی نے بچہ کے دادا سے نکاح کر لیا ہو تو اس سے نانی کا حق حضانت ساقط نہ ہوگا۔

فَاِنْ لَمْ تَكُنْ لِلصَّبِيِّ اِمْرَأَةٌ مِنْ اَهْلِهٖ وَاخْتَصَمَ فِيْهِ الرِّجَالُ فَاَوْلَاهُمْ بِهٖ اَقْرَبُهُمْ تَعْصِيْبًا
اور اگر بچہ کے رشتہ داروں میں سے کوئی عورت بچہ کیواسطے موجود نہ ہو اور مرد اسکے بارے میں نزاع کریں تو انہیں زیادہ مستحق قریبی عصبہ قرار دیا
وَالْاُمُّ وَالْجَدَّةُ اَحَقُّ بِالْغُلَامِ حَتّٰى يَاْكُلَ وَحْدَهٗ وَيَشْرَبَ وَحْدَهٗ وَيَلْبَسَ وَحْدَهٗ وَيَسْتَنْجِيْ
جائیگا اور بچہ پر ماں اور نانی کا اسوقت تک زیادہ حق برقرار رہے گا جب تک وہ اپنے آپ کھانے پینے، پہننے اور استنجاء کرنیکے قابل نہ
وَحْدَهٗ وَبِالْجَارِيَةِ حَتّٰى تَحِيْضَ وَمَنْ سِوَى الْاُمِّ وَالْجَدَّةِ اَحَقُّ بِالْجَارِيَةِ حَتّٰى تَبْلُغَ حَدًّا
ہو جائے اور لڑکی پر ماہواری آنے تک۔ اور ماں و نانی کے سوا عورتوں کو لڑکی کے مشتہاۃ ہونے تک حق رہے گا۔ اور
تُشْتَهٰى وَالْاَمَةُ اِذَا اَعْتَقَهَا مَوْلَاهَا وَاُمُّ الْوَلَدِ اِذَا اُعْتِقَتْ فَهِيَ فِي الْوَلَدِ كَالْحُرَّةِ وَ
باندی اور ام ولد جب حلقۂ غلامی سے آزاد ہو جائیں تو ان کا حکم آزاد عورت کا سا ہو گا۔ اور باندی و
لَيْسَ لِلْاَمَةِ وَاُمِّ الْوَلَدِ قَبْلَ الْعِتْقِ حَقٌّ فِي الْوَلَدِ وَالذِّمِّيَّةُ اَحَقُّ بِوَلَدِهَا مِنْ زَوْجِهَا الْمُسْلِمِ
ام ولد کو آزاد ہونے سے قبل بچہ پر کوئی استحقاق نہ ہوگا۔ اور ذمیہ عورت مسلمان خاوند کے بمقابل بچہ کو دین کی سمجھ
مَا لَا يَعْقِلُ الْاَدْيَانَ وَيُخَافُ عَلَيْهِ اَنْ يَاْلَفَ الْكُفْرَ وَاِذَا اَرَادَتِ الْمُطَلَّقَةُ اَنْ تُخْرِجَ
آنے تک اور اسوقت تک کہ کفر پر میلان کا اندیشہ نہ ہو اپنے بچہ کی زیادہ مستحق ہو گی اور مطلقہ کیلئے یہ درست نہیں کہ وہ

بولدِها من المصر فليس لها ذلك إلا أن تخرجه إلى وطنها وقد كان الزوج تزوجها
اپنا بچہ شہر سے باہر لیجائے ۔ الا یہ کہ وہ اسے وطن لے جارہی ہو جہاں کہ اس کا خاوند اسے عقدِ نکاح میں لایا تھا ۔
فيه وعلى الرجل أن ينفق على أبويه وأجداده وجداته إذا كانوا فقراء وإن خالفوه
اور آدمی پر واجب ہے کہ وہ ماں باپ اور دادوں اور نانیوں کے مفلس ہونیکی صورت میں ان پر خرچ کرے خواہ وہ اس کے
في دينه ولا تجب النفقة مع اختلاف الدين إلا للزوجة والأبوين والأجداد والجدات
دین کے خلاف دین پر کیوں نہ ہوں اور اختلافِ دین کے ساتھ نفقہ واجب ہوگا البتہ بیوی ، ماں باپ ، دادوں ، نانیوں اور
والولد وولد الولد ولا يشارك الولد في نفقة أبوين أحد والنفقة واجبة لكل ذي
بیٹوں ، پوتوں کا نفقہ واجب ہوگا ۔ اور بچہ کے ساتھ ماں باپ کے نفقہ میں کسی کی شرکت نہ ہوگی اور نفقہ ہر ذی رحم محرم کا جو
رحم محرم منه إذا كان صغيرا فقيرا أو كانت امرأة بالغة فقيرة أو كان
صغیر اور مفلس ہو یا بالغہ مفلس لڑکی ہو یا محتاج مرد یا نابینا مفلس ہو ،
ذكرا زمنا أو أعمى فقيرا يجب ذلك على قدر الميراث وتجب نفقة الابنة
ترکہ کی مقدار کے اعتبار سے واجب ہوگا ۔ اور بالغہ لڑکی اور محتاج
البالغة والابن الزمن على أبويه أثلاثا على الأب الثلثان وعلى الأم الثلث ولا تجب
لڑکے کا نفقہ ان کے ماں باپ پر اثلاث کے طور سے واجب ہوگا یعنی والد پر دو تہائی اور ایک تہائی والدہ پر واجب
نفقتهم مع اختلاف الدين ولا تجب على الفقير وإذا كان للابن الغائب مال قضي
ہوگا اور دین میں اختلاف ہو تو انکے نفقہ کا وجوب نہ ہوگا اور مفلس پر ان کے نفقہ کا وجوب ہوگا اور اگر غائب لڑکے کا مال موجود ہو
عليه بنفقة أبويه وإن باع أبواه متاعه في نفقتهما جاز عند أبي حنيفة رحمه
تو اس سے والدین کے نفقہ کی ادائیگی کا حکم ہوگا اور اگر ماں باپ اپنے نفقہ کی خاطر لڑکے کا سامان فروخت کردیں تو درست ہے
الله وإن باعا العقار لم يجز وإن كان للابن الغائب مال في يد أبويه فأنفقا
امام ابوحنیفہؒ یہی فرماتے ہیں اور والدین کا زمین فروخت کرنا درست نہ ہوگا اور اگر غائب لڑکے کے مال پر والدین قابض ہوں اور وہ
منه لم يضمنا وإن كان له مال في يد أجنبي فأنفق عليهما بغير أمر القاضي
اس میں سے خرچ کرلیں تو ان پر ضمان نہ آئیگا اور اگر کسی غیر شخص کے قبضہ میں اسکا مال ہو اور وہ ان دونوں پر بلا حکم قاضی خرچ
ضمن وإذا قضى القاضي للولد والوالدين وذوي الأرحام بالنفقة فمضت مدة
کرے تو ضمان لازم آئیگا اگر قاضی بچوں ، ماں باپ اور نفقہ ، ذوی الارحام کا فیصلہ کردے اور اسے ایک مدت گذر جائے
سقطت إلا أن يأذن لهم القاضي في الاستدانة عليه وعلى المولى أن ينفق
تو اس کے ساقط ہونے کا حکم ہوگا الا یہ کہ قاضی اس شخص کی ذمہ داری پر قرض لیتے رہنے کی اجازت عطا کردے ۔ آقا کیلئے
على عبده وأمته فإن امتنع وكان لهما كسب اكتسبا أنفقا منه على أنفسهما
اپنے غلام اور باندی پر خرچ کرنا واجب ہے اگر وہ خرچ نہ کرے اور ان کا کسب کردہ کچھ مال موجود ہو تو وہ خود پر اس میں صرف

وَاِنْ لَمْ یَکُنْ لَهُمَا کَسْبٌ اُجْبِرَ الْمَوْلٰی عَلٰی بَیْعِهِمَا۔

کرلیں اور انکی کوئی کمائی نہ ہونے پر آقا پر یہ دباؤ ڈالا جائے گا کہ وہ انھیں فروخت کرڈالے۔

لغات کی وضاحت:- الصبی: بچہ۔ اختصم: جھگڑنا۔ احق: زیادہ مستحق۔ الجاریۃ: لڑکی۔ الذمیۃ: کتابیہ عورت۔ العقار: زمین۔ کسب: کمائی۔

نفقہ کے کچھ اور احکام کا بیان

تشریح و توضیح

اقربهم تعصیبا الخ۔ اس سے قبل ان عورتوں کے بارے میں بیان کیا گیا ہے جو بالترتیب اور درجہ بدرجہ بچہ کی پرورش کی مستحق ہیں اور انھیں بچہ کی پرورش کا حق حاصل ہے۔ لیکن فرماتے ہیں کہ اگر ان مذکورہ عورتوں میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو کہ بچہ اس کے زیر پرورش رہ سکتا ہے تو اب مردوں میں جو بچہ کا سب سے زیادہ قریبی عصبہ ہو اور وراثت میں زیادہ حقدار ہو، اس کو حق پرورش حاصل ہوگا۔ یعنی اول باپ، اس کے بعد دادا، اس کے بعد پردادا، اور پھر حقیقی بھائی، پھر علاتی بھائی علیٰ ہذا القیاس۔

وَالام والجدۃ احق بالغلام الخ۔ طلاق یا شوہر کی موت کے باعث علیحدگی ہو جائے تو بچہ کی پرورش کا حق ماں کو حاصل ہو جائے گا۔ وجہ یہ ہے کہ ماں اپنے بچہ پر باپ کے مقابلہ میں زیادہ شفیق و مہربان اور مراعات کا برتاؤ کرنیوالی ہوتی ہے۔ لہٰذا ماں کی قرابت باپ کی قرابت سے مقدم قرار دی گئی۔ یہ حق اس وقت تک باقی رہے گا جب تک وہ اپنا کام خود کرنیکے قابل اور عورتوں کی خدمت سے بے نیاز نہ ہو جائے۔ حضرت خصافؒ اس کی مدت سات برس قرار دیتے ہیں۔ احنافؒ کا مفتیٰ بہ قول یہی ہے اس لئے کہ عادۃً اتنی عمر تک بچہ خود کھانے پینے پہننے لگتا ہے، اور اپنا کام انجام دینے لگتا ہے اور وہ دوسروں کا محتاج نہیں رہتا اور اب ضرورت اس کی ہوتی ہے کہ وہ تعلیم و آداب و اخلاق سے اچھی طرح روشناس ہو اور مرد اس کام کو بخوبی انجام دے سکتے ہیں فرماتے ہیں اگر بچہ کی ماں موجود نہ ہو تو پھر اس کی جگہ نانی کو اسی طرح اور اسی تفصیل کے مطابق حق پرورش حاصل ہوگا۔

وبالجاریۃ حتی تحیض الخ۔ اور اگر یہ بچہ لڑکا نہیں بلکہ لڑکی ہو تو اس کا حق پرورش اس کے بالغہ ہونے تک ماں یا نانی کو حاصل رہے گا۔ وجہ لڑکے اور لڑکی کے درمیان اس فرق کی اور لڑکی کے بالغہ ہونے تک ماں کو حق پرورش رہنے کی یہ ہے کہ اتنی مدت میں وہ اسے عورتوں کے آداب اور طور طریقے سکھا دے گی اور کھانے پکانے، سینے پرونے، امور خانہ داری میں ماہر کردے گی جو آئندہ اس کی زندگی خوشگوار گذارنے اور زندگی

کے روشن مستقبل میں معاون ہوں گے۔ اور یہ امور اس طرح کے ہیں کہ انھیں عورت ہی بخوبی انجام دے سکتی اور سلیقہ سے آشنا کر سکتی ہے۔ پھر بالغہ ہونے کے بعد اس کی عفت وعصمت کی حفاظت اور اچھی جگہ شادی اس پر باپ کو زیادہ قدرت ہوتی ہے۔ پس بالغہ ہونے کے بعد باپ لڑکی کو اپنے زیر تربیت و پرورش لے لیگا۔

ومن سوی الام والجدۃ الخ۔ فرماتے ہیں ماں اور نانی کے علاوہ دوسری پرورش کرنیوالی عورتوں یعنی خالہ وغیرہ کو حق پرورش لڑکی کے مشتہاۃ ہونے تک رہے گا۔ حضرت ابواللیثؒ یہ عمر نو سال قرار دیتے ہیں کہ نو سال کی عمر میں عموماً لڑکی مشتہاۃ ہو جاتی ہے۔ حضرت امام محمدؒ کی ایک روایت کے مطابق ماں اور نانی و دادی کیلئے بھی یہ حکم ہے کہ وہ ان کے پاس نو سال کی عمر سے زیادہ تک نہ رہے گی۔ مگر مفتیٰ بہ قول یہ ہے کہ بالغہ ہونے تک حق پرورش رہے گا۔

تنبیہ: بیوی کی قرابت حق حضانت میں شوہر کی قرابت پر مقدم ہوگی۔ اسی وجہ سے بعض فقہاء خالہ کو علاتی بہن پر مقدم قرار دیتے ہیں اور اپنے استدلال کی تائید میں یہ حدیث پیش کرتے ہیں الخالۃ والدۃ (خالہ (گویا) ماں (ہی) ہے)۔ یہ روایت ابوداؤد شریف وغیرہ میں موجود ہے۔ اور خالہ کو علاتی بہن پر مقدم کرنا وفور شفقت کی بناء پر ہے۔ کہ خالہ کو بہن کی اولاد سے قدرتی طور پر زیادہ قلبی لگاؤ ہوتا ہے اور وہ زیادہ شفقت و محبت کا برتاؤ کرتی ہے۔

والامۃ اذا اعتقہا مولاہا الخ۔ اگر آقا اپنی خالص، باندی یا ام ولد کا کسی سے نکاح کردے اور نکاح کے بعد اس کے بچہ ہو جائے۔ اس کے بعد آقا اسے حلقۂ غلامی سے آزاد کردے تو اس صورت میں اس باندی کا حکم آزاد عورت کا سا ہوگا اور وہ بھی آزاد عورت کیطرح اس کی پرورش کی مستحق ہوگی۔ البتہ تاوقتیکہ یہ باندی یا ام ولد حلقۂ غلامی سے آزاد نہ ہو جائیں انھیں بچہ کا حق پرورش (وغیرہ) حاصل نہ ہوگا۔

والذمیۃ احق بولدہا الخ۔ فرماتے ہیں کہ مسلمان شوہر کے مقابلہ میں ذمیہ عورت کو اس وقت تک حق پرورش رہے گا جب تک ادیان کو سمجھنے نہ لگے اور یہ خطرہ نہ ہو کہ وہ کفر کی جانب راغب ہو جائیگا۔ اتنا شعور ہونے پر بچہ کا مسلمان باپ اسے لے لیگا۔ کیونکہ شعور کے بعد غیر مسلم ماں کے پاس رہنے میں اس کے سانچے میں ڈھل جانیکا قوی اندیشہ ہے۔

وعلی الرجل ان ینفق علی ابویہ الخ۔ جو شخص خود صاحب استطاعت ہو تو اس پر مفلس والدین، نانا نانی اور دادا دادی کا نفقہ لازم ہے۔ والدین خواہ کسب پر قادر ہی کیوں نہ ہوں۔ مگر ان کے ضرورت مند ہونے کی صورت میں بیٹے کا ان پر خرچ کرنا واجب ہے کیونکہ نفقہ کا خیال نہ رکھنے کی صورت میں وہ کمانے کے تعب میں مبتلا ہوں گے اور بیٹے پر دونوں سے دفع ضرر واجب ہے۔ یہ حکم والدین کے علاوہ دوسرے رشتہ داروں کا نہیں۔ ہدایہ اور حواشی ہدایہ میں اسی طرح ہے۔

وان خالفوہ فی الدین الخ۔ یعنی اگر بالفرض زوجہ، ماں، باپ، نانا، نانی، دادا، دادی اور بیٹے پوتے کا

دین اس سے مختلف ہو تب بھی انکے ضرورتمند ہونے پر انکا نفقہ اس پر واجب ہوگا۔ اور اختلاف دین کیوجہ سے یہ وجوب ساقط نہ ہوگا۔ یہ خصوصیت ان ذکر کردہ اصول و فروع کی ہے۔ ان کے علاوہ دوسرے رشتہ داروں کا یہ حکم نہیں بلکہ اختلاف دین کیوجہ سے انکا نفقہ بھی واجب نہ رہے گا۔ مسلمان پر کافر کے نفقہ کا اور کافر پر مسلمان کے نفقہ کا وجوب نہ ہوگا۔

اذا کان صغیرًا فقیرًا الخ۔ یعنی ہر ایسے ذی رحم محرم کا نفقہ جو صغیر اور فقیر و مفلس ہو اور اسی طرح بالغہ نادار لڑکی کا نفقہ اور محتاج مرد و نابینا کا نفقہ ترکہ کی مقدار کے اعتبار سے اس پر واجب ہوگا۔

وتجب نفقۃ الابنۃ البالغۃ والابن الزمن علی ابویہ اثلاثًا الخ۔ یعنی نادار بالغہ لڑکی اور محتاج بیٹے کا نفقہ دو تہائی والد اور ایک تہائی والدہ پر واجب ہوگا۔ اس جگہ کوئی یہ اشکال نہ کرے کہ اس سے قبل یہ کہا جا چکا ہے کہ نفقۂ اولاد کا وجوب صرف والد پر ہے اور اس جگہ والدین پر وجوب ثابت کر رہے ہیں۔ دراصل اس کا سبب یہ ہے کہ اس سے قبل جو حکم بیان کیا گیا وہ تو ظاہر الروایت کی بنیاد پر تھا اور اس جگہ ذکر کردہ حکم خصافؒ کی روایت کی بنیاد پر ہے۔

وان باع ابواہ متاعہٗ الخ۔ اگر کسی کے والدین نفقہ کی احتیاج کے باعث اس کے سامان کو فروخت کر ڈالیں تو یہ درست ہے اور اس بارے میں ان سے شرعًا کوئی بازپرس نہ ہوگی۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ یہی فرماتے ہیں۔ البتہ انکا زمین بیچنا درست نہ ہوگا۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ باپ بیٹے کے مال کی حفاظت کا والی و نگراں ہوتا ہے۔ اور منقولات کا فروخت کرنا حفاظت ہی کے قبیل سے ہے اور زمین کی بیع اس میں داخل نہیں کیونکہ وہ بنفسہ محفوظ ہے بس منتقل ہونے کے قابل چیز فروخت کرنے پر قیمت اس کے باپ کے حق کی جنس سے ہوگی اور وہ نفقہ ہے۔

کتاب العتاق

:: غلام آزاد کرنیکا ذکر ::

اَلْعِتْقُ یَقَعُ مِنَ الْحُرِّ الْبَالِغِ الْعَاقِلِ فِیْ مِلْکِہٖ فَاِذَا قَالَ لِعَبْدِہٖ اَوْ اَمَتِہٖ اَنْتَ حُرٌّ اَوْ

آزاد عاقل بالغ کے اپنی ملک میں سے آزاد کہنے سے آزادی واقع درست ہوگی لہٰذا اگر غلام یا باندی سے کہے کہ تو آزاد ہے یا

مُعْتَقٌ اَوْ عَتِیْقٌ اَوْ مُحَرَّرٌ اَوْ حَرَّرْتُکَ اَوْ اَعْتَقْتُکَ فَقَدْ عَتَقَ نَوَی الْمَوْلٰی الْعِتْقَ اَوْ

آزاد کیا گیا یا میں نے تجھے آزادی عطا کی تو وہ حلقۂ غلامی سے آزاد قرار دیا جائے گا چاہے آقا نے نیت آزادی کی ہو یا

لَمْ یَنْوِ وَکَذٰلِکَ اِذَا قَالَ رَاْسُکَ حُرٌّ اَوْ رَقَبَتُکَ اَوْ بَدَنُکَ اَوْ قَالَ لِاَمَتِہٖ فَرْجُکِ

نہ کی ہو۔ اور اسی طریقہ سے اگر کہے کہ "تیرا سر یا تیری گردن یا تیرا بدن آزاد ہے" یا باندی سے یہ کہے کہ تیری فرج آزاد

حُرٌّ وَاِنْ قَالَ لَا مِلْكَ لِي عَلَيْكَ وَنَوٰى بِهِ الْحُرِّيَّةَ عَتَقَ وَاِنْ لَمْ يَنْوِ لَمْ يَعْتِقْ وَكَذٰلِكَ
ہے اور اگر کہے کہ میری ملک تیرے اوپر نہیں اور اس سے آزاد کرنیکی نیت ہو تو آزاد شمار ہوگا اور عدم نیت کی صورت میں آزاد قرار نہیں دیا
جَمِيْعُ كِنَايَاتِ الْعِتْقِ وَاِنْ قَالَ لَا سُلْطَانَ لِي عَلَيْكَ وَنَوٰى بِهِ الْعِتْقَ لَمْ يَعْتِقْ وَاِذَا
جائیگا اور ایسے ہی آزادی سے متعلق سارے کنایات کا حکم ہے۔ اور اگر کہے کہ مجھے تجھ پر کوئی قدرت نہیں اور اس کے ذریعہ نیت آزادی کرے تو آزاد شمار
قَالَ هٰذَا ابْنِي وَثَبَتَ عَلٰى ذٰلِكَ اَوْ قَالَ هٰذَا مَوْلَايَ اَوْ يَا مَوْلَايَ عَتَقَ وَاِنْ قَالَ
نہ ہوگا اور اگر کہے اسے میرے لڑکے اور اسی پر ثابت رہے یا وہ کہے یہ میرا مولیٰ ہے یا کہے اے میرے مولیٰ تو آزاد شمار ہوگا اور اگر کہے
يَا ابْنِي اَوْ يَا اَخِي لَمْ يَعْتِقْ۔
اے میرے لڑکے یا اے میرے بھائی تو آزاد شمار نہ ہوگا۔

تشریح و توضیح

العتق یقع الخ۔ آزاد کرنیوالا اگر عاقل بالغ آزاد ہو تو اس کا آزاد کرنا صحیح ہوگا۔ احادیث سے آزاد کرنے کی ترغیب اور استحباب ثابت ہوتاہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو مسلمان کسی مؤمن کو آزاد کرے اللہ تعالیٰ اس غلام کے ہر عضو کے بدلہ آزاد کرنیوالے کے ہر عضو کو دوزخ سے آزاد کردیگا۔ نیز ارشاد ربانی ہے "فکاتبوہم ان علمتم فیہم خیرا" (الآیۃ) آزاد کرنے والے کے عاقل بالغ اور آزاد ہونیکی قید اسواسطے لگائی کہ آزاد کرنیوالا اپنے مملوک کو ہی آزاد کرسکتاہے۔ لہٰذا یہ جائز نہیں کہ غیر کے غلام کو آزاد کرے۔ حدیث شریف میں ہے کہ آدمی جس کا مالک نہیں اسے آزاد کرنیکا بھی حق نہیں۔ اور غلام کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا لہٰذا آزاد کرنے والا خود آزاد ہونا چاہئے۔ نیز الفاظ صریح میں خواہ آزاد کرنے کی نیت ہو یا نہ ہو بہر صورت آزاد ہونیکا حکم کیا جائے گا۔ البتہ الفاظ کنایہ کا جہاں تک تعلق ہے ان میں نیت کی ضرورت ہے۔ اگر آزاد کرنے کی نیت ہوگی تو آزاد ہوگا ورنہ آزاد نہ ہوگا۔

واذا قال ھذا ابنی او یا اخی الخ۔ اگر آقا اپنے غلام کو یا ابنی اور یا اخی کہہ کر پکارے تو آزادی ثابت نہ ہوگی۔ غایۃ البیان اور بحر میں ذکر کیا گیاہے کہ یہ حکم اس صورت میں ہے کہ جب وہ اس سے آزادی کی نیت نہ کرے اور اگر وہ آزاد کرنے کی نیت کرے تو آزاد ہو جائے گا۔ اور اسی طرح یہ کہنے کا حکم ہے "یا اخی من ابی وامی" (اے میرے حقیقی بھائی)۔ اس لئے کہ اس صورت میں بھی بشرطِ نیت آزاد ہو جائے گا۔ اور آقا اگر "ہذا ابنی" کہہ کر اسی پر قائم رہے اور یہ نہ کہتا ہو کہ مجھ سے اس بارے میں غلطی ہوئی کہ اس طرح کے الفاظ زبان پر آگئے تو یہ گویا آقا کے اعتراف کرلینے کے درجہ میں ہے کہ وہ اس کا بیٹاہے۔ اس طرح جمے رہنے اور اپنے قول کی تغلیط نہ کرنے کی صورت میں بھی یہ کسی نیت کے بغیر آزاد شمار ہوگا۔ یا اسیطرح اگر ہذا مولائی اور یا مولائی کہے اور اسی قول پر قائم رہے تب بھی بلا نیت آزاد قرار دیا جائیگا یعنی ان الفاظ کا الحاق صریح کے ساتھ ہو کر ضرورت نیت نہ رہے گی۔ البتہ حضرت امام زفرؒ اور ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ نیت کی احتیاج ہوگی اور نیت کے بغیر آزاد نہ ہوگا۔

وَاِنْ قَالَ لِغُلَامٍ لَهٗ لَا یُوْلَدُ مِثْلُهٗ لِمِثْلِهٖ هٰذَا اِبْنِیْ عَتَقَ عَلَیْهِ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ وَعِنْدَهُمَا
اور اگر آقا اپنے غلام کے بارے میں کہے کہ اسکے مانند پیدا ہونا ممکن نہیں یہ میرا لڑکا ہے تو وہ آزاد قرار دیا جائیگا امام ابوحنیفہؒ یہی فرماتے ہیں اور
لَا یَعْتِقُ وَاِنْ قَالَ لِاَمَتِهٖ اَنْتِ طَالِقٌ یَنْوِیْ بِهٖ الْحُرِّیَّةَ لَمْ تَعْتِقْ وَاِنْ قَالَ لِعَبْدِهٖ اَنْتَ
صاحبینؒ کے نزدیک آزاد شمار نہ ہوگا اور اگر اپنی باندی سے کہے کہ تو طلاق والی ہے اور اسکے ذریعہ نیت آزاد کرنیکی ہو تو آزاد شمار نہ ہوگی اور اگر آقا اپنے غلام سے
مِثْلُ الْحُرِّ لَمْ یَعْتِقْ وَاِنْ قَالَ مَا اَنْتَ اِلَّا حُرٌّ عَتَقَ عَلَیْهِ وَاِذَا مَلَكَ الرَّجُلُ ذَا رَحِمٍ
کہے کہ تو آزاد کیطرح ہے تو آزاد شمار نہ ہوگا اور اگر کہے کہ تو نہیں لیکن آزاد تو آزاد قرار دیا جائے گا اور جب کسی شخص کو اپنے ذی رحم محرم پر
مُحَرَّمٍ مِنْهُ عَتَقَ عَلَیْهِ وَاِذَا اَعْتَقَ الْمَوْلٰی بَعْضَ عَبْدِهٖ عَتَقَ عَلَیْهِ ذٰلِكَ الْبَعْضُ وَ
ملکیت حاصل ہو جائے تو وہ آزاد ہو جایا کرتا ہے اور اگر آقا اپنے غلام کے بعض حصے کو آزاد کرے تو آزاد شمار ہوگا اور باقی قیمت کی
یَسْعٰی فِیْ بَقِیَّةِ قِیْمَتِهٖ لِمَوْلَاهُ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَا یَعْتِقُ كُلُّهٗ وَاِذَا كَانَ
خاطر آقا کیواسطے سعی کرے گا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ یہی فرماتے ہیں۔ امام ابویوسفؒ و امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ وہ سارا آزاد قرار دیا جائے
الْعَبْدُ بَیْنَ شَرِیْكَیْنِ فَاَعْتَقَ اَحَدُهُمَا نَصِیْبَهٗ عَتَقَ فَاِنْ كَانَ الْمُعْتِقُ مُوْسِرًا فَشَرِیْكُهٗ
گا اور جب غلام میں دو شریک ہوں اور ان میں سے ایک شریک اپنے حصہ کے بقدر آزاد کر دے تو وہ آزاد شمار ہوگا پھر آزاد کرنیوالے کے مالدار ہونے پر
بِالْخِیَارِ اِنْ شَاءَ اَعْتَقَ وَاِنْ شَاءَ ضَمَّنَ شَرِیْكَهٗ قِیْمَةَ نَصِیْبِهٖ وَاِنْ شَاءَ اِسْتَسْعَی الْعَبْدَ
اس کے شریک کو حق ہوگا کہ خواہ آزادی عطا کر دے اور خواہ شریک سے اپنے حصہ کے بقدر ضمانت وصول کرلے اور خواہ وہ غلام سے سعی کرائے۔
وَاِنْ كَانَ مُعْسِرًا فَالشَّرِیْكُ بِالْخِیَارِ اِنْ شَاءَ اَعْتَقَ وَاِنْ شَاءَ اِسْتَسْعَی الْعَبْدَ وَ
اور آزاد کرنیوالے کے مفلس ہونے پر شریک کو یہ حق ہے کہ خواہ وہ بھی آزادی عطا کردے اور خواہ غلام سے سعی کرائے۔ امام
هٰذَا عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَ اَبُوْ یُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ لَیْسَ لَهٗ اِلَّا
ابوحنیفہ رحمہ اللہ یہی فرماتے ہیں اور امام ابویوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک وہ مالدار ہونیکی شکل میں ضامن ہو گا۔
الضَّمَانُ مَعَ الْیَسَارِ وَالسِّعَایَةُ مَعَ الْاِعْسَارِ وَاِذَا اشْتَرٰی رَجُلَانِ اِبْنَ اَحَدِهِمَا
اور مفلس ہونے کی شکل میں سعی کرائے گا۔ اور اگر دو آدمی اپنے میں کسی ایک کے لڑکے کو خرید یں تو
عَتَقَ نَصِیْبُ الْاَبِ وَلَا ضَمَانَ عَلَیْهِ وَكَذٰلِكَ اِذَا وَرِثَاهُ وَالشَّرِیْكُ بِالْخِیَارِ
باپ کے حصہ کے بقدر آزاد شمار ہوگا اور اس پر ضمان لازم نہ ہوگا اور ایسا ہی حکم اس وقت ہوگا جبکہ وہ اس کے وارث بن رہے ہوں
اِنْ شَاءَ اَعْتَقَ نَصِیْبَهٗ وَاِنْ شَاءَ اِسْتَسْعَی الْعَبْدَ وَاِذَا شَهِدَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنَ الشَّرِیْكَیْنِ
اور شریک کو یہ حق حاصل ہوگا کہ خواہ اپنے حصہ کو آزاد کرے اور خواہ غلام کے ذریعہ سعی کرائے اور اگر دونوں شریکوں میں سے ہر شریک
عَلَی الْاٰخَرِ بِالْحُرِّیَّةِ سَعَی الْعَبْدُ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا فِیْ نَصِیْبِهٖ مُوْسِرَیْنِ اَوْ مُعْسِرَیْنِ عِنْدَ
دوسرے پر آزادی کی شہادت دے تو غلام ان میں سے ہر ایک کے حصہ کی خاطر سعی کریگا خواہ وہ پیسہ والے ہوں یا مفلس امام ابوحنیفہؒ
اَبِیْ حَنِیْفَةَ وَقَالَا اِنْ كَانَا مُوْسِرَیْنِ فَلَا سِعَایَةَ وَاِنْ كَانَا مُعْسِرَیْنِ سَعٰی لَهُمَا وَاِنْ
یہی فرماتے ہیں اور امام ابویوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک ان کے مالدار ہونے پر غلام سعی نہ کریگا اور دونوں کے مفلس ہونے پر دونوں کی خاطر

کانا احدهما موسرًا والآخر معسرًا سعیٰ للموسر ولم یسع للمعسر۔
سعی کریگا اور اگران دونوں میں ایک مالدار اور دوسرا مفلس ہو تو مالدار کے واسطے سعی کریگا اور مفلس کیواسطے سعی نہ کریگا۔

لغات کی وضاحت :۔ سعی : غلام کا آقا کو کما کر دینا۔ المعتق : آزاد کرنیوالا۔ موسر : پیسے والا، مالدار۔ الخیار : اختیار۔ معسر : مفلس۔

غلام کے بعض حصّے کے آزاد کرنیکا ذکر

تشریح و توضیح وإذا اعتق المولیٰ بعض عبده الخ۔ اگر کسی شخص نے پورا غلام آزاد کرنے کے بجائے اس کے کچھ حصہ کو آزاد کردیا تو حضرت امام ابوحنیفہؒ اسے صحیح قرار دیتے ہوئے اتنے ہی حصہ کے آزاد ہونیکا حکم فرماتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں نہ وہ غلام اپنے باقیماندہ حصہ کی آزادی کی خاطر سعی کریگا۔ مثال کے طور پر اگر وہ غلام ہزار روپئے کی قیمت والا ہو اور آقا نے اس کا نصف حصہ آزاد کیا ہو تو وہ پانچ سو روپئے کما کر آقا کو دیگا اور مکمل آزاد ہو جائے گا۔ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ اور امام مالکؒ، امام شافعیؒ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ غلام کا کچھ حصہ آزاد کرنے پر وہ سارا آزاد شمار ہوگا اور غلام پر سعی لازم نہ ہوگی۔ یہ حکم دراصل اس بنیاد پر ہے کہ جسطرح بالاتفاق آزادی کی تجزی نہیں ہوتی ٹھیک اسی طریقہ سے آزاد کرنے کی بھی تجزی نہ ہوگی اور اس کے ٹکڑے نہ ہوں گے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ اعتاق ملک کا زائل و ختم کرنا ہے اس لئے کہ مالک کو اپنا حق ختم کرنیکا اختیار ہے اور مملوک میں اس کی ملکیت ہے اور ملک میں تجزی ہوتی ہے تو اسی طرح اس کے ازالہ میں تجزی ہوگی۔

وإذا کان العبد بین شریکین الخ۔ اگر ایک غلام میں دو شریک اشخاص میں سے ایک اپنے حصہ کو آزاد کردے تو اس صورت میں آزاد کرنیوالے کے مالدار ہونے پر دوسرے شریک کو اختیار ہوگا کہ خواہ وہ اپنا حصہ بھی آزاد کردے اور یا آزاد کرنیوالے شریک سے اپنے حصے کی قیمت کے بقدر ضمان وصول کرلے یا اس غلام سے سعی کرائے کہ کما کر اسے اس کے حصہ کی قیمت دیدے۔ اور آزاد کرنیوالا نادار ہو تو پھر دوسرا شخص ضمان نہ لے گا بلکہ اسے یہ حق ہوگا کہ خواہ اپنے حصہ کو بھی حلقۂ غلامی سے آزاد کردے اور خواہ غلام سے سعی کرائے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ یہی فرماتے ہیں۔ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ آزاد کرنیوالا مالدار ہو تو دوسرا شریک اس سے ضمانت لے لے اور تنگدست ہے تو غلام سے سعی کرالے۔

وإذا اشتری رجلان ابن احدهما الخ۔ اگر ایسا ہو کہ دو آدمی مل کر ایک غلام خریدیں اور پھر وہ ان دونوں میں سے کسی ایک کا لڑکا نکلے تو حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ باپ کے حصہ کو کسی ضمان کے بغیر آزاد قرار دیا

جائیگا۔ اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ باپ پر ضمان لازم آئے گا۔ اس واسطے کہ اس کا خریداری میں شرکت کرنا ہی اسے آزادی عطا کرنا ہے تو گویا اس نے حصۂ شریک کو فاسد کیا۔
امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک انحصارِ حکم تعدی کے سبب پر ہوگا اور اس جگہ تعدی کا وجود نہیں اس واسطے کہ قریبی رشتہ دار کے حلقۂ غلامی سے آزاد ہونیکا تعلق اسکے فعلِ اختیاری سے نہیں ہوا۔ پس اس بناء پر ضمان کا وجوب بھی نہ ہوگا البتہ جہانتک اس کے شریک کا تعلق ہے اسے یہ حق ہوگا کہ خواہ اپنے حصہ کو بھی آزاد کردے اور خواہ بذریعۂ غلام سعی کرالے کہ وہ کما کر قیمت ادا کردے۔ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ آزاد کرنیوالے کے مالدار ہونے کو کیونکہ سعایت سے مانع قرار دیتے ہیں اس واسطے ان کے نزدیک محض ضمان کا وجوب ہوگا اور آزاد کرنیوالے کے مفلس ہونے پر وہ بذریعۂ غلام سعی کرائے گا، اور قیمت وصول کرے گا۔
وَاِذَا شَھِدَ کُلُّ وَاحِدٍ الخ۔ اگر دونوں شریکوں میں سے ہر شریک دوسرے کے بارے میں یہ کہتا ہو کہ وہ اپنے حصہ کو حلقۂ غلامی سے آزاد کرچکا تو حضرت امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں غلام دونوں کے لئے سعی کرے گا۔ خواہ دونوں پیسہ والے ہوں یا مفلس۔ اس لئے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک نے دوسرے کے بارے میں آزاد کرنے اور اپنے بارے میں مکاتبت کی اطلاع دی ہے لہٰذا ہر ایک کے قول کو اس کے اپنے بارے میں قابلِ قبول قرار دیا جائے گا اور غلام دونوں ہی کیلئے سعی کریگا۔ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ دونوں کے مالدار ہونیکی صورت میں سعی کا وجوب نہ ہوگا اس لئے کہ آزاد کرنیوالے کا پیسہ والا ہونا ان کے نزدیک سعایت میں رکاوٹ ہوتا ہے اور دونوں کے مفلس ہونے پر غلام دونوں کے واسطے سعی کریگا۔ اس لئے کہ دونوں دعویدارِ سعایت ہیں، اور ان میں سے ایک کے مالدار ہونے پر غلام برائے مالدار سعی کرے گا۔ اس لئے کہ یہ مالدار دوسرے شریک کے ضامن ہونے کا دعویدار نہیں بلکہ غلام کی سعی کا دعویدار ہے اور مفلس مالدار کے ضامن ہونے کا دعوے دار ہے۔

وَمَنْ اَعْتَقَ عَبْدَهٗ لِوَجْهِ اللّٰهِ تَعَالٰی اَوْ لِلشَّيْطٰنِ اَوْ لِلصَّنَمِ عَتَقَ وَعِتْقُ الْمُكْرَهِ وَالسَّكْرَانِ
اور جو شخص اپنے غلام کو اللہ تعالیٰ کیواسطے، یا شیطان یا بُت کیواسطے آزاد کردے تو آزاد قرار دیا جائیگا۔ زبردستی کے باعث
وَاقِعٌ وَاِذَا اَضَافَ الْعِتْقَ اِلٰی مِلْكٍ اَوْ شَرْطٍ صَحَّ كَمَا يَصِحُّ فِي الطَّلَاقِ وَاِذَا خَرَجَ
آزاد کرنے اور بحالتِ نشہ آزاد کرنے سے آزاد ہو جائیگا اور اگر آزادی کی اضافت ملک کیجانب یا شرط کیجانب کرے تو درست ہے۔ جس طرح کہ طلاق
عَبْدُ الْحَرْبِيِّ مِنْ دَارِ الْحَرْبِ اِلَيْنَا مُسْلِمًا عَتَقَ وَاِذَا اَعْتَقَ جَارِيَةً حَامِلًا عَتَقَتْ
کے اندر درست ہے اور اگر دار الحرب کے غیر مسلم باشندہ کا غلام مسلمان ہو کر دار الحرب سے ہماری جانب (دار الاسلام) چلا آئے تو وہ آزاد شمار ہوگا۔
وَعَتَقَ حَمْلُهَا وَاِنْ اَعْتَقَ الْحَمْلَ خَاصَّةً عَتَقَ وَلَمْ يَعْتِقِ الْاُمُّ وَاِذَا اَعْتَقَ عَبْدَهٗ
اور حاملہ باندی آزاد کیجانے پر حلقۂ غلامی سے آزاد ہو جائے گی اور اسکے حمل کو بھی آزاد قرار دیں گے اور اگر خصوصیت کے ساتھ حمل کو آزاد کیا

عَلٰی مَالٍ فقبلَ العبدُ ذٰلکَ عتق ولزمَہ المَالُ وَاِن قَالَ اِن اَدَّیتَ اِلَیَّ الفًا فانتَ
جائے تو وہی آزاد ہوگا اسکی ماں آزاد نہ ہوگی۔ اور اگر غلام بعوض مال آزاد کرے اور وہ اسے قبول کرلے تو وہ آزاد قرار دیا جائیگا اور اس پر مال
حُرٌّ صحّ وَلزمَہ المَالُ وصَارَ مَاذونًا فَاِن اَحضرَ المَالَ اَجبَرَ الحاکِمُ المَولیٰ
کا لزوم ہوگا اور اگر کہے کہ تیرے مجھ کو ہزار درہم ادا کرنے پر حلقۂ غلام آزاد ہے تو یہ درست ہوگا اور مال واجب ہوگا اور اسے ماذون قرار دیں گے
عَلٰی قبضِہٖ وَ عتقَ العَبدُ وَ وَلدُ الامَۃِ مِن مَولاھا حُرٌّ وَ ولدُھا مِن زَوجِھا
پھر اگر اس نے مال پیش کردیا تو حاکم اسکے آقا کو اس پر مجبور کریگا کہ وہ مال لیلے اور غلام آزاد شمار ہوگا اور آقا کے نطفہ سے باندی کے پیداشدہ بچہ آزاد
مَملوکٌ لسیّدِھَا وَ ولدُ الحرّۃِ مِنَ العَبدِ حُرٌّ۔
ہوگا اور باندی کے خاوند سے پیدا ہونیوالا بچہ اسکے آقا کا مملوک شمار ہوگا اور غلام شوہر سے آزاد عورت کے پیداشدہ بچہ کو آزاد قرار دیا جائیگا۔

آزادی کے کچھ اور احکام

تشریح و توضیح

وعتق المکرہ والسّکران واقعٌ الخ۔ اگر کسی شخص کو آزاد کرنے کے بارے میں زبردستی کیجائے اور وہ اس کے نتیجہ میں غلام آزاد کردے یا کوئی شخص نشہ کی حالت میں ہو اور اس سے اسی حالت میں غلام آزاد کرنے کے لئے کہا جائے اور وہ یہ بات تسلیم کرتے ہوئے غلام کو حلقۂ غلامی سے آزاد کردے تو دونوں صورتوں میں غلام کے آزاد ہوجانیکا حکم ہوگا اور زبردستی کے باعث یا اس کے نشہ میں ہونے کی وجہ سے عدم وقوع اور غلام کے غلام برقرار رہنے کا حکم ہوگا۔ اس لئے کہ ترمذی اور ابوداؤد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "ثلث جدّھنّ جدٌّ وھزلھنّ جدٌّ النکاحُ والطلاقُ والرجعۃُ" (تین چیزیں ایسی ہیں کہ مذاق اور بغیر مذاق دونوں طرح واقع ہوجاتی ہیں یعنی نکاح، طلاق اور رجعت) صاحب لمعات حاشیۂ مشکوٰۃ میں وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ احناف اس روایت "لا طلاق ولا عتاق فی اغلاق" اسے ہزل پر قیاس کرتے ہوئے درست قرار دیتے ہیں۔ احناف کے نزدیک اصل یہ ہے کہ ہر وہ عقد جس میں فسخ کا احتمال نہ ہو تو اس کے نفاذ میں اکراہ مانع نہیں بنتا۔

واذا اعتق عبدہٗ علٰی مالٍ الخ۔ اگر کوئی شخص اپنے غلام کو بعوض مال آزاد کرے اور غلام اسے قبول کرلے تو اسے آزاد قرار دیا جائے گا خواہ اس نے ابھی مال کی ادائیگی نہ کی ہو اور اس پر مال کا ادا کرنا لازم ہوگا اور اگر آقا تعلیق علی المال کرتے ہوئے اس طرح کہے کہ اگر تو مجھ کو ہزار کی ادائیگی کردے تو حلقۂ غلامی سے آزاد ہے تو اسے تجارت کی اجازت دیا گیا قرار دیا جائیگا اور اس پر مال کی ادائیگی لازم ہوگی اور مال پیش کردینے پر وہ آزاد شمار ہوگا اگر آقا انکار کریگا تو حاکم اسے مجبور کرے گا کہ وہ لے لے۔

باب التدبیر

مدبر بنانے کا بیان

اِذا قال المولیٰ لمملوکہٖ اِذا متُّ فانت حرٌّ او انت حرٌّ عن دُبر منّی او انت
اگر آقا اپنے غلام سے کہے کہ میرے مرنے پر تو حلقۂ غلامی سے آزاد ہے یا میرے بعد تو نعمتِ آزادی سے ہمکنار ہے یا تو مدبّر
مُدبّرا او قد دبّرتک فقد صار مُدبّرًا لا یجوز بیعہٗ ولا ھبتہٗ ولا تملیکہٗ وللمولیٰ
ہوگیا، یا میں تجھ کو مدبر کرچکا ہوں تو اسے مدبر قرار دیا جائے گا اور اسے نہ فروخت کرنا درست ہوگا اور نہ ہبہ کرنا اور نہ تملیک اور اس
اَن یستخدمہٗ ویُؤاجرہٗ واِن کانت اَمۃً فلہٗ اَن یطأھا ولہٗ اَن یُزوّجھا واِذا
کا آقا اس سے خدمت لے سکتا اور اجرت پر دے سکتا ہے اور باندی ہونے پر اس سے ہمبستر ہوسکتا اور اسکا نکاح کرسکتا ہے اور آقا
مات المولیٰ عتق المُدبّر من ثُلث مالہٖ اِن خرج من الثلث فاِن لم یکن لہٗ مالٌ
کے انتقال پر مدبر آزاد اس سے تہائی مال سے قرار دیا جائے گا بشرطیکہ وہ تہائی سے ہو سکے اور اس کا مال مدبر کے علاوہ نہ ہونے
غیرہٗ سعٰی فی ثُلثی قیمتہٖ فاِن کان علی المولیٰ دینٌ یستغرق قیمتہٗ سعٰی فی جمیع
پر غلام اپنی دو تہائی قیمت کی خاطر سعی کرے اور اگر آقا پر اس قدر قرض ہو کہ اسکی قیمت پر حاوی ہو جائے تو وہ قرض خواہوں کی
قیمتہٖ لغُرمائہٖ وولد المدبّرۃ مدبّرٌ فاِن علّق التدبیر بموتہٖ علی صفۃٍ مثل
خاطر ساری قیمت میں سعی کرے اور مدبرہ کے بچہ کو بھی مدبر قرار دیا جائے گا اگر مدبر کرنے کو اپنے انتقال کے ساتھ کوئی سی صفت پر معلق
اَن یقول اِن متُّ من مرضی ھٰذا او فی سفری ھٰذا او من مرضِ کذا فلیس بمدبّرٍ
کرے مثلاً کہے کہ اگر میرا اس مرض میں انتقال ہو جائے یا اس سفر میں مرجاؤں یا فلاں مرض میں انتقال ہوجائے تو اسے مدبر کرنا
یجوز بیعہٗ فاِن مات المولیٰ علی الصفۃ التی ذکرھا عتق کما یعتق المدبّر۔
قرار نہ دیں گے اور اسے فروخت کرنا درست ہوگا اور اگر آقا کا انتقال اسی بیان کردہ صفت پر ہو تو آزاد ہونے والے کو مدبر کی طرح یہ آزاد قرار دیا جائیگا۔

تشریح و توضیح

باب التدبیر ۔ از روئے لغت اس کے معنے انجام سوچنے، انتظار کرنے اور غور کرنے کے آتے ہیں۔ اور اصطلاحی اعتبار سے غلام کے نعمت آزادی سے ہمکنار ہونے کو اپنے مرنے کے ساتھ معلق کرنیکا نام ہے۔ پس آقا اگر غلام سے خطاب کرتے ہوئے اس طرح کہے کہ میرے انتقال پر تو نعمتِ آزادی سے ہمکنار ہے تو اسے مدبّر قرار دیا جائے گا اور اس پر مدبر کے احکام کا نفاذ ہوگا۔
احنافؒ اور حضرت امام مالکؒ اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ نہ تو اس کو بیع کرنا جائز، نہ ہبہ کرنا درست اور نہ تملیک صحیح۔ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اگر احتیاج ہو تو بوقتِ احتیاج درست ہے۔ ان کا مستدل بخاری و مسلم میں مروی حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ہے کہ ایک انصاری

صحابی جو مقروض تھے ان کا ایک مدبر غلام رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے آٹھ سو دراہم میں بیچ کر ارشاد فرمایا کہ ان دراہم سے اپنے قرض کی ادائیگی کر لو۔ احناف کا مستدل دارقطنی میں مروی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی یہ روایت ہے کہ مدبر کو نہ فروخت کریں نہ ہبہ کریں اور وہ تہائی ترکہ سے آزاد قرار دیا جائے گا۔ رہی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت تو اسے یا تو آغازِ اسلام پر محمول کریں گے یا اس کا تعلق مدبر مقید سے ہوگا اور یا اس سے مراد اجارہ کے منافع ہوں گے۔

فان علق التدبیر بموته الخ۔ یہاں صاحب کتاب ایسے مدبر کا حکم بیان فرما رہے ہیں جو مقید ہوا ور اس کے آزاد ہونیکا تعلق آقا کے انتقال سے نہ ہو بلکہ ذکر کردہ زائد وصف کے مطابق مرنے سے ہو۔ مثال کے طور پر آقا کہے کہ اگر میں اسی مرض یا اسی سفر یا فلاں مرض میں مرجاؤں تو تو حلقۂ غلامی سے آزاد ہے۔ مدبر مقید کا جہاں تک تعلق ہے اسے فروخت کرنا اور ہبہ وغیرہ جائز ہے۔ اس لئے کہ ٹھیک اسی طرح آقا کی بیان کردہ تفصیل کے مطابق اس کا انتقال غیر یقینی ہے۔ اس کے برعکس مدبر غیر مقید کہ اس کی آزادی کا تعلق آقا کے انتقال سے ہوتا ہے خواہ انتقال کسی بھی طرح ہو۔

بَابُ الاستیلادِ

ام ولد ہونیکا بیان

إِذَا وَلَدَتِ الْأَمَةُ مِنْ مَوْلَاهَا فَقَدْ صَارَتْ أُمَّ وَلَدٍ لَهُ لَا يَجُوزُ بَيْعُهَا وَلَا تَمْلِيكُهَا
باندی کے اگر آقا کے نطفہ سے بچہ پیدا ہو تو وہ اس کی ام ولد ہو جائے گی اور نہ اسے فروخت کرنا جائز ہوگا اور نہ اس کی تملیک

وَلَهُ وَطْؤُهَا وَاسْتِخْدَامُهَا وَإِجَارَتُهَا وَتَزْوِيجُهَا وَلَا يَثْبُتُ نَسَبُ وَلَدِهَا إِلَّا أَنْ يَعْتَرِفَ
اور آقا کو اس کے ساتھ ہمبستری اور حصولِ خدمت اور اجرت پر دینا اور اس کا نکاح کر دینا درست ہے اور اس کا بچہ ثابت النسب ہوگا الا یہ کہ آقا

بِهِ الْمَوْلَى فَإِنْ جَاءَتْ بِوَلَدٍ بَعْدَ ذَلِكَ ثَبَتَ نَسَبُهُ مِنْهُ بِغَيْرِ إِقْرَارٍ فَإِنْ نَفَاهُ
اعتراف کرے پھر اس کے بعد وہ بچہ کو جنم دے تو آقا سے ثابت النسب ہوگا اور انکار کرے تو ثابت النسب نہ ہوگا اسی کے قول کے مطابق

انْتَفَى بِقَوْلِهِ وَإِنْ زَوَّجَهَا فَجَاءَتْ بِوَلَدٍ فَهُوَ فِي حُكْمِ أُمِّهِ وَإِذَا مَاتَ الْمَوْلَى عَتَقَتْ مِنْ
اور اگر وہ اس کا نکاح کر دے اور وہ بچہ کو جنم دے تو اس کا حکم ماں کا سا ہوگا۔ اور آقا کے انتقال پر باندی سارے مال سے

جَمِيعِ الْمَالِ وَلَا تَلْزَمُهَا السِّعَايَةُ لِلْغُرَمَاءِ إِنْ كَانَ عَلَى الْمَوْلَى دَيْنٌ وَإِذَا وَطِئَ الرَّجُلُ
آزاد قرار دیجائے گی اور اس پر قرض خواہوں کی خاطر سعی واجب نہ ہوگی جبکہ آقا مقروض ہو۔ اور جب کوئی شخص کسی دوسرے

أَمَةَ غَيْرِهِ بِنِكَاحٍ فَوَلَدَتْ مِنْهُ ثُمَّ مَلَكَهَا صَارَتْ أُمَّ وَلَدٍ لَهُ وَإِذَا وَطِئَ الْأَبُ جَارِيَةَ ابْنِهِ
کی باندی سے نکاح کے باعث ہمبستری کرے اور وہ بچہ کو جنم دے پھر شوہر کو اس پر ملکیت حاصل ہو جائے تو وہ اسی کی ام ولد ہو جائے گی

فَجَاءَتْ بِوَلَدٍ فَادَّعَاهُ ثَبَتَ نَسَبُهُ مِنْهُ وَصَارَتْ أُمَّ وَلَدٍ لَهُ وَعَلَيْهِ قِيمَتُهَا وَلَيْسَ عَلَيْهِ
اور اگر باپ اپنے لڑکے کی باندی سے صحبت کرے اور وہ بچہ کو جنم دے اور باپ اس کا مدعی ہو تو وہ اسی سے ثابت النسب ہوگا اور وہ اسی کی

عقرها ولا قيمة ولدها وان وطئ اب الاب مع بقاء الاب لم يثبت النسب منه و
ام ولد قرار دیا جائیگی اور باپ پر باندی کی قیمت کا وجوب ہوگا اور اس پر اس کا مہر لازم نہ ہوگا اور نہ بچہ کی قیمت واجب ہوگی اور اگر دادا صحبت کرے درآں

ان كان الاب ميتا ثبت من الجد كما يثبت من الاب واذا كانت الجارية بين
حالیکہ باپ موجود ہو تو بچہ دادا سے ثابت النسب ہوگا اور باپ کا اگر انتقال ہو چکا ہو تو دادا سے ثابت النسب باپ کیطرح ہو جائیگا اور اگر کسی باندی

شريكين فجاءت بولد فادعاه احدهما ثبت نسبه منه وصارت ام ولد له وعليه
میں دو شریک ہوں پھر وہ بچہ کو جنم دے اور ان دونوں میں سے ایک مدعی ہو تو بچہ اسی سے ثابت النسب ہوگا اور باندی اسی کی ام ولد قرار دیجائیگی

نصف عقرها ونصف قيمتها وليس عليه شئ من قيمة ولدها وان ادعياه معا ثبت
اور اسی طرح آدھا مہر اور آدھی قیمت کا وجوب ہوگا اور اس پر بچہ کی قیمت کا وجوب نہ ہوگا اور ان دونوں کے مدعی ہونے کی صورت میں دونوں سے

نسبه منهما وكانت الامة ام ولد لهما وعلى كل واحد منهما نصف العقر وتقاصا
ثابت النسب ہوگا اور باندی کو دونوں ہی کی ام ولد قرار دیں گے اور ان دونوں میں سے ہر ایک پر آدھا مہر لازم ہوگا اور دونوں باہم

بمالہ علی الآخر ويرث الابن من كل واحد منهما ميراث ابن كامل ويرثان منه
مقاصہ مال کریں گے اور دونوں میں سے ہر ایک سے بچہ بیٹے کی سی میراث پائے گا اور دونوں کو اس بچہ کا وارث قرار دیا جائیگا ایک

ميراث اب واحد واذا وطئ المولى جارية مكاتبه فجاءت بولد فادعاه فان صدقه
والد کی میراث کے بقدر اور اگر مالک اپنے مکاتب کی باندی کے ساتھ صحبت کرے اور وہ بچہ کو جنم دے اور مالک اس کا مدعی ہو تو مکاتب کے

المكاتب ثبت نسبه منه وكان عليه عقرها وقيمة ولدها ولا تصير ام ولد له وان
اس کے قول کی تصدیق کرنے پر بچہ اس سے ثابت النسب ہوگا اور آقا پر باندی کے مہر اور بچہ کی جو قیمت ہو اس کا وجوب ہوگا اور باندی کو اسکی ام ولد

كذبه المكاتب في النسب لم يثبت۔
قرار نہ دیں گے اور مکاتب کے نسب کی تکذیب کرنے پر اس سے ثابت النسب نہ ہوگا۔

لغات کی وضاحت

:- استخدام : خدمت لینا۔ اجارۃ : اجرت پر دینا۔ عقر : مہر، تاوان۔

تشریح و توضیح

باب الاستیلاد :- از روئے لغت استیلاد کے معنے طلب ولد اور اولاد کی آرزو کے آتے ہیں۔ خواہ یہ خواہش و تمنا اپنی منکوحہ سے ہو یا باندی سے مگر اصطلاح فقہاء کے اعتبار سے یہ باندی ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔

اذا ولدت الامة من مولاها الخ۔ باندی کے ساتھ آقا کے ہمبستر ہونے پر استقرارِ حمل ہو جائے اور وہ بچہ کو جنم دے تو وہ آقا کی ام ولد بن جلئے گی اور اب اس کا حکم یہ ہے کہ نہ تو اسے فروخت کرنا درست ہوگا اور نہ تملیک درست ہوگی۔ اس لئے کہ دار قطنی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ام ولد کی بیع کی ممانعت فرمائی۔ علاوہ ازیں مؤطا امام مالکؒ میں حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ جو باندی اپنے

آقا کے نطفہ سے بچہ کو جنم دے تو نہ اس کا آقا اسے بیچے اور نہ اس کو ہبہ کرے البتہ تاحیات اس سے انتفاع کرے۔
ثبت نسبہ منہ بغیر اقرار الخ۔ فرماتے ہیں کہ ام ولد کے دوسرے بچہ کا جہاں تک تعلق ہے اس کیلئے یہ ضروری نہیں کہ آقا اقرار کرے بلکہ وہ اس کے اقرار کے بغیر ہی اس سے ثابت النسب ہو گا۔ البتہ پہلے کے نسب کے اس سے ثابت ہونیکا انحصار اس کے اقرار پر ہے۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک اگر آقا ہمبستر ہونے کا اقرار کرے تو کسی دعوے کے بغیر ہی وہ اس سے ثابت النسب ہو گا۔ اس واسطے کہ صرف عقد نکاح ہی سے جو کہ صحبت تک پہنچانیوالا ہے ثبوت نسب ہو جاتا ہے تو صحبت سے بدرجۂ اولیٰ وہ ثابت النسب ہو گا۔ احناف کا مستدل طحاوی کی یہ روایت ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ باندی کے ساتھ ہمبستری کرتے تھے۔ وہ حاملہ ہو گئی تو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ میرا نہیں اس لئے کہ ہمبستری سے میرا مقصود شہوت کو پورا کرنا تھا، بچہ کا حصول نہیں۔
ثم ملکھا صارت ام ولد لہ الخ۔ کوئی شخص دوسرے کی باندی کے ساتھ ہمبستر ہوا اور وہ بچہ کو جنم دے اس کے بعد وہ شخص کسی طرح اس باندی کا مالک ہو جائے تو اسے اسی کی ام ولد قرار دیں گے۔ اس لئے کہ بچہ کے نسب کا جہاں تک معاملہ ہے وہ بہر صورت اسی سے ثابت النسب ہو گا تو باندی کے اس کی ام ولد ہونیکا بھی ثبوت ہو جائیگا۔
واذا کانت الجاریۃ بین شریکین الخ۔ اگر کسی باندی کی ملکیت میں دو آدمی شریک ہوں اور وہ بچہ کو جنم دے پھر ان میں سے ایک اس کا مدعی ہو کہ وہ اس کی ام ولد ہے تو اس صورت میں بچہ اسی سے ثابت النسب ہو گا۔ اور باندی کو اسی کی ام ولد قرار دیں گے اور دعویٰ کرنے والے پر آدھا مہر مثل اور باندی کی آدھی قیمت کا وجوب ہو گا، البتہ بچہ کی قیمت کا وجوب نہ ہو گا۔ اور اگر ایسا ہو کہ دونوں ہی شریک اس کے دعویدار ہوں تو اس صورت میں نسب کے دونوں ہی سے ثابت ہونیکا حکم ہو گا اور یہ باندی دونوں شریکوں کی ام ولد قرار دی جائے گی۔ اور دونوں پر آدھے مہر مثل کا وجوب ہو گا اور ان میں باہم مقاصہ ہو جائے گا یعنی دونوں شریک اپنے اپنے حق کو آپس میں وضع کر لیں گے، اور بچہ کا جہاں تک تعلق ہے اسے دونوں سے ہی بیٹے کی سی کامل وراثت ملے گی اور ان دونوں کو باپ کا سا ترکہ ملے گا۔
فان صدقہ المکاتب الخ۔ اگر ایسا ہو کہ کسی مکاتب کا آقا اس کی باندی کے ساتھ صحبت کرلے اور وہ بچہ کو جنم دے اور آقا مدعی ہو کہ بچہ اس کا ہے۔ اور مکاتب بھی آقا کے قول کی تصدیق کرے تو اس تصدیق کے باعث بچہ آقا سے ثابت النسب ہو گا۔ اور آقا پر واجب ہو گا کہ وہ بچہ کی قیمت اور باندی کے مہر مثل کی ادائیگی کرے اور باندی اس کی مملوکہ نہ ہونیکی بنا پر اس کی ام ولد قرار نہیں دیجائے گی اور اگر مکاتب آقا کے قول کی تصدیق کرنیکے بجائے تکذیب کرے اور اس کے اس دعوے کو کہ یہ بچہ اسکا ہے غلط قرار دے تو اس صورت میں بچہ مکاتب کے آقا سے ثابت النسب نہ ہو گا۔ وجہ یہ ہے کہ مکاتب کے کسب کا جہاں تک تعلق ہے اس کے اندر اس کے آقا کو تصرف کا حق و اختیار حاصل نہیں۔ پس اس صورت میں ثبوت نسب کے لئے یہ ناگزیر ہے کہ مکاتب بھی اس کے قول کی تصدیق کرے ورنہ اس کا دعویٰ بے سود ہو گا۔

کتاب المکاتب

مکاتب کا بیان

إِذَا كَاتَبَ الْمَوْلَىٰ عَبْدَهُ أَوْ أَمَتَهُ عَلَىٰ مَالٍ شَرَطَهُ عَلَيْهِ وَقَبِلَ الْعَبْدُ ذٰلِكَ صَارَ مُكَاتَبًا

اگر آقا اپنے غلام یا باندی کے ساتھ کسی مشروط مال پر مکاتبت کرلے اور غلام اسے منظور کرلے تو وہ مکاتب ہو جائے گا۔

وَيَجُوْزُ أَنْ يَشْتَرِطَ الْمَالَ حَالًّا وَيَجُوْزُ مُؤَجَّلًا مُنَجَّمًا وَيَجُوْزُ كِتَابَةُ الْعَبْدِ الصَّغِيْرِ إِذَا كَانَ

اور یہ درست ہے کہ فوری مال ادا کرنے کی شرط لگائے یا بالاقساط کی۔ اور ایسے کم عمر غلام کو مکاتب بنانا درست ہے جسے

يَعْقِلُ الْبَيْعَ وَالشِّرَاءَ فَإِذَا صَحَّتِ الْكِتَابَةُ خَرَجَ الْمُكَاتَبُ مِنْ يَدِ الْمَوْلَىٰ وَلَمْ يَخْرُجْ مِنْ مِلْكِهِ وَ

بیع و شراء کی سمجھ ہو۔ پھر کتابت درست ہونے پر قبضۂ آقا سے مکاتب نکل جائے گا مگر اس کی ملکیت سے نہ نکلے گا اور

يَجُوْزُ لَهُ الْبَيْعُ وَالشِّرَاءُ وَالسَّفَرُ وَلَا يَجُوْزُ لَهُ التَّزَوُّجُ إِلَّا بِإِذْنِ الْمَوْلَىٰ وَلَا يَهَبُ وَلَا يَتَصَدَّقُ

مکاتب کیلئے بیع و شراء اور سفر درست ہوگا اور اسے نکاح کرنا درست نہ ہوگا مگر باجازتِ آقا اور وہ بجز معمولی سی چیز کے نہ ہبہ

إِلَّا بِالشَّيْءِ الْيَسِيْرِ وَلَا يَتَكَفَّلُ فَإِنْ وُلِدَ لَهُ وَلَدٌ مِنْ أَمَةٍ لَهُ دَخَلَ فِيْ كِتَابَتِهِ وَكَانَ

کریگا اور نہ صدقہ کریگا اور نہ وہ کسی کی کفالت کریگا پس اگر اس کی باندی بچہ کو جنم دے تو وہ بھی داخل کتابت قرار دیا جائیگا اور بچہ کا

حُكْمُهُ كَحُكْمِهِ وَكَسْبُهُ لَهُ فَإِنْ زَوَّجَ الْمَوْلَىٰ عَبْدَهُ مِنْ أَمَتِهِ ثُمَّ كَاتَبَهُمَا فَوَلَدَتْ مِنْهُ وَلَدًا

حکم بھی باپ کا سا ہوگا اور اس کی کمائی برائے مکاتب قرار دی جائیگی۔ اگر آقا نے اپنے غلام کا نکاح اپنی باندی کے ساتھ کردیا اس کے بعد دونوں

دَخَلَ فِيْ كِتَابَتِهِمَا وَكَانَ كَسْبُهُ لَهَا وَإِنْ وَطِئَ الْمَوْلَىٰ مُكَاتَبَتَهُ لَزِمَهُ الْعُقْرُ وَإِنْ جَنَىٰ

کو مکاتب بنادیا اسکے بعد باندی نے بچہ کو جنم دیا تو وہ دونوں کے ساتھ شامل کتابت شمار ہوگا اور اسکی کمائی ماں کیواسطے قرار دیجائیگی اور آقا باندی

عَلَيْهَا أَوْ عَلَىٰ وَلَدِهَا لَزِمَتْهُ الْجِنَايَةُ وَإِنْ أَتْلَفَ مَالَهَا غَرِمَهُ وَإِذَا اشْتَرَى الْمُكَاتَبُ

مکاتبہ سے ہمبستری کرے تو مہر کا وجوب ہوگا اور اس کے اوپر یا بچہ پر جنایت کریگا تو تاوان کا لزوم ہوگا اور اس کے مال کے ضائع کرنے پر تاوان

أَبَاهُ أَوِ ابْنَهُ دَخَلَ فِيْ كِتَابَتِهِ وَإِنِ اشْتَرَىٰ أُمَّ وَلَدِهِ مَعَ وَلَدِهَا دَخَلَ وَلَدُهَا فِي

کا وجوب ہوگا اور اگر مکاتب اپنے والد یا لڑکے کو خرید لیا تو اسکی کتابت میں وہ بھی شامل قرار دیئے جائینگے۔ اور اپنی ام ولد مع بچہ کے خریدنے

الْكِتَابَةِ وَلَمْ يَجُزْ لَهُ بَيْعُهَا وَإِنِ اشْتَرَىٰ ذَا رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْهُ لَا وِلَادَ لَهُ لَمْ يَدْخُلْ

پر بچہ کو شامل کتابت قرار دیا جائیگا۔ اور اس کے واسطے یہ درست نہ ہوگا کہ ام ولد کو فروخت کرے اور کسی ایسے ذی رحم محرم کو خریدنے پر جس کے

فِيْ كِتَابَتِهِ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رحمہ اللہ۔

ساتھ رشتۂ ولادت نہ ہو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وہ داخل کتابت شمار نہ ہوگا۔

لغات کی وضاحت: منجمًا: تھوڑا تھوڑا، قسط وار۔ الیسیر: معمولی۔ تھوڑی۔ العقر: مہر مثل۔

تشریح و توضیح

کتاب المکاتب۔ فقہاء کی اصطلاح میں آقا کا غلام کو اس شرط کے ساتھ معاملۂ آزادی کرنے کا نام ہے کہ اتنا مال ادا کر دے تو تو حلقۂ غلامی سے آزاد ہے۔ اب اگر غلام اس شرط کو قبول و منظور کرتے ہوئے اس شرط کو پورا کر دے تو وہ آزاد ہو جائیگا۔

ویجوز ان یشترط المال الخ۔ یعنی مکاتب بناتے ہوئے اگر آقا مال فوری ادا کرنے کی شرط کرلے تو اسے بھی درست کہا جائے گا۔ اور اگر یہ شرط کرے کہ تھوڑا تھوڑا ادا کر دے قسطوں میں دیدے فوری طور پر کل ادا کرنا ضروری نہیں تو یہ شرط بھی درست ہوگی۔ اور اس مکاتبت کے جائز ہونے میں غلام کا بالغ ہونا شرط نہیں، اگر نابالغ کم سن مگر باشعور اور خرید و فروخت کو سمجھنے والے غلام سے مکاتبت کرلے تو یہ بھی درست ہوگی۔ پھر مکاتبت کے درست ہونے پر آقا اسے تصرف سے نہ روک سکے گا اور بیع و شراء وغیرہ میں خود مختار رہو گا۔ البتہ آقا کی ملکیت تا ادائیگیٔ بدل کتابت بر قرار رہے گی۔

ویجوز لہ البیع والشراء والسفر الخ۔ مکاتب کیواسطے یہ جائز ہوگا کہ وہ بیع و شراء کرے، سفر کرے۔ اسلئے کہ کتابت کا اثر یہ ہے کہ غلام کو تصرفات کے اعتبار سے آزادی حاصل ہو جائے اور وہ اس میں آقا کا پابند نہ رہے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے جبکہ اسے مستقل طریقہ سے اس طرح کے تصرف کا حق حاصل ہو جس کے نتیجہ میں وہ بدلِ کتابت کی ادائیگی کرکے نعمت آزادی سے ہمکنار ہو سکے، سفر کرنا بھی اسی زمرے میں داخل ہے۔

ولا یجوز لہ التزوج الا باذن المولی الخ۔ فرماتے ہیں مکاتب کیلئے یہ جائز نہیں کہ وہ بلا اجازتِ آقا نکاح کرلے۔ وجہ یہ ہے کہ اسے اس طرح کے کاموں کی اجازت دی گئی جو بدلِ کتابت ادا کرنے اور نعمت آزادی سے ہمکنار ہونے میں اس کے مددگار ہوں اور نکاح کے باعث وہ زوجہ کے نفقہ اور مہر وغیرہ کی فکر میں پڑجائے گا اور یہ اس کے اصل مقصد میں رکاوٹ بن جائیں گے۔

فان ولد لہ ولدا من امۃ الخ۔ اگر ایسا ہو کہ باندیٔ مکاتب کسی بچہ کو جنم دے اور مکاتب مدعیٔ نسب ہو تو اس بچہ کو زمرۂ کتابت میں شمار کیا جائے گا اور بچہ جو کمائے گا وہ برائے مکاتب ہوگا اس لئے کہ بچہ کا حکم اس کے مملوک کا سا ہے۔ تو جس طرح نسب کے دعوے کے سلسلہ میں اس کی آمدنی برائے مکاتب ہے۔ ٹھیک اسی طرح بعد دعویٰ نسب بھی اس کی قرار دیجائے گی

فان زوج المولی عبدہ من امتہ الخ۔ اگر ایسا ہو کہ آقا اپنے غلام کا نکاح اپنی ہی باندی کے ساتھ کر دے، اس کے بعد وہ انھیں مکاتب بنادے پھر وہ باندی بچہ کو جنم دے تو بچہ کو ماں کے زمرۂ کتابت میں شامل قرار دیں گے اس لئے کہ بچہ کا جہاں تک تعلق ہے وہ خواہ غلامی ہو یا آزادی دونوں میں اسے ماں کا تابع شمار کیا جائے گا۔ اور یہ بچہ جو کمائے گا اس کی بھی مستحق ماں ہوگی۔ اس لئے کہ اس کا استحقاق باپ سے بڑھ کر ہے۔

وان وطی المولی مکاتبتہ الخ۔ اگر اپنی کسی مکاتبہ باندی کے ساتھ آقا صحبت کرے یا یہ اس کے بچہ پر یا خود اس پر یا مال پر ارتکاب جنایت کرے تو آقا پر تاوان کا لزوم ہوگا کہ صحبت کرنے پر مہر مثل ادا کرے گا اور جنایت بالنفس

کی شکل میں ادائیگی دیت اور جنایت بالمال کی شکل میں اس جیسا مال یا قیمت مال دیگا۔ اس لئے کہ مکاتب متصرف بالذات اور متصرف بالمنافع کے اعتبار سے آقا کی ملکیت سے خارج ہو جاتا ہے۔

وَاذا اشتریٰ المکاتب الخ۔ اگر کوئی مکاتب اپنے والد یا اپنے لڑکے کو خرید لے تو اس مکاتب کے تابع ہو کر وہ بھی زمرۂ کتابت میں داخل قرار دیئے جائیں گے۔ اس لئے کہ مکاتب میں اگرچہ آزاد کرنیکی اہلیت موجود نہیں مگر کم سے کم مکاتب کرنے کی اہلیت ضرور موجود ہے پس امکانی حد تک صلۂ رحمی لحوظ رکھی جائے گی۔ ایسے ہی اگر وہ اپنی ام ولد مع بچہ خرید لے تو بچہ کو بھی زمرۂ کتابت میں داخل قرار دیا جائیگا اور اس کے واسطے یہ جائز نہ ہوگا کہ وہ ام ولد کو فروخت کردے اس واسطے کہ بیع کے درست نہ ہونے میں وہ بچہ کے تابع ہوگی۔

وان اشتریٰ ذا رحم محرم منہ الخ۔ اگر کوئی مکاتب اپنے کسی ایسے ذی رحم محرم کو خرید لے جس سے رشتۂ ولادت نہ ہو مثلاً برادر اور ہمشیرہ وغیرہ تو امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ یہ اس کی کتابت کے زمرے میں داخل نہوں گے۔ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک یہ کتابت کے زمرے میں شامل ہوں گے۔ اس لئے کہ صلۂ رحمی کا جہاں تک تعلق ہے اس میں قرابت از روئے ولادت، اور قرابت از روئے غیر ولادت دونوں داخل ہیں۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ مکاتب کیواسطے دراصل حقیقی ملکیت نہیں ہوتی بلکہ اسے محض کمائی اور اس میں تصرف کا حق حاصل ہوتا اور کسب و کمائی پر قدرت ہوتی ہے اور محض اس قدرت کا ہونا ایسے قرابت دار کے حق میں جس سے رشتۂ ولادت نہ ہونا کافی ہے۔

وَاذا عجز المُکاتبُ عن نجمٍ نظر الحاکمُ فی حالہٖ فان کان لہٗ دَینٌ یقضیہ اَو مالٌ
اور اگر مکاتب قسط ادا کرنے سے مجبور ہو جائے تو حاکم اس کے حال کو دیکھے پس اگر اس کا (دوسروں پر) اسقدر قرض ہو جس سے

یقدمُ علیہ لم یعجّل بتعجیزہٖ وَانتظر علیہ الیومَین او الثلٰثۃَ وَان لم یکن لہٗ وَجہٌ وَ
وہ ادائیگی کرسکے یا اس کے پاس اور مال آنیکی توقع ہو تو اسے عاجز و مجبور قرار دینے میں عجلت سے کام نہ لے اور دو تین دن انتظار کرلے اگر کوئی

طلبَ المولیٰ تعجیزَہٗ عجّزہٗ وَفسخ الکتابۃَ وَقالَ ابویوسف رحمہ اللہ لایعجزہٗ حتّٰی
شکل نہ ہو اور آقا اسے عاجز بھی کرنا چاہتا ہو تو اسے عاجز قرار دیکر کتابت ختم کردے۔ اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک تاوقتیکہ اس پر دو قسطیں

یتوالیٰ علیہ نجمانِ وَاذا عجز المُکاتبُ عَادَ اِلیٰ حُکم الرقّ وَکانَ مَا فی یدہٖ مِنَ الاکتساب
نہ چڑھ گئی ہوں اسے عاجز نہ کرے۔ اور مکاتب کے عاجز ہونے پر اس کا حکم غلامی والیس ہوگا اور اس کے پاس جو کمایا ہوا ہوگا وہ اس

لِمَولاہُ فان مَاتَ المُکاتبُ ولہٗ مالٌ لم تنفسخ الکتابۃُ وقضی ما علیہ من مالہٖ وَحُکم بعتقہٖ
کے آقا کا ہوگا پھر اگر مکاتب کا انتقال ہو جائے اور اس کے پاس مال موجود ہو تو معاملۂ کتابت فسخ نہ ہوگا اور اس کے پاس موجود مال

فی اٰخرجزءٍ مِنَ اَجزاءِ حَیاتہٖ ومابقی فھومیراثٌ لورثتہٖ ویعتق اَولادُہٗ وَان لم یترکْ
اس کے ذمہ جو ہوگا اسکی ادائیگی ہوگی اور اس کی حیات کے آخری حصہ میں اس کے آزاد ہونیکا حکم کیا جائیگا اور باقیماندہ مال اس کا ترکہ ہوگا۔

وَفاءً وَترك وَلدًا مولودًا فی الکتابة سعٰی فی کتابة ابیه علٰی نجومه فاذا اَدّی
اس کے ورثاء کیواسطے اور اس کی اولاد آزاد شمار ہوگی اور اگر وہ مال نہ چھوڑے بلکہ بزمانہ کتابت پیدا شدہ بچہ چھوڑے تو وہ اپنے والد کے بدل کتابت
حکمنا بعتق ابیه قبل موته وعتق الولد وان ترك ولدًا مشتریً فی الکتابة
کی قسط وار ادائیگی کیلئے سعی کرے اور اس کے ادا کر چکنے اس کے والد کے مرنے سے قبل آزاد ہونیکا حکم ہوگا اور بچہ بھی آزاد شمار ہوگا اور اگر وہ زمانۂ
قیل له اما ان تؤدی الکتابة حالاً والاّ رددت فی الرق واذا کاتب المسلم
کتابت میں خرید کردہ بچہ چھوڑے تو اس سے بدل کتابت کی فوری ادائیگی کیواسطے کہا جائیگا ورنہ (ادا نہ کرنے پر) اسے غلامی کیجانب واپس کردیا
عبدہٗ علٰی خمر او خنزیر او علٰی قیمة نفسه فالکتابة فاسدة فان ادّی الخمر
جائیگا اور اگر مسلمان اپنے غلام کے ساتھ شراب یا خنزیر یا خود اسی غلام کی قیمت کے اوپر مکاتبت کرے تو یہ کتابت فاسد قرار دیجائیگی۔ اگر وہ
والخنزیر عتق ولزمه ان یسعٰی فی قیمته ولا ینقص من المسمّٰی ویزاد علیه
بدل کتابت میں شراب یا خنزیر دیدے تو آزاد قرار دیا جائیگا اور اس پر اپنی قیمت میں سعی لازم ہوگی اور یہ متعین کردہ سے کم نہیں ہوگی بلکہ اس
اذا زادت قیمته وان کاتبه علٰی حیوان غیر موصوف فالکتابة جائزة وان
کا بڑھ جانا ممکن ہے جبکہ اس کی قیمت میں اضافہ ہوجائے اور اگر غلام کے ساتھ غیر موصوف جانور پر مکاتبت کرے تو یہ کتابت درست ہوگی۔
کاتبه علٰی ثوب لم یسمّ جنسه لم یجز وان ادّاه لم یعتق۔
اور اگر اس طرح کے کپڑے پر مکاتبت کرے جس کی جنس ذکر نہ کی ہو تو درست نہیں ہوگی اور اسکے وہ کپڑا دینے پر آزاد شمار نہ ہوگا۔

مکاتب کے معاوضۂ کتابت سے مجبور ہونیکا ذکر

تشریح و توضیح

واذا عجز المکاتب الخ۔ اگر آقا غلام کے ساتھ اس طرح مکاتبت کرلے کہ وہ بدل کتابت قسطوں میں ادا کردے گا پھر وہ کوئی قسط دینے سے مجبور ہوجائے تو یہ دیکھا جائے گا کہ اسے کسی جگہ سے مال ملجانے کی توقع ہے یا نہیں۔ اگر مثلاً لوگوں پر اس کا اسقدر قرض ہو کہ اس سے ادائیگی ہوسکتی ہو تو حاکم کو اس کے عاجز و مجبور ہونیکا فیصلہ کرنے میں عجلت سے کام نہ لینا چاہئے بلکہ ایک دو روز کی مہلت دیکر دیکھے۔ اور اس مہلت کے بعد بھی اگر وہ ادا نہ کرسکے تو حاکم اس کے عاجز ہوجانیکا فیصلہ کردے اور اگر کہیں سے بھی مال ملجانے کی توقع نہ ہو تو مہلت دیئے بغیر اس کے عاجز و مجبور ہونیکا فیصلہ کرکے معاہدۂ کتابت ختم کردے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ یہی فرماتے ہیں اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک تاوقتیکہ اس پر دو قسطوں کی ادائیگی واجب نہ ہوجائے اس کے عاجز و مجبور ہونیکا فیصلہ نہ کرے۔

فان مات المکاتب الخ۔ اگر ایسا ہو کہ مکاتب نے ابھی بدل کتابت ادا نہ کیا ہو کہ موت کی آغوش میں سوجائے

مگر وہ اتنا مال چھوڑ کر مرا ہو کہ اس سے بدلِ کتابت کی ادائیگی ہوسکتی ہو تو اس صورت میں احناف فرماتے ہیں کہ اس کے معاہدۂ کتابت کو فسخ قرار نہ دیں گے اور اس کے ترکہ سے معاوضۂ کتابت کی ادائیگی کر کے اس کی زندگی کے اخیر میں اس کے آزاد ہونیکا حکم کریں گے اور بدلِ کتابت کی ادائیگی کے بعد اس کے باقی ماندہ ترکہ کے مستحق اس کے وارث ہوں گے۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک اس صورت میں بھی معاہدۂ کتابت فسخ ہو کر مکاتب کو بہ حالتِ غلامی انتقال یافتہ قرار دیں گے اور اس کے ترکہ کا مستحق اسکا آقا ہوگا۔ انکا مستدل حضرت زید بن ثابتؓ کا یہ قول ہے کہ مکاتب اس وقت تک غلام ہے جب تک اس پر ایک درہم بھی باقی ہو نہ وہ وارث ہوگا اور نہ اس کا کوئی وارث ہوگا۔ احنافؒ کا مستدل حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے اقوال ہیں جو بیہقی اور عبدالرزاق روایت کرتے ہیں۔

وان لم یترک وفاءً وترک ولداً الخ۔ اگر مکاتب نے بوقتِ انتقال کوئی مال نہ چھوڑا ہو البتہ بحالتِ کتابت پیدا شدہ بچہ چھوڑا ہو تو یہ بچہ طے شدہ قسطوں کیموافق معاوضۂ کتابت ادا کرے گا اور معاوضۂ کتابت ادا کرنے کے بعد اسکا باپ مرنے سے کچھ قبل آزاد شدہ قرار دیا جائیگا اور اس پر آزادی کے احکام مرتب ہوں گے اور اس کا بچہ بھی آزاد شمار ہوگا اور اگر مکاتب بحالتِ کتابت خرید کردہ بچہ چھوڑ کر مرا ہو تو اس سے کہیں گے کہ یا تو وہ فوری طور پر بدلِ کتابت کی ادائیگی کردے اور ادا نہ کرسکنے کی صورت میں غلام ہو جاؤ گے۔ امام ابویوسفؒ و امام محمدؒ ان کیلئے بھی وہی حکم فرماتے ہیں جو اوپر ذکر کیا گیا۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس فرق کا سبب یہ ہے کہ مہلت کا ثبوت اس وقت ہوا کرتا ہے جبکہ اندرونِ عقد شرطِ تاجیل موجود ہو اور اس کا ثبوت اسی کے حق میں ہوا کرتا ہے جو زیرِ عقد ہو اور خریدا ہوا بچہ زیرِ عقد نہیں آتا۔ اس واسطے کہ نہ اضافتِ عقد اس کی جانب ہے اور نہ عقد کا حکم وہاں تک سرایت کئے ہوئے اور اثر انداز ہے۔ اس کے برعکس بحالتِ کتابت پیدا شدہ بچہ کہ حکمِ عقد اس تک سرایت کئے ہوئے ہے کیونکہ اس کا اتصال کتابت کے وقت مع المکاتب تھا۔

واذا کاتب المسلم عبدہ علیٰ خمرٍ الخ۔ اگر کوئی مسلمان شخص اپنے غلام کے ساتھ شراب یا خنزیر کے بدلہ مکاتبت کرلے تو اس کتابت کو فاسد قرار دیا جائے گا۔ اس لئے کہ شراب وخنزیر دونوں کا حکم یہ ہے کہ بحقِ مسلم ان میں بدل قرار دیئے جانیکی صلاحیت نہیں ہوتی لیکن اگر عوض میں شراب یا خنزیر دیدے تو اس کے آزاد ہو جانے کا حکم ہوگا مگر وہ اپنی قیمت کی خاطر سعی کرے گا۔ اس لئے کہ یہاں پر عقد فاسد ہونے کی بنا پر رقبہ کا لوٹانا لازم ہے اور اس کے آزاد ہو جانے کی بنا پر رقبہ کا لوٹانا کیونکہ دشوار ہے اسواسطے بیع فاسد کیطرح یہاں بھی قیمت کا وجوب ہوگا۔ اور اگر آقا ایسا کرے کہ غلام کے ساتھ اس کی قیمت کے بدلہ مکاتبت کرلے تو اسے بھی فاسد قرار دیں گے۔ اس لئے کہ قیمتِ غلام کا جہانتک تعلق ہے وہ وصف وجنس ومقدار وغیرہ ہر لحاظ سے اس میں جہالت ہے۔

وان کاتبہٗ علیٰ حیوانٍ غیر موصوفٍ الخ۔ اگر غلام کے ساتھ کسی جانور کے بدلہ کتابت کرلے اور اس جانور کی محض جنس ذکر کردی گئی ہو۔ مثال کے طور پر بیل، اونٹ وغیرہ۔ اور اس کی کوئی صفت ذکر نہ کی ہو تو یہ عقدِ

کتابت درست ہوگا اور اس صورت میں اوسط درجہ کے جانور یا اس جانور کی قیمت کا وجوب ہوگا۔ امام شافعیؒ کے نزدیک یہ کتابت درست نہ ہوگی۔ قیاس کا تقاضہ بھی یہی ہے۔ اس لئے کہ کتابت دراصل عقدِ معاوضہ کا نام ہے۔ اور اس کی بیع کے ساتھ مشابہت ہے۔ تو جس طرح اگر بدل مجہول ہو تو صحتِ بیع کا حکم نہیں ہوتا اسی طرح کتابت بھی درست نہ ہوگی۔ عند الاحناف کتابت دو جہتوں پر مشتمل ہے ان میں سے ایک جہت مال کا تبادلہ مال کیساتھ ہے بایں طور کہ غلام بحق آقا مال کے درجہ میں ہے اور مال کا تبادلہ غیر مال کے ساتھ بھی ہے بایں طور کہ غلام اپنی ذات کے حق میں مال شمار نہیں ہوتا لہٰذا کتابت میں جائز و ناجائز دو پہلو ہوں تو اسے جائز پر محمول کریں گے۔ رہ گئی جہالت تو یہ باعثِ ضرر نہیں اس لئے کہ جنس ذکر کردینے کے بعد جہالتِ فاحشہ میں اس کا شمار نہیں رہا۔

وَاِنْ كَاتَبَ عبدَيْهِ كِتَابَةً وَاحِدَةً بِاَلْفِ دِرْهَمٍ اِنْ اَدَّيَا عتقا وَاِنْ عجزا رُدَّ
اور اگر آقا ایک کتابت کے اندر دو غلاموں کے ساتھ ہزار درہم پر مکاتب بنادے اور وہ ہزار دراہم کی ادائیگی کردیں تو آزاد قرار دیئے
اِلَى الرِّقِّ وَاِنْ كَاتَبَهُمَا عَلٰى اَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ منهما ضَامِنٌ عَلَى الْاٰخَرِ جَازَتِ الْكِتَابَةُ
جائیں گے اور ادا نہ کرنے پر غلامی کی جانب واپس کردیئے جائیں گے اور اگر دونوں غلاموں کو اس شرط کے ساتھ مکاتب بنائے کہ ان میں سے
وَاَيُّهُمَا اَدّٰى عتقا وَيَرْجِعُ عَلٰى شَرِيْكِهٖ بِنِصْفِ مَا اَدّٰى وَاِذَا اَعْتَقَ الْمَوْلٰى مُكَاتَبَهٗ عَتَقَ
ہر ایک دوسرے غلام کا ضامن شمار ہوگا تو یہ کتابت درست ہوگی اور ان میں سے جو بھی رقم کی ادائیگی کردے دونوں آزاد شمار ہوں گے اور
بِعِتْقِهٖ وَسَقَطَ عَنْهُ مَالُ الْكِتَابَةِ وَاِذَا مَاتَ مَوْلَى الْمُكَاتَبِ لَمْ تَنْفَسِخِ الْكِتَابَةُ وَ
دینے والا ادا کردہ کا آدھا دوسرے سے وصول کرلیگا اور آقا کے اپنے مکاتب کو آزاد کردینے پر وہ حلقۂ غلامی سے آزاد ہوجائیگا اور کتابت کا مال
قِيْلَ لَهٗ اَدِّ الْمَالَ اِلٰى وَرَثَةِ الْمَوْلٰى عَلٰى نُجُوْمِهٖ فَاِنْ اَعْتَقَهٗ اَحَدُ الْوَرَثَةِ لَمْ يَنْفُذْ
اس سے ساقط شمار ہوگا اور مکاتب کے آقا کے انتقال کے باعث کتابت کو فسخ قرار نہ دیں گے اور اس سے ورثائے آقا کو مال ادا کردینے کیواسطے بالاقساط
عِتْقُهٗ وَاِنْ اَعْتَقُوْهُ جَمِيْعًا عَتَقَ وَسَقَطَ عَنْهُ مَالُ الْكِتَابَةِ۔
کہا جائیگا اور اگر ورثاء میں سے کوئی وارث اسے آزاد کردے تو آزادی کا نفاذ نہ ہوگا اور تمام کے آزاد کرنے پر وہ آزاد شمار ہوگا۔ اور کتابت کا مال ساقط ہوگا۔

لغات کی وضاحت

کَاتَبَ: مکاتب بنانا۔ الرِّق: غلامی۔ سقط: ختم ہونا۔ باقی نہ رہنا۔

تشریح و توضیح

وان کاتب عبدیہ الخ۔ اگر کوئی شخص دو غلاموں کو ایک بدلِ کتابت مثلاً ہزار دراہم پر مکاتب بنادے کہ وہ دونوں ہزار دراہم ادا کردیں تو نعمتِ آزادی سے ہمکنار ہوجائیں گے اور وہ دونوں اسے منظور کرلیں تو عقدِ کتابت کے صحیح ہونیکا حکم کیا جائیگا اور اگر ان دونوں میں سے صرف ایک اس کو منظور کرے تو یہ عقدِ کتابت باطل ہوجائے گا۔ اسلئے کہ یہ دونوں کے ساتھ بیک وقت عقدِ کتابت ہے جس میں یہ ناگزیر ہے کہ دونوں ہی اسے منظور و قبول کریں۔

اب اگر دونوں اسے قبول کرتے ہوئے بدلِ کتابت کی ادائیگی کر دیں تو دونوں کے حلقۂ غلامی سے آزاد ہونیکا حکم کیا جائیگا۔ اور دونوں کے بدلِ کتابت ادا کرنے سے عاجز و مجبور ہونے پر دونوں غلامی کی جانب لوٹ آئیں گے۔ اور اگر ان دونوں میں سے ایک مجبور ہو جائے تو وہ معتبر ہوگا بلکہ اگر دوسرے نے ادائیگی کر دی تب بھی دونوں آزاد شمار ہوں گے۔ اور جس نے ادائیگی کی ہوگی وہ دوسرے سے ادا کردہ آدھی رقم لے لیگا۔

واذامات مولی المکاتب الخ۔ اگر عقدِ کتابت کرنے کے بعد مکاتب کے آقا کا انتقال ہو گیا ہو تو اس کی وجہ سے عقدِ کتابت فسخ وختم ہونیکا حکم نہیں کیا جائیگا بلکہ یہ بجانب ورثاء منتقل ہوگا۔ وجہ یہ ہے کہ ورثاء کی حیثیت مرنیوالے کے قائم مقام اور جانشین کی ہے لہٰذا مکاتب مقرر کردہ قسطوں کیموافق یہ رقم اس کے ورثاء کو دیگا اور اگر ان ورثاء میں سے کوئی ایک وارث اسے آزاد بھی کرے تو صرف ایک کے آزاد کرنے سے وہ آزاد شمار نہ ہوگا کیونکہ اس پر سب ورثاء کا دین ہے جس کی ادائیگی ضروری ہے البتہ اگر سارے ہی ورثاء اسے آزاد کریں تو از جانبِ میت آزاد شمار ہوگا اور ان کے آزاد کرنے کو کتابت کا تمام کہا جائے گا۔

وَاِذَا كَاتَبَ الْمَوْلٰى اُمَّ وَلَدِهٖ جَازَ فَاِنْ مَاتَ الْمَوْلٰى سَقَطَ عَنْهَا مَالُ الْكِتَابَةِ وَاِنْ

اور آقا کا اپنی ام ولد کو مکاتبہ بنانا درست ہے اور آقا کے انتقال پر اس سے کتابت کا مال ساقط قرار دیا جائے گا۔ اور اگر وہ

وَلَدَتْ مُكَاتَبَتُهٗ مِنْهُ فَهِيَ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَتْ مَضَتْ عَلَى الْكِتَابَةِ وَاِنْ شَاءَتْ عَجَّزَتْ

مکاتبہ آقا کے نطفہ سے بچہ کو جنم دے تو اسے یہ حق حاصل ہوگا کہ خواہ بدستور کتابت برقرار رکھے اور خواہ خود کو عاجز ثابت کرتے

نَفْسَهَا وَصَارَتْ اُمَّ وَلَدٍ لَهٗ حَتّٰى تَعْتِقَ عِنْدَ مَوْتِهٖ وَاِنْ كَاتَبَ مُدَبَّرَتَهٗ جَازَ فَاِنْ

ہوئے اسی کی ام ولد باقی رہے یہاں تک کہ آقا کے انتقال پر حلقۂ غلامی سے آزاد ہو جائے اور آقا کا اپنی مدبرہ کو مکاتبہ بنانا بھی

مَاتَ الْمَوْلٰى وَلَا مَالَ لَهٗ غَيْرَهَا كَانَتْ بِالْخِيَارِ بَيْنَ اَنْ تَسْعٰى فِيْ ثُلُثَيْ قِيْمَتِهَا اَوْ فِيْ جَمِيْعِ

درست ہے۔ لہٰذا اگر آقا کا انتقال ہو گیا اور اس کے پاس بجز مدبرہ کوئی مال نہ تھا تو اسے یہ حق حاصل ہوگا کہ اپنی قیمت کے دو تہائی

مَالِ الْكِتَابَةِ وَاِنْ دَبَّرَ مُكَاتَبَتَهٗ صَحَّ التَّدْبِيْرُ وَلَهَا الْخِيَارُ اِنْ شَاءَتْ مَضَتْ عَلَى

میں یا سارے مالِ کتابت کے اندر سعی کرے اور مکاتبہ کو مدبرہ بنانا بھی درست ہے اور اسے یہ اختیار ہوگا کہ خواہ بدستور مکاتبہ رہے اور خواہ

الْكِتَابَةِ وَاِنْ شَاءَتْ عَجَّزَتْ نَفْسَهَا وَصَارَتْ مُدَبَّرَةً فَاِنْ مَضَتْ عَلٰى كِتَابَتِهَا

اپنے کو عاجز ثابت کر کے مدبرہ بن جائے۔ اگر اس کے مکاتبہ برقرار رہتے ہوئے آقا کا انتقال ہو گیا ہو

وَمَاتَ الْمَوْلٰى وَلَا مَالَ لَهٗ فَهِيَ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَتْ سَعَتْ فِيْ ثُلُثَيْ مَالِ الْكِتَابَةِ

اور اس کے پاس کوئی مال نہ رہا ہو تو اسے یہ حق ہوگا کہ کتابت کے مال کے دو تہائی کے اندر سعی کرے اور خواہ

وَاِنْ شَاءَتْ سَعَتْ فِيْ ثُلُثَيْ قِيْمَتِهَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَؒ وَاِذَا اَعْتَقَ الْمُكَاتَبُ عَبْدَهٗ

سعی اپنی قیمت کے دو تہائی کے اندر کرے۔ امام ابو حنیفہؒ یہی فرماتے ہیں اور مکاتب اپنے غلام کو مال کے بدلہ آزادی

عَلٰی مَالٍ لَمْ یَجُزْ وَاِنْ وَهَبَ عَلٰی عِوَضٍ لَمْ یَصِحَّ وَاِنْ کَاتَبَ عَبْدَهٗ جَازَ فَاِنْ اَدّٰی
عطا کرے تو درست نہ ہوگا اور بالعوض ہبہ کرنے کو بھی درست قرار نہ دیں گے اور اپنے غلام کو مکاتب بنانا درست ہے لہٰذا اگر اول
الثَّانِیْ قَبْلَ اَنْ یَعْتِقَ الْاَوَّلُ فَوَلَاؤُهٗ لِلْمَوْلَی الْاَوَّلِ وَاِنْ اَدّٰی الثَّانِیْ بَعْدَ عِتْقِ الْمُکَاتَبِ
کے آزاد ہونے سے قبل ثانی ادائیگی کر دے تو اس کی ولاء کو اول کے آقا کیواسطے قرار دیں گے اور اگر ثانی کی ادائیگی مکاتب اول کے
الْاَوَّلِ فَوَلَاؤُهٗ لَهٗ ـ
آزاد ہو جانیکے بعد ہو تو مکاتب کی ولاء اول کیواسطے ہوگی۔

مُدبّرہ وغیرہ کے مکاتب ہونیکا ذکر

تشریح وتوضیح

وَاِذَا کَاتَبَ الْمَوْلٰی اُمَّ وَلَدِهٖ الخ ۔ اگر ایسا ہو کہ آقا اپنی ام ولد کو ام ولد باقی رکھنے کے بجائے مکاتبہ بنادے تو اسے بھی درست قرار دیا جائے گا۔ اس لئے کہ ام ولد کا جہاں تک تعلق ہے وہ اگرچہ آقا کے انتقال کے بعد حلقۂ غلامی سے آزاد ہو جاتی ہے مگر وہ اس سے قبل بھی آزاد ہو سکتی ہے۔ پھر اگر ایسا ہو کہ اس کے مکاتبہ بننے کے بعد بدلِ کتابت دینے سے قبل آقا موت کی آغوش میں سو جائے تو اس صورت میں ام ولد بلا معاوضہ آزاد شمار ہوگی۔ اس لئے کہ اس کے نعمتِ آزادی سے ہمکنار ہونیکا تعلق آقا کی موت سے تھا اور آقا کی موت واقع ہوگئی۔ اور اگر وہ آقا کے نطفہ سے بچہ کو جنم دے تو اسے دو اختیار ہوں گے۔ یعنی یہ حق بھی حاصل ہوگا کہ عقدِ کتابت بدستور برقرار رکھتے ہوئے بدلِ کتابت ادا کرے اور فوری طور پر آزادی حاصل کرلے اور اس کا بھی حق ہوگا کہ اپنے آپ کو بدلِ کتابت کی ادائیگی سے عاجز و مجبور قرار دیتے ہوئے بدستور ام ولد ہی رہے اور آقا کے مرنے پر حلقۂ غلامی سے آزاد ہو اس لئے کہ اسے دو اعتبار سے آزادی کا حق حاصل ہے۔ ایک حق کتابت کے اعتبار سے اور دوسرا ام ولد ہونیکے لحاظ سے۔ لہٰذا اسے دونوں میں سے کسی کو اختیار کرنے اور اپنانے کا حق حاصل ہوگا۔

وَاِنْ کَاتَبَ مُدَبَّرَتَهٗ جَازَ الخ ۔ اگر آقا اس طرح کرے کہ وہ باندی جو اس کی مدبرہ ہو اسے بجائے مدبرہ کے مکاتبہ بنادے تو اس کیلئے اسے مکاتب بنانا درست ہوگا۔ اب اگر اس کے بعد اس کے آقا کا انتقال ہو جائے اور وہ سوائے اس کے اور کوئی مال چھوڑ کر نہ مرا ہو تو اسے یہ حق حاصل ہوگا کہ خواہ وہ اس کی جو قیمت ہو اس کے دو تہائی میں سعی کرلے اور خواہ وہ سارے مالِ کتابت میں سعی کرے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق یہی تفصیل ہے۔ اور حضرت امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ ان دونوں میں سے جو بھی کم ہو وہ اسمیں سعی کرے۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں یہ دیکھا جائے کہ بدلِ کتابت کے دو تہائی اور اس کی قیمت کے دو تہائی میں کون سا کم ہے۔ جو کم ہو وہ اس میں سعی کرے۔ اس جگہ دو باتوں میں اختلافِ فقہاء سامنے آیا، ایک تو یہ کہ اس کو حق

حاصل ہے یا نہیں۔ دوم یہ کہ جس کے اندر وہ سعی کرے اس کی کتنی مقدار ہو۔ امام ابو یوسفؒ مقدار کا جہاں تک تعلق ہے اس میں امام ابو حنیفہؒ کے ہمنوا اور اختیار کی نفی کے سلسلہ میں امام محمدؒ کے ہمنوا ہیں۔

وان دبّر مکاتبتہ صح التدبیر الخ۔ اگر ایسا ہو کہ آقا اپنی کسی مکاتبہ باندی کو مدبرہ بنالے تو اسے بھی صحیح قرار دینگے۔ اور باندی کو یہ حق حاصل ہوگا کہ خواہ اپنی کتابت پر حسب سابق برقرار رہے اور خواہ اپنے آپ کو عاجز و مجبور ٹھہرا کر مدبرہ بن جائے۔ اگر باندی بدستور مکاتبہ ہی رہنا چاہتی ہو اور آقا موت کی آغوش میں سو جائے اور اس کے پاس بجز اس مدبرہ کے کوئی مال موجود نہ ہو تو اس صورت میں حضرت امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ خواہ کتابت کے مال کے دو تہائی میں سعی کرے اور خواہ بجائے اس کے اس کی جو قیمت ہو اس کے دو تہائی میں سعی کرے۔ حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ان دونوں میں سے جو بھی کم ہو وہ اس میں سعی کرے گی۔ لہٰذا اس جگہ مقدار پر تو اتفاق ہوا اور اختلاف اختیار کرنے اور نہ کرنے میں ہے۔ صاحب مصفّی کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ اور صاحبینؒ کے درمیان اس اختلاف کی بنیاد دراصل اعتاق کا متجزی ہونا اور نہ ہونا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اعتاق کو متجزی فرماتے ہیں اور اس بنیاد پر ذکر کردہ مدبرہ کے ایک تہائی کو آزادی کا استحقاق ہو چکا اور دو تہائی اس کے بدستور مملوک رہے پھر اس کی آزادی دو جہتوں پر مشتمل ہے۔ بواسطہ تدبیر جلد اور فوری آزادی اور بواسطۂ کتابت مؤجل آزادی۔ پس اسے بدلِ کتابت کے دو تہائی اور اپنی قیمت کے دو تہائی میں کسی کی بھی سعی کے بارے میں اختیار حاصل ہوگا۔ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ اعتاق کے اندر تجزی تسلیم نہیں کرتے تو اس طرح ان کے نزدیک بعض کے آزاد ہو جانے سے سارا ہی آزاد قرار دیا جائے گا اور اس پر قیمت اور بدلِ کتابت میں سے کسی ایک کا وجوب ہوگا اور یہ عیاں ہے کہ اس کے نزدیک ترجیح اقل کو ہوگی لہٰذا اختیار دینا بے فائدہ ہوگا۔

فی ثلثی مال الکتابۃ الخ۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ اس جگہ یہ فرماتے ہیں کہ کتابت کے مال کے دو تہائی میں سعی کی جائے۔ اس کے برعکس مسئلۂ اولیٰ، کہ اس میں وہ فرماتے ہیں سارے بدلِ کتابت میں سعی کی جائے۔ کیونکہ مدبر بنانے سے مقصود گویا کتابت سے بری کر دینا ہے۔

واذا اعتق المکاتب الخ۔ اگر کوئی مکاتب اپنے غلام کو آزاد کرے تو وہ آزاد نہ ہوگا چاہے یہ آزاد کرنا مال کے بدلہ ہی کیوں نہ ہو۔ اسی طرح اس کا ہبہ کرنا بھی درست نہ ہوگا اس لئے کہ یہ آغاز میں تبرع ہے اور اس میں تبرع کی اہلیت نہیں ہے۔

وان کاتب عبدہٗ جاز الخ۔ اگر کوئی مکاتب اپنے غلام کو مکاتب بنادے تو اسے درست قرار دیں گے اس لئے کہ اسکے واسطے سے اسے حصولِ بدلِ کتابت ہوگا۔ امام زفرؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مکاتب کا اپنے غلام کو مکاتب بنانا درست نہیں۔ قیاس کا تقاضہ یہی ہے۔ پھر دوسرا مکاتب اگر معاوضۂ کتابت اس وقت ادا کرے کہ ابھی پہلا مکاتب آزاد نہ ہوا ہو تو اس صورت میں ولاء کا مستحق پہلے مکاتب کا آقا ہوگا اور اسکے آزاد ہو جانے کے بعد ادا کرنے پر ولاء کا مستحق پہلا مکاتب ہوگا۔ اسواسطے کہ عقد کرنیوالا وہی ہے اور آزاد ہو جانے پر اس میں اہلیتِ ولاء پیدا ہو چکی ہے۔

کتاب الولاء

ولاء کا بیان

اذا اعتق الرجل مملوکہ فولاؤہ لہ وکذلک المرأۃ تعتق فان شرط انہ
جب کوئی شخص اپنے غلام کو آزاد کرے تو ولاء کا مستحق وہی ہوگا اور اسی طریقہ سے جو عورت آزاد کرے تو وہ ولاء کی حقدار ہوگی لہٰذا
سائبۃ فالشرط باطل والولاء لمن اعتق واذا ادی المکاتب عتق وولاؤہ للمولیٰ
اس کے بغیر ولاء کی شرط کرنے پر شرط باطل قرار دیجائیگی اور ولاء کا مستحق آزاد کرنیوالا ہوگا مکاتب بدل کتابت ادا کرنے پر آزاد شمار ہوگا اور اس کی
وان عتق بعد موت المولیٰ فولاؤہ لورثۃ المولیٰ واذا مات المولیٰ عتق مدبروہ
ولاء کا مستحق اسکا آقا ہوگا اور آقا کے انتقال کے بعد آزاد ہونے پر اس کی ولاء کے مستحق آقا کے ورثاء ہونگے اور آقا کے انتقال پر اس کے مدبر اور ام ولد
وامہات اولادہ وولاؤھم لہ ومن ملک ذا رحم محرم عتق علیہ وولاؤہ لہ و
آزاد قرار دیئے جائیں گے اور انکی ولاء ان کے آقا کیلئے ہوگی اور ذی رحم محرم کے مالک ہوجانے پر وہ آزاد قرار دیا جائیگا اور ولاء کا مستحق مالک ہوگا۔
اذا تزوج عبد رجل امۃ الآخر فاعتق مولی الامۃ الامۃ وھی حامل من العبد
اور جب کسی شخص کا غلام دوسرے کی باندی سے نکاح کرے پھر باندی کا آقا اسکو آزادی عطا کردے درانحالیکہ وہ غلام کے نطفہ سے حاملہ ہو تو
عتقت وعتق حملھا وولاء الحمل لمولی الام لاینتقل عنہ ابداً فان ولدت
باندی اور اس کے حمل کو آزاد قرار دیں گے۔ اور حمل کی ولاء کا مستحق اس کی ماں کا آقا ہوگا اور وہ اس سے کسی وقت بھی منتقل نہ ہوگی لہٰذا اگر وہ
بعد عتقھا لاکثر من ستۃ اشھر ولداً فولاؤہ لمولی الام فان اعتق الاب
آزاد ہونے کے بعد چھ مہینے سے زیادہ گذرنے پر بچہ کو جنم دے تو اس کی ولاء کا مستحق ماں کا آقا ہوگا لہٰذا اگر باپ حلقۂ غلامی سے آزاد ہوگیا تو
جرّ ولاء ابنہ وانتقل عن مولی الام الی مولی الاب۔
وہ اپنے لڑکے کی ولاء کو کھینچ لیگا اور وہ بجائے ماں کے آقا کے باپ کے آقا کی جانب منتقل قرار دیجائیگی۔

تشریح وتوضیح

کتاب الولاء الخ۔ ازروئے لغت اس کے معنٰے محبت، دوستی، نزدیکی، قرابت مدد اور ملکیت کے آتے ہیں اور شرعی اصطلاح میں اس سے مراد ایسی میراث ہوا کرتی ہے جس کا حصول آزاد کئے ہوئے غلام یا عقدِ موالات کی بناء پر ہوتا ہے پہلی کا نام ولاء عتاقہ اور دوسری کا نام ولاء موالاۃ ہے۔

واذا اعتق الرجل مملوکہ الخ۔ اگر آزاد کئے ہوئے غلام کا انتقال ہوجائے اور وہ اپنا کوئی وارث چھوڑ کر نہ مرے تو اس صورت میں اس کے ترکہ کا مستحق اسے آزاد کرنیوالا ہوگا۔

واذا مات المولیٰ عتق مدبروہ الخ۔ یہاں اشکال یہ ہے کہ ام ولد اور مدبر کا جہانتک معاملہ ہے وہ تو آقا

کے مرنے پر حلقۂ غلامی سے آزاد ہوتے ہیں تو پھر آقا کو انکی ولاء کیسے مل سکتی ہے؟ اس کی صورت یہ بتائی گئی کہ آقا دائرۂ اسلام سے نکل کر دارالحرب چلا جائے اور قاضی اسکے انتقال کا حکم کرتے ہوئے یہ فیصلہ کردے کہ اس کی ام ولد اور مدبر آزاد ہیں، اس کا آقا اسلام قبول کرکے دارالاسلام آجائے اور پھر مدبر یا ام ولد کا انتقال ہوجائے تو ولاء کا مستحق آقا ہوگا۔

واذا تزوج عبد رجل الخ۔ کوئی شخص اپنی ایسی باندی کو آزاد کرے جس کا خاوند غلام ہو اور باندی کے اسی غلام خاوند کے نطفہ سے حمل ہو تو اس صورت میں اگر وہ بعد آزادی چھ مہینے سے کم کے اندر بچہ کو جنم دے تو اس بچہ کی ولاء کا مستحق اس کی ماں کا آقا ہوگا۔ بشرطیکہ باپ کو نعمت آزادی نہ ملی ہو ورنہ باپ کی آزادی کی صورت میں وہ اس بچہ کو اپنے آقا کی جانب کھینچ لے گا اور بچہ کے انتقال پر اس کی ولاء کا مستحق اس بچہ کے باپ کا آقا ہوگا۔

وَمَنْ تَزَوَّجَ مِنَ الْعَجَمِ بِمُعْتَقَةِ الْعَرَبِ فَوَلَدَتْ لَهُ أَوْلَادًا فَوَلَاءُ وَلَدِهَا لِمَوَالِيهَا
اور جو عجمی شخص کسی عرب کی آزاد کی ہوئی عورت سے نکاح کرے اور وہ اولاد کو جنم دے تو اولاد کی ولاء کا مستحق اس باندی کا آقا
عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ يَكُونُ وَلَاءُ أَوْلَادِهَا لِأَبِيهِمْ
ہوگا۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ یہی فرماتے ہیں اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک اولاد کی ولاء کا مستحق ان کا باپ ہوگا۔
لِأَنَّ النَّسَبَ إِلَى الْآبَاءِ وَوَلَاءُ الْعَتَاقَةِ تَعْصِيبٌ فَإِنْ كَانَ لِلْمُعْتَقِ عَصَبَةٌ مِنَ النَّسَبِ
اس لئے کہ نسب آباء کی جانب سے ہوا کرتا ہے اور آزاد شدہ کی ولاء تعصیب کا سبب ہے۔ لہٰذا آزاد شدہ کا عصبہ نسبی ہونے پر وہی
فَهُوَ أَوْلَى مِنْهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ لَهُ عَصَبَةٌ مِنَ النَّسَبِ فَمِيرَاثُهُ لِلْمُعْتِقِ فَإِنْ مَاتَ الْمَوْلَىٰ
ولاء کا مستحق ہوگا اور نسبی عصبہ نہ ہونے پر اس کی میراث کا مستحق آزاد کرنیوالا ہوگا۔ پھر اگر آقا کا انتقال ہوجائے اور
ثُمَّ مَاتَ الْمُعْتَقُ فَمِيرَاثُهُ لِبَنِي الْمَوْلَىٰ دُونَ بَنَاتِهِ وَلَيْسَ لِلنِّسَاءِ مِنَ الْوَلَاءِ إِلَّا
اس کے بعد آزاد شدہ کا انتقال ہو تو اس کی میراث کے مستحق آقا کے لڑکے ہوں گے لڑکیاں نہیں البتہ انکی عورتیں مستحق ولاء ہوں گی
مَا أَعْتَقْنَ أَوْ أَعْتَقَ مَنْ أَعْتَقْنَ أَوْ كَاتَبْنَ أَوْ كَاتَبَ مَنْ كَاتَبْنَ أَوْ دَبَّرْنَ أَوْ دَبَّرَ
جنھوں نے آزاد کیا یا ان کے آزاد کردہ کی آزاد کی ہوئی یا ان کے مکاتب یا مکاتب کے مکاتب کی عورتیں یا ان کے مدبر یا ان کے مدبر کے مدبر کی عورتیں
مَنْ دَبَّرْنَ أَوْ جَرَّ وَلَاءَ مُعْتَقِهِنَّ أَوْ مُعْتَقُ مُعْتَقِهِنَّ۔
یا ان کے آزاد کئے ہوئے یا ان آزاد کرنیوالے کے آزاد کردہ کی ولاء کھینچ لے۔

تشریح و توضیح

وَمَنْ تَزَوَّجَ مِنَ الْعَجَمِ الخ۔ کوئی آزاد عجمی شخص کسی ایسی عورت سے نکاح کرے جسے کسی نے آزاد کیا ہو اور پھر اس کے اولاد ہو تو اس صورت میں امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اولاد کی ولاء کا مستحق آزاد کی گئی عورت کا آقا ہوگا اگرچہ اس کا عجمی خاوند کسی کیساتھ

عقدِ موالاۃ ہی کیوں نہ کرچکا ہو۔ اسلئے کہ از روئے ضابطہ آزاد کردہ کا آقا مولیٰ موالاۃ پر مقدم ہوا کرتا ہے۔ امام ابو یوسفؒ اور امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک اس کی اولاد کا حکم باپ کا سا قرار دیں گے۔ پس اس کی ولاء کا مستحق اس کا باپ ہوگا۔

وولاء العتاقۃ تعصیبٌ الخ۔ وارث کے سلسلہ میں آزاد کرنیوالا نسبی عصبات کے مقابلہ میں مؤخر اور ذوی الارحام سے پہلے ہوا کرتا ہے اور مَردوں کو اس کا وارث قرار دیا جاتا ہے عورتوں کو نہیں۔ لہٰذا اگر آزاد شدہ کا کوئی عصبۂ نسبی موجود ہو تو وہ اس کی میراث کا مستحق ہوگا اور اگر وہ نہ ہو تو پھر اس کی میراث کا حقدار آزاد کرنیوالا ہوگا اور اگر غلام ذوی الارحام میں کسی کو مثلاً خالہ کو چھوڑ کر انتقال کرے تو اس کی میراث آزاد کرنیوالے کی ہوگی خالہ اس کی مستحق نہ ہوگی۔ اور اگر ایسا ہو کہ پہلے آزاد کرنیوالے کا انتقال ہو جائے اور پھر آزاد شدہ مرے تو اس کی میراث کی مستحق آزاد کرنیوالے کی مذکر اولاد ہوگی۔

او دبّرن الخ۔ اس کی صورت یہ ہے کہ مثال کے طور پر کوئی عورت غلام کو مدبر بنانے کے بعد اسلام سے پھر کر دارالحرب پہونچ جائے اور اس وجہ سے وہ مدبَّر حلقۂ غلامی سے آزاد ہو جائے اس کے بعد وہ اسلام قبول کرکے دارالاسلام آجائے اور پھر مدبر کا انتقال ہو جائے تو اب مدبر کی ولاء کی مستحق یہ عورتیں ہوں گی۔

او جرّ ولاء الخ۔ مثال کے طور پر کوئی عورت اپنے غلام کا نکاح کسی آزاد شدہ عورت کے ساتھ کردے اور وہ بچہ کو جنم دے تو اس بچہ کو ماں کے تابع قرار دیتے ہوئے آزاد شمار کریں گے اور اس کی ولاء کا مستحق ماں کا آقا ہوگا باپ کا آقا نہیں اور اگر عورت نے اپنا غلام آزاد کردیا تو یہ غلام تو بچہ کی ولاء اپنی جانب کھینچے گا اور عورت اپنے آزاد کردہ کی ولاء اپنی جانب کھینچے گی۔ اب بچہ کے مرجانے پر اس کی میراث کا مستحق اس کا باپ ہوگا اور باپ کے نہ ہونے کی صورت میں اس کے باپ کو آزاد کرنیوالی اس کی مستحق قرار دیجائے گی۔

وَاِذَا تَرَكَ الْمَوْلَى اِبْنًا وَاَوْلَادَ اِبْنٍ اٰخَرَ فَمِيْرَاثُ الْمُعْتَقِ لِلْاِبْنِ دُوْنَ بَنِي الْاِبْنِ

اور اگر آقا لڑکا اور دوسرے لڑکے کی اولاد چھوڑ جائے تو آزاد شدہ کے ترکہ کا مستحق لڑکا ہوگا لڑکے کی اولاد نہ ہوگی۔

لِاَنَّ الْوَلَاءَ لِلْكُبْرِ وَاِذَا اَسْلَمَ رَجُلٌ عَلٰى يَدِ رَجُلٍ وَوَالَاهُ عَلٰى اَنْ يَّرِثَهٗ وَيَعْقِلَ عَنْهُ

اس واسطے کہ ترکہ بڑے کیواسطے ہوتا ہے اور جب کوئی شخص کسی شخص کے ہاتھ اسلام قبول کرتے ہوئے اسکے ساتھ موالاۃ کرے کہ وہی اس

اِذَا جَنٰى اَوْ اَسْلَمَ عَلٰى يَدِ غَيْرِهٖ وَوَالَاهُ فَالْوَلَاءُ صَحِيْحٌ وَعَقْلُهٗ عَلٰى مَوْلَاهُ فَاِنْ مَاتَ

شخص کا وارث اور تاوانِ جنایت دینے والا ہوگا یا کسی دوسرے کے ہاتھ پر اسلام قبول کرے اور اسکے ساتھ موالاۃ کرے تو ولاء درست ہوگی۔

وَلَا وَارِثَ لَهٗ فَمِيْرَاثُهٗ لِلْمَوْلٰى وَاِنْ كَانَ لَهٗ وَارِثٌ فَهُوَ اَوْلٰى مِنْهُ وَلِلْمَوْلٰى

اور تاوان (کا وجوب) اس کے آقا پر ہوگا اگر وہ بغیر وارث چھوڑے انتقال کرجائے تو اسکا ترکہ آقا کو ملے گا اور وارث ہونے پر وہ اس کا آقا

اَنْ يَّنْتَقِلَ عَنْهُ بِوَلَائِهٖ اِلٰى غَيْرِهٖ مَا لَمْ يَعْقِلْ عَنْهُ فَاِنْ عَقَلَ عَنْهُ لَمْ يَكُنْ لَهٗ اَنْ

سے زیادہ مستحق ہوگا اور موالاۃ کرنیوالے کیلئے اپنی ولاء کسی دوسرے کی جانب منتقل کرنا درست ہے جب تک کہ اس کی جانب سے تاوان جنایت نہ دیا ہو

يَتَحَوَّلَ بِوَلَائِهِ إِلَى غَيْرِهِ، وَلَيْسَ لِمَوْلَى الْعَتَاقَةِ أَنْ يُوَالِيَ أَحَدًا۔
اور اگر اسکی جانب سے تاوانِ جنایت دیدیا تو پھر منتقل کرنا درست نہ ہوگا اور یہ درست نہیں آزاد شدہ کیلئے کہ کسی کے ساتھ موالاۃ کرے۔

ولاءِ موالاۃ سے متعلق تفصیلی احکام

لغات کی وضاحت :- ولاء : میراث، ترکہ۔ عقل : تاوان، جرمانہ۔

تشریح و توضیح

واذا ترک المولی ابنا الخ۔ اگر ایسا ہو کہ آقا نے بوقتِ انتقال بیٹا اور بیٹے کی اولاد چھوڑی ہو تو اس صورت میں آزاد شدہ کے ترکہ کا جہاں تک تعلق ہے وہ بیٹے کا ہوگا۔ بیٹے کی اولاد محروم رہے گی کیونکہ آقا سے بیٹے کی نسبت بیٹے کی اولاد کے مقابلہ میں قوی اور قریب ہے۔

واذا اسلم رجلٌ الخ۔ اگر کوئی شخص کسی شخص کے ہاتھ قبولِ اسلام کرے اور جس کے ہاتھ پر یہ شخص اسلام لایا ہو اسی کے ساتھ یہ موالاۃ کرے کہ اس کے انتقال پر وہی اس کے کل ترکہ کا مستحق ہوگا اور اس سے کسی جرم کا ارتکاب ہو تو وہی اس کی جانب سے جرمانہ کی ادائیگی کریگا۔ احنافؒ کے نزدیک اس طرح کا عقد کرنا درست ہے اور اس نومسلم کے انتقال پر اگر وہ بغیر وارث کے انتقال کرے تو یہی شخص وارث قرار پائیگا اور جنایت کی شکل میں اسکی جانب سے ادائیگی تاوان بھی کریگا۔ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک موالاۃ کا کوئی اعتبار نہیں۔

ان کے نزدیک وراثت باعتبارِ نص یا تو قرابت سے متعلق ہے یا اس کا تعلق زوجیت ہی سے ہے۔ اور حدیث کے لحاظ سے اس کا تعلق مع العتق ہے اور اس جگہ ان دونوں میں سے کسی کا وجود نہیں۔ احنافؒ کا مستدل ہے آیتِ کریمہ "وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ" (اور جن لوگوں سے تمہارے عہد بندھے ہوئے ہیں انکو انکا حصہ دیدو)

وللمولیٰ ان ینتقل عنہ الخ۔ فرماتے ہیں کہ عقدِ ولاء کرنے والے کیلئے اس وقت تک اسے منتقل کرنا اور بجائے اس کے کسی دوسرے سے موالاۃ کرنا درست ہے جب تک کہ اس شخص نے اس کی جانب سے تاوان کی ادائیگی اس کے کسی جرم کے ارتکاب کے باعث نہ کی ہو اگر وہ تاوانِ جنایت ادا کرچکا ہو تو پھر منتقلی کا حق برقرار نہ رہے گا۔ اس لئے کہ اس صورت میں محض اس کا حق نہیں رہا بلکہ اس کے ساتھ دوسرے کے حق کا تعلق بھی ہو چکا ہے اور ادائیگیٔ جنایت کے بعد دوسرے سے عقدِ موالاۃ کرنے میں پہلے شخص کا ضرر بالکل عیاں ہے اور اس ضرر رسانی کی شرعاً اجازت نہیں اسی واسطے اس صورت میں دوسرے کے ساتھ عقدِ موالاۃ کرنے سے احتراز کا حکم کیا گیا۔

کتاب الجنایات

جنایات کا بیان

اَلْقَتْلُ عَلٰی خَمْسَۃِ اَوْجُہٍ عَمَدٌ وَشِبْہُ عَمَدٍ وَخَطَأٌ وَمَا اُجْرِیَ مَجْرَی الْخَطَاءِ وَالْقَتْلُ
قتل پانچ قسموں پر مشتمل ہے (۱) عمد (۲) شبہ عمد (۳) خطاء (۴) قائم مقام خطاء (۵) قتل بسبب
بِسَبَبٍ فَالْعَمَدُ مَا تَعَمَّدَ ضَرْبَہٗ بِسَلَاحٍ اَوْ مَا اُجْرِیَ مَجْرَی السِّلَاحِ فِیْ تَفْرِیْقِ الْاَجْزَاءِ کَالْمُحَدَّدِ
قتل عمد تو ہتھیار یا اس کے ذریعہ جو اجزاء کے الگ کرنے میں ہتھیار جیسا ہو مارنے کے قصد کا نام ہے مثلاً دھاروالی
مِنَ الْخَشَبِ وَالْحَجَرِ وَالنَّارِ وَمُوْجَبُ ذٰلِکَ الْمَأْثَمُ وَالْقَوَدُ اِلَّا اَنْ یَعْفُوَ الْاَوْلِیَاءُ وَ
لکڑی اور پتھر اور آگ ۔ اس کا مآل گناہ و قصاص ہیں الّا یہ کہ اولیائے مقتول درگذر کریں ۔
لَا کَفَّارَۃَ فِیْہِ وَشِبْہُ الْعَمَدِ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ رَحِمَہُ اللّٰہُ اَنْ یَتَعَمَّدَ الضَّرْبَ بِمَا لَیْسَ
قتل عمد میں کفارہ کوئی نہیں ۔ شبہ عمد امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس کا نام ہے کہ اس کے ذریعہ مارنے کا قصد
بِسَلَاحٍ وَلَا مَا اُجْرِیَ مَجْرَاہُ وَقَالَا رَحِمَہُمَا اللّٰہُ شِبْہُ الْعَمَدِ اَنْ یَتَعَمَّدَ ضَرْبَہٗ بِمَا لَا
ہو کہ جسے نہ ہتھیار میں شمار کیا جاتا ہو اور نہ ہتھیار کے قائم مقام امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک اس کے ذریعہ مارنے کے قصد کا نام ہے
یُقْتَلُ بِہٖ غَالِبًا وَمُوْجَبُ ذٰلِکَ عَلَی الْقَوْلَیْنِ الْمَأْثَمُ وَالْکَفَّارَۃُ وَلَا قَوَدَ فِیْہِ وَفِیْہِ
کہ جس سے عموماً آدمی مرتا نہ ہو دونوں قولوں کے مطابق اس کا مآل گناہ و کفارہ ہیں اس کے اندر قصاص تو نہیں مگر کنبہ کے
دِیَۃٌ مُغَلَّظَۃٌ عَلَی الْعَاقِلَۃِ وَالْخَطَاءُ عَلٰی وَجْہَیْنِ خَطَاءٌ فِی الْقَصْدِ وَہُوَ اَنْ یَرْمِیَ شَخْصًا
لوگوں پر بڑی دیت ہے اور خطاء دو قسموں پر مشتمل ہے (۱) ارادہ میں خطاء ۔ وہ یہ کہ کسی شخص کے تیر شکار
یَظُنُّہٗ صَیْدًا فَاِذَا ہُوَ اٰدَمِیٌّ وَخَطَأٌ فِی الْفِعْلِ وَہُوَ اَنْ یَرْمِیَ غَرَضًا فَیُصِیْبَ اٰدَمِیًّا
خیال کرتے ہوئے مارے اور وہ آدمی نکلے (۲) فعل میں خطاء ۔ وہ یہ کہ تیر تو نشانہ پر مارا مگر آدمی کے لگ گیا ۔
وَمُوْجَبُ ذٰلِکَ الْکَفَّارَۃُ وَالدِّیَۃُ عَلَی الْعَاقِلَۃِ وَلَا مَأْثَمَ فِیْہِ وَمَا اُجْرِیَ مَجْرَی
اس کا مآل کفارہ اور کنبہ کے لوگوں پر خون بہا ہے اور اس کے اندر گناہ نہ ہوگا اور قائم مقام خطاء یہ کہ
الْخَطَاءِ مِثْلُ النَّائِمِ یَنْقَلِبُ عَلٰی رَجُلٍ فَیَقْتُلُہٗ فَحُکْمُہٗ حُکْمُ الْخَطَاءِ وَاَمَّا الْقَتْلُ بِسَبَبٍ کَحَافِرِ
مثال کے طور پر سونے والا شخص کسی پر گر جائے اور اسے ہلاک کر دے یا باعتبار حکم خطاء کی طرح ہے اور قتل بسبب یہ کہ دوسرے
الْبِئْرِ وَوَاضِعِ الْحَجَرِ فِیْ غَیْرِ مِلْکِہٖ وَمُوْجَبُہٗ اِذَا تَلِفَ فِیْہِ اٰدَمِیٌّ الدِّیَۃُ عَلَی الْعَاقِلَۃِ
شخص کی ملکیت میں کنواں کھودڈالے اور پتھر رکھ دے اس کی عقوبت اس کی وجہ سے آدمی کی ہلاکت پر کنبہ والوں پر دیت ہے ۔

وَلَا کَفَّارَۃَ فِیْہِ ۔
اور اس کے اندر کوئی کفارہ نہیں ہوگا ۔

لغات کی وضاحت: المأثم: ناجائز فعل، گناہ، جرم۔ القود۔ قصاص، مقتول کے بدلہ قاتل کو قتل کرنا۔ غرضًا: مطلوب، حاجت، نشانہ جس پر گولی ماری جائے۔ جمع اغراض۔

تشریح و توضیح: القتل علیٰ خمسۃ اوجہ الخ۔ قتل جس کے احکام آگے بیان کئے جارہے ہیں اسکی پانچ قسمیں ہیں (۱) عمد (۲) شبہ عمد (۳) خطاء (۴) قائم مقام خطاء (۵) قتل بسبب۔ قتل عمد اسے کہا جاتا ہے کہ چاقو وغیرہ کے ذریعہ یا اس کے قائم مقام دوسری ایسی چیزوں سے ارادۂ قتل کیا جائے جو دھاردار ہوں اور ان سے اجزاء کے الگ کرنیکا کام لیا جاتا ہو۔ مثال کے طور پر نوک دار دھاردار پتھر وغیرہ۔ اس طرح قتل کر دینے سے نتیجۂ دو باتیں لازم آتی ہیں۔ ایک گناہ اور دوسرے قصاص یعنی جان کے بدلہ جان۔ قتل سے متعلق ارشاد ربانی ہے "ومن قتل مؤمنا متعمدا فجزاءہ جہنم خالدا فیہا وغضب اللّٰہ علیہ ولعنہ واعدّ لہ عذابا الیما" (اور جو شخص کسی مسلمان کو قتل کر ڈالے تو اس کی سزا جہنم ہے کہ ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہنا اور اس پر اللہ تعالیٰ غضبناک ہوں گے اور اس کو اپنی رحمت سے دور کر دیں گے اور اس کیلئے بڑی سزا کا سامان کریں گے)

قصاص کے بارے میں تفصیل یہ ہے کہ مقتول کے اولیاء کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ دو چیزوں میں سے کوئی ایک اختیار کریں یا تو قصاص لیں یعنی مقتول کے بدلہ قاتل کی جان یا خون بہا لیکر قصاص سے دست بردار ہو جائیں۔ قصاص کے بارے میں احناف اس آیت کریمہ سے استدلال کرتے ہیں "کُتِبَ عَلَیکُمُ القِصَاصُ فِی القَتلیٰ" (تم پر (قانونِ) قصاص فرض کیا جاتا ہے مقتولین لقتلِ عمد کے بارے میں) یہ حکم قتل عمد کا ہے۔ نیز طبرانی وغیرہ میں روایت ہے کہ سزائے قتلِ عمد قصاص ہے۔

ولا کفارۃ فیہ الخ۔ قتل عمد کا جہاں تک تعلق ہے اس کے اندر کوئی بھی کفارہ نہیں۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک کفارہ ہے اس لئے کہ بمقابلۂ قتلِ خطا قتلِ عمد میں احتیاج کفارہ بڑھی ہوئی ہے۔ احنافؒ فرماتے ہیں کہ دوسرے گناہ کبیرہ کیطرح قتلِ عمد بھی کبیرہ گناہ میں سے ہے اور کفارہ کے اندر ایک طرح عبادت کا پہلو ہے۔ لہٰذا قتل عمد جو گناہ کبیرہ ہے اس کا کفارہ سے مربوط ہونا ممکن نہیں۔

وشبہ العمد عند ابی حنیفۃؒ الخ۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں شبہ عمد اسے کہا جاتا ہے کہ قاتل مقتول کو کسی ایسی چیز سے قتل کرے جس کا شمار ہتھیار میں یا ہتھیار کے قائم مقام میں ہوتا ہو اور نہ اس کے ذریعہ اجزائے بدن الگ کئے جاتے ہوں اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ و امام شافعیؒ کے نزدیک شبہ عمد یہ کہلاتا ہے کہ مارنے والا کسی کو اسطرح کی چیز سے مارنے کا قصد کرے جس سے عموماً اور اکثر و بیشتر آدمی ہلاک نہ ہوتا ہو مگر وہ اتفاقاً اسی کی ضرب سے ہلاک ہو گیا ہو۔ دونوں قولوں کے مطابق جس سے اس کا ارتکاب ہوا ہو وہ گناہگار بھی ہوگا اور اس پر کفارہ بھی واجب ہوگا البتہ اس میں قصاص نہیں آئیگا کہ جان کے بدلہ جان لی جائے کیونکہ مارنیوالے کا ارادہ ہلاک کرنیکا نہیں تھا اور نہ جس سے مارا وہ ہلاک کرنیکا آلہ تھا۔ حضرت امام مالکؒ کے نزدیک قتل کی دو ہی قسمیں ہیں (۱) عمداً قتل (۲) خطاءً قتل۔ شبہ عمد میں قاتل کے کنبہ کے لوگوں پر بڑا بھاری خون بہا واجب کیا گیا۔

والخطاء علی وجهین الخ۔ قتل کی قسم سوم قتل خطاء قرار دی گئی۔ یہ دو قسموں پر مشتمل ہے (۱) ارادہ کی خطاء۔ یعنی کسی شخص کے مثلاً شکار سمجھتے ہوئے تیر مارے اور پھر اس کی غلطی ظاہر ہوا اور وہ بجائے شکار کے آدمی نکلے (۲) فعل میں خطاء۔ اس کی صورت یہ ہے کہ تیر اپنے نشانہ پر مارے مگر وہ بجائے نشانہ کے کسی آدمی کو لگ جائے اور وہ فعل خطاء کے باعث موت کی آغوش میں سو جائے۔ اس خطاء کے نتیجہ میں قاتل پر کفارہ اور کنبہ کے لوگوں پر دیت کا وجوب ہوگا مگر اس ہلاکت کیوجہ سے ہلاک کرنیوالا گناہگار نہ ہوگا۔

وما اجری مجری الخطاء الخ۔ قتل کی قسم چہارم قائم مقام خطاء قرار دی گئی۔ اس کی صورت یہ ہے کہ مثال کے طور پر کوئی آدمی نیند کی آغوش میں ہو اور وہ اسی حالت میں کروٹ لے تو کسی شخص پر جا پڑے اور وہ دوسرا شخص اس کے باعث مر جائے تو یہ بھی از روئے حکم قتل خطاء کی طرح ہوگا کہ کفارہ واجب ہوگا اور اہل کنبہ پر دیت کا وجوب ہوگا۔

واما القتل بسبب الخ۔ قتل کی قسم پنجم قتل بسبب ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ مثال کے طور پر کوئی شخص حاکم سے پروانۂ اجازت لئے بغیر کسی دوسرے کی ملکیت میں کنواں کھدوا ڈالے یا مثلاً بلا اجازت پتھر رکھوا دے اور پھر اس کے باعث کوئی شخص ہلاک ہو جائے تو اس صورت میں کنبہ والوں پر دیت تو واجب ہوگی مگر کفارہ واجب نہ ہوگا۔

وَالقِصَاصُ وَاجِبٌ بقتلِ کلِّ محقونِ الدمِ علی التابیدِ اذا قتلَ عمدًا وُیقتلُ الحرُّ بالحرِّ وَ
قصاص ہر ایسے شخص کے عمداً قتل پر واجب ہوگا جس کا خون دائمی طور پر محفوظ ہو۔ اور آزاد آدمی آزاد آدمی کے عوض قتل کیا جائیگا

الحرُّ بالعبدِ وَالعبدُ بالحرِّ وَالعبدُ بالعبدِ وَالمُسلمُ بالذمی وَلا یقتلُ المُسلم بالمستامِن
اور آزاد شخص غلام کے عوض اور غلام آزاد آدمی کے عوض اور غلام بعوض غلام اور مسلمان بعوض ذمی قتل کیا جائیگا اور مسلمان بعوض مستامن قتل

وَیُقتلُ الرجلُ بالمرأۃِ وَلایقتلُ الرَّجُلُ بابنِہٖ وَلا بعبدہٖ وَلا بمدبرہٖ وَلا بمکاتبہٖ وَ لا
نہیں کیا جائیگا اور مرد بعوض عورت قتل کیا جائیگا اور مرد اپنے لڑکے اور اپنے غلام اور اپنے مدبر اور اپنے مکاتب اور اپنے لڑکے کے غلام

بعبد ولدہٖ وَمَنْ وَرِثَ قصاصًا علیٰ ابیہِ سقط وَلا یستوفی القصاصُ الا بالسَّیفِ۔
کے عوض قتل نہیں کیا جائے گا۔ اور جو شخص اپنے والد پر وارث قصاص بنا تو قصاص ساقط قرار دیا جائے گا اور قصاص بذریعہ تلوار لیا جائیگا۔

قصاص لئے جانیوالے اور قصاص سے بری لوگوں کا ذکر

تشریح و توضیح

وَالقصاصُ واجبٌ بقتلِ الخ۔ فرماتے ہیں کہ قصاص ہر ایسے کے قتل کے باعث لازم ہوگا کہ جس کا خون دائمی طور پر محفوظ ہو اور کسی بھی وقت اس کا خون بہانا مباح نہ ہو۔ یہاں تابید کی قید کے باعث مستامن اس تعریف سے خارج ہو گیا کہ مستامن کا خون اسی وقت

تک محفوظ کہا جائیگا جب تک کہ وہ دارالاسلام میں پروانۂ امن حاصل کرکے مقیم ہو۔ جب وہ دارالاسلام سے چلا جائے تو اس کا خون بھی محفوظ نہ رہے گا۔ قصاص کا وجوب ان آیات سے ثابت ہے" یاایہا الذین اٰمنوا کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ الحرُّ بالحرِّ والعبدُ بالعبدِ والانثیٰ بالانثیٰ (الآیۃ) (اے ایمان والو تم پر (قانون) قصاص فرض کیا جاتا ہے آزاد آدمی آزاد آدمی کے عوض میں اور غلام غلام کے عوض میں اور عورت عورت کے عوض میں)۔

ویقتل الحر بالحر والحر بالعبد الخ۔ فرماتے ہیں قاتل کو بعوض مقتول موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا اس سے قطع نظر کہ مقتول آزاد شخص ہو یا وہ آزاد نہ ہو بلکہ غلام ہو اور وہ مذکر (مرد) ہو یا مؤنث (عورت) امام مالکؒ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک آزاد شخص بعوض غلام قتل نہ ہوگا بلکہ اس صورت میں قتل کرنیوالے پر قیمت غلام کے تاوان کا وجوب ہوگا۔ اس لئے کہ آیت کریمہ "الحرُّ بالحرِّ والعبدُ بالعبدِ" آیا ہے۔ اور اس کا تقاضہ یہ ہوگا کہ آزاد شخص بعوض غلام موت کے گھاٹ نہ اتارا جائے۔ علاوہ ازیں قصاص کی بنیاد برابری پر ہے۔ اور آزاد شخص و غلام کے درمیان برابری نہیں۔ اس واسطے کہ آزاد شخص کی حیثیت مالک کی ہوتی ہے اور غلام کی حیثیت مملوک کی، اور مالک ہونا قادر ہونے کی نشانی ہے اور مملوک ہونا عاجز و مجبور ہونے کی نشانی۔ احنافؒ فرماتے ہیں کہ ارشادِ ربانی "النفس بالنفس" مطلقاً ہے تو اسے آیت کریمہ "الحر بالحر" کیواسطے ناسخ قرار دیا جائے گا۔ علامہ سیوطی درمنثور میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اسی طرح نقل کرتے ہیں۔ نیز روایاتِ صحیحہ میں بھی یہ حکم مطلقاً ہے۔ نیز سورۂ مائدہ میں ارشاد ربانی ہے" وکتبنا علیھم فیھا ان النفس بالنفس" اور ہم نے ان پر اس (توراۃ) میں یہ بات فرض کی تھی کہ جان کے بدلے جان) حضرت تھانویؒ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ "النفس بالنفس" میں آزاد اور غلام اور مسلمان اور کافر اور مرد و عورت اور کبیر اور صغیر اور شریف اور رذیل اور بادشاہ اور رعیت سب داخل ہیں البتہ خود اپنے مملوکہ غلام اور اپنی اولاد کے قصاص میں نہ مارا جانا اجماع و حدیث سے ثابت ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ائمہ ثلاثہ کا آیت میں ذکر کردہ تقابل سے استدلال فرمانا درست نہیں۔

والمسلم بالذمی الخ۔ اگر مسلمان کسی ذمی کو قتل کردے تو اس کے عوض اس مسلمان کو قتل کیا جائے گا۔ حضرت امام شافعیؒ بخاری شریف وغیرہ میں مروی اس روایت سے استدلال کرتے ہوئے کہ" مومن کافر کے بدلہ قتل نہیں کیا جائے گا" فرماتے ہیں کہ بعوضِ کافر مومن کو قتل نہ کریں گے۔ احنافؒ کا مستدل بیہقی وغیرہ کی یہ روایت ہے کہ میں اپنا ذمہ پورا کرنیوالوں میں زیادہ ذمہ پورا کرنیوالا ہوں۔ امام شافعیؒ جس روایت سے استدلال فرما رہے ہیں اس میں کافر سے ذمی (دارالاسلام کا غیر مسلم باشندہ) مقصود نہیں بلکہ حربی کافر مقصود ہے اور قصاص کا تعلق ذمی کافر سے ہے۔

ولا یقتل المسلم بالمستأمن الخ۔ اگر کوئی مسلمان ایسے حربی کافر کو قتل کرڈالے جو پروانۂ امن حاصل کرکے دارالاسلام میں آیا ہو تو اس کے قصاص میں مسلمان قتل نہیں کیا جائے گا۔

ولا یقتل الرجل بابنہٖ الخ. اگر ایسا ہو کہ کسی بھی وجہ سے باپ اپنے بیٹے کو موت کے گھاٹ اتار دیا تو اس کے اس ارتکاب قتل کیوجہ سے باپ سے قصاص لیتے ہوئے اسے بیٹے کے عوض قتل نہ کریں گے۔ اس لئے کہ ترمذی اور دارمی میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ " ولا یقاد بالولد الوالد (ولد کا قصاص والد سے نہیں لیا جائے گا) اس میں امام مالکؒ کا اختلاف ہے۔ ان کے نزدیک اگر والد اپنے بچہ کو ذبح کر دے تو اس پر قصاص آئے گا۔

ولا بعبدہٖ ولا بمدبرہٖ الخ۔ اگر کسی شخص نے اپنے خالص غلام کو ہلاک کر دیا تو اس پر قصاص نہ آئے گا۔ اس لئے کہ وہ اس کا مملوک تھا اور آدمی کے اپنی ملکیت کے ضائع کر دینے پر کسی چیز کا وجوب نہیں ہوتا۔ اسی طریقہ سے اگر کوئی شخص اپنے مدبر یا مکاتب کو ہلاک کر دے تب بھی قصاص کا وجوب نہ ہوگا۔ اس لئے کہ مدبر بھی اس کی ملک میں داخل ہے اور رہا مکاتب تو تاوقتیکہ وہ بدلِ کتابت کی ادائیگی نہ کر دے غلامی کے زمرے سے نہیں نکلتا۔ ایسے ہی اگر باپ اپنے لڑکے کے غلام کو موت کے گھاٹ اتار دے تو اس صورت میں بھی باپ پر قصاص نہ آئے گا۔ اسلئے کہ ارشادِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مطابق لڑکا اور اس کا مال (گویا) باپ (ہی) کا ہے۔

ومن ورث قصاصًا علی ابیہ الخ۔ اگر لڑکا والد کے قصاص کا وارث بن جائے۔ مثال کے طور پر والد اپنے خسر کو ہلاک کر دے اور خسر کے اسکی اہلیہ کے سوا وارث نہ ہو۔ اس کے بعد عورت بھی موت کی آغوش میں سو جائے اور قتل کرنیوالے کے نطفہ سے پیدا شدہ اس عورت کا لڑکا اس کا وارث ہے اور وہ اس قصاص کا بھی وارث بنے جس کا وجوب اس کے والد پر ہو تو یہ قصاص ساقط قرار دیا جائے گا۔

ولا یستوفی القصاص الا بالسیف الخ۔ عند الاحناف قصاص میں حکم یہ ہے کہ محض تلوار سے لیا جائے خواہ قتل کرنے والا قتل شدہ کو بجائے تلوار کسی دوسرے ہتھیار کے ذریعہ ہلاک کرے۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک جس طرح قاتل نے کیا ہو ٹھیک اسی طرح اس کو بھی قتل کیا جائے گا مگر اس فعل کا مشروع ہونا شرط ہے۔ حضرت امام مالکؒ، حضرت امام احمدؒ اور اصحاب ظواہر کا بھی یہی قول ہے۔ ان کا مستدل بخاری و مسلم میں حضرت انسؓ سے مروی یہ روایت ہے کہ ایک یہودی نے ایک عورت کے سر کو دو پتھروں کے بیچ کچلا۔ اس سے پوچھا گیا کہ کس نے تیرے ساتھ ایسا کیا۔ کیا یہ فلاں فلاں نے کیا؟ حتیٰ کہ یہودی کا نام لیا گیا تو اس نے سر کا اشارہ کیا، پھر یہودی کو بلایا گیا تو اس نے اعتراف کیا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کا سر اسی طرح کچلنے کا حکم فرمایا۔ احنافؒ کا مستدل دارقطنی وغیرہ میں مروی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ قصاص بذریعہ تلوار ہی ہے۔ رہا مذکورہ بالا روایت میں یہودی کے سر کچلنے کا ذکر تو اس کے متعلق محشیٔ مشکوٰۃ فرماتے ہیں کہ وہ قصاصًا نہیں سیاسۃً تھا یا اس کے عہد شکنی کے باعث تھا۔

وَاِذَا قُتِلَ المُکَاتَبُ عَمَدًا وَلَیْسَ لَہٗ وَارِثٌ اِلَّا المَوْلٰی فَلَہُ القِصَاصُ اِنْ لَمْ یَتْرُکْ

اور جب مکاتب قصدًا مار ڈالا جائے اور بجز آقا وہ کوئی وارث نہ رکھتا ہو تو اسے حق قصاص ہوگا بشرطیکہ مکاتب نے

وَفَاءٌ وَاِنْ تَرَكَ وَفَاءً وَوَارِثُهُ غَيْرُ الْمَوْلٰى فَلَا قِصَاصَ لَهُمْ وَاِنِ اجْتَمَعُوْا مَعَ الْمَوْلٰى وَ
مال نہ چھوڑا ہو۔ اور اگر اس نے مال چھوڑا ہو اور آقا کے سوا اسکا کوئی وارث ہو تو انھیں حق قصاص نہ ہوگا خواہ وہ آقا کے ساتھ کیوں مل گئے
اِذَا قُتِلَ عَبْدُ الرَّهْنِ لَا يَجِبُ الْقِصَاصُ حَتّٰى يَجْتَمِعَ الرَّاهِنُ وَالْمُرْتَهِنُ وَمَنْ جَرَحَ رَجُلًا
ہوں اور رہن رکھے ہوئے غلام کے قتل پر وجوب قصاص نہ ہوگا حتیٰ کہ اکٹھے ہوں راہن اور مرتہن اور جو شخص کسی کو عمداً مجروح کردے
عَمَدًا فَلَمْ يَزَلْ صَاحِبَ فِرَاشٍ حَتّٰى مَاتَ فَعَلَيْهِ الْقِصَاصُ ۔
اور وہ مجروح صاحبِ فراش رہے حتیٰ کہ موت کی آغوش میں سو جائے تو اس پر وجوب قصاص ہوگا۔

مکاتب اور مرہون غلام کے قتل پر احکام قصاص

تشریح و توضیح

وَاِذَا قُتِلَ الْمُكَاتَبُ عَمَدًا الخ دراصل مکاتب کے قتل کا معاملہ چار شکلوں پر مشتمل ہے۔ اور وہ چار شکلیں حسب ذیل ہیں (۱) کوئی شخص ایسے مکاتب کو موت کے گھاٹ اتار دے جو معاوضۂ کتابت اور آقا کو چھوڑ جائے۔ (۲) مقتول مکاتب کا آقا کے سوا دوسرا وارث ہو (۳) مکاتب ایسی حالت میں قتل کیا جائے کہ نہ وہ معاوضۂ کتابت چھوڑے اور نہ اس کا کوئی دوسرا آقا کے سوا موجود ہو۔ (۴) مکاتب معاوضۂ کتابت بھی چھوڑ کرے اور آقا اور وارث بھی ۔ ان ذکر کردہ چار شکلوں میں پہلی شکل میں حضرت امام ابو یوسفؒ قاتل سے قصاص لینے کا حکم فرماتے ہیں۔ امام محمدؒ قصاص نہ لینے کا حکم فرماتے ہیں۔ ان کے نزدیک اس جگہ استحقاق کا سبب الگ ہے۔ اس لئے کہ اگر مکاتب کا انتقال بحالتِ آزادی ہو تو اس صورت میں استحقاق کا سبب ولاء شمار ہوگا اور بحالتِ غلامی انتقال کرنے پر ملک استحقاق کا سبب ہوگی لہٰذا حال کے اندر شبہ پیدا ہو جانے کے باعث آقا کو استحقاقِ قصاص نہ رہے گا۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ اور حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک دونوں صورتوں میں یقینی طور پر قصاص کا استحقاق آقا کو ہی حاصل ہوگا اور حکم کے اندر اتحاد و علم کے باعث سبب کا اختلاف نقصان دہ نہ ہوگا۔ رہی صورت ۲ و ۳ تو ان میں متفقہ طور پر آقا کو استحقاقِ قصاص ہوگا اس لئے کہ مکاتب کے معاوضۂ کتابت نہ چھوڑ کر مرنے سے عقدِ کتابت باقی نہ رہا اور اس کا انتقال بحالتِ غلامی ہوا تو اس کے آقا کو قصاص کا حق ہوگا۔ اور صورت ۴ میں متفقہ طور پر قصاص نہ ہوگا اس واسطے کہ صحابۂ کرام اس میں مختلف الرائے ہیں کہ مکاتب کا انتقال نعمتِ آزادی میسر ہونے کی حالت میں ہوا یا بحالتِ غلامی۔ لہٰذا اس شبہ اور ولی کی عدمِ تعیین کی بنا پر قصاص نہ رہا۔

واذا قتل عبد الرهن الخ. اگر ایسا ہو کہ کوئی شخص مرہون غلام کو قتل کر ڈالے تو اس صورت میں تاوقتیکہ راہن اور مرتہن اکٹھے نہ ہوں مرہون غلام کو قتل کرنے والے سے قصاص لینے کا حکم نہ ہوگا اس لئے کہ مرتہن کو تو غلام پر ملکیت حاصل نہیں کہ استحقاقِ قصاص ہو اور راہن کے از خود قصاص لینے پر حقِ مرتہن کا سوخت ہونا لازم آتا ہے۔

اس بناء پر دونوں کی موجودگی ناگزیر ہے تاکہ حقِ مرتہن اس کی مرضی سے ساقط ہو سکے۔ امام محمدؒ کے نزدیک مرہون غلام کے قتل کے عوض قصاص ہی واجب نہیں خواہ راہن و مرتہن دونوں اکٹھے بھی ہوں۔ ایک روایت کے مطابق امام ابو یوسفؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔

ومن جرح رجلاً الخ۔ اگر کوئی شخص کسی کو اسقدر زخمی کردے کہ وہ صاحب فراش ہو جائے اور اٹھنے کے لائق نہ رہے اور اسی کے باعث اس کا انتقال ہو جائے تو قصاص کا وجوب ہوگا۔

وَمَنْ قَطَعَ يَدَ رَجُلٍ عَمدًا مِنَ الْمَفْصِلِ قُطِعَتْ يَدُهٗ وَكَذٰلِكَ الرِّجْلُ وَمَارِنُ الأَنْفِ

اور جو شخص کسی کے ہاتھ کو عمداً پہونچے سے قطع کرے تو اس کے ہاتھ کو بھی پہونچے سے قطع کیا جائیگا اور ایسے ہی پاؤں، ناک کے نرم حصہ

وَالأُذُنِ وَمَنْ ضَرَبَ عَيْنَ رَجُلٍ فَقَلَعَهَا فَلاَ قِصَاصَ عَلَيْهِ فَاِنْ كَانَتْ قَائِمَةً وَذَهَبَ ضَوءُهَا

اور کان کاٹنے کا حکم ہوگا اور جو شخص کسی کی آنکھ پر مار کر اسے نکالدے تو اس کے اوپر قصاص نہ ہوگا لہٰذا اگر آنکھ باقی رہتے ہوئے اسکی بینائی باقی

فَعَلَيْهِ الْقِصَاصُ تُحْمٰى لَهُ الْمِرْآةُ وَيُجْعَلُ عَلٰى وَجْهِهٖ قُطْنٌ رَطْبٌ وَتُقَابَلُ عَيْنُهٗ بِالْمِرْآةِ

نہ رہے تو اس پر قصاص ہے کہ شیشہ کو گرم کرکے اس کے چہرے پر بھیگی ہوئی روئی رکھی جائے گی اور اسکی آنکھ کے سامنے شیشہ رکھا جائے

حَتّٰى يَذْهَبَ ضَوءُهَا وَفِي السِّنِّ الْقِصَاصُ وَفِي كُلِّ شَجَّةٍ يُمْكِنُ فِيْهَا الْمُمَاثَلَةُ الْقِصَاصُ

گا حتیٰ کہ اس کی بینائی ختم ہو جائے اور دانت کے اندر قصاص واجب ہوگا اور ہر ایسے زخم کے اندر قصاص ہوگا جس میں مماثلت ہو سکے

وَلاَ قِصَاصَ فِي عَظْمٍ اِلاَّ فِي السِّنِّ وَلَيْسَ فِيْمَا دُوْنَ النَّفْسِ شِبْهُ عَمْدٍ اِنَّمَا هُوَ عَمْدٌ اَوْ

اور بجز دانت کے اور کسی ہڈی میں قصاص نہ ہوگا اور شبہ عمد بجز جان کے اور کسی چیز میں نہیں اس کے علاوہ میں عمد ہے یا

خَطَاءٌ وَلاَ قِصَاصَ بَيْنَ الرَّجُلِ وَالْمَرْأَةِ فِيْمَا دُوْنَ النَّفْسِ وَلاَ بَيْنَ الْحُرِّ وَالْعَبْدِ وَلاَ بَيْنَ

خطاء ہے اور بجز جان کے مرد و عورت کے بیچ قصاص نہیں اور نہ آزاد شخص اور غلام اور نہ دو غلاموں کے بیچ

الْعَبْدَيْنِ وَيَجِبُ الْقِصَاصُ فِي الأَطْرَافِ بَيْنَ الْمُسْلِمِ وَالْكَافِرِ وَمَنْ قَطَعَ يَدَ رَجُلٍ مِنْ

اور مسلم و کافر کے بیچ اعضاء میں وجوب قصاص ہوگا اور جو شخص کسی کے ہاتھ کو آدھے پہنچے سے

نِصْفِ السَّاعِدِ اَوْ جَرَحَهٗ جَائِفَةً فَبَرَأَ مِنْهَا فَلاَ قِصَاصَ عَلَيْهِ۔

کاٹ ڈالے یا اسے پیٹ تک مجروح کردے اور پھر وہ شفایاب ہو جائے تو اس پر قصاص نہ ہوگا۔

بجز جان کے دوسری چیزوں میں قصاص

لغات کی وضاحت: المفصل: پہنچہ، جوڑ۔ الرِّجل: پاؤں۔ مارن: ناک کا کنارہ، ناک کا نرم حصہ۔ جمع موارن۔ شجۃ: زخم، ہڈی۔ السن: دانت

تشریح و توضیح

ومن قطع ید رجل الخ۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ اعضاء کے قصاص کے سلسلہ میں ایک کلی ضابطہ یہ ہے کہ وہ اعضاء جن میں ظالم و مظلوم دونوں کے نقصان کے درمیان مساوات ہو سکے تو وہاں حکم قصاص کیا جائے گا اور جس جگہ یہ برابری نہ ہو سکے وہاں وجوب قصاص نہ ہوگا۔ لہٰذا اگر کوئی شخص کسی کے ہاتھ کو قصداً پہنچے سے کاٹ ڈالے تو کاٹنے والے کے ہاتھ کو بھی اسی جگہ سے قطع کریں گے۔ اور کوئی شخص کسی کی ناک کے نرم حصہ یا اس کے پیر یا کان کو جوڑ سے کاٹیگا تو کاٹنے والے کے واسطے بھی یہی حکم ہوگا۔

ومن ضرب عین رجل الخ۔ اگر کوئی شخص کسی کی آنکھ پر ایسی ضرب لگائے کہ اسکی آنکھ نکل پڑے تو اس پر قصاص نہ ہوگا۔ اس واسطے کہ اس میں برابری کی رعایت ملحوظ رکھنا دشوار ہے۔ اور اگر آنکھ نکلی نہ ہو بلکہ محض اس کی بینائی جاتی رہی ہو تو اس صورت میں مماثلت ہو سکنے کی بناء پر قصاص واجب ہوگا۔ اس کی شکل یہ ہے کہ مارنیوالے کے چہرے پر تر روئی رکھی جائے گی پھر اس آنکھ کے سامنے گرم شیشہ بینائی ختم ہونے تک رکھا جائے گا۔

ولا قصاص بین الرجل والمرأۃ الخ۔ اگر ایسا ہو کہ کسی مرد نے عورت کا یا آزاد شخص نے کسی غلام کا یا ایک غلام نے کسی دوسرے غلام ہی کا مثلاً ہاتھ یا پاؤں کاٹ ڈالا تو عند الاحناف کاٹنے والے پر قصاص واجب نہ ہوگا۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور ابن ابی لیلیٰؒ فرماتے ہیں کہ ان تمام صورتوں میں قصاص کا وجوب ہوگا۔ اسواسطے کہ ان حضرات کے نزدیک ہر وہ موقع جہاں جانوں کے بیچ وجوب قصاص ہوتا ہے وہاں اعضاء میں بھی وجوب قصاص ہوگا۔ احنافؒ فرماتے ہیں کہ اعضاء کا حکم اموال کا سا ہوگا اور اس واسطے ان کے درمیان مماثلت کی شرط ملحوظ ہوگی۔ اور ذکر کردہ افراد کے بیچ مماثلت موجود نہیں، پس قصاص کا بھی وجوب نہ ہوگا۔

وَاِذَا كَانَ يَدُ الْمَقْطُوْعِ صَحِيْحَةً وَيَدُ الْقَاطِعِ شَلَّاءَ اَوْ نَاقِصَةَ الْاَصَابِعِ فَالْمَقْطُوْعُ
اور اگر جس کا ہاتھ کاٹا گیا وہ ہاتھ صحیح ہو اور کاٹنے والے کا ہاتھ شل یا اس کی انگلیوں میں نقص ہو تو مقطوع کو حق ہوگا کہ
بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ قَطَعَ الْيَدَ الْمَعِيْبَةَ وَلَا شَيْئَ لَهٗ غَيْرُهَا وَاِنْ شَاءَ اَخَذَ الْاَرْشَ كَامِلًا
خواہ عیب دار ہاتھ کٹوادے اور اس کے واسطے اور کوئی چیز نہ ہوگی اور خواہ کامل دیت وصول کر لے۔
وَمَنْ شَجَّ رَجُلًا فَاسْتَوْعَبَتِ الشَّجَّةُ مَا بَيْنَ قَرْنَيْهِ وَهِيَ لَا تَسْتَوْعِبُ مَا بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّاجِّ
اور جو شخص کسی کو مجروح کردے اور زخم اس کے سر کے کناروں کا استیعاب کرے اور اس طرح کا زخم مجروح کرنیوالے کے سر
فَالْمَشْجُوْجُ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ اقْتَصَّ بِمِقْدَارِ شَجَّتِهٖ يَبْتَدِئُ مِنْ اَيِّ الْجَانِبَيْنِ شَاءَ وَ
کے کنارے کا استیعاب نہ کرے تو مجروح کو یہ حق ہوگا کہ خواہ اپنے زخم کے بقدر قصاص لے لے اور جس جانب سے مرضی ہو ابتداء کرے اور
اِنْ شَاءَ اَخَذَ الْاَرْشَ كَامِلًا وَلَا قِصَاصَ فِي اللِّسَانِ وَلَا فِي الذَّكَرِ اِلَّا اَنْ يَقْطَعَ الْحَشَفَةَ
خواہ کامل دیت وصول کرلے۔ اور زبان اور آلۂ تناسل میں قصاص نہ ہوگا مگر یہ کہ حشفہ قطع کر دے۔

وَإِذَا اصطلحَ القاتِلُ أَوْلِيَاءُ الْمَقْتُوْلِ عَلَى مَالٍ سَقَطَ الْقِصَاصُ وَوَجَبَ الْمَالُ قَلِيْلاً كَانَ

اور قتل کرنیوالے کے مقتول کے اولیاء سے صلح بالمال کر لینے پر قصاص ساقط ہو کر مال کا وجوب ہوگا خواہ وہ قلیل ہو یا

أَوْ كَثِيْراً فَإِنْ عَفَى أَحَدُ الشُّرَكَاءِ مِنَ الدَّمِ أَوْ صَالَحَ مِنْ نَصِيْبِهِ عَلَى عِوَضٍ سَقَطَ حَقُّ الْبَاقِيْنَ

کثیر اور اگر خون کے شرکاء میں کسی شریک نے معاف کر دیا یا کسی چیز کے بدلہ اپنے حصہ کے سلسلہ میں مصالحت کرلی تو باقی لوگوں کے

مِنَ الْقِصَاصِ وَكَانَ لَهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِنَ الدِّيَةِ وَإِذَا قَتَلَ جَمَاعَةٌ وَاحِداً اقْتُصَّ مِنْ جَمِيْعِهِمْ وَإِذَا

حق قصاص کو ساقط قرار دیں گے اور وہ دیت میں حصہ دار رہیں گے اور جب لوگوں کی جماعت ایک شخص کو قتل کرے تو ان تمام سے قصاص لیں

قَتَلَ وَاحِدٌ جَمَاعَةً فَحَضَرَ أَوْلِيَاءُ الْمَقْتُوْلِيْنَ قُتِلَ لِجَمَاعَتِهِمْ وَلَا شَيْئَ لَهُمْ غَيْرُ ذٰلِكَ وَإِنْ حَضَرَ

گے اور اگر ایک شخص لوگوں کی جماعت کو قتل کر دے اور مقتولین کے ولی حاضر ہو جائیں تو یہ تمام کے واسطے قتل کر دیا جائیگا اور ان کے واسطے بجز

وَاحِدٌ مِنْهُمْ قُتِلَ لَهُ وَسَقَطَ حَقُّ الْبَاقِيْنَ وَمَنْ وَجَبَ عَلَيْهِ الْقِصَاصُ فَمَاتَ سَقَطَ الْقِصَاصُ

اس کے اور کوئی چیز واجب ہوگی اور ان اولیاء میں سے کسی ایک کے حاضر ہونے پر اسی کیواسطے قتل کر دیا جائیگا اور غیر موجودین کے حق کو ساقط قرار دینگے

وَإِذَا قَطَعَ رَجُلَانِ يَدَ رَجُلٍ فَلَا قِصَاصَ عَلَى وَاحِدٍ مِنْهُمَا وَعَلَيْهِمَا نِصْفُ الدِّيَةِ وَإِنْ قَطَعَ

اور جس کے اوپر وجوب قصاص ہو اس کے مرنے پر قصاص ساقط قرار دیا جائیگا اور اگر دو شخص ایک شخص کے ہاتھ کو قطع کر دیں تو ان دونوں میں سے کسی

وَاحِدٌ يَمِيْنَيْ رَجُلَيْنِ فَحَضَرَا فَلَهُمَا أَنْ يَقْطَعَا يَمِيْنَهُ وَيَأْخُذَا مِنْهُ نِصْفَ الدِّيَةِ يَقْتَسِمَانِهَا

پر وجوب قصاص نہ ہوگا اور ان پر آدھی دیت کا وجوب ہوگا اور اگر ایک شخص دو آدمیوں کے داہنے ہاتھ کو کاٹ ڈالے پھر وہ دونوں حاضر ہو جائیں

نِصْفَيْنِ وَإِنْ حَضَرَ وَاحِدٌ مِنْهُمَا قَطَعَ يَدَهُ وَلِلْآخَرِ عَلَيْهِ نِصْفُ الدِّيَةِ وَإِذَا أَقَرَّ الْعَبْدُ بِقَتْلِ

تو یا تو وہ دونوں اسکے داہنے ہاتھ کو کاٹ ڈالیں یا آدھی دیت وصول کر کے نصف نصف بانٹ لیں اور اگر ان دونوں میں سے ایک حاضر ہو تو وہ اسکے ہاتھ کو قطع

الْعَمْدِ لَزِمَهُ الْقَوَدُ وَمَنْ رَمَى رَجُلاً عَمْداً فَنَفَذَ السَّهْمُ مِنْهُ إِلَى آخَرَ فَمَاتَا فَعَلَيْهِ

کر دے اور دوسرا آدمی دیت وصول کرے اور غلام کے قتل عمد کے اعتراف کر لینے پر وجوب قصاص ہوگا اور جو شخص عمداً کسی ایک شخص کے تیر مارے اور وہ اس سے

الْقِصَاصُ لِلْأَوَّلِ وَالدِّيَةُ لِلثَّانِيْ عَلَى عَاقِلَتِهِ ــــــ

گذر کر دوسرے کے بھی لگ جائے اور یہ دونوں ہلاک ہو جائیں تو پہلے شخص کیواسطے وجوب قصاص ہوگا اور دوسرے کیواسطے خون بہا اسکے کنبہ والوں پر واجب ہوگا۔

مزید احکامات قصاص

لغت کی وضاحت: شَلَّاء: ہاتھ کا خشک ہونا۔ الاصابع۔ اصبع کی جمع: انگلیاں۔ الارش: دیت۔ خون بہا۔ شجہ: سر کا زخم۔ اقتص: قصاص لینا۔ القود: قصاص۔

تشریح و توضیح: ویدُ القاطع شلاء الخ۔ اگر ایسا ہو کہ جس کا ہاتھ کاٹا گیا اس کا ہاتھ تو بالکل صحیح اور ہر طرح کے عیب سے خالی تھا مگر اس کے برعکس ہاتھ کاٹنے والے کا ہاتھ یا تو خشک ہو

یا اس کی انگلیوں میں نقص وعیب ہو تو اب اس صورت میں جس کا ہاتھ کاٹا گیا اسے یہ حق حاصل ہوگا کہ خواہ وہ قصاص لیتے ہوئے اس کے خشک یا عیب دار ہاتھ کو کاٹ ڈالے مگر اس صورت میں مزید کوئی چیز اس کیلئے واجب نہ ہوگی۔ اور ہاتھ کا بدلہ ہاتھ ہو جائے گا۔ اور اسے یہ بھی اختیار ہوگا کہ قصاص سے احتراز کرتے ہوئے کامل دیت وصول کرلے شیخ برہان الدینؒ اس موقع پر فرماتے ہیں کہ اسے یہ حق اس صورت میں ہوگا جبکہ یہ ہاتھ کسی قدر قابلِ انتفاع ہو اور اگر بالکل ناقابلِ انتفاع ہو تو اسے قصاص کا محل ہی قرار نہ دیں گے اور اس شکل میں مفتیٰ بہ قول کے مطابق اس کے واسطے صرف کامل دیت ہی ہوگی۔

وَاذا اصطلح القاتلُ اولیاءُ المقتولِ الخ۔ اگر کوئی شخص کسی کو موت کے گھاٹ اتار دے، اور مقتول کے ورثاء ایک نہیں بلکہ کئی ہوں اور پھر اولیاء مقتول میں سے کوئی سا ایک بعوضِ مال مصالحت کر کے اپنے حقِ قصاص سے دست بردار ہو جائے تو اس صورت میں باقی ورثاء کا حقِ قصاص بھی ساقط ہونیکا حکم ہوگا اور باقی اولیائے مقتول کا حق دیت کی جانب منتقل ہوگا اور انکو دیت سے ان کا حصہ مل جائیگا۔

واذا قتل جماعۃٌ واحدًا الخ۔ اور اگر ایک جماعت ومتعدد لوگ اجتماعی طور پر ایک شخص کو موت کے گھاٹ اتار دیں تو اس صورت میں اس کے عوض یہ سارے افراد قتل کئے جائینگے۔ ایسی صورتِ قتل میں حضرت ابن زبیرؓ اور حضرت زہریؒ کے نزدیک اس پوری جماعت کو قتل نہیں کریں گے بلکہ ان تمام پر دیت کا وجوب ہوگا۔ اس لئے کہ آیتِ کریمہ " النفس بالنفس " سے ایک کے عوض میں ایک سے زیادہ کو قتل نہ کرنا معلوم ہوتا ہے۔ احنافؒ کا مستدل مؤطا امام مالکؒ وغیرہ میں مروی حضرت عمرؓ کا یہ عمل ہے کہ آپؓ نے ایک شخص کے عوض پانچ یا سات اشخاص کو قتل فرمایا کہ اگر اہلِ صنعاء کا اس کے مار ڈالنے پر اتفاق ہوتا اور وہ تعاون کرتے تو میں ان تمام کو موت کے گھاٹ اتار دیتا۔ یہ روایت بخاری شریف میں حضرت ابن عمرؓ سے اسی طرح مروی ہے۔

واذا قتل واحدٌ جماعۃً الخ۔ اگر ایسا ہو کہ ایک ہی شخص متعدد لوگوں کو یعنی ایک جماعت کو ہلاک کر ڈالے تو بعوض قتلِ جماعت اسے ہلاک کر دیا جائے گا اور صرف اس کا قتل تمام ہی کی جانب سے کافی ہوگا اور بجز قتل کے اور کوئی چیز ان کے لئے واجب نہ ہوگی۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک پہلے مقتول کے عوض یہ قتل کیا جائے گا اور باقی دوسرے کیواسطے وجوبِ مال ہوگا اور اگر یہ پتہ نہ چلے کہ پہلے کون سا قتل کیا گیا تو یہ تمام کی جانب سے قتل کیا جائے گا اور دیتیں ان کے بیچ بانٹ جائیں گی۔ اس کے بعد اولیائے مقتولین میں سے محض ایک حاضر ہو گیا تو قتل کرنے والا اس کے واسطے قتل ہوگا، اور رہ گئے دوسرے مقتولین کے ورثاء تو ان کا حقِ قصاص ختم ہونیکا حکم ہوگا اور اگر ایسا ہو کہ جس پر وجوبِ قصاص ہو وہ موت کی آغوش میں سو جائے تو قصاص بھی ختم ہو جائے گا۔

واذا قطع رجلان یدا رجلٍ واحدٍ الخ۔ اگر دو اشخاص ملکر ایک شخص کے ہاتھ کو کاٹ ڈالیں تو عند الاحناف ان دونوں میں سے کسی پر وجوبِ قصاص کے بجائے آدھی دیت کا وجوب ہوگا۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ ان دونوں کے ہاتھ قطع کئے جانیکا حکم فرماتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ جس طرح کئی آدمی ملکر اگر ایک شخص کو موت کے گھاٹ

آمار دیں تو ان تمام کے قتل کا حکم ہوتا ہے ٹھیک اسی طرح یہاں بھی دونوں کے ہاتھ کاٹے جانیکا حکم ہوگا۔ احناف کے نزدیک ان دونوں میں سے ہر شخص ہاتھ کاٹنے والا ہے۔ اس واسطے کہ دونوں ہی کی طاقت کو اس کے ہاتھ کے کٹنے میں دخل ہے۔ اور ہاتھ کی تقسیم میں دونوں میں سے ہر ایک کی جانب بعض قطع کی اضافت ہوگی اور ایک ہاتھ اور دو ہاتھوں کے درمیان برابری ممکن نہیں۔ اس کے برعکس قتل نفس کا معاملہ ہے کہ اس میں ہر ایک کی جانب اضافتِ قتل مکمل طور پر ہو سکتی ہے۔ لہٰذا دونوں کے حکم میں فرق ہوگا۔

فعلیہ القصاص للاول والدیۃ للثانی الخ۔ اگر کوئی شخص کسی کے عمداً تیر مارے اور وہ اسے قتل کرنے کے ساتھ ساتھ دوسرے شخص کے بھی لگ کر اسے مار ڈالے تو اس صورت میں پہلے مقتول کے واسطے وجوبِ قصاص ہوگا کہ عمداً قاتل نے دراصل اسی کو مارا اور دوسرا شخص بلا ارادہ غلطی سے قتل ہوگیا تو اسے قتلِ خطاء کے زمرے میں داخل کرکے اس کی دیت قاتل کے کنبہ والوں پر لازم کی جائے گی۔

كتابُ الدِّياتِ

دیتوں کا بیان

وَاِذَا قَتَلَ رَجُلٌ رَجُلًا شِبْهَ عَمْدٍ فَعَلٰى عَاقِلَتِهٖ دِيَةٌ مُغَلَّظَةٌ وَعَلَيْهِ كَفَّارَةٌ وَدِيَةُ شِبْهِ

جب کوئی شخص کسی کو بطور شبہ عمد مار ڈالے تو اس کے کنبہ کے لوگوں پر بھاری دیت ہوگی اور قتل کرنے والے پر کفارہ واجب ہوگا اور دیت

الْعَمْدِ عِنْدَ اَبِیْ حَنِيْفَةَ وَاَبِیْ يُوْسُفَ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ مِائَةٌ مِّنَ الْاِبِلِ اَرْبَاعًا خَمْسٌ وَّعِشْرُوْنَ

شبہ عمد امام ابوحنیفہؒ و امام ابویوسفؒ چار قسم کے سو اونٹ فرماتے ہیں۔ پچیس تو بنت

بِنْتُ مَخَاضٍ وَخَمْسٌ وَّعِشْرُوْنَ بِنْتُ لَبُوْنٍ وَخَمْسٌ وَعِشْرُوْنَ حِقَّةٌ وَخَمْسٌ وَعِشْرُوْنَ

مخاض اور پچیس بنت لبون، اور پچیس حقے، اور پچیس جذعے۔

جَذَعَةٌ وَلَا يَثْبُتُ التَّغْلِيْظُ اِلَّا فِی الْاِبِلِ خَاصَّةً فَاِنْ قَضٰى بِالدِّيَةِ مِنْ غَيْرِ الْاِبِلِ لَمْ تَتَغَلَّظْ

اور خاص طور پر مغلظ دیت اونٹوں ہی میں ثابت ہوتی ہے۔ اور اونٹوں کے سوائے دیت دینے پر وہ مغلظ نہیں

وَقَتْلُ الْخَطَاءِ يَجِبُ فِيْهِ الدِّيَةُ عَلَى الْعَاقِلَةِ وَالْكَفَّارَةُ عَلَى الْقَاتِلِ وَالدِّيَةُ فِی الْخَطَاءِ مِائَةٌ

ہوگی اور خطاء قتل میں دیت کا وجوب کنبہ کے لوگوں پر ہوتا ہے اور کفارہ قتل کرنیوالے پر اور خطاء قتل میں پانچ قسم کے

مِنَ الْاِبِلِ اَخْمَاسًا عِشْرُوْنَ بِنْتُ مَخَاضٍ وَعِشْرُوْنَ ابْنُ مَخَاضٍ وَعِشْرُوْنَ بِنْتُ لَبُوْنٍ

سو اونٹوں کی دیت ہے۔ بیس تو بنت مخاض اور بیس ابن مخاض اور بیس بنتِ لبون۔ اور

وَعِشْرُوْنَ حِقَّةً وَعِشْرُوْنَ جَذَعَةً وَمِنَ الْعَيْنِ اَلْفُ دِيْنَارٍ وَمِنَ الْوَرِقِ عَشَرَةُ اٰلَافِ دِرْهَمٍ

بیس حقے، اور بیس جذعے اور ہزار دینار سونے کے واجب ہوں گے اور چاندی کے دس ہزار

وَلَاتثبتُ الدیۃُ اِلَّا مِن ھٰذہ الانواعِ الثلٰثۃِ عندَ اَبی حنیفۃَ رحمہُ اللّٰہُ وَ قالا رحمھُما
دراہم۔ اور دیت صرف انھیں تین انواع سے ثابت ہوگی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ یہی فرماتے ہیں اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے
اللّٰہُ منھا وَ مِنَ البقرِ مائتا بقرۃٍ وَ مِنَ الغنمِ الفا شاۃٍ وَ مِنَ الحُلَلِ مائتا حُلّۃٍ کُلُّ حُلّۃٍ
نزدیک ان سے اور گائے سے تعداد دو سو۔ اور بکریوں سے دیت دو ہزار اور حلّوں کے ذریعہ دیت دو سو حلّے کہ ہر حلہ دو
ثوبانِ وَ دیۃُ المُسلمِ وَ الذِّمّی سَواءٌ وَ فِی النفسِ الدیۃُ وَ فِی المارِنِ الدیۃُ وَ فِی اللسانِ الدیۃُ وَ فِی
کپڑوں پر مشتمل ہو اور مسلمان اور ذمی کا خون بہا مساوی ہے اور نفس اور ناک کے نرم حصہ اور زبان اور آلۂ تناسل
الذَّکَرِ الدّیۃُ وَ فِی العقلِ اِذا ضُرِبَ رَاسُہٗ فذھبَ عقلُہٗ الدیۃُ وَ فِی اللحیۃِ اِذا
(کے قطع) میں دیت کا وجوب ہے۔ اور سر کی ضرب سے اگر عقل باقی نہ رہے تو وجوب دیت ہوگا اور ڈاڑھی مونڈ دیے اور
حُلِقَتْ فلم تنبُتِ الدّیۃُ وَ فِی شعرِ الراسِ الدیۃُ وَ فِی الحاجبینِ الدّیۃُ وَ فِی العینینِ
پھر نہ اگنے پر وجوب دیت ہوگا اور سر کے بالوں اور بھوؤں اور آنکھوں
الدیۃُ وَ فِی الیدینِ الدّیۃُ وَ فِی الرِّجلَینِ الدیۃُ وَ فِی الاُذُنینِ الدیۃُ وَ فِی الشفتَینِ
اور ہاتھوں اور پیروں اور کانوں اور ہونٹوں
الدّیۃُ وَ فِی الانثیینِ الدّیۃُ وَ فِی ثَدْیَی المَرْأۃِ الدّیۃُ وَ فِی کُلِّ واحدٍ مِن
اور خصیوں اور عورت کے پستانوں (کے قطع میں) دیت کا وجوب ہوگا اور ان میں سے ہر ایک
ھٰذہ الاشیاءِ نصفُ الدّیۃِ وَ فِی اَشفارِ العینینِ الدیۃُ وَ فِی اَحَدِھا رُبُعُ الدّیۃِ
کے اندر آدھی دیت واجب ہوگی اور آنکھوں کی پلکوں کے اندر دیت کا وجوب ہوگا اور ان میں سے ایک کے اندر چوتھائی
وَ فِی کُلِّ اِصْبَعٍ مِن اَصابعِ الیدَینِ وَ الرِّجلَینِ عُشرُ الدّیۃِ وَ الاصابعُ کُلُّھا سَواءٌ
دیت کا وجوب ہوگا اور ہاتھوں و پیروں کے انگلیوں میں ہر انگلی کے قطع پر دیت کے دسویں حصہ کا وجوب ہوگا اور انگلیاں تمام
وَ فِی کُلِّ اِصْبَعٍ فیھا ثلٰثُ مفاصِلَ ففی اَحَدِھا ثُلُثُ دیۃِ الاِصْبَعِ وَ مافیھا مَفْصَلانِ
یکساں ہیں۔ ہر تین گرہوں والی انگلی میں ایک گرہ کے قطع پر تہائی دیت کا وجوب ہوگا اور دو گرہوں والی
ففی اَحَدِھِما نصفُ دیۃِ الاِصْبَعِ وَ فِی کُلِّ سِنٍّ خمسٌ مِنَ الابلِ الاسنانُ وَ
انگلی میں ایک گرہ کاٹ دینے پر انگلی کی نصف دیت واجب ہوگی اور ہر دانت میں دیت کے طور پر پانچ اونٹ واجب
الاضراسُ کُلُّھا سَواءٌ وَ مَن ضَرَبَ عضوًا فاذھَبَ منفعتَہٗ ففیہِ دیۃٌ کاملۃٌ
ہوں گے۔ دانتوں اور ڈاڑھوں کا حکم یکساں ہے اور جو شخص عضو پر ضرب لگا کر اس کے نفع کو ختم کر ڈالے تو اسکے اندر کامل دیت کا وجوب
کما لو قطعہٗ کالیدِ اِذا اشلَّتْ و العینِ اِذا ذھبَ ضَوْءُھا۔
کاٹ دینے کا سا ہوگا جس طرح ہاتھ کہ جب شل ہوگیا ہو اور آنکھ جبکہ اس کی بینائی باقی نہ رہے۔

لغات کی وضاحت: بنت مخاض: وہ اونٹنی جو ایک سال کی پوری ہوچکی ہو اور دوسرے سال کا آغاز ہوچکا ہو۔

بنت لبون: وہ بچہ جس کے دو سال پورے ہو چکے ہوں اور اسے تیسرا سال لگ چکا ہو۔ حِقّہ: وہ بچہ جو تین سال کا پورا ہو کر چوتھے سال میں داخل ہو چکا ہو۔ جذعۃ: وہ بچہ جو چار سال کا پورا ہو کر پانچویں سال میں داخل ہو چکا ہو۔ ثلث: تہائی۔ الاسنان: سن کی جمع: دانت۔ ضوء: بینائی۔

تشریح و توضیح

کتاب الدیات الخ۔ اصطلاحاً آدمی یا اس کے کسی عضو کے تلف ہونے پر مالی معاوضہ کو کہا جاتا ہے۔ خون بہا اور دیت ایک ہی مفہوم ہے۔

ودیۃ شبہ العمد عند ابی حنیفۃؒ الخ۔ اگر کوئی شخص کسی کو بطور شبہ عمد قتل کر دے تو امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اس کی دیت چار قسم کی سو اونٹنیاں قرار دی جائیں گی۔ یعنی چار قسم کی اونٹنیاں پچیس پچیس۔ اور امام شافعیؒ، امام محمدؒ اور ایک روایت کے اعتبار سے امام احمدؒ سو اونٹنیاں اس طرح قرار دیتے ہیں کہ ان میں تیس تو جذعے ہوں گے اور تیس حقے اور چالیس حاملہ ثنیئے۔

والدیۃ فی الخطاء مائۃ من الابل الخ۔ اگر کوئی شخص کسی کو بطریقۂ خطاء قتل کر دے تو اس کا خون بہا امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک پانچ قسم کے سو اونٹ ہوں گے۔ اس تفصیل کے مطابق کہ بیس بنت مخاض، اور بیس ابن مخاض، اور بیس بنت لبون، اور بیس حقے، اور بیس جذعے کا وجوب ہوگا۔ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ بجائے سال بھر والے بیس اونٹوں کے دو برس والے بیس اونٹوں کو واجب قرار دیتے ہیں۔ ان کا مستدل روایتِ حضرت سہل رضی اللہ عنہ ہے۔ اور احنافؒ دارقطنی وغیرہ میں مروی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال فرماتے ہیں۔

ومن العین الف دینار الخ۔ خطاءً قتل کی صورت میں اگر دیت سونے سے ادا کی جائے گی تو وہ ہزار دینار ہوگی اور چاندی سے ادا کرنے کی صورت میں اس کی مقدار دس ہزار دراہم ہوگی۔ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک اگر دیت چاندی سے ادا کی جائے گی تو اس کی مقدار بارہ ہزار دراہم ہوگی۔ اس واسطے کہ دارقطنی وغیرہ میں حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ دورِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں قبیلۂ بنو عدی کے ایک شخص کو قتل کر دیا گیا تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقدارِ دیت بارہ ہزار دراہم مقرر فرمائی۔ احنافؒ حضرت عمرؓ کے عمل سے استدلال کرتے ہیں کہ انھوں نے دیت چاندی سے ادا کرنے پر اس کی مقدار دس ہزار دراہم مقرر فرمائی تھی۔

ودیۃ المسلم والذمی سواءٌ الخ۔ احنافؒ کے نزدیک یہ دیت خواہ کسی مسلمان کی ہو یا کسی ذمی کی دونوں یکساں ہیں اور دونوں کے درمیان باعتبارِ مقدارِ دیت کوئی فرق نہیں۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک مقتول اگر یہودی یا نصرانی ہو تو اس کی دیت کی مقدار چار ہزار دراہم ہیں اور اگر مقتول آتش پرست ہو تو اس کی دیت کی مقدار آٹھ سو دراہم ہیں۔ حضرت امام مالکؒ کے نزدیک اگر مقتول یہودی یا نصرانی ہو تو اس کی دیت کی مقدار چھ ہزار دراہم ہیں۔ ان کا مستدل طبرانی وغیرہ کی یہ روایت ہے کہ کافر کی دیت مومن کی دیت سے

نصف ہے: حضرت امام مالکؒ کے نزدیک مسلمان کی دیت کی مقدار بارہ ہزار دراہم ہیں۔ تو اس کے اعتبار سے کافر کی دیت چھ ہزار دراہم قرار پائی۔ حضرت امام شافعیؒ کا مستدل یہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مسلمان کے اہل کتاب میں سے کسی کو قتل کرنے پر چار ہزار دراہم کی مقدار مقرر فرمائی۔ احنافؒ کا مستدل ابوداؤد شریف کی یہ روایت ہے کہ ہر ذمی کے قتل پر ہزار دینار بطور دیت لازم ہوں گے۔ علاوہ ازیں اس کی بھی صراحت ملتی ہے کہ دورِ رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم اور دورِ خلفاءِ راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین میں مسلمان، نصرانی و یہودی کی مقدارِ دیت یکساں تھی۔

وفی المارن الدیۃ الخ۔ اگر کوئی شخص کسی کی ناک کاٹ لے یا زبان کاٹ لے یا کوئی شخص کسی کا آلۂ تناسل کاٹ ڈالے تو حدیث شریف کی صراحت کے مطابق اس پر کامل دیت واجب ہوگی۔ ضابطہ کلیہ کے مطابق اگر اعضاً میں سے کسی عضو کی جنس منفعت باقی نہ رہے اور وہ ختم کر دیجائے یا کامل طور پر اس کا حسن ختم کر دیا جائے تو اس صورت میں ایسا کرنے والے پر کامل دیت کا وجوب ہوگا۔

وفی اللحیۃ اذا حلقت الخ۔ اگر کوئی شخص کسی کے سر یا ڈاڑھی کے بال اس طرح مونڈ دے یا اکھاڑ دے کہ دوبارہ نہ آئیں اور آدمی بغیر بالوں کا رہ جائے تو اس صورت میں کامل دیت کا وجوب ہوگا۔ اسلئے کہ ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اس میں ڈاڑھی باعث حسن وزینت ہوتی ہے یہی حال سر کے بالوں کا ہے کہ ان کے ساتھ آدمی کا حسن وجمال وابستہ ہے لہٰذا ان دونوں کے ختم کر دینے کی صورت میں دیت کا وجوب ہوگا۔

وفی کل واحد من ھذہ الاشیاء الخ۔ یہاں یہ فرماتے ہیں کہ آدمی کے ایسے اعضاء جو دو دو نہیں بلکہ صرف ایک ایک ہوتے ہیں مثال کے طور پر زبان یا ناک یا آلۂ تناسل۔ ایسا عضو اگر کوئی شخص کسی کا قطع کر دے تو کامل نقصان کے باعث کامل دیت کا وجوب ہوگا۔ اور آدمی کے ایسے اعضاء جو دو دو ہوتے ہیں ان میں تفصیل یہ ہے کہ اگر کسی نے دونوں ہی قطع کر ڈالے مثلاً کسی شخص نے کسی کے دونوں ہی ہاتھ ڈالے یا دونوں پاؤں قطع کر دیئے تو کامل دیت کا وجوب ہوگا۔ اور اگر دونوں نہ کاٹے ہوں بلکہ صرف ایک قطع کیا ہو تو اس صورت میں نصف دیت کا وجوب ہوگا اور اگر چار ہوں مثال کے طور پر پلکیں تو چاروں قطع کرنے پر کامل دیت واجب ہوگی اور صرف ایک کے قطع پر چوتھائی دیت کا وجوب ہوگا اور اگر دس ہوں مثال کے طور پر ہاتھوں کی انگلیاں یا پیروں کی انگلیاں۔ یہ اگر کوئی شخص سب کاٹ ڈالے تو کامل دیت کا وجوب ہوگا اور اگر دس میں سے صرف ایک کاٹے تو دیت کے دسویں حصہ کا وجوب ہوگا۔ اور باعتبارِ حکم سب انگلیاں برابر ہیں۔ جس انگلی کو بھی کاٹے گا دیت کا دسواں حصہ واجب ہوگا۔ ہر تین گرہوں والی انگلی میں تفصیل یہ ہے کہ ایک گرہ قطع کرنے پر انگلی کی جو دیت مقرر ہے اس کی تہائی کا وجوب ہوگا اور ایسی انگلیاں جو دو گرہوں والی ہوں ان میں ایک گرہ کاٹ دینے پر انگلی کی نصف دیت واجب ہو جائے گی۔ اور دانتوں و ڈاڑھوں کی دیت میں تفصیل یہ ہے کہ ہر دانت یا ڈاڑھ کی دیت پانچ اونٹ مقرر کی گئی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کا ایک دانت یا ایک ڈاڑھ توڑ دے تو اس پر پانچ اونٹ

بطور دیت واجب ہوں گے۔

وَمَن ضرب عضوًا فاذھب منفعتہ الخ۔ اگر کوئی شخص کسی کے کسی عضو پر ایسی چوٹ مارے کہ اس کی وجہ سے اس عضو کا نفع ہی جاتا رہے تو اس صورت میں کامل دیت واجب ہوگی۔ جیسے کوئی شخص کسی کے ہاتھ کو شل کردے اور اس طرح اس سے منفعت جاتی رہے تو اس کا حکم ہاتھ کاٹ دینے کا سا ہوگا اور کامل دیت واجب ہوگی۔ اسی طرح اگر آنکھ پر ایسی ضرب لگائے کہ بینائی باقی نہ رہے تو اس کی منفعت فوت ہونے کی بنا پر کامل دیت کا وجوب ہوگا۔

وَالشِّجَاجُ عَشْرٌ الحَارِصَةُ وَالدَّامِعَةُ وَالدَّامِيَةُ وَالبَاضِعَةُ وَالمُتَلَاحِمَةُ وَالسِّمْحَاقُ
زخم کی دس قسمیں ہیں (۱) حارصہ (۲) اور دامعہ (۳) اور دامیہ (۴) اور باضعہ (۵) اور متلاحمہ (۶) اور سمحاق

وَالمُوضِحَةُ وَالهَاشِمَةُ وَالمُنَقِّلَةُ وَالآمَّةُ۔ فَفِي المُوضِحَةِ القِصَاصُ إِن كَانَت عَمَدًا
(۷) اور موضحہ (۸) اور ہاشمہ (۹) اور منقلہ (۱۰) اور آمّہ۔ وجوب قصاص موضحہ میں ہوتا ہے بشرطیکہ عمدًا ہو۔

وَلَا قِصَاصَ فِي بَقِيَّةِ الشِّجَاجِ وَفِي مَا دُونَ المُوضِحَةِ حُكُومَةُ عَدلٍ وَفِي المُوضِحَةِ إِن كَانَت
اور باقی زخموں کے اندر وجوب قصاص نہ ہوگا اور جو زخم موضحہ سے کم ہو اس میں ایک ہی عادل کا فیصلہ معتبر ہوگا اور خطاءً موضحہ پر

خَطَاءً نِصفُ عُشرِ الدِّيَةِ وَفِي الهَاشِمَةِ عُشرُ الدِّيَةِ وَفِي المُنَقِّلَةِ عُشرٌ وَنِصفُ عُشرٍ
دیت کے بیسویں حصہ کا وجوب ہوگا اور ہاشمہ کے اندر دیت کے دسویں کا اور منقلہ زخم کے اندر دسویں اور دسویں حصے کے نصف کا۔

وَفِي الآمَّةِ ثُلُثُ الدِّيَةِ وَفِي الجَائِفَةِ ثُلُثُ الدِّيَةِ فَإِن نَفَذَت فَهِيَ جَائِفَتَانِ
اور آمّہ زخم کے اندر تہائی دیت کا اور زخم جائفہ کے اندر تہائی دیت کا وجوب ہوگا اور آر پار ہونے کی صورت میں انھیں دو

فَفِيهِمَا ثُلُثَا الدِّيَةِ۔
جائفے قرار دیکر دو تہائی دیت کا وجوب ہوگا۔

زخموں کی مختلف قسموں میں دیت کی تفصیل

تشریح و توضیح

والشجاج عشر الخ۔ از روئے لغت شجہ ایسا زخم کہلاتا ہے جو یا تو سر پر ہو یا چہرے پر۔ اور ان دونوں کے علاوہ جسم کے باقی کسی بھی حصہ پر زخم ہو تو اسے شجہ نہیں بلکہ جراحت کہا جاتا ہے۔ شجاج کی حسب ذیل دس قسمیں ہیں (۱) حارصہ۔ ایسا زخم جو گہرا نہ ہو بلکہ اس میں محض کھال چھل گئی ہو (۲) دامعہ۔ ایسا زخم ہے جس کی وجہ سے خون ظاہر تو ہو جائے لیکن بہا نہ ہو (۳) دامیہ۔ ایسا گہرا زخم جس کی وجہ سے خون بہہ گیا ہو (۴) باضعہ۔ ایسا زخم جس کے باعث کھال کٹ گئی ہو (۵) متلاحمہ۔ ایسا گہرا زخم جس میں کھال کے علاوہ گوشت بھی کٹ گیا ہو (۶) سمحاق۔ ایسا زخم جس کی گہرائی اس مہین جھلی تک

پہنچ گئی ہو جو کہ سر کی ہڈی اور گوشت کے بیچ میں ہوا کرتی ہے۔ (۷) موضحہ۔ ایسا زخم جسکی وجہ سے ہڈی تک کھل گئی ہو۔
(۸) ہاشمہ۔ ایسا زخم جو ہڈی تک توڑ ڈالے (۹) منقلہ۔ ایسا زخم جس کی وجہ سے ہڈی اپنی جگہ سے ہٹ جائے۔
(۱۰) آمّہ۔ ایسا زخم جس کی رسائی دماغ کی کھال تک ہو۔ ان میں سے زخم موضحہ میں دیت کے بیسویں حصہ یعنی پانچ سو دراہم یا پانچ اونٹوں کا وجوب ہوگا۔ اور زخم ہاشمہ میں دسویں حصہ یعنی دس اونٹوں کا وجوب ہوگا۔ اور زخم ہاشمہ میں دسویں حصہ یعنی دس اونٹوں کا اور زخم منقلہ میں دسویں اور بیسویں حصہ کا یعنی پندرہ اونٹوں کا۔ اور زخم آمّہ میں دیت کے تہائی کا وجوب ہوگا۔ رہے ان کے علاوہ دوسرے زخم تو ان میں محض ایک ہی عادل شخص کے فیصلہ کو معتبر قرار دیدیا جائے گا اور دیت کا وجوب نہ ہوگا۔

وفی الجائفۃ ثلث الدیۃ الخ۔ شکم یا سر کا ایسا زخم جو اندرون شکم تک یا گردن کی جانب سے ایسے مقام تک پہنچ گیا ہو کہ وہاں تک پانی وغیرہ کا پہونچنا ناقض صوم ہو۔ ایسے زخم میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی کے مطابق تہائی دیت کا وجوب ہوگا۔

فان نفذت فھی جائفتان الخ۔ اگر یہ زخم پشت تک پہنچ کر آرپار ہو جائے تو انھیں دو جائفے قرار دیا جائے گا۔ ایک پشت کیطرف سے، اور دوسرا شکم کیطرف سے اور اس صورت میں زخم لگانے والے پر دو تہائی دیت کا وجوب ہوگا۔ بیہقی وغیرہ میں اس کی تصریح ہے کہ امیر المومنین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس طرح کے واقعہ میں اسی کا حکم فرمایا تھا۔

وَفِی اَصَابِعِ الْیَدِ نِصْفُ الدِّیَۃِ فَاِنْ قَطَعَھَا مَعَ الْکَفِّ فَفِیْھَا نِصْفُ الدِّیَۃِ وَاِنْ قَطَعَھَا
اور ایک ہاتھ کی انگلیاں کاٹ دینے پر آدھی دیت کا وجوب ہوگا اور ہتھیلی سمیت انگلیوں کے کاٹنے پر بھی آدھی دیت واجب ہوگی اور نصف کلائی
مَعَ نِصْفِ السَّاعِدِ فَفِی الْاَصَابِعِ وَالْکَفِّ نِصْفُ الدِّیَۃِ وَفِی السَّاعِدِ حُکُوْمَۃُ عَدْلٍ وَفِی
سمیت انگلیاں کاٹ دینے پر ہتھیلی تک تو آدھی دیت واجب ہوگی اور کلائی کے سلسلہ میں فیصلۂ عادل شخص معتبر ہوگا اور زائد
الْاِصْبَعِ الزَّائِدَۃِ حُکُوْمَۃُ عَدْلٍ وَفِی عَیْنِ الصَّبِیِّ وَلِسَانِہٖ وَذَکَرِہٖ اِذَا لَمْ یُعْلَمْ صِحَّۃُ ذٰلِکَ
انگلی کے کاٹنے پر فیصلۂ عادل کا اعتبار ہوگا اور کسی بچہ کی آنکھ اور زبان اور آلۂ تناسل کاٹ دینے پر جبکہ ان کے صحیح ہونیکا علم
حُکُوْمَۃُ عَدْلٍ وَمَنْ شَجَّ رَجُلًا مُوْضِحَۃً فَذَھَبَ عَقْلُہٗ اَوْ شَعْرُ رَاْسِہٖ دَخَلَ اَرْشُ
نہ ہو فیصلۂ عادل معتبر ہوگا اور جو شخص کسی کے سر پر ایسا زخم لگائے کہ اسکے باعث اسکی عقل جاتی رہے یا سر کے بال ختم ہو جائیں تو دیت
الْمُوْضِحَۃِ فِی الدِّیَۃِ وَاِنْ ذَھَبَ سَمْعُہٗ اَوْ بَصَرُہٗ اَوْ کَلَامُہٗ فَعَلَیْہِ اَرْشُ الْمُوْضِحَۃِ
میں تاوانِ موضحہ داخل ہو جائیگا اور اگر اس کے باعث اس کی قوتِ سماعت یا قوتِ بصارت یا قوتِ کلام ختم ہو جائے تو تاوانِ موضحہ دیت
مَعَ الدِّیَۃِ وَمَنْ قَطَعَ اِصْبَعَ رَجُلٍ فَشَلَّتْ اُخْرٰی اِلٰی جَنْبِھَا فَفِیْھِمَا الْاَرْشُ وَلَا قِصَاصَ
سمیت واجب ہوگا اور جو شخص کسی شخص کی ایک انگلی کاٹ دے پھر اسکے باعث اس کے برابر کی دوسری انگلی خشک ہو جائے تو ان میں تاوان

فیہ عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ ومن قطع سن رجل فنبتت مکانہا اُخریٰ سقط الارش
لازم ہوگا اور قصاص نہ ہوگا امام ابوحنیفہؒ یہی فرماتے ہیں۔ اور جو شخص کسی کا دانت اکھاڑ دے پھر اسکے مقام پر دوسرا دانت نکل آئے تو ارش کے ساقط ہونیکا

ومن شج رجلاً فالتحمت الجراحۃ ولم یبق لہا اثر ونبت الشعر سقط الارش
حکم ہوگا اور جو شخص کسی کو زخمی کرے پھر زخم ایسا بھر جائے کہ نشان بھی باقی نہ رہے اور بال آجائیں تو دیت ساقط ہوجائیگی امام ابوحنیفہؒ

عند ابی حنیفۃ وقال ابو یوسف رحمہ اللہ علیہ ارش الالم وقال محمد علیہ اجرۃ
یہی فرماتے ہیں اور امام ابو یوسفؒ اس پر تاوانِ اذیت کے قائل ہیں۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک اجرتِ طبیب لازم ہوگی

الطبیب ومن جرح رجلاً جراحۃ لم یقتص منہ حتی یبرأ ومن قطع ید رجل خطاءً
اور جو شخص کسی کو زخمی کرے تو اچھا ہونے تک قصاص نہیں لیا جائیگا۔ اور جو شخص کسی کے ہاتھ کو خطاءً کاٹ ڈالے پھر

ثم قتلہ خطاءً قبل البرء فعلیہ الدیۃ وسقط ارش الید وان برأ ثم قتلہ فعلیہ دیتان
اسکے اچھا و تندرست ہونے سے قبل خطاءً قتل کردے تو اس پر وجوب دیت ہوگا اور ہاتھ کا تاوان ساقط قرار دیا جائیگا اور اگر اچھا ہونیکے بعد اسے قتل

دیۃ النفس ودیۃ الید
کرڈالا تو اس کے اوپر دو دیتوں کا وجوب ہوگا۔ ایک دیت جان کی واجب ہوگی اور ایک دیت ہاتھ کی۔

لغات کی وضاحت

السّاعد: بازو۔ کہا جاتا ہے: شدّ اللہ علیٰ ساعدک (اللہ تعالیٰ تمہارے بازو مضبوط کرے)، جمع سَواعد۔ ارش: تاوان۔ شج: زخم۔ برأ: اچھا ہونا، تندرست ہونا۔ النفس: جان۔ الید: ہاتھ

قطع اعضاء سے متعلق متفرق احکام

تشریح و توضیح

وفی اصابع الید نصف الدیۃ الخ۔ اگر کوئی شخص کسی کے ہاتھ کی پانچوں انگلیاں کاٹ ڈالے یا انگلیوں کے ساتھ ہتھیلی بھی قطع کردے تو دونوں صورتوں میں آدھی دیت کا وجوب ہوگا۔ اس لئے کہ ہتھیلی کا جہاں تک تعلق ہے وہ انگلیوں ہی کے تابع قرار دی جاتی ہے اور اگر ایسا ہو کہ کوئی شخص انگلیاں آدھے بازو تک کاٹ ڈالے تو اس صورت میں انگلیوں اور ہتھیلی کے سلسلہ میں نصف دیت کا وجوب ہوگا اور بازو کے بارے میں ایک عادل شخص جو بھی فیصلہ کرے اس کا اعتبار ہوگا۔

وفی عین الصبی ولسانہ وذکرہ اذا لم یعلم الخ۔ اگر کسی نے کسی بچہ کی آنکھ پھوڑ ڈالی یا بچہ کی زبان کاٹ ڈالی یا آلۂ تناسل کاٹ ڈالا۔ اور بچہ کے ان اعضاء کے صحیح ہونے یا نہ ہونے کا علم نہ ہو تو اس صورت میں اس کے متعلق ایک عادل شخص جو فیصلہ کرے گا وہ قابلِ اعتبار ہوگا۔ اس لئے کہ ان اعضاء کا قابلِ نفع ہونا مقصود ہے اور اس کے متعلق عدم علم کے باعث لائقِ منفعت ہونے میں شک ہوگیا اور شک کے باعث وجوبِ دیت نہ ہوگا۔

ومن شج رجلاً موضحۃ فذھب عقلہ الخ۔ اگر ایسا ہو کہ کوئی شخص کسی کے موضحہ زخم لگائے اور اس زخم کے اثر سے اس

کی عقل باقی نہ رہے یا سر کے بال ہی ختم ہو جائیں تو اس صورت میں آدمی کی دیت کے برابر موضحہ کی دیت قرار دیجائے گی اور اس کا وجوب ہوگا۔ اس لئے کہ عقل باقی نہ رہنے سے تو سارے اعضاء کا نفع جاتا رہا اور اس کا وجوب کالعدم سا ہوگیا اور سر کے بال کلیۃً ختم ہونے سے اس کا گویا سارا حسن وجمال جاتا رہا اور اگر اس زخم کے باعث اس کے سننے یا دیکھنے یا کلام کی قوت نہ رہے تو اس صورت میں دیتِ موضحہ کو کامل دیت میں داخل قرار نہ دیں گے بلکہ اس صورت میں موضحہ کی دیت کا وجوب الگ ہوگا۔ اور بصارت وسماعت یا قوتِ کلام باقی نہ رہنے کی دیت کا وجوب ہوگا۔

ومن قطع سن رجل الخ اگر کوئی شخص کسی کے دانت کو اکھاڑ ڈالے پھر اسی جگہ دوسرا دانت نکل آئے تو اس صورت میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دانت کی دیت کے ساقط ہونیکا حکم ہوگا۔ حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں دانت اکھاڑنے کی اذیت دہی کا تاوان اس پر لازم ہوگا۔ اس لئے کہ اس نے تو اپنی طرف سے اذیت رسانی میں اور عیب دار کرنے میں کسر نہیں چھوڑی۔ رہا دوسرے دانت کا نکل آنا اور اس نقص کا ختم ہو جانا تو یہ انعام خداوندی ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس جگہ معنوی اعتبار سے جنایت باقی نہ رہی اس لئے کہ دیت دانت جمنے کی جگہ کو خراب کردینے کی بناء پر واجب تھی اور دوسرا دانت نکل آنے سے اس جگہ کا خراب نہ ہونا معلوم ہوا۔ لہٰذا نہ اس کا انتفاع ختم ہوا اور نہ اس کی زینت میں فرق آیا۔

ومن شج رجلا فالتحمت الجراحۃ الخ۔ اگر کوئی شخص کسی کو مجروح کردے اور پھر وہ زخم اس طریقہ سے بھر جائے کہ زخم کا نشان بھی نہ رہے تو اس صورت میں حضرت امام ابو حنیفہؒ دیت کے ساقط ہونیکا حکم فرماتے ہیں۔ اس لئے کہ دیت کا وجوب اس نشان اور بدنمائی کیوجہ سے تھا اور جب یہ نہ رہا تو دیت کو بھی ساقط قرار دیں گے۔ حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اذیت دہی کا تاوان لازم ہوگا اور حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ طبیب کی اجرت اس پر لازم ہوگی اسواسطے کہ اس کا سبب یہی بنا۔

ومن جرح رجلاً جراحۃ الخ۔ اگر کوئی شخص کسی کو مجروح کردے تو زخم کے اچھا ہونے تک اس سے قصاص نہ لیں گے۔ حضرت امام شافعیؒ بلا تاخیر قصاص کا حکم فرماتے ہیں۔ اس لئے کہ قصاص کا سبب ثابت ہو جانے پر اس میں تاخیر کی بنیاد کیا ہے۔ احنافؒ فرماتے ہیں کہ مجروح شخص کے اچھا ہو جانے سے قبل قصاص کی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرمائی ہے۔

ثم قتلہ خطاءً قبل البرء الخ۔ اگر کوئی شخص پہلے تو خطاءً کسی کے ہاتھ کو کاٹ ڈالے اور اس کے بعد خطاءً اسے ہاتھ کا زخم اچھا ہونے سے قبل قتل کردے تو اس پر ہاتھ کاٹنے کی دیت واجب نہ ہوگی اور نفس کی دیت کا وجوب ہوگا۔ اور اگر ہاتھ کا زخم اچھا ہونے کے بعد اسے مار ڈالے تو اس صورت میں اس پر ہاتھ کی دیت بھی واجب ہوگی اور نفس کی دیت کا بھی وجوب ہوگا۔

وَكُلُّ عَمْدٍ سَقَطَ فِيْهِ الْقِصَاصُ بِشُبْهَةٍ فَالدِّيَةُ فِيْ مَالِ الْقَاتِلِ وَكُلُّ اَرْشٍ وَجَبَ بِالصُّلْحِ
اور ہر ایسا قتل جس کے اندر قصاص شبہ کے باعث ساقط ہوگیا ہو تو خون بہا قتل کرنیوالے کے مال میں ہوگا اور صلح کے باعث واجب ہونیوالا
فَهُوَ فِيْ مَالِ الْقَاتِلِ وَاِذَا قَتَلَ الْاَبُ اِبْنَهٗ عَمْدًا فَالدِّيَةُ فِيْ مَالِهٖ فِيْ ثَلٰثِ سِنِيْنَ وَكُلُّ جِنَايَةٍ
خون بہا بھی قاتل کے مال میں ہوگا اور جب باپ اپنے لڑکے کو قصداً قتل کردے تو تین برس میں خون بہا اس کے مال میں ہوگا اور ہر ایسی جنایت

اِعْتَرَفَ بِهَا الْجَانِيْ فَهِيَ فِيْ مَالِهٖ وَلَا يُصَدَّقُ عَلٰى عَاقِلَتِهٖ وَعَمْدُ الصَّبِيِّ وَالْمَجْنُوْنِ خَطَاءٌ وَ
جس کا ارتکاب کرنیوالا اعتراف کرے تو وہ اسی کے مال میں قرار دیجائیگی اور اسے اسکے کنبہ والوں پر بارنا نہیں جائیگا۔ بچہ اور مجنون کا قصد بھی خطا شمار ہوتا

فِيْهِ الدِّيَةُ عَلَى الْعَاقِلَةِ وَمَنْ حَفَرَ بِئْرًا فِيْ طَرِيْقِ الْمُسْلِمِيْنَ اَوْ وَضَعَ حَجَرًا فَتَلِفَ بِذٰلِكَ
ہے اور اس میں دیت کا وجوب کنبہ والوں پر ہوتا ہے اور جو شخص مسلمانوں کی راہ میں کنواں کھودے یا پتھر رکھے اور اس کے باعث کوئی شخص ضائع

اِنْسَانٌ فَدِيَتُهٗ عَلٰى عَاقِلَتِهٖ وَاِنْ تَلِفَ بِهٖ بَهِيْمَةٌ فَضَمَانُهَا فِيْ مَالِهٖ وَاِنْ اَشْرَعَ فِي الطَّرِيْقِ
ہو جائے تو اس کا خون بہا کنبہ والوں پر ہوگا اور اس کی وجہ سے جانور ضائع ہونے پر اس کے مال سے ضمان واجب ہوگا اور اگر راستہ کیجانب جنگلہ

رَوْشَنًا اَوْ مِيْزَابًا فَسَقَطَ عَلٰى اِنْسَانٍ فَعَطِبَ فَالدِّيَةُ عَلٰى عَاقِلَتِهٖ وَلَا كَفَّارَةَ عَلٰى حَافِرِ الْبِئْرِ
یا پرنالہ نکالتے ہوئے وہ کسی شخص پر گرے اور وہ مرجائے تو اسکے کنبہ والوں پر دیت واجب ہوگی اور جس نے دوسرے کی ملکیت میں کنواں

وَوَاضِعِ الْحَجَرِ فِيْ غَيْرِ مِلْكِهٖ وَمَنْ حَفَرَ بِئْرًا فِيْ مِلْكِهٖ فَعَطِبَ بِهَا اِنْسَانٌ لَمْ يَضْمَنْ ـــــ
کھودا یا پتھر رکھا اس پر کفارہ واجب نہ ہوگا اور جو شخص اپنی ملکیت میں کنواں کھودے اور اسکے باعث کوئی شخص مرجائے تو اسکا ضمان لازم نہ ہوگا۔

قتل کرنیوالے اور کنبہ والوں پر خون بہا کے وجوب کی شکلیں

لغات کی وضاحت:- آرش: دیت، خون بہا، تاوان ۔ جانی: مرتکب قصور۔ عطب: مرجانا ـــ عطب الفرس: گھوڑے کا تھکنا ۔ اعطبہ: ہلاک کرنا ۔ حفر: گڑھا کھودنا ۔ بئر: کنواں ۔

تشریح و توضیح وكل عمد سقط فيه القصاص الخ فرماتے ہیں کہ ہر ایسا قتل کہ شبہ کے باعث قصاص تو واجب نہ رہے اور دیت واجب ہو ۔ مثال کے طور پر کوئی باپ اپنے لڑکے کو مار ڈالے تو اس صورت میں دیت کا وجوب قتل کرنیوالے کے مال میں ہوگا اور وہ تین برس میں اس کی ادائیگی کریگا اور اسی طرح ایسی دیت جس کا وجوب باہم صلح ہو جانے یا ارتکاب کرنیوالے کے اقرار و اعتراف کے باعث ہو اس کا وجوب قتل کرنیوالے کے مال میں ہوگا اور فوری طور پر اس کی ادائیگی ہوگی اس لئے کہ بسبب عقد واجب ہونیوالے مال میں بنیادی طور پر اس کی فوری ادائیگی ہے اور یہ کہ اس کا وجوب عقد کرنے والے پر ہوا کرتا ہے ۔

وعمد الصبي والمجنون خطاء الخ ۔ اگر ایسا ہو کہ کسی بچہ یا پاگل نے کسی کو موت کے گھاٹ اتار دیا تو خواہ بچہ یا پاگل نے قصداً ایسا کیا ہو مگر اس پر قصاص کا وجوب نہ ہوگا اور اسے قتلِ خطاء کے زمرے میں شمار کرتے ہوئے اس کے کنبہ والوں پر دیت کا وجوب ہوگا اور یہ اس کی وجہ سے محروم عن الارث بھی نہ ہوں گے کہ یہ دونوں غیر مکلف ہونے کی بنا پر سزا کے لائق نہیں اور وراثت سے محرومی بھی ایک طرح کی سزا ہے ۔

وان اشرع في الطريق الخ ۔ اگر کوئی شخص عام راستہ کی جانب کوئی جنگلہ یا پرنالہ لگائے اور پھر اس کے گرجانے

کیوجہ سے کوئی شخص اس میں دب کر مرجائے تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ یا تو وہ اندرونی حصہ کے گرنے کے باعث مرا ہوگا، یا بیرونی حصہ کے گرجانے سے۔ بیرونی حصہ کے گرجانے کے باعث موت واقع ہوئی ہو تو ضمان لازم ہوگا ورنہ لازم نہ ہوگا۔ مگر لزوم ضمان کے ساتھ نہ تو اور کوئی کفارہ کا وجوب ہوگا اور نہ وہ ترکہ سے محروم قرار دیا جائیگا اور اگر اس کے دونوں ہی حصے گرگئے ہوں اور اس کیوجہ سے موت واقع ہوئی ہو تو اس صورت میں نصف کا ضمان لازم آئے گا۔

وَالرَّاكِبُ ضَامِنٌ لِمَا وَطِئَتِ الدَّابَّةُ وَمَا اَصَابَتْهُ بِيَدِهَا اَوْ كَدَمَتْ بِفَمِهَا وَلَا يُضْمَنُ
اور سواری نے جسے کچل دبایا ہاتھ مار دیا یا منہ سے کاٹ لیا تو اس پر ضمان لازم ہوگا۔ اور جسے لات یا

مَا نَفَحَتْ بِرِجْلِهَا اَوْ بِذَنَبِهَا فَاِنْ رَاثَتْ اَوْ بَالَتْ فِي الطَّرِيْقِ فَعَطِبَ بِهٖ اِنْسَانٌ لَمْ يَضْمَنْ
دُم ماری ہو تو اس پر اس کا ضمان نہیں آئیگا۔ اگر سواری راستہ میں لید یا پیشاب کرے اور اسکی وجہ سے کوئی شخص مرجائے تو ضمان

وَالسَّائِقُ ضَامِنٌ لِمَا اَصَابَتْ بِيَدِهَا اَوْ رِجْلِهَا وَالْقَائِدُ ضَامِنٌ لِمَا اَصَابَتْ بِيَدِهَا
لازم نہ ہوگا اور جس شخص کو سواری کا ہاتھ یا پیر لگے تو اسے ہانکنے والے پر ضمان لازم ہوگا۔ اور جس شخص کے سواری کا ہاتھ لگے پیر نہ لگے تو کھینچنے

دُوْنَ رِجْلِهَا وَمَنْ قَادَ قِطَارًا فَهُوَ ضَامِنٌ لِمَا اَوْطَأَ فَاِنْ كَانَ مَعَهٗ سَائِقٌ فَالضَّمَانُ عَلَيْهِمَا
والے پر ضمان لازم آئیگا اور اونٹوں کی قطار جسے کچل دے اسکا ضمان انھیں پکڑ کر لیجانیوالے پر لازم ہوگا اور اسکے ہمراہ کھینچنے والا ہانکنے پر دونوں پر ضمان ہوگا۔

چوپائے کے کچلنے پر ضمان کا حکم

لغات کی وضاحت: راکب: سوار۔ الکدم: دانت سے کاٹنے کا نشان۔ الکدامۃ: دانت سے کاٹ کر علیحدہ کیا ہوا۔ سائق: ہانکنے والا۔

تشریح و توضیح: والراکب ضامن لما وطئت الدابۃ الخ. فرماتے ہیں کہ جانور کی جنایت پر لزوم ضمان اور عدم لزوم کے بارے میں ایک کلی ضابطہ یہ قرار دیا گیا کہ وہ باتیں جن سے اجتناب ہوسکتا ہے اگر ان سے اجتناب نہ کیا جائے اور گویا تعدی کا ارتکاب ہو تو ضمان لازم آئیگا۔ مثال کے طور پر ہر شخص کیلئے یہ درست ہے کہ سکون و سلامتی کے ساتھ راستہ چلے اب اگر اس میں خلل واقع ہو اور کسی سوار شخص کی سواری دوسرے کو ضرر پہنچائے مثلاً کچل ڈالے یا ہاتھ یا منہ مار کر ہلاک کردے تو ایسی صورت میں سوار پر ضمان کا لزوم ہوگا۔ اس واسطے کہ اس سے بچایا جاسکتا تھا۔ اور اگر ماجرا ایسا ہو کہ اس سے اجتناب نہ ہوسکے مثلاً سواری چلتے ہوئے کسی شخص کو لات ماردے یا وہ جانور دُم ماردے اور اس کی وجہ سے آدمی ہلاک ہوجائے تو ضمان لازم نہ ہوگا اس واسطے کہ جانور کے چلتے ہوئے اس سے بچا نہیں جاسکتا۔

ایسے ہی اگر سواری راہ میں چلتے ہوئے لید یا پیشاب کردے اور اس کی وجہ سے کوئی شخص پھسلے اور موت واقع ہو جائے تو اس سے اجتناب ممکن نہ ہونیکے باعث اس صورت میں ضمان لازم نہ ہوگا۔ البتہ اگر سواری کرنیوالا اپنی کسی ضرورت کی بنا پر اسے راستہ میں روکے اور پھر اس طرح ہلاکت واقع ہو تو اس پر ضمان لازم آئیگا۔ اس لئے کہ اس شکل میں اس کی جانب سے تعدی کا صدور ہوا جو سبب ضمان ہے۔

والسائق ضامن لما اصابت بیدھا الخ۔ کوئی شخص جانور کو ہانک رہا ہو کہ اسی دوران جانور کا اگلا یا پچھلا پاؤں کسی کے لگ جانے کے باعث اس کی موت واقع ہو جائے تو اس صورت میں جانور ہانکنے والے پر ضمان لازم ہوگا۔ اور اگر کوئی شخص جانور آگے سے پکڑے ہوئے لیجا رہا ہو اور اس کے اگلے پاؤں سے ہی کسی کی موت واقع ہو جائے تو اس شکل میں یہ جانور کھینچنے والا ضامن قرار دیا جائے گا اور پچھلے پاؤں سے ہلاکت کی صورت میں اس پر ضمان نہ آئے گا۔

ومن قاد قطارًا الخ۔ اگر مثلاً کوئی شخص اونٹوں کی ایک قطار پکڑ کر لیجا رہا ہو اور وہ قطار کسی کو روند کر مار ڈالے تو پکڑ کر لے جانیوالے پر ضمان لازم ہوگا اور اس کے ساتھ سائق یعنی ہانکنے والا بھی ہو تو اس صورت میں دونوں ہی ضامن قرار دیئے جائیں گے۔

وَاِذَا جَنَی العَبْدُ جِنَایَةً خطاءً قِیلَ لِمَوْلَاہُ اِمَّا اَنْ تَدْفَعَہٗ بِھَا اَوْ تَفْدِیَہٗ فَاِنْ دَفَعَہٗ مَلَکَہٗ وَلِیُّ

اور جب غلام سے خطاءً جنایت سرزد ہو تو غلام کے آقا سے اس کے بدلہ غلام دینے یا اس کے عوض تاوان دینے کیلئے کہیں گے آقا کے غلام دیدینے

الْجِنَایَۃِ وَاِنْ فَدَاہُ بِاَرْشِھَا فَاِنْ عَادَ فَجَنٰی کَانَ حُکْمُ الْجِنَایَۃِ الثَّانِیَۃِ حُکْمَ الْاُوْلٰی فَاِنْ

پر ولی جنایت کی ملکیت میں آجائیگا اور فدیہ دینے پر بقدر تاوان غلام دیگا اگر غلام سے دوبارہ جنایت سرزد ہو تو جنایت ثانیہ کا حکم جنایت اولیٰ کی طرح

جَنٰی جِنَایَتَیْنِ قِیلَ لِمَوْلَاہُ اِمَّا اَنْ تَدْفَعَہٗ اِلٰی وَلِیِّ الْجِنَایَتَیْنِ یَقْتَسِمَانِہٖ عَلٰی قَدْرِ حَقَّیْھِمَا

ہوگا اگر غلام سے دو جنایتیں سرزد ہوں تو آقا سے کہیں گے کہ وہ اولیائے جنایتین کے غلام حوالہ کرے جسے یہ اپنے اپنے حق کے مطابق بانٹ لیں گے۔

وَاِمَّا اَنْ تَفْدِیَہٗ بِاَرْشِ کُلِّ وَاحِدَۃٍ مِنْھُمَا فَاِنْ اَعْتَقَہُ الْمَوْلٰی وَھُوَ لَا یَعْلَمُ بِالْجِنَایَۃِ ضَمِنَ

اور یا آقا دونوں کے نقصان کے عوض مکمل تاوان ادا کرے اگر آقا جنایت سے لاعلمی کی بنا پر غلام کو آزادی عطا کردے تو آقا پر قیمت غلام

الْمَوْلَی الْاَقَلَّ مِنْ قِیْمَتِہٖ وَمِنْ اَرْشِھَا وَاِنْ بَاعَہٗ اَوْ اَعْتَقَہٗ بَعْدَ الْعِلْمِ بِالْجِنَایَۃِ وَجَبَ عَلَیْہِ

اور قیمت تاوان سے جو کم ہو اس کا ضمان لازم ہوگا اور اگر آقا علم جنایت کے بعد اسے فروخت کرے یا آزاد کردے تو اس پر دیت کا وجوب

الْاَرْشُ وَاِذَا جَنَی الْمُدَبَّرُ اَوْ اُمُّ الْوَلَدِ جِنَایَۃً ضَمِنَ الْمَوْلَی الْاَقَلَّ مِنْ قِیْمَتِھِمَا وَمِنْ

ہوگا اور اگر مدبر یا ام ولد سے جنایت سرزد ہو تو آقا تاوان اور مدبر یا ام ولد کی قیمت سے کم کا ضامن شمار ہوگا۔

اَرْشِھِمَا فَاِنْ جَنٰی جِنَایَۃً اُخْرٰی وَقَدْ دَفَعَ الْمَوْلَی الْقِیْمَۃَ لِلْوَلِیِّ الْاَوَّلِ بِقَضَاءٍ فَلَا شَیْءَ عَلَیْہِ

پھر اگر وہ دوسری جنایت کا مرتکب ہو در انحالیکہ بحکم قاضی آقا نے جنایت اولیٰ والے ولی کو قیمت دیدی ہو تو اب آقا پر کچھ

وَیَتْبَعُ وَلِیُّ الْجِنَایَۃِ الثَّانِیَۃِ وَلِیَّ الْجِنَایَۃِ الْاُوْلٰی فَیُشَارِکُہٗ فِیْمَا اَخَذَ وَاِنْ کَانَ الْمَوْلٰی

واجب نہ ہوگا لہٰذا جنایت ثانیہ کا ولی جنایت اولیٰ کے ولی کے پیچھے لگ جائے اور اسکے لئے ہوئے میں شرکت کرے اور اگر آقا حکم قاضی کے

دَفع القیمۃَ بغیرِ قضاءٍ فالولیُّ بالخیارِ ان شاءَ اتبعَ المولیٰ وَان شاءَ اتبعَ ولیَّ الجنایۃِ الاُولیٰ
بغیر قیمت دے تو جنایتِ ثانیہ والے ولی کو حق ہے کہ خواہ آقا کے پیچھے لگے یا جنایتِ اولیٰ والے ولی کا پیچھا کرے ۔

غلام سے سرزد ہونیوالی جنایت کا ذکر

لغات کی وضاحت: جنایۃ : گناہ ۔ جنی : گناہ کرنا ۔ اَرش : تاوان، دیت ۔ ولی : کام کا منتظم ۔

تشریح و توضیح: واذا اجنی العبد جنایۃً الخ ۔ کسی شخص کا غلام اگر خطاءً کسی کو موت کے گھاٹ اتار دے تو اس صورت میں غلام کے آقا کو یہ حق حاصل ہے کہ خواہ اس کے عوض غلام دے ۔ اس صورت میں ولیٔ جنایت کو اس پر ملکیت حاصل ہو جائے گی ۔ اور خواہ فوری طور پر اس کے تاوان کی ادائیگی کر دے ۔ خطاءً کی قید لگانے کا منشاء یہ ہے کہ غلام نے قصداً مار ڈالا ہو تو اس پر قصاص کا وجوب ہوگا ۔ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مملوک کی جنایت کا تعلق اس کی گردن سے ہوا کرتا ہے لہٰذا ان کے نزدیک اسے اس جنایت کی خاطر بیچ دیا جائے گا البتہ اگر غلام کا آقا تاوان کی ادائیگی کر دے تو فروخت نہ کریں گے ۔ اس مسئلہ میں صحابۂ کرامؓ کا بھی اختلاف ہے اور ان کے بھی مختلف ارشادات ہیں ۔ صاحب معراج الدرایہ وغیرہ نے صحابۂ کرامؓ میں حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابو عبیدہ اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہم کے اقوال مذہبِ احناف کے مطابق نقل کئے ہیں ۔ اور حضرت عمرؓ و حضرت علی رضی اللہ عنہما کے اقوال مذہبِ شافعی کے مطابق ہیں ۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک جنایت میں بنیادی طور پر اس کا وجوب تلف کرنے والے پر ہونا چاہئے ۔ اس لئے کہ جنایت کا مرتکب دراصل وہی ہوا ہے لیکن جنایت کرنیوالے کی جانب سے اس کے کنبہ کے لوگ تاوانِ جنایت کا تحمل کرتے اور ادا کرتے ہیں ۔ رہا غلام تو اس کے کنبہ کے لوگ نہیں ۔ پس جنایت کا تعلق اس کی گردن سے رہے گا ۔ احنافؒ فرماتے ہیں کہ خطاءً جنایت سرزد ہونے کی صورت میں بنیادی طور پر تاوانِ جنایت اس پر نہ پڑنا چاہئے کہ وہ خطا کے باعث معذورین کے زمرہ میں ہے ۔ اور تاوان کا تعلق اس کے کنبہ کے لوگوں سے ہونا چاہئے اور بحقِ غلام اس کے آقا کی حیثیت کنبہ کے لوگوں کی سی ہے ۔ اس لئے کہ عاقلہ پر دیت کا وجوب زمرۂ نصرت میں داخل ہے اور غلام کا جہاں تک تعلق ہے اس کی نصرت اس کا آقا کر سکتا ہے پس اس بناء پر تاوانِ جنایت کا تعلق اس غلام کے آقا ہی سے ہوگا ۔

فان عاد فجنی الخ ۔ اگر غلام جنایت کا مرتکب ہوا اور اس کا آقا اس کے تاوان کی ادائیگی کر دے مگر یہ غلام ایک مرتبہ جنایت کرنے پر بس نہ کرے بلکہ دوسری بار جنایت کا ارتکاب کرے تو پہلی جنایت کے تاوان کی ادائیگی کے بعد یہ جنایت مستقل جنایت قرار دیجائے گی تو غلام سے دو جنایتوں کے ارتکاب پر یا ان کے عوض وہ غلام حوالہ کرے گا ورنہ دونوں جنایتوں میں سے ہر جنایت کے تاوان کی ادائیگی کرے گا اور پھر دونوں جنایتوں کے جو ولی ہوں گے وہ اپنے اپنے حق کے اعتبار سے بانٹ لیں گے ۔ سبب دراصل اس کا یہ ہے کہ اگر کسی مملوک سے ایک

جنایت صادر ہو تو اس سے کسی اور جنایت کے صدور میں رکاوٹ نہیں بنتی۔ مثال کے طور پر اگر کوئی غلام کسی کو موت کے گھاٹ اتار دے اور کسی دوسرے شخص کی آنکھ پھوڑ ڈالے تو اس صورت میں اس کا تاوان اولیا بصورت اثلاث بانٹ لیں گے۔

فان اعتقہ المولیٰ وھو لا یعلم الخ۔ اگر غلام کسی جنایت کا ارتکاب کرے اور آقا اس سے ناواقف ہوتے ہوئے اسے حلقۂ غلامی سے آزاد کردے تو اس صورت میں قیمتِ غلام اور واجب شدہ تاوان میں سے جو بھی کم ہو آقا پر اس کا ضمان لازم آئیگا اور اگر آقا کو اس کی جنایت کا علم تھا مگر اس کے باوجود اس نے اسے حلقۂ غلامی سے آزاد کردیا یا آزاد نہیں کیا بلکہ اسے بیچ دیا تو دونوں صورتوں میں آقا پر کامل دیت کا وجوب ہوگا۔

واذا جنی المدبر او ام الولد الخ۔ اور اگر مدبر یا ام ولد سے کسی نے جنایت کا ارتکاب کیا تو اس صورت میں مدبر یا ام ولد کی قیمت اور واجب شدہ تاوان میں سے جو بھی کم ہو آقا پر اس کا وجوب ہوگا۔

فان جنیٰ جنایۃ اخریٰ الخ۔ اگر کسی مدبر یا ام ولد نے ایک مرتبہ جنایت کا ارتکاب کیا اور آقا بحکم قاضی اسکی قیمت کی ادائیگی جنایت اولیٰ والے کو کرچکا ہو کہ مدبر یا ام ولد دوبارہ جنایت کا ارتکاب کرے تو اس صورت میں آقا پر اور کوئی چیز واجب نہ ہوگی البتہ جنایتِ ثانیہ والے کو جنایتِ اولیٰ والے کا پیچھا کرکے اس کے لئے ہوئے میں شرکت کرلینی چاہئے۔ اور اگر آقا نے بغیر حکم قاضی ادائیگی قیمت کی ہو تو اس صورت میں جنایتِ ثانیہ والے کو یہ حق ہوگا کہ خواہ وہ آقا کا تعاقب کرکے اور اس کے پیچھے لگ کر اس سے وصول کرے اور یا جنایتِ اولیٰ والے کے پیچھے لگ کر اس سے وصولیابی کرلے۔ یہ تو حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں اور ان کے ارشاد کے مطابق یہ تفصیل ہے مگر حضرت امام ابویوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک خواہ آقا نے ادائیگی قیمت حکم قاضی کی بنار پر کی ہو یا حکم قاضی کے بغیر دونوں صورتوں میں سے کسی بھی صورت میں سے اسے یہ حق نہیں کہ وہ آقا کا پیچھا کرکے اس سے وصول کرے۔ یعنی ان کے نزدیک آقا جو ادا کرچکا وہ کرچکا۔ بلا حکم قاضی بھی ادا کرنے سے اس حکم میں کوئی فرق نہ پڑیگا اور اسے آقا سے وصول کرنیکا حق حاصل نہ ہوگا۔

وَاِذَا مَالَ الحَائطُ اِلیٰ طَرِیقِ المُسْلِمِینَ فَطُولِبَ صَاحِبُہٗ بِنَقضِہٖ وَاَشھدَ علیہِ فلم ینقضہ فی
اور اگر دیوار مسلمانوں کے راستہ کی جانب جھک جائے اور مالک دیوار سے اسے توڑنے کیلئے کہا جائے اور اس پر شاہد بنالئے گئے اور وہ اتنے
مُدَّۃٍ یقدرُ علیٰ نقضِہٖ حتّیٰ سَقَطَ ضمن مَا تَلِفَ بِہٖ مِنْ نفسٍ اَوْ مَالٍ وَیستوِی اَن یطالبہٗ
عرصہ میں نہ توڑے کہ اس کے اندر وہ توڑی جاسکتی تھی حتیٰ کہ وہ دیوار گرجائے تو اس کی وجہ سے تلف شدہ جان یا مال کا ضمان اس پر لازم ہوگا
بنقضہٖ مُسلِمٌ اَوْ ذِمّیٌّ وَاِنْ مَالَ اِلیٰ دَارِ رجلٍ فالمُطَالبۃُ لِمَالِکِ الدارِ خاصّۃً وَاِذا
اور برابر ہے کہ اسے توڑنے کیلئے کوئی مسلم کہے یا ذمی کہے اور اگر کسی کے مکان کی جانب جھک جائے تو خصوصیت کیساتھ مکان کے مالک کو گرانے کیلئے
اِصْطَدَمَ فارِسَانِ فماتا فعلیٰ عاقلۃِ کُلِّ وَاحِدٍ منھُمَا دیۃُ الآخرِ وَاِذا قتلَ رجلٌ عبداً
کہنے کا حق ہوگا اور دو سواروں کے ٹکرا کر مرنے پر ہر سوار کے اہل کنبہ پر دوسرے کی سواری کے دیت کا وجوب ہوگا اور اگر کوئی شخص غلطی سے کسی

خطاءً فعليه قيمتُه لا يُزاد على عشرة آلافِ درهمٍ فان كانت قيمتُه عشرةَ آلافِ درهمٍ
غلام کو مارڈالے تو اس شخص پر غلام کی قیمت کا وجوب ہوگا جو کہ دس ہزار دراہم سے بڑھ کر نہ ہوگی لہٰذا قیمتِ غلام دس ہزار یا دس ہزار دراہم سے
او اكثرَ قضيَ عليه بعشرةِ آلافٍ الَّا عشرةً وفي الأمةِ إذا زادتْ قيمتُها على الديةِ يجبُ
بڑھ کر ہونے پر قتل کرنیوالے پر دس ہزار دراہم دس درہم کم کرکے (باقی) ادا کرنے کو کہیں گے۔ اور باندی ہو اور اسکی قیمت تاوان سے
خمسةُ آلافٍ الَّا عشرةً وفي يدِ العبدِ نصفُ قيمتِه لا يُزادُ على خمسةِ آلافٍ الَّا خمسةً
بڑھی ہوئی ہو تو دس دراہم کم پانچ ہزار کا وجوب ہوگا اور غلام کے ہاتھ میں نصف قیمت کا وجوب ہوگا جو پانچ دراہم کم پانچ ہزار سے نہیں
وكلُّ ما يُقدَّرُ من ديةِ الحرِّ فهو مقدَّرٌ من قيمةِ العبدِ۔
بڑھے گی اور دیتِ آزاد سے جس مقدار کی تعیین ہو قیمتِ غلام سے اس کی تعیین ہو گی ۔

گرنے والی دیوار وغیرہ کے احکام کا بیان

تشریح وتوضیح

واذا مال الحائط الخ. اگر کوئی دیوار کسی عام راستہ کی جانب جھک جائے اور اس کے گرنیکے اندیشہ کے باعث لوگ دیوار کے مالک سے اسے توڑ ڈالنے کیلئے کہیں اور مالک کو اتنا وقت ملا ہو کہ اگر وہ چاہتا تو اسے توڑ دیتا مگر اس نے دیوار نہ توڑتے ہوئے جوں کی توں رکھی اور پھر اس دیوار کے گرنے کے باعث کوئی شخص ہلاک ہو جائے یا کسی شخص کا مال ضائع ہو جائے تو اس صورت میں قیاس کے اعتبار سے مالک پر ضمان نہ آنا چاہئے۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ یہی فرماتے ہیں. اس لئے کہ اس میں دراصل مالک قصوروار نہیں کہ اصل بنیاد تو اس کی ملکیت میں ہے اور رہا دیوار کا جھک جانا تو اس میں اس کے فعل کو دخل نہیں لیکن اس پر استحساناً ضمان لازم ہوگا. اس لئے کہ دیوار جھکنے پر اندیشہ گر جانیکا تھا اور گرانے کیلئے کہنے اور اتنا وقت ملنے کے باوجود اس کا اس سے غفلت برتنا تعدی میں داخل ہے۔

واذا قتل رجلٌ عبداً خطاءً الخ. اگر ایسا ہو کہ کوئی شخص کسی غلام کو قتل کر ڈالے اور قیمتِ غلام آزاد شخص کے خون بہا یعنی دس ہزار دراہم کے مساوی ہو اور اسی طرح اگر باندی قتل کر دی جائے اور قیمتِ باندی آزاد عورت کے خون بہا یعنی پانچ ہزار دراہم کے مساوی ہو تو مملوک کا مرتبہ آزاد سے کم ثابت کرنے کی خاطر غلام اور باندی کی قیمت سے دس دس دراہم کم کرکے ادا کئے جائیں گے ۔ امام مالکؒ ، امام شافعیؒ ، امام احمدؒ اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ انکی جو بھی قیمت کچھ کم کئے بغیر کل کا وجوب ہوگا. اس لئے کہ ضمان کا جہاں تک تعلق ہے وہ تو عوضِ مالیت ہے ۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام محمدؒ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس قول سے استدلال فرماتے ہیں کہ "غلام کی قیمت آزاد شخص کی دیت کے برابر نہ ہوگی اور اس کی قیمت سے دس درہم کم کئے جائینگے ۔ ائمہ ثلاثہ اور امام ابو یوسفؒ اسکے صرف مملوک ہونیکی بنا پر بمقابلۂ دیتِ آزاد قیمتِ غلام کم کرنے مثلاً دس درہم کم کرنے کے قائل نہیں اور وہ ساری قیمتِ غلام واجب قرار دیتے ہیں ۔

ضَرَبَ رجلٌ بطنَ امْرَأَةٍ فَأَلقَتْ جنينًا مَيّتًا فعليهِ غرّةٌ وَالغرّةُ نصفُ عشرِ الدِيَةِ
کوئی شخص کسی عورت کے شکم پر مارے اور وہ مردہ بچہ ڈالدے تو اس شخص پر غرہ (غلام یا باندی) کا وجوب ہوگا۔ اور یہ غرہ بیسواں حصہ

فَإنْ أَلقَتْهُ حيًّا ثُمَّ مَاتَ فعلَيْهِ ديةٌ كاملةٌ وَإنْ ألقتهُ ميتًا ثُمَّ مَاتَتِ الامُّ فعليهِ
دیت قرار دیا جائے گا اور اس کے زندہ بچہ ڈالنے اور پھر مرجانے پر کامل دیت کا وجوب ہوگا اور اگر مرا ہوا بچہ ڈالنے کے بعد ماں کا بھی انتقال ہوجائے

دِيَةٌ وَغرّةٌ وَانْ مَاتَتْ ثم القتهُ ميتا فلا شئَ فِي الجنينِ وَمَا يجبُ فِي الجَنينِ مَوْرُوثٌ
تو اس پر دیت اور غرہ دونوں کا وجوب ہوگا اور اگر ماں کا انتقال ہوجائے پھر وہ مرا ہوا بچہ ڈالے تو بچہ کی وجہ سے کچھ واجب نہ ہوگا اور بچہ میں جسقدر واجب

عَنهُ وَفِي جنينِ الأمَةِ إذَا كَانَ ذكرًا نصفُ عشرِ قيمتِهِ لو كان حيًّا وَعشرُ قيمتِهِ ان كَانَ
ہو وہ بچہ کے ورثاء کا ہوگا۔ اور باندی کا بچہ زندہ ہونے پر اس کی قیمت کے بیسویں حصہ کا وجوب ہوگا اور لڑکی ہونے پر قیمت کے دسویں حصہ کا۔

أُنثى وَلَا كَفَارَةَ فِي الجنينِ وَالكفارةُ فِي شِبهِ العَمَدِ وَالخطاءِ عِتقُ رَقبةٍ مؤمِنةٍ
اور بچہ کے سلسلہ میں کچھ واجب نہ ہوگا۔ شبہ عمد اور خطاء قتل کا کفارہ یہ ہے کہ ایک مومن غلام کو آزادی عطا کرے۔

فَانْ لَمْ يجِدْ فصِيَامُ شَهرَيْنِ مُتَتَابعَيْنِ۔
اور اگر وہ نہ ہو تو مسلسل دو مہینے کے روزے رکھے۔

پیٹ کے بچہ کو ضائع کرنیکے حکم کا بیان

تشریح و توضیح

ضرب رجل بطن امرأة الخ۔ اگر کوئی شخص کسی ایسی عورت کے پیٹ پر ضرب لگائے جو حاملہ ہو اور اس ضرب کے باعث وہ مردہ بچہ کو جنم دے تو یہاں قیاس کے اعتبار سے تو ضرب لگانے والے کے اہل کنبہ پر بچہ کا زندہ ہونا یقینی نہ ہونے کی بنا پر کچھ واجب نہ ہونا چاہئے لیکن استحساناً غرہ یعنی غلام یا باندی کے وجوب کا حکم کیا جاتا ہے۔ اس لئے کہ بخاری وغیرہ میں روایت ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مردہ بچہ کی صورت میں غلام یا باندی کا وجوب ہوگا یا پانچ سو دراہم واجب ہونگے

والغرة نصف عشر الدية الخ۔ عند الاحناف مقدار غرہ پانچ سو دراہم قرار دی گئی اور یہ مقدار مرد کی دیت کے بیسویں حصہ کے بقدر ہوتی ہے اور عورت کی دیت کے دسویں حصہ کے بقدر۔ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ مقدار غرہ چھ سو دراہم قرار دیتے ہیں لیکن اوپر ذکر کردہ روایت ان کے خلاف حجت ہے۔ علاوہ ازیں احنافؒ غرہ قتل کرنے والے کے اہل کنبہ پر واجب قرار دیتے ہیں اور حضرت امام مالکؒ قتل کرنے والے کے مال میں واجب فرماتے ہیں۔ احنافؒ کا مستدل ترمذی وغیرہ کی یہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے غرہ قتل کرنیوالے کے اہل کنبہ پر واجب فرمایا ہے۔ پھر احنافؒ کے نزدیک غرہ کی وصولیابی کی مدت ایک برس ہے اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک تین برس۔

وان ماتت ثم القته ميتا الخ۔ اگر اول ماں موت کی آغوش میں سو جائے اور پھر وہ مرا ہوا بچہ ڈالے تو اس

صورت میں محض ماں کی دیت کا وجوب ہوگا۔ حضرت امام شافعیؒ غرّہ کو بھی واجب قرار دیتے ہیں اس لئے کہ بظاہر اسکی موت ضرب کے باعث واقع ہوئی۔ احنافؒ فرماتے ہیں کہ بظاہر بچہ کی موت ماں کے مرنے سے واقع ہوئی اس واسطے کہ بچہ کا سانس لینا ماں کے سانس لینے پر موقوف ہے اور یہ شک ضرور ہے کہ بچہ کی موت ضرب کے باعث ہوئی ہو مگر محض شک کی بنا پر ضمان کا وجوب نہیں ہوتا۔

وفی جنین الامۃ الخ. فرماتے ہیں کہ باندی کے اس بچہ کے مذکر ہونیکی صورت میں اس کے زندہ پیدا ہونے پر اس کی قیمت کے بیسویں حصہ کا وجوب ہوگا اور مؤنث ہونیکی شکل میں اس کی قیمت کے دسویں حصہ کا وجوب ہوگا۔ امام شافعیؒ کے نزدیک بچہ کے ماں کی قیمت کے دسویں حصہ کا وجوب ہوگا۔

والکفارۃ فی شبہ العمد الخ. بطور شبہ عمد یا خطاءً قتل کی صورت میں کفارہ یہ ہے کہ ایک غلام کو حلقۂ غلامی سے آزاد کردے اور اگر یہ مہیا نہ ہو تو پھر دو مہینے کے مسلسل روزے رکھے۔

بَابُ القَسَامَةِ

قسامت کا بیان

وَاِذَا وُجِدَ القَتِیْلُ فِیْ مَحَلَّۃٍ لَا یُعْلَمُ مَنْ قَتَلَہٗ اُسْتُحْلِفَ خَمْسُوْنَ رَجُلًا یَتَخَیَّرُھُمُ الوَلِیُّ بِاللّٰہِ

اور اگر مقتول کسی محلہ میں پڑا ہوا ملے اور قتل کرنیوالے کا پتہ نہ چلے تو ولیٔ مقتول جن پچاس آدمیوں کو منتخب کرے ان سے حلف لیا جائیگا

مَا قَتَلْنَاہُ وَمَا عَلِمْنَا لَہٗ قَاتِلًا فَاِذَا حَلَفُوْا قُضِیَ عَلٰی اَھْلِ المَحَلَّۃِ بِالدِّیَۃِ وَلَا یُسْتَحْلَفُ الوَلِیُّ

کہ واللہ نہ ہم نے اسے مارا اور نہ ہمیں اسکے قاتل کا علم ہے۔ ان لوگوں کے حلف کرلینے پر محلہ والوں پر وجوبِ دیت کا حکم ہوگا اور ولی سے حلف نہیں لیا

وَلَا یُقْضٰی عَلَیْہِ بِالْجِنَایَۃِ وَاِنْ حَلَفَ وَاِنْ اَبٰی وَاحِدٌ مِّنْھُمْ حُبِسَ حَتّٰی یَحْلِفَ وَاِنْ لَّمْ

جائیگا اور اس کے اوپر کسی جنایت کا حکم نہ ہوگا خواہ وہ حلف بھی کرلے اور اگر ان پچاس میں سے کسی نے حلف سے انکار کیا تو تاوقتیکہ وہ حلف نہ کرے

یَکْمُلْ اَھْلُ المَحَلَّۃِ کُرِّرَتِ الْاَیْمَانُ عَلَیْھِمْ حَتّٰی یَتِمَّ خَمْسُوْنَ یَمِیْنًا وَلَا یَدْخُلُ فِی القَسَامَۃِ

اسے قید میں رکھا جائیگا اور اہل محلہ کی تعداد پچاس نہ ہونے پر ان سے دوبارہ حلف لیا جائے گا حتیٰ کہ پچاس حلف پورے ہوجائیں اور بچہ اور پاگل اور

صَبِیٌّ وَلَا مَجْنُوْنٌ وَلَا امْرَاَۃٌ وَلَا عَبْدٌ وَاِنْ وُجِدَ مَیِّتٌ لَا اَثَرَ بِہٖ فَلَا قَسَامَۃَ وَلَا دِیَۃَ وَ

عورت اور غلام کو قسامت میں داخل نہیں کیا جائے گا اور اگر میت ایسی پائی جائے کہ اس پر کسی طرح کا نشان نہ ہو تو نہ قسامت

کَذٰلِکَ اِنْ کَانَ الدَّمُ یَسِیْلُ مِنْ اَنْفِہٖ اَوْ دُبُرِہٖ اَوْ فَمِہٖ وَاِنْ کَانَ یَخْرُجُ مِنْ عَیْنَیْہِ

کا وجوب ہوگا اور نہ دیت واجب ہوگی اور یہی حکم خون اسکی ناک یا پاخانہ کے مقام یا منہ سے نکلنے پر ہوگا اور خون آنکھوں یا کانوں سے نکلنے پر

وَاُذُنَیْہِ فَھُوَ قَتِیْلٌ وَاِذَا وُجِدَ القَتِیْلُ عَلٰی دَابَّۃٍ یَسُوْقُھَا رَجُلٌ فَالدِّیَۃُ عَلٰی عَاقِلَتِہٖ دُوْنَ

وہ قتل کردہ شمار ہوگا اور اگر قتل شدہ شخص سواری پر پایا جائے جسے کوئی شخص ہانک رہا ہو تو وجوبِ دیت اہل محلہ کے بجائے کنبہ

اَهْلِ المحلّة وَاِنْ وُجِدَ فِي دَارِ اِنسانٍ فَالقسامة عَلَيْهِ وَالدِّيَةُ عَلَىٰ عَاقِلَتِهِ وَلَا يَدْخُلُ
والوں پر ہوگا۔ اور کسی کے مکان میں پائے جانے پر قسامت کا وجوب مکان والوں پر ہوگا اور دیت اس کے کنبہ والوں پر اور قسامت کے زمرہ
السُّكَّانُ فِي القَسَامَةِ مَعَ المُلَّاكِ عِندَ اَبِي حنيفة رحمه الله وَهِيَ عَلَىٰ اَهْلِ الْخِطَّةِ دُوْنَ
میں مالکوں کے ساتھ کرایہ دار شامل نہ ہوں گے امام ابو حنیفہؒ یہی فرماتے ہیں۔ اور قسامت کا وجوب اہل خطہ پر ہوگا خریدنے والے
المشترين وَلَوبَقِيَ منهُم وَاحِدٌ وَاِنْ وُجِدَ القتيلُ فِي سَفِينَةٍ فَالقسامة عَلَىٰ مَنْ فِيهَا مِنَ
پر نہ ہوگا خواہ ان میں سے صرف ایک ہی رہ گیا ہو اور مقتول کے کشتی میں پائے جانے پر قسامت کا وجوب کشتی والوں یعنی سواریوں اور
الرُّكَّابِ وَالمَلَّاحِيْنَ وَاِنْ وُجِدَ فِي مَسْجِدِ مَحلّةٍ فَالقسامة عَلَىٰ اَهْلِهَا وَاِنْ وُجِدَ فِي الجَامِعِ
ملاحوں پر ہوگا۔ اور مسجد محلہ میں پائے جانے پر قسامت کا وجوب اہل محلہ پر ہوگا۔ اور جامع مسجد یا عام راستہ
اَوِ الشَّارِعِ الاعظمِ فَلَا قسامة فيهِ وَالدِّيَةُ عَلَىٰ بَيْتِ المَالِ وَاِنْ وُجِدَ فِي بَرِّيَّةٍ لَيْسَ
میں پائے جانے پر وجوب قسامت نہ ہوگا۔ اور وجوب دیت بیت المال پر ہوگا اور ایسے جنگل میں پائے جانے پر جسکے
بِقُرْبِهَا عِمَارَةٌ فَهُوَ هَدَرٌ وَاِنْ وُجِدَ بَيْنَ قَرْيَتَيْنِ كَانَ عَلَىٰ اَقْرَبِهِمَا وَاِنْ وُجِدَ فِي وَسَطِ
آس پاس آبادی نہ ہو تو ہدر رہے (کہ اس میں قسامت نہیں) اور دو گاؤں کے درمیان پائے جانے پر وجوب قسامت زیادہ نزدیک والوں پر ہوگا۔
الفُرَاتِ يَمُرُّ بِهِ المَاءُ فَهُوَ هَدَرٌ وَاِنْ كَانَ مُحْتَبِسًا بِالشَّاطِئِ فَهُوَ عَلَىٰ اَقْرَبِ القُرَىٰ
اور دریائے فرات کے درمیان پائے جانے پر جہاں کہ پانی رواں ہو ہدر رہے اور کناروں پر رکنے کی صورت میں قسامت کا وجوب اس مقام سے زیادہ
مِنْ ذٰلِكَ المَكَانِ وَاِنِ ادَّعَى الوَلِيُّ القَتْلَ عَلَىٰ وَاحِدٍ مِنْ اَهْلِ المَحلّةِ بِعَيْنِهِ لَمْ تَسْقُطِ
قریب کی بستی پر ہوگا اور اگر ولی خصوصیت کے ساتھ اہل محلہ میں ایک شخص کے قتل کا مدعی ہو تو اہل محلہ سے قسامت کو ساقط قرار
القَسَامَةُ عَنْهُم وَاِنِ ادَّعَىٰ عَلَىٰ وَاحِدٍ مِنْ غَيْرِهِمْ سَقَطَتْ عَنْهُم وَاِذَا قَالَ المُسْتَحْلَفُ قَتَلَهُ
نہ دیں گے۔ اور اگر اہل محلہ کے علاوہ کسی ایک کے متعلق مدعی ہو تو قسامت اہل محلہ سے ساقط قرار دیں گے۔ اگر حلف کرنیوالا کہے کہ اس کا
فُلَانٌ اُسْتُحْلِفَ بِاللّٰهِ مَا قَتَلْتُهُ وَلَا عَلِمْتُ لَهُ قَاتِلًا غَيْرَ فُلَانٍ وَاِذَا شَهِدَ اِثْنَانِ مِنْ اَهْلِ
قاتل فلاں ہے تو اس سے یہ حلف لیا جائے گا کہ واللہ میں نے اسے مارا اور نہ مجھے بجز فلاں کے اسکے قاتل کا علم ہے اور اگر دو اہل محلہ کسی غیر
المحلّةِ عَلَىٰ رَجُلٍ مِنْ غَيْرِهِمْ اَنَّهُ قَتَلَهُ لَمْ تُقْبَلْ شَهَادَتُهُمَا۔
محلہ والے کے متعلق قتل کرنے کی شہادت دیں تو ان کی گواہی قابل قبول نہ ہوگی۔

لغات کی وضاحت: قتیل: مقتول۔ الشارع: راستہ۔ بریۃ: جنگل۔ هدر: ناکارہ، رائگاں۔ کہا جاتا ہے۔
ذهب دمه هدرًا "اسکا خون رائگاں گیا"، ذهب ماله اوسعیه هدرًا "اسکا مال یا اسکی کوشش رائگاں گئی"۔ الشاطئ: کنارہ۔

تشریح و توضیح: وَاِذَا وُجِدَ القتيلُ الخ۔ شرعی اعتبار سے قسامت کسی مخصوص شخص کے لئے خاص طریقہ سے حلف کرنے کا نام ہے لہٰذا اگر ایسا ہو کہ کسی محلہ میں قتل شدہ پایا جائے اور

اس کے قتل کرنیوالے کا علم نہ ہو تو اس محلہ کے ایسے پچاس لوگوں سے حلف لیا جائیگا جنھیں ولیٔ مقتول نے منتخب کیا ہو اوران پچاس میں سے ہر ایک اس طرح حلف کریگا کہ واللہ میں نہ اس کا قاتل ہوں اور نہ مجھے اس کے قاتل کا علم ہے۔ ان لوگوں کے اس طرح حلف کرنے کے بعد ان پر دیت واجب کردی جائے گی۔

ولا یستحلف الولی ولا یقضی علیہ بالجنایۃ الخ۔ قسامت میں احناف فرماتے ہیں کہ حلف صرف اہل محلہ سے لیا جائیگا قتل شدہ شخص کے ولی سے کسی طرح کا حلف نہیں لیا جائے گا۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک اگر اس موقع پر کسی طرح کا شبہ ہو مثال کے طور پر بظاہر محلہ والوں کی مقتول سے مخاصمت ہو یا ان میں سے کسی شخص پر نشانیٔ قتل موجود ہو یا ظاہری حالت سے دعویٰ کرنیوالے کی سچائی ظاہر ہو رہی ہو تو اس صورت میں ولیٔ مقتول سے پچاس مرتبہ یہ حلف لیا جائے گا کہ اسے محلہ والوں نے مار ڈالا۔ پھر مدعیٰ علیہ پر دیت واجب کیجائے گی۔ حضرت امام مالکؒ قتل عمد کے دعوے کی صورت میں حکم قصاص فرماتے ہیں۔ حضرت امام شافعیؒ کا مستدل رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا مقتول کے اولیاء سے یہ ارشاد ہے کہ تم میں سے کوئی پچاس بار یہ حلف کرے کہ انھوں نے اسے مارا ہے۔ احنافؒ کا مستدل ترمذی وغیرہ کی یہ روایت ہے کہ بینہ تو مدعی پر ہے اور حلف مدعیٰ علیہ پر۔ پھر پچاس کی تعداد محلہ والوں میں سے پوری نہ ہونے پر ان سے دوبارہ حلف لیا جائیگا تاکہ پچاس کی تعداد پوری ہو جائے۔ اس لئے کہ "مصنف عبدالرزاق" وغیرہ میں صراحت ہے کہ امیرالمومنین حضرت عمرؓ کے فیصلۂ قسامت فرمانے میں جب انچاس کی تعداد ہوئی تو حضرت عمرؓ نے انھیں لوگوں میں سے ایک سے دوبارہ حلف لیا۔

وکذٰلک ان کان الدم یسیل من انفہ الخ۔ اگر اس طرح کا مردہ محلہ میں ملے کہ اس کی ناک سے یا پاخانہ کے مقام سے یا اس کے منہ سے خون نکل رہا ہو تو اس صورت میں نہ تو قسامت کا وجوب ہوگا اور نہ دیت واجب ہوگی۔ اس لئے کہ اس میں بواسیری خون یا نکسیر ہونیکا احتمال ہے۔ البتہ اگر بجائے ناک یا منہ یا پاخانہ کے مقام کے خون مردہ کی آنکھوں یا اس کے کانوں سے رواں ہو تو اسے قتل کردہ ہی قرار دیا جائیگا۔ اس واسطے کہ عادۃً ان مقامات سے شدید ضرب کے بغیر خون نہیں آیا کرتا۔

واذا وجد القتیل علیٰ دابۃ الخ۔ اگر مقتول ایسی سواری پر ملے جسے کوئی دوسرا شخص ہانک رہا ہو تو اس صورت میں محلہ والوں پر دیت واجب نہیں ہوگی بلکہ اس کا وجوب کنبہ والوں پر ہوگا۔

وان وجد فی دار انسان فالقسامۃ علیہ الخ۔ اگر ایسا ہو کہ کوئی شخص کسی کے مکان میں قتل شدہ ملے تو اس صورت میں اہل مکان پر قسامت اور اس کے کنبہ والوں پر دیت کا وجوب ہوگا۔ اس لئے کہ مالک اپنے مکان پر قابض ہے۔ لہٰذا مالکِ مکان کی نسبت اہل محلہ کے ساتھ ٹھیک اس طرح کی ہوگی جیسی نسبت محلہ والوں کو شہر والوں کے ساتھ ہوا کرتی ہے اور شہر والوں کی محلہ والوں کے ساتھ شرکت فی القسامۃ نہیں ہوتی تو قسامت میں محلہ والے بھی مالکِ مکان کے شریک قرار نہیں دیئے جائیں گے۔

وھی علیٰ اھل الخطۃ دون المشترین الخ فرماتے ہیں کہ قسامت کا وجوب اہلِ خطہ پر ہوگا خریدنے والوں پر نہ ہوگا۔ اہلِ خطہ سے مقصود وہ افراد ہیں کہ انھیں اسی وقت سے اس پر ملکیت حاصل ہو جس وقت سے کہ امام المسلمین نے بعد فتح مجاہدین میں بانٹ کر ہر ایک کیلئے اس کے حصہ کی تحریر لکھدی ہو۔ یہ حکم حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام محمدؒ

کے نزدیک ہے۔ حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس جگہ کے باشندے اور خریدنے والے بھی شریک قسامت قرار دیئے جائیں گے۔

کتابُ المعَاقِل

معاقل کا بیان

الدِّیَۃُ فی شِبہِ العَمَدِ وَالخطاءِ وَکُلُّ دِیَۃٍ وَجبتْ بنفسِ القتلِ علی العاقلۃِ وَالعَاقلۃُ اَھلُ
قتل شبہ عمد وخطاء کا خون بہا اور ایسی دیت جس کا وجوب نفسِ قتل کے باعث ہو وہ کنبہ والوں پر واجب ہوا کرتی ہے۔
الدیوانِ اِن کانَ القاتلُ مِنْ اَھلِ الدیوانِ یُؤخذُ مِنْ عَطَایاھُمْ فی ثلثِ سنینَ فَاِنْ
اگر قتل کرنیوالا اہل دفتر میں سے ہو تو کنبہ والے اہل دفتر شمار ہوں گے دیت ان کے وظیفوں سے تین برس میں وصول
خرجَتِ العطایا فی اَکثرَ مِنْ ثلثِ سنینَ اَوْ اَقلَّ اُخِذَ منھا وَمَنْ لمْ یکُنْ مِنْ اھلِ الدیوانِ
کی جائے گی لہٰذا وظیفے تین برس سے زیادہ یا تین سے کم میں نکلنے پر دیت کی وصولیابی ان سے ہوگی اور قاتل کے اہل دفتر میں سے
فعاقلتُہٗ قبیلتُہٗ تقسطُ علیھِم فی ثلثِ سنینَ لایزادُ الواحدُ علی اَربعۃِ دَرَاھِمَ فی کلِّ سنۃٍ
نہ ہونے پر قاتل کے عاقلہ اس کے اہل کنبہ ہونگے قسط مقرر کردیں گے ان پر تین برس میں ایک شخص پر چار دراہم سے زائد مقرر نہ ہوں
دِرْھَمٌ وَدَانقانِ وَینقصُ منھا فاِنْ لمْ تَتَّسِعِ القبیلَۃُ لذٰلکَ ضُمَّ اِلیھِم اَقربُ القبائلِ اِلیھِم
گے ہر برس میں ایک درہم اور دو دانق ہونگے اور چار درہم سے کم بھی مقرر کئے جاسکتے ہیں اگر اس کے اہل قبیلہ میں اس کی وسعت نہ ہو تو ان
وَیدْخلُ القاتلُ مَعَ العَاقلۃِ فیکونُ فیما یُؤدّی کاحدِھِم وَعَاقلۃُ المعتَقِ قبیلۃُ مَولاہُ وَ
میں دوسرے قریبی اہل کنبہ ملالیں گے اور قتل کرنیوالا اہل کنبہ کے ساتھ داخل ہوگا اور ادائیگی دیت میں اس کی حیثیت عاقلہ کی سی ہوگی
مَولی الموالاۃِ یعقلُ عنہُ مَولاہُ وَقبیلتُہٗ وَلاتتحمَّلُ العَاقلۃُ اقلَّ مِنْ نِصفِ عُشرِ
آزاد شدہ غلام کا عاقلہ اس کے آقا کے کنبہ والے ہوں گے اور مولی الموالاۃ کی جانب سے اسکا آقا اور اس کا کنبہ ادائیگی دیت کریگا اور دیت
الدِّیَۃِ وتتحمَّلُ نصفَ العُشرِ فصَاعِدًا وَمَا نقصَ مِنْ ذٰلکَ فھُوَ مِنْ مَالِ الجانی وَلاتعقلُ
کے بیسویں حصے سے کم کے وجوب میں اہل کنبہ پر ادائیگی واجب نہیں ہوتی اور دسویں یا اس سے زیادہ کے اندر واجب ہوتی ہے اور اس سے کم کے وجوب پر
العَاقلۃُ جنایۃَ العَبدِ وَلاتعقلُ الجنایۃَ التی اعترفَ بھَا الجَانی اِلّا اَنْ یُّصدِّقوہُ وَلا
اس کی ادائیگی جنایت کے مرتکب کے مال سے ہوا کرتی ہے اور اہل کنبہ پر جنایت عبد کی دیت واجب نہ ہوگی اور نہ اس کی دیت واجب ہوگی جس کا
یعقلُ مَالزمَ بالصُّلحِ وَاِذا جنی الحُرُّ علی العَبدِ جنایۃً خطاءً کانت علی عَاقلتِہٖ۔
جنایت کرنیوالا اعتراف کرلے الا یہ کہ اہل کنبہ اسکی تصدیق کرتے ہوں اور نہ صلح کے باعث جو دیا جائے وہ اہل کنبہ پر واجب ہوگا اور جب آزاد شخص غلام کیساتھ
خطاءً جنایت کا مرتکب ہو تو دیت اس کے کنبہ والوں پر واجب ہوگی۔

لغات کی وضاحت:۔ معاقل۔ معقل کی جمع: خون بہا۔ دیوان: رجسٹر جس میں وظیفہ خواروں کے نام درج ہوں۔

کچہری، کونسل - جمع دواوین - دانق: درہم کے چھٹے حصہ کا ایک سکہ - جمع دوانق، دوانیق -

تشریح و توضیح

وکل دیۃ وجبت بنفس القتل الخ فرماتے ہیں کہ قتل شبہ عمد اور قتل خطاء اور نفس قتل کی بناء پر دیت کا وجوب قتل کرنیوالے کے اہل کنبہ پر ہوگا۔ قتل کرنیوالے کے فوجی ہونیکی صورت میں عاقلہ اور اہل کنبہ سے مراد اہل دفتر لئے جائیں گے۔ دیوان وہ رجسٹر کہلاتا ہے جس کے اندر وظیفہ خواروں اور فوجیوں کے نام لکھے جاتے ہیں۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک دیت کا وجوب اہل کنبہ و قبیلہ پر ہوگا اس لئے کہ دورِ رسالت آپ صلے اللہ علیہ وسلم میں مروج طریقہ یہی تھا۔ مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ کی روایت سے یہی پتہ چلتا ہے۔ احناف کا مستدل یہ ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ نے دیوان مقرر فرمانے پر خون بہا کی تعیین اہل دیوان پر کی اور حضرت عمرؓ نے یہ صحابہ کرامؓ کے عام اجتماع میں کیا اور کسی صحابیؓ نے حضرت عمرؓ کے اس عمل کی تردید نہیں فرمائی۔ یہ اجماعِ صحابہؓ خود حجت ہے۔ اس کی صراحت ابن ابی شیبہ وغیرہ میں ہے۔

ان یوخذ من عطایاھم الخ۔ فرماتے ہیں کہ اس واجب ہونیوالی دیت کی وصولیابی اہلِ دیوان کے وظائف سے بتدریج تین برس کی مدت میں ہوگی اور اگر وظائف تین برس سے زیادہ یا کم مدت میں اکٹھے دیئے جاتے ہوں تو مکمل دیت اس وقت ان وظائف سے وصولیابی کرلی جائے گی۔ یہ حکم تو قاتل کے فوجی ہونیکی صورت میں ہے۔ اور قتل کرنیوالے کے لشکری و فوجی نہ ہونیکی صورت میں دیت کا وجوب اس کے اہلِ کنبہ پر ہوگا اور اس دیت کی وصولیابی تین برس کی مدت میں بتدریج اور بالاقساط ہوگی۔ یعنی ہر ایک سے سال بھر میں ایک درہم اور دو دانق وصول کئے جائیں گے۔ اس طریقہ سے ہر ایک پر سال بھر میں چار دراہم یا ان سے بھی کم کا وجوب ہوگا۔ حضرت امام مالکؒ کے نزدیک جہاں تک لینے کی مقدار کا تعلق ہے اس کے اندر تعیین کچھ نہیں بلکہ دیت دینے والے کی استطاعت پر اس کا مدار و انحصار ہے۔ ایک روایت کے مطابق حضرت امام احمدؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔ حضرت امام شافعیؒ اور دوسری روایت کے مطابق حضرت امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص مالدار شمار ہوتا ہو اس سے تو آدھا دینار وصول کیا جائے گا اور جو لوگ مالی اعتبار سے اوسط درجہ کے ہوں ان سے چوتھائی دینار وصول کیا جائے گا۔ احنافؒ کے نزدیک اس کی حیثیت ایک طرح کے صلہ کی ہے جس کا وجوب برابری کے طور پر ہوتا ہے اور اس کے اندر مالدار اور اوسط درجہ کے افراد مساوی قرار دیئے جائیں گے۔

فان لم تتسع القبیلۃ الخ۔ فرماتے ہیں اگر ایسا ہو کہ قاتل کے اہلِ قبیلہ ادائیگی دیت کی استطاعت نہ رکھتے ہوں تو اس صورت میں ان کے ساتھ ان لوگوں کو شامل کرلیا جائے گا جو باعتبار قرابت اس قبیلہ سے نزدیک ہوں۔

ویدخل القاتل مع العاقلۃ الخ۔ احنافؒ فرماتے ہیں کہ دیت کا جہاں تک معاملہ ہے اس میں قتل کرنیوالا بھی اپنے اہلِ کنبہ کا شریک قرار دیا جائے گا۔ اور حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ قتل کرنیوالا ان کے ساتھ شریک نہ ہوگا اور اس پر کسی چیز کا وجوب نہ ہوگا اس لئے کہ وہ خطاء و غلطی کے باعث معذور کے درجہ میں ہے۔ احنافؒ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ جنایت کا صدور تو اسی سے ہوا تو اسے بالکل بری الذمہ کرتے ہوئے اسکا بار دوسروں پر ڈالنے کا کوئی مطلب نہیں۔

ولا تتحمل العاقلۃ الخ۔ اگر دیت زیادہ نہ ہو بلکہ اس کی مقدار کامل دیت کے بیسویں حصہ سے بھی کم ہو تو اس صورت

میں اہلِ کنبہ پر دیت کا وجوب نہ ہوگا اور اس شکل میں اس دیت کی ادائیگی قتل کرنے والے کے مال سے ہوگی۔

ولا تعقل الجنایة التی اعترف الخ۔ اگر ایسا ہو کہ جنایت کرنیوالا جنایت سے انکار کے بجائے اقرار و اعتراف کرلے تو اس کی دیت اہلِ کنبہ پر واجب نہ ہوگی۔ اسی طرح قاتل اور مقتول کے اولیاء کے درمیان جس پر مصالحت ہوئی ہو اس کی ادائیگی اہلِ کنبہ پر لازم نہ ہوگی بلکہ اس کی ادائیگی کا ذمہ دار خود صلح کرنیوالا قاتل ہوگا۔ اور اگر کوئی آزاد شخص کسی غلام کے ساتھ خطاء وغلطی کے باعث کسی جنایت کا مرتکب ہو تو اس کی دیت کا وجوب جنایت کرنیوالے کے اہلِ کنبہ پر ہوگا۔

کتابُ الحُدُودِ

حدود کا بیان

الزّنا یثبتُ بالبیّنةِ والاقرارِ فالبیّنةُ اَنْ تشھدَ اربعةٌ من الشھودِ علی رجلٍ او امرأةٍ

زنا کا ثبوت بذریعۂ بینہ اور بذریعۂ اقرار ہوتا ہے۔ بینہ اسے کہتے ہیں کہ چار شاہد مرد یا عورت کے زنا کی شہادت دیں۔

بالزّنا فیسألُھُمُ الامامُ عن الزنا ما ھُوَ وکیفَ ھُوَ واَیْنَ زنٰی ومتٰی زنٰی وبمَنْ زنٰی فاذا بیّنوا

امام ان سے دریافت کریگا کہ زنا کسے کہتے ہیں اور کیسے ہوتا ہے اور کہاں ہوا اور کب ہوا اور کس کے ساتھ مرتکب ہوا۔ پھر جب شاہد

ذٰلکَ وقالوا رأیناہُ وطأھا فی فرجِھا کالمیلِ فی المکحلةِ وسألَ القاضی عنھُم فعُدّلوا فی

ساری باتیں بیان کردیں اور کہیں کہ ہم نے اس شخص کو اس عورت سے شرمگاہ میں اس طرح زنا کرتے دیکھا جسطرح سرمہ دانی میں سلائی پھر علانیہ اور پوشیدہ

السّرِّ والعلانیةِ حکم بشھادتھم والاقرارُ اَنْ یُقِرَّ البالغُ العاقلُ علٰی نفسہٖ بالزّنا اربعَ مرّاتٍ

طور پر گواہوں کے عادل ہونیکی تحقیق کرلی گئی ہو تو قاضی انکی گواہی کی بنا پر زنا کا فیصلہ کردے اور اقرار اسکا نام ہے کہ عاقل بالغ شخص اپنے ارتکاب زنا کا

فی اربعةِ مجالسَ من مجالسِ المقِرِّ کلّما اقرَّ ردّہُ القاضی فاذا تمّ اقرارُہٗ اربعَ مرّاتٍ

چار مرتبہ اپنی مجالس میں سے چار مجالس میں اعتراف کرے۔ وہ جس وقت بھی اعتراف کرے قاضی اس کی تردید کرے پھر اس کے چار مرتبہ

سألہُ القاضی عن الزّنا ما ھُوَ وکیفَ ھُوَ واَیْنَ زنٰی وبمَنْ زنٰی فاذا بیّنَ ذٰلکَ لزمہُ الحدُّ

اقرار پر قاضی اس سے زنا کے متعلق دریافت کرے کہ زنا کیا چیز ہے اور کس طرح ہوتا ہے اور کہاں ارتکاب زنا کیا اور کس کے ساتھ کیا پھر اسکے

فانْ کانَ الزّانی مُحصَنًا رجمہُ بالحجارةِ حتّٰی یموتَ یُخرجُہٗ الی ارضٍ فضاءٍ تبتدئُ الشھودُ

بیان کرنیکے بعد اس پر حد کا لزوم ہوگا پھر اگر زنا کرنیوالا شادی شدہ ہو تو اسے سنگسار کریں گے حتیٰ کہ موت واقع ہوجائے اسکو میدان میں

برجمہٖ ثمّ الامامُ ثمّ النّاسُ فانِ امتنعَ الشھودُ منَ الابتداءِ سقطَ الحدُّ وانْ کانَ

لاکر اول شاہد رجم کریں اس کے بعد امام پھر دوسرے لوگ اگر شاہد رجم کی ابتداء سے رک گئے تو حد کو ساقط قرار دیں گے اور اگر زنا کرنے

الزّانی مقرًّا ابتدأ الامامُ ثمّ النّاسُ ویُغسلُ ویکفّنُ ویُصلّٰی علیہ وانْ لم یکنْ مُحصنًا

والے نے اقرار کیا ہو تو امام آغاز کرے اسکے بعد دوسرے لوگ اور اسے غسل دینگے اور کفن دینگے اور نماز جنازہ پڑھی جائیگی اور غیر

وَكَانَ حُرًّا فَحَدُّهُ مِائَةُ جَلْدَةٍ يَامُرُ الْاِمَامُ بِضَرْبِهِ بِسَوْطٍ لَا ثَمْرَةَ لَهُ ضَرْبًا مُتَوَسِّطًا يَنْزِعُ عَنْهُ

شادی شدہ و آزاد ہونے پر اس کیلئے سو کوڑوں کی حد ہے امام بے گرہ کے کوڑے سے اوسط درجہ کی ضرب لگانے کا حکم کریگا اس کے کپڑوں کو اتار لیا جائے

ثِيَابَهُ وَيُفَرِّقُ الضَّرْبَ عَلٰى اَعْضَائِهِ اِلَّا رَاسَهُ وَوَجْهَهُ وَفَرْجَهُ وَاِنْ كَانَ عَبْدًا

گا اور بجز سر و چہرہ و شرمگاہ کے متفرق طور سے زانی کے اعضاء پر ضرب لگائی جائے گی۔ اور غلام ہونے پر اسی طریقہ سے

جَلَدَهُ خَمْسِيْنَ كَذٰلِكَ۔

اس کے پچاس کوڑے مارے جائیں گے۔

لغات کی وضاحت

البینۃ۔ البین کا مؤنث: دلیل و حجت۔ جمع بَیِّنَاتٌ۔ رجم: پتھراؤ کرنا۔

تشریح و توضیح

کتاب الحدود۔ حد شرعاً وہ متعین و مخصوص سزا ہے جو حقوق اللہ کیلئے واجب ہوتی ہے۔ اس کا مقصود اللہ کے بندوں کو برے افعال سے روکنا اور تجاوز عن احکام الشرع کر باز رکھنا ہے۔

الزنا یثبت بالبینۃ الخ۔ فرماتے ہیں کہ زنا دو طریقہ سے ثابت ہوتا ہے۔ ایک تو یہ کہ خود زنا کا ارتکاب کرنیوالا اس کا اقرار و اعتراف کرے اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ زنا کرنیوالا تو اقرار نہ کرے مگر شاہد اس کی شہادت دیں۔ شاہدوں کی شہادت کی صورت یہ ہے کہ چار گواہ اس بات کی گواہی دیں کہ فلاں مرد یا فلاں عورت سے یہ جرم سرزد ہوا ہے۔ انکی اس شہادت کے بعد امام ان سے پوری جرح اور چھان بین کرکے اپنا اطمینان کریگا اور ان سے زنا کی حقیقت پوچھے گا تاکہ امام پر یہ واضح ہو سکے کہ وہ اس کی حقیقت سے واقف ہیں یا نہیں اور وہ جو کچھ بیان کرتے ہیں اس پر زنا کی تعریف صادق آتی ہے یا نہیں۔ چنانچہ امام ان سے پوچھے گا کہ زنا کسے کہتے ہیں اور زنا کیسے ہوا، یہ رضامندی سے ہوا یا بحالتِ اکراہ۔ نیز یہ پوچھے گا کہ کس جگہ ہوا۔ جہاں اس کا ارتکاب ہوا وہ دارالاسلام تھا یا دارالحرب، اور یہ کہ کب اور کس وقت ایسا ہوا، اسے کتنی مدت گذری، اسے تھوڑا وقت گذرا یا زیادہ، اور یہ کہ کس کے ساتھ اس کا صدور ہوا۔ اس طرح کے سوالات کا منشاء یہ ہے کہ امام پوری جستجو کرے اور حد کسی عنوان سے اگر ٹل سکتی ہو تو ٹال دے۔ اس لئے کہ ترمذی شریف میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسلمانوں سے حدود جہاں تک ہو سکے ٹالو۔

والاقرار ان یقر الخ۔ خود زنا کا ارتکاب کرنیوالے کے اقرار و اعتراف کی صورت یہ ہے کہ وہ چار مرتبہ چار مجالس میں زنا کا اعتراف کرے اور ہر مرتبہ قاضی اسے اپنے آگے سے ہٹائے۔ قاضی کے سامنے جب اس طریقہ سے وہ چار مرتبہ اقرار کرلے اور چار کا عدد پورا ہو جائے تو اب قاضی اس سے بھی دریافت کرے کہ زنا کسے کہتے ہیں، اور یہ کہ زنا کس طرح ہوا اور اس نے کس جگہ زنا کا ارتکاب کیا، اور یہ کہ زنا کس کے ساتھ کیا۔ اس کے ان سوالات کے جواب دینے کے بعد جب زنا ثابت ثابت ہو جائے تو قاضی اس پر حد لازم کردے۔ زانی سے چار مرتبہ اقرار کی شرط احنافؒ کے نزدیک ہے۔ حضرت امام شافعیؒ ایک مرتبہ اقرار کو کافی قرار دیتے ہیں۔ اس لئے کہ اعتراف سے زنا کا اظہار ہو رہا ہے اور دوبارہ اقرار سے زنا کے اظہار

میں زیادتی نہ ہوگی۔ احناف فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز اسلمی رضی کے واقعہ میں اس وقت تک زنا ثابت ہونیکا حکم نہیں فرمایا جب تک انھوں نے چار مرتبہ اس کا اقرار نہیں کرلیا۔ مسلم شریف میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ماعز بن مالکؓ نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوکر عرض کیا اے اللہ کے رسول مجھے پاک کر دیجئے! آپ نے فرمایا تیرا برا ہو (یہ کلمۂ ترحم ہے) لوٹ جا اور اللہ سے توبہ واستغفار کر۔ ماعز پھر کچھ دور سے لوٹ کر بولے۔ اے اللہ کے رسول مجھے پاک کر دیجئے! تو پھر نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح فرمایا۔ حتیٰ کہ جب چوتھی مرتبہ انھوں نے کہا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ماعز سے دریافت فرمایا کہ کس وجہ سے تجھے پاک کروں۔ ماعز بولے۔ زنا کی وجہ سے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کیا یہ پاگل ہے؟ تو بتایا گیا کہ یہ پاگل نہیں۔ پھر آپ نے دریافت فرمایا کہ اس نے شراب پی ہے؟ تو ایک شخص نے کھڑے ہوکر انھیں سونگھا تو شراب کی بو نہیں پائی۔ پھر آپ نے دریافت فرمایا کیا تو نے زنا کیا؟ وہ بولے۔ ہاں۔ تو آپ نے رجم کا حکم فرمایا اور وہ رجم کر دیئے گئے۔

فان کان الزانی محصناً الخ۔ اب اگر زنا کرنیوالا شادی شدہ ہو تو اسے میدان میں لاکر سنگسار کر دیا جائے۔ اور سنگسار کرنے میں شرط یہ قرار دی گئی کہ گواہ اس کی ابتدار کریں۔ اگر گواہ رجم نہ کریں تو رجم کے ساقط ہونے کا حکم کیا جائے گا۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اسے شرط قرار نہیں دیتے بلکہ ان کے نزدیک انکا وہاں موجود رہنا باعث استحباب ہے۔ اور اگر زنا کا ثبوت خود زانی کے اقرار کے باعث ہوا ہو تو اس صورت میں امام ابتدار کرے اور پھر دوسرے لوگ سنگسار کریں۔

وان لم یکن محصناً الخ۔ اگر زنا کرنیوالا شادی شدہ نہ ہو تو اسے سنگسار نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ اس کے آزاد ہونے کی صورت میں امام اوسط درجہ کی ضرب سے سو کوڑے بغیر گرہ والے مارنے کا حکم کرے گا اور کوڑے لگاتے وقت اس کے کپڑے اتارلئے جائیں گے اور اس کے اعضار پر متفرق طور سے کوڑے لگائے جائیں گے۔ سر اور چہرے اور شرمگاہ کو مستثنیٰ رکھا جائے گا اور ران پر کوئی کوڑا نہ مارنے کا حکم ہوگا۔ اور غلام ہونے کی صورت میں اس کی حد پچاس کوڑے ہوگی اور انھیں اسی طریقہ سے مارا جائے گا۔

فَاِنْ رَجَعَ الْمُقِرُّ عَنْ اِقْرَارِہٖ قَبْلَ اِقَامَۃِ الْحَدِّ عَلَیْہِ اَوْ فِیْ وَسْطِہٖ قُبِلَ رُجُوْعُہٗ وَ

اور اگر اقرار کرنے والا نفاذ حد سے قبل اقرار سے رجوع کرلے یا بیچ میں رجوع کرلے تو اس کا رجوع قابل قبول ہوگا اور

خُلِّیَ سَبِیْلُہٗ وَیُسْتَحَبُّ لِلْاِمَامِ اَنْ یُلَقِّنَ الْمُقِرَّ الرُّجُوْعَ وَیَقُوْلُ لَہٗ لَعَلَّکَ لَمَسْتَ اَوْ قَبَّلْتَ

اسے چھوڑ دیا جائے گا اور امام کے لئے باعث استحباب ہے کہ وہ اقرار کرنیوالے کو اقرار سے رجوع کی تلقین کرے اور کہے ہوسکتا ہے تو نے

وَالرَّجُلُ وَالْمَرْأَۃُ فِیْ ذٰلِکَ سَوَاءٌ غَیْرَ اَنَّ الْمَرْأَۃَ لَاتُنْزَعُ عَنْہَا ثِیَابُہَا اِلَّا الْفَرْوُ وَالْحَشْوُ

چھویا ہو یا تقبیل کی ہو۔ مرد و عورت کا حکم اس میں یکساں ہے سوائے اسکے کہ عورت کے کپڑوں کو بجز پوستین و موٹے کپڑے کے نہ اتارا جائے۔

وَاِنْ حَفَرَ لَهَا فِی الرَّجْمِ جَازَ وَلَا يُقِيْمُ الْمَوْلٰى الْحَدَّ عَلٰى عَبْدِهٖ وَ أَمَتِهٖ اِلَّا بِاِذْنِ الْاِمَامِ وَاِنْ
اور عورت کے رجم کیواسطے گڑھا کھودنا درست ہے اور آقا کیلئے بلا اجازتِ امام اپنے غلام و باندی پر حد قائم کرنا درست نہیں۔ اور اگر
رَجَعَ اَحَدُ الشُّهُوْدِ بَعْدَ الْحُكْمِ قَبْلَ الرَّجْمِ ضُرِبُوا الْحَدَّ وَسَقَطَ الرَّجْمُ عَنِ الْمَشْهُوْدِ عَلَيْهِ وَ
بعد حکم سنگسار کئے جانے سے قبل کوئی شاہد رجوع کرلے تو شاہدوں پر حد لگائیں گے اور گواہی دیئے گئے شخص سے سنگساری ساقط قرار
اِنْ رَجَعَ بَعْدَ الرَّجْمِ حُدَّ الرَّاجِعُ وَحْدَهٗ وَضَمِنَ رُبْعَ الدِّيَةِ وَاِنْ نَقَصَ عَدَدُ الشُّهُوْدِ عَنْ
دیجائیگی اور بعد رجم کسی شاہد کے رجوع پر محض رجوع کرنیوالے پر حد لگائیں گے اور ربع دیت کا ضمان لازم ہوگا اور شاہدوں کا عدد چار سے کم
اَرْبَعَةٍ حُدُّوْا جَمِيْعًا وَاِحْصَانُ الرَّجْمِ اَنْ يَّكُوْنَ حُرًّا بَالِغًا عَاقِلًا مُسْلِمًا قَدْ تَزَوَّجَ اِمْرَأَةً
ہونے پر سب پر حد لگائیں گے اور رجم کے واسطے محصن وہ کہلاتا ہے کہ زنا کرنیوالا آزاد بالغ عاقل مسلمان عورت سے عقد نکاح صحیح
نِكَاحًا صَحِيْحًا وَدَخَلَ بِهَا وَهُمَا عَلٰى صِفَةِ الْاِحْصَانِ۔
کرکے اس کے ساتھ ہمبستر ہوچکا ہو اور یہ دونوں صفتِ احصان پر ہوں۔

بعدِ اقرار گواہی سے رجوع کا ذکر

تشریح و توضیح

فان رجع المقر عن اقرارہ الخ۔ اگر ایسا ہو کہ اقرار کرنیوالا نفاذِ حد سے قبل یا بیچ میں رجوع کرلے، تو نفاذ سے قبل رجوع کرلینے کی صورت میں اس پر حد کا نفاذ نہ ہوگا اور درمیان میں رجوع پر باقیماندہ حد نافذ نہیں کی جائے گی۔ اور اس بارے میں مسلم شریف میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ہم اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم گفتگو کرتے تھے کہ اگر ماعزؓ تین مرتبہ اعتراف کے بعد اپنے کجاوہ میں بیٹھ جاتے تو انھیں نفاذِ حد کے لئے طلب نہ کیا جاتا۔ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں حد کا نفاذ ہوگا۔ اس لئے کہ حد کا وجوب اس کے اقرار کے باعث ہوا ہے۔ لہٰذا اس کے رجوع کرلینے سے وہ ساقط قرار نہیں دیجائے گی۔ احنافؒ فرماتے ہیں کہ اس کے رجوع کی حیثیت خبر کی سی ہے جس کے اندر احتمالِ صدق موجود ہے اور تکذیب کنندہ کوئی چیز پائی نہیں جارہی ہے تو اس کے اقرار میں شبہ پیدا ہوگیا اور ادنیٰ درجہ کے شبہ سے بھی حد ختم ہو جاتی ہے۔

وان حفر لها فی الرجم الخ۔ یعنی اگر عورت کو رجم کرنے کی خاطر گڑھا کھود لیا جائے تو درست ہے بلکہ کھود لینا زیادہ اچھا ہے کہ اس کے اندر عورت کیواسطے پردہ کی زیادتی ہے جو شرعاً محمود ہے۔ اس کی گہرائی عورت کے سینہ تک ہو۔ اس واسطے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے غامدیہ عورت کے واسطے جو گڑھا کھدوایا تھا اس کی گہرائی سینہ ہی تک تھی۔ مگر مرد کے واسطے کھودنے کی ضرورت نہیں۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعزؓ کے ساتھ ایسا ہی کیا کہ ان کے واسطے گڑھا کھودنے کیلئے نہیں فرمایا۔

ولا یقیم المولی الحد الخ. یعنی آقا کیلئے یہ جائز نہیں کہ وہ بلا اجازتِ حاکم از خود اپنے غلام اور باندی پر حد نافذ کرے البتہ اگر امام اجازت دیدے تو اس کا حد نافذ کرنا درست ہوگا۔ علاوہ ازیں آقا کو جب یہ حق نہیں کہ وہ اپنے اوپر حد نافذ کرے تو اپنے غلام و باندی پر حد نافذ کرنیکا حق اسے بدرجۂ اولیٰ نہ ہوگا۔

وان رجع احد الشهود بعد الحکم الخ. اگر چار شاہدوں کی شہادت کی بنا پر جس کے بارے میں ان لوگوں نے شہادت دی ہو اسے سنگسار کئے جانے کا حکم ہوچکا ہو مگر ابھی سنگسار کرنے کی نوبت نہ آئی ہو کہ اس سے قبل ان شاہدوں میں سے ایک شاہد رجوع کرلے تو اس صورت میں سارے شاہدوں پر حد کا نفاذ ہوگا اور شہادت دیئے گئے شخص سے رجم کے ساقط ہونے کا حکم کیا جائے گا۔ وجہ یہ ہے کہ شہادت دیئے گئے شخص کے سلسلہ میں شہادت مکمل نہیں رہی اور اگر شاہدوں میں سے کوئی شاہد سنگسار کئے جاچکنے کے بعد رجوع کرے تو اس صورت میں جس نے رجوع کیا ہو محض اس پر حدِ قذف کا نفاذ ہوگا اور اس پر مزید چوتھائی دیت کے تاوان کا لزوم ہوگا۔ اس لئے کہ اس کی گواہی اتلافِ نفس کا سبب بنی اور رجوع کرنے سے یہ بات عیاں ہوگئی کہ ناحق نفس تلف ہوا۔ اس لحاظ سے اس کے اوپر وجوبِ تاوان بھی ہوگا۔

واحصان الرجم الخ. رجم کئے جانے کے واسطے اسے شرط قرار دیا گیا کہ زنا کرنیوالا شادی شدہ ہو۔ غیر شادی شدہ کو رجم نہیں کریں گے۔ جس پر احصان کی تعریف صادق آتی ہے وہ سات شرطوں پر مشتمل ہے۔ اگر سات شرطوں میں سے ایک شرط بھی کم رہ جائے تو پھر سنگسار کئے جانے کا حکم نہ ہوگا۔ وہ سات شرائط حسب ذیل ہیں (۱) زانی آزاد ہو۔ غلام اور باندی کا شمار اس میں نہیں۔ اس لئے کہ انھیں بنفسہٖ نکاح صحیح کرنے پر قدرت نہیں ہوتی (۲) زانی عاقل ہو۔ پاگل عقوبت و سزا کا اہل نہ ہونے کی بنا پر محصن شمار نہیں ہوتا۔ (۳) بالغ ہو۔ نابالغ سزا کا اہل نہ ہونیکی بنا پر محصن قرار نہیں دیا جائیگا (۴) زانی مسلمان ہو۔ کافر کو محصن شمار نہیں کیا جاتا (۵) صحبت ہونا (۶) بنکاح صحیح صحبت ہونا۔ مثلاً کسی شخص نے گواہوں کے بغیر نکاح کرلیا تو وہ محصن شمار نہ ہوگا (۷) بوقتِ صحبت خاوند و بیوی کا صفتِ احصان سے اتصاف۔

مسلمًا الخ. اس بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ برائے احصان زنا کرنیوالے کے مسلم ہونیکی شرط نہیں۔ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی اور یہودیہ کو رجم فرمایا تھا۔ مشکوٰۃ شریف میں حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہود نے آکر بیان کیا کہ ان میں سے ایک مرد و عورت زنا کے مرتکب ہوئے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تم رجم کے متعلق تورات میں کیا پاتے ہو؟ انھوں نے کہا کہ انھیں رسوا کرنا اور کوڑے لگانا۔ حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے کہا تم غلط کہتے ہو اس میں رجم ہے۔ یہود تورات لے آئے اور آپ کے سامنے رکھ دی۔ ان میں سے ایک نے رجم کی آیت پر ہاتھ رکھ کر اس سے ماقبل اور مابعد کو پڑھا۔ عبداللہ بن سلامؓ بولے اپنا ہاتھ اٹھاؤ۔ اس نے ہاتھ اٹھایا تو وہاں آیتِ رجم تھی۔ یہود بولے اے محمدؐ! ابن سلامؓ نے سچ کہا، اس میں آیتِ رجم ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے رجم کا حکم فرمایا اور انھیں رجم کیا گیا۔ احنافؒ کا مستدل رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ اللہ کے

ساتھ شریک کرنیوالا محصن شمار نہ ہوگا۔ یہ روایت دارقطنی میں حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے مروی ہے۔ اور حضرت امام شافعیؒ کے استدلال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ اس وقت تک رجم کی آیت کا نزول نہیں ہوا تھا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے توراۃ کے حکم کے مطابق حکم رجم فرمایا۔ پھر رجم کی آیت کا نزول ہوا تو اسلام کی شرط نہیں تھی۔ اسکے بعد حکم رجم اسلام کی شرط کے ساتھ ہوا۔

وَلَا يُجْمَعُ فِي الْمُحْصِنِ بَيْنَ الْجَلْدِ وَالرَّجْمِ وَلَا يُجْمَعُ بَيْنَ الْجَلْدِ وَالنَّفْيِ إِلَّا أَنْ يَرَى الْإِمَامُ
اور محصن کے لئے کوڑوں اور رجم کو اکٹھا نہ کریں گے اور غیر شادی شدہ کیلئے کوڑوں و جلاوطنی کو اکٹھا کریں گے الا یہ کہ امام کو اس میں
ذٰلِكَ مَصْلَحَةً فَيُغَرِّبُهُ عَلٰى قَدْرِ مَا يَرٰى وَإِذَا زَنَى الْمَرِيضُ وَحَدُّهُ الرَّجْمُ رُجِمَ وَإِنْ كَانَ
کوئی مصلحت نظر آئے تو اپنی صوابدید کے مطابق تعزیر کرے۔ اور اگر مریض مرتکب زنا ہو اور اس کی حد رجم ہو تو رجم کیا جائیگا اور حد کوڑے
حَدُّهُ الْجَلْدُ لَمْ يُجْلَدْ حَتّٰى يَبْرَأَ وَإِذَا زَنَتِ الْحَامِلُ لَمْ تُحَدَّ حَتّٰى تَضَعَ حَمْلَهَا وَإِنْ كَانَ
ہونے پر صحتیاب ہونے تک کوڑے نہیں لگائے جائیں گے اور حاملہ کے ارتکاب زنا پر تا وضع حمل نفاذِ حد نہ ہوگا۔ اور اس کی حد
حَدُّهَا الْجَلْدُ فَحَتّٰى تَتَعَالٰى مِنْ نِفَاسِهَا وَإِنْ كَانَ حَدُّهَا الرَّجْمُ رُجِمَتْ فِي النِّفَاسِ وَإِذَا
کوڑے ہونے پر تا اختتام نفاس نافذ نہ ہوگی۔ اور حد رجم ہونے پر اسے بحالت نفاس رجم کردیا جائے گا۔ اور اگر شاہد
شَهِدَ الشُّهُوْدُ بِحَدٍّ مُتَقَادِمٍ لَمْ يَمْنَعْهُمْ عَنْ اِقَامَتِهٖ بُعْدُهُمْ عَنِ الْإِمَامِ لَمْ تُقْبَلْ شَهَادَتُهُمْ
کسی ایسی قدیم حد کی شہادت دیں کہ امام کے واسطے ان کا بُعد نفاذِ حد میں مانع نہ ہو تو بجز حد قذف کے انکی شہادت قابل قبول
إِلَّا فِي حَدِّ الْقَذْفِ خَاصَّةً وَمَنْ وَطِئَ أَجْنَبِيَّةً فِيْمَا دُوْنَ الْفَرْجِ عُزِّرَ وَلَا حَدَّ عَلٰى مَنْ وَطِئَ
قرار نہیں دیجائے گی۔ اور جو شخص اجنبیہ کے ساتھ شرمگاہ کے علاوہ صحبت کرے تو بجائے حد کے تعزیر کیجائیگی۔ اور اپنے
جَارِيَةَ وَلَدِهٖ أَوْ وَلَدِ وَلَدِهٖ وَإِنْ قَالَ عَلِمْتُ أَنَّهَا حَرَامٌ عَلَيَّ وَإِذَا وَطِئَ جَارِيَةَ أَبِيْهِ أَوْ أُمِّهٖ
لڑکے یا پوتے کی باندی کے ساتھ صحبت کرنیوالے پر حد کا نفاذ نہ ہوگا خواہ وہ یہ بھی کہتا ہو کہ میں اس سے آگاہ تھا کہ وہ میرے اوپر حرام
أَوْ زَوْجَتِهٖ أَوْ وَطِئَ الْعَبْدُ جَارِيَةَ مَوْلَاهُ وَقَالَ عَلِمْتُ أَنَّهَا عَلَيَّ حَرَامٌ حُدَّ وَإِنْ قَالَ ظَنَنْتُ
ہے اور اگر اپنے والد یا والدہ یا زوجہ کی باندی کے ساتھ صحبت کرے یا غلام آقا کی باندی کے ساتھ صحبت کرے اور کہے کہ میں اس سے آگاہ تھا کہ وہ
أَنَّهَا تَحِلُّ لِيْ لَمْ يُحَدَّ وَمَنْ وَطِئَ جَارِيَةَ أَخِيْهِ أَوْ عَمِّهٖ وَقَالَ ظَنَنْتُ أَنَّهَا تَحِلُّ لِيْ حُدَّ وَمَنْ
میرے اوپر حرام ہے تو اس پر حد کا نفاذ ہوگا اور اگر کہے میرا خیال یہ تھا کہ وہ میرے واسطے حلال ہے تو حد کا نفاذ نہ ہوگا اور جو شخص بھائی یا چچا کی باندی کے
زُفَّتْ إِلَيْهِ غَيْرُ امْرَأَتِهٖ وَقَالَتِ النِّسَاءُ أَنَّهَا زَوْجَتُكَ فَوَطِئَهَا فَلَا حَدَّ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِ الْمَهْرُ
ساتھ صحبت کرے اور کہے میرا گمان یہ تھا کہ وہ میرے لئے حلال ہے تو اس پر حد کا نفاذ ہوگا اور اگر شب زفاف میں بیوی کے علاوہ کوئی عورت یہ کہہ کر عورتیں بھیجدیں
وَمَنْ وَجَدَ امْرَأَةً عَلٰى فِرَاشِهٖ فَوَطِئَهَا فَعَلَيْهِ الْحَدُّ وَمَنْ تَزَوَّجَ امْرَأَةً لَا يَحِلُّ لَهٗ نِكَاحُهَا
کہ تیری منکوحہ ہے اور وہ اس کے ساتھ صحبت کرلے تو حد نافذ نہ ہوگی اور اس پر مہر لازم ہوگا اور جو شخص کسی عورت کو اپنے بستر پر دیکھے اور اسکے ساتھ صحبت کرلے تو اس پر

فَوَطِئَهَا لَمْ يَجِبْ عَلَيْهِ الْحَدُّ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ وَعِنْدَ هُمَا يُحَدُّ وَمَنْ أَتَى اِمْرَأَةً

نفاذِ حد ہو گا اور جو شخص ایسی عورت سے نکاح کرے جس کے ساتھ اس کیلئے نکاح حلال نہ ہو پھر اس سے صحبت کرلے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس پر حد کا وجوب

فِي الْمَوْضِعِ الْمَكْرُوهِ أَوْ عَمِلَ عَمَلَ قَوْمِ لُوطٍ فَلَا حَدَّ عَلَيْهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ وَيُعَزَّرُ

ہو گا اور صاحبینؒ کے نزدیک اس پر حد نافذ کی جائیگی اور جو شخص کسی عورت سے مکروہ مقام میں صحبت کرلے یا اسکے ساتھ قوم لوط کا سا عمل کرے تو امام ابوحنیفہؒ کے

وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللهُ هُوَ كَالزِّنَا فَيُحَدُّ وَمَنْ وَطِئَ بَهِيمَةً فَلَا حَدَّ عَلَيْهِ وَمَنْ زَنَى فِي دَارِ الْحَرْبِ

نزدیک اس پر حد نافذ نہ ہو گی بلکہ تعزیر کیجائیگی اور صاحبینؒ کے نزدیک یہ مانند زنا ہے پس حد جاری ہو گی اور جو شخص جانور سے صحبت کرے تو اس پر حد نافذ نہ

أَوْ فِي دَارِ الْبَغْيِ ثُمَّ خَرَجَ إِلَيْنَا لَمْ يُقَمْ عَلَيْهِ الْحَدُّ۔

ہو گی اور جو شخص دارالحرب یا حکومت باغیان میں مرتکب زنا ہو اسکے بعد دارالاسلام میں آجائے تو اس پر حد کا نفاذ نہ ہو گا۔

تشریح وتوضیح

ولا يجمع في المحصن بين الجلد والرجم الخ. فرماتے ہیں کہ محصن و شادی شدہ کو محض سنگسار کیا جائے گا۔ کوڑوں اور سنگساری دونوں کو اکٹھا نہ کریں گے۔ حضرت امام احمدؒ اور اصحاب ظواہر کہتے ہیں کہ کوڑے اور سنگساری دونوں کو اکٹھا کیا جائے گا۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک غیر محصن کے لئے کوڑوں اور جلاوطنی دونوں سزاؤں کو اکٹھا کرنا درست ہے۔ اس واسطے کہ مسلم شریف کی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ غیر محصن مرد وعورت کے کوڑے لگائے جائیں گے اور سال بھر کے لئے جلاوطن کر دیا جائے اور محصن مرد وعورت کو سو کوڑے لگائے جائیں۔ اور سنگسار کیا جائے۔ مگر جمہور اسے درست قرار نہیں دیتے اسلئے کہ بکثرت روایات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعزؓ وغیرہ کو کوڑے مارے بغیر سنگسار فرمایا۔ اس سے دونوں کو اکٹھا کرنے کے منسوخ ہونیکا پتہ چلا۔ اور اس کا جواب یہ بھی دیا جا سکتا ہے کہ محصن ہونے سے لاعلمی کی بنا پر اول رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کوڑوں کی سزا دی۔ پھر محصن ہونیکا پتہ چلنے پر سنگسار فرمایا۔ نسائی اور ابو داؤد کی روایت سے ایسا ہی ثابت ہوتا ہے۔ البتہ حاکم کے نزدیک جلاوطنی میں کوئی مصلحت ہو تو ایسا کرنا درست ہے۔ خلفاء ثلاثہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے جو دونوں کو اکٹھا کرنا ثابت ہوتا ہے وہ اسی مصلحت پر مبنی ہے۔

واذا زنت الحامل لم تحد الخ۔ اگر زنا کا ارتکاب کرنیوالی عورت حمل سے ہو تو تا وضع حمل حد کا نفاذ نہ ہو گا اس لئے کہ اس میں بچہ کے ہلاک ہوجانے کا قوی خطرہ ہے۔ اور اگر عورت پر کوڑوں کی حد واجب ہوتی ہو تو اس میں نفاس کے اختتام تک تاخیر کیجائے گی اور اگر اس کے لئے رجم متعین ہو تو وضع حمل کے فوراً بعد ہی حد کا نفاذ ہو گا بشرطیکہ بچہ کی کوئی پرورش کرنیوالا موجود ہو ورنہ اس وقت تک اس میں تاخیر کیجائے گی جب تک کہ بچہ کھانے پینے کے قابل نہ ہوجائے۔ غامدیہ عورت کے واقعہ سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ یہ روایت مسلم شریف میں ہے۔

واذا شهد الشهود بحد متقادم الخ۔ اگر کسی ایسی بات کے بارے میں شاہد شہادت دیں جسے کافی وقت گذر چکا ہو اور وہ بات پرانی ہو چکی ہو جو سبب حد تھی تو ان شاہدوں کی شہادت قابل قبول نہ ہو گی۔ اس واسطے کہ اس جگہ شاہدوں

کے متہم ہونے کا احتمال پیدا ہوگیا۔ وجہ یہ ہے کہ شاہدوں کو دو باتوں کا حق تھا، یا تو وہ شہادت دیتے یا پردہ پوشی کرتے اب اگر دیر کا سبب پردہ پوشی ہو تو اس قدر بعد میں شہادت دینے سے انکی اس سے عداوت کی نشاندہی ہوتی ہے اور اگر اس کا سبب پردہ پوشی نہ ہو تو تاخیر کے باعث فسق لازم آیا اور فاسق کی گواہی قابلِ قبول نہیں۔ البتہ حدِ قذف اس ضابطہ سے مستثنیٰ قرار دی گئی کہ اس کے حقوق العباد میں سے ہونیکی بنا پر تاخیر کے ساتھ بھی گواہی قابلِ قبول ہوگی۔ حدِ قذف میں دعویٰ کرنے کو شرط قرار دیا گیا تو اس تاخیر کی وجہ یہ سمجھی جائے گی کہ صاحبِ حق کی جانب سے دعویٰ نہ ہوا ہوگا۔

ولاحد علی من وطئ جاریۃ ولدہٖ الخ۔ اگر کوئی شخص اپنے لڑکے یا پوتے کی باندی کے ساتھ صحبت کرلے تو اس پر حد کا نفاذ نہ ہوگا۔ اس لئے کہ طبرانی وغیرہ میں مروی ہے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تو اور تیرے پاس جو کچھ ہے وہ تیرے باپ کا ہے۔ اس ارشاد سے صحبت کے حلال ہونیکا شبہ ہوا اور شبہ کے باعث حد ختم ہوجاتی ہے۔ اگرچہ ایسا کرنیوالے کو اس کے حرام ہونیکا خیال ہو۔ اس لئے کہ محل میں شبہ کے باعث حد کا ساقط ہونا اس کا انحصار زنا کرنیوالے کے خیال و اعتقاد کے بجائے شرعی دلیل کے اوپر ہے۔ اور اگر لڑکا اپنے والد کی باندی سے یا اپنی والدہ کی باندی سے یا اپنی زوجہ کی باندی سے صحبت کرے یا غلام آقا کی باندی کے ساتھ صحبت کرے اور وہ یہ کہتا ہو کہ مجھے اس کے خود پر حرام ہونیکا علم تھا تو اس صورت میں اس پر حد جاری ہوگی۔ اور اگر بجائے اس کے یہ کہتا ہو کہ مجھے اس کے بارے میں خود پر حلال ہونیکا گمان تھا تو حد کا نفاذ نہ ہوگا کہ حلت کے شبہ سے حد ختم ہوجاتی ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے برادر یا چچا کی باندی کے ساتھ صحبت کرلے اور یہ کہے کہ مجھے اس کے خود پر حلال ہونیکا گمان تھا تو اس کی بات قابلِ قبول قرار نہ دیتے ہوئے اسکے اوپر حد جاری کی جائے گی۔ اس لئے کہ یہاں ملکیت اموال میں اس طرح کا اتصال نہیں جسکے باعث حلت کا خیال وشبہ پیدا ہو۔

ومن زفت الیہ الخ۔ اگر شبِ زفاف میں عورتیں منکوحہ کے علاوہ کسی اور عورت کو یہ کہہ کر بھیج دیں کہ وہ تیری منکوحہ ہے اور وہ منکوحہ کے خیال سے اس کے ساتھ صحبت کرلے تو اس پر حد کا نفاذ تو نہ ہوگا البتہ مہر واجب ہوگا۔

بابُ حدّ الشرب

شراب نوشی کی حد کا ذکر

وَمَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فَأُخِذَ وَرِيحُهَا مَوْجُودَةٌ فَشَهِدَ عَلَيْهِ الشُّهُودُ بِذٰلِكَ أَوْ أَقَرَّ وَرِيحُهَا

اور جو شخص شراب نوشی کرے اور پکڑا جائے اور شراب کی بُو باقی ہو اور شاہد اس کی شہادت دیں یا وہ خود اس کا اعتراف کرے درآں

مَوْجُودَةٌ فَعَلَيْهِ الْحَدُّ وَإِنْ أَقَرَّ بَعْدَ ذَهَابِ رِيحِهَا لَمْ يُحَدَّ وَمَنْ سَكِرَ مِنَ النَّبِيذِ حُدَّ وَلَا

حالیکہ بُو پائی جائے تو اس پر نفاذِ حد ہوگا اور یہ بو زائل ہونیکے بعد اقرار کرنے پر حد جاری نہ ہوگی اور جسے نبیذ سے سُکر ہوگیا اس پر حد جاری

حَدَّ عَلَى مَنْ وُجِدَ مِنْهُ رِيحُ الْخَمْرِ أَوْ تَقَيَّأَهَا وَلَا يُحَدُّ السَّكْرَانُ حَتّٰى يُعْلَمَ أَنَّهُ سَكِرَ مِنَ

ہوگی اور جس شخص سے شراب کی بُو آرہی ہو یا اس نے شراب کی قے کی ہو تو اس پر نفاذِ حد نہیں اور نشہ والے پر اس کے علم تک حد جاری نہ ہوگی

النَّبِيْذِ وَشَرِبَهٗ طَوْعًا وَلَا يُحَدُّ حَتّٰى يَزُوْلَ عَنْهُ السُّكْرُ وَحَدُّ الْخَمْرِ وَالسُّكْرِ فِي الْحُرِّ
کہ اس نشہ کا باعث نبیذ ہے اور اس کی رضا سے پی ہے اور نشہ اترنے تک حد کا نفاذ نہ ہوگا۔ حدِ شراب و نشہ برائے آزاد
ثَمَانُوْنَ سَوْطًا يُفَرَّقُ عَلٰى بَدَنِهٖ كَمَا ذَكَرْنَا فِي حَدِّ الزِّنَا وَاِنْ كَانَ عَبْدًا فَحَدُّهٗ
اسی کوڑے مقرر ہیں جو بدن پر متفرق طور سے مارے جائیں گے جس طرح ہم زنا کی حد کے بارے میں بیان کر چکے اور غلام ہونے پر
اَرْبَعُوْنَ سَوْطًا وَمَنْ اَقَرَّ بِشُرْبِ الْخَمْرِ وَالسُّكْرِ ثُمَّ رَجَعَ لَمْ يُحَدَّ وَيَثْبُتُ الشُّرْبُ
اس کے واسطے حد چالیس کوڑے مقرر ہیں اور جو شخص شراب نوشی و نشہ کے اقرار کے بعد اس سے رجوع کرلے تو اس پر حد جاری نہ ہوگی۔ شراب نوشی
بِشَهَادَةِ شَاهِدَيْنِ اَوْ بِاِقْرَارِهٖ مَرَّةً وَاحِدَةً وَلَا يُقْبَلُ فِيْهِ شَهَادَةُ النِّسَاءِ مَعَ الرِّجَالِ
دو شاہدوں کی شہادت یا خود واسکے ایک مرتبہ اقرار سے ثابت ہو جاتی ہے اور اس کے اندر مردوں کے ساتھ عورتوں کی شہادت قبول نہیں کی جاتی۔

تشریح و توضیح

وَمَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فَاُخِذَ الخ۔ کوئی شخص شراب نوشی کرے اور پھر اسے اس حال میں پکڑ لیا جائے کہ اس کے منہ سے شراب کی بو آرہی ہو جس سے اس کی شراب نوشی ظاہر ہو رہی ہو یا شراب نہ ہو بلکہ کسی اور نشہ والی شئے کے پی لینے سے نشہ ہو گیا ہو خواہ نبیذ ہی کیوں نہ ہو پھر دو مرد اسکی شراب نوشی کی شہادت دیں یا دوسرا کوئی شہادت نہ دے وہ از خود شراب نوشی کا اعتراف کرے اور اس کے اعتراف کی تصدیق اس کے منہ سے آنیوالی شراب کی بُو سے ہو رہی ہو تو اس پر حد جاری ہوگی اور اگر وہ اقرار تو کرے مگر اسوقت کرے جبکہ بدبو زائل ہو چکی ہو جس سے اس کے اقرار کی تصدیق ہوتی تو اس صورت میں حد جاری نہ ہوگی۔

وَمَنْ سَكِرَ مِنَ النَّبِيْذِ حُدَّ الخ۔ بجز شراب کے دوسری چیزوں میں تفصیل یہ ہے کہ اگر اس کے پینے کی بنا پر نشہ ہو گیا ہو تو حد جاری ہوگی ورنہ حد کا نفاذ نہ ہوگا۔ اور رہا شراب کا جہاں تک تعلق ہے اس میں نفاذ حد کیلئے نشہ کی کوئی قید نہیں ہے اگر کسی شخص کے منہ سے بوئے شراب آرہی ہو یا اس نے شراب کی قے کی ہو تو دونوں صورتوں میں حد جاری نہ ہوگی۔ اسلئے کہ اس میں یہ احتمال موجود ہے کہ کسی نے زبردستی پلادی ہو اور وہ اس پر کسی طرح راضی نہ ہو۔

وَحَدُّ الْخَمْرِ وَالسُّكْرِ الخ۔ شراب نوشی کی حد کوڑے لگانا ہے یہ تو حدیث سے ثابت ہے۔ ارشاد ہے کہ "جو شراب نوشی کرے اس کے کوڑے لگاؤ اور جو اعادہ کرے اس کے پھر کوڑے لگاؤ"۔ حضرت امام شافعیؒ کوڑوں کی تعداد چالیس فرماتے ہیں۔ اور یہ کہ از روئے مصلحت اسّی لگانا بھی درست ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام مالکؒ متعین طور پر اس کا عدد اسّی بتلاتے ہیں۔ اسلئے کہ حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں باجماعِ صحابہ کرامؓ اسّی کوڑے متعین ہو گئے تھے۔

بَابُ حَدِّ الْقَذْفِ

تہمت کی حد کا بیان

اِذَا قَذَفَ الرَّجُلُ رَجُلًا مُحْصَنًا اَوِ امْرَاَةً مُحْصَنَةً بِصَرِيْحِ الزِّنَا وَطَالَبَ الْمَقْذُوْفُ بِالْحَدِّ
جب کوئی شخص کسی محصن مرد یا محصنہ عورت کو صراحۃً زنا سے متہم کرے اور تہمت لگایا گیا شخص حد کا طالب ہو تو

حَدَّهُ الحاكمُ ثمانينَ سَوْطًا اِنْ كَانَ حُرًّا يُفَرِّقُ عَلَى اَعْضَائِهِ وَلَايُجَرَّدُ مِنْ ثِيَابِهِ غَيْرَ
حاکم آزاد ہونے پر اس کے اسّی کوڑے مارے ۔ اعضاء پر متفرق طور سے مارے اور اس کے بدن سے پوستین اور
اَنَّهُ يُنْزَعُ عَنْهُ الفَرْوُ وَالحَشْوُ وَاِنْ كَانَ عَبْدًا جَلَدَهُ اَرْبَعِينَ سَوْطًا وَالاِحْصَانُ اَنْ
روئی دار کپڑے کے علاوہ اور کپڑا نہ اتارے ۔ اور غلام ہونے پر اس کے چالیس کوڑے مارے جائیں اور محصن اسے کہتے ہیں
يكونَ المَقذوفُ حُرًّا بالغًا عَاقلًا مُسلمًا عفيفًا عَنْ فِعلِ الزّنا وَمَن نفى نسبَ غيرِه فقالَ
کہ تہمت لگایا گیا شخص آزاد ہو، بالغ ہو، عاقل ہو، مسلمان ہو اور فعل زنا سے پاک ہو۔ اور جو شخص کسی کے نسب کا انکار کرتے ہوئے کہے
لَستَ لَابِيكَ اَو يا ابنَ الزانيةِ وَاُمُّهُ مُحصنةٌ ميتةٌ فطالَبَ الابنُ بحدّها حُدَّ القاذفُ
کہ اپنے والد سے نہیں یا کہے اے زنا کرنیوالی کے لڑکے درانحالیکہ اس کی محصنہ ماں کا انتقال ہو چکا ہو اور لڑکا اسکی حد کا طلبگار ہو تو تہمت
وَلا يُطالِبُ بحدّ القذفِ للميّتِ اِلّا مَنْ يقعُ القدحُ فِي نسبِهِ بقذفِهِ وَاِذا كانَ المَقذوفُ
لگانیوالے پر حد کا نفاذ ہوگا اور وفات یافتہ شخص کی جانب سے محض اسی کو حد قذف کا مطالبہ درست ہے جس کے نسب کے اندر بوجہ تہمت فرق آرہا ہو
مُحصنًا جَازَ لابنِهِ الكافرِ وَالعَبدِ اَنْ يطالِبَ بالحدّ وَلَيسَ للعَبدِ اَنْ يطالِبَ مَولاهُ بقذفِ
اور تہمت لگائے گئے شخص کے محصن ہونے پر اسکے کافر لڑکے اور غلام کیواسطے طالب حد ہونا درست ہے اور غلام کیواسطے یہ درست نہیں کہ اسکی آزاد
اُمِّهِ الحُرَّةِ وَاِنْ اَقَرَّ بالقذفِ ثمّ رَجَعَ لَمْ يقبلْ رجوعُهُ وَقالَ لعَرَبِيٍّ يَا نَبَطِيُّ
والدہ پر آقا کے تہمت لگانے کے باعث آقا پر نفاذ حد کا طالب ہو اور اقرار تہمت کے بعد اس سے رجوع قابل قبول نہ ہوگا اور کوئی شخص کسی عربی کو
لَمْ يُحَدَّ وَمَنْ قالَ لِرَجُلٍ يا ابنَ مَاءِ السَّمَاءِ فلَيسَ بقاذِفٍ وَاِذَا نسبَهُ اِلَى عَمِّهِ اَو
اے نبطی کہدے تو حد قذف کا نفاذ نہ ہوگا اور کوئی شخص کسی کو "یا ابن ماء السماء" کہے تو اسے تہمت لگانیوالا قرار نہ دینگے اور کسی کو اس کے چچا یا اسکے
اِلَى خَالِهِ اَوْ اِلَى زَوجِ اُمِّهِ فَلَيسَ بقاذِفٍ وَمَنْ وَطِئَ وَطئًا حَرَامًا فِي غَيرِ مُلكِهِ لَمْ
ماموں یا اس کی والدہ کے خاوند کی جانب منسوب کرنے سے منسوب کرنیوالا قاذف شمار نہ ہوگا اور جو شخص دوسرے کی ملک میں وطی حرام کرے تو اس
يُحَدَّ قَاذِفُهُ وَالمُلَاعِنَةُ بولدٍ لَايُحَدُّ قاذفُهَا ۔
تہمت لگانیوالے پر حد کا نفاذ نہ ہوگا اور بچہ کے باعث لعان کرنیوالی عورت کے قاذف پر حد جاری نہ ہوگی۔

لغات کی وضاحت: ۔ قذف: متہم کرنا ۔ مقذوف: متہم کیا ہوا ۔ ثمانین: اسّی ۔ جلد: کوڑے لگانا
قاذف: متہم کرنے والا ۔

تشریح وتوضیح

باب حد القذف ۔ از روئے لغت قذف پتھر پھینکنے کے معنی میں آتا ہے اور شرعی اعتبار سے قذف کسی کو زنا سے متہم کرنے کو کہا جاتا ہے ۔ بالاتفاق سارے ائمہ نے اس کا شمار گناہ کبیرہ میں کیا ہے ۔ بخاری ومسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سات ہلاک کرنیوالی چیزوں سے بچو۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسولؐ وہ کیا ہیں

ارشاد ہوا۔ اللہ کے ساتھ شرک اور سحر اور ایسے نفس کو قتل کرنا جسے اللہ نے حرام کیا مگر حق کے ساتھ اور سود خوری اور یتیم کا مال کھانا اور دشمن سے مقابلہ کیوقت فرار ہونا اور پاک دامن برائی سے بے خبر مومنہ عورتوں پر زنا کی تہمت لگانا۔

اذا قذف الرجلُ رجلاً محصناً الخ۔ اگر کسی شخص نے کسی شادی شدہ مرد یا شادی شدہ عورت کو زنا کے ساتھ متہم کیا اور تہمت لگائے گئے نے اس پر قاذف کی حد کا مطالبہ کیا تو حاکم اس صورت میں متہم کرنے والے کے اسّی کوڑے لگائے گا۔ اس لئے کہ ارشادِ ربانی ہے "وَالذین یرمُونَ المحصنٰتِ ثم لم یأتوا باربعۃ شہداء فاجلدُوا ھم ثمانین جلدۃً ولا تقبلُوا لہم شہادۃً ابداً" (اور جو لوگ (زنا کی) تہمت لگائیں پاکدامن عورتوں کو اور پھر چار گواہ (اپنے دعوے پر) نہ لاسکیں تو ایسے لوگوں کو اسّی دُرّے لگاؤ اور انکی گواہی قبول مت کرو)۔ یہ اسّی کوڑے لگائے جانیکا حکم اس صورت میں ہے جبکہ متہم کرنے والا آزاد شخص ہو۔ اور اس کے غلام ہونیکی شکل میں آزاد کے مقابلہ میں اس کی نصف حد ہو جائے گی یعنی چالیس کوڑے مارے جائینگے۔

ولا یطالب بحد القذف للمیت الخ۔ فرماتے ہیں وفات یافتہ کی جانب سے محض اسی کو حدقذف کے مطالبہ کا حق حاصل ہے جس کا نسب اس تہمت کے باعث متاثر ہو رہا ہو اور اس کی وجہ سے اس میں فرق آرہا ہو۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک ورثاء میں سے ہر ایک کو حدقذف کے مطالبہ کا حق حاصل ہے۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک مطالبۂ حدقذف میں بھی وراثت کا نفاذ ہوتا ہے۔

ولیس للعبد ان یطالب مولاہ الخ اگر کسی غلام کا آقا اسے یا ابن الزانیہ کہہ کر پکارے دراں حالیکہ اس کی والدہ آزاد و محصنہ ہو تو غلام کو اس کا حق نہیں کہ وہ آقا کے اس کہنے پر حدقذف کا طلبگار ہو۔ اس لئے کہ غلام کو اپنی ذات کیلئے بھی آقا پر حدِقذف طلب کرنیکا حق نہیں تو ماں کے سلسلہ میں اسے کیسے حق حاصل ہوگا۔

ومن قال لرجلٍ یا ابن ماءِ السماء الخ۔ اگر کسی نے کسی شخص کو "یا ابن ماء السماء" سے آواز دی تو اس کہنے سے کہنے والے پر حدِقذف لازم نہیں آئے گی۔ اس لئے کہ اس قول کے ذریعہ جود وسخاوت سے تشبیہ دینا مقصود ہوتا ہے۔ یہ لقب ایک ایسے شخص کا تھا جو دورِ قحط سالی میں لوگوں پر فیاضی سے اپنا مال خرچ کرتا اور ان کے ایسے سخت وقت میں کام آتا تھا۔

واذا نسبہ الیٰ عمہٖ الخ۔ اگر کوئی شخص کسی کی نسبت اس کے چچا کی جانب کرے یا اس کے ماموں یا اس کی والدہ کے خاوند کی جانب اس کی نسبت کر دے تو اس نسبت کو متہم کرنا قرار نہ دیں گے۔ اس واسطے کہ ان میں سے ہر ایک کیلئے لفظ اَب بولا جانا ثابت ہے۔ ارشادِ ربانی ہے "قالوا نعبدُ الٰہکَ والٰہ آبائکَ ابراہیمَ واسماعیلَ واسحٰقَ الٰہاً واحداً" (انھوں نے (بالاتفاق) جواب دیا کہ ہم اس کی پرستش کریں گے جس کی آپ اور آپ کے بزرگ (حضرت) ابراہیمؑ و اسماعیلؑ واسحٰقؑ پرستش کرتے آئے ہیں یعنی وہی معبود جو وحدہٗ لا شریک ہے) جبکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کے چچا تھے۔ علاوہ ازیں حدیث شریف میں ماموں کیلئے "اَب" کا استعمال ثابت ہے اور رہا والدہ کا خاوند تو اسے باعتبارِ عرف تربیت وغیرہ کرنے کے باعث باپ شمار کیا جاتا ہے۔

ومن وطئ وطئاً حراماً الخ۔ اگر کوئی شخص غیر کی ملکیت میں حرام وطی کا مرتکب ہو اور کوئی شخص اسے متہم کرے تو تہمت لگانے والے پر حد کا نفاذ نہ ہوگا اس واسطے کہ وہ حرام وطی کے باعث دائرۂ احصان سے نکل گیا اور محصن برقرار نہیں رہا۔

اسی طرح کسی عورت نے بچہ کے باعث لعان کیا ہو اور کوئی اسے متہم کرے تو تہمت لگانے والے پر حد کا نفاذ نہ ہوگا۔ اس لئے کہ اس میں علامتِ زنا پائی گئی یعنی بغیر باپ کے بچہ کی پیدائش۔

وَمَنْ قَذَفَ اَمَةً اَوْ عَبْدًا اَوْ كَافِرًا بِالزِّنَا اَوْ قَذَفَ مُسْلِمًا بِغَيْرِ الزِّنَا فَقَالَ يَا فَاسِقُ اَوْ يَا كَافِرُ
اور جو شخص کسی باندی یا کسی غلام یا کافر کو زنا سے متہم کرے یا کسی مسلم کو زنا کے علاوہ سے متہم کرتے ہوئے کہے اے فاسق "یا" اے کافر "
اَوْ يَا خَبِيثُ عُزِّرَ وَاِنْ قَالَ يَا حِمَارُ اَوْ يَا خِنْزِيرُ لَمْ يُعَزَّرْ وَالتَّعْزِيرُ اَكْثَرُهُ تِسْعَةٌ وَّثَلٰثُوْنَ
یا اے خبیث " تو اسے تعزیر کیجائیگی اور "اے گدھے" "یا" اے خنزیر کہنے پر تعزیر نہیں کریں گے۔ تعزیر میں بہت سے بہت کوڑوں کی تعداد
سَوْطًا وَاَقَلُّهُ ثَلٰثُ جَلَدَاتٍ وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ يَبْلُغُ بِالتَّعْزِيْرِ خَمْسَةً وَّسَبْعُوْنَ سَوْطًا
انتالیس کوڑے اور اسکی اقل تعداد تین قرار دی گئی اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تعزیر کے کوڑوں کی تعداد پچھتر تک پہونچ سکتی ہے۔
وَاِنْ رَاٰى الْاِمَامُ اَنْ يَّضُمَّ اِلَى الضَّرْبِ فِى التَّعْزِيْرِ الْحَبْسَ فَعَلَ وَاَشَدُّ الضَّرْبِ التَّعْزِيْرُ ثُمَّ
اور امام کی نظر میں اندرونِ تعزیر کوڑوں کے ساتھ قید میں ڈالنا موزوں ہو تو ایسا ہی کرے۔ تمام سے بڑھ کر سخت ضرب تعزیر کی اس
حَدُّ الزِّنَا ثُمَّ حَدُّ الشُّرْبِ ثُمَّ حَدُّ الْقَذْفِ وَمَنْ حَدَّهُ الْاِمَامُ اَوْ عَزَّرَهُ فَمَاتَ فَدَمُهُ هَدَرٌ
کے بعد ضرب زنا کی حد کی ہے اس کے بعد شراب نوشی کی حد کی اور پھر تہمت کے باعث حد کی اور جس پر حد جاری کرے یا تعزیر کرے اور اسی میں وہ
وَاِذَا حُدَّ الْمُسْلِمُ فِى الْقَذْفِ سَقَطَتْ شَهَادَتُهُ وَاِنْ تَابَ وَاِنْ حُدَّ الْكَافِرُ فِى الْقَذْفِ ثُمَّ
مرجائے تو اس کا دم معاف (ناقابل مواخذہ) ہے اور اگر مسلمان پر تہمت کے باعث حد نافذ کی گئی اس کے بعد اس نے اسلام قبول کرلیا تو اسکی
اَسْلَمَ قُبِلَتْ شَهَادَتُهُ۔
شہادت قابلِ قبول قرار دی جائیگی۔

تعزیر کے بارے میں تفصیلی حکم

تشریح و توضیح اَوْ يَا خَبِيثُ الخ ازروئے لغت تعزیر کے معنے ملامت کرنے، ادب سکھانے اور سخت مارنے کے آتے ہیں۔ اب اگر کوئی کسی کو اس طرح کے الفاظ سے خطاب کرے یا اس کی نسبت ایسی چیز کی طرف کرے جس کی شرعاً ممانعت ہو اور عرف کے اعتبار سے اسے عار قرار دیا جاتا ہو۔ مثال کے طور پر کسی کو اے فاسق یا اے خبیث کہے تو اس طرح کہنے والا لائقِ تعزیر ہوگا۔ اور اگر حرمت و عار میں سے کچھ اس پر صادق نہ آتا ہو تو کہنے والا لائقِ تعزیر نہ ہوگا۔

وَالتَّعْزِيْرُ اَكْثَرُهُ تِسْعَةٌ وَّثَلٰثُوْنَ سَوْطًا الخ۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ تعزیر کے کوڑوں کی زیادہ سے زیادہ تعداد انتالیس (۳۹) فرماتے ہیں اور حضرت امام ابو یوسفؒ کوڑوں کی زیادہ سے زیادہ تعداد پچھتر قرار دیتے ہیں۔ حضرت امام محمدؒ کو بعض

حضرات اس مسئلہ میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ قرار دیتے ہیں اور بعض کے نزدیک ان کا قول حضرت امام ابویوسفؒ کے قول کے مطابق ہے۔ حدیث شریف کی رو سے مقدار تعزیر حد کے برابر نہ ہونی چاہئے بلکہ اس سے کم رہنی چاہئے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے ازراہِ احتیاط تعزیر کے کوڑوں کی تعداد حدِ غلام یعنی چالیس کوڑوں سے ایک کم کرکے انتالیس قرار دی۔ اور حضرت امام ابویوسفؒ نے آزاد کی حد پیش نظر رکھی۔

فمات فدمہ الخ۔ اگر امام کے حد کے نفاذ یا تعزیر کے دوران حد لگائے جانیوالے یا تعزیر کئے جانے والے کی موت واقع ہوجائے تو اس کے خون کو معاف اور ناقابل مواخذہ قرار دیا گیا۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک بیت المال سے اس کی دیت کی ادائیگی لازم ہوگی۔ احنافؒ فرماتے ہیں کہ حاکم کا فعل شرعی امر کے باعث ہے اور مامور کے فعل میں سلامتی کی قید نہیں ہوتی۔

واذا حُدّ المسلم الخ۔ اگر تہمت کے باعث کسی مسلمان پر حدِ قذف لگادی گئی تو اب وہ قابلِ شہادت نہیں رہا۔ توبہ کے بعد بھی اس کی اہلیتِ شہادت لوٹ کر نہیں آئے گی۔ البتہ اگر جسے حد لگائی گئی وہ کافر ہو اور اس کے بعد وہ دائرۂ اسلام میں داخل ہوجائے تو وہ لائق شہادت شمار کیا جائے گا۔

كِتَابُ السَّرِقَةِ وَقُطَّاعِ الطَّرِيقِ

چوری اور رہزنی کا بیان

اِذَا سَرَقَ الْبَالِغُ الْعَاقِلُ عَشَرَةَ دَرَاهِمَ اَوْ مَا قِيْمَتُهُ عَشَرَةُ دَرَاهِمَ مَضْرُوْبَةً اَوْ غَيْرَ
اگر بالغ عاقل دس دراھم کی یا ایسی شئی کی جو دس دراہم کی قیمت والی ہو چوری کرے اور دراہم ٹھپہ دار ہوں یا بغیر ٹھپہ کے

مَضْرُوْبَةٍ مِنْ حِرْزٍ لَا شُبْهَةَ فِيْهِ وَجَبَ عَلَيْهِ الْقَطْعُ وَالْعَبْدُ وَالْحُرُّ فِيْهِ سَوَاءٌ وَيَجِبُ الْقَطْعُ
ایسے مقام سے جہاں غیر محفوظ ہونے کا شبہ نہ ہو تو ہاتھ کاٹنا واجب ہوگا غلام اور آزاد کا حکم اس میں یکساں ہے چوری کرنیوالے کے

بِاِقْرَارِهٖ مَرَّةً وَاحِدَةً اَوْ بِشَهَادَةِ شَاهِدَيْنِ وَاِذَا اشْتَرَكَ جَمَاعَةٌ فِيْ سَرِقَةٍ فَاَصَابَ
ایک مرتبہ اقرار یا دو شاہدوں کی شہادت سے ہاتھ کاٹنا واجب ہوجائیگا اور ایک جماعت اگر شریک سرقہ ہو اور ان میں سے ہر ایک

كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ عَشَرَةُ دَرَاهِمَ قُطِعَ وَاِنْ اَصَابَهٗ اَقَلَّ لَمْ يُقْطَعْ۔
بقدر دس دراہم چوری کا مال پائے تو ہاتھ کاٹا جائیگا اور اس سے کم پہونچنے پر ہاتھ نہیں کاٹا جائیگا۔

لغات کی وضاحت :- السرقۃ : چوری۔ قطاع الطریق : چور، ڈاکو۔ مرۃ : ایک مرتبہ۔ اقل : کم۔

تشریح وتوضیح — چوری کی سزا کا بیان

کتاب السرقۃ۔ ازروئے لغت بلا اجازت کسی کی کوئی چیز پوشیدہ طریقہ سے لے لینے کا

نام سرقہ ہے۔ اور شرعی اعتبار سے جس سرقہ پر سزا کا نفاذ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ کوئی عاقل کسی شخص کی اس طرح کی شئ پوشیدہ طور پر اٹھالے جو با عتبار قیمت دس دراھم کے بقدر ریا اس سے زیادہ ہو اور اس چیز کی حفاظت کی گئی ہو کہ کسی جگہ حفاظت سے رکھی گئی ہو۔ اصحابِ ظواہر و خوارج ہاتھ کاٹنے کی سزا کیواسطے کسی مقدار کی تعیین نہیں کرتے اس لئے کہ آیت کریمہ "السارق والسارقۃ" مطلق ہے۔ اس کی رو سے خواہ کم مقدار کی چوری کرے تب بھی ہاتھ کاٹا جائے گا۔ مگر ان کا یہ کہنا درست نہیں اسلئے کہ اس اعتبار سے تو مثلاً ایک دانۂ گندم و جو وغیرہ چرانے پر بھی ہاتھ کاٹنا چاہئے مگر اس صورت میں ہاتھ کاٹنے کا حکم کوئی بھی نہیں دیتا۔ حضرت امام شافعیؒ چوتھائی دینار کے بقدر چوری پر ہاتھ کاٹنے کا حکم فرماتے ہیں۔ ان کا مستدل بخاری و مسلم میں مروی ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی یہ روایت ہے کہ چور کا ہاتھ نہ کاٹو مگر یہ کہ وہ چوتھائی دینار یا اس سے زیادہ کی چوری کرے۔ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمدؒ کے نزدیک تین دراہم کی چوری پر ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اس لئے کہ بخاری و مسلم میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے تین دراہم کی قیمت کی ڈھال چرانے والے کا ہاتھ کاٹا۔ احنافؒ کے نزدیک نصابِ سرقہ جس پر ہاتھ کاٹا جاتا ہے وہ دس دراہم ہیں۔ دار قطنی وغیرہ میں حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا مگر دس دراہم کی چوری میں۔

ویجب القطع باقرارہٖ مرۃً الخ۔ اگر چرانے والا ایک بار چوری کا اعتراف کر چکا ہو یا دو مردوں نے اس کی شہادت دی ہو تو اس صورت میں چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم ہوگا۔ چوری کے شاہدوں کیلئے یہ ناگزیر ہے کہ وہ مرد ہوں۔ اس سلسلہ میں عورتوں کی شہادت قابلِ اعتبار نہیں اور اگر ایسا ہو کہ چرانیوالا ایک نہ ہو بلکہ متعدد افراد ہوں یعنی پوری جماعت ہو اور ہر ایک کے پاس دس دراہم کے بقدر مال پہنچا ہو خواہ مال چرانیوالے بعض افراد ہوں اور دوسرے محافظ و نگراں ہوں تو ان سب کے ہاتھ کاٹے جانیکا حکم ہوگا اس لئے کہ رفع فتنہ کی یہی صورت ہے کہ ان محافظین کو بھی چرانے والوں کے برابر سزا دی جائے۔

وَلَا يُقْطَعُ فِيْمَا يُوْجَدُ تَافِهًا مُبَاحًا فِيْ دَارِ الْاِسْلَامِ كَالْخَشَبِ وَالْحَشِيْشِ وَالْقَصَبِ وَالسَّمَكِ
اور دار الاسلام میں پائی جانیوالی معمولی اور مباح اشیاء کی چوری پر ہاتھ نہیں کاٹیں گے مثلاً لکڑی اور گھاس اور بانس اور مچھلی
وَالصَّيْدِ وَلَا فِيْمَا يَسْرُعُ اِلَيْهِ الْفَسَادُ كَالْفَوَاكِهِ الرَّطْبَةِ وَاللَّبَنِ وَاللَّحْمِ وَالْبِطِّيْخِ وَالْفَاكِهَةِ
اور شکار۔ اور تیزی سے خراب ہونیوالی اشیاء مثلاً تر میووں اور دودھ اور گوشت اور تربوز اور درخت پر موجود میوے اور
عَلَى الشَّجَرِ وَالزَّرْعِ الَّذِيْ لَمْ يُحْصَدْ وَلَا قَطْعَ فِي الْاَشْرِبَةِ الْمُطْرِبَةِ وَلَا فِي الطَّنْبُوْرِ وَلَا
بغیر کٹی کھیتی کی چوری پر ہاتھ نہیں کاٹیں گے اور نشہ آور شرابوں اور باجہ کی چوری پر ہاتھ نہیں کاٹا جائیگا۔ اور نہ قرآن شریف
فِيْ سَرِقَةِ الْمُصْحَفِ وَاِنْ كَانَتْ عَلَيْهِ حِلْيَةٌ وَلَا فِيْ صَلِيْبِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَلَا الشِّطْرَنْجِ
چرانے پر ہاتھ کاٹا جائے گا خواہ اس پر سونے کا کام ہی کیوں نہ ہو اور نہ سونے چاندی کی صلیب میں اور نہ شطرنج

وَلَا النرد وَلَا قطعَ علی سارق الصبیّ الحُرّ وَإن کَانَ عَلیہ حلی وَلا سارقِ العبدِ الکبیرِ
اور نرد کی چوری پر ہاتھ کٹے گا اور نہ کم عمر آزاد بچہ کی چوری کرنیوالے کا ہاتھ کاٹا جائیگا خواہ وہ زیور پہنے ہوئے ہو اور بڑی عمر کے غلام چرانے

وَیُقطع سَارِقُ العَبدِ الصغیرِ وَلَا قطعَ فِی الدفاترِ کلّہا الّا فِی دفاترِ الحسَابِ وَلَا یُقطعُ
والے کا ہاتھ نہیں کٹے گا۔ اور نابالغ غلام کی چوری کرنیوالے کا ہاتھ کاٹا جائیگا اور بجز حساب کے رجسٹروں کے اور رجسٹروں کے چرانے پر ہاتھ نہیں

سَارِقُ کلبٍ وَلا فہدٍ وَلَا دفٍّ وَلا طبلٍ وَلَا مِزمارٍ وَیُقطعُ فِی السَّاجِ وَالقنَاءِ وَالابنوسِ
کٹے گا اور کتا اور چیتا اور دف اور ڈھول و سارنگی چوری کرنیوالے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور ساگون کی چوری کرنیوالے اور نیزہ کی لکڑی

وَالصندلِ وَإذا اتخذ مِنَ الخشَبِ أوَانیَ أوْ ابوابٌ قُطِعَ فیہَا وَلَا قطعَ علیٰ خائنٍ وَلَا
چرانیوالے اور آبنوس و صندل کی چوری کرنیوالے کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور لکڑی چرا کر برتن یا دروازہ بنانیوالے کا ہاتھ کاٹا جائیگا اور خیانت

خائنۃٍ وَلَا نبّاشٍ وَلَا منتہبٍ وَلَا مُختلسٍ وَلَا یُقطع السَّارِقُ مِن بیتِ المَالِ وَلَا مِن
کرنیوالے مرد اور عورت اور کفن چرانیوالے اور لوٹنے والے اور اچکے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائیگا اور بیت المال سے چوری کرنیوالے اور ایسے مال

مَالٍ لِلسارِقِ فیہِ شرکۃٌ وَمَن سَرَقَ مِن أبویہِ أوْ ولدہٖ أوْ ذِی رَحمٍ مَحرمٍ مِنہُ لَمْ
سے چرانیوالے جس میں اس کا اشتراک ہو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور اپنے ماں باپ یا اپنے لڑکے یا اپنے ذی رحم محرم کی چوری کرنیوالے

یُقطع وَکذٰلِکَ إذا سَرقَ أحَدُ الزوجَینِ مِنَ الآخرِ أوْ العبدُ مِن سَیّدہٖ أوْ مِن إمرأۃِ
کا ہاتھ نہ کٹے گا ایسے ہی شوہر و بیوی میں سے ایک کے دوسرے کی چیز چرانے یا غلام کی آقا کے مال یا آقا کی اہلیہ یا اپنی سیدہ کے خاوند کا

سَیّدہٖ أوْ مِن زَوجِ سَیّدتہٖ أوِ المَولیٰ مِن مکاتبہٖ وَکذٰلِکَ السَّارِقُ مِنَ المَغنمِ۔
یا آقا کے اپنے ہی مکاتب کی چوری کرنے پر ہاتھ نہیں کٹے گا اور ایسے ہی مالِ غنیمت سے چوری کرنیوالے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائیگا۔

چوری کے باعث ہاتھ کاٹے جانے اور نہ کاٹے جانیکا بیان

تشریح وتوضیح

ولا یقطع فیما یوجد الخ۔ احادیثِ مرفوعہ سے ثابت ہے کہ حقیر شئے کی چوری پر ہاتھ نہیں کاٹا جاتا تھا۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت عروہؓ کی ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں حقیر شئے کی چوری پر ہاتھ نہیں کاٹتے تھے۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت سائبؓ سے روایت ہے کہ میں نے پرند کی چوری پر کسی کا ہاتھ قطع ہوتے نہیں دیکھا۔ مصنف عبدالرزاق میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس ایسا شخص لایا گیا جس نے کھانا چرالیا تھا تو آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ نہیں کاٹا۔

ولا فی سرقۃ المصحف الخ۔ قرآن شریف کی چوری پر ہاتھ نہیں کاٹا جائیگا کیونکہ اس میں شبہ ہے کہ اس نے تلاوت

کیلئے اٹھایا ہو اور حد شبہ کی بنا پر ختم ہو جاتی ہے۔

ولا یقطع السارق من بیت المال الخ۔ اگر کسی نے بیت المال سے کوئی چیز چرالی تو اس پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اس لئے کہ وہ سارے مسلمانوں کا ہے اور اس زمرے میں یہ چرانیوالا بھی آتا ہے مگر شرط یہ ہے کہ وہ مسلم ہو۔

ومن سرق من ابویہ الخ۔ ماں باپ میں سے کسی کا مال چرانے یا اسی طرح اپنے لڑکے، اپنی بیوی یا کسی ذی رحم محرم کے مال میں سے چرائے تو اس کی وجہ سے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اس لئے کہ قرابت کے باعث اس میں ناگوار نہ ہونیکا شبہ پیدا ہوگیا اور شبہ کی بنا پر حد ختم ہو جاتی ہے۔ اس طرح شوہر و بیوی میں باہم بے تکلفی ہوتی ہے لہٰذا شوہر بیوی کا یا بیوی شوہر کا مال چرالے تو ہاتھ نہیں کاٹا جائیگا اس لئے کہ اس کی حفاظت میں شبہ پیدا ہو گیا۔ یہی حکم مالِ غنیمت کی چوری کرنیوالے کا ہوگا۔

وَالحِرزُ عَلیٰ ضَربَینِ حِرزٌ لِمَعنًی فِیہِ کَالدُّورِ وَالبُیوتِ وَحِرزٌ بِالحَافِظِ فَمَن سَرَقَ عَیْنًا
اور محفوظ مقام کی دو صورتیں ہیں ایک تو کہ وہ مقام ہی حفاظت کا ہو مثلاً مکانات اور کمرے۔ دوسری صورت یہ کہ بواسطہ محافظ حفاظت ہو پس جو
مِن حِرزٍ اَو غَیرِ حِرزٍ وَصَاحِبُہٗ عِندَہٗ یَحفَظُہٗ وَجَبَ عَلَیہِ القَطعُ وَلَا قَطعَ عَلیٰ مَن سَرَقَ مِن
شخص چوری کرے محفوظ مقام سے یا غیر محفوظ مقام سے درانحالیکہ اس کا مالک اسکی حفاظت کر رہا ہو تو اسکا ہاتھ کاٹا جائیگا۔ حمام سے چرانیوالے
حَمَّامٍ اَو مِن بَیتٍ اُذِنَ لِلنَّاسِ فِی دُخُولِہٖ وَمَن سَرَقَ مِنَ المَسجِدِ مَتَاعًا وَصَاحِبُہٗ عِندَہٗ
یا ایسے مکان سے چرانیوالے کا جس میں داخلہ کی اجازت عطا کر دی گئی ہو ہاتھ نہیں کاٹا جائیگا اور جو شخص مسجد سے سامان چرالے دراں حالیکہ
قُطِعَ وَلَا قَطعَ عَلَی الضَّیفِ اِذَا سَرَقَ مِمَّن اَضَافَہٗ وَاِذَا نَقَبَ اللِّصُّ البَیتَ وَدَخَلَ فَاَخَذَ
سامان کا مالک اسکے نزدیک ہو تو کاٹا جائیگا اور میزبان کی کسی چیز کو مہمان کے چرا لینے پر اسکا ہاتھ نہیں کاٹا جائیگا اور اگر چور نقب لگا کر مکان میں داخل
المَالَ وَنَاوَلَہٗ اٰخَرَ خَارِجَ البَیتِ فَلَا قَطعَ عَلَیہِمَا وَاِن اَلقَاہُ فِی الطَّرِیقِ ثُمَّ خَرَجَ فَاَخَذَہٗ
ہو اور پھر وہ سامان اٹھا کر مکان سے باہر دوسرے کو دیدے تو دونوں میں سے کسی کا ہاتھ نہیں کاٹا جائیگا اور اگر اسے راستہ میں ڈال کر نکلنے کے بعد اسکو
قُطِعَ وَکَذٰلِکَ اِذَا حَمَلَہٗ عَلیٰ حِمَارٍ وَسَاقَہٗ فَاَخرَجَہٗ وَاِذَا دَخَلَ الحِرزَ جَمَاعَۃٌ فَتَوَلّٰی
اٹھا کر لیجائے تو ہاتھ کٹے گا ایسے ہی اگر اسے گدھے پر لادے اور اسے ہانک کر باہر لے آیا ہو اور اگر محفوظ مقام میں ایک جماعت داخل ہو کر انمیں
بَعضُہُم الاَخذَ قُطِعُوا جَمِیعًا وَمَن نَقَبَ البَیتَ وَاَدخَلَ یَدَہٗ فِیہِ وَاَخَذَ شَیئًا لَم یُقطَع وَاِن
سے بعض مال لے لیں تو تمام کے ہاتھ کٹینگے اور اگر کسی نے مکان میں نقب لگا کر کسی چیز کو اٹھا لیا تو ہاتھ نہیں کٹے گا اور اگر سنار کے
اَدخَلَ یَدَہٗ فِی صُندُوقِ الصَّیرَفِیِّ اَو فِی کُمِّ غَیرِہٖ وَاَخَذَ المَالَ قُطِعَ۔
صندوق میں ہاتھ ڈال کر یا کسی شخص کی جیب میں ہاتھ ڈال کر مال نکال لے تو ہاتھ کٹے گا۔

حرز کی قدرے تفصیل

تشریح و توضیح

وَ الحِرزُ علیٰ ضربَین الخ - از روئے لغت حرز محفوظ مقام کو کہا جاتا ہے۔ اور شرعی عبار سے حرز ایسا مقام کہلاتا ہے جہاں از روئے عادت حفاظت مال کیا کرتے ہوں۔ حرز دو قسموں پر مشتمل ہے (۱) کسی محفوظ مقام مثلاً کسی مکان اور صندوق وغیرہ سے کسی چیز کا چرانا (۲) ایسی جگہ سے چرانا جو محفوظ نہ ہو مگر اس چیز کا مالک اس کی حفاظت کر رہا ہو تو ان دونوں صورتوں میں چرانیوالے کا ہاتھ کٹے گا۔ اور اگر کسی نے چوری حمام (غسلخانہ) یا اس طرح کے مکان سے کی ہو جس میں عموماً لوگوں کے آنیکی اجازت دی گئی ہو تو اس صورت میں ہاتھ نہیں کاٹیں گے۔ اسواسطے کہ عام اجازت کے باعث اس کا شمار محفوظ مقام میں نہیں رہا۔ اور اگر کسی نے مسجد سے کوئی چیز چرائی درانحالیکہ اس چیز کا مالک اس کے قریب ہو تو اس صورت میں ہاتھ کاٹنے کا حکم ہوگا۔ مؤطا امام مالک اور نسائی وغیرہ میں روایت ہے کہ حضرت صفوان ابن امیہ رضی اللہ عنہ اپنے سر کے نیچے چادر رکھ کر سو گئے اور وہ چادر چور نے چرالی۔ پھر چادر کے ساتھ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ کاٹنے کا حکم فرمایا۔

وَلا قطع علی الضیف الخ اگر میزبان کی کسی چیز کو مہمان نے چرالیا تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائیگا۔ اس لئے کہ میزبان کی جانب سے مہمان کو جب اجازت مل گئی تو مکان کا درجہ اس کے سلسلہ میں حرز کا نہ رہا اور اس کیلئے حکم حرز نہ ہوگا اور اگر ایسا ہو کہ چور نقب لگائے اور پھر مکان کی شے باہر پھینکدے اور پھر اسے خود باہر نکل کر اٹھائے اور لے جائے تو اس صورت میں اس کا ہاتھ کٹے گا۔ وجہ یہ ہے کہ چیز کا باہر پھینکدینا یہ چوری کی ایک تدبیر ہے۔

واذا دخل الحرز جماعۃ الخ۔ اور اگر مکان میں بہت سے افراد یعنی پوری جماعت داخل ہوا اور پھر ان میں سے بعض افراد مال اٹھالیں تو اس صورت میں یہ چوری سب کی شمار ہوگی اور ان میں سے ہر ایک کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اسی طرح جو شخص کسی سنار کے صندوق یا کسی شخص کی جیب میں ہاتھ ڈال کر مال نکالے تو اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم ہوگا۔

وَيُقطَعُ يمينُ السَّارِقِ مِنَ الزَّنْدِ وَتُحسَمُ فَانْ سَرَقَ ثانياً قُطِعَتْ رِجلُهُ اليُسرىٰ فَانْ سَرَقَ

اور چور کے دائیں ہاتھ کو پہونچے سے کاٹ کر اسے داغ دیں گے پھر اس کے دوسری مرتبہ چرانے پر اس کا بایاں پیر کاٹ دیا جائے گا۔

ثالثاً لَمْ يُقطَعْ وَخُلِّدَ فِي السِّجنِ حَتّٰى يَتُوبَ وَاِنْ كَانَ السَّارِقُ اَشَلَّ اليدِ اليُسرىٰ

پھر تیسری مرتبہ چوری کرنے پر کاٹنے کے بجائے اسے قید میں رکھا جائے حتیٰ کہ وہ تائب ہو جائے اور چرانیوالے کے بائیں ہاتھ شل ہونے یا

اَوْ اَقطعَ اَوْ مقطوعَ الرِّجلِ اليُمنىٰ لَمْ يُقطَعْ۔

کٹا ہوا ہونے یا دایاں پیر کٹا ہوا ہونیکی صورت میں قطع نہیں کیا جائیگا۔

تشریح و توضیح ہاتھ وغیرہ کاٹنے کا ذکر

ویقطع یمین السارق الخ۔ قطع نص سے ثابت ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے "اَلسَّارِقُ

وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ" (الآیۃ) اور دائیں ہاتھ کی تخصیص اس بارے میں مروی احادیث سے ثابت ہے۔
وتحسم الخ۔ یعنی ہاتھ کاٹنے کے بعد گرم لوہے سے داغ دیا جائے تاکہ خون رک جائے اور زیادہ خون نکل کر ہلاکت کا سبب نہ بنے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کا امر فرمایا۔ یہ روایت حاکم نے مستدرک میں اور دارقطنی وابوداؤد نے مراسیل میں نقل کی ہے۔ عندالاحناف داغ دینے کا حکم وجوبی ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک استحبابی۔

فان سرق ثانیا قطعت رجله الیسریٰ الخ۔ اگر دوسری مرتبہ چوری کا ارتکاب کرے تو بایاں پاؤں کاٹا جائے۔ اصل اس باب میں وہ حدیث ہے جو امام محمدؒ نے کتاب الآثار میں عمدہ سند کے ساتھ حضرت علیؓ سے نقل کی ہے کہ جب چور چوری کرے تو اس کا داہنا ہاتھ کاٹ دیا جائے اور دوبارہ اس کا مرتکب ہو تو بایاں پیر کاٹیں اور تیسری مرتبہ چوری کرے تو اسے قیدخانہ میں ڈال دیا جائے۔ مجھے اللہ تعالےٰ سے شرم آتی ہے کہ میں اسے اس حال میں چھوڑوں کہ نہ اس کے کھانے اور استنجے کیلئے ہاتھ ہو اور نہ چلنے کیلئے پاؤں۔ اور ابن ابی شیبہ کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے نجدہ حروری کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے قول کے مانند تحریر فرمایا کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ نے چور کے بارے میں صحابۂ کرامؓ سے مشورہ فرمایا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول کے مانند پر اجماع ہو گیا۔ اور ایک روایت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ فرمایا کہ جب کوئی چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹ دو، پھر چوری کرے تو اس کا پاؤں کاٹو دوسرا ہاتھ نہ کاٹو اور وہ کھانے اور استنجے کیلئے چھوڑ دو، البتہ تیسری بار چوری کرے تو اسے مسلمانوں سے روک دو قید کردو۔ امام شافعیؒ کے نزدیک تیسری مرتبہ چوری کے ارتکاب پر بایاں ہاتھ اور چوتھی مرتبہ چوری سرزد ہونے پر دائیں پیر کو کاٹا جائیگا اس لئے کہ یہ روایت سے ثابت ہے۔ مگر اس کا جواب دیتے ہوئے کہا گیا کہ اس روایت کو نسائی منکر قرار دیتے ہیں۔ یا کہا جائے گا کہ یہ روایت منسوخ ہو چکی۔

وان کان السارق اشل ید الیسریٰ الخ۔ اگر ایسا ہو کہ چوری کے مرتکب کا بایاں ہاتھ پہلے سے ہی شل ہو یا کٹا ہوا ہو یا دایاں پیر پہلے سے ہی کٹا ہوا ہو تو اس صورت میں اس کیلئے قطع کا حکم نہ ہوگا۔ کہ ایسی شکل میں کاٹنے کا مطلب گویا اسے ہلاک کر ڈالنا ہے۔ اسی بناء پر کاٹنے کے بجائے اس کے واسطے قید میں ڈالنے کا حکم ہوا۔ تاتوبہ وہ قید میں رکھا جائے گا۔

وَلَا يُقْطَعُ السَّارِقُ اِلَّا اَنْ يَحْضُرَ الْمَسْرُوْقُ مِنْهُ فَيُطَالِبُ بِالسَّرِقَةِ فَاِنْ وَهَبَهَا مِنَ
تاوقتیکہ جس کی چیز چرائی ہو وہ حاضر ہو کر مطالبہ نہ کرے چور کا ہاتھ نہیں کاٹیں گے۔ لہٰذا اگر وہ اپنی چیز چرانیوالے کو
السَّارِقِ اَوْ بَاعَهَا مِنْهُ اَوْ نَقَصَتْ قِيْمَتُهَا عَنِ النِّصَابِ لَمْ يُقْطَعْ وَمَنْ سَرَقَ عَيْنًا فَقُطِعَ
ہبہ کردے یا اسی کے ہاتھ فروخت کردے یا اس چیز کی قیمت نصاب کے بقدر نہ رہے تو ہاتھ نہیں کاٹیں گے اور جس شخص کا کسی چیز کے چرانے
فِيْهَا وَرَدَّهَا ثُمَّ عَادَ فَسَرَقَهَا وَهِيَ بِحَالِهَا لَمْ يُقْطَعْ وَاِنْ تَغَيَّرَتْ عَنْ حَالِهَا مِثْلَ اِنْ كَانَتْ
کے باعث ہاتھ کاٹا جائے اور وہ شے لوٹا دینے کے بعد دوبارہ چرائے درانحالیکہ وہ شے جوں کی توں باقی ہو تو ہاتھ نہیں کاٹا جائیگا اور اگر اس کی حالت

غَزلًا فَسَرَقَہٗ فَقُطِعَ فِیہِ وَرَدَّہٗ ثُمَّ نَسَجَ فَعَادَ وَسَرَقَہٗ قُطِعَ وَإِذَا قُطِعَ السَّارِقُ وَالعَیْنُ
میں تغیر ہو گیا ہو مثلاً اسکے سوت چرانے کے باعث ہاتھ کاٹا جائے اور وہ لوٹادے اسکے بعد مالک کپڑا بُن لے تو دوبارہ اسے چرالے تو ہاتھ کاٹیں گے۔
قَائِمَۃٌ فِی یَدِہٖ رَدَّھَا وَإِنْ کَانَتْ ھَالِکَۃً لَمْ یَضْمَنْ وَإِذَا ادَّعَی السَّارِقُ أَنَّ العَیْنَ
اور اگر چرانیوالے کا ہاتھ چیز جوں کی توں موجود ہوتے ہوئے کاٹا جائے تو وہ اسے لوٹائیگا اور ضائع ہو جانیکی صورت میں ضمان نہیں آئیگا اور
المَسْرُوقَۃَ مِلْکُہٗ سَقَطَ القَطْعُ عَنْہُ وَإِنْ لَمْ یُقِمْ بَیِّنَۃً ۔
اگر چرانیوالا اسکا مدعی ہو کہ چرائی گئی چیز کا وہ مالک ہے تو ہاتھ کاٹنے کا حکم نہ رہیگا خواہ وہ اس پر بینہ نہ پیش کرے

چوری سے متعلق کچھ اور احکام

تشریح و توضیح ولا یقطع السارق الا ان یحضر المسروق منہ الخ. فرماتے ہیں کہ چور کا ہاتھ کاٹے جانیکا جہاں تک تعلق ہے وہ صرف اسی صورت میں کاٹا جائیگا جبکہ وہ شخص حاضر ہو کر مطالبہ کرے جس کے مال کی چوری ہوئی ہو۔ اس واسطے کہ چوری کے اظہار کے لئے دعویٰ ناگزیر ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک اقرار کی صورت میں یہ ناگزیر نہیں کہ وہ شخص حاضر ہو کر مطالبہ کرے جس کا مال چرایا گیا ہو۔

ومن سرق عیناً فقطع الخ. اگر کوئی شخص کسی شئ کو چرالے اور اس کے باعث اسکا ہاتھ کاٹا جائے اور وہ شئے اس کے مالک کو لوٹادی جائے اور ابھی وہ شئے جوں کی توں باقی ہو کہ وہ پھر اسے چرالے تو ازروئے قیاس ہاتھ دوبارہ کٹنا چاہئے۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور ایک روایت کیمطابق امام ابویوسفؒ یہی فرماتے ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ اس صورت میں ہاتھ نہ کاٹے جانیکا حکم فرماتے ہیں اور اگر چوری کردہ چیز میں تغیر ہو گیا ہو مثال کے طور پر سوت چرانے پر ہاتھ کاٹا گیا ہو اور سوت لوٹادیا گیا ہو اور مالک کے اس کا کپڑا بنوانیکے بعد دوبارہ چور اسے چرالے تو ہاتھ کاٹا جائیگا اس لئے کہ اس جگہ عین چیز میں تبدیلی ہو گئی اور محل کے متحد ہونیکا شبہ باقی نہ رہا۔

واذا قطع السارق والعین قائمۃ الخ. اگر چرانیوالے کا چوری کی بنا پر ہاتھ کاٹ دیا جائے اور چوری کی ہوئی چیز اسکے پاس ابھی جوں کی توں باقی ہو تو وہ چیز مالک کو لوٹادی جائے گی اور اگر وہ باقی نہ رہی ہو بلکہ ضائع ہو گئی ہو تو اس کے ضائع ہونیکا ضمان اس پر لازم نہ ہوگا۔ اس لئے کہ حدیث شریف کے مطابق چوری کرنے والے پر نفاذ حد کے بعد اس کے اوپر کوئی تاوان واجب نہیں ہوتا۔

واذا ادعی السارق الخ. اگر چرانے والا مدعی ہو کہ اس نے جو چیز چرائی تو دراصل وہی اس کا مالک ہے تو خواہ وہ اس پر بینہ اور شاہد پیش نہ کرے مگر اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ کیونکہ شبہ کی بنا پر حد ساقط ہو جاتی ہے۔

وَإِذَا خَرَجَ جَمَاعَةٌ مُمْتَنِعُونَ أَوْ وَاحِدٌ يَقْدِرُ عَلَى الْامْتِنَاعِ فَقَصَدَ وَاقْطَعَ الطَّرِيقَ فَأُخِذُوا
اور اگر راستہ روکنے والا ایک گروہ نکلے یا ایک شخص جسے راستہ روکنے پر قدرت ہو اور ان کا ڈاکہ ڈالنے کا قصد ہو اور انھیں مال
قَبْلَ أَنْ يَأْخُذُوا مَالًا وَيَقْتُلُوا نَفْسًا حَبَسَهُمُ الْإِمَامُ حَتَّى يُحْدِثُوا تَوْبَةً وَإِنْ أَخَذُوا مَالَ مُسْلِمٍ
حاصل کرنے اور قتل سے قبل پکڑ لیا جائے تو ان کے تائب ہونے تک امام انھیں قید میں ڈال دے اور اگر انھوں نے کسی مسلم یا ذمی کا
أَوْ ذِمِّيٍّ وَالْمَأْخُوذُ إِذَا قُسِمَ عَلَى جَمَاعَتِهِمْ أَصَابَ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ عَشْرَةُ دَرَاهِمَ فَصَاعِدًا أَوْ
اسقدر مال لے لیا ہو کہ ان تمام پر بانٹا جائے تو ان میں سے ہر شخص دس دراہم یا اس سے زیادہ پائے یا اسی قدر قیمت
مَا قِيمَتُهُ ذَلِكَ قَطَعَ الْإِمَامُ أَيْدِيَهُمْ وَأَرْجُلَهُمْ مِنْ خِلَافٍ وَإِنْ قَتَلُوا نَفْسًا وَلَمْ يَأْخُذُوا مَالًا
کی کوئی چیز ہو تو امام المسلمین ان کے ہاتھ پیر خلاف طرف سے کاٹے۔ اور اگر وہ کسی کو جان سے مار ڈالیں اور مال نہ لیں تو انھیں امام
قَتَلَهُمُ الْإِمَامُ حَدًّا حَتَّى لَوْ عَفَى عَنْهُمُ الْأَوْلِيَاءُ لَمْ يُلْتَفَتْ إِلَى عَفْوِهِمْ وَإِنْ قَتَلُوا وَأَخَذُوا
حد کے طور پر موت کے گھاٹ اتارے حتیٰ کہ اولیاء کے انھیں معاف کر دینے پر بھی معافی اولیاء کی جانب متوجہ نہ ہو اور اگر وہ قتل کے ساتھ مال
مَالًا فَالْإِمَامُ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ قَطَعَ أَيْدِيَهُمْ وَأَرْجُلَهُمْ مِنْ خِلَافٍ وَقَتَلَهُمْ أَوْ صَلَبَهُمْ وَ
بھی لے لیں تو امام کو یہ حق حاصل ہے کہ خواہ ان کے ہاتھ پیر مخالف جانب سے کاٹ کر قتل کر ڈالے یا انھیں سولی پر چڑھا دے اور
إِنْ شَاءَ قَتَلَهُمْ وَإِنْ شَاءَ صَلَبَهُمْ وَيُصْلَبُونَ أَحْيَاءً وَتُبْعَجُ بُطُونُهُمْ بِالرُّمْحِ إِلَى أَنْ يَمُوتُوا
خواہ انھیں قتل کر ڈالے اور خواہ انھیں (صرف) سولی دے۔ یہ زندہ سولی پر چڑھائے جائیں اور انکے شکموں پر نیزے لگائے جائیں حتیٰ کہ مر جائیں
وَلَا يُصْلَبُونَ أَكْثَرَ مِنْ ثَلٰثَةِ أَيَّامٍ فَإِنْ كَانَ فِيهِمْ صَبِيٌّ أَوْ مَجْنُونٌ أَوْ ذُو رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنَ
اور انھیں تین روز سے زیادہ سولی پر نہ لٹکایا جائے اور ان لوگوں میں کوئی بچہ یا پاگل یا مقطوع علیہ کا ذی رحم محرم ہونے پر
الْمَقْطُوعِ عَلَيْهِ سَقَطَ الْحَدُّ عَنِ الْبَاقِينَ وَصَارَ الْقَتْلُ إِلَى الْأَوْلِيَاءِ إِنْ شَاءُوا قَتَلُوا وَإِنْ
باقی افراد سے بھی حد ساقط قرار دی جائے گی اور ان کا قتل اولیاء کی دسترس میں ہوگا کہ خواہ انھیں موت کے گھاٹ اتار دیں اور
شَاءُوا عَفَوْا وَإِنْ بَاشَرَ الْفِعْلَ وَاحِدٌ مِنْهُمْ أُجْرِيَ الْحَدُّ عَلَى جَمِيعِهِمْ۔
خواہ معافی دیدیں اور خون کرنیوالا ان میں سے ایک ہونے پر بھی حد کا نفاذ سب پر ہوگا۔

ڈاکہ زنی سے متعلق احکام

لغات کی وضاحت: اقطع الطریق: ڈاکہ ڈالنا۔ ذمی: دارالاسلام کا غیر مسلم باشندہ۔ اصاب: پہنچنا۔ خیار: اختیار۔ ارجل۔ رجل کی جمع: پاؤں۔ باشر: کام کرنیوالا۔

تشریح و توضیح وَاذاخرج جماعة ممتنعون الخ۔ اگر ایسا ہو کہ لوگوں کا ایک گروہ جو لوگوں کا راستہ روکنے اور ان سے اپنا مقصد حاصل کرنے پر قادر ہو، ڈاکہ زنی کی خاطر نکلے

یا صرف ایک ہی ایسا شخص ڈاکہ زنی کی خاطر نکلے جو اپنی طاقت و قوت کے اعتبار سے اس پر قادر ہو اور پھر انھیں اس سے قبل کہ وہ کسی کو موت کے گھاٹ اتارے یا مال لیتے پکڑ لیا جائے تو اس شکل میں امام المسلمین انھیں اسوقت تک قید میں ڈالے رکھے گا جب تک کہ وہ صدق دل سے تائب نہ ہو جائیں۔

وان اخذ وا مالاً مسلم الخ۔ اگر ڈاکہ ڈالنے والوں کا گروہ ڈاکہ زنی کی خاطر نکلے اور پھر وہ مسلم یا ذمی کا اس قدر مال لیلے کہ اگر اسے سب پر بانٹا جائے تو ہر ایک کے حصہ میں دس دراھم یا دس سے زیادہ آتے ہوں تو اس صورت میں ارشادِ ربانی " او تقطع ایدیھم وارجلھم من خلاف " (الآیۃ) کی رو سے ان کے دائیں ہاتھ اور بائیں پیر کے کاٹنے کا حکم کیا جائے گا۔

وان قتلوا نفساً ولم یاخذوا مالاً الخ۔ اگر ایسا ہو کہ وہ مال تو نہ لیں مگر کسی شخص کو ہلاک کر دیں تو انھیں از روئے حد موت کے گھاٹ اتارا جائیگا حتی کہ اگر انکو مقتول کے اولیا بھی درگذر سے کام لیتے ہوئے معافی دیدیں تو حق اللہ ہونیکی وجہ سے اولیاء کی معافی قابلِ قبول نہ ہوگی اور ان کے معاف کرنے کے باوجود ان لوگوں کو قتل کر دیا جائے گا۔ اس لئے کہ حقوق اللہ اور حدود کی معافی ہی درست نہیں۔ پھر انھیں قتل کر دینے میں تعمیم ہے خواہ کسی طرح کریں۔ عصاء وغیرہ سے کریں یا بذریعۂ تلوار۔ اس واسطے کہ اس کا شمار جزاءِ محاربہ میں ہے یہ قتل بطور قصاص نہیں لہٰذا عصاء وغیرہ اور قتل بالسیف کے درمیان کسی طرح کا فرق واقع نہ ہوگا۔

وان قتلوا واخذوا مالاً الخ۔ اگر ایسا ہو کہ وہ لوگ مال لینے کے ساتھ ساتھ کسی کو ہلاک بھی کر دیں تو اس صورت میں حاکم کو حسبِ ذیل باتوں میں سے کسی بھی بات کا حق حاصل ہوگا (۱) یا تو ان کا دایاں ہاتھ اور بایاں پیر کاٹ کر انھیں موت کے گھاٹ اتار دے اور اس کے ساتھ سولی پر چڑھادے (۲) محض موت کے گھاٹ اتار دے (۳) فقط سولی دے۔ اور اگر وہ مال لینے کے ساتھ ساتھ کسی شخص کو مجروح کر دیں تو محض دائیں ہاتھ اور بائیں پیر کے کاٹنے کا حکم ہوگا اور زخم کے باعث کسی چیز کا وجوب نہ ہوگا۔ اسلئے کہ ہاتھ کاٹنے اور ضمان، دونوں کا بیک وقت لزوم نہ ہوگا۔

تنبیہ: اوپر جو حکم بیان کیا گیا اس کا مستدل سورۂ مائدہ کی حسب ذیل آیات ہیں۔

" اِنما جزاء الذین یحاربون اللہ ورسولہٗ ویسعون فی الارض فساداً ان یقتلوا او یصلبوا او تقطع ایدیھم وارجلھم من خلاف او ینفوا من الارض ذٰلک لھم خزیٌ فی الدنیا ولھم فی الاٰخرۃ عذابٌ عظیمٌ " (جو لوگ اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسولؐ سے لڑتے ہیں اور ملک میں فساد پھیلاتے پھرتے ہیں انکی یہی سزا ہے کہ قتل کئے جائیں یا سولی دیئے جائیں یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے کاٹ دیئے جائیں یا زمین پر سے نکال دیئے جائیں۔ یہ ان کے لئے دنیا میں سخت رسوائی ہے اور ان کو آخرت میں عذاب عظیم ہوگا) معارف القرآن میں ان آیات کی تفسیر کے ذیل میں فرمایا۔ خلاصہ یہ ہے کہ پہلی آیت میں جس سزا کا ذکر ہے یہ ان ڈاکوؤں اور باغیوں پر عائد ہوتی ہے جو اجتماعی قوت کے ساتھ حملہ کر کے امنِ عامہ کو برباد کریں اور قانونِ حکومت کو علانیہ توڑنے کی کوشش کریں اور ظاہر ہے کہ اس کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں۔ مال لوٹنے، آبرو پر حملہ کرنے سے لیکر قتل و خونریزی تک سب اسی مفہوم میں شامل ہیں۔

ویصلبون احیاءً الخ۔ انھیں اول سولی پر چڑھایا جائے یا موت کے گھاٹ اتارا جائے اس سلسلہ میں مختلف روایتیں ملتی ہیں۔ ان روایتوں میں زیادہ صحیح روایت کے مطابق اول سولی پر چڑھایا جائے کہ اس شکل میں زجر اور لوگوں کے لئے عبرت کا پہلو زیادہ ہے۔ پھر اس کی رعایت رکھی جائے کہ تین روز سے زیادہ یہ سولی پر نہ رہے کیونکہ لاش کی بدبو لوگوں کیواسطے تکلیف کا باعث بنے گی۔

فان کان فیھم صبی او مجنونٌ الخ۔ اگر ان ڈاکہ زنی کرنیوالوں میں کوئی ایسا بھی ہو جو شرعی اعتبار سے غیر مکلف شمار ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر اس میں کوئی نابالغ یا پاگل ہو یا مقطوع علیہ کے کسی ذی رحم محرم کی اس میں شمولیت ہو تو اس صورت میں حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ باقی افراد سے بھی حد کے ساقط ہونیکا حکم کیا جائے گا۔ حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مال کے لینے میں نابالغ اور پاگل کی شرکت رہی ہو تو اس صورت میں انہیں سے کسی پر بھی حد کا نفاذ نہ ہوگا اور اگر محض عاقل و بالغ ہی شریک ہوں تو ان لوگوں پر حد کا نفاذ ہوگا۔ نابالغ اور پاگل پر نفاذ نہ ہوگا

وان باشر الفعل واحد منھم الخ۔ اور اگر ان لوگوں میں محض ایک مرتکبِ قتل ہوا ہو تب بھی ان تمام پر حد کا نفاذ ہوگا۔ اس لئے کہ یہ دراصل جزاءِ محاربہ ہے اور محاربہ میں شرکاء کا حکم یکساں ہوتا ہے۔

کتاب الاشربۃ

مشروبات کا بیان

اَلْاَشْرِبَۃُ الْمُحَرَّمَۃُ اَرْبَعَۃٌ اَلْخَمْرُ وَھِیَ عَصِیْرُ الْعِنَبِ اِذَا غَلَا وَاشْتَدَّ وَقَذَفَ بِالزَّبَدِ وَ
حرام شدہ شرابوں کی تعداد چار ہے (۱) شیرۂ انگور جب اس میں اسقدر جوش و تیزی ہو جائے کہ جھاگ پھینک رہا ہو
الْعَصِیْرُ اِذَا طُبِخَ حَتّٰی ذَھَبَ اَقَلُّ مِنْ ثُلُثَیْہِ وَنَقِیْعُ التَّمْرِ وَنَقِیْعُ الزَّبِیْبِ اِذَا غَلَا وَاشْتَدَّ۔
(۲) عصیر۔ کہ وہ پکانے کے بعد دو تہائی سے کم جل گیا ہو (۳) نقیع تمر و نقیع زبیب کہ جب انہیں جوش و تیزی پیدا ہو گئی ہو۔

لغات کی وضاحت: عنب: انگور۔ عصیر: شیرہ۔ غلا: جوش مارنا۔ اشتد: تیزی آنا۔

تشریح و توضیح

الاشربۃ المحرمۃ الخ۔ اس جگہ صاحبِ کتاب یہ فرما رہے ہیں کہ شراب کی یہ ذکر کردہ چاروں قسمیں حرام قرار دی گئی ہیں۔ خمر۔ دراصل انگور کے ایسے خام پانی کا نام ہے جس میں گاڑھا پن پیدا ہو کر وہ جھاگ دار ہو جائے اور جوش کے باعث ابال ظاہر ہونے لگے۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ ہر نشہ والی شئ پر خمر کا اطلاق فرماتے ہیں۔ ان کا مستدل دارقطنی وغیرہ میں مروی یہ روایت ہے کہ "ہر نشہ والی چیز خمر ہے"۔ عندالاحناف اہلِ لغت کا اس پر اجماع ہے کہ خمر کا اطلاق اسی

ذکر کردہ معنیٰ پر ہوتا ہے۔ اس کے سوا دوسرے معانی کیواسطے دیگر لفظ مستعمل ہے۔ اور رہی ذکر کردہ حدیث تو اسے مجاز پر حمل کریں گے۔ یعنی حقیقی اعتبار سے خمر کا اطلاق شراب انگوری پر ہوتا ہے مگر بعض اوقات شراب انگوری کے علاوہ پر بھی مجازاً خمر کا اطلاق کرتے ہیں۔ اسے معنیٰ مجازی پر محمول نہ کرنیکی صورت میں بھنگ وغیرہ پر بھی خمر کا اطلاق ناگزیر ہوگا۔ اس واسطے کہ یہ بھی نشہ آور ہیں جبکہ ان پر کوئی بھی خمر کا اطلاق نہیں کرتا۔

وقذف بالزبد الخ۔ اوپر ذکر کردہ تعریف خمر یہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے ارشاد کے مطابق ہے۔ حضرت امام ابویوسفؒ، حضرت امام محمدؒ اور حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ اس کے جھاگ دار ہونیکو شرط قرار نہیں دیتے۔ بلکہ محض گاڑھا پن پر ہی خمر کا اطلاق کردیتے ہیں۔

والعصیر اذا طبخ الخ۔ شراب کی قسم دوم عصیر کہلاتی ہے۔ اس کا دوسرا نام طلا رباذق بھی ہے۔ عصیر ایسی شراب کہلاتی ہے کہ جس میں شیرۂ انگور اس قدر پکائیں کہ اس کا دو تہائی سے کم جل کر وہ نشہ آور ہو جائے۔ اور شراب کی قسم سوم نقیع تمر کہلاتی ہے۔ یعنی ایسی کھجوروں کا خام رس جس میں جوش کے باعث گاڑھا پن آجائے اور نشہ آور ہو جائے۔ یہ باجماعِ صحابہؓ حرام ہے۔ اور شراب کی قسم چہارم نقیع زبیب کہلاتی ہے۔ یعنی ایسا پانی جس میں کشمش بھگوئی گئی ہو اور اس میں جوش پیدا ہو کر گاڑھا پن اور سُکر آگیا ہو۔ شراب کی ان تینوں قسموں کو حرام قرار دیا گیا۔ مگر ان کے حرام ہونیکا جہاں تک تعلق ہے بمقابلہ خمر ان میں کچھ تخفیف ہے مثلاً اگر کوئی انھیں حلال خیال کرے تو اسے دائرۂ اسلام سے خارج قرار نہ دیں گے۔ نیز جسوقت تک یہ نشہ آور نہ ہوں ان کے پینے والوں پر حد کا نفاذ نہ ہوگا اور ان کی بیع کو بھی درست قرار دیا جائے گا۔ اس لئے کہ انکی حرمت کا تعلق اجتہاد سے ہے اور خمر کا حرام ہونا اس پر نص قطعی ہے۔ لہٰذا خمر کے ایک قطرہ کے پینے کو بھی حرام قرار دیا جائیگا۔ اگرچہ اس کے پینے کی بناء پر قطعاً نشہ نہ ہو۔

ونبیذُ التمرِ والزبیبِ اذا طُبِخَ کلُّ واحدٍ منهما ادنیٰ طبخةٍ حلالٌ وان اشتدّ اذا شرب
اور نبیذ تمر و زبیب کو معمولی سا پکالینا حلال ہے۔ اگر چہ اس میں تیزی آجائے۔ بلا لہو و مستی ان کی

منهُ ما یغلبُ علیٰ ظنّہٖ انّہٗ لایُسکرُهٗ من غیرِ لهوٍ ولا طربٍ ولا بأس بالخلیطینِ ونبیذُ العسلِ
اتنی مقدار پینے میں مضائقہ نہیں کہ نشہ آور نہ ہوا۔ اور خلیطین کے پینے میں بھی مضائقہ نہیں اور شہد و

والتینِ والحنطةِ والشعیرِ والذُّرةِ حلالٌ وان لم یُطبخْ وعصیرُ العنبِ اذا طُبِخَ حتیٰ ذهبَ
انجیر و گندم اور جو و جوار کی نبیذ جوش دیئے بغیر حلال قرار دی گئی۔ اور شیرۂ انگور اس قدر پکانے پر کہ دو تہائی جل گیا

ثلثاهُ حلالٌ وان اشتدّ ولا بأس بالانتباذِ فی الدُّبّاءِ والحنتمِ والمزفّتِ والنقیرِ
ہو حلال ہوگا اگر چہ اس میں تیزی آگئی ہو اور کدو سے تیار کردہ برتن اور روغن قیر لگے ہوئے برتن اور کندہ لکڑی کے برتن میں نبیذ

اذا تخلّلتِ الخمرُ حلّت سواءٌ صارت بنفسها خلًّا او بشیءٍ طُرِحَ فیها ولا یکرهُ تخلیلُها۔
بنالینے میں مضائقہ نہیں۔ اور خمر کے سرکہ بن جانے پر وہ حلال ہو جائیگی چاہے وہ از خود سرکہ بنجائے یا اسمیں کسی شے کے ڈالنے کے باعث۔ اور خمر کا سرکہ بنالینے میں کوئی کراہت نہیں۔

وہ اشیاء جنکا پینا حلال ہے

لغات کی وضاحت :- لہو : کھیلنا ، غافل ہونا ، بھولنا - طرب - سمع سے : خوشی یا غم سے جھومنا - طرح : ڈالا ہوا - پھینکا ہوا - تخلیل : سرکہ تیار کرنا -

تشریح و توضیح ونبیذ التمر والزبیب الخ - نبیذ کی حسب ذیل چار قسموں کو حلال قرار دیا گیا (۱) ایسے بھگوئے ہوئے چھواروں اور کشمش کا پانی جسے تھوڑا سا پکا لیا گیا ہو۔ اس میں اگرچہ کچھ گاڑھا پن آ گیا ہو مگر حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام ابویوسفؒ اس کے پینے کو حلال قرار دیتے ہیں مگر اس میں شرط یہ ہے کہ لہو و لعب اور مستی کے قصد سے نہ پیئے بلکہ محض اس کے ذریعہ تقویت مقصود ہو اور صرف اس قدر مقدار ہو کہ بظنِ غالب یہ نشہ آور نہ ہوتی ہو۔ حضرت امام محمدؒ اور حضرت امام شافعیؒ اسے ہر صورت میں حرام قرار دیتے ہیں۔

ولا باس بالخلیطین الخ - اگر چھواروں کو الگ بھگو لیا جائے اور کشمش الگ۔ پھر دونوں کے ساتھ پانی کی آمیزش کر کے اسے کچھ پکا لیا گیا ہو تو اسے بھی حلال قرار دیا گیا۔ اسواسطے کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہم ایک مٹھی چھواروں اور ایک مٹھی کشمش کو رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کیواسطے برتن میں رکھ کر اس میں پانی ڈالا کرتے۔ ہم جو بوقتِ صبح بھگوتے اسے آنحضرتؐ بوقتِ شام ، اور جنھیں بوقتِ شام بھگویا کرتے انھیں رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم بوقتِ صبح نوش فرمایا کرتے تھے ۔ اسی طرح ایسی نبیذ بھی حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام ابویوسفؒ حلال قرار دیتے ہیں۔ جو جوار ، جو گندم ، انجیر اور شہد سے تیار شدہ ہو چاہے اسے پکایا جائے یا نہ پکایا جائے امام مالکؒ ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اور امام محمدؒ اسے علی الاطلاق حرام قرار دیتے ہیں خواہ اس کی مقدار کم ہو یا زیادہ۔ بزازیہ وغیرہ میں حضرت امام محمدؒ کے قول کو مفتیٰ بہ قرار دیا گیا لیکن واضح رہے کہ یہ اختلافِ فقہاء اسی صورت میں ہے کہ جب برائے عبادت حصولِ قوت کا ارادہ ہو ، ورنہ متفقہ طور پر سب کے نزدیک حرام ہوگی۔

وعصیر العنب اذا طبخ الخ - انگور کا ایسا رس جسے اسقدر پکا لیا گیا ہو کہ اس کا دو تہائی حصہ جل کر محض ایک تہائی رہ گیا اسے بھی حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام ابویوسفؒ ذکر کردہ شرط کے مطابق حلال قرار دیتے ہیں۔ اور امام مالکؒ ، امام شافعیؒ ، امام احمدؒ اور امام محمدؒ نے اسے حرام قرار دیا ہے۔ اس لئے کہ دارقطنی وغیرہ میں ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام ابویوسفؒ کا مستدل یہ حدیث شریف ہے کہ میں نے تمہیں بجز چمڑے کے برتنوں کے دوسرے برتنوں میں پینے کی ممانعت کی تھی پس تمہیں ہر برتن میں پینے کی اجازت ہے البتہ وہ نشہ آور نہ ہو۔ رہیں وہ روایتیں جن سے حرام ہونا معلوم ہوتا ہے انھیں یا تو اس پر محمول کیا جائے گا کہ ان کا تعلق اس مقدار سے ہے جو نشہ آور ہو۔ یا یہ کہا جائیگا کہ یہ منسوخ ہو چکیں۔

فائدہ :- واضح رہے کہ مفتیٰ بہ حضرت امام محمدؒ کا قول ہے کہ خواہ مقدار کم ہو یا زیادہ بہرصورت حرام ہے۔

وَلَاباسَ بالانتباذِ فی الدباءِ الخ. نبیذ کا جہاں تک تعلق ہے تو خواہ نقیر میں بنائی جائے یا مزفت وحنتم ودبا میں، بہر صورت حلال قرار دی گئی۔ بعض حضرات عدم اجازت کے قائل ہیں۔ اس لئے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ وغیرہ کی روایتوں سے اس کی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ اس ممانعت کا نسخ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی "ہر برتن میں پیو بجز اس کے کہ نشہ آور نہ پیو" سے ثابت ہے۔

واذا تخللت الخمر الخ۔ احناف رحمہم اللہ کے نزدیک سرکہ کی حلت بہر صورت ہے۔ اس سے قطع نظر کہ خمر سے سرکہ خود بنایا گیا ہو اور اس میں سرکہ بنانے والی کوئی شئے ڈالی گئی ہو یا بغیر کوئی چیز ڈالے اور سرکہ بنائے شراب خود بخود سرکہ بن گئی ہو۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ سرکہ بنانے کو مکروہ قرار دیتے ہیں خواہ یہ سرکہ بواسطۂ نمک وغیرہ بنایا گیا ہو یا دھوپ سے بنایا گیا ہو۔ حضرت امام شافعیؒ شراب کے اندر کوئی شئے ڈال کر بنائے گئے سرکہ کو حلال قرار نہیں دیتے اور یہ سرکہ دھوپ وغیرہ کی حرارت کے باعث بنجائے تو پھر اس سلسلہ میں ان کے دو قول ہیں۔ ایک قول کی رو سے یہ سرکہ حلال ہوگا اور دوسرے قول کی رو سے جس میں حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمدؒ بھی ان کے ہمنوا ہیں یہ سرکہ حلال نہ ہوگا۔ اس لئے کہ مسلم شریف میں روایت ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول شراب کا سرکہ بنا سکتے ہیں؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ نہیں ۔ ترمذی شریف میں حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمارے پاس ایک یتیم کی شراب تھی۔ پھر جب سورۂ مائدہ نازل ہوئی (جس میں شراب کی حرمت کا حکم ہے)، تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق دریافت کیا گیا اور میں نے عرض کیا کہ وہ یتیم کی ہے۔ ارشاد ہوا کہ اسے بہا دو ۔ علاوہ ازیں ترمذی شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوطلحہؓ نے عرض کیا کہ میں نے اپنے زیر پرورش یتیموں کے واسطے شراب خریدی ہے۔ ارشاد ہوا شراب بہا دو اور اس کے برتن توڑ دو۔ اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ بہانے کے ارشاد پر ابوطلحہؓ نے عرض کیا۔ کیا میں اس کا سرکہ نہ بنالوں۔ ارشاد ہوا۔ نہیں ۔ اس کا جواب دیا گیا کہ یہ ارشاد بطور تشدّد اس بناء پر تھا کہ لوگوں کے ذہنوں میں اس کی قباحت بیٹھ جائے اور عہد جاہلیت کے شراب نوشی اور اس کی جانب رغبت کا کوئی اثر یک لخت ذہنوں سے دور ہو جائے اور اس سے رغبت کی جگہ نفرت دلوں میں بیٹھ جائے۔ چنانچہ یہ نفرت دلوں میں پوری طرح بیٹھ گئی اور آنحضورؐ نے اس کا مشاہدہ فرمالیا تو پھر ایسے برتنوں کے استعمال کی اجازت دیدی گئی جو پہلے برائے شراب استعمال ہوا کرتے تھے۔

کتاب الصید والذبائح

شکار اور ذبیحوں کا بیان

یَجُوزُ الْاِصْطِیَادُ بِالکلبِ المعلَّمِ وَالفَهدِ وَالبَازِی وَسَائِرِ الجَوَارِحِ المعلَّمَۃِ وَتعلیمُ الکلبِ

تربیت و تعلیم دیئے گئے کتے و چیتے و باز اور دوسرے تعلیم دیئے گئے مجروح کرنیوالے جانوروں کے ساتھ شکار کرنے کو

اَنْ یترکَ الاکلَ ثلثَ مرّاتٍ وتعلیمُ البازی اَنْ یرجعَ اذا دعوتہٗ فانْ اَرْسلَ کلبہٗ

درست قرار دیا گیا اور کتے کے تعلیم یافتہ ہونیکی تعریف یہ ہے کہ وہ تین مرتبہ شکار پکڑ کر نہ کھائے اور باز کا تعلیم یافتہ ہونا اسے کہتے ہیں کہ بلانے پر لوٹ

المعلَّمَ اَوْ بازیہٗ اَوْ صقرہٗ علٰی صیدٍ وذکرَ اسمَ اللہِ تعالٰی علیہِ عندَ ارسالہٖ فاَخذَ

آئے اگر تعلیم دیئے گئے کتے یا باز یا شکرے کو کسی شکار پر چھوڑتے وقت اللہ کا نام لے اور وہ شکار پکڑ لے اور

الصَّیدَ وجرحہٗ فماتَ حلَّ اکلُہٗ فانْ اَکلَ منہُ الکلبُ اَوِ الفھدُ لمْ یُؤکلْ وانْ اکلَ منہُ

مجروح کردے اور شکار مرجائے تو اسے کھالینا حلال ہوگا۔ اور اس میں سے کتے یا چیتے کے کھالینے پر کھایا نہیں جلئے گا اور اس میں سے باز

البازی اُکِلَ وانْ اَدْرَکَ المُرْسِلُ الصَّیدَ حیًّا وجبَ علیہِ اَنْ یذکّیہٗ فانْ ترکَ

کے کھالینے پر کھانا حلال ہوگا اور چھوڑنیوالے کو شکار زندہ ملنے پر اسے ذبح کرنا لازم ہے۔ اگر وہ اسے ذبح نہ کرے

تذکیتہٗ حتّٰی ماتَ لمْ یُؤکلْ وانْ خنقہُ الکلبُ ولمْ یجرحْہُ لمْ یُؤکلْ وانْ شارکہٗ

حتیٰ کہ وہ مرگیا ہو تو اسے نہ کھائے۔ اور کتا شکار کو مجروح کرنیکے بجائے گلا گھونٹ دے تو اسے نہ کھائیں اور اگر کتے کے ساتھ

کلبٌ غیرُ معلَّمٍ اَوْ کلبُ مجوسیٍّ اَوْ کلبٌ لمْ یُذکَرِ اسمُ اللہِ تعالٰی علیہِ لمْ یُؤکلْ واذا رمٰی

بغیر تعلیم دیا گیا یا آتش پرست کا کتا مل گیا جسے چھوڑتے وقت اللہ کا نام نہیں لیا گیا تھا تو اسے نہ کھائیں۔ اور جب کوئی شخص شکار

الرجلُ سھمًا الی الصَّیدِ فسمّی اللہَ تعالٰی عندَ الرَّمیِ اُکِلَ ما اصابہٗ اذا جرحہُ السھمُ

پر تیر پھینکتے وقت اللہ کا نام لے تو اسے کھائیں جب کہ شکار تیر کے مجروح کردینے کے باعث

فماتَ وانْ اَدْرکہٗ حیًّا ذکّاہٗ وانْ ترکَ تذکیتہٗ لمْ یُؤکلْ واذا وقعَ السھمُ

مرا ہو۔ اور اسے زندہ پانے پر ذبح کردے۔ اور ذبح نہ کرنے پر نہ کھائیں۔ اور اگر تیر شکار کے لگے اور

بالصَّیدِ فتحاملَ حتّٰی غابَ عنہُ ولمْ یزلْ فی طلبہٖ حتّٰی اصابہٗ میتًا اُکِلَ فانْ قعدَ

وہ تحمل کرتے ہوئے غائب ہوجائے اور یہ شکار کی جستجو میں رہے حتیٰ کہ اسے مرا ہوا پائے تو اسے کھالیا جائے اور اگر

عنْ طلبہٖ ثمَّ اصابہٗ میتًا لمْ یُؤکلْ وانْ رمٰی صیدًا فوقعَ فی الماءِ لمْ یُؤکلْ و

جستجو کے بجائے بیٹھ جائے اور پھر اسے مرا ہوا ملے تو نہ کھائے۔ اور اگر شکار کے تیر مارنے پر وہ پانی کے اندر گر جائے تو اسے نہ کھائے۔ ایسے

کذٰلکَ انْ وقعَ علٰی سطحٍ اَوْ جبلٍ ثمَّ تردّٰی منہُ الی الارضِ لمْ یُؤکلْ وانْ وقعَ

ہی چھت یا پہاڑ پر گرنے کے بعد زمین پر گرے۔ تو نہ کھائے۔ اور اگر شروع

علی الارضِ ابتداءً اُکِلَ وما اصابَ المعراضُ بعرضہٖ لمْ یُؤکلْ وانْ جرحہٗ

ہی میں زمین پر گرے تو کھالے اور جس شکار کے بغیر بھال کا تیر چوڑائی کی طرف سے لگا ہو اسے نہ کھائیں اور اسے اگر مجروح

اُکِلَ ولا یُؤکلُ ما اصابہُ البندقۃُ اذا ماتَ منھا۔

کردیا ہو تو کھالے اور جو شکار غلہ (یا گولی) لگنے سے مرگیا ہو اسے کھایا نہیں جائیگا۔

لغات کی وضاحت:۔ صقر: شکرہ۔ گدھ اور عقاب کے علاوہ ہر پرندہ جو شکار کرے۔ شکرہ ایک پرندہ ہے

جس سے شکار کیا جاتا ہے۔ جس کو فارسی میں چرغ کہتے ہیں۔ جمع اَصْقُر۔ الکلب: کتا۔ مجوسی: آتش پرست۔ سہمًا: تیر۔ حَیًّا: زندہ۔ البندقۃ، البندق: بندوق کی گولی، مٹی سے تیار شدہ گول ڈھیلا۔

تشریح و توضیح

یجوز الاصطیاد الخ۔ فرماتے ہیں کہ تربیت دیئے گئے کتے اور چیتے اور باز کے ساتھ اگر کوئی شکار کرے تو یہ شرعًا درست ہے۔ اسی طرح اُن دوسرے جانوروں سے شکار کرنا جائز ہے جو تربیت یافتہ ہوں اور شکار کو زخمی کر سکتے ہوں۔

وتعلیم الکلب ان یترک الاکل الخ۔ فرماتے ہیں کہ کتے کے تعلیم یافتہ اور تربیت یافتہ ہونے کی شناخت یہ ہے کہ اس نے تین مرتبہ شکار پکڑا ہو اور تینوں مرتبہ اس نے شکار کی کوئی چیز نہ کھائی ہو اور پورا شکار شکار کرنیوالے کے پاس جوں کا توں لے آیا ہو۔ اور رہ گیا باز و شکرہ وغیرہ دوسرے شکار کرنیوالے جانور ان کا تربیت و تعلیم یافتہ ہونا اسے قرار دیا جائیگا کہ یہ بلانے پر فوری لوٹ آئیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ عادۃً کتا چیز لے کر بھاگا کرتا ہے اور باز و شکرہ وغیرہ عادۃً متوحش ہوتے ہیں انکی اپنی عادت ترک کر دینا گویا ان کے تعلیم یافتہ ہونیکی علامت ہے۔

فان ارسل کلبہ المعلم الخ۔ فرماتے ہیں اگر کوئی شخص کسی شکار پر اپنے تعلیم و تربیت یافتہ کتے یا باز یا شکرے کو اللہ کا نام لیکر چھوڑے اور پھر وہ شکار پکڑ کر صرف مجروح کر دے اور اس میں سے کچھ کھائے نہیں اور شکار کی موت واقع ہو جائے تو اسے کھالینا حلال ہوگا۔ اور اگر ایسا ہو کہ شکار کرنیوالا کتا یا چیتا اس میں سے کچھ کھالے اور صرف زخمی کرنے پر اکتفاء نہ کرے تو اس صورت میں اسے کھانا حلال نہ ہوگا اور اگر شکار کرنیوالے باز نے اس میں سے کچھ کھالیا تب بھی اس کا کھانا حلال ہوگا۔

وان ادرک المرسل الخ۔ اور اگر ایسا ہو کہ شکار کرنیوالا جانور شکار کو مجروح کر دے اور شکار ابھی زندہ ہو تو اس صورت میں شکار کو ذبح کر لینا چھوڑنیوالے پر لازم ہوگا۔ اگر اس نے اسے ذبح کئے بغیر چھوڑ دیا اور شکار مر گیا تو اس کا کھانا اس کیلئے حلال نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر مثلاً کتا زخمی کرنیکے بجائے گلا گھونٹ دے اور اس کے باعث شکار مر جائے تو اسکا کھانا حلال نہ ہوگا۔

واذا وقع الیھم بالصید فتحامل الخ۔ اگر ایسا ہو کہ شکاری شکار پر تیر چلائے اور وہ تیر کھا کر غائب ہو جائے اور شکاری اس کی جستجو میں رہے اور شکاری اپنی جستجو و تلاش میں کامیاب تو ہو مگر اس وقت تک شکار مر چکا ہو تو شکار کرنیوالے کیلئے اس کا کھالینا مسلم شریف وغیرہ کی روایت کی رو سے حلال ہوگا۔ نیز ابوداؤد شریف میں حضرت عدی بن حاتمؓ سے روایت ہے میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ میں شکار کے تیر مارتا ہوں اور میں اگلے دن اس میں اپنا تیر پاتا ہوں۔ ارشاد ہوا کہ جب تجھے یہ معلوم ہو کہ تیرے تیر نے اسے قتل کیا ہے اور اس پر اس کے علاوہ کسی درندہ کا نشان نظر نہ آئے تو اسے کھالے۔

وان رمی صیدًا فوقع فی الماءِ الخ۔ کوئی شخص شکار پر تیر چلائے اور وہ پانی کے اندر گر کر مر جائے تو اس کا کھانا حلال نہ ہوگا۔ اس لئے کہ ایک روایت میں رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ اگر تمہارا تیر پانی کے اندر گرے تو اسے نہ کھاؤ اس لئے کہ یہ پتہ نہیں کہ اس کی موت تمہارے تیر کی وجہ سے ہوئی یا پانی کے باعث۔ اسی طرح چھت یا پہاڑ پر گرنے کے بعد زمین پر گرنے والے کا کھانا حلال نہیں اسواسطے کہ وہ متردیہ میں داخل ہے۔ اور

متردیہ کا حرام ہونا نص قطعی سے ثابت ہے۔ البتہ اگر سید معاً زمین ہی پر گرے تو اسے کھانا حلال ہوگا۔
وما اصاب المعراض بعرضہ الخ۔ وہ شکار جو معراض کے عرض و چوڑے حصہ سے مرا ہو یا وہ غلّہ، گولی لگنے کے باعث مرگیا ہو اس کا کھانا حلال نہ ہوگا۔ وجہ یہ ہے کہ یہ اشیاء چیرنے پھاڑنے والی نہیں بلکہ اعضاء کو کوٹنے اور توڑنے والی ہیں۔

وَاِذَا رَمٰی صَیْدًا فَقَطَعَ عُضْوًا مِنْہُ اُکِلَ الصَّیْدُ وَلَمْ یُؤْکَلِ الْعُضْوُ وَاِنْ قَطَعَہٗ اَثْلَاثًا وَالْاَکْثَرُ
اور شکار کے تیر مارنے سے شکار کا کوئی عضو الگ ہو گیا تو بجز اس عضو کے اور شکار کھائیں۔ اور اگر اس کے تین ٹکڑے ہو جائیں اور
مِمَّا یَلِی الْعَجُزَ اُکِلَ الْجَمِیْعُ وَلَا یُؤْکَلُ صَیْدُ الْمَجُوْسِیِّ وَالْمُرْتَدِّ وَالْوَثَنِیِّ وَالْمُحْرِمِ وَمَنْ رَمٰی
ڈھڈی سے متصل حصہ زیادہ ہو تو سارا کھائیں۔ اور آتش پرست اور مرتد اور بت پوجنے والے اور محرم کے شکار کو نہ کھائیں اور جو شخص
صَیْدًا فَاَصَابَہٗ وَلَمْ یُثْخِنْہُ وَلَمْ یُخْرِجْہُ مِنْ حَیِّزِ الْاِمْتِنَاعِ فَرَمَاہُ اٰخَرُ فَقَتَلَہٗ فَھُوَ لِلثَّانِیْ وَ
کسی شکار کے تیر مارے مگر لگنے کے باوجود وہ اسے سست نہ کرے اور وہ اسے حیز امتناع سے نہ نکالے اور دوسرا شخص تیر مارے اور اسے ہلاک کر دے تو
یُؤْکَلُ وَاِنْ کَانَ الْاَوَّلُ اَثْخَنَہٗ فَرَمَاہُ الثَّانِیْ فَقَتَلَہٗ فَھُوَ لِلْاَوَّلِ وَلَمْ یُؤْکَلْ وَالثَّانِیْ ضَامِنٌ
وہ دوسرے شخص کا قرار دیا جائیگا اور اسے کھائینگے اور اگر پہلے نے اسے سست کر دیا ہو اور پھر دوسرے شخص نے اسے تیر مار کر ہلاک کر دیا تو شکار پہلے کا ہوگا اور اسے نہ کھائینگے
لِقِیْمَتِہٖ لِلْاَوَّلِ غَیْرَ مَا نَقَصَتْہُ جِرَاحَتُہٗ وَیَجُوْزُ اِصْطِیَادُ مَا یُؤْکَلُ لَحْمُہٗ مِنَ الْحَیَوَانِ وَمَا لَا یُؤْکَلُ۔
اور دوسرے شخص پر پہلے کے واسطے اس کی قیمت کا ضمان لازم ہوگا بجز اس نقصان کے جو اس کے زخم کے باعث ہوا اور جس جانور کا گوشت کھایا جاتا ہے اس کا بھی شکار کرنا جائز ہے اور جس کا نہیں کھایا جاتا اس کا بھی

لغات کی وضاحت

:- المجوسی: آتش پرست۔ المرتد: اسلام سے پھرنے والا۔ الوثنی: بت پرست۔ المحرم: جس نے احرام باندھ رکھا ہو۔ اثخن: سست و کمزور ہونا۔

تشریح و توضیح

واذا رمی صیدًا فقطع عضوًا منہ الخ۔ اگر کوئی شخص شکار کے ایسا تیر مارے کہ اس کا کوئی سا عضو الگ ہو کر وہ مرجائے تو بجز اس عضو کے باقی شکار کھالیا جائے مگر شرط یہ ہے کہ وہ اس طرح کا ہو کہ اس کے جدا ہونے کے بعد بھی زندہ رہ سکتا ہو۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک شکار اور عضو دونوں کا کھانا درست ہے۔ اس لئے کہ اس عضو کا الگ ہونا ذکوٰۃ اضطراری کے باعث ہوا ہے اور اس کا حکم اختیاری ذبح میں جانور کے سر کو الگ کرنے کی طرح ہو گیا کہ اس میں دونوں ہی کو حلال قرار دیا جاتا ہے۔ احنافؒ کا مستدل ترمذی وغیرہ میں مروی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشادِ گرامی ہے کہ زندہ جانور کا جو حصہ اس کی حالتِ حیات میں کٹ جائے وہ مردار ہے۔

وان قطعہ اثلاثًا الخ۔ اگر تیر کے ذریعہ شکار کے تین ٹکڑے ہو جائیں اور اس کا زیادہ حصہ سرین کے پچھلے حصہ کے ساتھ رہے تو اس صورت میں سارا شکار حلال ہوگا۔ اس لئے کہ اس شکل میں اس کی حیات مذبوح کی حیات سے زیادہ نہیں ہو سکتی اور اس کی ذکاۃ ہو چکی اس واسطے کُل کو حلال قرار دیا جائے گا۔

فاصابہ ولم یثخنہ ولم یخرجہ الخ. کوئی شخص کسی شکار کے تیر مارے مگر اس کیوجہ سے اس کے زیادہ گہرا زخم نہ لگا ہو اور پھر دوسرا شخص اس کے تیر مارے اور وہ مرجائے تو اس صورت میں دوسرے شخص کا قرار دیا جائیگا اور حلال قرار دیا جائیگا. کیونکہ اس نے اسکے گہرا زخم لگا کر حیز امتناع سے اس کو نکال دیا اور اسے بھاگنے پر قدرت نہ رہی اور اگر پہلے ہی شخص کے تیر سے اس کے اسقدر گہرا زخم لگا ہو کہ اس کا بھاگنا ممکن نہ ہو. البتہ اس کے بعد زخم سے زندہ رہنا ممکن ہو اور اس حال میں دوسرے شخص نے تیر مار کر اسے ہلاک کر دیا تو شکار پہلے شخص کا قرار پائیگا اور اس کا کھانا حلال نہ ہوگا اس لئے کہ گہرا زخم لگنے کے بعد اسے ذبح اختیاری پر قدرت ہو گئی تھی۔ اور اس کے ذبح نہ کرنے کے باعث شکار حلال نہ رہا اور شکار پہلے شخص کا ہو چکنے کے بعد دوسرا شخص ایسے شکار کو ضائع کرنیوالا ہوا جو دوسرے کا مملوک تھا تو اس پر پہلے زخم کے بقدر قیمت وضع کرنے کے بعد باقی قیمت کا تاوان ادا کرنا لازم ہوگا۔

وَذَبِيحَةُ الْمُسْلِمِ وَالْكِتَابِيِّ حَلَالٌ وَلَا تُؤْكَلُ ذَبِيحَةُ الْمُرْتَدِّ وَالْمَجُوسِيِّ وَالْوَثَنِيِّ وَالْمُحْرِمِ
مسلم اور کتابی شخص کا ذبح کردہ جانور حلال ہے اور مرتد اور آتش پرست اور بت پوجنے والے اور محرم کے ذبح کردہ کو نہیں کھایا
وَإِنْ تَرَكَ الذَّابِحُ التَّسْمِيَةَ عَمَدًا فَالذَّبِيحَةُ مَيْتَةٌ لَا تُؤْكَلُ وَإِنْ تَرَكَهَا نَاسِيًا أُكِلَ.
گے اور قصداً تسمیہ ترک کرنیوالے کا جانور مردار ہوگا کھایا نہیں جائے گا اور سہواً ترک کرنیوالے کا کھائیں گے ۔

حلال وحرام ذبیحہ کی تفصیل

لغات کی وضاحت :- الذابح ، ذبح کرنیوالا۔ تسمیۃ ، اللہ کا نام لینا۔ میتۃ ، مردار۔ ناسیاً ، سہواً۔

تشریح و توضیح وذبیحۃ المسلم الخ. کوئی مسلم ذبح کرے تو اس کا ذبح کردہ حلال قرار دیا جائے گا۔ اس سے قطع نظر کہ ذبح کرنیوالا مرد ہو یا ذبح کرنیوالی عورت ہو اس لئے کہ آیت کریمہ "الا ما ذکیتم" میں مسلمان مخاطب ہیں خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں۔ اہل کتاب کے ذبیحہ کو بھی حلال قرار دیا گیا مگر شرط یہ ہے کہ وہ بوقت ذبح صرف اللہ کا نام لے۔ آیت کریمہ "وطعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم"، میں طعام سے مقصود انکا ذبح کردہ جانور ہی ہے ورنہ جہاں تک غیر مذبوح طعام کا تعلق ہے اس کے اندر مسلمان اور کافر کی خصوصیت ہی نہیں۔

ولا تؤکل ذبیحۃ المرتد الخ۔ اسلام سے پھر جانیوالے کا ذبیحہ حلال قرار نہیں دیا گیا اسلئے کہ دراصل وہ لا مذہب ہے۔ آگ کی پرستش کرنیوالے کے ذبیحہ کو بھی حلال قرار نہیں دیا گیا۔ اس لئے کہ حدیث شریف میں ہے کہ ان کی عورتوں سے نہ نکاح کرو اور نہ ان کا ذبیحہ کھاؤ۔ اسی طرح بت کی پرستش کرنیوالے کا ذبیحہ حلال قرار نہیں دیا گیا اس لئے کہ وہ کسی ملت کا اعتقاد نہیں رکھتا۔ اسی طرح اگر کسی محرم شخص نے شکار ذبح کیا تو اس کا ذبح

کردہ حلال نہ ہوگا۔ اس لئے کہ ذبح کرنا مشروع فعل ہے اور احرام بندھا ہونیکی صورت میں محرم کے اس فعل کو غیر مشروع و ممنوع قرار دیا گیا۔

وان ترك الذابح التسمية عمدًا الخ۔ اگر ذبح کرنیوالا قصداً بوقتِ ذبح اللہ کا نام چھوڑ دے تو اس کے ذبیحہ کو حلال قرار نہیں دیا جائیگا۔ البتہ اگر عمداً ترک نہ کرے بلکہ بھول کر ایسا ہو جائے تو اس کا ذبیحہ حلال شمار ہوگا۔ حضرت امام شافعیؒ دونوں صورتوں میں حلال قرار دیتے ہیں اس لئے کہ حدیث شریف میں مسلمان کے ذبیحہ کو حلال قرار دیا گیا خواہ اس نے اللہ کا نام لیا ہو یا نہ لیا ہو۔ حضرت امام مالکؒ دونوں صورتوں میں حرام قرار دیتے ہیں۔ احنافؒ فرماتے ہیں کہ ارشادِ ربانی "ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ وانہ لفسق" میں ممانعت مطلقاً ہے جس کا تقاضہ حرمت ہے اور مقصود من الفسق حرام ہی ہے۔ اور بخاری و مسلم میں حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا کہ اگر تیرے کتے کے ساتھ کوئی دوسرا کتا ہوا اور جانور مرگیا ہو تو اسے نہ کھا اس لئے یہ خبر نہیں کہ ان دونوں میں سے کس نے اسے مارا۔ اور حضرت امام شافعیؒ کے استدلال کے جواب میں کہا گیا کہ ایک تو ان کی مستدل روایت مرسل ہے۔ نیز اس کے راوی صلت کا حال مجہول ہے۔ دوسرے عمداً تسمیہ ترک کرنیوالے کے ذبیحہ کو حلال قرار دینا اجماع کے خلاف ہے۔ عمداً ترک کرنے پر حرام ہونے میں سرے سے اختلاف ہی نہیں ہے البتہ بھول کر ترک ہو جائے تو اس کی حلت و عدمِ حلت میں اختلاف ہے۔

وَالذَّبْحُ بَيْنَ الحلقِ وَاللَّبَّةِ وَالعُرُوقُ الَّتِي تُقْطَعُ فِي الذَّكوٰةِ أَرْبَعَةٌ اَلْحُلْقُوْمُ وَالمَرِيُّ

اور ذبح حلق و لبہ کے بیچ میں ہوا کرتا ہے اور ذبح میں قطع کی جانیوالی رگیں چار ہیں۔ حلقوم، مری اور

وَالوِدجَانِ فَاِنْ قَطَعَهَا حَلَّ الأَكْلُ وَاِنْ قَطَعَ اَكْثَرَهَا فَكَذٰلِكَ عِنْدَ ابِيحَنِيْفَةَ وَقَالَا

ودجان۔ ان کے قطع کرنے پر اسے کھانا حلال ہو جائیگا اور امام ابو حنیفہؒ اکثر رگیں قطع کر دینے پر بھی یہی فرماتے ہیں اور امام

رَحِمَهُمَا اللّٰهُ لَابُدَّ مِنْ قَطْعِ الحُلْقُوْمِ وَالمَرِيِّ وَاَحَدِ الوِدْجَيْنِ وَيَجُوْزُ الذَّبْحُ بِاللِّيطَةِ وَ

ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک حلقوم اور مری اور دو شہ رگوں میں سے ایک کا قطع ہونا ناگزیر ہے اور درست ہے کہ ذبح کھپچی اور

المروةِ وَبِكُلِّ شَيْءٍ اَنْهَرَ الدَّمَ اِلَّا السِّنَّ القَائِمَ وَالظُّفُرَ القَائِمَ وَيُسْتَحَبُّ اَنْ يُحِدَّ

دلوکدار، پتھر اور ہر اس طرح کی شئے سے ہو جس سے خون جاری ہو جائے البتہ لگے ہوئے دانت و ناخن کے ذریعہ ذبح کرنا درست نہیں اور ذبح

الذَّابِحُ شَفْرَتَهُ وَمَنْ بَلَغَ بِالسِّكِّيْنِ النُّخَاعَ اَوْ قَطَعَ الرَّاْسَ كُرِهَ لَهُ ذٰلِكَ وَتُوْكَلُ

کرنیوالے کا چھری تیز کرلینا باعثِ استحباب ہے۔ اور ذبح میں چھری کو حرام مغز تک پہنچا دینا یا سر کا الگ کر دینا باعثِ کراہت ہے اور یہ ذبیحہ

ذَبِيْحَتُهُ وَاِنْ ذَبَحَ الشَّاةَ مِنْ قَفَاهَا فَاِنْ بَقِيَتْ حَيَّةً حَتّٰى قَطَعَ العُرُوقَ جَازَ وَكُرِهَ

کھائیں گے اور اگر بکری گدی کی جانب سے ذبح کئے جانے میں رگیں کٹنے تک حیات رہے تو اس کا کھانا درست مگر مکروہ ہے

وَاِنْ مَاتَتْ قَبْلَ قَطْعِ العُرُوقِ لَمْ تُوْكَلْ وَمَا اسْتَانَسَ مِنَ الصَّيْدِ فَذَكَاتُهُ الذَّبْحُ

اور رگیں قطع ہونے سے قبل مرجائے تو اسے نہ کھائیں۔ اور مانوس شدہ شکار کو ذبح کر دینا ہی اس کی ذکاۃ قرار دیا گیا۔

وَمَا تَوَحَّشَ مِنَ النَّعَمِ فَذَكَاتُهُ الْعَقْرُ وَالْجَرْحُ وَالْمُسْتَحَبُّ فِي الْإِبِلِ النَّحْرُ وَإِنْ ذَبَحَهَا جَازَ

اور وحشی چوپایوں کی ذکاۃ نیزہ ماردینا اور مجروح کردینا قرار دیا گیا اور اونٹ کے اندر نحر باعثِ استحباب ہے اور ذبح کردینا بھی

وَيُكْرَهُ وَالْمُسْتَحَبُّ فِي الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ الذَّبْحُ فَإِنْ نَحَرَهُمَا جَازَ وَيُكْرَهُ وَمَنْ نَحَرَ نَاقَةً

مع الکراہت درست ہے اور گائے اور بکری میں ذبح باعثِ استحباب ہے اور ان دونوں کا نحر بھی مع الکراہت جائز ہے اور جو شخص اونٹنی

أَوْ ذَبَحَ بَقَرَةً أَوْ شَاةً فَوَجَدَ فِي بَطْنِهَا جَنِينًا مَيِّتًا لَمْ يُؤْكَلْ أَشْعَرَ أَوْ لَمْ يُشْعِرْ ۔

کا نحر کرے یا گائے یا بکری ذبح کرے اور ان کے شکم میں مرا ہوا بچہ پائے تو اس کو نہ کھلائے خواہ اس بچہ کے بال آچکے ہوں یا وہ بغیر بالوں کا ہو۔

ذبح کے صحیح طریقہ کا بیان

لغات کی وضاحت: اللبۃ: سینہ کا بالائی حصہ۔ حلقوم: سانس کی آمد و رفت کا راستہ۔ ودجان: مری و حلقوم کی دائیں بائیں کی رگیں جنھیں شہ رگ بھی کہا جاتا ہے، اور انھیں خون کی نالیاں بھی کہتے ہیں کہ ان کے ذریعہ خون رواں رہتا ہے۔ لیطۃ: بانس وغیرہ کا چھلکا جو چمٹا رہتا ہے۔ جمع لیط، لیاط، الیاط۔ نخاع: حرام مغز۔

تشریح و توضیح: وَالذَّبْحُ بَيْنَ الْحَلْقِ وَاللَّبَّةِ الخ۔ فرماتے ہیں کہ اختیاری ذبح کا مقام لبہ و حلق کا بیچ والا حصہ قرار دیا گیا۔ حدیث شریف سے اسی طرح ثابت ہے۔ بوقتِ ذبح قطع کی جانے والی رگوں کی تعداد چار ہے (۱) حلقوم (۲) مری (۳) ودجان۔ ودجان کی تعیین کا سبب یہ ہے کہ ان رگوں کے قطع ہونے سے جنھیں شہ رگ بھی کہتے ہیں سارا خون بآسانی نکل جایا کرتا ہے۔ اور حلقوم اور مری کے قطع ہونے کے باعث جان سرعت کے ساتھ نکلتی ہے۔ اور شرعاً اس کا لحاظ فرمایا گیا کہ جانور کو کم سے کم تکلیف پہنچے۔
حضرت امام شافعیؒ مری اور حلقوم کے قطع ہوجانے کو کافی قرار دیتے ہیں۔ احنافؒ کا مستدل وہ روایت ہے جس میں لفظ "الاوداج" آیا ہے۔ اور جمع کا کم سے کم عدد تین شمار ہوتا ہے تو اس کے زمرے میں ودجان اور مری آگئیں اور ان کے قطع ہونیکا جہاں تک تعلق ہے وہ حلق کٹے بغیر ممکن نہیں تو تبعاً حلقوم کاٹنے کا بھی ثبوت ہوگیا۔

فَإِنْ قَطَعَهَا حَلَّ الْأَكْلُ الخ۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ کسی تعیینی چار رگوں میں سے تین رگیں کٹ گئیں تو ذبح کردہ جانور حلال قرار دیا جائے گا۔ حضرت امام ابویوسفؒ کے ایک قول کیمطابق مری، حلقوم اور ودجان میں سے ایک کا کٹنا ذبیحہ کے حلال ہونے کیلئے شرط ہے۔ حضرت امام محمدؒ کے نزدیک ان رگوں میں سے ہر رگ کے اکثر حصہ کا قطع ہونا حلتِ ذبیحہ کیلئے ناگزیر ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کی بھی ایک روایت اسی طرح کی ہے۔ اس واسطے کہ رگوں میں سے ہر رگ کی بنفسہٖ حیثیت اصل کی ہے اور ہر رگ کے قطع کرنیکا حکم کیا گیا۔ حضرت امام ابویوسفؒ کے نزدیک ودجان کے کاٹنے سے خون بہادینا مقصود ہے تو ان رگوں میں سے ایک رگ دوسری کی قائم مقامی کرسکتی ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اکثر کی حیثیت کل کے قائم مقام کی ہوا کرتی ہے اور بلاتعیین چار رگوں میں سے تین رگوں کے ذریعہ خون بہہ جاتا ہے۔

ولا بالسن القائم والظفر القائم الخ۔ فرماتے ہیں کہ کسی ایسے دانت سے جانور ذبح کیا جائے جو اپنے مقام پر لگا ہوا ہو اور اسی طرح اس ناخن سے ذبح کرنا درست نہیں جو کہ اپنی جگہ لگا ہوا ہو۔ اور مستحب یہ ہے کہ جانور ذبح کرتے وقت چھری خوب تیز کرلی جائے تاکہ جلدی سے ذبح ہو جائے۔

ومن بلغ بالسکین النخاع الخ۔ اور جانور کا اتنا زیادہ ذبح کر دینا کہ چھری حرام مغز تک پہنچ گئی ہو یا سر الگ کر دینا اسے مکروہ قرار دیا گیا۔ اگرچہ اس طرح کا ذبیحہ حلال ہو جائے گا اور اس کا کھانا جائز ہوگا لیکن یہ بے فائدہ تکلیف پہنچانا کراہت سے خالی نہیں۔

ومن استانس من الصید الخ۔ مانوس جانور میں کیونکہ ذبح اختیاری پر قادر رہتا ہے لہٰذا اس پر قادر ہوتے ہوئے ذبح اضطراری درست نہ ہوگا۔ اور مانوس جانور کے حلال ہونے کیلئے اسے ذبح کرنا ہی ضروری ہوگا۔ البتہ وحشی جانور جن میں ذبح اختیاری ممکن نہیں ان میں ذبح اضطراری یعنی نیزہ وغیرہ سے مجروح کرکے خون بہا دینا کافی ہوگا۔

والمستحب فی الابل الخ۔ اونٹ کا جہانتک تعلق ہے اس میں مستحب یہی ہے کہ اسے نحر کیا جائے لیکن اگر کوئی بجائے نحر کے اسے ذبح کرے تو بہ کراہت درست ہوگا۔ اسی طرح گائے اور بکری میں مستحب یہ ہے کہ انھیں نحر نہ کریں بلکہ ذبح کیا جائے۔ اب اگر کوئی انھیں ذبح کرنے کے بجائے نحر کر دے تو بکراہت درست ہوگا۔

ومن نحر ناقۃ او ذبح بقرۃ الخ۔ اگر کوئی شخص اونٹنی کا نحر کرے یا گائے یا بکری ذبح کرے اور پھر اس کے پیٹ سے مردہ بچہ نکلے تو حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اسے ماں کے تابع قرار دیکر حلال شمار نہ کریں گے بلکہ زندہ ہونے پر وہ الگ سے ذبح ہوگا۔ امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک اس کی تخلیق مکمل ہو جانے کی صورت میں اس کے ذبح کرنے کی احتیاج نہیں اس لئے کہ حدیث شریف کے مطابق ماں کا ذبح کرنا ہی بچہ کا ذبح کرنا ہے۔ علاوہ ازیں بچہ کی حیثیت ماں کے جزء کی ہوتی ہے حقیقی اعتبار سے بھی کہ ماں کے ساتھ اس کا اتصال ہوتا ہے، ماں ہی کی غذا اس کی غذا ہوتی ہے، اور اس کا سانس لینا اس کا سانس لینا ہوتا ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بچہ کی حیات مستقل اور الگ حیات ہے اور اس کا ماں کے مرجانے پر بھی زندہ رہنا ممکن ہے۔ علاوہ ازیں غرّہ و تاوان کے وجوب میں بھی اس کی حیثیت مستقل ہے۔ اس کے واسطے وصیت کرنا بھی درست ہے۔ اس کے علاوہ وہ خود خون والا جانور ہے اور ذبح سے مقصود خون بہا دینا ہے اور اس کا حصول ماں کے ذبح سے نہ ہوگا۔ رہ گئی حدیث تو اس سے مقصود مشابہت کا اظہار ہے کہ بچہ کا ذبح ماں کے ذبح کی طرح ہے۔

وَلَا یَجُوْزُ اَکْلُ کُلِّ ذِیْ نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ وَلَا ذِیْ مِخْلَبٍ مِنَ الطَّیْرِ وَلَا بَاْسَ بِاَکْلِ غُرَابِ

اور ذی ناب (کچلی دار) درندوں اور ذی مخلب پرندوں کے کھانے کو جائز نہیں قرار دیا گیا اور کھیتی والے کوے کے کھانے میں

الزَّرْعِ وَلَا یُؤْکَلُ الْاَبْقَعُ الَّذِیْ یَاْکُلُ الْجِیَفَ وَیُکْرَہُ اَکْلُ الضَّبُعِ وَالضَّبِّ وَالْحَشَرَاتِ

مضائقہ نہیں۔ اور مردار خور ابقع کوے کا کھانا حلال نہیں۔ اور گوہ، بجو اور سارے حشرات الارض کا کھانا

كُلِّهَا وَ لَا يَجُوْزُ أَكْلُ لَحْمِ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ وَ الْبِغَالِ وَ يُكْرَهُ أَكْلُ لَحْمِ الْفَرَسِ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللهُ
باعث کراہت ہے اور پالتو گدھوں اور خچروں کا گوشت کھانا جائز ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ گھوڑے کے گوشت کا کھانا باعث کراہت
وَ لَا بَأْسَ بِأَكْلِ الْأَرْنَبِ وَ إِذَا ذُبِحَ مَا لَا يُؤْكَلُ لَحْمُهُ طَهُرَ جِلْدُهُ وَ لَحْمُهُ إِلَّا الْآدَمِيَّ وَ الْخِنْزِيْرَ
فرماتے ہیں اور خرگوش کے کھانے میں مضائقہ نہیں ایسے جانور کے ذبح کرنیکے بعد جس کا گوشت کھانا حلال نہیں اسکی کھال پاک ہوجاتی ہے البتہ
فَإِنَّ الذَّكَاةَ لَا تَعْمَلُ فِيْهِمَا وَ لَا يُؤْكَلُ مِنْ حَيَوَانِ الْمَاءِ إِلَّا السَّمَكُ وَ يُكْرَهُ أَكْلُ الطَّافِيْ
آدمی کی کھال اور خنزیر کی مستثنیٰ ہے اس لئے کہ انکی کھالوں میں ذبح کا کوئی اثر نہیں ہوتا اور پانی کے جانوروں میں مچھلی کے علاوہ کا کھانا درست
مِنْهُ وَ لَا بَأْسَ بِأَكْلِ الْجِرِّيْثِ وَ الْمَارْمَاهِيْ وَ يَجُوْزُ أَكْلُ الْجَرَادِ وَ لَا ذَكَاةَ لَهُ۔
نہیں اور پانی پر تیرجانیوالی مچھلی کھانا باعث کراہت ہے اور مارماہی اور جرّیث مچھلی کھالینے میں مضائقہ نہیں اور ٹڈی بغیر ذبح کئے ہوئے کھانا جائز ہے۔

حلال اور حرام جانوروں کی تفصیل

لغات کی وضاحت:۔ ذی مخلب: پنجہ دار۔ الزرع: کھیتی۔ الابقع: سیاہ سفید داغوں والا وہ کوا جس میں سیاہی وسفیدی ہو۔ الضبع: بجو۔ نرمادہ دونوں پر اطلاق ہوتا ہے۔ الضب: گوہ۔ جمع اضب وضبان۔ عرب کہتے تھے "لا افعلہ حتی یرد الضب" یعنی میں یہ کام نہیں کروں گا جب تک کہ گوہ پانی پر آئے اسلئے کہ انکا خیال تھا کہ گوہ پانی پر نہیں آتی۔

تشریح و توضیح: ولا یجوز اکل کل ذی ناب الخ۔ فرماتے ہیں کہ شرعاً اس طرح کے درندوں کا کھانا حرام ہے جو کچلیوں دار اور دانتوں کے ذریعہ شکار کرکے کھانیوالے ہیں۔ اسی طرح پنجہ دار پرندے بذریعہ چنگل شکار کر نیوالے حرام ہیں۔ حدیث شریف میں ان کے ممنوع ہونیکی صراحت ہے۔ اور ناپاکی نہ کھانیوالے اور دانہ کھانیوالے کوے کو حلال قرار دیا گیا اور وہ سیاہ وسفید کوا جس کی غذا مردار اور ناپاکی ہے۔ اس کا کھانا جائز نہیں۔

ویکرہ اکل الضبع الخ۔ عند الاحناف بجو ان جانوروں میں سے ہے جن کا کھانا حلال نہیں۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک حلال ہے۔ اسلئے کہ ابن ماجہ وغیرہ میں حضرت جابرؓ سے مروی روایت سے اس کا حلال ہونا معلوم ہوتا ہے۔ احنافؒ کا مستدل حضرت خزیمہؓ کی یہ حدیث ہے کہ میں نے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے بجو کھانے کے بارے میں پوچھا تو ارشاد ہوا کہ کیا کوئی اچھا شخص بجو کھایا کرتا ہے۔

والضب والحشرات الخ۔ احنافؒ کے نزدیک گوہ کھانا بھی ممنوع ہے۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اسے حلال قرار دیتے ہیں۔ ان کا مستدل بخاری ومسلم میں مروی حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں حضرت خالد بن الولیدؓ نے گوہ کا گوشت کھایا اور آپ نے منع نہیں فرمایا۔ اس روایت کے متعلق صاحب مرقاۃ فرماتے ہیں کہ اس کا تعلق قبل از ممانعت سے ہے اور یہ منسوخ ہوچکی۔ احنافؒ کا مستدل ابوداؤد شریف میں

مروی حضرت عبدالرحمٰن بن شبلؓ کی یہ روایت ہے کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے گوہ کا گوشت کھانے سے منع فرمایا۔

ولا یجوز اکل لحم الحمر الاھلیۃ الخ۔ پالتو گدھے اور خچر کا گوشت کھانا جائز نہیں۔ بخاری ومسلم میں حضرت ابوثعلبہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے پالتو گدھوں کا گوشت حرام فرمایا ہے۔ نیز بخاری ومسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن پالتو گدھوں کے گوشت سے منع فرمایا۔ حضرت امام مالکؒ پالتو گدھے کے گوشت کو حلال قرار دیتے ہیں۔ ان کا مستدل حضرت غالب بن ابجر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس سے اباحت معلوم ہوتی ہے۔

ویکرہ اکل لحم الفرس الخ۔ گھوڑے کے گوشت کے سلسلہ میں اختلاف فقہاء ہے۔ ایک جماعت تو اباحت کی طرف گئی ہے جس میں حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام احمدؒ اور حضرت اسحٰقؒ شامل ہیں، اور ایک جماعت اسے مکروہ تحریمی قرار دیتی ہے جس میں حضرت امام ابوحنیفہؒ، حضرت امام مالکؒ اور اصحابِ ابوحنیفہؒ شامل ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے: "والخیل والبغال والحمیر لترکبوھا وزینۃ" اس میں اکل (کھانے) کا ذکر نہیں اور چوپاؤں کو کھانے کا ذکر اس سے قبل کی آیت میں ہے اور ابوداؤد ونسائی وابن ماجہ میں مروی حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے گھوڑوں، خچروں اور گدھوں کے گوشت کی ممانعت فرمائی۔

واذا ذبح ما لا یوکل لحمہ طہر جلدہ الخ۔ ایسے جانور جن کا گوشت کھانا حلال نہیں اگر ذبح کرلئے جائیں تو انکے گوشت اور کھال کی پاکی کا حکم ہوگا۔ اور ان کے کسی رقیق چیز کے گرجانے سے وہ ناپاک نہیں ہوگی۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک پاکی کا حکم نہ ہوگا۔ اس لئے کہ ذبح کے اثر کی حیثیت گوشت کے مباح ہونے میں اصل کی ہے اور گوشت وکھال کی پاکی کی حیثیت تابع کی ہے اور تابع کا وجود اصل کے بغیر نہیں ہوا کرتا۔ لہٰذا ذبح کرنے کے باعث جب یہ گوشت مباح وحلال نہیں ہوتا تو گوشت اور کھال کی پاکی بھی ثابت ہونے کا حکم نہ ہوگا۔ احنافؒ فرماتے ہیں کہ جس طریقہ سے بذریعہ دباغت نجس رطوبتیں ختم ہوجایا کرتی ہیں ٹھیک اسی طریقہ سے بذریعۂ ذبح بھی ان کا ازالہ ہوجاتا ہے۔ پس دباغت کی مانند بذریعۂ ذبح بھی ان کی پاکی کا حکم ہوگا۔

ولا یوکل من حیوان الماء الا السمک الخ۔ بجز مچھلی کے پانی کا دوسرا کوئی جانور عندالاحنافؒ کھانا جائز نہیں۔ حضرت امام مالکؒ مطلقاً حلال قرار دیتے ہیں اور حضرت امام شافعیؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ آیتِ کریمۂ "احل لکم صید البحر" مطلق ہے اور حدیث شریف سے بھی پانی اور اس کے میتہ کا پاک ہونا مطلقاً ثابت ہے۔ احنافؒ فرماتے ہیں ارشادِ ربانی ہے "ویحرم علیہم الخبائث" اور بجز مچھلی کے سلیم طبیعتوں کو دریائی جانوروں سے تنفر ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں بہت سے پانی کے جانور ایسے ہیں کہ جن کے ممنوع ہونے کا حدیث شریف سے ثبوت ملتا ہے۔ نسائی وغیرہ میں بعض ممانعت کی روایات ہیں۔

ویکرہ اکل الطافی الخ۔ ایسی مچھلی جو خود بخود مرجائے اور پانی کی سطح پر آجائے اسے کھانا جائز نہیں اس کی علامت یہ ہے کہ اس کا شکم آسمان کی جانب ہوا کرتا ہے۔ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ اسے حلال فرماتے ہیں۔

احنافؒ کا مستدل ابوداؤد اور ابن ماجہ میں مروی حضرت جابرؓ کی یہ روایت ہے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ مچھلی جسے سمندر پھینک دے اسے کھالے اور جو اس کے اندر مرکر سطح آب پر آگئی اسے نہ کھا۔

ولا باس باکل الجریث الخ۔ جریث مچھلی اور مارماہی جسے بام بھی کہا جاتا ہے ان کے کھانے میں مضائقہ نہیں۔

كتاب الأضحية

قربانی کا بیان

اَلْاُضْحِيَةُ وَاجِبَةٌ عَلٰى كُلِّ حُرٍّ مُسْلِمٍ مُقِيْمٍ مُوْسِرٍ فِيْ يَوْمِ الْاَضْحٰى يَذْبَحُ عَنْ نَفْسِهٖ وَعَنْ

ہر مسلمان آزاد مقیم صاحب نصاب پر یوم الاضحیٰ میں قربانی واجب قرار دی گئی ہے۔ اپنی جانب سے اور اپنی نابالغ اولاد کی

اَوْلَادِهِ الصِّغَارِ يَذْبَحُ عَنْ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ شَاةً اَوْ يَذْبَحُ بُدْنَةً اَوْ بَقَرَةً عَنْ سَبْعَةٍ وَلَيْسَ

جانب سے۔ ان میں سے ہر ایک شخص کی جانب سے ایک بکری ذبح کی جائے گی۔ یا اونٹ یا گائے سات اشخاص کی جانب سے۔ غیر صاحبِ

عَلَى الْفَقِيْرِ وَالْمُسَافِرِ اُضْحِيَةٌ وَوَقْتُ الْاُضْحِيَةِ يَدْخُلُ بِطُلُوْعِ الْفَجْرِ مِنْ يَوْمِ النَّحْرِ اِلَّا اَنَّهٗ

نصاب و مسافر پر قربانی واجب نہیں۔ قربانی کے وقت کا آغاز قربانی کے دن کی طلوع فجر سے ہو جاتا ہے مگر اہل شہر کے واسطے

لَا يَجُوْزُ لِاَهْلِ الْاَمْصَارِ الذَّبْحُ حَتّٰى يُصَلِّيَ الْاِمَامُ صَلٰوةَ الْعِيْدِ فَاَمَّا اَهْلُ السَّوَادِ فَيَذْبَحُوْنَ

امام کے نماز عید پڑھ لینے سے قبل قربانی جائز نہ ہوگی۔ اور گاؤں والوں کے واسطے طلوع فجر کے بعد قربانی

بَعْدَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ وَهِيَ جَائِزَةٌ فِيْ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ يَوْمِ النَّحْرِ وَيَوْمَانِ بَعْدَهٗ وَلَا يُضَحّٰى بِالْعَمْيَاءِ وَ

درست ہے۔ اور قربانی تین دن یعنی یوم النحر میں اور اس کے بعد دو روز تک درست ہے۔ اور نابینا اور کانے

الْعَوْرَاءِ وَالْعَرْجَاءِ الَّتِيْ لَا تَمْشِيْ اِلَى الْمَنْسَكِ وَلَا الْعَجْفَاءِ وَلَا تُجْزِئُ مَقْطُوْعَةُ الْاُذُنِ وَ

اور اس لنگڑے جانور کی قربانی درست نہیں جو مذبح تک چل کر نہ پہنچ سکے اور بہت لاغر اور کان و دُم کٹے کی قربانی جائز نہ

الذَّنَبِ وَلَا الَّتِيْ ذَهَبَ اَكْثَرُ اُذُنِهَا اَوْ ذَنَبِهَا وَاِنْ بَقِيَ الْاَكْثَرُ مِنَ الْاُذُنِ وَالذَّنَبِ جَازَ

اور نہ ایسے جانور کی جس کے کان یا دُم کا اکثر حصہ کٹا ہوا ہو۔ اور کان و دُم کا زیادہ حصہ باقی ہو تو قربانی جائز ہے۔

وَيَجُوْزُ اَنْ يُضَحّٰى بِالْجَمَّاءِ وَالْخَصِيِّ وَالْجَرْبَاءِ وَالثَّوْلَاءِ وَالْاُضْحِيَةُ مِنَ الْاِبِلِ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ

اور غیر سینگ دار اور خصی اور خارش دار اور پاگل جانور کی قربانی درست ہے۔ اور اونٹ اور گائے اور بکری کی قربانی ہوا کرتی ہے۔

وَيُجْزِئُ مِنْ ذٰلِكَ كُلِّهٖ الثَّنِيُّ فَصَاعِدًا اِلَّا الضَّاْنَ فَاِنَّ الْجَذَعَ مِنْهُ يُجْزِئُ وَيَاْكُلُ مِنْ

اور ان سب میں ثنی کی قربانی کافی قرار دی جاتی ہے یا ثنی سے بڑے کی البتہ بھیڑ میں جذع کی بھی کافی قرار دی جاتی ہے۔ اور قربانی کا گوشت

لَحْمِ الْاُضْحِيَةِ وَيُطْعِمُ الْاَغْنِيَاءَ وَالْفُقَرَاءَ وَيَدَّخِرُ وَيُسْتَحَبُّ اَنْ لَا يَنْقُصَ الصَّدَقَةَ مِنَ الثُّلُثِ

خود کھائے گا اور امیروں و غریبوں کو کھلائے اور کچھ باقی رکھے گا۔ تہائی گوشت سے کم صدقہ نہ کرنا باعثِ استحباب ہے۔

وَيَتَصَدَّقُ بِجِلْدِهَا اَوْ يَعْمَلُ مِنْهُ اٰلَةً تُسْتَعْمَلُ فِي الْبَيْتِ وَالْاَفْضَلُ اَنْ يَذْبَحَ اُضْحِيَتَهُ بِيَدِهٖ
اور اس کا چمڑا خواہ صدقہ کردے یا اس سے گھر میں استعمال کیجانیوالی کوئی شے بنالے۔ اپنے ہاتھ سے قربانی کرنا افضل قرار دیا گیا بشرطیکہ
اِنْ كَانَ يُحْسِنُ الذَّبْحَ وَيُكْرَهُ اَنْ يَذْبَحَهَا الْكِتَابِيُّ وَاِذَا غَلِطَ رَجُلَانِ فَذَبَحَ كُلُّ وَاحِدٍ
بخوبی ذبح کرنا ممکن ہو اور کسی کتابی کا ذبح اسے کرنا باعث کراہت ہے اور اگر غلطی سے دو شخص ایک دوسرے کا جانور ذبح کردیں
مِنْهُمَا اُضْحِيَةَ الْاٰخَرِ اَجْزَاَ عَنْهُمَا وَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِمَا۔
تو دونوں کی قربانی درست ہوجائے گی اور ان پر ضمان لازم نہ ہوگا۔

لغات کی وضاحت

مُوسر: صاحبِ نصاب۔ الصغار۔ صغیر کی جمع: نابالغ۔ سواد: دیہات۔ الفقیر: غیر صاحبِ نصاب۔ منسک: مذبح۔ العجفاء: لاغر۔ الذنب: دم۔ الثولاء: پاگل۔ جذعة: وہ بھیڑ جو چھ ماہ کی ہو۔

تشریح وتوضیح

الاضحیة واجبة الخ۔ شرعاً اضحیہ قربت کی نیت سے مخصوص وقت کے اندر خاص جانور کے ذبح کئے جانیکا نام ہے۔ احنافؒ کی ایک روایت کے مطابق جس کی نسبت حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کی جانب کی گئی ہے قربانی سنت مؤکدہ ہے۔ اور دوسری اور مفتی بہ روایت کی رو سے قربانی واجب ہے۔ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ بھی سنت مؤکدہ ہونے کے قائل ہیں۔ ترمذی شریف میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مدینہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا اور آپؐ قربانی (ہر سال) فرماتے تھے۔ صاحب مرقاۃ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اس پر مواظبت اس کے وجوب کی دلیل ہے۔ نیز دارقطنی وغیرہ میں روایت ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وسعت کے باوجود قربانی نہ کرنیوالا ہماری عیدگاہ کے پاس بھی نہ پھٹکے۔ اس طرح کی وعید سے بھی قربانی کا واجب ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ رہا حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ کا استدلال تو جس روایت سے وہ استدلال فرماتے ہیں اسکی دارقطنی وغیرہ نے تضعیف کی ہے۔ پس دوسری روایات کے مقابلہ میں اس سے استدلال درست نہیں۔

وعن اولادہ الصغار الخ۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ سے حضرت حسن بن زیاد نے اس طرح کی روایت کی ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آدمی اپنی نابالغ اولاد کی جانب سے بھی قربانی کرے۔ یہ ظاہر الروایت کے مطابق نہیں۔ ظاہر الروایت کیمطابق حکم یہ ہے کہ ہر شخص پر اپنی جانب سے قربانی کرنا لازم ہے۔ اور فتاویٰ قاضی خاں کی وضاحت کے مطابق مفتیٰ بہ قول بھی یہی ہے۔

شاة او یذبح بدنة او بقرة الخ۔ بکری محض ایک شخص کی جانب سے ہوسکتی ہے۔ اس کے برعکس اونٹ اور گائے کی قربانی میں سات آدمیوں کی شرکت درست ہے۔ حضرت امام مالکؒ کے نزدیک ایک گھر کے افراد اگر سات سے زیادہ ہوں تب بھی سب کی جانب سے ایک اونٹ کی قربانی درست ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر اہل خانہ پر ہر برس قربانی وغیرہ واجب ہے۔ احنافؒ فرماتے ہیں کہ از روئے قیاس اونٹ و گائے کا جہاں

تک تعلق ہے وہ قربتِ واحدہ ہونیکی بنا پر محض ایک کی جانب سے ہوتی لیکن مسلم اور ابوداؤد میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گائے سات کی جانب سے اور اونٹ سات کی جانب سے درست ہے۔ اس واسطے یہاں قیاس چھوڑ کر حدیث پر عمل کیا گیا۔ بکری اور بھیڑ کے بارے میں نص موجود نہ ہونیکی بنا پر اصل قیاس برقرار رہا اور وہ روایت جس سے حضرت امام مالکؒ استدلال فرماتے ہیں اہل خانہ کا قیم مراد ہے۔

وھی جائزۃ فی ثلثۃ ایام الخ۔ قربانی کے دن دس، گیارہ اور بارہ ذی الحجہ ہیں۔ عندالاحنافؒ بارہ ذی الحجہ کے سورج غروب ہونے سے قبل تک قربانی درست ہے۔ حضرت امام شافعیؒ تیرہویں تاریخ میں بھی درست فرماتے ہیں۔ ان کا مستدل ہے کہ سارے ایام تشریق ایام ذبح ہیں۔ احنافؒ کا مستدل حضرت ابن عمرؓ سے موطا امام مالک میں مروی یہ روایت ہے کہ یوم الاضحیٰ کے بعد قربانی کے دو دن ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے بھی اسی کے مانند مروی ہے۔

ویجزی من ذٰلک کلہ الثنی فصاعدًا الخ۔ ایسا اونٹ جو پانچ سال کا یا اس سے زیادہ کا ہو، اور گائے بھینس وغیرہ دو سال کی اور بکری ایک سال کی شرعًا انکی قربانی جائز ہے۔ اس واسطے کہ حدیث شریف میں اسی طرح ارشاد ہے۔ لیکن بھیڑ اور دنبہ میں شرعًا اس کی اجازت ہے کہ اگر اس کی عمر چھ ماہ ہو مگر فربہی کے اعتبار سے وہ پورے سال کا لگتا ہو تو اس کی قربانی جائز ہوگی۔ حدیث شریف سے یہ جواز ثابت ہے۔

ویستحب ان لاینقص الصدقۃ الخ۔ قربانی کے گوشت میں مستحب یہ ہے کہ اس کے تین حصے کرلئے جائیں، ایک حصہ صدقہ کردیا جائے، ایک حصہ امیروں و غریبوں کو کھلادیا جائے، اور ایک حصہ اپنے لئے رکھ لیا جائے۔

والافضل الخ۔ فرماتے ہیں قربانی میں افضل طریقہ یہ ہے کہ اگر خود اچھی طرح ذبح کرنے پر قادر ہو تو اپنے ہاتھ سے ذبح کرے ورنہ دوسرا ذبح کرے۔ لیکن یہ مکروہ ہے کہ قربانی کا جانور بجائے مسلمان کے کوئی کتابی ذبح کرے۔ اور اگر ایسا ہو جائے کہ مغالطہ اور غلط فہمی کی بنا پر ایک دوسرے کا قربانی کا جانور ذبح کردیں تو مضائقہ نہیں۔ قربانی بھی درست ہو جائے گی اور اس کی وجہ سے کوئی ضمان بھی کسی پر نہ آئے گا۔

کتاب الایمان

قسموں کا بیان

اَلْاَیْمَانُ عَلٰی ثَلٰثَۃِ اَضْرُبٍ یَمِیْنُ غَمُوْسٍ وَیَمِیْنٌ مُنْعَقِدَۃٌ وَیَمِیْنُ لَغْوٍ فَالْغَمُوْسُ ھِیَ الْحَلْفُ
یمین کی تین قسمیں ہیں (۱) یمین غموس (۲) یمین منعقدہ (۳) یمین لغو۔ پس کسی گزشتہ فعل پر

عَلٰی اَمْرٍ مَاضٍ تَعَمَّدَ فِیْہِ الْکَذِبَ فَھٰذِہٖ الْیَمِیْنُ یَاثَمُ بِھَا صَاحِبُھَا وَلَاکَفَّارَۃَ فِیْھَا اِلَّا
قصدًا جھوٹ حلف کا نام یمین غموس ہے۔ اس میں قسم کھانے والا گنہگار ہوگا اور بجز استغفار کے اس میں اور کوئی

الاستغفار وَالیمینُ المنعقدۃُ ھِیَ الحلفُ علی الامرِ المستقبلِ اَنْ یفعلہ اَوْ لا یفعلہ فاذا حنثَ
کفارہ نہ ہوگا۔ یمین منعقدہ آئندہ امر کے کرنے یا نہ کرنے پر حلف کرنیکا نام ہے۔ اس میں حانث ہونے پر
فی ذٰلکَ لزمتہُ الکفارۃُ ویمینُ اللغوِ اَنْ یحلفَ علی اَمرٍ ماضٍ وَھُوَ اَنْ یظنَّ انہُ کما قالَ وَالامرُ
کفارہ کا وجوب ہوگا۔ یمین لغو اسے کہتے ہیں کہ ماضی کے امر پر یہ خیال کرکے حلف کرے کہ جس طرح اس نے کہا اسی طرح ہو۔
بخلافہ فھٰذہ الیمینُ نرجوا اَنْ لا یؤاخذَ اللہُ بھا وَالعامدُ فی الیمینِ وَالناسی وَالمکرہُ سواءٌ
حالانکہ اس کے خلاف و برعکس ہو۔ اس حلف میں ہمیں عند اللہ حلف کرنیوالے سے مواخذہ نہ ہونیکی توقع ہے۔ اور قصداً حلف کرنیوالا اور ناسیا
وَمَنْ فعلَ المحلوفَ علیہ عامداً اَوْ ناسیاً اَوْ مکرھاً فھُوَ سواءٌ وَالیمینُ باللہِ تعالٰی اَوْ باسمٍ مِنْ
وزبردستی حلف کرنیوالے کا حکم یکساں ہے۔ اور فعلِ محلوف علیہ کا ارتکاب کرنیوالا خواہ عمداً کرے یا ناسیاً یا مکرہاً اسکا حکم یکساں ہے۔ اور قسم
اَسمائہ کالرحمٰنِ وَالرحیمِ اَوْ بصفۃٍ مِنْ صفاتِ ذاتہ کقولہ وعزۃِ اللہِ وَجلالہ وکبریائہ الا
منعقد ہو جائیگی لفظ اللہ یا اس کے اسماء میں سے کسی اسم کے ساتھ مثلاً رحمٰن اور رحیم یا اس کی صفاتِ ذاتی میں سے کسی صفت کے ساتھ مثلاً
قولہ وعلمِ اللہِ فانہ لا یکونُ یمیناً وَاِنْ حلفَ بصفۃٍ مِنْ صفاتِ الفعلِ کغضبِ اللہِ وَسخطہ
اللہ کی عزت، اللہ کا جلال اور اسکی کبریائی۔ بجز "وعلم اللہ" کے کہ اس سے یمین نہ ہوگی اور اگر صفاتِ فعل میں سے کسی صفت کے ساتھ حلف کرے
لم یکنْ حالفاً وَمَنْ حلفَ بغیرِ اللہِ لم یکنْ حالفاً کالنبیِّ علیہ السلامُ وَالقرآنِ وَالکعبۃِ
مثلاً اللہ کا غضب اور اس کا غصہ تو اسے حلف نہ ہوگا۔ اور جو غیر اللہ کا حلف کرے تو حلف کرنیوالا نہ ہوگا مثلاً نبی علیہ السلام اور قرآن اور کعبہ
وَالحلفُ بحروفِ القسمِ وحروفہ الواوُ کقولہ وَاللہِ وَالباءُ کقولہ باللہِ وَالتاءُ کقولہ تاللہِ وَ
اور حلف حروفِ قسم سے ہوا کرتا ہے۔ اور قسم کے حروف میں سے واؤ ہے مثلاً واللہ۔ اور باء مثلاً باللہ اور تاء مثلاً تاللہ۔ اور بعض
قد تضمرُ الحروفُ فیکونُ حالفاً کقولہ اللہِ لا فعلنَّ کذا وَقالَ ابوحنیفۃَ رحمہُ اللہُ اذا قالَ
اوقات یہ حروف پوشیدہ ہوا کرتے ہیں اس صورت میں بھی حلف کرنیوالا ہوگا مثلاً "اللہ لا فعلن کذا"۔ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک
وَحقِّ اللہِ فلیسَ بحالفٍ وَاِذا قالَ اقسمُ اَوْ اقسمُ باللہِ اَوْ احلفُ اَوْ احلفُ باللہِ اَوْ اشھدُ
"وحق اللہ" کہنے پر حلف کرنیوالا نہ ہوگا۔ اور اگر کہے قسم کھاتا ہوں یا اللہ کی قسم کھاتا ہوں یا حلف کرتا ہوں یا اللہ کا حلف کرتا ہوں یا شہادت
اَوْ اشھدُ باللہِ فھُوَ حالفٌ وَکذٰلکَ قولہُ وَعھدِ اللہِ وَمیثاقہ وَعلیَّ نذرٌ اَوْ نذرُ اللہِ
دیتا ہوں یا اللہ کو شاہد بناتا ہوں تو وہ حلف کرنیوالا ہوگا۔ ایسے ہی وہ کہے کہ اللہ کا عہد اور اس کا میثاق اور میرے اوپر نذر ہے یا میرے اوپر
علیَّ فھُوَ یمینٌ وَاِنْ قالَ اِنْ فعلتُ کذا فانا یھودیٌّ اَوْ نصرانیٌّ اَوْ مجوسیٌّ اَوْ مشرکٌ اَوْ
اللہ کی نذر ہے۔ یہ بھی یمین ہو جائے گی اور اگر کہے کہ میں اگر اس طرح کروں تو یہودی یا عیسائی یا آتش پرست یا مشرک یا کافر ہوں
کافرٌ کانَ یمیناً وَاِنْ قالَ فعلیَّ غضبُ اللہِ اَوْ سخطہُ فلیسَ بحالفٍ وَکذٰلکَ اِنْ قالَ اِنْ
تو یہ یمین ہو جائے گی اور اگر کہے تو میرے اوپر اللہ کا غضب یا اللہ کا غصہ تو حلف کرنیوالا نہ ہوگا۔ اسی طریقہ سے اگر کہے کہ میں اس
فعلتُ کذا فانا زانٍ اَوْ شاربُ خمرٍ اَوْ آکلُ ربوٰ فلیسَ بحالفٍ۔
طرح کروں تو میں زنا کرنیوالا یا شراب پینے والا یا سود کھانیوالا ہوں تو وہ حلف کرنے والا نہ ہوگا۔

لغات کی وضاحت:۔ اضرب۔ ضرب کی جمع، قسم ۔ حنث، قسم توڑنا۔ سواءٌ: برابر۔ السخط: ناراضی۔ حالف: قسم کھانے والا، حلف کرنیوالا۔ شاربٌ: پینے والا۔

تشریح و توضیح: الایمانُ علی الخ۔ الف کے زبر کے ساتھ یہ یمین کی جمع ہے۔ اس کے معنے اصل میں قوت کے ہیں، اسی لئے انسان کے ہاتھوں میں سے ایک ہاتھ کا نام یمین رکھا گیا۔ یہ ہاتھ دوسرے یعنی بائیں ہاتھ کے مقابلہ میں زیادہ قوی ہوتا ہے۔ اور حلف کا نام یمین اس لئے رکھا گیا کہ محلوف علیہ (جس پر حلف کیا گیا) کے کرنے اور نہ کرنے پر اس کے ذریعہ قوت حاصل ہوتی ہے۔ فتح القدیر میں اسی طرح ہے۔ یمین تین قسموں پر مشتمل ہے۔ ایک یمین غموس، دوسری یمین منعقدہ، تیسری یمین لغو۔ یمین غموس فعول کے وزن پر غمس سے مشتق ہے اس کا نام غموس اس لئے رکھا گیا کہ اس کی وجہ سے قسم کھانیوالا گناہ میں ڈوب جاتا ہے۔ کیونکہ یہ گناہ کبیرہ میں داخل ہے خواہ اس کے ذریعہ کسی کا حق تلف ہوتا ہو یا نہ ہوتا ہو۔ بخاری شریف میں ہے۔ گناہ کبیرہ میں سے یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھیرائے اور والدین کی نافرمانی کرے اور قتل نفس کرے اور یمین غموس۔ یمین غموس کے باعث گنہگار ہوگا لہٰذا توبہ و استغفار لازم ہے مگر احنافؒ اور امام مالکؒ و امام احمدؒ کے نزدیک اس کی وجہ سے کفارہ لازم نہ ہوگا کیونکہ یہ محض گناہ کبیرہ ہے اور کفارہ فقط کبائر میں واجب نہیں ہوتا بلکہ ایسے امور میں واجب ہوتا ہے جو حرمت و اباحت کے درمیان دائر سائر ہوں۔ امام شافعیؒ کے نزدیک اس میں بھی کفارہ واجب ہوگا۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ "بما کسبت قلوبکم" کے زمرے میں ہے۔ اور احنافؒ کے نزدیک آیت کریمہ "ولکن یؤاخذکم بما عقدتم الایمان فکفارتہ" میں کفارہ کا وجوب یمین منعقدہ میں ہوتا ہے اور یمین غموس کا جہاں تک معاملہ ہے یہ یمین منعقدہ میں داخل نہیں۔ پس اس میں کفارہ بھی نہ ہوگا۔

والیمین المنعقدۃ ھی الحلف الخ۔ یمین منعقدہ یہ کہلاتی ہے کہ مستقبل میں کسی کام کے انجام دینے یا انجام نہ دینے کا حلف کرے۔ مستقبل کی قید کی بنیاد آیت کریمہ "واحفظوا ایمانکم" ہے۔ یہ بات عیاں ہے کہ حفاظت کا جہاں تک تعلق ہے وہ مستقبل ہی کے اعتبار سے ممکن ہے اور اس شکل میں خلاف حلف کرنے اور قسم توڑنے پر متفقہ طور پر سب کے نزدیک کفارہ کا وجوب ہوگا۔

ویمین اللغو ان یحلف الخ۔ عندالاحنافؒ یمین لغو اس کا نام ہے کہ اپنے خیال کیمطابق وہ ماضی میں کئے ہوئے امر کو حق و سچ جان کر حلف کرے حالانکہ وہ جھوٹ ہو۔ اس کے متعلق صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ اس کی معافی اور اس پر عنداللہ مواخذہ نہ ہونیکی امید ہے۔ یمین لغو کی یہ تفسیر حضرت ابن عباسؓ سے اس آیت "لا یؤاخذکم اللہُ باللغو فی ایمانکم ولکن یؤاخذکم بما کسبتْ قلوبکم" کے ذیل میں منقول ہے۔ یمین لغو کی معافی اور عنداللہ مواخذہ نہ ہونیکا سبب یہ ہے کہ حلف کرنے والا سچ گمان کرتے ہوئے حلف کر رہا ہے لہٰذا وہ اس اعتبار سے معذور ہے اور اس پر نہ مواخذہ ہے نہ وجوب کفارہ۔ اصل اس بارے میں یہ ارشاد ربانی ہے "لا یؤاخذکم اللہُ باللغو فی ایمانکم"۔ (الآیۃ)

او مکرھاً فھو سواءٌ الخ۔ اس میں مکرہ اور بھولنے والے دونوں کا حکم یکساں ہے۔ مستدل یہ حدیث ہے کہ تین چیزیں

ایسی ہیں کہ خواہ حقیقۃً ہوں اور خواہ مذاقاً بہر صورت انکا وقوع ہو جاتا ہے اور وہ ہیں نکاح، طلاق اور یمین۔ یہ حدیث سنن اربعہ میں موجود ہے۔

والیمین باللہ تعالیٰ او باسم من اسمائہ الخ۔ لفظ اللہ یا اس کے دوسرے اسماء میں سے کسی اسم کے ساتھ قسم منعقد ہو جائے گی۔ ترمذی شریف کی روایت کیمطابق کل ننانوے نام ہیں۔

او بصفۃ الخ۔ عنایہ میں ہے کہ مراد اسم سے وہ لفظ ہے جو ذات موصوفہ کی نشان دہی کرتا ہے۔ مثلاً رحمٰن اور رحیم۔ اور وہ صفت جو وصف اللہ سے حاصل ہو مثلاً رحمت، علم اور عزت۔

ومَن حلف بغیر اللہ الخ۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کا حلف کرنا شرعاً ممنوع ہے۔ بخاری ومسلم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آباء کا حلف کرنیکی ممانعت فرمائی۔ لہٰذا جو حلف کرے وہ اللہ کا حلف کرے یا خاموش رہے۔

والقرآن الخ۔ فتح القدیر میں ہے کہ حلف بالقرآن متعارف ہے لہٰذا اس کے ساتھ حلف یمین قرار دیں گے۔

وَكَفَّارَةُ الْيَمِينِ عِتْقُ رَقَبَةٍ يُجْزِئُ فِيهَا مَا يُجْزِئُ فِي الظِّهَارِ وَإِنْ شَاءَ كَسَا عَشَرَةَ مَسَاكِينَ كُلَّ وَاحِدٍ

اور کفارۂ یمین ایک غلام کی آزادی ہے اور اس میں وہی چیز کافی ہوگی جو ظہار کے اندر کافی ہوا کرتی ہے۔ اور خواہ دس مساکین کو کپڑا پہنادے۔

ثَوْبًا فَمَا زَادَ وَأَدْنَاهُ مَا يَجُوزُ فِيهِ الصَّلٰوةُ وَإِنْ شَاءَ أَطْعَمَ عَشَرَةَ مَسَاكِينَ كَالْإِطْعَامِ فِي كَفَّارَةِ

ہر مسکین کو ایک یا ایک سے زیادہ کپڑا دے اور کپڑے کی ادنیٰ مقدار یہ ہے کہ اسکے اندر نماز درست ہو اور خواہ دس مساکین کو کھانا کھلائے کفارۂ ظہار کے کھلانے

الظِّهَارِ فَإِنْ لَمْ يَقْدِرْ عَلٰى أَحَدِ هٰذِهِ الْأَشْيَاءِ الثَّلٰثَةِ صَامَ ثَلٰثَةَ أَيَّامٍ مُتَتَابِعَاتٍ فَإِنْ قَدَّمَ

کی طرح اور تین اشیاء میں سے کسی پر بھی قدرت نہ ہونے پر مسلسل تین روزے رکھے اور قسم توڑنے پر کفارہ کو مقدم کرنا کافی

الْكَفَّارَةَ عَلَى الْحِنْثِ لَمْ يُجْزِهِ وَمَنْ حَلَفَ عَلٰى مَعْصِيَةٍ مِثْلُ أَنْ لَا يُصَلِّيَ أَوْ لَا يُكَلِّمَ أَبَاهُ أَوْ لَيَقْتُلَنَّ

شمار نہ ہوگا۔ اور جو شخص معصیت پر حلف کرے جیسے اسطرح کہے کہ وہ نماز نہیں پڑھیگا یا اپنے والد سے گفتگو نہیں کریگا

فُلَانًا فَيَنْبَغِي أَنْ يَحْنَثَ نَفْسَهُ وَيُكَفِّرَ عَنْ يَمِينِهِ وَإِذَا حَلَفَ الْكَافِرُ ثُمَّ حَنِثَ فِي حَالِ الْكُفْرِ

یا فلاں کو ضرور ہلاک کریگا تو مناسب ہے کہ خود ہی قسم توڑ کر کفارہ ادا کرے اور اگر کافر حلف کرے پھر بحالت کفر یا بعد قبول اسلام قسم توڑ دے

أَوْ بَعْدَ إِسْلَامِهِ فَلَا حِنْثَ عَلَيْهِ وَمَنْ حَرَّمَ عَلٰى نَفْسِهِ شَيْئًا مِمَّا يَمْلِكُهُ لَمْ يَصِرْ مُحَرَّمًا وَعَلَيْهِ إِنْ

تو اس پر وجوب کفارہ نہ ہوگا۔ اور کسی کے اپنی مملوکہ شئی اپنے اوپر حرام کرنے سے وہ حرام شمار نہیں ہوگی۔ اس کے بعد اگر وہ اسے

اسْتَبَاحَهُ كَفَّارَةُ يَمِينٍ فَإِنْ قَالَ كُلُّ حَلَالٍ عَلَيَّ حَرَامٌ فَهُوَ عَلَى الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ إِلَّا أَنْ

مباح خیال کرے تو کفارۂ یمین دے گا۔ اگر کہے کہ ہر حلال شئی میرے اوپر حرام ہے تو اسے کھانے پینے کی اشیاء پر محمول کریں گے الا یہ کہ اسنے کسی

يَنْوِيَ غَيْرَ ذٰلِكَ وَمَنْ نَذَرَ نَذْرًا مُطْلَقًا فَعَلَيْهِ الْوَفَاءُ وَإِنْ عَلَّقَ نَذْرَهُ بِشَرْطٍ فَوُجِدَ

اور شئے کی نیت کی ہو۔ اور جو شخص مطلقاً نذر مانے اس پر اسکی تکمیل لازم ہے۔ اور اگر نذر کی تعلیق کسی شرط پر کردے اور پھر شرط پائی جائے

الشَّرْطُ فَعَلَيْهِ الْوَفَاءُ بِنَفْسِ النَّذْرِ وَرُوِيَ أَنَّ أَبَا حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ رَجَعَ عَنْ ذٰلِكَ

تو اس پر نذر کی تکمیل لازم ہوگی۔ اور منقول ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے اس سے رجوع فرمالیا تھا۔

وَقَالَ اِذَا قَالَ اِنْ فَعَلْتُ كَذَا فَعَلَيَّ حَجَّةٌ اَوْ صَوْمُ سَنَةٍ اَوْ صَدَقَةُ مَا اَمْلِكُهُ اَجْزَأَهُ مِنْ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ يَمِيْنٍ وَهُوَ قَوْلُ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ۔

اور فرماتے ہیں کہ جس وقت اس طرح ہے کہ اگر میں نے اس طرح کر دی تو میرے او پر حج یا ایک سال کے روزے ہیں یا جس کا میں مالک ہوں اسکا صدقہ ہے تو اس کے اندر کفارۂ یمین کا فی قرار دیا جائے۔ امام محمدؒ یہی فرماتے ہیں۔

قسم کے کفارے اور اس سے متعلق مسائل

تشریح و توضیح

وكفارة يمين عتق الخ۔ کفارۂ حلف یہ ہے کہ ایک غلام کو حلقۂ غلامی سے آزاد کیا جائے۔ اور کفارۂ یمین میں اسی کو کافی قرار دیا جائے گا جو ظہار کے کفارہ میں کافی ہوا کرتا ہے اور اگر بطور کفارہ کپڑا دینا ہو تو دس مساکین کو ایک یا ایک سے زیادہ کپڑا دے۔ اور اس قدر کپڑا ضرور دے کہ جسے پہنکر نماز پڑھنا جائز ہو اور یہ بھی کر سکتا ہے کہ بجائے کپڑا دینے کے دس مساکین کو کھانا کھلائے۔ آیتِ کریمہ "فکفارتہ اطعام عشرۃ مساکین من اوسط ماتطعمون اھلیکم او کسوتھم او تحریر رقبۃ" (سو اس کا کفارہ دس محتاجوں کو کھانا دینا اوسط درجہ کا جو اپنے گھر والوں کو کھانے کو دیا کرتے ہو، یا ان کو کپڑا دینا یا ایک غلام یا لونڈی آزاد کرنا) یعنی تینوں میں سے جس کو چاہے اختیار کرلے۔

فان لم یقدر علی احد هذه الاشیاء الخ۔ اگر نہ غلام حلقۂ غلامی سے آزاد کرنے کی استطاعت ہو اور نہ کپڑا پہنانے اور کھانا کھلانے پر قادر ہو تو پھر وہ بطور کفارۂ قسم تین دن کے مسلسل روزے رکھے۔ ارشادِ ربانی ہے "فمن لم یجد فصیام ثلثۃ ایام ذٰلک کفارۃ ایمانکم اذا حلفتم واحفظوا ایمانکم" (اور جسکو مقدور نہ ہو تو تین دن کے روزے ہیں۔ یہ کفارہ ہے تمہاری قسموں کا جب تم قسم کھالو اور اپنی قسموں کا خیال رکھا کرو) حضرت امام مالکؒ کے نزدیک یہ روزے لگاتار رکھنا لازم نہیں۔ حضرت امام شافعیؒ کا بھی ایک قول اسی طرح کا ہے اور حضرت امام احمدؒ کی بھی ایک روایت اسی طرح کی ہے اس لئے کہ آیتِ کریمہ میں لگاتار کی قید نہیں لگائی گئی۔

فان قدم الکفارۃ علی الحنث الخ۔ اگر کوئی شخص قسم توڑنے سے پہلے کفارہ کی ادائیگی کر دے تو اسے کافی قرار نہ دیں گے۔ اور قسم ٹوٹنے کے بعد دوبارہ کفارہ ادا کرنا ہوگا۔ حضرت امام شافعیؒ قسم توڑنے سے قبل کفارہ کو درست قرار دیتے ہیں۔ اس لئے کہ روایت میں ہے کہ اپنی قسم کا کفارہ ادا کرو اور پھر جو بہتر ہو وہ کرو۔ اس سے یہ بات واضح ہوئی کہ پہلے کفارہ کی ادائیگی کرے اس کے بعد اپنی قسم کو توڑے۔ اسواسطے کہ حدیث میں لفظ "ثم" برائے تعقیب ہے۔ احنافؒ فرماتے ہیں کہ قسم کے کفارہ کے بارے میں اکثر روایات سے اس کی نشاندہی ہوتی ہے کہ اول قسم توڑے اس کے بعد کفارہ کی ادائیگی کرے۔ مثلاً نسائی اور ابن ماجہ میں حضرت عوف بن مالکؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ! آپؐ نے ملاحظہ فرمایا کہ میں نے اپنے ابنِ عم سے کچھ مانگا تو مجھے نہیں دیا اور صلۂ رحمی نہیں کی۔ پھر اسے ضرورت ہوئی اور اس نے میرے پاس

مانگا تو میں نے اسے نہ دینے اور صلۂ رحمی نہ کرنیکا حلف کرلیا تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے صلہ رحمی کرنے اور یمین کے کفارہ کا حکم فرمایا۔ اس سے بھی اول صلۂ رحمی کرنے، انکی ضرورت پوری کرنے اور پھر کفارہ کا حکم فرمایا۔ علاوہ ازیں کفارہ کا مشروع ہونا گناہ کی پوشیدگی کی خاطر ہے اور قسم توڑنے سے کوئی معصیت ہی نہیں ہوتی جسے کفارہ پوشیدہ کرے۔ اور حضرت امام شافعیؒ کے استدلال کا جواب یہ دیا گیا کہ بخاری ومسلم میں حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہؓ سے مروی روایت میں "ثم" نہیں آیا دہاں "واؤ" ہے اور واؤ کا جہاں تک تعلق ہے وہ برائے جمع مطلق آتا ہے برائے تعقیب نہیں۔ اور باعتبارِ صحت بخاری ومسلم کی روایت راجح ہونیکی بناء پر روایتِ ابوداؤد میں تاویل سے کام لیا جائے گا۔

ومَن حلف علی معصیۃ الخ۔ اگر کوئی شخص کسی گناہ پر حلف کرے مثال کے طور پر وہ یہ حلف کرے کہ نماز نہیں پڑھے گا یا یہ حلف کرے کہ وہ اپنے ماں باپ سے گفتگو نہیں کریگا یا یہ حلف کرے کہ وہ فلاں کو موت کے گھاٹ اتار دیگا تو اس پر لازم ہوگا کہ قسم توڑ کر کفارۂ قسم کی ادائیگی کرے۔ اصل اس بارے میں یہ حدیث ہے کہ قسم کا کفارہ دے اور جس میں خیر ہو وہ کر۔

واذا حلف الکافرُ الخ۔ اگر کافر کسی فعل کے انجام دینے یا ترک پر حلف کرے، اس کے بعد بحالتِ کفر یا اسلام قبول کرنے کے بعد یہ قسم توڑ دے تو اس پر کفارہ واجب نہ ہوگا۔ وجہ یہ ہے کہ کافر بوجہ کفر عبادت اور یمین کا اہل ہی نہیں کہ اس پر کفارہ کا حکم کیا جائے۔ کفار کی قسموں کے معتبر نہ ہونیکی تصدیق اس ارشادِ ربانی سے ہوتی ہے " وَاِنْ نَّکَثُوْا اَیْمَانَہُمْ مِّنْ بَعْدِ عَہْدِہِمْ وَطَعَنُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ فَقَاتِلُوْا اَئِمَّۃَ الْکُفْرِ اِنَّہُمْ لَا اَیْمَانَ لَہُمْ " (الآیۃ) " لا ایمان لہم " سے کفار کی قسموں کے معتبر نہ ہونے کی نشاندہی ہوتی ہے۔

فان قال کل حلالٍ علیَّ حرامٌ الخ۔ ظاہر الروایۃ کے مطابق اس کا تعلق کھانے پینے کی حرمت سے ہوگا مگر متأخرین فقہاء کے مفتیٰ بہ قول کے مطابق اس جملہ سے کہنے والے کی زوجہ پر ایک بائن طلاق پڑ جائے گی خواہ وہ یہ بھی کہے کہ میری نیت اس سے طلاق کی نہیں تھی لیکن قضاءً اس کا یہ کہنا معتبر نہ ہوگا اور وقوعِ طلاق کا حکم ہوگا۔

وَمَنْ حَلَفَ لَا یَدْخُلُ بَیْتًا فَدَخَلَ الْکَعْبَۃَ اَوِالْمَسْجِدَ اَوِالْبِیْعَۃَ اَوالْکَنِیْسَۃَ لَمْ یَحْنَثْ وَمَنْ
اور جو شخص حلف کرے کہ وہ مکان میں داخل نہ ہوگا اسکے بعد کعبہ یا مسجد یا عیسائیوں یا یہود کی عبادت گاہ میں داخل ہوگیا تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔
حَلَفَ لَا یَتَکَلَّمُ فَقَرَأَ الْقُرْاٰنَ فِی الصَّلٰوۃِ لَمْ یَحْنَثْ وَمَنْ حَلَفَ لَا یَلْبَسُ ھٰذَا الثَّوْبَ وَھُوَ لَابِسُہٗ
اور جو شخص کلام نہ کرنے کا حلف کرے پھر نماز کے اندر تلاوت قرآن کرے تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اور جو شخص حلف کرے کہ وہ یہ کپڑا نہیں پہنے گا درانحالیکہ
فَنَزَعَہٗ فِی الْحَالِ لَمْ یَحْنَثْ وَکَذٰلِکَ اِذَا حَلَفَ لَا یَرْکَبُ ھٰذِہِ الدَّابَّۃَ وَھُوَ رَاکِبُھَا فَنَزَلَ
اسنے وہی پہن رکھا ہو اور وہ اسے فوری طور پر اتار دے تو قسم نہیں ٹوٹے گی اور ایسے ہی اگر وہ حلف کرے کہ اس جانور پر سواری نہ کرے گا درانحالیکہ وہ اسکی سواری
فِی الْحَالِ لَمْ یَحْنَثْ وَاِنْ لَبِثَ سَاعَۃً حَنِثَ وَمَنْ حَلَفَ لَا یَدْخُلُ ھٰذِہِ الدَّارَ وَھُوَ
کررہا ہو اور وہ فوراً اتر پڑے تو قسم نہیں ٹوٹے گی اور اگر ذرا ٹھہرا تو قسم ٹوٹ جائیگی اور جو شخص حلف کرے کہ اس مکان میں داخل نہیں ہوگا درانحالیکہ
فِیْھَا لَمْ یَحْنَثْ بِالْقُعُوْدِ حَتّٰی یَخْرُجَ ثُمَّ یَدْخُلَ وَمَنْ حَلَفَ لَا یَدْخُلُ دَارًا فَدَخَلَ دَارًا
اس مکان میں ہو تو وہاں بیٹھنے سے قسم نہ ٹوٹے گی حتیٰ کہ نکلنے کے بعد دوبارہ داخل ہو۔ اور جو شخص حلف کرے کہ مکان میں داخل نہ ہوگا پھر وہ ویران

خَرَابًا لَمْ يَحْنَثْ وَمَنْ حَلَفَ لَا يَدْخُلُ هٰذِهِ الدَّارَ فَدَخَلَهَا بَعْدَ مَا انْهَدَمَتْ وَصَارَتْ
جگہ داخل ہو جائے تو قسم نہیں ٹوٹے گی اور جو شخص حلف کرے کہ اس مکان میں داخل نہ ہوگا پھر اسکے گر جانے کیبعد اور صحرا بنجانے کیبعد اس میں
صَحْرَاءَ حَنِثَ وَمَنْ حَلَفَ لَا يَدْخُلُ هٰذَا الْبَيْتَ فَدَخَلَ بَعْدَ مَا انْهَدَمَ لَمْ يَحْنَثْ وَمَنْ حَلَفَ
داخل ہو گیا تو قسم ٹوٹ جائے گی۔ اور جو شخص حلف کرے کہ وہ اس مکان میں داخل نہیں ہوگا پھر وہ بعد انہدام داخل ہو گیا تو قسم نہیں ٹوٹے گی
لَا يُكَلِّمُ زَوْجَةَ فُلَانٍ فَطَلَّقَهَا فُلَانٌ ثُمَّ كَلَّمَهَا حَنِثَ وَمَنْ حَلَفَ اَنْ لَا يُكَلِّمَ عَبْدَ فُلَانٍ اَوْ
اور جو شخص حلف کرے کہ وہ فلاں کی زوجہ سے بات نہیں کریگا۔ پھر فلاں کے طلاق دینے کیبعد وہ اس سے گفتگو کرے تو قسم ٹوٹ جائیگی اور جو شخص یہ حلف کرے
لَا يَدْخُلُ دَارَ فُلَانٍ فَبَاعَ فُلَانٌ عَبْدَهُ اَوْ دَارَهُ ثُمَّ كَلَّمَ الْعَبْدَ اَوْ دَخَلَ الدَّارَ لَمْ يَحْنَثْ
کہ وہ فلاں کے غلام سے گفتگو نہیں کریگا یا وہ فلاں کے مکان میں داخل نہیں ہوگا۔ پھر فلاں کے اپنے غلام کو فروخت کرنے یا اپنے گھر کو بیچنے کیبعد غلام سے گفتگو کرے یا مکان میں
وَاِنْ حَلَفَ اَنْ لَا يُكَلِّمَ صَاحِبَ هٰذَا الطَّيْلَسَانِ فَبَاعَهُ ثُمَّ كَلَّمَهُ حَنِثَ وَكَذٰلِكَ اِذَا حَلَفَ
داخل ہو جائے تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اور اگر حلف کرے کہ وہ اس چادر والے سے گفتگو نہیں کریگا پھر وہ شخص چادر فروخت کردے اسکے بعد گفتگو کرے تو قسم ٹوٹ
اَنْ لَا يُكَلِّمَ هٰذَا الشَّابَّ فَكَلَّمَهُ بَعْدَ مَا صَارَ شَيْخًا حَنِثَ۔
جائے گی۔ ایسے ہی جب وہ حلف کرے کہ اس جوان سے گفتگو نہ کرے گا۔ پھر اسکے بوڑھا ہو جانے پر اس سے گفتگو کرے تو قسم ٹوٹ جائے گی۔

گھر میں داخل ہونے وغیرہ کے حلف کا ذکر

لغات کی وضاحت: البِیعَۃ۔ با کے زیر کے ساتھ اور عین کے زبر کے ساتھ: عیسائیوں کی عبادتگاہ۔ الکنیسۃ۔ کریمہ کے وزن پر: یہود کا عبادت خانہ۔ خراب: ویران واجاڑ جگہ۔ طیلسان: ایسی چادر جس کا رنگ برابر ہو۔

تشریح و توضیح: وَمَنْ حَلَفَ لَا يَدْخُلُ بَيْتًا الخ۔ اصل اس باب میں یہ ہے کہ ایمان (قسموں) کا مبنیٰ و مدار احنافؒ کے نزدیک عرف ہے جبتک کہ دوسرے احتمال کی جو لفظ میں موجود ہو نیت نہ کی جائے۔ اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک مبنیٰ و مدار حقیقت لغویہ ہے۔ اور حضرت امام مالکؒ کے نزدیک قرآنی استعمال ہے۔ فتح القدیر میں اسی طرح ہے۔ پس اگر کوئی شخص بیت میں داخل نہ ہونیکا حلف کرے اور پھر کعبہ میں داخل ہو جائے تو قسم توڑنیوالا شمار نہ ہوگا۔ اگرچہ اس پر بیت اللہ کا اطلاق ہوتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے" جعل اللّٰہُ الکعبۃَ البیتَ الحرامَ قیاماً للناس" (الآیۃ) اور اسی طرح مسجد میں داخل ہونے سے قسم توڑنے والا قرار نہیں دیا جائے گا۔ اگرچہ اس پر بھی بیت اللہ کا اطلاق ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسجد کی شان میں فرمایا۔ " فی بیوتٍ اَذِنَ اللّٰہُ ان ترفع ویذکر فیہا اسمہٗ" (الآیۃ) وجہ یہ ہے کہ باعتبارِ عرف بیت سے وہ جگہ سمجھ میں آتی ہے جو رات بسر کرنے اور رات کو سونے و آرام کیلئے تیار کی گئی ہو اور لفظ بیت سے ذہن کعبہ اور مسجد کیطرف منتقل نہیں ہوتا۔ ایسے ہی یہود و نصاریٰ کے معبدوں کا حال ہے۔ لہٰذا ان میں سے کسی جگہ داخل ہونے پر حانث شمار نہ ہوگا۔

وَمَنْ حَلَفَ لَايَتَكَلَّمُ فَقَرَأَ الْقُرْآنَ فِي الصَّلٰوةِ الخ. اگر کوئی شخص یہ حلف کرے کہ وہ کلام نہیں کریگا اور پھر وہ اندرون نماز تلاوت قرآن شریف کرے تو وہ قسم توڑنیوالا شمار نہ ہوگا۔ اسلئے کہ حدیث شریف میں ہے کہ اس ہماری نماز میں لوگوں کے کلام کی گنجائش نہیں۔ نماز تو تسبیح وتہلیل وقرات قرآن کیلئے ہے۔ اس سے اس کی نشاندہی ہوئی کہ قرآن شریف کی تلاوت کا شمار گفتگو میں نہیں۔

وَمَنْ حَلَفَ لَا يَدْخُلُ دَارًا الخ۔ اگر کسی نے یہ حلف کیا کہ وہ گھر میں داخل نہیں ہوگا اور پھر وہ اس کے ویران ہوجانے کے بعد داخل ہوا تو اس کی وجہ سے وہ قسم توڑنیوالا قرار نہیں دیا جائے گا اور اگر اس طرح حلف کرے کہ وہ اس گھر میں داخل نہیں ہوگا اور پھر وہ اس کے انہدام کے بعد داخل ہوگیا تو قسم ٹوٹ جائے گی۔ اس واسطے کہ دار (گھر) سے مراد میدان ہے اور اس کے اندر تعمیر کی حیثیت اس کے وصف کی ہے اور از روئے قاعدہ متعین کے اندر وصف معتبر نہیں ہوتا۔ اور غیر معین کا جہانتک تعلق ہے اس میں وصف معتبر ہوا کرتا ہے۔ پس پہلی شکل میں قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اور اس طرح حلف کرے کہ اس بیت میں داخل نہیں ہوگا اور پھر اس کے انہدام کے بعد داخل ہوگیا تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اسلئے کہ اب اس پر بیت کی تعریف صادق نہیں آتی کیونکہ بعد منہدم ہونیکے اس میں رات بسر نہیں ہوتی۔

ومن حلف لا یکلم زوجۃ فلان الخ۔ اگر کوئی شخص یہ حلف کرے کہ وہ فلاں شخص کی زوجہ سے گفتگو نہیں کرے گا اسکے بعد ایسا اتفاق ہو کہ وہ فلاں شخص اس عورت کو بائن طلاق دیدے اور قسم کھانیوالا شخص اس کو طلاق دینے کے بعد اس سے گفتگو کرلے تو اس صورت میں وہ قسم توڑنیوالا شمار ہوگا لیکن یہ حکم اس صورت میں ہوگا جبکہ عورت کی جانب اشارہ کرتے ہوئے اس کی تعیین کردے۔

وَمَنْ حَلَفَ لَا يُكَلِّمُ عَبْدَ فُلَانٍ الخ۔ اگر کوئی شخص یہ حلف کرے کہ وہ فلاں کے غلام سے بات نہ کریگا۔ اس کے بعد فلاں شخص اپنا غلام فروخت کردے اور وہ اس کے بعد اس سے گفتگو کرے تو قسم نہ ٹوٹیگی۔ اسواسطے کہ اب درحقیقت وہ فلاں کا غلام نہیں رہا۔ اسی طرح اگر یہ حلف کرے کہ فلاں کے گھر میں داخل نہیں ہوگا اور پھر فلاں اپنے مکان کو فروخت کرے اور حلف کرنیوالا اس کے فروخت کرنے کے بعد اس میں داخل ہوجائے تو اس صورت میں بھی قسم نہیں ٹوٹے گی۔

وَإِنْ حَلَفَ أَنْ لَا يَأْكُلَ لَحْمَ هٰذَا الْحَمَلِ فَصَارَ كَبْشًا فَأَكَلَهُ حَنِثَ وَإِنْ حَلَفَ لَا يَأْكُلُ مِنْ
اور اگر حلف کرے کہ وہ اس حمل کے گوشت کو نہیں کھائیگا پھر اس کے مینڈھا بن جانے پر اسکے گوشت کو کھلائے تو قسم ٹوٹ جائیگی اور اگر حلف کرے

هٰذِهِ النَّخْلَةِ فَهُوَ عَلٰى ثَمَرِهَا وَمَنْ حَلَفَ لَا يَأْكُلُ مِنْ هٰذَا الْبُسْرِ فَصَارَ رُطَبًا فَأَكَلَهُ لَمْ يَحْنَثْ
کہ وہ اس کھجور کے درخت سے نہیں کھائیگا تو قسم کا تعلق اسکے پھل سے ہوگا اور جو شخص حلف کرے کہ وہ اس گدر کھجور سے نہیں کھائیگا پھر وہ اسکے پختہ ہوجانیکے بعد کھالے

وَإِنْ حَلَفَ لَا يَأْكُلُ بُسْرًا فَأَكَلَ رُطَبًا لَمْ يَحْنَثْ وَإِنْ حَلَفَ أَنْ لَا يَأْكُلَ رُطَبًا فَأَكَلَ بُسْرًا
تو قسم نہیں ٹوٹیگی اور اگر حلف کرے کہ وہ گدر کھجور نہیں کھائیگا اسکے بعد پختہ کھجور کھالے تو قسم نہیں ٹوٹیگی اور اگر حلف کرے کہ پختہ کھجور نہیں کھائیگا پھر دُم (دیکھے)

مُذَنَّبًا حَنِثَ عِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَمَنْ حَلَفَ لَا يَأْكُلُ لَحْمًا فَأَكَلَ السَّمَكَ لَمْ يَحْنَثْ
کی جانب سے پکی ہوئی کھجور کھالے تو امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ قسم ٹوٹ جائیگی اور جو شخص حلف کرے کہ وہ گوشت نہیں کھائیگا اسکے بعد مچھلی کھالے تو قسم نہیں

وَلَوحَلَفَ لَا يَشرَبُ دِجلَةَ فَشَرِبَ مِنهَا بِإِنَاءٍ لَم يَحنَث حَتّٰى يَكرَعَ مِنهَا كَرعًا عِندَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَمَن حَلَفَ لَا يَشرَبُ مِن مَاءِ دِجلَةَ فَشَرِبَ مِنهَا بِإِنَاءٍ حَنِثَ

اور اگر دجلہ سے نہ پینے کا حلف کرے پھر برتن میں لیکر پی لے تو امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں تا وقتیکہ منہ ڈال کر نہ پیئے قسم نہیں ٹوٹیگی۔ اور اگر دجلہ کا پانی نہ پینے کا حلف کرے پھر دجلہ کا پانی برتن میں لیکر پی لے تو قسم ٹوٹ جائے گی۔

وَمَن حَلَفَ لَا يَأكُلُ مِن هٰذِهِ الحِنطَةِ فَأَكَلَ مِن خُبزِهَا لَم يَحنَث وَلَو حَلَفَ لَا يَأكُلُ مِن هٰذَا الدَّقِيقِ فَأَكَلَ مِن خُبزِهِ حَنِثَ وَلَو استَفَّهُ كَمَا هُوَ لَم يَحنَث

اور جو شخص حلف کرے کہ اس گندم سے نہیں کھائیگا اس کے بعد اس کی روٹی کھالے تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اور اگر حلف کرے کہ اس آٹے میں سے نہیں کھائیگا اس کے بعد اس آٹے کی روٹی کھالے تو قسم ٹوٹ جائیگی اور اگر اسے اسی طرح پھانکلے تو قسم نہیں ٹوٹے گی

وَإِن حَلَفَ لَا يُكَلِّمُ فُلَانًا فَكَلَّمَهُ وَهُوَ بِحَيثُ يَسمَعُ إِلَّا أَنَّهُ نَائِمٌ حَنِثَ وَإِن حَلَفَ لَا يُكَلِّمُهُ إِلَّا بِإِذنِهِ فَأَذِنَ لَهُ وَلَم يَعلَم بِالإِذنِ حَتّٰى كَلَّمَهُ حَنِثَ

اور اگر حلف کرے کہ فلاں سے گفتگو نہیں کریگا اسکے بعد اس سے اسقدر آواز کے ساتھ گفتگو کرے کہ اگر وہ سویا ہوا نہ ہوتا تو سن سکتا تھا تو قسم ٹوٹ جائیگی۔ اور اگر حلف کرے کہ وہ اس سے بلا اجازت کلام نہ کریگا پھر وہ اجازت دے لیکن اسے اس کی اطلاع نہ ہو اور وہ کلام کرلے تو قسم ٹوٹ جائیگی۔

وَإِذَا استَحلَفَ الوَالِي رَجُلًا لَيُعلِمَنَّهُ بِكُلِّ دَاعِرٍ دَخَلَ البَلَدَ فَهُوَ عَلٰى حَالِ وِلَايَتِهِ خَاصَّةً

اور اگر حاکم کسی شخص سے یہ حلف لے کہ شہر میں ہر آنیوالے شرارت پسند سے مجھے آگاہ کرنا تو اس کا تعلق خاص طور پر اسی حاکم کی ولایت سے ہوگا۔

وَمَن حَلَفَ لَا يَركَبُ دَابَّةَ فُلَانٍ فَرَكِبَ دَابَّةَ عَبدِهِ المَأذُونِ لَم يَحنَث وَمَن حَلَفَ لَا يَدخُلُ هٰذِهِ الدَّارَ فَوَقَفَ عَلٰى سَطحِهَا أَو دَخَلَ دِهلِيزَهَا حَنِثَ وَإِن وَقَفَ فِي طَاقِ البَابِ بِحَيثُ إِذَا أُغلِقَ البَابُ كَانَ خَارِجًا لَم يَحنَث وَمَن

اور جو شخص فلاں کی سواری پر سوار نہ ہونیکا حلف کرے پھر وہ فلاں شخص کے تجارت کی اجازت دیئے گئے غلام کی سواری پر سوار ہو جائے تو قسم نہیں ٹوٹیگی۔ اور جو شخص اس دار میں داخل نہ ہونیکا حلف کرے پھر اس کی چھت پر کھڑا ہو جائے یا اس کی دہلیز میں پہنچ جائے تو قسم ٹوٹ جائیگی اور اگر باب کی محراب کے اندر اس طریقہ سے کھڑا ہو گیا کہ دروازہ بند کرنے پر باہر ہی رہ جائے تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اور جو شخص بھنا

حَلَفَ لَا يَأكُلُ الشِّوَاءَ فَهُوَ عَلَى اللَّحمِ دُونَ البَاذِنجَانِ وَالجَزَرِ وَمَن حَلَفَ لَا يَأكُلُ الطَّبِيخَ فَهُوَ عَلٰى مَا يُطبَخُ مِنَ اللَّحمِ وَمَن حَلَفَ لَا يَأكُلُ الرُّؤُسَ فَيَمِينُهُ

ہوا نہ کھانے کا حلف کرے تو اس سے مراد گوشت ہوگا، بیگن اور گاجر نہیں۔ اور جو شخص پکا ہوا نہ کھانے کا حلف کرے تو اسے گوشت سے پکائے ہوئے پر محمول کیا جائے گا۔ اور جو شخص سریاں نہ کھانے کا حلف کرے تو اسے تنور میں

عَلٰى مَا يُكبَسُ فِي التَّنَانِيرِ وَيُبَاعُ فِي المِصرِ

پکنے والیوں اور شہر میں فروخت ہونے والیوں پر محمول کریں گے۔

کھانے پینے کی چیزوں پر حلف کا ذکر

لغات کی وضاحت: لحم: گوشت۔ کبش: مینڈھا جبکہ دو سال کا ہو اور بقول بعض چار سال کا۔ جمع کباش واکبش۔ النخلۃ: درخت خرما۔ رطب: پکی کھجور۔ داعر: شرارت پسند، خبیث۔ جمع دعّار۔

تشریح و توضیح: وان حلف لا یاکل لحم الخ۔ اگر کوئی شخص یہ حلف کرے کہ اس حمل کے گوشت کو نہیں کھائے گا۔ اس کے بعد اس حمل کی پیدائش ہوا اور وہ پرورش پانے کے بعد جب مکمل مینڈھا بن جائے وہ اس کا گوشت کھالے تو اس صورت میں بھی وہ قسم توڑنیوالا شمار ہوگا۔ اسلئے کہ اس کے حلف کا تعلق اسی اشارہ کردہ سے تھا اور وہ اصل کے اعتبار سے موجود ہے خواہ پرورش پاکر بڑا ہی کیوں نہ ہوگیا ہو۔ اور اگر کوئی اس طرح حلف کرے کہ وہ اس کھجور کے درخت سے نہیں کھائے گا اور پھر اس کا پھل کھالے تو قسم ٹوٹ جائے گی اس واسطے کہ حلف کی اضافت درخت کی جانب ہے اور درخت کھایا نہیں جاتا پس اس طرح کہنے سے مقصود اس کا پھل ہی ہوگا۔ اور اگر کوئی اس طرح حلف کرے کہ وہ گدر کھجور نہیں کھائیگا۔ اس کے بعد بجائے گدر و ناپختہ کے پکی کھجور کھالے تو اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اس لئے کہ کھجور کا رُطب یا بُسر ہونا یہ اس کی صفات میں سے ہے پس حلف بھی انھیں صفات سے متعلق اور مقید قرار دیا جائے گا اور اگر کسی نے یہ حلف کیا کہ وہ پختہ کھجور نہیں کھائے گا اس کے بعد اس نے ایسی کھجور کھالی جو دُم و نیچے کی جانب سے گدر ہوچکی تھی اور پکنے لگی تھی تو اس کی قسم ٹوٹ جائے گی۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ یہی فرماتے ہیں۔ حضرت امام محمدؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔ اس واسطے کہ اس میں کسی حد تک پختگی آچکی۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ اس صورت میں قسم نہ ٹوٹنے کا حکم فرماتے ہیں اس لئے کہ اس کا نام دراصل رطب کے بجائے مذنّب ہوگیا۔

ومن حلف لا یاکل لحماً الخ۔ اگر کوئی شخص گوشت نہ کھانے کی قسم کھائے۔ اس کے بعد وہ گوشت تو نہ کھائے لیکن مچھلی کھالے تو قیاس کے اعتبار سے اس کی قسم ٹوٹ جانی چاہئے۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اس صورت میں یہی فرماتے ہیں حضرت امام ابویوسفؒ کی بھی ایک روایت اسی طرح کی ہے۔ قرآن شریف میں بھی مچھلی کیلئے لحم کا لفظ بولا گیا ہے۔ ارشاد ہے "ومن کل تاکلون لحماً طریا"۔ مگر استحساناً قسم ٹوٹنے کا حکم نہ ہوگا۔ اسلئے کہ عند الاحناف ایمان (قسموں) کا انحصار عرف کے اوپر ہے۔

ولو حلف لا یشرب دجلۃ الخ۔ اگر کوئی شخص یہ حلف کرے کہ وہ دجلہ سے نہیں پیئے گا اس کے بعد وہ بجائے اس میں منہ ڈال کر پینے کے کسی برتن میں پانی لے کر پی لے تو اس صورت میں حضرت امام ابوحنیفہؒ قسم نہ ٹوٹنے کا حکم فرماتے ہیں اور حضرت امام ابویوسفؒ و حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ خواہ وہ کسی طرح پیئے اس کی قسم ٹوٹ جائے گی۔

ومن حلف لا یاکل من ھذہ الحنطۃ الخ۔ اگر کوئی شخص یہ حلف کرے کہ وہ اس گندم سے نہیں کھائیگا۔ اس کے بعد وہ اس کی روٹی کھالے تو حضرت امام ابوحنیفہؒ، حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی قسم نہیں ٹوٹیگی البتہ اگر وہ جوں کے توں گندم کھالے تو قسم ٹوٹ جائے گی۔ حضرت امام ابویوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ جس طریقہ سے گندم کے کھانے سے قسم ٹوٹے گی ٹھیک اسی طریقہ سے روٹی کھالینے پر بھی قسم ٹوٹ جائے گی۔ اس واسطے کہ بطور مجاز عرفی

گندم کھانے سے مراد اس سے تیار شدہ شے ہوا کرتی ہے۔ اور حضرت امام ابو یوسفؒ وحضرت امام محمدؒ کے نزدیک جس طرح یمین اپنی حقیقت پر محمول ہوا کرتی ہے اسی طریقہ سے اسے مجاز پر بھی محمول کیا جاتا ہے اور مجازِ عرفی کے اعتبار سے گندم کھانا یعنی اس سے تیار شدہ چیز کھانا ثابت ہے۔

ولو استفّه کما ھو لم یحنث الخ۔ جو شخص یہ حلف کرے کہ وہ یہ آٹا نہ کھائیگا اور اس کے بعد وہ اس آٹے سے تیار شدہ روٹی کھالے تو قسم ٹوٹ جائے گی۔ لیکن اگر وہ بجائے روٹی کے اسے جوں کا توں پھانک لے تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اسواسطے کہ بلحاظِ عادت وعرف آٹا اس طریقہ سے استعمال نہیں کرتے اور جو شے ایسی ہو کہ اس میں بجائے حقیقت کے مجاز ہی مستعمل ہو تو بالاجماع سب کے نزدیک یمین کا تعلق مجاز سے ہوگا اور آٹے کا جہانتک تعلق ہے وہ بھی اسی زمرے میں ہے۔

وان حلف لا یکلم فلانا الخ۔ اگر کوئی شخص یہ حلف کرے کہ وہ فلاں شخص سے گفتگو نہیں کریگا اس کے بعد اسقدر آواز کے ساتھ گفتگو کرے کہ وہ شخص بیدار ہوتا تو ضرور سن لیتا لیکن اس وقت وہ شخص سو رہا تھا تو اس صورت میں قسم ٹوٹ جائیگی۔ اس واسطے کہ اس کی جانب سے گفتگو اور لفظوں کے کانوں تک رسائی کا وقوع ہوا۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ نیند کے باعث سمجھنے سے قاصر رہا۔ صاحبِ کتاب کا اختیار کردہ قول یہی ہے۔ علامہ سرخسی بھی اسی قول کو صحیح قرار دیتے ہیں۔ مگر مبسوط کی صحیح روایت کے مطابق قسم توڑنیوالا اس وقت شمار ہوگا کہ جب وہ اسے جگائے۔ دوسرے فقہاء یہی فرماتے ہیں۔

واذا استحلف الوالی رجلاً الخ۔ اگر کوئی حاکم کسی شخص سے یہ حلف لے کہ شہر میں جو بھی شریر فسادی شخص آئیگا وہ اس کو اس سے آگاہ کریگا تو یہ حلف اگرچہ بلا قید ہے مگر درحقیقت اس کا اطلاق اسی وقت تک ہوگا جب تک وہ حاکم برسرِ اقتدار ہو اور اس کی حکومت برقرار رہے اس لئے کہ یمین اگر مطلق ہو تو اس میں دلالت کے باعث قید لگ جاتی ہے۔ اس جگہ حلف لینے سے حاکم کا منشاء یہ ہے کہ مفسد و شریر لوگ فساد برپا نہ کرسکیں۔ اور حکومت برقرار نہ رہنے کی صورت میں فساد دفع نہیں کیا جاسکتا پس اس یمین کا تعلق اس کی حکومت کے باقی رہنے تک ہوگا۔

ومن حلف لا یرکب دابۃ فلان الخ۔ کوئی شخص فلاں شخص کی سواری پر سوار نہ ہونیکا حلف کرے اس کے بعد وہ اسی شخص کے ایسے غلام کی سواری پر سوار ہو جائے جسے آقا کی جانب سے تجارت کی اجازت ہو تو حضرت امام ابو حنیفہؒ اور حضرت امام ابو یوسفؒ اس قسم کے نہ ٹوٹنے کا حکم فرماتے ہیں اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک اس کی قسم ٹوٹ جائے گی۔ اس لئے کہ اس غلام کی سواری کا جہانتک تعلق ہے اس کا مالک بھی حقیقۃً اس غلام کا آقا ہے اگرچہ اس کا انتساب غلام کیطرف کردیا گیا۔ کیونکہ خود اور اسی طرح جو کچھ اس کے پاس ہو اس کا مالک اس کا آقا ہوگا۔

ومن حلف لا یدخل ھٰذہ الدار فوقف علیٰ سطحھا الخ۔ اگر کوئی شخص حلف کرے کہ وہ اس گھر میں داخل نہیں ہوگا۔ اس کے بعد وہ اس کی چھت پر چڑھ جائے تو اس صورت میں متقدمین فقہاء اس کی قسم ٹوٹ جانیکا حکم فرماتے ہیں۔ اس لئے کہ چھت کا حکم بھی گھر کا سا ہے مگر متأخرین فقہاء اس کی قسم نہ ٹوٹنے کا حکم فرماتے ہیں۔ علامہ ابن کمالؒ فرماتے ہیں کہ باعتبارِ عرفِ اہلِ عجم اسے گھر میں داخل ہونا قرار نہیں دیا جاتا پس اس کی قسم نہ ٹوٹیگی۔

ومن حلف لا یاکل الرؤس الخ۔ اگر کوئی شخص یہ حلف کرے کہ وہ سری نہیں کھائے گا تو حضرت امام ابو حنیفہؒ فرماتے

ہیں کہ اس سے مراد تنور میں پکائی جانیوالی اور شہر میں فروخت ہونیوالی سریاں ہوں گی۔ خواہ وہ گائے کی سری ہو یا بکری کی۔
حضرت امام ابو یوسفؒ و حضرت امام محمدؒ کے نزدیک اس سے مراد محض بکری کی سری ہوگی۔ یہ فرق دراصل تغیرِ زمانہ اور تغیرِ عرف کی بنیاد پر ہے۔

وَمَنْ حَلَفَ لَا يَأْكُلُ الْخُبْزَ فَيَمِيْنُهُ عَلٰى مَا يَعْتَادُ أَهْلُ الْبَلَدِ أَكْلَهُ خُبْزًا فَإِنْ أَكَلَ خُبْزَ الْقَطَائِفِ
اور جو شخص حلف کرے کہ وہ روٹی نہیں کھائیگا تو یہ حلف اس روٹی سے متعلق ہوگا جسکے کھانیکے اہل شہر عادی ہوں۔ لہٰذا اگر وہ شہر عراق میں چاول
أَوْ خُبْزَ الْأَرُزِّ بِالْعِرَاقِ لَمْ يَحْنَثْ وَمَنْ حَلَفَ لَا يَبِيْعُ أَوْ لَا يَشْتَرِيْ أَوْ لَا يُؤَاجِرُ فَوَكَّلَ مَنْ
یا بادام کی روٹی کھائے تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اور جو شخص خرید و فروخت نہ کرنے یا اجارہ پر نہ دینے کا حلف کرے۔ اس کے بعد وہ
فَعَلَ ذٰلِكَ لَمْ يَحْنَثْ وَإِنْ حَلَفَ لَا يَتَزَوَّجُ أَوْ لَا يُطَلِّقُ أَوْ لَا يُعْتِقُ فَوَكَّلَ مَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ حَنِثَ
کسی کو وکیل بنائے جو یہ تمام کرے تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اور نکاح نہ کرنے یا طلاق نہ دینے یا آزاد نہ کرنے کا حلف کرے اسکے بعد کسی کو وکیل مقرر کرے
وَمَنْ حَلَفَ لَا يَجْلِسُ عَلَى الْأَرْضِ فَجَلَسَ عَلٰى بِسَاطٍ أَوْ حَصِيْرٍ لَمْ يَحْنَثْ وَمَنْ حَلَفَ لَا يَجْلِسُ عَلٰى
جو یہ تمام کرے تو قسم ٹوٹ جائے گی۔ اور جو شخص زمین پر نہ بیٹھنے کا حلف کرے اسکے بعد بستر یا چٹائی پر بیٹھ جائے تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اور جو شخص تخت پر نہ
سَرِيْرٍ فَجَلَسَ عَلٰى سَرِيْرٍ فَوْقَهُ بِسَاطٌ حَنِثَ وَإِنْ جَعَلَ فَوْقَهُ سَرِيْرًا آخَرَ فَجَلَسَ عَلَيْهِ لَمْ يَحْنَثْ
بیٹھنے کا حلف کرے پھر بستر بچھے ہوئے تخت پر بیٹھ جائے تو قسم ٹوٹ جائے گی۔ اور اگر اس تخت پر دوسرا تخت لگا کر بیٹھے تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔
وَإِنْ حَلَفَ لَا يَنَامُ عَلٰى فِرَاشٍ فَنَامَ عَلَيْهِ وَفَوْقَهُ قِرَامٌ حَنِثَ وَإِنْ جَعَلَ فَوْقَهُ فِرَاشًا
اور اگر بستر پر نہ سونے کا حلف کرے اس کے بعد اس پر سو جائے اور بستر کے اوپر چادر ہو تو قسم ٹوٹ جائے گی۔ اور اس بستر کے اوپر اگر دوسرا
آخَرَ فَنَامَ عَلَيْهِ لَمْ يَحْنَثْ وَمَنْ حَلَفَ يَمِيْنًا وَقَالَ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ مُتَّصِلًا بِيَمِيْنِهِ فَلَا حِنْثَ عَلَيْهِ
بستر بچھا کر سوئے تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اور جو شخص حلف کرے اور اسکے ساتھ متصلاً انشاء اللہ کہدے تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔

لغات کی وضاحت:۔ یعتاد: عادت، رواج۔ القطائف: آٹے سے تیار شدہ ایک قسم کا کھانا۔ بساط: بستر۔ حصیر: چٹائی۔ قرام: سرخ پردہ، یا مہین کپڑا۔ فراش: بستر۔

تشریح و توضیح
ومن حلف لا یاکل الخبز الخ۔ اگر کوئی شخص یہ حلف کرے کہ وہ روٹی نہیں کھائیگا تو اس قسم کا تعلق ایسی روٹی سے ہوگا جو اس شہر میں مروج ہو۔ پس اگر وہ روٹی کھائے گا تو قسم ٹوٹ جائے گی ورنہ حانث نہ ہوگا۔ مثال کے طور پر اگر عراق میں بادام کی روٹی کھائے جبکہ وہاں اس کی روٹی مروج و معتاد نہیں تو اس کے کھانے سے قسم نہیں ٹوٹے گی یا اسی طرح وہاں چاول کی روٹی کھائے تو اس کے معتاد نہ ہونے کی بنا پر قسم نہیں ٹوٹے گی۔
ومن حلف لا یبیع ولا یشتری الخ۔ اگر کوئی شخص یہ حلف کرے کہ وہ نہ تو خرید و فروخت کریگا اور نہ کوئی چیز کرایہ پر دیگا

اس کے بعد اگر وہ اپنے آپ خرید وفروخت کرے یا کرایہ پر دے تو قسم ٹوٹ جائے گی۔ اور اگر وہ خود نہ کرے بلکہ کسی کو اپنا وکیل مقرر کردے اور وہ یہ سارے کام انجام دے تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اسواسطے کہ یہاں حقیقی اعتبار سے بھی اور حکمی اعتبار سے فعل من جانب وکیل ہوا، مؤکل کیجانب سے نہیں۔ اور اگر کوئی نکاح نہ کرنے یا طلاق نہ دینے یا آزاد نہ کرنیکا حلف کرے اور پھر وہ اس کے لئے کسی کو اپنا وکیل مقرر کردے اور وہ یہ امور انجام دے تو قسم ٹوٹ جائے گی۔ اس لئے کہ ان امور میں وکیل کا حکم بھی خود کرنے کا سا ہوتا ہے۔

ومن حلف یمینا وقال انشاء اللہ متصلاً الخ۔ اگر کوئی حلف کرے مگر حلف کے ساتھ ساتھ انشاء اللہ بھی کہہ دے تو اس صورت میں قسم کے باطل ہوجانیکا حکم ہوگا اور حلف کردہ کام کے کرنے سے وہ حانث شمار نہ ہوگا۔ حدیث شریف سے اسی طرح ثابت ہے۔ اور اگر انشاء اللہ متصلاً کے بجائے منفصلاً کہے تو اس صورت میں یمین کو باطل قرار نہ دیں گے اور اس کا کوئی اثر یمین پر نہ پڑے گا۔

وَاِنْ حَلَفَ لَیَاتِیَنَّہٗ اِنِ اسْتَطَاعَ فَھُوَ عَلٰی اِسْتِطَاعَۃِ الصِّحَّۃِ دُوْنَ الْقُدْرَۃِ وَاِنْ حَلَفَ لَا
اور اگر کوئی یہ حلف کرے کہ اگر ممکن ہوا تو وہ اسکے پاس ضرور آئے گا تو اسے بجائے قدرت کے صحت پر محمول کریں گے۔ اور اگر حلف کرے کہ وہ
یُکَلِّمُہٗ حِیْنًا اَوْ زَمَانًا اَوِ الْحِیْنَ اَوِ الزَّمَانَ فَھُوَ عَلٰی سِتَّۃِ اَشْھُرٍ وَکَذٰلِکَ الدَّھْرُ عِنْدَ اَبِیْ
اس کے ساتھ ایک مدت یا ایک زمانہ تک گفتگو نہیں کریگا تو اسے چھ مہینے پر محمول کیا جائیگا۔ اور ایسے ہی لفظ "الدھر" کا حکم ہے۔ امام ابو یوسفؒ
یُوْسُفَ وَمُحَمَّدٍ وَاِنْ حَلَفَ لَا یُکَلِّمُہٗ اَیَّامًا فَھُوَ عَلٰی ثَلٰثَۃِ اَیَّامٍ وَلَوْ حَلَفَ لَا یُکَلِّمُہُ الْاَیَّامَ
اور امام محمدؒ یہی فرماتے ہیں۔ اور اگر حلف کرے کہ وہ اسکے ساتھ کچھ ایام تک گفتگو نہ کرے گا تو اسے تین دن پر محمول کریں گے۔ اور اگر حلف کرے
فَھُوَ عَلٰی عَشَرَۃِ اَیَّامٍ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ رَحِمَہُ اللّٰہُ وَعِنْدَھُمَا عَلٰی اَیَّامِ الْاُسْبُوْعِ وَلَوْ حَلَفَ لَا یُکَلِّمُہٗ
کہ "لا یکلمہ الایام" تو امام ابوحنیفہؒ اسے دس دن پر محمول فرماتے ہیں۔ اور امام ابو یوسفؒ وامام محمدؒ ہفتہ کے دنوں پر محمول فرماتے ہیں۔ اور اگر
الشُّھُوْرَ فَھُوَ عَلٰی عَشَرَۃِ اَشْھُرٍ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ وَعِنْدَھُمَا عَلٰی اِثْنَیْ عَشَرَ شَھْرًا وَلَوْ حَلَفَ لَا یَفْعَلُ
حلف کرے کہ وہ اسکے ساتھ مہینوں گفتگو نہیں کریگا تو امام ابوحنیفہؒ اسے دس مہینے پر محمول فرماتے ہیں۔ اور امام ابو یوسفؒ وامام محمدؒ بارہ مہینے پر۔ اور اگر
کَذَا تَرَکَہٗ اَبَدًا وَاِنْ حَلَفَ لَیَفْعَلَنَّ کَذَا فَفَعَلَہٗ مَرَّۃً وَاحِدَۃً بَرَّ فِیْ یَمِیْنِہٖ وَمَنْ
حلف کرے کہ اسطرح نہیں کریگا تو اسے دائمی طور پر چھوڑ دے۔ اور اگر حلف کرے کہ وہ ضرور اسطرح کریگا۔ اسکے بعد ایک مرتبہ کرے تو حلف پورا ہو گیا۔
حَلَفَ لَا تَخْرُجُ اِمْرَاَتُہٗ اِلَّا بِاِذْنِہٖ فَاَذِنَ لَھَا مَرَّۃً وَاحِدَۃً فَخَرَجَتْ وَرَجَعَتْ ثُمَّ
اور جو شخص حلف کرے کہ اس کی بیوی اس کی اجازت کے بغیر نہیں نکلے گی۔ پھر وہ اسے اجازت دیدے اور وہ نکلے اور لوٹ آئے۔ اس کے بعد
خَرَجَتْ مَرَّۃً اُخْرٰی بِغَیْرِ اِذْنِہٖ حَنِثَ وَلَا بُدَّ مِنَ الْاِذْنِ فِیْ کُلِّ خُرُوْجٍ وَاِنْ قَالَ
دوسری مرتبہ بلا اس کی اجازت کے نکلے تو قسم ٹوٹ جائے گی۔ اور ہر بار نکلنے میں اجازت ناگزیر ہوگی۔ اور اگر کہے
اِلَّا اَنْ اٰذَنَ لَکِ فَاَذِنَ لَھَا مَرَّۃً وَاحِدَۃً ثُمَّ خَرَجَتْ بَعْدَ ذٰلِکَ بِغَیْرِ اِذْنِہٖ لَمْ یَحْنَثْ
الّا یہ کہ میں تجھ کو اجازت دوں۔ اسکے بعد ایک مرتبہ اسے اجازت دیدے اور پھر وہ بلا اجازت نکلے تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔ ۔ ۔ ۔

وَاِنْ حَلَفَ لَایَتَغَدّٰی فَالْغَدَاءُ هُوَ الْاَکْلُ مِنْ طُلُوْعِ الْفَجْرِ اِلَی الظُّهْرِ وَالْعَشَاءُ مِنْ صَلٰوةِ

اور اگر حلف کرے کہ وہ ناشتہ نہیں کریگا اور ناشتہ فجر کے طلوع سے ظہر تک کا کھانا کھانا ہے۔ اور عشاء نماز ظہر سے

الظُّهْرِ اِلٰی نِصْفِ اللَّیْلِ وَالسَّحُوْرُ مِنْ نِصْفِ اللَّیْلِ اِلٰی طُلُوْعِ الْفَجْرِ وَلَوْ حَلَفَ لَا یَاْتَدِمُ

آدھی رات تک۔ اور سحور آدھی رات سے فجر کے طلوع تک۔ اور اگر سالن نہ کھانے کا حلف کرے

فَالْاِدَامُ کُلُّ شَیْءٍ یُصْطَبَغُ بِهٖ وَاِنْ حَلَفَ لَیَقْضِیَنَّ دَیْنَهٗ اِلٰی قَرِیْبٍ فَهُوَ مَا دُوْنَ الشَّهْرِ

تو سالن ہر وہ شئی کہلاتی ہے جس سے روٹی بھگوئی جائے۔ اور اگر حلف کرے کہ وہ جلد اس کا قرض ادا کریگا تو یہ مدت ایک مہینہ سے کم شمار ہوگی۔

وَاِنْ قَالَ اِلٰی بَعِیْدٍ فَهُوَ اَکْثَرُ مِنَ الشَّهْرِ

اور اگر کہے کہ کچھ تاخیر سے تو یہ مدت ایک مہینہ سے زیادہ قرار دیجائے گی۔

مدت وزمانہ پر حلف کرنے کا ذکر

لغات کی وضاحت: حین: میعاد۔ استطاعۃ: قدرت۔ اشہر۔ شہر کی جمع: مہینے۔ اِذن: اجازت۔

تشریح وتوضیح

وان حلف لیاتینہ الخ۔ اگر کوئی یہ حلف کرے کہ اگر ممکن ہوا تو وہ ضرور آئیگا۔ تو اس حلف کو استطاعت وقدرت پر محمول نہ کریں گے بلکہ اس کا تعلق صحت سے ہوگا۔ اور اگر کوئی یہ حلف کرے کہ وہ ایک زمانہ تک کلام نہیں کریگا تو زمانہ سے چھ مہینے کی مدت مراد ہوگی۔ اس مدت کے دوران گفتگو کرنے پر حانث ہوجائیگا۔ حضرت امام مالکؒ کے نزدیک اس سے مراد ایک برس ہے۔ اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک اس سے مراد ادنیٰ مدت ہوگی یعنی محض ایک ساعت۔ احنافؒ فرماتے ہیں کہ لفظ "حین" کا جہاں تک تعلق ہے وہ بعض جگہ کم مدت کے واسطے استعمال کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر یہ ارشادِ ربانی "فسبحان اللہ حین تمسون" اور بعض جگہ چالیس سال کیواسطے بھی اس کا استعمال ہوا ہے۔ مثلاً یہ ارشادِ باری تعالیٰ "ھل اتی علی الانسان حین من الدھر لم یکن شیئاً مذکورا" (بیشک انسان پر زمانہ میں ایک ایسا وقت بھی آچکا ہے جس میں وہ کوئی چیز قابلِ تذکرہ نہ تھا (یعنی انسان نہ تھا بلکہ نطفہ تھا)۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہے کہ "حین" سے مقصود چھ مہینے ہیں۔ اور چھ مہینے کی مدت اوسط شمار ہوتی ہے لہٰذا یہی مدت مراد لی جائے گی۔

وکذٰلک الدھر عند ابی یوسفؒ ومحمدؒ الخ۔ اسی طرح اگر کوئی شخص حلف میں "الدھر" لائے تو اس سے مقصود ساری عمر ہوگی۔ اور اسے نکرہ استعمال کرنے کی صورت میں امام ابویوسفؒ، امام محمدؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک چھ مہینے مراد ہوں گے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ اس سلسلہ میں باعتبارِ عرف مدت کی تعیین نہ ہونیکے باعث توقف فرماتے ہیں۔ حضرت امام ابویوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کا قول مفتیٰ بہ ہے۔

وَاِنْ حَلَفَ لَاکَلَّمَہٗ اَیَامًا الخ۔ اگر کوئی شخص یہ حلف کرے کہ وہ کچھ روز گفتگو نہ کریگا اور حلف کرنیوالے نے لفظ ایّام نکرہ استعمال کیا ہو تو متفقہ طور پر سب کے نزدیک اس سے مراد تین دن ہوں گے۔ اور لفظ "شہور" نکرہ لانیکی صورت میں اس سے مراد تین مہینے ہوں گے۔ اور لفظ ایّام معرفہ لانے اور لفظ الشہور معرفہ لانیکی صورت میں دس روز اور دس مہینے مراد لئے جائیں گے۔ اور حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک "الایام" سے مراد ہفتہ کے دن ہوں گے۔ اور "الشہور" سے مقصود بارہ مہینے ہوں گے۔

وَمَنْ حَلَفَ لَاتَخْرُجُ امْرَاَتُہٗ اِلَّا بِاِذْنِی الخ۔ اگر کوئی شخص بیوی کے بلا اجازت نہ نکلنے کا حلف کرے تو ہر مرتبہ نکلنے کیواسطے یہ ضروری ہوگا کہ اس سے اجازت لے۔ لہٰذا اگر زوجہ ایکبار اجازت لینے کے بعد دوبارہ بلا اجازت نکلے تو قسم ٹوٹ جائے گی۔ اور اگر اس کے ساتھ یہ کہا "اِلَّا اَنْ اٰذَنَ لَکِ" (الّا یہ کہ میں تجھ کو اجازت عطا کروں) تو اس صورت میں اگر ایکبار اجازت لے کر نکلنے کے بعد دوبارہ بلا اجازت نکلے تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔

وَمَنْ حَلَفَ لَایَاْتَدِمُ الخ۔ اگر کوئی شخص سالن نہ کھانے کا حلف کرے۔ اور ادام ہر ایسی چیز کہلاتی ہے جس میں روٹی بھگوئی جائے۔ اور اسے دوسرے کے تابع بناکر کھائیں۔ نیز اس کے تنہا کھانیکا عرف درواج نہ ہو۔ پس اس حلف میں انڈے اور گوشت کو داخل قرار نہ دیں گے کہ ان کا شمار سالن میں نہیں ہوتا اور روٹی ان میں نہیں بھیگتی۔ علاوہ ازیں انھیں مستقل طریقہ سے کھاتے ہیں۔ حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام احمدؒ اور حضرت امام محمدؒ ادام ہر اس شے کو کہتے ہیں جسے عموماً واکثر روٹی کے ساتھ کھایا جائے۔ مفتیٰ بہ قول یہی ہے۔

وَاِنْ حَلَفَ لَیَقْضِیَنَّ دَیْنَہٗ اِلٰی قَرِیْبٍ الخ۔ اگر کوئی شخص یہ حلف کرے کہ وہ عنقریب اس کے قرض کی ادائیگی کردیگا تو اس سے ایک مہینہ سے کم مدت شمار ہوگی۔ اس لئے کہ باعتبار عرف اسی کو کم مدت کہا جاتا ہے۔ اور "الیٰ بعید" کہنے کی صورت میں اس سے مراد ایک مہینہ سے زیادہ کی مدت ہوگی اور ایک مہینہ سے زیادہ میں قرض ادا نہ کرنے پر حانث قرار دیا جائیگا۔

وَمَنْ حَلَفَ لَایَسْکُنُ هٰذِهِ الدَّارَ فَخَرَجَ مِنْهَا بِنَفْسِهٖ وَتَرَكَ اَهْلَهٗ وَمَتَاعَهٗ فِیْهَا حَنِثَ وَمَنْ
اور جو شخص حلف کرے کہ وہ اس مکان میں قیام پذیر نہ رہیگا۔ پھر وہ خود نکل جائے۔ اور سامان و اہل وعیال وہیں چھوڑ دے تو قسم ٹوٹ جائے گی۔ اور
حَلَفَ لَیَصْعَدَنَّ السَّمَآءَ اَوْ لَیَقْلِبَنَّ هٰذَا الْحَجَرَ ذَهَبًا انْعَقَدَتْ یَمِیْنُهٗ وَحَنِثَ عَقِیْبَهَا
جو شخص آسمان پر چڑھنے یا اس پتھر کو سونا بنادینے کا حلف کرے تو قسم کا انعقاد ہو جائے گا۔ اور بعد حلف وہ حانث قرار دیا جائے گا۔
وَمَنْ حَلَفَ لَیَقْضِیَنَّ فُلَانًا دَیْنَهٗ الْیَوْمَ فَقَضَاهُ ثُمَّ وَجَدَ فُلَانٌ بَعْضَهٗ زُیُوْفًا اَوْ نَبَهْرَجَةً
اور جو شخص فلاں کا قرض ادا کرنیکا حلف کرے اور ادا کردے پھر فلاں ان میں سے بعض سکے کھوٹے یا غیر مروج پائے یا انکا کوئی اور
اَوْ مُسْتَحَقَّةً لَمْ یَحْنَثْ وَاِنْ وَجَدَ رَصَاصًا اَوْ سَتُّوْقَةً حَنِثَ وَمَنْ حَلَفَ لَایَقْبِضُ دَیْنَهٗ
حقدار پائے تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اور رانگ کے یا کھوٹے پائے تو قسم ٹوٹ جائے گی۔ اور جو شخص حلف کرے کہ وہ اپنے قرض ہر ایک
دِرْهَمًا دُوْنَ دِرْهَمٍ فَقَبَضَ بَعْضَهٗ لَمْ یَحْنَثْ حَتّٰی یَقْبِضَ جَمِیْعَهٗ مُتَفَرِّقًا وَاِنْ قَبَضَ
ایک درہم کرکے قابض نہ ہو پھر اسکے بعد وہ کچھ قرض کی وصولیابی کرے تو تاوقتیکہ تھوڑا تھوڑا کرکے سارا قرض وصول نہ کرے قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اور اگر قرض

دَينَهَا فِي وَزْنَتَيْنِ لَمْ يَتَشَاغَلْ بَيْنَهُمَا إِلَّا بِعَمَلِ الْوَزْنِ لَمْ يَحْنَثْ وَلَيْسَ ذٰلِكَ بِتَفْرِيقٍ وَ
دو بارہ وزن کرکے وصولیابی کرے اور اس میں بجز وزن کے اور کچھ نہ کیا ہو تو یہ وصولیابی متفرق طور پر شمار نہ ہوگی اور قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اور جو شخص
مَنْ حَلَفَ لَيَأْتِيَنَّ الْبَصْرَةَ فَلَمْ يَأْتِهَا حَتّٰى مَاتَ حَنِثَ فِي آخِرِ جُزْءٍ مِنْ أَجْزَاءِ حَيَاتِهٖ۔
حلف کرے کہ وہ یقیناً بصرہ جائیگا اسکے بعد وہ بصرہ نہ جائے حتیٰ کہ وفات پاجائے تو اسکے آخری لمحات حیات میں اسکی قسم ٹوٹ جائے گی۔

لغات کی وضاحت:- عقیب: بعد۔ بنہرجہ: غیر مروّج سکے۔ دَین: قرض۔ ستوقہ: وہ کھوٹے سکے جن پر چاندی کی پالش ہو۔

تشریح و توضیح

ومن حلف لا یسکن ھٰذہ الدار الخ۔ اگر کوئی شخص یہ حلف کرے کہ وہ اس مکان میں نہ رہے گا اس کے بعد وہ خود تو اس مکان سے چلا جائے مگر اس کے اہل وعیال بھی وہیں قیام پذیر رہیں، اور اس کا اسباب بھی بدستور وہیں رہے تو اس صورت میں اس کی قسم ٹوٹ جائے گی۔ اس واسطے کہ باعتبار عرف قیام وہیں سمجھا جاتا ہے جس جگہ اہل وعیال کا قیام ہو۔ پھر حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ پورے اسباب کا وہاں سے منتقل کرنا لازم ہے۔ مثال کے طور پر اگر اس کی ایک کیل اور معمولی سی کوئی چیز باقی رہ جائے تو قسم ٹوٹ جائے گی۔ حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اگر اسباب کا زیادہ حصہ منتقل ہوگیا تو یہ کافی ہوگا۔ بعض معتبر فقہاء اسی قول کو مفتیٰ بہ قرار دیتے ہیں۔ حضرت امام محمدؒ کے نزدیک اسقدر کافی ہے کہ گھر کا سامان منتقل کرلیا جائے۔ حضرت امام محمدؒ کے قول میں آسانی کا پہلو زیادہ ہے اور فقہاء کے نزدیک یہی پسندیدہ ہے۔ صاحبِ شرح مجمع اسی قول کو مفتیٰ بہ قرار دیتے ہیں۔

ومن حلف لیصعدن السماء الخ۔ اگر کوئی شخص آسمان پر چڑھنے کی قسم کھائے تو قسم کا انعقاد ہوجائے گا اس لئے کہ آسمان پر انبیاء علیہم السلام اور فرشتوں کے چڑھنے کا یقینی ثبوت ہے۔ اسی طرح پتھر کے سونے میں بدلجانے کو بھی متکلمین خارج از امکان قرار نہیں دیتے مگر حلف کرنیوالا ان دونوں سے مجبور ہے۔ لہٰذا قسم فوری طور پر ٹوٹ جائیگی۔

ومن حلف لا یقبض دینہ الخ۔ اگر کوئی شخص یہ حلف کرے کہ وہ اپنے قرض کی وصولیابی متفرق طور سے نہیں کریگا اس کے بعد اس نے چند دراہم کی وصولیابی کی تو تاوقتیکہ وہ متفرق طریقہ سے سارے قرض کی وصولیابی نہ کرے قسم نہیں ٹوٹیگی۔ البتہ اگر ایسی وزنی شے متفرق طور پر یعنی دو بار وزن کرکے وصول کرے جس کا ایک بار وزن کرنا ممکن نہ ہو اور اس دوران وہ کسی دوسرے کام میں مشغول نہ ہوا ہو تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔

كِتَابُ الدَّعْوٰى

دعویٰ کا بیان

اَلْمُدَّعِي مَنْ لَا يُجْبَرُ عَلَى الْخُصُومَةِ إِذَا تَرَكَهَا وَالْمُدَّعٰى عَلَيْهِ مَنْ يُجْبَرُ عَلَى الْخُصُومَةِ
مدعی وہ کہلاتا ہے کہ اگر وہ خصومت (نزاع) ترک کردے تو اسے بزور زبردستی نہ کیجائے اور مدعیٰ علیہ اسے کہتے ہیں جس پر برائے خصومت زبردستی

وَلَا يُقْبَلُ الدَّعْوىٰ حَتّٰى يَذْكُرَ شَيْئًا مَعْلُومًا فِي جِنْسِهٖ وَقَدْرِهٖ فَاِنْ كَانَ عَيْنًا فِي يَدِ الْمُدَّعٰى
کیجائے۔ اور دعویٰ اسوقت تک قابل قبول نہ ہوگا جب تک کہ شئ کی جنس و مقدار ذکر نہ کردے۔ لہٰذا اگر وہ شئ جوں کی توں دعویٰ کئے گئے شخص
عَلَيْهِ كُلِّفَ اِحْضَارَهَا لِيُشِيْرَ اِلَيْهَا بِالدَّعْوىٰ وَاِنْ لَمْ تَكُنْ حَاضِرَةً ذَكَرَ قِيْمَتَهَا وَاِنْ
کے پاس ہو تو اسے اسکے لانے پر مجبور کریں گے تاکہ بوقتِ دعویٰ اس کی جانب اشارہ کیا جاسکے اور حاضر نہ ہونیکی صورت میں اسکی قیمت ذکر کردے اور
ادَّعٰى عَقَارًا حَدَّدَهٗ وَذَكَرَ اَنَّهٗ فِي يَدِ الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ وَاَنَّهٗ يُطَالِبُهٗ بِهٖ وَاِنْ كَانَ
دعویٰ زمین ہونے پر حدودِ زمین ذکر کرے اور بتائے کہ مدعیٰ علیہ اس پر قابض ہے اور وہ اس زمین کا طلبگار ہے۔ اور اسکے ذمہ دعویٰ حق
حَقًّا فِي الذِّمَّةِ ذَكَرَ اَنَّهٗ يُطَالِبُهٗ بِهٖ۔
ہونے پر کہے کہ میں اسے طلب کرنے والا ہوں۔

لغات کی وضاحت

الخصومة: نزاع، جھگڑا۔ کلّف: مجبور کرنا۔ عقار: زمین۔

تشریح و توضیح

كتاب الدعوىٰ۔ از روئے لغت دعویٰ اسے کہا جاتا ہے جسکے ذریعہ آدمی کسی شخص کا حق واجب ولازم کرنیکا قصد کرے۔ اور شرعاً بوقتِ خصومت ونزاع کسی چیز کے اپنی جانب انتساب کا نام ہے۔ دعویٰ کرنیوالا مدعی کہلاتا ہے، اور دعویٰ کیا گیا شخص مدعا علیہ۔ اور جس شئ کا دعویٰ ہو وہ مدعا کہلاتی ہے۔

المدعی من لا یجبر الخ۔ مدعی ضابطہ میں وہ شخص کہلاتا ہے کہ اگر وہ اپنے دعویٰ سے باز آجائے تو حاکم کو یہ حق نہ ہو کہ وہ اسے دعویٰ کرنے پر جبر وزبردستی کرسکے۔ مدعیٰ علیہ اسے کہتے ہیں جس پر برائے خصومت زبردستی کی جاسکے اور حاکم کو اسے مجبور کرنیکا حق ہو۔ علاوہ ازیں دعویٰ درست ہونے کیلئے یہ ناگزیر ہے کہ جنسِ مدعیٰ اور مقدارِ مدعیٰ کا علم ہو۔ مثال کے طور پر اس طرح کہے کہ فلاں پر میرے اتنے مَن جو واجب ہیں۔

وان ادعی عقارًا حدّدہ الخ۔ اگر کسی شخص کے دعویٰ کا تعلق زمین سے ہو تو دعوی درست ہونے کیلئے یہ ناگزیر ہے کہ حدود ذکر کی جائیں خواہ وہ زمین معروف ومشہور ہی کیوں نہ ہو۔ اسواسطے کہ دعویٰ کردہ چیز میں بنیادی بات تو یہی ہے کہ اشارہ سے اس کا پتہ چلے اور یہ اس صورت میں ممکن ہے جبکہ چیز سامنے ہو۔ مگر زمین کا جہاں تک تعلق ہے کیونکہ مجلس قاضی میں نہیں لائی جاسکتی اسلئے حدود بیان کرنا شرط ٹھیرا اس لئے کہ زمین کا پتہ تحدید سے چل جاتا ہے۔ پھر حضرت امام ابو حنیفہؒ اور حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ زمین کی تین حدیں بیان کی جائیں۔ حضرت امام ابو یوسفؒ محض دو حدوں کے بیان کرنیکو کافی قرار دیتے ہیں اور حضرت امام زفرؒ، حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ یہ ناگزیر ہے کہ زمین کی چاروں حدیں بیان کی جائیں علاوہ ازیں یہ بھی بیان کردے کہ اس زمین پر مدعیٰ علیہ قابض ہے تاکہ اسے مخاصم ومدمقابل ٹھیرا جاسکے۔ اسکے علاوہ یہ بھی کہے کہ میں اس زمین کا طالب ہوں اسلئے کہ مطالبہ کا جہاں تک تعلق ہے وہ دعویٰ کرنیوالے کا حق ہے اور اس کا انحصار اسی کی طلب پر ہوگا۔

فَاِذَا صَحَّتِ الدَّعوىٰ سَأَلَ القَاضِی المدعیٰ علیہ عنھا فان اعترفَ قضیٰ علیہ بھا وَاِن اَنکرَ

اور دعویٰ درست ہونے پر قاضی دعویٰ کئے گئے شخص سے اسکے متعلق سوال کرے پھر اس نے اقرار کرلیا تو اسکے مطابق فیصلہ کردے اور بصورت

سَأَلَ المدعِی البیّنۃَ فان اَحضرھَا قضیٰ بھا وَ ان عجزَ عَنْ ذٰلِکَ وَطلبَ یمینَ خصمہٖ استحلفہٗ

انکار دعویٰ کرنے والے سے بینہ ملنگے اور اسکے بینہ پیش کرنے پر فیصلہ بینہ کے موافق کردے۔ اور اگر بینہ پیش نہ کرسکے اور وہ مقابل حلف کا طلبگار ہو تو دعوے

عَلیھا وَاِنْ قالَ لِی بیّنۃٌ حَاضرۃٌ وَطلبَ الیمینَ لم یستحلفْ عند ابیحنیفۃؒ وَلَا تَرِدُ الیمینُ عَلی

پر حلف لیلے اور اگر وہ کہے کہ میں اپنے پاس بینہ رکھتا ہوں اور حلف کا طلبگار ہو تو حلف نہیں لیا جائے گا۔ امام ابوحنیفہؒ یہی فرماتے ہیں اور دعویٰ کرنے

المُدعِی وَلَاتقبلُ بیّنۃَ صاحبِ الیدِ فی الملکِ المطلقِ وَاِذا نکَلَ المُدّعیٰ علیہ عَنِ الیمینِ

والے پر حلف لازم نہ ہوگا۔ اور ملک مطلق کے اندر قابض ہونیوالے کا قبضہ قابلِ قبول تسلیم نہ ہوگا۔ اور مدعیٰ علیہ کے حلف سے انکار پر فیصلہ

قضیٰ علیہ بالنکول وَالزمہٗ مَا ادعیٰ علیہ وَینبغی للقاضی ان یقولَ لہٗ انی اعرض علیکَ الیمینَ ثلٰثًا

مع الانکار ہی کردے اور اس پر دعویٰ کردہ واجب کردے۔ اور قاضی کیلئے یہ کہنا مناسب ہے کہ میں تجھ پر حلف پیش کررہا ہوں تین مرتبہ کہے،

فان حَلَفْتَ والَّا قضیتُ علیکَ بما ادّعاہ فاذا کرّرَ العرضَ ثلٰثَ مراتٍ قضیٰ علیہ بالنکولِ۔

لہٰذا اگر تو نے حلف کرلیا تو اچھا ہے ورنہ تیرے اوپر اسکے دعوے کیمطابق فیصلہ کردونگا۔ اور تین مرتبہ پیش کرنیکے بعد اس پر مع الانکار فیصلہ کردے۔

دعویٰ کے طریقہ کی تفصیل

لغات کی وضاحت

اَنکرَ: انکار کرنا۔ العرض: پیش کرنا۔ بیّنۃ: دلیل، حجت، گواہ۔ نکول: انکار۔

تشریح و توضیح

ولا ترد الیمین علی المدعی الخ۔ اگر ایسا ہو کہ دعویٰ کیا گیا شخص حلف سے انکار کرے تو اس کے انکار کے باعث قاضی مدعی سے حلف نہیں لیگا بلکہ دعویٰ کئے گئے شخص پر قاضی دعویٰ کرنیوالے کے دعویٰ کو واجب کردیگا۔ حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ مدعیٰ علیہ کے حلف سے انکار کی صورت میں مدعی سے حلف لیا جائیگا۔ اب مدعی نے حلف کرلیا تو قاضی فیصلہ کرے گا، اور اگر مدعی بھی حلف پر آمادہ نہ ہو اور اس سے انکار کرتا ہو تو اس صورت میں ان کا نزاع ختم قرار دیا جائے گا۔ احنافؒ کا مستدل یہ روایت ہے کہ بینہ دعویٰ کرنیوالے پر ہے اور حلف انکار کرنیوالے پر۔ یہ روایت بخاری وغیرہ میں ہے۔ اور مدعی سے حلف لینے کی صورت میں مدعی اور مدعا علیہ دونوں کا حلف میں اشتراک ہوگا، اور شرکت سے اس تقسیم کی نفی ہوتی ہے۔

ولا تقبل بینۃ صاحب الید الخ۔ مطلق ملکیت سے مقصود یہ ہے کہ کوئی آدمی یہ دعویٰ کرے کہ وہ فلاں چیز کا مالک ہے مگر وہ ملکیت کی وجہ ذکر نہ کرے کہ وہ کس بنیاد پر اس کا مالک ہوا۔ یہ چیز خریدنے کی بناء پر وہ مالک بنا، یا بطور ترکہ ملنے یا کسی کے ہبہ کرنیکے باعث۔ تو اس کا صرف یہ دعویٰ معتبر نہ ہوگا۔

واذا انکل المدعیٰ علیہ عن الیمین الخ۔ اگر دعویٰ کیا گیا شخص حلف سے انکار کرے تو اس کے ایک ہی مرتبہ انکار پر قاضی فیصلہ کردے اور جس چیز کا اس پر دعویٰ کیا گیا ہو وہ واجب کر دے۔ البتہ بہتر صورت یہ ہے کہ قاضی اس سے تین مرتبہ حلف کیواسطے کہے۔ اگر وہ تینوں مرتبہ حلف سے انکار کرے اور کسی طرح حلف پر آمادہ نہ ہو تو پھر قاضی دعویٰ کیمطابق فیصلہ کر ڈالے۔

وَاِنْ كَانَتِ الدَّعْوىٰ نِكَاحًا لَمْ يُسْتَحْلَفِ الْمُنْكِرُ عِنْدَ اَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَلَا يُسْتَحْلَفُ

اور دعویٰ نکاح سے متعلق ہونے پر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک انکار کرنے والے سے حلف نہیں لیا جائیگا۔ اور نکاح ورجعت

فِي النِّكَاحِ وَالرَّجْعَةِ وَالْفَيْءِ فِي الْاِيْلَاءِ وَالرِّقِّ وَالْاِسْتِيْلَادِ وَالنَّسَبِ وَالْوَلَاءِ وَالْحُدُوْدِ

رجوع عن الایلاء اور غلامی اور ام ولد بنانے اور نسب اور ولاء اور حدود اور لعان کے اندر حلف نہیں لیا جاتا۔

اللِّعَانِ وَقَالَا يُسْتَحْلَفُ فِي ذٰلِكَ كُلِّهِ اِلَّا فِي الْحُدُوْدِ وَاللِّعَانِ۔

اور امام ابویوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک بجز حدود و لعان کے باقی سب میں حلف لیا جائے گا۔

لغت کی وضاحت:۔ الفیء: رجوع عن الایلاء۔ استیلاد: ام ولد بنانا۔ الحدود۔ حد کی جمع، سزا۔

مدعیٰ علیہ سے حلف نہ لئے جانیوالے امور کا بیان

ولا یستحلف فی النکاح والرجعۃ الخ۔ وہ امور جن میں حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ مدعیٰ علیہ سے حلف نہیں لیا جائیگا وہ یہ ہیں (۱) نکاح۔ مثال کے طور پر خالد نکاح کا دعویدار ہو اور عورت انکار کرتی ہو، یا عورت نکاح کی مدعیہ ہو۔ اور خالد منکر ہو (۲) رجعت۔ مثال کے طور پر مرورِ عدت کے بعد راشد اس کا مدعی ہو کہ اس نے دورانِ عدت رجعت کرلی تھی اور عورت منکر ہو۔ یا عورت مدعیہ ہو کہ راشد نے دورانِ عدت رجعت کرلی تھی اور راشد اس کا انکار کرے (۳) فئ۔ جیسے حامد اس کا مدعی ہو کہ وہ ایلاء کی مدت کے اندر ایلاء سے رجوع کر چکا تھا اور عورت اس بات کا انکار کرتی ہو یا عورت مدعیہ ہو اور حامد انکار کرے (۴) غلامی۔ جیسے ساجد ایک مجہول النسب شخص کے بارمیں دعویٰ کرے کہ وہ اس کا غلام ہے اور وہ اس کا انکار کرتا ہو (۵) استیلاء۔ مثال کے طور پر کوئی باندی اپنے آقا کے بارے میں مدعیہ ہو کہ وہ اس کی ام ولد ہے اور یہ بچہ آقا ہی کے نطفہ سے ہے اور آقا اس بات کا انکار کرتا ہو (۶) نسب۔ مثال کے طور پر طلحہ کسی شخص کے متعلق مدعی ہو کہ وہ اس کا لڑکا ہے اور وہ شخص اس کا انکار کرتا ہو۔ (۷) مثال کے طور پر زبیر مدعی ہو کہ فلاں شخص پر میرے واسطے ولاءِ موالات ہے اور وہ اس کا انکار کرتا ہو (۸) مثال کے طور پر سالم کسی شخص کے متعلق ایسے امر کا مدعی ہو کہ اس کی بناء پر حد واجب ہوتی ہو اور وہ شخص منکر ہو۔ (۹) لعان۔ مثال کے طور پر کوئی عورت یہ دعویٰ کرے کہ اسے اس کے خاوند نے اسے موجبِ لعان تہمت سے متہم کیا ہے اور خاوند اس کا انکار کرتا ہو۔

توان ذکر کردہ ساری شکلوں میں حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ انکار کرنیوالے یعنی مدعیٰ علیہ سے حلف نہیں لیا جائیگا۔ اور حضرت امام ابویوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک حدود اور لعان کو مستثنیٰ کرتے ہوئے باقی تمام میں مدعا علیہ سے حلف لیا جائیگا۔ اس لئے کہ حلف لینے کا فائدہ انکار پر فیصلہ ہے اور انکار کرنا بھی ایک طرح کا اقرار ہے۔ اس لئے یہ انکار خود اس کے کاذب و جھوٹا ہونیکی نشاندہی کرتا ہے اور ذکر کردہ امور میں اقرار نافذ ہے تو اسی طرح حلف لینا بھی نافذ ہوگا۔ علاوہ ازیں ذکر کردہ امور ان حقوق کے زمرے میں آتے ہیں جن کا ثبوت باوجود شبہ کے ہو جایا کرتا ہے تو مالوں کی مانند ان میں بھی حلف لینے کا نفاذ ہوگا اور حدود کا معاملہ اس کے برعکس ہے کہ وہ ذرا سے شبہ کی بنا پر بھی ختم ہو جاتی ہیں۔ اس واسطے ان میں حلف لینے کا نفاذ نہ ہوگا۔ رہا لعان تو وہ بمعنیٰ حد ہی ہے۔ پس اس میں بھی حلف نہیں لیا جائے گا۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس جگہ انکار کو اقرار نہیں کہا جائے گا ورنہ اس میں مجلس قضاء کی شرط کی بھی احتیاج نہ رہی بلکہ اسے ایک طرح کی اباحت کہا جاسکتا ہے۔ ذکر کردہ امور میں اباحت کا نفاذ نہیں ہوتا پس ان میں مع الانکار فیصلہ نہیں ہوگا۔ مگر صاحب فتاویٰ قاضی خاں وغیرہ فرماتے ہیں کہ مفتیٰ بہ امام ابویوسفؒ و امام محمدؒ کا قول ہے۔

وَإِذَا ادَّعَى اثْنَانِ عَيْنًا فِي يَدِ آخَرَ وَكُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا يَزْعُمُ أَنَّهَا لَهُ وَأَقَامَا الْبَيِّنَةَ قُضِيَ

اور جب دعویٰ کریں دو شخص کسی معین شے کا جس پر تیسرا قابض ہو اور ان دونوں میں سے ہر ایک کا کہنا یہ ہو کہ وہ اسکا مالک ہے اور دونوں ہی بیّنہ پیش کردیں

بِهَا بَيْنَهُمَا وَإِنِ ادَّعَى كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا نِكَاحَ امْرَأَةٍ وَأَقَامَا الْبَيِّنَةَ لَمْ يَقْضِ بِوَاحِدَةٍ

تو یہ چیز دونوں کی قرار دی جائیگی اور دونوں میں سے ہر ایک ایک عورت سے نکاح کا مدعی ہو اور دونوں بیّنہ پیش کریں تو دونوں میں سے کسی کے بھی بیّنہ

وَيُرْجَعُ إِلَى تَصْدِيقِ الْمَرْأَةِ لِأَحَدِهِمَا۔

پر فیصلہ کے بجائے برائے تصدیق عورت کیجانب رجوع کرینگے کہ وہ انمیں سے ایک کی تصدیق کردے۔

دو اشخاص کے ایک ہی شئی پر مدعی ہونیکا ذکر

تشریح و توضیح واذا ادعی اثنان عینا الخ۔ یعنی اگر کسی شے کی مطلقاً ملکیت کے مدعی اس طرح کے دو اشخاص ہوں کہ ان میں سے ایک اس شئے پر قبضہ کئے ہوئے ہو اور دوسرے کا قبضہ نہ ہو تو عند الاحنافؒ جس کا قبضہ نہ ہو اس کے بیّنہ کو ترجیح حاصل ہوگی۔ حضرت امام احمدؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ قبضہ کئے ہوئے شخص کے بیّنہ کو مقدم قرار دیتے ہیں۔ پھر ان دونوں میں سے اگر بذریعۂ بیّنہ وقت بھی ذکر کردے تو اس صورت میں بھی حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک غیر قابض کا بیّنہ قابلِ اعتبار قرار دیا جائے گا اور حضرت امام ابویوسفؒ وقت ثابت کرنیوالے بیّنہ کو قابلِ اعتبار قرار دیتے ہیں۔ اس ضابطہ کے علم کے بعد اب اگر دو اشخاص ایک ایسی شئے کے بارے میں مدعی ہوں جس پر

تیسرا شخص قابض ہو اور دونوں ہی اپنے اپنے گواہ پیش کردیں تو احناف کے نزدیک اس شئے کو دونوں کے درمیان آدھا آدھا تقسیم کردیا جائے گا۔ حضرت امام شافعیؒ اس صورت میں دونوں کی گواہیاں ناقابل اعتبار قرار دیتے ہیں اور حضرت امام احمدؒ اس شکل میں قرعہ اندازی کیلئے فرماتے ہیں۔ امام شافعیؒ کے ایک قول کے مطابق بھی قرعہ اندازی کی جائے گی اسلئے کہ یقینی طور پر دونوں اشخاص میں سے ایک کے شاہد جھوٹے ہیں کہ ایک ہی وقت میں کامل شے کے اندر دو ملکیتوں کا اجتماع ناممکن ہے۔ پس یا تو دونوں کو ساقط الاعتبار قرار دیا جائے یا قرعہ اندازی کی جائے۔ اسلئے کہ حدیث شریف سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا اسی طرح کے واقعہ میں قرعہ اندازی فرمانا ثابت ہے۔ احنافؒ فرماتے ہیں کہ حدیث شریف سے ثابت ہے کہ دو اشخاص کے درمیان ایک اونٹ کے سلسلہ میں نزاع ہوا اور دونوں نے شاہد پیش کئے تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے درمیان نصف نصف کی تقسیم فرمائی۔ رہا قرعہ اندازی کا طریقہ تو وہ آغاز اسلام میں تھا، اس کے بعد منسوخ ہوا۔

وان ادعیٰ کل واحد منہما نکاح امرأۃ الخ۔ اگر دو اشخاص ایک عورت سے نکاح کرنیکے دعوے کے ساتھ شاہد بھی پیش کردیں تو دونوں کو ناقابل اعتبار قرار دیا جائے گا۔ اس لئے کہ اس جگہ اشتراک ناممکن ہے۔ اس کے برعکس املاک میں اشتراک ہوسکتا ہے۔ اب یہاں فیصلہ کی شکل یہ ہوگی کہ اگر دونوں اشخاص کے شاہدوں نے کسی تاریخ کا ذکر نہ کیا ہو تو اس صورت میں عورت ان میں سے جس کی تصدیق کریگی وہ اسی کی منکوحہ قرار دی جائے گی۔ اور تاریخ ذکر کرنے کی صورت میں جس کی تاریخ ان میں مقدم ہوگی وہ اسی کی شمار ہوگی۔

وَان ادّعیٰ اثنانِ کُلٌّ واحدٍ منہما اَنَّہٗ اشتریٰ مِنہُ ھٰذا العبدَ واَقاما البیّنۃَ فکلٌّ واحدٍ

اور اگر دو اشخاص میں سے ہر ایک اس کا مدعی ہو کہ میں نے اسے اس غلام کی خریداری کی ہے اور دونوں گواہ پیش کریں تو ان دونوں میں سے

منھُما بالخیارِ اِن شاءَ اَخذَ نصفَ العَبْدِ بنصفِ الثمنِ وَاِنْ شاءَ ترکَ فان قضی القاضی بہٖ

ہر ایک کو یہ حق ہوگا کہ خواہ نصف قیمت کے بدلہ نصف غلام لیلے اور خواہ نہ لے۔ لہٰذا اگر قاضی یہ فیصلہ کردے کہ غلام دونوں کا ہے

بَینہما فقالَ اَحدُھُما لَا اَختارُ لَمْ یکنْ للاٰخرِ اَنْ یَاخُذَ جمیعَہٗ وَاِنْ ذکرَ کلٌّ واحدٍ

اسکے بعد ان دونوں میں سے ایک کہے میں پسند نہیں کرتا کہا تو دوسرے کیواسطے پورا غلام لے لینا درست نہیں اور اگر دونوں میں سے ہر ایک تاریخ ذکر

منھما تاریخًا فھُوَ للاَوّلِ منھُما وَاِنْ لَمْ یَذکرا تاریخًا وَمَعَ اَحدِھِما قبضٌ فھواَولٰی

کرے تو غلام مقدم تاریخ والے کا ہوگا اور اگر دونوں میں سے تاریخ کوئی بیان نہ کرے اور ان میں سے ایک قابض ہو تو وہی اسکا زیادہ

بہٖ وَاِنْ ادّعیٰ احدُھُما شراءً وَالاٰخرُ ھبۃً وقبضًا واقاما البیّنۃَ وَلَا تاریخَ معھُما فالشراءُ

حقدار ہوگا۔ اور اگر ان میں سے ایک خریداری کا مدعی ہو اور دوسرا شخص ہبہ و قابض ہونیکا اور دونوں گواہ پیش کردیں اور تاریخ دونوں میں سے کسی کے پاس

اَولیٰ مِنَ الاٰخرِ وان ادّعیٰ اَحدُھُما الشراءَ وادّعتِ المرأۃُ اَنّہٗ تزوّجھا علیہ فھُما

نہ ہو تو خریداری کا مدعی دوسرے سے زیادہ حقدار ہوگا اور اگر دونوں میں ایک خریداری کا مدعی ہو اور عورت مدعیہ ہو کہ وہ میرے ساتھ اس پر نکاح کرچکا ہے تو

سَوَاءٌ وَاِنْ ادَّعٰی اَحَدُهُمَا رَهْنًا وَّقَبْضًا وَالْاٰخَرُ هِبَةً وَّقَبْضًا فَالرَّهْنُ اَوْلٰی ۔

دونوں یکساں قرار دیئے جائینگے اور اگران دونوں میں سے ایک رہن وقابض ہونیکا اور دوسرا ہبہ وقابض ہونیکا مدعی ہو تو رہن کا مدعی زیادہ حقدار ہوگا۔

تشریح و توضیح

وان ادعی اثنان کل واحد منھما الخ۔ اگر کسی غلام کے بارے میں دو اشخاص مدعی ہوں کہ وہ اسے فلاں سے خرید چکے ہیں اور ان میں سے ہر ایک اپنے دعوے کے گواہ پیش کرے تو اس صورت میں ان میں سے ہر ایک کو یہ حق حاصل ہوگا کہ خواہ نصف قیمت کے بدلہ نصف غلام لے لے اور خواہ چھوڑ دے۔ اور اگر قاضی کے فیصلہ کر چکنے کے بعد دونوں میں سے کوئی ایک اپنے حصہ سے دست بردار ہو تو دوسرے کو پورا غلام لینے کا حق نہ ہوگا۔ اس لئے کہ قاضی کے فیصلہ کے بعد یہ بیع فسخ ہوچکی۔ اور اگر دونوں مدعی تاریخ بھی ذکر کریں تو پھر یہ دیکھا جائے گا کہ کس کی تاریخ مقدم ہے۔ ان میں سے جس کی تاریخ مقدم ہوگی غلام اسی کا قرار دیا جائے گا۔ اور اگر دونوں تاریخ ذکر نہ کریں اور ان میں سے ایک اس پر قابض ہو تو وہی زیادہ حقدار ہوگا۔ اس واسطے کہ قابض ہونے سے اس کے پہلے خریدنے کی نشاندہی ہورہی ہے اور اگر ایک یہ دعویٰ کرے کہ اس نے اس چیز کو فلاں سے خریدا ہے اور دوسرا مدعی ہو کہ یہ چیز فلاں نے اس کو ہبہ کی تھی اور دونوں میں سے کوئی تاریخ ذکر نہ کرے تو خریداری کے دعوے کو ہبہ کے دعوے پر ترجیح ہوگی۔ اس لئے کہ خریداری سے بذاتِ خود ملکیت ثابت ہوجاتی ہے۔ اس کے برعکس ہبہ، کہ اس کا انحصار قابض ہونے پر ہے۔

وان ادعی احدھما الشراء وادعت المرأۃ الخ۔ اگر دونوں مدعیوں میں سے ایک اس کا مدعی ہو کہ اس نے اس غلام کو فلاں شخص سے خریدا، اور عورت مدعیہ ہو کہ فلاں یہ غلام میرا مہر قرار دیکر میرے ساتھ نکاح کرچکا ہے۔ تو اس صورت میں دونوں کے دعووں اور گواہوں کو یکساں قرار دیا جائے گا اور ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ ہوگی۔ اس لئے کہ خریداری اور نکاح کا جہاں تک تعلق ہے دونوں کا شمار عقدِ معاوضہ میں ہوتا ہے اور دونوں سے بذاتہ ملکیت ثابت ہوتی ہے۔ تو باعتبارِ قوت دونوں یکساں ہوئے۔ حضرت امام محمدؒ خریداری کے دعوے کو اولیٰ قرار دیتے ہیں۔

وان ادعی احدھما رھنا الخ۔ اگر دونوں مدعیوں میں سے ایک رہن اور قابض ہونے کا مدعی ہو اور دوسرا ہبہ اور قابض ہونیکا تو رہن کا دعویٰ کرنیوالا اولیٰ قرار دیا جائے گا۔ مگر یہ اس صورت میں ہے کہ ہبہ میں بشرطِ عوض کی قید ہو ورنہ استحساناً دعویٔ ہبہ کو اولیٰ قرار دیا جائے گا کہ ہبہ سے ملکیت ثابت ہوتی ہے اور رہن سے ثابت نہیں ہوتی۔

وَاِنْ اَقَامَ الْخَارِجَانِ الْبَیِّنَةَ عَلَی الْمِلْکِ وَالتَّارِیْخِ فَالْاَقْدَمُ اَوْلٰی وَاِنْ ادَّعَیَا الشِّرَاءَ مِنْ

اور اگر دو غیر قابض اشخاص ملکیت اور تاریخ کے گواہ پیش کریں تو مقدم تاریخ والا اولیٰ قرار دیا جائے گا اور اگر دونوں کسی شخص سے خریداری

وَاحِدٍ وَّاَقَامَا الْبَیِّنَةَ عَلٰی تَارِیْخَیْنِ فَالْاَوَّلُ اَوْلٰی وَاِنْ اَقَامَ کُلٌّ وَّاحِدٍ مِّنْهُمَا الْبَیِّنَةَ

کے مدعی ہوں اور دونوں دو تاریخوں کے اوپر گواہ پیش کریں تو مقدم تاریخ والا اولیٰ قرار دیا جائیگا۔ اور اگر دونوں میں سے دوسرے سے خریداری پر

عَلَی الشِّرَاءِ مِنَ الْاٰخَرِ وَذَکَرَا تَارِیْخًا فَهُمَا سَوَاءٌ وَاِنْ اَقَامَ الْخَارِجُ الْبَیِّنَةَ عَلٰی مِلْکٍ

گواہ پیش کریں اور دونوں تاریخ بیان کریں تو دونوں یکساں شمار ہوں گے۔ اور اگر غیر قابض تاریخ کیساتھ ملکیت کے گواہ پیش کرے

مؤرخ وَاقام صاحبُ الیدِ علی ملکٍ اقدمُ تاریخًا کان اولٰی وَان اقامَ الخارجُ وصاحبُ الیدِ

اور قابض ایسی ملکیت پر گواہ پیش کرے جو دوسرے کی تاریخ پر مقدم ہو تو قبضہ کرنیوالا زیادہ حقدار ہوگا۔ اور اگر قبضہ کرنیوالا اور غیر قابض

کلُّ واحدٍ منهُمَا بیّنةً بالنتاجِ فصاحبُ الیدِ اولٰی وَکذٰلکَ النسجُ فی الثیابِ الّتی لا

دونوں ہی پیدائش کے گواہ پیش کریں تو قبضہ کنندہ اولیٰ شمار ہوگا۔ اور ایسے ہی ان کپڑوں کی بناوٹ کے سلسلے میں جو محض ایک ہی مرتبہ

تُنسجُ الّا مرّةً واحدةً وَکلُّ سببٍ فی الملکِ لایتکرّرُ وَانْ اقامَ الخارجُ بیّنةً علی الملکِ

بنے جاتے ہیں۔ اور ملکیت کے اندر ہر ایسا سبب جو مکرر نہ ہوتا ہو۔ اور اگر غیر قابض شخص مطلق ملکیت کے گواہ پیش کرے۔

المطلقِ وَصاحبُ الیدِ علی الشراءِ منهُ کانَ صاحبُ الیدِ اولٰی وَانْ اقامَ کلُّ واحدٍ منهمَا

اور قبضہ کرنیوالا اس سے خرید لینے پر تو قبضہ کرنیوالا اولیٰ قرار دیا جائیگا۔ اور اگر دونوں میں سے ہر ایک دوسرے سے خرید لینے

البیّنةَ علی الشراءِ منَ الآخرِ وَلا تاریخَ معهُمَا تهاترَ البیّنتانِ وَانْ اقامَ احدُ المدّعیینِ

کے گواہ پیش کرے درآنحالیکہ تاریخ دونوں کے پاس نہ ہو تو دونوں کے گواہ ساقط الاعتبار شمار ہوں گے۔ اور اگر مدعیوں میں سے

شاهدینِ وَالآخرُ اربعةً فهُمَا سَوَاءٌ۔

ایک دو شاہد پیش کرے اور دوسرا چار تو دونوں یکساں قرار دیئے جائیں گے۔

تشریح و توضیح

وَانْ اقامَ الخارجانِ البیّنةَ الخ۔ اگر دو اشخاص مطلقاً ملکیت پر تاریخ کے ساتھ گواہ پیش کریں یا دونوں تاریخ کے ساتھ اس کے گواہ پیش کریں کہ ان دونوں سے اسے ایک ہی نے فروخت کنندہ سے خریدا ہے تو اس صورت میں جس کی تاریخ مقدم ہوگی اس کی گواہی کو مقدم قرار دیا جائے گا۔ اس لئے کہ اس نے بذریعہ گواہان یہ بات ثابت کردی کہ اس پر اول ملکیت اسے حاصل ہے اور اگر دونوں میں سے ہر ایک اس کے گواہ پیش کرے کہ اس نے اسے دوسرے سے خریدا ہے۔ مثال کے طور پر ایک رشید سے خریداری کا مدعی ہو اور دوسرا شریف سے اور دونوں میں سے ہر ایک مع تاریخ اسے ثابت کرے تو اس صورت میں دونوں کو یکساں قرار دیا جائے گا۔ اور خرید کردہ شے دونوں میں آدھی آدھی ہو جائے گی کیونکہ دونوں نے اپنے اپنے فروخت کنندہ کے واسطے ملکیت ثابت کی ہے۔ اسواسطے یہ اس طرح کی صورت ہوگئی کہ وہ دونوں فروخت کنندہ موجود ہوں اور پھر مدعی ہو کر ایک ہی تاریخ بیان کریں۔

وان اقام الخارج البیّنة علی ملکٍ مؤرخٍ الخ۔ اگر غیر قابض اور قبضہ کنندہ دونوں ملکیت مع تاریخ کے گواہ پیش کریں اور ان دونوں میں قبضہ کنندہ کی تاریخ دوسرے سے پہلے ہو تو اس صورت میں امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ قبضہ کنندہ کی گواہی مقدم قرار دی جائے گی۔ حضرت امام محمدؒ کی بھی ایک روایت اس طرح کی ہے مگر انھوں نے اس سے رجوع فرمالیا اور اب بعد رجوع وہ یہ فرماتے ہیں کہ قبضہ کنندہ کے گواہوں کی گواہی قابلِ قبول نہ ہوگی۔ اس واسطے کہ دونوں کی گواہی کا تعلق مطلق ملکیت سے ہے اور ان کے جہتِ ملکیت سے تعرض نہ کرنے کی بناء پر مقدم و مؤخر ہونا یکساں ہوگا۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ اور حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ قبضہ کنندہ کی مع تاریخ گواہی سے

معنیٰ غیر قابض کی گواہی کا دفاع ہو رہا ہے۔

وان اقام الخارج وصاحب الید کل واحد منهما بینة بالنتاج الخ. اگر غیر قابض اور قبضہ کنندہ دونوں ملکیت کے اس طرح کے سبب پر گواہ پیش کریں جو محض ایک بار ہوتا ہے اور مکرر نہیں ہوا کرتا۔ مثال کے طور پر نتاج یعنی کسی جانور کے بچہ کی پیدائش یا روئی دار کپڑے کا بننا وغیرہ۔ اور غیر قابض اور قبضہ کنندہ دونوں گواہوں سے اس کا ثبوت پیش کریں کہ یہ بچہ اس کے جانور کا ہے اور اس کی پیدائش اس کی یا اس کے فروخت کنندہ یا مورث کی ملکیت میں رہتے ہوئے ہوئی ہے تو اس صورت میں قبضہ کرنیوالے کے گواہوں کی گواہی قابلِ اعتبار قرار دی جائیگی۔ دار قطنی کی روایت سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

وان اقام الخارج بینة علی الملك المطلق الخ. اگر غیر قابض شخص مطلق ملکیت کے گواہ پیش کرے، اور قبضہ کنندہ اس کے گواہ پیش کرے کہ اس نے غیر قابض سے خریدا ہے تو اس صورت میں قبضہ کرنیوالے کے گواہوں کی گواہی قابلِ اعتبار ہوگی اس لئے کہ غیر قابض تو ملک کی اولیت کا ثبوت پیش کر رہا ہے اور قبضہ کرنیوالا اس سے حصولِ ملکیت کا ثبوت پیش کر رہا ہے اور ان دونوں کے درمیان کسی طرح کی منافات بھی نہیں۔

ولا تاریخ معهما الخ. اگر غیر قابض اور قبضہ کرنیوالا دونوں ایک دوسرے سے خریداری کے گواہ پیش کریں اور غیر قابض قبضہ کنندہ سے اس کے خریدنیکا مدعی ہو اور دوسری جانب قبضہ کنندہ یہ دعویٰ کرتا ہو کہ اس نے اسے غیر قابض سے خریدا ہے تو اس صورت میں حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام ابویوسفؒ دونوں کی گواہیوں کو ناقابلِ اعتبار قرار دیتے ہیں۔ اور وہ چیز قابض کی ہوگی۔ حضرت امام محمدؒ دونوں کی گواہیوں کو معتبر قرار دیتے ہیں۔ اور یہ کہ یہ چیز غیر قابض کو دیجائے گی اس لئے کہ دونوں کی گواہیوں پر عمل کی یہ صورت ہوسکتی ہے کہ قبضہ کنندہ غیر قابض سے خریدے اور خریدنے کے بعد پھر غیر قابض کو بیچدے مگر قبضہ نہ کرائے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ اقدامِ خریداری سے گویا دوسرے کی ملکیت کا اقرار کرلینا ہے تو اس طرح دونوں میں سے ہر ایک کے بیّنہ کا قیام دوسرے کے اقرار ہی پر ہوا اور اس شکل میں جمع دشوار ہونے کی بناء پر دونوں بیّنے ناقابلِ اعتبار قرار دیئے جاتے ہیں تو اسی طریقہ سے اس جگہ بھی ہوگا۔

وان اقام احد المدعیین شاهدین الخ. اگر دونوں دعویداروں میں سے ایک مدعی تو دو گواہ پیش کرے اور دوسرا مدعی بجائے دو کے چار گواہ پیش کرے تو اس کی وجہ سے حکم میں کوئی فرق نہیں پڑیگا اور شاہدوں کی ایک طرف زیادتی دوسرے پر اثرانداز نہ ہوگی بلکہ دونوں برابر قرار دیئے جائینگے۔ سبب اسکا یہ ہے کہ جہانتک دو شاہدوں کی شہادت کا تعلق ہے یہ شہادت اپنی جگہ تامہ ومکمل ہے اور ترجیح کی بنیاد علل کی کثرت نہیں ہوا کرتی بلکہ ترجیح کا مدار علل کی قوت پر ہوا کرتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک طرف حدیث متواتر ہو اور دوسری جانب احاد تو متواتر احاد کے مقابلہ میں راجح قرار دیجائے گی۔ اور ایک طرف یکساں درجہ کی دو حدیثیں ہوں اور دوسری طرف ایک تو صرف عدد کی زیادتی کیوجہ سے ترجیح نہ ہوگی۔

وَمَنِ ادَّعیٰ قصاصًا علٰی غیرہٖ فجحدَ اُستحلِفَ فان نکلَ عن الیمینِ فیما دونَ النفسِ لزمہ القصاصُ
اور جو شخص دوسرے پر قصاص کا مدعی ہو اور وہ انکار کرے تو حلف لیا جائے گا پس اگر وہ جان کے سوا میں حلف سے انکار کرتا ہو تو
وَانْ نکلَ فی النفسِ حُبِسَ حتّٰی یُقِرَّ اَوْ یحلِفَ وَقالَ اَبُوْیوسُفَ ومحمدٌ رحمہما اللّٰہُ یلزمہُ الارْشُ
اس پر وجوب قصاص ہوگا اور قتل نفس میں انکار پر تا اقرار یا تا حلف قید میں ڈالدیا جائیگا امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک اس پر دونوں شکلوں
فیھمَا وَ اِذَا قالَ المدّعی لِی بیّنۃٌ حاضرۃٌ قیلَ لخصمہٖ اَعْطِہٖ کفیلًا بنفسِکَ ثلثۃَ اَیّامٍ فانْ
میں دیت کا وجوب ہوگا۔ اور اگر دعویٰ کرنیوالا کہے کہ میرے گواہ حاضر ہیں تو اسکے مدمقابل سے تین روز کے اندر ضامن دینے کیلئے کہا جائے گا۔ اگر وہ
فعلَ وَ اِلَّا اُمِرَ بمُلازمتِہٖ اِلَّا اَنْ یکونَ غریبًا علَی الطریقِ فیلازمہٗ مقدارَ مجلسِ القاضی۔
ضامن دیدے تو فبہا ورنہ اسکے پیچھے نکلنے کا حکم کیا جائیگا الا یہ کہ دعویٰ کیا گیا شخص راہ گیر مسافر ہو تو اسے قاضی مجلس قضا تک روکے گا۔۔۔

تشریح و توضیح

قصاصًا الخ۔ کوئی شخص کسی پر قصاص کا مدعی ہو اور دوسرا شخص منکر، تو قصاص کے انکار کرنیوالے سے حلف لیا جائے گا۔ پس اگر وہ حلف پر آمادہ نہ ہو تو یہ دیکھیں گے کہ دعویٰ کس طرح کا ہے۔ دعوئے قتل نفس کا ہونیکی صورت میں دعوے کئے گئے شخص کو اس وقت تک قید میں کہا جائیگا جب تک وہ اقرار یا حلف نہ کرلے۔ اور دعویٰ قطع اطراف کے ہونے کی صورت میں محض انکار کرنے پر اس سے قصاص لینے کا حکم ہوگا۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ یہی فرماتے ہیں اور حضرت امام ابویوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک دونوں صورتوں میں دیت کا وجوب ہوگا۔ اسلئے کہ انکار کے باعث شبہ پیدا ہوگیا اور شبہ کی بنا پر قصاص نہیں آئیگا۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اطراف کا حکم اموال کی مانند ہوا کرتا ہے۔ اس لئے کہ جیسے مال برائے تحفظ آدمی ہوتا ہے یہی حال برائے حفاظت نفس ہاتھ پاؤں کا ہے۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ دونوں شکلوں میں دعویٰ کرنیوالے سے یہ حلف لینے کا حکم فرماتے ہیں کہ اس کا دعویٰ درست ہے اور بعد حلف دونوں شکلوں میں قصاص کا حکم فرماتے ہیں۔

وَاِذَا قالَ المدّعی لِی بیّنۃٌ الخ۔ اگر مدعی کسی شے کے بارے میں دعویٰ کرے اور کہے کہ میرے پاس اس کے گواہ موجود ہیں اور وہ دعویٰ کئے گئے شخص سے حلف کیلئے کہے تو حضرت امام ابوحنیفہؒ دعویٰ کئے گئے شخص سے حلف نہ لینے کا حکم فرماتے ہیں۔ حضرت امام ابویوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ حلف لیا جائیگا اس لئے کہ حلف کا جہانتک تعلق ہے وہ دعویٰ کرنیوالے کا حق ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حلف دعویٰ کرنیوالے کا حق اس صورت میں ہوگا جبکہ وہ بیّنہ پیش نہ کرسکے اور اس جگہ سے بیّنہ پیش کرنے کے امکان کے باعث اس سے حلف لینے کے بجائے تین دن کیواسطے حاضر ضامن پیش کرنے کے واسطے کہا جائیگا تاکہ وہ فرار نہ ہو۔ اگر وہ اس سے منکر ہو اور دعویٰ کیا گیا شخص اسی جگہ کا رہنے والا ہو تو ضمانت کے عرصہ یعنی تین دن تک خود دعویٰ کرنیوالا مدعیٰ علیہ کا تعاقب کرے تاکہ وہ فرار نہ ہوسکے۔ اور مدعا علیہ کے مسافر ہونے پر محض مجلس قاضی برخاست ہونے تک برائے ضمانت روکے۔ پھر اگر دعویٰ کرنیوالا مقررہ مدت کے اندر گواہ پیش کردے تو فبہا ورنہ قاضی دعویٰ کئے گئے شخص سے حلف لے یا اسے چھوڑ دے۔

وَإِنْ قَالَ الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ هٰذَا الشَّيْءُ أَوْدَعَنِيْهِ فُلَانٌ الْغَائِبُ أَوْ رَهَنَهُ عِنْدِيْ أَوْ غَصَبْتُهُ
اور اگر دعویٰ کیا گیا شخص کہے کہ یہ شے مجھ کو فلاں غائب شخص نے امانۃً یا بطور رہن رکھی یا میں نے اس شخص سے چھینی ہے۔
مِنْهُ وَأَقَامَ بَيِّنَةً عَلٰى ذٰلِكَ فَلَا خُصُوْمَةَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْمُدَّعِيْ وَإِنْ قَالَ ابْتَعْتُهُ مِنْ فُلَانٍ
اور اس پر گواہ پیش کرے تو اس کے اور دعویٰ کنندہ کے بیچ کوئی خصومت نہیں رہے گی اور اگر کہے کہ میں نے اسے فلاں غائب شخص
الْغَائِبِ فَهُوَ خَصْمٌ وَإِنْ قَالَ الْمُدَّعِيْ سُرِقَ مِنِّيْ وَأَقَامَ الْبَيِّنَةَ وَقَالَ صَاحِبُ الْيَدِ أَوْدَعَنِيْهِ
سے خریدا ہے تو دعویٰ کنندہ مدمقابل باقی رہیگا۔ اور اگر دعویٰ کرنیوالا کہے کہ میری چیز سرقہ کی گئی ہے اور وہ اس پر گواہ پیش کردے اور قبضہ کرنیوالا
فُلَانٌ وَأَقَامَ الْبَيِّنَةَ لَمْ تَنْدَفِعِ الْخُصُوْمَةُ وَإِنْ قَالَ الْمُدَّعِيْ ابْتَعْتُهُ مِنْ فُلَانٍ وَقَالَ صَاحِبُ
کہتا ہو کہ مجھ کو فلاں شخص نے امانۃً دی اور اس پر گواہ پیش کردے تو خصومت ختم نہ ہوگی اور اگر دعویٰ کرنیوالا کہے کہ میں اسے فلاں سے خرید چکا ہوں اور قبضہ
الْيَدِ أَوْدَعَنِيْهِ دُفِعَتِ الْخُصُوْمَةُ بِغَيْرِ بَيِّنَةٍ۔
کرنیوالا کہے کہ مجھکو فلاں شخص نے بطور امانت دی تو بلا بینہ کے خصومت ختم ہو جائیگی

دعووں کے برقرار نہ رہنے کا ذکر

تشریح و توضیح

وان قال المدعیٰ علیہ ہذا الشئ الخ۔ اگر کسی شئ کی ملکیت کا دعویٰ کرنیوالے کے جواب میں دعویٰ کیا گیا شخص کہے کہ تمہارا دعوئ ملکیت میری قبضہ کردہ شے پر درست نہیں یہ تو فلاں غائب شخص نے میرے پاس امانۃً رکھدی یا یہ تو میرے پاس رہن کے طریقہ سے رکھی ہوئی ہے یا یہ میری اس سے غصب کردہ ہے اور وہ ان امور میں سے کسی امر کو گواہوں کے ذریعہ ثابت کردے درانحالیکہ وہ شے جس کے بارے میں نزاع ہو بدستور موجود و برقرار ہو تو اس صورت میں حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ دعویٰ کئے گئے شخص سے خصومتِ مدعی ختم ہو جائے گی۔ اسواسطے کہ مدعا علیہ دو چیزیں ثابت کر رہا ہے، ایک تو یہ کہ وہ غائب کی ملکیت ہے، دوسرے اپنے سے خصومت کو ختم کر رہا ہے۔ پہلی چیز تو مدِمقابل نہ ہونے کی بنا پر ثابت ہی نہ ہوگی، البتہ دوسری دعویٰ کئے گئے شخص کے مدِمقابل ہونے کی بناء پر ثابت ہو جائے گی۔

وان قال ابتعتہ من فلان الغائب الخ۔ اگر دعویٰ کیا گیا شخص کہے کہ میں یہ چیز فلاں غائب شخص سے خرید چکا ہوں، یا دعویٰ کرنیوالا یہ دعویٰ کرے کہ میری اس چیز کو چرایا گیا ہے اور گواہ پیش کرے اور اس کے جواب میں دعویٰ کیا گیا شخص کہے کہ فلاں شخص غائب نے اسے میرے پاس امانۃً رکھا ہے اور وہ اس پر گواہ پیش کردے تو ان دونوں شکلوں میں حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام ابویوسفؒ مدعا علیہ سے خصومت ختم نہ ہونیکا حکم فرماتے ہیں۔ حضرت امام محمدؒ کے نزدیک بشکلِ سرقہ دعویٰ کئے گئے شخص سے خصومت ختم ہو جائے گی اس لئے کہ اس شکل میں دعویٰ کرنیوالا دعویٰ کئے گئے شخص پر کسی فعل کا دعویدار نہیں۔

وان قال المدعی ابتعتہ من فلان الخ۔ اگر دعویٰ کرنیوالا یہ دعویٰ کرے کہ دعویٰ کیا گیا شخص جس چیز پر قابض ہے میں نے اسے فلاں شخص سے خریدا تھا، اور دعویٰ کیا گیا شخص کہتا ہو کہ یہ چیز فلاں شخص نے میرے پاس امانۃً رکھی ہے تو اس صورت میں مدعا علیہ سے خصومت ختم قرار دیجائیگی۔ خواہ دعویٰ کیا گیا شخص اپنے بیان پر گواہ بھی نہ پیش کرے۔ وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں مدعی اس کا اعتراف کررہا ہے کہ دعویٰ کیے گئے شخص کے پاس یہ چیز فلاں کی جانب سے پہنچی تو اس شکل میں مدعا علیہ کے قبضہ کو قبضۂ خصومت قرار نہیں دیا جائے گا اور اس خصومت کے ختم ہونیکا حکم ہوگا۔

وَالیمینُ باللہِ تعالیٰ دُونَ غیرِہٖ وَیُؤکَّدُ بذکرِ اَوْصَافہٖ وَلَا یُستحلَفُ بالطلاقِ وَلا بالعتاقِ وَ
اور حلف اللہ کے نام کا ہوا کرتا ہے نہ کہ اسکے علاوہ کا اور اسے اللہ کے اوصاف بیان کرکے مؤکد کیا جائیگا اور طلاق اور عتاق کا حلف نہیں لیا جائیگا

یُستحلَفُ الیہودی باللہِ الَّذی انزلَ التوراۃَ علیٰ موسیٰؑ وَالنصرانی باللہِ الذی انزلَ الانجیلَ
اور یہودی سے حلف لیا جائیگا اللہ کا جسنے حضرت موسیٰؑ پر توراۃ کا نزول فرمایا اور نصرانی سے اللہ کا جسنے انجیل کا نزول حضرت عیسیٰؑ پر

علیٰ عیسیٰؑ وَالمجوسی باللہِ الذی خلقَ النارَ وَلا یُستحلفُونَ فی بیوتِ عبادتہم وَلا یجبُ تغلیظ
فرمایا اور آتش پرست سے اللہ کا جسنے آگ پیدا فرمائی اور حلف نہیں دیا جائیگا انھیں انکی عبادت گاہوں میں اور مسلمان پر لازم نہیں

الیمینِ علی المُسلم بزمانٍ وَلا بمکانٍ وَمَنِ ادّعیٰ انّہٗ ابتاعَ مِن ھٰذا عبدَہٗ بالفٍ فجحدَ اُستحلفَ
کہ وہ حلف کو زمان اور مکان کے ساتھ پختہ کرے اور جو شخص مدعی ہو کہ اس نے اس کا غلام ہزار میں خریدا اور وہ منکر ہو تو یہ حلف لیا

باللہِ ما بینکما بیعٌ قائمٌ فی الحالِ وَلا یُستحلفُ باللہِ ما بعتُ وَیُستحلفُ فی الغصبِ باللہِ ما یستحقّ
جائے کہ واللہ ہمارے بیع اس وقت تک کوئی بیع نہیں اور حلف اسطرح نہ لیا جائے کہ واللہ میں نے فروخت نہیں کیا اور غصب کے اندر حلف لیا جائے کہ واللہ

علیک ردُّ ھٰذہ العینِ وَلا ردُّ قیمتِہا وَلا یُستحلفُ باللہِ ما غصبتُ وَفی النکاحِ باللہِ ما بینکما
اسے اس چیز کے اور اسکی قیمت کے لوٹانیکا استحقاق نہیں اور حلف اسطرح نہیں لیا جائیگا کہ واللہ میں نے اس چیز کو غصب نہیں کیا اور نکاح کے اندر (اسطرح)

نکاحٌ قائمٌ فی الحالِ وَفی دعوی الطلاقِ باللہِ ما ھی بائنٌ منک الساعۃَ بما ذکرتْ وَلا یُستحلفُ
واللہ ہمارے درمیان اس وقت تک نکاح قائم نہیں ہوا اور دعویٰ طلاق کے اندر واللہ یہ اسوقت تک اس سے بائن نہیں جیسے کہ اسنے ذکر کیا اور حلف

باللہِ ما طلّقہا وَان کانتْ دارٌ فی یدِ رجلٍ ادّعاھا اثنانِ احدُھما جمیعَہا وَالآخرُ نصفَہا
اسطرح نہیں لیا جائیگا کہ واللہ میں نے اس پر طلاق واقع نہیں کی اور اگر گھر پر کوئی قابض ہو اور دو شخص مدعی ہوں انمیں سے ایک سارے گھر کا اور دوسرا

وَاَقاما البیّنۃَ فلصاحبِ الجمیعِ ثلٰثۃُ ارباعِہا وَلصاحبِ النصفِ ربعُہا عندَ ابی حنیفۃؒ
آدھے کا اور دونوں گواہ پیش کردیں تو سارے مکان کے مدعی کے تین ربع قرار دیئے جائیں گے اور آدھے کے مدعی کا ایک ربع۔ امام ابوحنیفہؒ یہی فرماتے

وَقالا ھی بینہما اثلاثًا وَلو کانتِ الدارُ فی ایدیہما سلّم لصاحبِ الجمیعِ نصفُہا علیٰ وجہِ
ہیں اور صاحبینؒ کے نزدیک یہ گھر دونوں کے درمیان تین تہائی ہوگا اور اگر گھر پر دونوں قابض ہوں تو سارے کے دعویدار کے واسطے سارا گھر رہیگا۔

القضاءِ وَنصفُہا لا علیٰ وجہِ القضاءِ وَاِذا تنازعا فی دابۃٍ وَاَقامَ کلُّ واحدٍ منہما
نصف قضاءً، اور نصف بغیر قضا۔ اور اگر دو آدمیوں کا ایک جانور کے بارے میں نزاع ہو اور انمیں سے ہر ایک اس کے گواہ پیش کردے

بَیِّنَۃً اَنَّھَا نُتِجَتْ عِنْدَہٗ وَذَکَرَا تَارِیْخًا وَسِنُّ الدَّابَّۃِ یُوَافِقُ اِحْدَی التَّارِیْخَیْنِ فَھُوَ اَوْلٰی
کہ اس کی پیدائش اس کے یہاں ہوئی ہے اور دونوں تاریخ بیان کریں اور جانور کی عمر دونوں میں سے کسی ایک کی ذکر کردہ تاریخ کے مطابق ہو تو وہ اولیٰ قرار
وَاِنْ اَشْکَلَ ذٰلِکَ کَانَتْ بَیْنَھُمَا وَاِذَا تَنَازَعَا فِیْ دَابَّۃٍ اَحَدُھُمَا رَاکِبُھَا وَالْاٰخَرُ مُتَعَلِّقٌ
دیا جائیگا۔ اور اسکے بھی دشوار ہونے پر دونوں کے درمیان اسے مشترک قرار دیا جائیگا۔ اور اگر دو اشخاص کا ایک جانور کے بارے میں نزاع ہو اور ان دونوں میں سے
بِلِجَامِھَا فَالرَّاکِبُ اَوْلٰی وَکَذٰلِکَ اِذَا تَنَازَعَا بَعِیْرًا وَعَلَیْہِ حِمْلٌ لِاَحَدِھِمَا فَصَاحِبُ
ایک اس جانور پر سوار ہو اور دوسرے نے لگام پکڑ رکھی ہو تو سوار شخص کو اولیٰ قرار دیا جائیگا اسی طریقہ سے اگر دو اشخاص کا ایک اونٹ کے متعلق نزاع ہو درانحالیکہ
الْحِمْلِ اَوْلٰی وَکَذٰلِکَ اِذَا تَنَازَعَا قَمِیْصًا اَحَدُھُمَا لَابِسُہٗ وَالْاٰخَرُ مُتَعَلِّقٌ بِکُمِّہٖ فَاللَّابِسُ اَوْلٰی۔
ان دونوں میں سے ایک کا بوجھ اس کے اوپر ہو تو جس کا بوجھ ہو وہ اولیٰ شمار ہوگا اور ایسے ہی اگر دو اشخاص کا قمیص کے بارے میں نزاع ہو اور ان میں سے ایک نے وہ قمیص پہن رکھی ہو اور دوسرے نے اس کی آستین پکڑ رکھی ہو تو پہننے والے کو اولیٰ قرار دیا جائے گا۔

حلف اور طریقۂ حلف کا ذکر

تشریح و توضیح

وَالْیَمِیْنُ بِاللّٰہِ تَعَالٰی دُوْنَ غَیْرِہٖ الخ۔ قسم کا جہاں تک تعلق ہے وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کے نام کی کھائی جاتی ہے، اس کے علاوہ کی نہیں کھائی جاتی۔ بخاری و مسلم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس سے منع فرمایا کہ تم اپنے آبار کی قسمیں کھاؤ تو جو شخص قسم کھائے وہ اللہ کی کھائے یا چپ رہے۔ مسلم شریف میں حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نہ طاغوتوں (اصنام) کی قسم کھاؤ اور نہ اپنے آبار کی۔ تو نہ طلاق کا حلف لیا جائے گا اور نہ عتاق کا، اس لئے کہ اس طرح کا حلف حرام ہے۔ البتہ اوصافِ باری تعالےٰ مثلاً رحمٰن، رحیم وغیرہ کا حلف درست اور قابلِ اعتبار ہوگا۔

وَلَا یَجِبُ تَغْلِیْظُ الْیَمِیْنِ بِزَمَانٍ وَلَا بِمَکَانٍ الخ۔ حلف میں سختی کی خاطر زمان مثلاً بعد ظہر یا بعد عشا، یا مکان یعنی مسجد وغیرہ میں مسلمان سے حلف لینا نہ لازم ہے اور نہ بہتر۔ اس واسطے کہ حلف سے مقصود محض حلف باللہ ہے اور یہ اضافہ و قید گویا اضافہ علی النص ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ زیلعی وغیرہ اسے غیر مشروع قرار دیتے ہیں، اور علامہ شامی بحوالۂ محیط اس کا ناجائز ہونا نقل فرماتے ہیں۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ جواز ہی نہیں بلکہ استحباب کے قائل ہیں مگر شرط یہ ہے کہ حلف قسامت یا وافر مال یا لعان کے بارے میں ہو۔

وَمَنِ ادَّعٰی اَنَّہُ ابْتَاعَ مِنْ ھٰذَا عَبْدَہٗ بِاَلْفٍ الخ۔ اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ وہ اس سے یہ غلام ہزار میں خرید چکا ہے۔ تو اس صورت میں قاضی اس سے اس طریقہ سے حلف لے گا کہ واللہ ہمارے بیچ اسوقت بیع قائم نہیں ہوئی۔ اور غصب کے اندر اس طریقہ سے حلف لے گا کہ واللہ اسے اس چیز اور اس کی قیمت کے لوٹانیکا استحقاق نہیں اور نکاح کے سلسلہ میں اس طرح حلف لے گا کہ واللہ ہمارے درمیان اس وقت نکاح قائم نہیں ہوا اور طلاق کا دعویٰ ہو تو اس میں اس

طریقہ سے حلف لے گا کہ واللہ یہ عورت اسوقت تک میرے سے بائن نہیں ہوئی۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام محمدؒ اس تفصیل کے مطابق حکم فرماتے ہیں اور حضرت امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ بہر شکل سبب پر حلف لیا جائے گا۔

وَاِن کَانَتْ دَارٌ فِی یَدِ رَجُلٍ الخ۔ کسی مکان پر کوئی قابض ہو اور اس کے بارے میں دو اشخاص مدعی ہوں۔ ایک کا دعوے سارے مکان سے متعلق ہو، اور دوسرا آدھے کا دعویدار ہو اور دونوں مدعی گواہ پیش کردیں تو امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ منازعت کے اعتبار سے سارے کے دعویدار کیواسطے مکان کے تین ربع قرار دیئے جائیں گے اور آدھے کے دعویدار کے واسطے ایک ربع قرار دیا جائیگا۔ باعتبارِ منازعت کے معنے یہ ہیں کہ مدعی کے آدھے مکان کے دعوے کی صورت میں مکان کا نصف ثانی سارے مکان کے دعویدار کیواسطے برقرار رہا۔ اور اس کے آدھے میں دونوں کے درمیان نزاع رہا تو اسی آدھے کو دونوں کے درمیان آدھا آدھا کردیں گے۔ حضرت امام ابویوسفؒ و حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ سارے مکان کے دعویدار کیواسطے دو ثلث ہوں گے اور آدھے مکان کے دعویدار کیواسطے ایک ثلث۔ اور اگر ایسا ہو کہ مکان پر دونوں مدعی قابض ہوں تو اس صورت میں سارا مکان پورے کے دعویدار کا قرار دیا جائے گا آدھا تو قضاءً، اور آدھا قضاء کے بغیر۔ اسلئے کہ مکان پر دونوں کے قابض ہونیکی صورت میں ہر ایک کا آدھے آدھے پر قبضہ ہوتو جو آدھا مکان سارے کے دعویدار کے پاس ہے اس پر تو کسی کا دعوٰی ہی نہیں۔ پس اس کا وہ بلافیصلۂ قاضی حقدار ہے اور باقی آدھا جو آدھے کے دعویدار کے پاس ہے وہ اس سارے نصف کا دعویدار ہے اور دوسرا شخص خارج۔ اور یہ بات پہلے واضح ہوچکی کہ خارج شخص کے بیّنہ کا اعتبار کیا جاتا ہے قبضہ کرنیوالے کا نہیں لہٰذا وہ باقی آدھا بھی قاضی اسی شخص کو از روئے قاعدہ دلوا دے گا۔

وَاِذَا تَنَازَعَا فِی دَابَّۃٍ الخ۔ اگر دو اشخاص میں کسی جانور کے بارے میں نزاع اور دونوں گواہوں سے مع تاریخ اس کا اپنے یہاں پیدا ہونا ثابت کریں تو جانور کی عمر کے اعتبار سے جس کی ذکر کردہ تاریخ چسپاں ہوتی ہو اسی کو اس کا حقدار قرار دیا جائے گا۔

وَاِذَا اخْتَلَفَ الْمُتَبَائِعَانِ فِی الْبَیْعِ فَادَّعَی الْمُشْتَرِیْ ثَمَنًا وَّادَّعَی الْبَائِعُ اَکْثَرَ مِنْہُ اَوْ اعْتَرَفَ

اور اگر بیع کے اندر فروخت کنندہ اور خریدار کے درمیان اختلاف ہو اور خریدار ایک قیمت کا مدعی اور فروخت کنندہ اس سے زیادہ کا دعویدار ہو یا فروخت

الْبَائِعُ بِقَدْرٍ مِّنَ الْمَبِیْعِ وَادَّعَی الْمُشْتَرِیْ اَکْثَرَ مِنْہُ وَاَقَامَ اَحَدُہُمَا الْبَیِّنَۃَ قُضِیَ لَہٗ بِہَا

کنندہ فروخت کی گئی چیز میں ایک مقدار کا مدعی ہو اور خریدار اس سے زیادہ کا مدعی ہو اور ان دونوں میں سے ایک گواہ پیش کرے تو اسی کے حق میں فیصلہ

فَاِنْ اَقَامَ کُلُّ وَاحِدٍ مِّنْہُمَا بَیِّنَۃً کَانَتِ الْبَیِّنَۃُ الْمُثْبِتَۃُ لِلزِّیَادَۃِ اَوْلٰی فَاِنْ لَّمْ یَکُنْ لِکُلِّ

ہوگا۔ اور دونوں کے گواہ پیش کرنے پر اضافہ ثابت کرنیوالے کے گواہوں کی گواہی قابلِ اعتبار ہوگی۔ اور اگر ان دونوں میں سے کسی ایک کے

وَاحِدٍ مِّنْہُمَا بَیِّنَۃٌ قِیْلَ لِلْمُشْتَرِیْ اِمَّا اَنْ تَرْضٰی بِالثَّمَنِ الَّذِیْ ادَّعَاہُ الْبَائِعُ وَاِلَّا فَسَخْنَا

پاس بھی گواہ موجود نہ ہوں تو خریدار سے کہیں گے کہ یا تو اس قیمت پر رضامند ہو جائے جس کا فروخت کنندہ مدعی ہو ورنہ ہم اس بیع کو فسخ

الْبَیْعَ وَقِیْلَ لِلْبَائِعِ اِمَّا اَنْ تُسَلِّمَ مَا ادَّعَاہُ الْمُشْتَرِیْ مِنَ الْمَبِیْعِ وَاِلَّا فَسَخْنَا الْبَیْعَ فَاِنْ لَّمْ

کرتے ہیں اور فروخت کنندہ سے کہیں گے کہ یا تو اسقدر مبیع سپرد کر جس کا خریدار مدعی ہے ورنہ ہم اس بیع کو فسخ کرتے ہیں۔ پس اگر وہ دونوں

يَترَاضِيَا اِستحلفَ الحَاكِمُ كُلَّ وَاحِدٍ منهما عَلٰى دَعْوَى الآخَرِ يَبتَدِئ بِيَمِينِ المُشتَرِي
اس پر راضی نہ ہوں تو حاکم ان دونوں میں سے دوسرے شخص کے دعوے کے اوپر حلف لے۔ ابتداء خریدار کے حلف سے کرے۔ اور ان کے
فَاِذَا حَلَفَا فَسَخَ القَاضِي البيعَ بَينَهُمَا فَاِنْ نَكَلَ اَحَدُهُمَا عَنِ اليَمِينِ لَزِمَهٗ دَعْوَى الآخَرِ وَاِن
حلف کرلینے پر قاضی انکے درمیان ہوئی بیع فسخ کرڈالے۔ پھر اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک حلف سے انکار کرے تو دوسرے مدعی کے دعوے کا
اختَلَفَا فِي الاَجَلِ اَوْ فِي شَرطِ الخِيَارِ اَوْ فِي استِيفَاءِ بَعضِ الثَّمَنِ فَلَا تَحَالُفَ بَينَهُمَا وَالقَولُ قَولُ
اس پر لزوم ہوگا اور اگر دونوں کا مدت کے اندر اختلاف واقع ہو یا خیار کی شرط کے اندر یا قیمت کے کچھ حصہ کی وصولیابی میں تو ان کے درمیان تحالف
مَنْ يُنكِرُ الخِيَارَ وَالاَجَلَ مَعَ يَمِينِهٖ وَاِنْ هَلَكَ المَبِيعُ ثُمَّ اختَلَفَا فِي الثَّمَنِ لَمْ يَتَحَالَفَا عِندَ
کا حکم نہ ہوگا اور اختیار یا مدت کے انکار کرنیکا قول مع الحلف قابلِ اعتبار ہوگا۔ اگر خرید کردہ تلف ہوجائے اس کے بعد قیمت کے اندر اختلاف ہو تو امام
اَبِي حَنِيفَةَ وَاَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ وَالقَولُ قَولُ المُشتَرِي فِي الثَّمَنِ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ
ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک دونوں حلف نہیں کریں گے اور قیمت کے بارے میں خریدار کا قول قابلِ اعتبار ہوگا اور امام محمدؒ کے نزدیک
يَتَحَالَفَانِ وَيُفسَخُ البَيعُ عَلٰى قِيمَةِ الهَالِكِ وَاِنْ هَلَكَ اَحَدُ العَبدَينِ ثُمَّ اختَلَفَا فِي الثَّمَنِ
دونوں حلف کریں گے اور تلف شدہ بیع کی قیمت پر بیع فسخ قرار دیجائیگی۔ اور اگر دو غلاموں میں سے ایک کے ہلاک ہونیکے بعد دونوں میں اختلاف فی القیمۃ
لَمْ يَتَحَالَفَا عِندَ اَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ اِلَّا اَنْ يَرضَى البَائِعُ اَنْ يَترُكَ حِصَّةَ الهَالِكِ وَقَالَ
ہو تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ حلف نہیں کریں گے الا یہ کہ فروخت کرنیوالا ہلاک شدہ غلام کے حصہ کے ترک پر رضامند ہوگیا ہو اور امام
اَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ يَتَحَالَفَانِ وَيَنفَسِخُ البَيعُ فِي الحَيِّ وَقِيمَةِ الهَالِكِ وَهُوَ قَولُ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ
ابویوسفؒ کے نزدیک دونوں حلف کریں گے اور بقیدِ حیات غلام اور ہلاک ہونیوالے غلام کی قیمت میں بیع کو فسخ قرار دیا جائیگا امام محمدؒ کا بھی یہی قول ہے۔

باہم حلف کرنے کا ذکر

تشریح و توضیح

وَاِذَا اختَلَفَ المُتَبَايِعَانِ فِي البَيعِ الخ۔ اگر فروخت کنندہ اور خریدار کا قیمت کی مقدار کے بارے میں باہم اختلاف ہو۔ مثال کے طور پر فروخت کنندہ قیمت دو ہزار بتاتا ہو اور خریدار اس کی قیمت ہزار قرار دیتا ہو۔ یا خرید کردہ چیز کی مقدار کے سلسلہ میں اختلاف واقع ہو۔ مثال کے طور پر فروخت کنندہ پانچ من بتائے اور خریدار دس من۔ تو اس صورت میں دونوں میں سے جس کے پاس گواہ موجود ہوں اسی کے واسطے فیصلہ ہوجائے گا اور اگر ایسا ہو کہ ان میں سے ہر ایک گواہ پیش کردے تو ان میں سے جس کی گواہی سے اضافہ ثابت ہوتا ہو اسے قابلِ اعتبار قرار دیا جائے گا اور اگر دونوں میں سے کسی کے پاس بھی گواہ نہ ہوں تو اس صورت میں خریدار سے کہا جائے گا کہ یا تو فروخت کنندہ کی دعویٰ کردہ قیمت پر رضامند ہوجائے ورنہ بصورتِ عدم رضامندی یہ بیع فسخ کردی جائے گی اور فروخت کرنیوالے سے بھی کہا جائے گا کہ یا تو بیع خریدار کے دعوے کے مطابق سپرد کردو ورنہ

بصورتِ دیگر یہ بیع فسخ کردیجائے گی۔ اور دونوں کی عدم رضامندی کی صورت میں حاکم دونوں مدعیوں میں سے ہر ایک سے دوسرے کے دعوے کے سلسلے میں حلف لے گا۔ اور اس کا آغاز خریدار سے کریگا۔ حضرت امام محمدؒ اور ایک قول کیمطابق حضرت امام ابو یوسفؒ یہی فرماتے ہیں۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کی روایات میں سے بھی ایک روایت اس طرح کی ہے، یہ اپنی جگہ درست بھی ہے۔ اس لئے کہ قیمت کی طلب اول خریدار سے ہوتی ہے تو خریدار ہی انکار کرنیوالا قرار پایا۔ لیکن یہ حکم بھی بعوض دین عین کی بیع کی صورت میں ہوگا ورنہ قاضی کو یہ حق حاصل ہوگا کہ ان دونوں میں سے جس سے مرضی ہو حلف کی ابتدا کرے پھر ان دونوں میں سے جس نے بھی حلف سے انکار کیا تو بفیصلۂ قاضی دوسرے کے دعوے کے اس پر لزوم کا حکم ہوگا۔ اس لئے کہ اس کا انکار عن الحلف گویا دوسرے کے دعوے کا اقرار ہوگیا۔

وان اختلف فی الاجل الخ۔ اور اگر دونوں کا اختلاف مدت کے بارے میں ہو۔ جیسے ان میں سے ایک یہ کہتا ہو کہ مدت کی تعیین ہوئی تھی، اور دوسرا کہتا ہو کوئی مدت متعین نہیں ہوئی تھی یا ان کے درمیان شرطِ خیار کے اندر اختلاف واقع ہو۔ جیسے خریدار یہ کہتا ہو کہ میں نے شرطِ خیار کے ساتھ یہ چیز خریدی اور فروخت کنندہ منکر ہو، یا اسی طرح قیمت کے کچھ حصہ کی وصولیابی میں اختلاف واقع ہو۔ ایک تو یہ کہتا ہو کہ تو نے اس قدر قیمت وصول کرلی اور دوسرا منکر ہو تو عند الاحنافؒ تینوں شکلوں میں بجائے تحالف اور دونوں کے قسم کھانے کے انکار کرنیوالے کے قول کو بحلف قابلِ اعتبار قرار دیا جائے گا۔ حضرت امام احمدؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔ حضرت امام زفرؒ، حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مدت کے بارے میں دونوں کے درمیان اختلاف کی صورت میں تحالف ہوگا۔ اس لئے کہ مدت کے مقرر ہونے اور مقرر نہ ہونے کی وجہ قیمت میں کمی اور زیادتی ہوا کرتی ہے۔ تو گویا اس اختلاف کا تعلق وصفِ ثمن سے ہوگیا۔ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ اجل (مدت) کا جہاں تک تعلق ہے اسے وصفِ ثمن قرار دینا درست نہیں اسلئے کہ قیمت تو فروخت کرنیوالے کا حق ہوگی۔ اور اجل حقِ خریدار میں داخل ہے۔ اجل کے وصفِ ثمن ہونیکی صورت میں باعتبارِ استحقاق بھی اسے تابع اصل قرار دیا جاتا۔

وان ھلک المبیع ثم اختلفا الخ۔ اگر مبیع کے تلف ہوجانے کے بعد دونوں کے درمیان قیمت کے بارے میں اختلاف واقع ہو تو حضرت امام ابو حنیفہؒ اور حضرت امام ابو یوسفؒ عدم تحالف کا حکم فرماتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ اس صورت میں انکار کرنے والے کے قول کا مع الحلف اعتبار کیا جائے گا۔ حضرت امام زفرؒ، حضرت امام مالکؒ، حضرت امام محمدؒ اور حضرت امام شافعیؒ دونوں سے حلف لینے اور عقد کے فسخ ہونے اور تلف شدہ مبیع کی قیمت کے وجوب کا حکم فرماتے ہیں۔

وان ھلک احد العبدین ثم اختلفا فی الثمن الخ۔ اگر خرید کردہ چیز کا کچھ حصہ تلف ہونے کے بعد اختلاف واقع ہو۔ مثال کے طور پر یہ خرید کردہ چیز دو غلام ہوں اور ان دونوں میں سے ایک موت سے ہمکنار ہو جائے۔ اس کے بعد فروخت کنندہ اور خریدار کا قیمت کے بارے میں اختلاف واقع ہو تو حضرت امام ابو حنیفہؒ عدم تحالف کا حکم فرماتے ہیں۔ البتہ اگر فروخت کنندہ خریدار کے کہنے کے مطابق مرنیوالے غلام کے حصہ کے ترک اور بقیدِ حیات غلام خریدار کے لینے پر رضامند ہو جائے اور پھر قیمت کے متعلق اختلاف ہو تو دونوں سے حلف لیا جائے گا۔ امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ تحالف کا حکم فرماتے ہیں اور یہ کہ بقیدِ حیات غلام اور تلف شدہ غلام کی قیمت میں بیع کو فسخ قرار دیا جائے گا۔ یعنی بقیدِ حیات غلام

فروخت کرنیوالے کو لوٹا دیا جائے گا اور تلف شدہ کی قیمت خریدار کے کہنے کیمطابق دلوادی جائیگی۔

وَاِذَا اخْتَلَفَ الزَّوْجَانِ فِی الْمَهْرِ فَادَّعَی الزَّوْجُ اَنَّهٗ تَزَوَّجَهَا بِاَلْفٍ وَقَالَتْ تَزَوَّجْتَنِیْ بِاَلْفَیْنِ
اور اگر شوہر و بیوی کا مہر کے بارے میں اختلاف ہو۔ شوہر ایک ہزار پر نکاح ہونیکا مدعی ہو اور بیوی دو ہزار پر نکاح کی مدعیہ ہو تو
فَاَیُّهُمَا اَقَامَ الْبَیِّنَةَ قُبِلَتْ بَیِّنَتُهٗ وَاِنْ اَقَامَا مَعًا الْبَیِّنَةَ فَالْبَیِّنَةُ بَیِّنَةُ الْمَرْاَةِ وَاِنْ لَّمْ یَکُنْ
ان دونوں میں سے جو بھی گواہ پیش کردے اس کی گواہی مقبول ہوگی اور اگر دونوں ہی گواہی پیش کردیں تو عورت کے گواہوں کی گواہی مقبول ہوگی۔
لَهُمَا بَیِّنَةٌ تَحَالَفَا عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَلَمْ یُفْسَخِ النِّکَاحُ وَلٰکِنْ یُحَکَّمُ مَهْرُ الْمِثْلِ فَاِنْ
اور دونوں کے پاس گواہ نہ ہونے پر دونوں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حلف کریں گے اور نکاح تو فسخ نہیں ہوگا مگر حکم مہر مثل کا ہوگا اور مہر مثل شوہر
کَانَ مِثْلَ مَا اعْتَرَفَ بِهِ الزَّوْجُ اَوْ اَقَلَّ قُضِیَ بِمَا قَالَ الزَّوْجُ وَاِنْ کَانَ مِثْلَ مَا ادَّعَتْهُ الْمَرْاَةُ
کے اقرار کے بقدر یا اس سے بھی کم ہونے پر فیصلہ خاوند کے قول کے مطابق کیا جائے گا۔ اور مہر مثل عورت کے دعوے کے بقدر ہونے یا زیادہ
اَوْ اَکْثَرَ قُضِیَ بِمَا ادَّعَتْهُ الْمَرْاَةُ وَاِنْ کَانَ مَهْرُ الْمِثْلِ اَکْثَرَ مِمَّا اعْتَرَفَ بِهِ الزَّوْجُ وَ
ہونے پر دعوئ عورت کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔ اور مہر مثل کی مقدار خاوند کی اقرار کی ہوئی مقدار سے بڑھی ہوئی ہو اور دعوئ عورت
اَقَلَّ مِمَّا ادَّعَتْهُ الْمَرْاَةُ قُضِیَ لَهَا بِمَهْرِ الْمِثْلِ۔
کی مقدار سے کم ہی ہو تو عورت کے واسطے مہر مثل کا فیصلہ ہوگا۔

شوہر و بیوی میں مہر سے متعلق اختلاف کا ذکر

تشریح و توضیح وَاِذَا اخْتَلَفَ الزَّوْجَانِ فِی الْمَهْرِ الخ۔ اگر شوہر و بیوی کا مہر کی مقدار کے بارے میں باہم اختلاف واقع ہو۔ جیسے خاوند کا دعویٰ تو یہ ہو کہ نکاح میں مہر کی رقم ہزار تھے اور بیوی یہ دعویٰ کرتی ہو کہ ہزار نہیں دو ہزار تھی۔ تو اس صورت میں دونوں میں سے جو بھی اپنے دعوے کے گواہ پیش کردے وہ قابلِ اعتبار ہوگا اور اسی کے مطابق فیصلہ ہو جائے گا۔ اور اگر بجائے ایک کے دونوں ہی اپنے اپنے دعوے کے گواہ پیش کردیں تو عورت کے گواہوں کی گواہی قابلِ اعتبار ہوگی۔ اور اگر شوہر و بیوی میں سے گواہ کسی ایک کے پاس بھی نہ ہوں تو اس صورت میں حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ دونوں سے حلف لیا جائے گا مگر اس کی وجہ سے نکاح فسخ ہونے کا حکم نہ ہوگا۔ کیونکہ اس جگہ دونوں کے حلف کے باعث دونوں کے دعوے باطل ہوگئے تو نکاح باقی تو رہا مگر بلا تعینِ مہر۔ لہٰذا اس صورت میں مہرِ مثل مقرر ہوگا۔ اب یہ دیکھا جائیگا کہ اگر مہرِ مثل کی مقدار اسی قدر ہو جس کا خاوند اقرار کرچکا ہو یا اقرار کردہ سے کم ہو تو خاوند کے قول کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔ اور اگر مہرِ مثل کی مقدار بیوی کے دعوے کے مطابق ہو یا اس کے دعوے سے بھی بڑھی ہوئی ہو تو اس صورت میں عورت کے دعوے کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔ اور اگر مہرِ مثل کی مقدار

اس سے بڑھی ہوئی ہو تو جتنی مقدار کا شوہر اقرار و اعتراف کر چکا ہے اور عورت جتنی مقدار کی مدعیہ ہے اس کے اعتبار سے مہر مثل کی مقدار کم ہو تو اس صورت میں عورت کیواسطے مہر مثل ہی کا فیصلہ ہوگا۔ اس لئے کہ عقد کا سبب مہر مثل ہے جسے بضع کی قیمت قرار دیا گیا اور مہر مثل تعیین کے باعث ساقط ہو جایا کرتا ہے اور متعین کردہ واجب ہو جاتا ہے لیکن ایسی صورت میں کہ مہر کے بارے میں شوہر و بیوی کے درمیان اختلاف واقع ہو اور دونوں میں کوئی بھی اپنے دعوے کے گواہ نہ رکھتا ہو تو عقد کے سبب کی یعنی مہر مثل کی جانب لامحالہ رجوع کریں گے اور اسی کے مطابق حکم ہوگا۔

وَإِذَا اخْتَلَفَا فِي الْإِجَارَةِ قَبْلَ اسْتِيفَاءِ الْمَعْقُودِ عَلَيْهِ تَحَالَفَا وَتَرَادَّا وَإِنِ اخْتَلَفَا بَعْدَ الْاِسْتِيفَاءِ
اور اگر معقود علیہ کے حصول سے قبل اجارہ کے اندر اختلاف واقع ہو تو حلف کر کے اجارہ کو ختم کر ڈالیں اور حصول کے بعد اختلاف ہونے پر دونوں
لَمْ يَتَحَالَفَا وَكَانَ الْقَوْلُ قَوْلُ الْمُسْتَاجِرِ وَإِنِ اخْتَلَفَا بَعْدَ اسْتِيفَاءِ بَعْضِ الْمَعْقُودِ عَلَيْهِ تَحَالَفَا
حلف نہیں کریں گے اور قولِ مستاجر قابلِ اعتبار قرار دیا جائیگا اور کچھ معقود علیہ کے حصول کے بعد اختلاف ہونے پر دونوں حلف کریں گے اور باقی
وَفُسِخَ الْعَقْدُ فِيمَا بَقِيَ وَكَانَ الْقَوْلُ فِي الْمَاضِي قَوْلُ الْمُسْتَاجِرِ مَعَ يَمِينِهِ وَإِذَا اخْتَلَفَ الْمَوْلَى وَالْمُكَاتَبُ
ماندہ کے اندر عقد فسخ قرار دیا جائے گا اور ماضی کے سلسلہ میں قولِ مستاجر مع الحلف قابلِ اعتبار قرار دیا جائیگا اور اگر مالِ کتابت کے اندر مکاتب
فِي مَالِ الْكِتَابَةِ لَمْ يَتَحَالَفَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللهُ يَتَحَالَفَانِ وَتُفْسَخُ الْكِتَابَةُ۔
آقا کے درمیان اختلاف ہو تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حلف نہیں کریں گے اور امام ابویوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک حلف کرنے اور فسخ کتابت کا حکم ہوگا۔

اجارہ اور معاملۂ کتابت کے درمیان اختلاف کا ذکر

تشریح و توضیح

وَإِذَا اخْتَلَفَا فِي الْإِجَارَةِ الخ۔ اور اگر ایسا ہو کہ مستاجر اور موجر کے درمیان اجرت کے بارے میں باہم اختلاف ہو جائے یا اجارہ کی مدت کے متعلق باہمی اختلاف ہو جائے تو انھیں چاہئے کہ دونوں حلف کریں اور یہ اجارہ باقی نہ رکھیں۔

وَإِنِ اخْتَلَفَا بَعْدَ الْاِسْتِيفَاءِ الخ۔ اگر موجر و مستاجر کے درمیان باہمی اختلاف بعد حصولِ منفعت ہوا ہو تو اس صورت میں دونوں حلف نہیں کریں گے بلکہ اس صورت میں قولِ مستاجر بحلف قابلِ اعتبار قرار دیا جائے گا۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام ابویوسفؒ کے نزدیک تو دونوں کا حلف نہ کرنا عیاں ہے کہ ان کے نزدیک تو معقود علیہ کا تلف ہونا تحالف میں رکاوٹ ہے اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک دونوں کے حلف نہ کرنیکا سبب یہ ہے کہ یہ جو مبیع کے تلف ہونے کو تحالف سے مانع قرار نہیں دیتے وہ اس بنا پر کہ خریدی گئی چیز کی قیمت خرید کردہ شے کی جگہ لے لیتی اور اس کے قائم مقام بن جاتی ہے اور دونوں قیمت پر حلف کر لیتے ہیں۔ اور رہا اجارہ اس میں بصورتِ تحالف لازمی طور پر عقدِ اجارہ فسخ قرار دیا جائے گا اور اس جگہ کوئی قیمت بھی نہیں جسے قائم مقام قرار دیا جا سکے۔ اس لئے کہ قیمتِ منافع بواسطۂ عقد ہوا کرتی ہے اور فسخ کے باعث عقد باقی نہ رہا تو قیمت

بھی برقرار نہ رہی لہٰذا مبیع ہر اعتبار سے تلف ہوگئی اور تحالف کا امکان نہیں رہا۔ پس اس صورت میں قولِ مستاجر قابلِ اعتبار ہوگا۔ اور کچھ حصولِ منافع کے بعد اختلاف ہونے پر دونوں حلف کریں گے۔ باقی ماندہ اجارہ کے فسخ کا حکم ہوگا اور گذرے ہوئے دنوں کے بارے میں قولِ مستاجر بحلف قابلِ اعتبار ہوگا۔

واذا اختلف المولی والمکاتب فی مالِ الکتابۃ الخ۔ اگر ایسا ہو کہ مالِ کتابت کے اندر آقا اور مکاتب کے درمیان باہم اختلاف ہو جائے تو حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ دونوں حلف نہیں کریں گے بلکہ غلام کے قول کو مع الحلف قابلِ اعتبار قرار دیا جائے گا۔ امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کتابت کے عقدِ معاوضہ ہونیکی بنا پر جو کہ فسخ کے لائق ہے دونوں سے حلف لینے کا حکم فرماتے ہیں۔ اس لئے کہ عقدِ کتابت بیع سے مشابہت رکھتا ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک معاوضوں میں تحالف اس صورت میں ہوتا ہے جبکہ حقوقِ لازمہ کا انکار ہو رہا ہو۔ رہا بدلِ کتابت تو مکاتب پر اس کا لزوم نہیں اسلئے کہ وہ اپنے آپ عاجز ظاہر کر کے اسے ختم کرنا چاہے تو کر دے۔ لہٰذا کتابت کے بمعنیٔ بیع نہ ہونیکی بنا پر دونوں حلف نہیں کریں گے۔

وَاِذَا اخْتَلَفَ الزَّوْجَانِ فِی مَتَاعِ الْبَیْتِ فَمَا یَصْلُحُ لِلرِّجَالِ فَهُوَ لِلرَّجُلِ وَمَا یَصْلُحُ لِلنِّسَاءِ فَهُوَ لِلْمَرْأَةِ
اور اگر شوہر و بیوی کا گھر کے اسباب میں اختلاف ہو تو جو سامان مردوں کے لائق ہوتا ہے وہ مرد کا قرار دیا جائیگا۔ اور جو سامان عورتوں کے لائق ہوتا ہے وہ عورت کا

وَمَا یَصْلُحُ لَهُمَا فَهُوَ لِلرَّجُلِ فَاِنْ مَاتَ اَحَدُهُمَا وَاخْتَلَفَ وَرَثَتُهٗ مَعَ الْآخَرِ فَمَا یَصْلُحُ لِلرِّجَالِ وَ
شمار ہوگا۔ اور ایسا سامان جو دونوں کے لائق ہو وہ مرد ہی کا قرار دیا جائے گا اور اگر ان دونوں میں سے کسی ایک کا انتقال ہو جائے اور ایک کے ورثاء دوسرے

النِّسَاءِ فَهُوَ لِلْبَاقِی مِنْهُمَا وَقَالَ اَبُوْ یُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ یُدْفَعُ اِلَی الْمَرْأَةِ مَا یُجَهَّزُ بِهٖ مِثْلُهَا وَالْبَاقِی لِلزَّوْجِ مَعَ یَمِیْنِهٖ
سے اختلاف کریں تو مردوں و عورتوں کے لائق سامان ان دونوں میں سے بقیدِ حیات کے واسطے ہوگا اور امام ابو یوسف کے نزدیک جو بطور جہیز دیا جایا کرتا ہے وہ عورت کو دیکر باقی ماندہ شوہر کے واسطے ہوگا۔

گھر کے اسباب میں میاں بیوی کے باہم اختلاف کا ذکر

تشریح و توضیح واذا اختلف الزوجان فی متاع البیت الخ۔ اگر زوجین کا گھر کے سامان کے بارے میں باہم اختلاف ہو تو اس صورت میں اس طرح کا سامان جو مردوں کے واسطے اور ان کے لائق ہوتا ہے وہ شوہر کے حوالہ کیا جائے گا اور اس بارے میں اسی کا قول قابلِ اعتبار ہوگا۔ مثال کے طور پر ٹوپی اور ہتھیار وغیرہ۔ اور اس طرح کا سامان جو عورتوں ہی کے لائق ہوا کرتا ہے اس میں عورت کے قول کو قابلِ اعتبار قرار دیا جائے گا۔ مثال کے طور پر دوپٹہ، برقع اور انگوٹھی وغیرہ۔ اور جو سامان اس طرح کا ہو کہ وہ بلا امتیاز مرد و عورت دونوں کے کام آسکتا ہو تو اس کے اندر شوہر کے قول کو قابلِ اعتبار قرار دیا جائے گا۔ مثال کے طور پر نقد روپیہ زمین و برتن وغیرہ۔ وجہ یہ ہے کہ بیوی اور جس پر بیوی قابض ہو اس پر خاوند متصرف ہوتا ہے اور از روئے قاعدہ متصرف

کا قول قابلِ اعتبار قرار دیا جاتا ہے۔

فان مات احدھما الخ۔ اگر ایسا ہو کہ شوہر و بیوی میں سے کسی ایک کا انتقال ہو جائے اور اس کے قائم مقام مرنیوالے کا وارث مدعی ہو تو اس سلسلہ میں فقہاء کے مختلف اقوال ہیں۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ایسی اشیاء جو شوہر و بیوی دونوں کے لائق ہوں وہ ان دونوں میں سے جو بقیدِ حیات ہو اس کو ملیں گی مرنے والے کو نہیں۔ حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ایسی اشیاء جو بطورِ جہیز دیا یا کرتی ہوں ان کی مستحق عورت ہوگی اور خاوند کو مع الحلف دی جائیں گی۔ اور اس بارے میں موت و حیات کا حکم یکساں ہے اس لئے کہ بظاہر یہی سمجھا جائیگا کہ عورت کا سامانِ جہیز اس کے گھر والوں کی جانب سے آیا ہوگا۔ حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اس طرح کی چیز جو کہ مرد کے لائق ہو وہ شوہر کے حوالہ کی جائے گی اور جو عورت کے لائق ہو وہ بیوی کے سپرد کر دی جائے گی اور اس بارے میں موت اور طلاق یکساں ہیں اسلئے کہ وارث کی حیثیت عورت کے جانشین کی ہوتی ہے۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک سارا سامان بلا امتیاز شوہر و بیوی کو مساوی طور پر ملے گا۔ حضرت ابن ابی لیلیٰ فرماتے ہیں کہ سارا اسباب خاوند کو دیا جائے گا۔ حضرت شریح فرماتے ہیں کہ مکان عورت کو دیا جائے گا۔ اور حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ سارا مال عورت کو دیا جائیگا اور مرد محروم ہوگا۔ اس طرح اسباب شوہر و بیوی کے سپرد کرنے اور نہ کرنے اور دینے کی مقدار کے سلسلہ میں فقہاء کے یہاں ذکر کردہ اقوال کی تعداد سات ہوگئی۔ سات فقہاء کی سات رائیں الگ ہیں۔

وَاِذَا بَاعَ الرَّجُلُ جَارِيَةً فَجَاءَتْ بِوَلَدٍ فَادَّعَاهُ الْبَائِعُ فَاِنْ جَاءَتْ بِهٖ لِاَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ اَشْهُرٍ

اور اگر کوئی شخص باندی فروخت کرے اور وہ بچہ کو جنم دے اور فروخت کرنیوالا بچہ کے اپنا ہونیکا مدعی ہو پھر اگر وہ فروختگی کے دن سے چھ مہینے سے کم کے اندر

مِنْ يَوْمِ بَاعَهَا فَهُوَ ابْنُ الْبَائِعِ وَاُمُّهٗ اُمُّ وَلَدٍ لَهٗ وَيُفْسَخُ الْبَيْعُ وَيُرَدُّ الثَّمَنُ وَاِنِ ادَّعَاهُ الْمُشْتَرِيْ

بچہ کو جنم دے تو وہ لڑکا فروخت کنندہ کا قرار دیا جائیگا اور اسکی ماں اسکی ام ولد قرار پاکر بیع فسخ شمار ہوگی اور قیمت واپس کردیجائیگی اور اگر فروخت کنندہ

مَعَ دَعْوَةِ الْبَائِعِ اَوْ بَعْدَهَا فَدَعْوَةُ الْبَائِعِ اَوْلٰى وَاِنْ جَاءَتْ بِهٖ لِاَكْثَرَ مِنْ سِتَّةِ اَشْهُرٍ وَلِاَقَلَّ

کے ساتھ ساتھ خریدنیوالا مدعی ہو یا وہ اس کے بعد دعویٰ کرے تو فروخت کرنیوالے کے دعویٰ کو اولیٰ قرار دیا جائیگا اور اگر وہ چھ مہینے سے زیادہ اور دو برس

مِنْ سَنَتَيْنِ لَمْ تُقْبَلْ دَعْوَةُ الْبَائِعِ فِيْهِ اِلَّا اَنْ يُصَدِّقَهُ الْمُشْتَرِيْ وَاِنْ مَاتَ الْوَلَدُ فَادَّعَاهُ الْبَائِعُ

سے کم کے اندر بچہ کو جنم دے تو فروخت کنندہ کا دعویٰ قابلِ قبول نہ ہوگا الّا یہ کہ خریدار ہی بائع کے قول کی تصدیق کرتا ہو اور اگر بچہ کے مرنیکے بعد فروخت کنندہ

وَقَدْ جَاءَتْ بِهٖ لِاَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ اَشْهُرٍ لَمْ يَثْبُتِ النَّسَبُ فِي الْوَلَدِ وَلَا الْاِسْتِيْلَادُ فِي الْاُمِّ وَاِنْ مَاتَتِ

مدعی ہوا اور چھ مہینے سے کم میں اسنے جنم دیا ہو تو بچہ کے ثابت النسب ہونے اور اسکی ماں کے ام ولد ہونے میں دعویٰ قابلِ قبول نہ ہوگا۔ اور اگر ماں کے

الْاُمُّ فَادَّعَاهُ الْبَائِعُ وَقَدْ جَاءَتْ بِهٖ لِاَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ اَشْهُرٍ يَثْبُتُ النَّسَبُ مِنْهُ فِي الْوَلَدِ وَاَخَذَهُ

انتقال کے بعد فروخت کنندہ بچہ کا مدعی ہو اور (بعد فروختگی) اسنے چھ ماہ سے کم کے اندر اسے جنم دیا ہو تو بچہ اس سے ثابت النسب ہوگا اور فروخت کنندہ

الْبَائِعُ وَيَرُدُّ كُلَّ الثَّمَنِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَا يَرُدُّ حِصَّةَ الْوَلَدِ وَلَا يَرُدُّ حِصَّةَ الْاُمِّ

اسے لے کر کل قیمت واپس کر دیگا حضرت امام ابوحنیفہؒ یہی فرماتے ہیں اور حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک بچہ کے حصہ کو واپس کریگا

وَمَنْ ادَّعٰی نسبَ احدِ التوأمَیْنِ یثبتُ نسبھُمَا مِنْہُ۔

اور ماں کے حصہ کو واپس نہیں کریگا اور جو شخص جڑواں بچوں میں سے ایک بچہ کے نسب کا مدعی ہو تو دونوں کے نسب اسی سے ثابت قرار دیا جائیگا۔

نسب کے دعوے کا ذکر

تشریح و توضیح

واذا باع الرجل جاریۃ الخ۔ اگر کوئی شخص اپنی باندی فروخت کرے اور پھر وہ بیع کے دن سے چھ مہینے کی مدت سے کم میں بچہ کو جنم دے اور فروخت کنندہ بچہ کے بارے میں اپنا ہونیکا مدعی ہو تو استحساناً اس لڑکے کو فروخت کنندہ کا قرار دیا جائے گا اور یہ باندی اسی کی ام ولد شمار ہوگی اور اس کے نتیجہ میں بیع فسخ ہو کر قیمت کی واپسی ہو جائے گی۔ حضرت امام زفرؒ اور حضرت امام مالکؒ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ فروخت کنندہ کے دعوے کو باطل و کالعدم قرار دیتے ہیں۔ از روئے قیاس تو یہی حکم درست معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ فروخت کنندہ کا باندی کو بیچدینا گویا باندی کے ام ولد نہ ہونیکا اعتراف ہے۔ لہٰذا سابق اعتراف اور بعد کے دعوے کے درمیان تناقض نظر آتا ہے اور استحساناً اس حکم کا سبب یہ ہے کہ جہاں تک استقرارِ حمل کا تعلق ہے وہ ایک پوشیدہ بات ہے۔ اس واسطے اس تناقض سے پہلو تہی کی جائے گی۔ اور فروخت کنندہ کی ملکیت میں رہتے ہوئے استقرارِ حمل کی علامت بچہ کا بعد فروختگی چھ ماہ کی مدت سے کم میں ہونا ہے اور بائع کے دعوے کو درست قرار دینے کی صورت میں کہا جائے گا کہ فروخت کنندہ نے دراصل ام ولد کی بیع کر دی اور یہ درست نہیں۔ پس اس بیع کو فسخ قرار دیا جائے گا اور قیمت کی واپسی لازم ہوگی اور اس سلسلہ میں خریدار کا دعویٰ قابل اعتبار نہ ہوگا چاہے اس کا دعویٰ فروخت کنندہ کے دعوے کے ساتھ ساتھ ہو یا اس کے دعوے کے بعد کہ فروخت کنندہ کا دعویٰ بہر صورت مقدم ہے پس اسی کو ترجیح ہوگی۔

وان جاءت بہ لاکثر من ستۃ الخ اور اگر ایسا ہو کہ باندی فروختگی کے دن سے چھ مہینے سے زیادہ اور دو برس سے کم کے اندر بچہ کو جنم دے اور فروخت کنندہ مدعی ہو تو اس کا دعویٰ قابل قبول نہ ہوگا۔ البتہ اگر خریدار اس کے دعوے کی تصدیق کرے تو قبول ہوگا۔ اسواسطے کہ یہاں اس کا احتمال ضرور ہے کہ استقرارِ حمل فروخت کنندہ کی ملکیت کے زمانہ میں نہ ہوا ہو۔ لہٰذا اس کی جانب سے عدمِ وجودِ حجت کے باعث خریدنیوالے کا تصدیق کرنا لازم ہے۔ اور خریدار کے تصدیق کرنے پر بچہ بائع سے ثابت النسب اور آزاد قرار دیا جائیگا اور بچہ کی ماں ام ولد شمار ہوگی اور یہ بیع باطل و کالعدم ہو جائے گی۔

وان مات الولد فادعاہ البائع الخ۔ اگر بچہ کے انتقال کے بعد فروخت کنندہ مدعی ہو تو بچہ اس سے ثابت النسب ہوگا اسلئے کہ موت کے باعث اب اسے اس کی ضرورت نہیں رہی۔ نیز ماں بھی ام ولد ثابت نہ ہوگی۔ اسلئے کہ وہ بچہ کے تابع ہے۔ اور اگر ماں مرجائے اور پھر فروخت کنندہ بچہ کا مدعی ہو اور یہ بچہ بعد فروختگی چھ مہینے سے کم میں پیدا ہوا ہو تو ثابت النسب ہو جائے گا۔ کہ آزادی میں بچہ کی حیثیت اصل کی ہے اور ماں کی حیثیت تابع کی۔ اسی واسطے ماں کا انتساب بچہ کی جانب ہوتا ہے۔

ومن ادعٰی نسب احد التوأمین الخ۔ اگر کوئی باندی جڑواں بچوں کو جنم دے اور پھر وہ ایک بچہ کا مدعی ہو تو دونوں ایک نطفہ سے ہونے کی بنا پر دونوں اس سے ثابت النسب ہو جائیں گے۔

کتاب الشہادات

شہادتوں کا بیان

الشَّهَادَةُ فَرضٌ تلزَمُ الشهودَ ولا يَسَعُهم كتمانها اذا طالبهُم المُدَّعى والشهادةُ بالحدودِ يُخيَّرُ فيها الشاهِدُ بينَ السترِ والاظهارِ والسترُ افضلُ۔

شاہدوں پر شہادت فرض ہے اور اس کے پوشیدہ رکھنے کی مدعی کے مطالبہ کی صورت میں گنجائش نہیں۔ اور شہادت بالحدود میں پوشیدہ رکھنے اور ظاہر کرنے کا حق حاصل ہے۔ اور افضل پوشیدہ رکھنا ہے۔

تشریح و توضیح

الشهادة فرضٌ الخ. گواہی کا فرض ہونا متفق علیہ اور نص قطعی سے ثابت ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے "ولا تکتموا الشهادة ومن یکتمها فانه آثم قلبه والله بما تعملون علیم" (اور شہادت کا اخفا مت کرو اور جو شخص اس کا اخفا کریگا اس کا قلب گنہگار ہوا اور اللہ تعالیٰ تمہارے کئے ہوئے کاموں کو خوب جانتے ہیں)۔ حضرت تھانویؒ اس آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں "شہادت کا اخفاء دو طرح سے ہے۔ ایک یہ کہ بالکل بیان نہ کرے۔ دوسرے یہ کہ غلط بیان کرے: دونوں میں اصل واقعہ مخفی ہوگیا اور دونوں صورتیں حرام ہیں۔ جب کسی حقدار کا حق بدون اس کی شہادت کے ضائع ہونے لگے اور وہ درخواست بھی کرے تو اسوقت ادائے شہادت سے انکار حرام ہے چونکہ ادائے شہادت واجب ہے لہٰذا اس پر اجرت لینا جائز نہیں البتہ آمد و رفت کا خرچ اور خوراک بقدرِ حاجت صاحبِ معاملہ کے ذمہ ہے۔ اگر زیادہ آجائے تو بقیہ واپس کرے۔ اور اگر عدم شہادت کے باعث حق کے ضیاع کا تو خطرہ نہ ہو مگر صاحبِ حق پھر بھی گواہی کا طلبگار ہو تو اس صورت میں گواہی دینا لازم ہوگا۔ البتہ حدود کا معاملہ اس سے الگ ہے۔ اس میں افضل یہی ہے کہ پردہ پوشی سے کام لے اور شہادت کو چھپالے۔ حدیث شریف میں حدود کے سلسلہ میں شہادت کو چھپانے اور ایک مسلمان کی پردہ پوشی کی فضیلت وارد ہوئی ہے۔ ارشاد ہے کہ مسلم کی پردہ پوشی کرنیوالے کی اللہ تعالیٰ دارین میں پردہ پوشی فرمائے گا۔ اس جگہ یہ اشکال کرنا درست نہ ہوگا کہ آیتِ کریمہ میں تو شہادت کے چھپانیکی ممانعت مطلقاً ہے۔ کیونکہ حدود کے سلسلہ میں شہادت کے چھپانے سے متعلق اسقدر احادیث ہیں کہ متون کے تعدد کے باعث وہ شہور کی حد تک پہنچ گئی اور ان سے آیت کی تعمیم میں تخصیص از روئے ضابطۂ مسلمہ درست ہے۔

اِلَّا أَنَّهُ يَجِبُ أَنْ يَشهَدَ بالمالِ فِي السَّرِقَةِ فيقولُ أَخَذَ وَلَا يقولُ سَرَقَ وَالشَّهَادَةُ عَلَى مَرَاتِبَ منها الشَّهَادَةُ فِي الزِّنا يُعتَبَرُ فيها أَربعةٌ مِنَ الرِّجَالِ وَلَا تُقبَلُ فيها شهادةُ

لیکن سرقۂ مال میں شہادت دینا ضروری ہے۔ لہٰذا کہے گا کہ "اس شخص نے لیا" اور سرقہ کیا ہے، نہیں کہے گا۔ اور مراتب شہادت کئی ہیں۔ ان میں سے شہادتِ زنا ہے اس میں چار مردوں کا اعتبار کیا جائیگا اور اس کے اندر عورتوں کی شہادت

النِّسَاءِ ومِنها الشهَادَةُ ببقيّةِ الحُدُودِ وَالقِصَاصِ تُقْبَلُ فيهَا شهَادَةُ رَجُلَيْنِ وَلا تقبلُ فِيهَا
قابل قبول نہیں اور ان میں سے باقی شہادتِ حدود و قصاص ہے کہ اس کے اندر دو مردوں کی شہادت قابلِ قبول ہوگی اور اس میں
شَهَادَةُ النسَآءِ وَمَاسِوىٰ ذٰلكَ مِنَ الحقوقِ تُقبَلُ فِيهَا شَهَادَةُ رَجُلَيْنِ اَوْ رَجُلٍ وَامْرَأتَيْنِ
عورتوں کی شہادت قبول نہیں کی جائیگی۔ اور اس کے سوا حقوق میں دو مردوں کی شہادت یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت
سَوَاءٌ كَانَ الحَقُّ مَالًا اَوْ غَيْرَ مَالٍ مثلُ النكاحِ وَالطلاقِ وَالعتَاقِ وَالوَكَالَةِ وَالوَصِيَّةِ
قبول کی جائے گی چاہے وہ مال حق ہو یا غیر مال مثلاً نکاح، طلاق اور عتاق اور وکالت اور وصیت۔

تشریح و توضیح شاہدوں کی ناگزیر تعداد کا ذکر

الا انہ یجب ان یشہد بالمال الخ۔ سرقۂ مالی پر لازم و ضروری ہے کہ شہادت دی جائے اور اس میں گریز سے ہرگز کام نہ لیا جائے۔ وجہ یہ ہے کہ مال کا تعلق آدمی کے حقوق کے زمرے سے ہے اور اس میں کتمان اس کی گویا حق تلفی ہے۔ اس واسطے شرعاً اس میں شہادت نہ دینے کی گنجائش نہیں دی گئی۔ شاہد شہادت میں "مال لیا ہے" کہے۔ یہ نہ کہنا چاہئے کہ اس نے سرقہ کیا۔ اس لئے کہ لفظ "اخذ" سے ضمان کا وجوب ہوتا ہے۔ اور لفظ "سرق" قطع کا سبب ہے۔ اور ایسے امر کے اندر جو قطع کا سبب ہو کتمان کو باعثِ استحباب قرار دیا گیا۔

والشہادۃ علیٰ مراتب الخ۔ مراتب گواہی چار قرار دیئے گئے۔ (۱) شہادت فی الزنا۔ اس میں یہ لازم ہے کہ گواہی دینے والے چار مرد ہوں۔ اس میں کسی عورت کی گواہی قابلِ قبول نہ ہوگی۔ آیتِ کریمہ "فاستشہدوا علیہن اربعۃ منکم"۔ (سو تم لوگ ان عورتوں پر چار آدمی اپنوں میں سے گواہ کرلو) میں چار کی تعداد کی صراحت موجود ہے۔ اور ان گواہوں کے مرد ہونے کی اس سے نشان دہی ہوئی کہ اربعۃ مع التاء آیا ہے۔ اور عدد پر اسی وقت تا آیا کرتی ہے جبکہ معدودِ عدد مؤنث نہ ہو بلکہ مذکر ہو۔

ومنہا الشہادۃ ببقیۃ الحدود والقصاص الخ۔ اور حدود و قصاص کا جہاں تک تعلق ہے ان میں چار گواہوں کی ضرورت نہیں بلکہ ثبوت کے لئے دو مردوں کی شہادت ناگزیر ہے۔ ان میں بھی عورتوں کی گواہی قبول نہیں کیجائے گی۔ ارشادِ ربانی "واستشہدوا شہیدین من رجالکم" میں مَردوں کی صراحت ہے۔

وما سویٰ ذٰلک من الحقوق الخ۔ فرماتے ہیں کہ ان کے سوا اور جو دوسرے حقوق ہیں ان میں گواہی کیلئے مردوں کی تخصیص نہیں بلکہ مردوں کے ساتھ اگر بعض عورتیں ہوں تو ان کی گواہی قبول کی جائے گی۔ مثال کے طور پر مالی حقوق کہ ان میں ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی قابلِ قبول قرار دی گئی۔ اسی طریقہ سے بہت سے غیر مالی حقوق۔ مثال کے طور پر نکاح، طلاق، عتاق، وکالت، وصیت وغیرہ کہ ان میں اگر گواہ دو مرد نہ ہوں اور ایک مرد اور دو عورتیں ہوں تب بھی قابلِ قبول ہوگی۔ ارشاد ہے "واستشہدوا شہیدین من رجالکم فان لم یکونا رجلین فرجلٌ وامرأتین"۔

(اور دو شخصوں کو اپنے مردوں میں سے گواہ (بھی) کرلیا کرو۔ پھر اگر وہ دو گواہ (میسّر) نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں دگواہ بنالی جائیں)۔ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک عورتوں کی شہادت مع الرجال محض اموال اور توابع اموال میں معتبر ہوگی۔ حضرت امام احمدؒ کی اس میں دو روایتیں ہیں۔ ایک احنافؒ کے موافق ہے اور دوسری شوافع کے۔ احنافؒ فرماتے ہیں کہ امیر المؤمنین حضرت عمرؓ اور امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے نکاح اور جدائی دونوں میں عورتوں کی شہادت مع الرجال درست قرار دی ہے۔

وَتُقبَلُ فِي الوِلَادَةِ وَالبَكَارَةِ وَالعُيُوبِ بِالنِّسَاءِ فِي مَوْضِعٍ لَا يَطَّلِعُ عَلَيهِ الرِّجَالُ شَهَادَةُ امْرَأَةٍ
اور عورت کی شہادت قبول کی جائے گی ولادت اور بکارت اور عورتوں کے ان عیبوں میں جن سے مرد آگاہ نہیں ہوتے محض ایک عورت کی
وَاحِدَةٍ وَلَا بُدَّ فِي ذٰلِكَ كُلِّهِ مِنَ العَدَالَةِ وَلَفْظِ الشَّهَادَةِ فَإِنْ لَمْ يَذْكُرِ الشَّاهِدُ لَفْظَةَ
شہادت۔ ان تمام میں عدالت اور لفظ شہادت ناگزیر ہے۔ لہٰذا اگر گواہ لفظ شہادت کے بغیر کہے کہ میں واقف ہوں یا
الشَّهَادَةِ وَقَالَ أَعْلَمُ أَوْ أَتَيَقَّنُ لَمْ تُقْبَلْ شَهَادَتُهُ وَقَالَ أَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ يَقْتَصِرُ الحَاكِمُ
مجھے یقین ہے تو اس کی شہادت قابل قبول نہ ہوگی۔ اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حاکم مسلمان کے ظاہرا
عَلَى ظَاهِرِ عَدَالَةِ المُسْلِمِ إِلَّا فِي الحُدُودِ وَالقِصَاصِ فَإِنَّهُ يَسْأَلُ عَنِ الشُّهُودِ وَإِنْ طَعَنَ الخَصْمُ
عادل ہونے کو کافی قرار دے۔ البتہ حدود و قصاص میں شاہدوں کے متعلق معلوم کرے اور مدعا علیہ شاہدوں میں طعنہ زنی
فِيهِمْ يَسْأَلُ عَنْهُمْ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللهُ لَا بُدَّ أَنْ يَسْأَلَ عَنْهُمْ فِي السِّرِّ وَالعَلَانِيَةِ
کرے تو ان کے حالات سے متعلق پوچھے اور امام ابویوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک شاہدوں کے بارے میں خفیہ اور علی الاعلان دریافت کرنا لازم ہے۔

تشریح و توضیح

وتقبل فی الولادة والبکارة الخ۔ فرماتے ہیں کہ ولادت اور باکرہ ہونے اور ان عیبوں کے سلسلہ میں جن سے مرد آگاہ نہیں ہوتے اگر دو عورتیں شاہد ہوں تو احنافؒ اور امام احمدؒ اسے بہتر قرار دیتے ہیں۔ اور دو عورتیں نہ ہوں تو اس میں ایک آزاد مسلمہ عورت کی شہادت بھی کافی قرار دی جائے گی۔ حدیث شریف میں بھی ان چیزوں کے اندر صرف عورتوں کی گواہی درست قرار دی گئی جن کی جانب مرد نہیں دیکھ سکتے۔ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ دو عورتوں کو ایک مرد کے برابر قرار دیا گیا اور حجت ایک مرد کی شہادت کو قرار نہیں دیا جاتا بلکہ دو مردوں کی شہادت حجت ہوتی ہے پس عورتوں کی تعداد چار ہونی چاہئے۔ حضرت امام مالکؒ کے نزدیک جب مرد ہونے کی قید نہ رہی تو عدد کا اعتبار رہا۔ پس بجائے ایک کے دو عورتیں ہوں۔

ولابد فی ذٰلک کلہ من العدالة الخ۔ گواہی کے سابق چاروں ذکر کردہ مراتب میں متفقہ طور پر سب کے نزدیک یہ شرط ضروری ہے کہ لفظ اشہد مضارع کے صیغہ کے ساتھ کہا جائے۔ اس کے بجائے لفظ اعلم یا اتیقن کہنے کو کافی قرار نہیں دیا جائیگا۔ علاوہ ازیں اسے بھی شرط قرار دیا گیا کہ شاہد عادل ہو۔

وقال ابوحنیفۃ یقتصر الحاکم علیٰ ظاہر عدالۃ المسلم الخ۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حدود و قصاص کے علاوہ میں قاضی کو چاہئے کہ اگر مدعا علیہ شاہد کے بارے میں نکتہ چینی نہ کرے تو اس کے متعلق زیادہ چھان بین میں نہ پڑے اور محض ظاہراً عادل ہونے کو کافی قرار دے۔ دارقطنی وغیرہ کی روایات سے اسی طرح ثابت ہے۔ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ شاہد کے عادل ہونیکے بارے میں خفیہ بھی لوگوں سے تفتیش کرے اور علانیہ بھی کرے۔ اس سے قطع نظر کہ مدعا علیہ گواہ پر کوئی نکتہ چینی کرے یا نہ کرے بہرصورت تفتیش کرے اور لوگوں سے اس کے بارے میں دریافت کرے۔ مفتیٰ بہ قول یہی ہے۔ حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ بھی یہی فرماتے ہیں کہ سرًّا اور علانیۃً دریافت کرنا ضروری ہے۔ خفیہ دریافت کی صورت یہ ہے کہ قاضی چھان بین کرنیوالے کے پاس تحریر بھیجے اور اس میں گواہوں کے نام و نسب اور حلیہ تحریر ہو اور اس مسجد کا تذکرہ جس میں یہ نماز پڑھا کرتے ہوں۔ اور چھان بین کرنیوالا گواہ کا عادل یوں لکھے کہ یہ شاہد عادل ہے اور اس کی گواہی درست ہے اور اس کو عادل یا فاسق ہونے کا علم نہ ہونے پر "مستور الحال" تحریر کر دے۔ اور فسق کا علم ہو تو صراحت کر دے ورنہ سکوت کرے تاکہ مسلمان کی پردہ پوشی رہے۔

وَمَا یَتَحَمَّلُہُ الشَّاہِدُ عَلٰی ضَرْبَیْنِ اَحَدُہُمَا مَا یَثْبُتُ حُکْمُہٗ بِنَفْسِہٖ مِثْلُ الْبَیْعِ وَالْاِقْرَارِ وَالْغَصَبِ

اور شاہد جس کی شہادت کا متحمل ہوتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ جس کا فی نفسہٖ حکم ثابت ہو جایا کرتا ہے مثلاً بیع اور اقرار اور غصب

وَالْقَتْلِ وَحُکْمِ الْحَاکِمِ فَاِذَا سَمِعَ ذٰلِکَ الشَّاہِدُ اَوْ رَاٰہُ وَسِعَہٗ اَنْ یَّشْہَدَ بِہٖ وَاِنْ لَّمْ یُشْہَدْ

اور قتل اور حاکم کا حکم۔ لہٰذا گواہ انھیں سن کر یا دیکھ کر انکی شہادت دے سکتا ہے خواہ اس کا شاہد نہ بھی بنایا جائے۔

عَلَیْہِ وَیَقُوْلُ اَشْہَدُ اَنَّہٗ بَاعَ وَلَا یَقُوْلُ اَشْہَدَنِیْ وَمِنْہُ مَا لَا یَثْبُتُ حُکْمُہٗ بِنَفْسِہٖ مِثْلُ الشَّہَادَۃِ

اور شاہد کہے گا میں شہادت دیتا ہوں کہ اس نے فروخت کیا ہے اور یہ نہیں کہے گا کہ مجھے شاہد بنایا ہے۔ دوسری قسم وہ جس کا فی نفسہٖ حکم ثابت

عَلَی الشَّہَادَۃِ فَاِذَا سَمِعَ شَاہِدًا یَّشْہَدُ بِشَیْءٍ لَمْ یَجُزْ لَہٗ اَنْ یَّشْہَدَ عَلٰی شَہَادَتِہٖ اِلَّا اَنْ یُّشْہِدَہٗ

نہیں ہوا کرتا مثلاً شہادت علی الشہادۃ لہٰذا کسی چیز کے گواہ کو شہادت دیتے ہوئے سنکر اس کی شہادت پر شہادت دینا درست نہیں الا یہ کہ

وَکَذٰلِکَ لَوْ سَمِعَہٗ یُشْہِدُ شَاہِدًا عَلٰی شَہَادَتِہٖ لَمْ یَسَعْ لِلسَّامِعِ اَنْ یَّشْہَدَ عَلٰی ذٰلِکَ وَلَا یَحِلُّ لِلشَّاہِدِ

وہ اسے شاہد بنالے۔ اور ایسے ہی اگر شاہد کو کسی شہادت پر شہادت دیتے ہوئے سنکر سننے والے کیلئے شہادت کی گنجائش نہیں۔ اور شاہد

اِذَا رَاٰی خَطَّہٗ اَنْ یَّشْہَدَ اِلَّا اَنْ یَّذْکُرَ الشَّہَادَۃَ۔

کیلئے اپنا خط دیکھ کر شہادت دینا درست نہیں الا یہ کہ اسے شہادت اچھی طرح یاد ہو۔

تشریح و توضیح

وما یتحملہ الشاہد علیٰ ضربین الخ۔ فرماتے ہیں کہ گواہ جس شے کے بارے میں گواہی کا متحمل ہوتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو ایسی شے جس کے حکم کا جہاں تک تعلق ہے وہ صاحبِ حق کی شہادت کے بغیر فی نفسہٖ ثابت ہو جاتا ہو۔ مثال کے طور پر بیع ہے اقرار ہے۔ اسی طرح حاکم کا حکم

اور قتل و غصب وغیرہ۔ دوسری قسم وہ جس کے اندر حکم فی نفسہٖ ثابت نہیں ہوتا ہے بلکہ اس میں اشہاد کی بھی احتیاج ہوتی ہو۔ مثال کے طور پر کسی کی گواہی پر گواہی۔ تو پہلی قسم کا تو حکم یہ ہے کہ شاہد کا محض سن کر بھی گواہی دینا درست ہے۔ بشرطیکہ محض سننے سے ان کا علم ہو جائے۔ مثال کے طور پر اقرار یا بیع وغیرہ۔ اور بذریعہ دیکھنے کے علم ہو جائے تو محض دیکھ کر بھی گواہی دینا درست ہے۔ مثال کے طور پر قتل اور غصب وغیرہ۔ البتہ دوسری قسم میں پہلی کے اعتبار سے یہ فرق ہے کہ اس میں اس وقت تک گواہی دینا درست نہیں جب تک کہ اسے شاہد ہی نہ بنالیا جائے۔

ولایحل للشاھد الخ۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ گواہ محض اپنی تحریر دیکھ کر گواہی دے ڈالے تو یہ درست نہیں اس لئے کہ آیت کریمہ "الا من شہد بالحق وہم یعلمون" میں علم کو شرط قرار دیا گیا۔ اور واقعہ جب تک پوری طرح یاد اور ذہن میں محفوظ نہ ہو صحیح معنی میں علم ہی نہ ہوگا۔ حضرت امام ابویوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ اس شرط کے ساتھ اسے درست قرار دیتے ہیں کہ تحریر اسی کے پاس حفاظت سے ہو اور دعویٰ کرنیوالے کے ہاتھ میں نہ پہونچی ہو ورنہ ان کے نزدیک بھی عدم جواز کا حکم ہوگا۔ بعض معتبر کتب فقہ میں اسی کو معتبر قرار دیا گیا ہے۔

وَلَا تُقْبَلُ شَهَادَةُ الْأَعْمٰى وَلَا الْمَمْلُوكِ وَلَا الْمَحْدُوْدِ فِي الْقَذْفِ وَإِنْ تَابَ وَلَا شَهَادَةُ الْوَالِدِ
اور نابینا اور مملوک اور محدود فی القذف کی شہادت قبول نہیں کیجائے گی اگرچہ یہ توبہ کرچکا ہو۔ اور باپ کی شہادت بیٹے

لِوَلَدِهٖ وَوَلَدِ وَلَدِهٖ وَلَا شَهَادَةُ الْوَلَدِ لِأَبَوَيْهِ وَأَجْدَادِهٖ وَلَا تُقْبَلُ شَهَادَةُ أَحَدِ الزَّوْجَيْنِ
اور پوتے کے حق میں اور بیٹے کی شہادت ماں باپ اور اجداد کے حق میں قبول نہیں کی جائیگی۔ اور شوہر و بیوی میں سے ایک کی شہادت

لِلْآخَرِ وَلَا شَهَادَةُ الْمَوْلٰى لِعَبْدِهٖ وَلَا لِمُكَاتَبِهٖ وَلَا شَهَادَةُ الشَّرِيْكِ لِشَرِيْكِهٖ فِيْمَا هُوَ مِنْ
دوسرے کیواسطے اور آقا کی شہادت اپنے غلام و مکاتب کے حق میں اور ایک شریک کی شہادت دوسرے شریک کے حق میں اس شئ کے

شِرْكَتِهِمَا وَتُقْبَلُ شَهَادَةُ الرَّجُلِ لِأَخِيْهِ وَعَمِّهٖ وَلَا تُقْبَلُ شَهَادَةُ مُخَنَّثٍ وَلَا نَائِحَةٍ وَلَا مُغَنِّيَةٍ
اندر جس میں یہ شریک ہوں قابل قبول نہ ہوگی۔ اور آدمی کی شہادت بھائی اور اپنے چچا کے حق میں قابل قبول ہوگی۔ اور مخنث اور مُردوں پر نوحہ

وَلَا مُدْمِنِ الشُّرْبِ عَلَى اللَّهْوِ وَلَا مَنْ يَلْعَبُ بِالطُّيُوْرِ وَلَا مَنْ يُغَنِّيْ لِلنَّاسِ وَلَا مَنْ يَأْتِيْ
کرنیوالی اور مغنیہ اور لہو و لعب کے طور پر دائماً شراب نوش کی شہادت قبول نہیں کی جائیگی۔ اور پرندباز اور لوگوں کے واسطے گانے بجانے والے

بَابًا مِنْ أَبْوَابِ الْكَبَائِرِ الَّتِيْ يَتَعَلَّقُ بِهَا الْحَدُّ وَلَا مَنْ يَدْخُلُ الْحَمَّامَ بِغَيْرِ إِزَارٍ وَلَا مَنْ يَأْكُلُ
اور ایسے کبیرہ گناہوں کے مرتکب کی جو واجب الحد ہوں گواہی ناقابل قبول ہوگی۔ اور حمام میں بغیر تہبند داخل ہونیوالے اور سود خور اور

الرِّبٰوا وَلَا الْمُقَامِرِ بِالنَّرْدِ وَالشِّطْرَنْجِ وَلَا مَنْ يَفْعَلُ الْأَفْعَالَ الْمُسْتَخِفَّةَ كَالْبَوْلِ عَلَى الطَّرِيْقِ
چوسر و شطرنج کھیلنے والے اور حقیر و لائق خفت کام کرنے والے مثلاً راستہ میں پیشاب کرنے والے اور

وَالْأَكْلِ عَلَى الطَّرِيْقِ وَلَا تُقْبَلُ شَهَادَةُ مَنْ يُظْهِرُ سَبَّ السَّلَفِ وَتُقْبَلُ شَهَادَةُ أَهْلِ الْأَهْوَاءِ
راستہ میں کھانیوالے کی شہادت قابل قبول نہ ہوگی۔ اور سلف کو برا بھلا کہنے والے کی شہادت قبول نہیں کیجائیگی اور اہل اَہواء کی گواہی

اِلَّا الخطابیۃ وتُقبلُ شهادۃُ اھلِ الذِّمّۃِ بعضِھم علیٰ بعضٍ وان اختلفَ مِلَلُھُمْ ولا تُقبلُ
سوائے خطابیہ کے قابلِ قبول ہوگی۔ اور اہلِ ذمہ میں سے بعض کی شہادت بعض پر قابلِ قبول ہوگی اگرچہ ان کے مذہب الگ الگ ہوں۔ اور
شهادۃُ الحربیِّ علی الذمّیِّ وان کانتِ الحسناتُ اغلبَ من السیّئاتِ والرجلُ ممّن یجتنبُ
حربی کی شہادت ذمی کے حق میں قابلِ قبول نہ ہوگی۔ اگر کسی کے حسنات سیئات سے زیادہ ہوں اور وہ کبائر سے اجتناب کرتا ہو تو اس
الکبائرَ قُبلتْ شهادتُہ وان الَمَّ بمعصیۃٍ وتُقبلُ شهادۃُ الاَقلفِ والخصیِّ وولدِ
کی شہادت قبول کی جائیگی اگرچہ اس سے گناہِ صغیرہ سرزد ہوتے ہوں۔ اور غیر مختون کی شہادت قبول کیجائیگی۔ اور خصی اور ولدُ
الزنا وشهادۃُ الخنثیٰ جائزۃٌ۔
الزّنا اور خنثیٰ کی شہادت درست ہے۔

قابلِ قبول شہادت اور ناقابلِ قبول شہادت کا ذکر

لغات کی وضاحت :- شهادۃ : گواہی۔ اعمیٰ : نابینا۔ المحدود فی القذف : کسی متہم کرنیکی بنا پر جسے حد لگ چکی ہو۔ اخ : بھائی۔ عم : چچا۔ نرد : چوسر۔ ایک قسم کا کھیل جسے اردشیر بن بابک شاہِ ایران نے ایجاد کیا تھا۔ مقامر : جوا کھیلنے والا۔ الاقلف : بے ختنہ، عضوِ تناسل کی بڑی کھال والا۔

تشریح و توضیح ولا تقبل شهادۃ الاعمیٰ الخ۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک نابینا کی گواہی مطلق طور پر اور بلا کسی قید کے ناقابلِ قبول قرار دی گئی۔ حضرت امام مالکؒ مطلقاً قابلِ قبول قرار دیتے ہیں۔ اس لئے کہ گواہی کا جائز ہونا عادل ہونے اور ولایت کے اعتبار سے ہے اور نابینا ہونیکا جہاں تک تعلق ہے وہ عدالت میں مانع نہیں۔ حضرت امام ابویوسفؒ اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک اس کی گواہی کے تحمل کے وقت بینا ہونیکی صورت میں اس کی گواہی قابلِ قبول قرار دی جائے گی۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام محمدؒ اس کی گواہی مقبول نہ ہونیکی وجہ یہ قرار دیتے ہیں کہ جس کیلئے دی جارہی ہو اور جس پر دی جارہی ہو ان کے بیچ مع الاشارہ امتیاز کی احتیاج ہوتی ہے اور نابینا سے مع الاشارہ یہ امتیاز ممکن نہیں اس کے لئے محض آواز کے ذریعہ امتیاز کرنا ممکن ہے تو اس کا امکان ہے کہ خصم و مدمقابل اپنے فائدہ کی خاطر اسے کسی بات کی تلقین کرے اور آوازوں میں باہم مشابہت ہوا کرتی ہے اس واسطے اس کی گواہی قابلِ قبول نہ ہوگی۔

ولا المحدود فی القذف الخ۔ عند الاحنافؒ محدود فی القذف کی گواہی قابل نہ ہوگی خواہ وہ توبہ ہی کیوں نہ کر چکا ہو۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک تائب ہونیکے بعد اس کی گواہی قابلِ قبول ہوگی۔ یہ ائمہ ارشادِ ربانی "ولا تقبلوا لهم شهادۃ ابدا و اولٰئک هم الفاسقون الا الذین تابوا" میں موجود استثناء "لا تقبلوا" اور "اولٰئک هم الفاسقون" دونوں کی جانب لوٹاتے ہیں۔ اور احنافؒ محض "اولٰئک هم الفاسقون" کی جانب لوٹاتے ہیں۔ اسکا مطلب یہ ہوگا کہ تائب

ہونیکے بعد اس کا شمار اللہ کے نافرمانوں کے زمرے میں نہ رہے اگرچہ سابق قذف کی سزا کے طور پر اس کی گواہی پھر بھی قابلِ قبول رہے۔

ولا تقبل شہادۃ مخنث الخ۔ قولاً اور فعلاً عورتوں سے مشابہت اختیار کرنیوالے کو ملعون فاسق کے زمرے میں داخل کرکے اس کی گواہی ناقابلِ قبول قرار دی گئی۔ حدیث شریف میں ایسے مردوں اور عورتوں پر لعنت کی گئی ہے۔ اسی طرح اس بین و نوحہ کرنیوالی عورت کی گواہی قابلِ قبول نہ ہوگی جو میت پر رونے کی اجرت لے کر اس پر آنسو بہائے اور بین کرے اور ایسے ہی گانے بجانیوالی عورت کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔ ترمذی وغیرہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان دو آوازوں کی ممانعت فرمائی۔ علاوہ ازیں الخ شراب نوش اور ہمیشہ نشہ میں رہنے والے کی گواہی بھی قابلِ قبول نہ ہوگی۔ اسی طرح وہ شخص جو پرندوں کے ذریعہ بازیاں لگائے مثال کے طور پر کبوتر باز وغیرہ اور اسے کھیل و اجرت کا ذریعہ بنائے۔ اس کی گواہی بھی قابلِ قبول نہ ہوگی اور ایسے ہی لوگوں کی خاطر گانے بجانے والے کی شہادت قابلِ قبول نہ ہوگی۔ اس سے قطع نظر کہ وہ اس پر اجرت لے یا نہ لے۔ اسی طرح ایسے شخص کی گواہی قابلِ قبول نہ ہوگی جو کبیرہ اور واجب الحد گناہوں کا ارتکاب کرتا ہو۔ اور اسی طرح حمام میں بغیر کپڑوں کے داخل ہونیوالے کی گواہی قابلِ قبول نہیں مانی جائے گی۔

وتقبل شہادۃ اہل الاہواء الخ۔ عند الاحناف اہلِ ہویٰ یعنی مرجئہ، قدریہ و خوارج وغیرہ کی گواہی مطلقاً قابلِ قبول ہے مگر شرط یہ ہے کہ ان کے عقائد کفر کی حد تک نہ پہونچے ہوں اور عقائد کے اعتبار سے دائرہ کفر میں داخل نہ ہوگئے ہوں امام شافعیؒ کے نزدیک ان کے شدید فسق کی بنار پر ان کی گواہی قابلِ قبول نہ ہوگی۔ البتہ روافض کی جماعت خطابیہ کی گواہی قابلِ قبول نہ ہوگی کہ یہ کذب سے متہم ہیں۔

وتقبل شہادۃ اہل الذمۃ الخ۔ عند الاحنافؒ اہلِ ذمہ میں بعض کی گواہی بعض پر قابلِ قبول ہوگی اگرچہ باہم ان کے دین میں اختلاف ہی کیوں نہ ہو۔ "الکفر ملۃ واحدۃ" کی رو سے یہی حکم ہے۔ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ ذمی کے فاسق ہونیکی بنار پر شہادت قابلِ قبول قرار نہیں دیتے۔ احنافؒ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ ذمی کا جہاں تک تعلق ہے وہ اپنا اور اپنے چھوٹے نابالغ بچوں کا ولی ہوتا ہے اور اس کی یہ ولایت درست ہے تو اس اعتبار سے اس میں ذمی پر گواہی کی اہلیت بھی ہوگی۔ رہ گیا فسق کا معاملہ تو اس کا تعلق اعتقاد سے ہے اور یہ گواہی میں رکاوٹ نہیں۔ البتہ اگر دار الحرب کا غیر مسلم باشندہ (حربی) ذمی پر گواہی دے تو وہ قابلِ قبول نہ ہوگی۔

وتقبل شہادۃ الاقلف الخ۔ غیر مختون اور ولد الزنا اور خنثیٰ میں سے اگر کوئی گواہی دے تو اسکی گواہی درست اور قابلِ قبول ہوگی۔ احنافؒ یہی فرماتے ہیں۔

وَإِذَا وَافَقَتِ الشَّهَادَةُ الدَّعْوَىٰ قُبِلَتْ وَإِنْ خَالَفَتْهَا لَمْ تُقْبَلْ وَيُعْتَبَرُ اتِّفَاقُ الشَّاهِدَيْنِ فِي

اور شہادت دعویٰ کے موافق ہونے پر قابلِ قبول ہوگی اور مخالف ہونے پر قبول نہیں کی جائیگی۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک لفظاً اور معنیً

اللَّفْظِ وَالْمَعْنَى عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ فَإِنْ شَهِدَ أَحَدُهُمَا بِأَلْفٍ وَالْآخَرُ بِأَلْفَيْنِ لَمْ تُقْبَلْ
دونوں شاہدوں کا اتفاق معتبر ہوگا ۔ لہٰذا اگر دونوں شاہدوں میں سے ایک شاہد ہزار کی شہادت دے اور دوسرا شاہد
شَهَادَتُهُمَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللهُ تُقْبَلُ بِالْأَلْفِ
دو ہزار کی تو ان دونوں کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی امام ابوحنیفہؒ یہی فرماتے ہیں اور امام ابویوسفؒ وامام محمدؒ کے نزدیک ہزار کی شہادت
وَإِنْ شَهِدَ أَحَدُهُمَا بِأَلْفٍ وَالْآخَرُ بِأَلْفٍ وَخَمْسِمِائَةٍ وَالْمُدَّعِي يَدَّعِي أَلْفًا وَخَمْسَمِائَةٍ قُبِلَتْ
قبول کی جائیگی اور اگر ان میں سے ایک ہزار کی اور دوسرا ڈیڑھ ہزار کی شہادت دے اور مدعی کا دعویٰ ڈیڑھ ہزار کا ہو تو انکی ہزار کی شہادت
شَهَادَتُهُمَا بِأَلْفٍ وَإِذَا شَهِدَا بِأَلْفٍ وَقَالَ أَحَدُهُمَا قَضَاهُ مِنْهَا خَمْسَمِائَةٍ قُبِلَتْ شَهَادَتُهُمَا
قابلِ قبول ہوگی۔ اور اگر دو گواہ ہزار کی شہادت دیں اور ان میں سے ایک یہ کہتا ہو کہ پانچ سو ادا کرچکا تو ان دونوں کی ہزار کی شہادت
بِأَلْفٍ وَلَمْ يُسْمَعْ قَوْلُهُ أَنَّهُ قَضَاهُ مِنْهَا خَمْسَمِائَةٍ إِلَّا أَنْ يَشْهَدَ مَعَهُ آخَرُ وَيَنْبَغِي لِلشَّاهِدِ
قابلِ قبول ہوگی۔ اور اس کا "پانچ سو ادا کرچکا" کا قول قابلِ سماعت نہ ہوگا الّا یہ کہ دوسرا شاہد بھی اس کے ساتھ شہادت دے۔
إِذَا عَلِمَ ذٰلِكَ أَنْ لَا يَشْهَدَ بِأَلْفٍ حَتّٰى يُقِرَّ الْمُدَّعِي أَنَّهُ قَبَضَ خَمْسَمِائَةٍ وَإِذَا شَهِدَ
اور اگر شاہد اس سے آگاہ ہو تو اسے اسوقت ہزار کی شہادت نہ دینا مناسب ہے جب تک کہ مدعی پانچ سو کی وصولیابی کا اقرار نہ کرلے۔
شَاهِدَانِ أَنَّ زَيْدًا قُتِلَ يَوْمَ النَّحْرِ بِمَكَّةَ وَشَهِدَ آخَرَانِ أَنَّهُ قُتِلَ يَوْمَ النَّحْرِ بِالْكُوفَةِ وَاجْتَمَعُوا
اور اگر دو شاہد شہادت دیں کہ زید بقرعید کے روز بمقام مکہ قتل کردیا گیا اور دوسرے شہادت دیں کہ وہ بقرعید کے روز کوفہ میں قتل کیا گیا
عِنْدَ الْحَاكِمِ لَمْ يَقْبَلِ الشَّهَادَتَيْنِ فَإِنْ سَبَقَتْ إِحْدَاهُمَا وَقَضَى بِهَا ثُمَّ حَضَرَتِ الْأُخْرَى
اور یہ تمام حاکم کے پاس اکٹھے ہوں تو حاکم ان شہادتوں میں سے کوئی بھی شہادت قبول نہ کرے اور اگر ان دونوں میں سے ایک شہادت اول
لَمْ تُقْبَلْ وَلَا يَسْمَعُ الْقَاضِي الشَّهَادَةَ عَلٰى جَرْحٍ وَلَا نَفْيٍ وَلَا يَحْكُمُ بِذٰلِكَ إِلَّا مَا اسْتَحَقَّ
ہوچکی ہو اور اس پر فیصلہ بھی ہوچکا ہو اس کے بعد دوسری شہادت آئے تو حاکم قبول نہ کرے اور قاضی جرح کے ہونے نہ ہونے کی شہادت نہ
عَلَيْهِ وَلَا يَجُوزُ لِلشَّاهِدِ أَنْ يَشْهَدَ بِشَيْءٍ لَمْ يُعَايِنْهُ إِلَّا النَّسَبَ وَالْمَوْتَ وَالنِّكَاحَ وَ
قابلِ سماعت قرار دے اور نہ اس کی بنیاد پر کوئی حکم لگائے البتہ اسکے لئے جس کا مستحق ہونا ثابت ہوگیا ہو اور شاہد کیلئے ایسی چیز کی شہادت دینا
الدُّخُولَ وَوِلَايَةَ الْقَاضِي فَإِنَّهُ يَسَعُهُ أَنْ يَشْهَدَ بِهٰذِهِ الْأَشْيَاءِ إِذَا أَخْبَرَهُ بِهَا مَنْ يَثِقُ بِهِ
درست نہ ہوگا جسے اس نے دیکھا ہی نہ ہو بجز نسب اور موت اور نکاح اور ہمبستری اور قاضی کی ولایت کے کہ انکے متعلق قابلِ اعتماد شخص کی اطلاع پر گواہی دینا درست ہے

گواہیوں کے متفق اور مختلف ہونیکا ذکر

تشریح وتوضیح

وَإِذَا وَافَقَتِ الشَّهَادَةُ الخ. حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قبول شہادت کے لئے یہ بات ناگزیر ہے کہ دونوں گواہوں کی گواہیوں کے درمیان مکمل اتفاق ومطابقت

ہو نہ ان کے درمیان لفظی اعتبار سے کوئی اختلاف اور فرق ہو اور نہ معنے کے اعتبار سے کوئی فرق آرہا ہو۔ اگر فرق ہوگا تو ان کے نزدیک یہ گواہی ناقابلِ اعتبار ہوگی۔ امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اگر صرف لفظی اعتبار سے انکی گواہیوں کے درمیان موافقت ہو معنوی اعتبار سے موافقت نہ ہو تب بھی کافی قرار دیں گے اور ان کی گواہی قابلِ اعتبار ہوگی۔ ان ائمہ کے اس فرمانے کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر ایک شاہد نے ٹھیک وہی لفظ استعمال نہیں کیا جو دوسرے نے کیا تھا بلکہ اس کے مرادف کوئی دوسرا لفظ استعمال کر لیا مگر اس کی وجہ سے مفہوم اور افادۂ معنے میں کوئی فرق نہیں آیا تو اسے معتبر قرار دیں گے۔ مثال کے طور پر ایک شاہد گواہی میں لفظ "عطیہ" استعمال کرے اور دوسرا بجائے اس کے لفظ "ہبہ" استعمال کرے تو اسے قابلِ قبول قرار دیں گے۔

فان شهد احدهما بالف الخ۔ اگر دو گواہوں میں سے ایک گواہ ہزار کی شہادت دے اور دوسرا بجائے ہزار کے دو ہزار کی شہادت دے رہا ہو تو دونوں گواہیوں میں الفاظ کے اختلاف کے باعث حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ قبول نہیں کی جائے گی کیونکہ اس لفظی اختلاف سے معنوی اختلاف کی نشان دہی ہو رہی ہے اور اس کا مشاہدہ ہے کہ کوئی بھی ایک ہزار کو دو ہزار نہیں بولتا۔ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ اور ائمہ ثلاثہ اسے قابلِ قبول قرار دیتے ہیں۔ اس واسطے کہ دونوں گواہوں کا ایک ہزار پر اتفاق ہے کیونکہ دو ہزار کے ذیل میں ہزار بھی آگئے۔ اور رہا اضافہ تو اس کا گواہ ایک ہے۔ پس جب دونوں گواہ متفق ہیں یعنی ہزار پر اس کے ثابت ہونیکا حکم ہوگا۔ اور اگر ان شاہدوں میں سے ایک تو ہزار کی شہادت دے رہا ہو اور دوسرا ڈیڑھ ہزار کی اور دعویٰ کرنیوالا ڈیڑھ ہزار کا مدعی ہو تو متفقہ طور پر شہادت ہزار پر قابلِ قبول ہوگی۔ اس واسطے کہ دونوں گواہوں کا ہزار پر لفظی اعتبار سے بھی اتفاق ہے اور معنے کے اعتبار سے بھی کیونکہ الف اور خمسمأۃ دو الگ الگ جملے ہیں اور ان میں عطف جملہ علی الجملہ ہے اور عطف سے پہلا ثابت ہو جاتا ہے۔

واذا شهد بالف وقال احدهما قضاه منها خمسمأة الخ۔ اگر دو شاہد ہزار کی شہادت دیں اور ان میں سے ایک اسکے ساتھ یہ بھی کہے کہ یہ پانچسو کی وصولیابی کر چکا تو ہزار پر دونوں کی شہادت قابلِ قبول ہوگی کہ اس پر دونوں شاہد متفق ہیں اور ایک شاہد کے اس کہنے کو کہ یہ پانچسو کی وصولیابی کر چکا ناقابلِ سماعت اور ناقابلِ اعتبار قرار دیا جائے گا۔ اس واسطے کہ اس میں اس کی حیثیت مستقل شاہد کی ہے۔ اور شہادت محض ایک ہے اور ایک کی شہادت قابلِ اعتبار نہیں۔ البتہ اگر دوسرے نے بھی اس کے مطابق شہادت دیدی تو قابلِ قبول ہوگی۔

واذا شهد شاهدان انه زيدا الخ۔ اگر دو شاہد تو زید کے قتل کے متعلق یہ شہادت دیں کہ وہ مثلاً مکہ مکرمہ میں قتل کیا گیا اور اس کے برعکس مقامِ قتل سے اختلاف کرتے ہوئے دو گواہ یہ شہادت دیں کہ وہ مکہ مکرمہ میں نہیں کوفہ میں قتل کیا گیا اور بقرعید کے دن قتل پر چاروں متفق ہوں صرف جگہ میں اختلاف ہو اور یہ سب شاہد حاکم کے سامنے شہادت دیں تو اس صورت میں حاکم ان گواہیوں کو ناقابلِ قبول قرار دے گا۔ اس واسطے کہ ایک شخص دوبارہ دو مقامات پر قتل نہیں کیا جا سکتا اور اس صورت میں ایک شہادت کا غلط اور جھوٹ ہونا یقینی ہے مگر ان دونوں میں وجہ ترجیح موجود نہیں۔ پس دونوں کے ناقابلِ اعتبار ہونے کا حکم کیا جائے گا۔ اور اگر ایسا ہو کہ ان دونوں میں ایک کی گواہی اول پیش ہو چکی ہو

اور اسی کی بنیاد پر حاکم نے فیصلہ کر دیا ہو اور بعد فیصلہ دوسری شہادت سامنے آئے تو یہ دوسری شہادت ناقابلِ قبول ہوگی کہ پہلی شہادت کا بوجہ فیصلۂ حاکم راجح ہونا واضح ہو گیا۔
ولایسمع القاضی الشہادۃ الخ. فرماتے ہیں کہ ایسی شہادت قابلِ قبول نہ ہوگی جس کا مقصود محض کسی پر جرح ہو اور اس جرح سے اللہ تعالیٰ کا حق یا بندہ کا حق ثابت کرنا منشاء نہ ہو۔
ولایجوز للشاہد ان یشہد بشیئ الخ. ایسی چیز کے بارے میں شہادت دینا ہرگز درست نہیں جس کا بذاتِ خود مشاہدہ نہ کیا ہو اور اسے خود دیکھا نہ ہو۔ متفقہ طور پر سب کے نزدیک یہی حکم ہے۔ البتہ دس چیزیں ایسی ہیں کہ ان پر شہادت معائنہ کے بغیر صرف قابلِ اعتماد شخص اور بھروسہ دار شخص کی اطلاع و بیان پر درست قرار دی گئی۔ مثلاً نسب اور موت اور نکاح اور ہمبستری اور ولایتِ قاضی کی شہادت قابلِ وثوق شخص کی اطلاع پر صحیح قرار دی جائے گی۔ اس کا سبب دراصل یہ ہے کہ ان مثال وادہ امور میں موجود محض خواص ہی ہوتے ہیں لہٰذا اگر مشاہدہ اور خود دیکھنے کے مقررہ قاعدہ کیمطابق ان میں قابلِ اعتماد کی اطلاع پر شہادت قابلِ قبول نہ ہو تو احکام میں تعطل واقع ہوگا اور سخت حرج و دشواری کا سامنا ہوگا۔ شرعاً اس طرح تعطل اور حرجِ عظیم سے بچایا گیا جو شرعاً مطلوب ہے۔

وَالشَّهَادَةُ عَلَى الشَّهَادَةِ جَائِزَةٌ فِي كُلِّ حَقٍّ لَا يَسْقُطُ بِالشُّبْهَةِ وَلَا تُقْبَلُ فِي الْحُدُوْدِ وَالْقِصَاصِ
ہر اس حق میں شہادت علی الشہادۃ درست ہے جو بوجہ شبہ ساقط نہ ہوتا ہو۔ اور شہادت علی الشہادۃ حدود و قصاص میں قابلِ قبول نہ ہوگی۔
وَيَجُوْزُ شَهَادَةُ شَاهِدَيْنِ عَلَى شَهَادَةِ شَاهِدَيْنِ وَلَا تُقْبَلُ شَهَادَةُ وَاحِدٍ عَلَى شَهَادَةِ وَاحِدٍ
اور دو شاہدوں کا دو شاہدوں کی شہادت پر شہادت دینا درست ہے۔ اور ایک کی شہادت پر ایک کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔
وَصِفَةُ الْإِشْهَادِ أَنْ يَقُوْلَ شَاهِدُ الْأَصْلِ لِشَاهِدِ الْفَرْعِ اِشْهَدْ عَلَى شَهَادَتِيْ إِنِّيْ أَشْهَدُ أَنَّ فُلَانَ
اور طریقہ شہادت اس طرح ہے کہ اصل کا شاہد فرع کے شاہد سے کہے کہ تو میری شہادت پر شاہد بن جا یہ کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ فلاں
بْنَ فُلَانٍ أَقَرَّ عِنْدِيْ بِكَذَا وَأَشْهَدَنِيْ عَلَى نَفْسِهِ وَإِنْ لَمْ يَقُلْ أَشْهَدَنِيْ عَلَى نَفْسِهِ جَازَ
ابن فلاں میرے سامنے اسقدر کا اقرار کر چکا ہے اور مجھ کو اپنے آپ پر شاہد بنایا ہے۔ اور اگر مجھے اپنے آپ پر شاہد بنایا ہے نہ بھی کہے تب بھی درست ہے۔
وَيَقُوْلُ شَاهِدُ الْفَرْعِ عِنْدَ الْأَدَاءِ أَشْهَدُ أَنَّ فُلَانًا أَقَرَّ عِنْدَهُ بِكَذَا وَقَالَ لِيْ اِشْهَدْ عَلَى
اور فرع کا گواہ گواہی کی ادائیگی کے وقت کہے گا میں شہادت دیتا ہوں کہ فلاں اس کے پاس اس قدر کا اقرار کر چکا ہے اور میرے سے کہا کہ تو میری
شَهَادَتِيْ بِذٰلِكَ فَأَنَا أَشْهَدُ بِذٰلِكَ وَلَا تُقْبَلُ شَهَادَةُ شُهُوْدِ الْفَرْعِ إِلَّا أَنْ يَمُوْتَ شُهُوْدُ الْأَصْلِ
شہادت پر شہادت دے۔ لہٰذا میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں۔ اور فرع کے شاہدوں کی شہادت قابلِ قبول نہ ہوگی الا یہ کہ اصل شاہد مر گئے ہوں
أَوْ يَغِيْبُوْا مَسِيْرَةَ ثَلٰثَةِ أَيَّامٍ فَصَاعِدًا أَوْ يَمْرَضُوْا مَرَضًا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ مَعَهُ حُضُوْرَ مَجْلِسِ
یا تین روز یا تین روز سے زیادہ کی دوری پر غائب ہو جائیں یا اس قدر بیمار پڑ جائیں کہ اس کے باعث مجلس حاکم میں حاضری ممکن نہ ہو۔
الْحَاكِمِ فَإِنْ عَدَّلَ شُهُوْدُ الْأَصْلِ شُهُوْدُ الْفَرْعِ جَازَ وَإِنْ سَكَتُوْا عَنْ تَعْدِيْلِهِمْ جَازَ وَيَنْظُرُ
فرع کے شاہدوں کا اصل کے شاہدوں کو عادل بتانا درست ہے اور وہ انھیں عادل بتانے سے سکوت کریں تو بھی درست ہے اور قاضی

الْقَاضِیْ فِیْ حَالِهِمْ وَاِنْ اَنْکَرَ شُهُوْدُ الْاَصْلِ الشَّهَادَةَ لَمْ تُقْبَلْ شَهَادَةُ شُهُوْدِ الْفَرْعِ وَقَالَ اَبُوْ
انکے حالات کا جائزہ لے ۔ اور اگر اصل شاہد شہادت کے منکر ہو جائیں تو فرع کے شاہدوں کی شہادت قابل قبول نہیں ہوگی اور امام ابو حنیفہؒ جھوٹی شہادت
حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ فِیْ شَاهِدِ الزُّوْرِ اُشَهِّرُهٗ فِی السُّوْقِ وَلَا اُعَزِّرُهٗ وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ نُوْجِعُهٗ ضَرْبًا وَنَحْبِسُهٗ ۔
دینے والے کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ایسے شخص کی تشہیر فی السوق تو کرونگا مگر تعزیر نہیں کروں گا ۔ اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ ہم اسے اچھی طرح اذیت دینگے اور اسے قید میں ڈالیں گے

شہادۃ علی الشہادۃ کا ذکر

تشریح و توضیح

وَالشَّهَادَةُ عَلَی الشَّهَادَةِ جَائِزَةٌ الخ ۔ گواہی پر گواہی کا جہاں تک تعلق ہے وہ قیاس کے اعتبار سے تو درست نہیں اس لئے گواہی کا شمار بدنی عبادت میں ہوتا ہے ۔ اور بدنی عبادات میں ضابطہ یہ ہے کہ قائم مقامی کا نفاذ نہیں ہوتا ۔ البتہ اسے استحساناً درست قرار دیا گیا ۔ اس لئے کہ بعض اوقات صورت یہ ہوتی ہے کہ اصل گواہ موت کے باعث یا سفر و مرض وغیرہ کی بناء پر گواہی دینے سے مجبور ہوتا ہے اب اگر فروع کی گواہی کو ناجائز قرار دیا جائے تو بیشتر حقوق کا ضیاع لازم آئے گا البتہ حدود اور قصاص اس ضابطہ سے مستثنیٰ ہیں اور ان میں قائم مقامی درست نہیں اس لئے کہ ان میں قائم مقامی شبہ کا احتمال پیدا کرتی ہے اور حدود و قصاص کے معمولی شبہ سے بھی ختم ہو جانیکا حکم ہوتا ہے ۔ امام مالکؒ ، امام شافعیؒ ، امام احمدؒ ان میں قابل قبول قرار دیتے ہیں ۔

ویجوز شهادة شاهدین الخ ۔ عند الاحنافؒ اگر دو گواہوں کی گواہی پر دوسرے دو گواہ شہادت دیں تو یہ قابل قبول ہے ۔ امام شافعیؒ چار کے ہونیکو واجب قرار دیتے ہیں ۔ اسواسطے دو گواہانِ فرع اصل ایک گواہ کے قائم مقام شمار ہوتے ہیں ۔ احنافؒ کا مستدل حضرت علیؓ کا یہ ارشاد ہے کہ میت کی شہادت پر دو سے کم کی شہادت جائز نہیں ۔

فان عدّل شهود الاصل الخ ۔ اگر ایسا ہو کہ فرع کے گواہ اصل گواہوں کی شہادت دیں تو قابلِ قبول ہوگی ۔ اور سکوت کی صورت میں ان کی گواہی قبول کی جائے گی اور قاضی اصل گواہوں کے بارے میں معلومات کرے ۔ امام محمدؒ عدم قبول شہادت کا حکم فرماتے ہیں اس واسطے گواہی بلا عدالت قابلِ قبول نہ ہوگی اور انکی تعدیل نہ کرنے کی صورت میں ان کی جانب سے گواہی نقل نہیں کی گئی ۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک فرع کے گواہوں پر محض گواہی کا نقل کرنا لازم ہے تعدیل واجب نہیں ۔ پس قاضی ان کے حالات کے متعلق معلومات کرے گا ۔

وقال ابو حنیفةؒ فی شاهد الزور الخ ۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جھوٹی شہادت دینے والے کو تعزیر نہیں کی جائے گی بلکہ بازار میں اس کی تشہیر کر کے اسے رسوا کیا جائے گا تا کہ لوگ اس سے احتراز کریں ۔ امام ابو یوسفؒ ، امام محمدؒ ، اور امام شافعیؒ کے نزدیک اسے مارا بھی جائے گا اور اس کے ساتھ ساتھ قید میں بھی ڈالیں گے ۔ اسواسطے کہ امیر المؤمنین حضرت عمرؓ سے جھوٹی شہادت دینے والے کا منہ کالا کرنا اور چالیس کوڑے مارنا ثابت ہے ۔

باب الرجوع عن الشهادة

گواہی سے رجوع کرلینے کا ذکر

إذا رجع الشهود عن شهادتهم قبل الحكم بها سقطت شهادتهم ولا ضمان عليهم فان حكم بشهادتهم
اور اگر شاہد حکم سے پہلے اپنی شہادت سے رجوع کرلیں تو انکی شہادت ساقط قرار دیجائیگی اور ان پر ضمان نہیں آئیگا اور اگر ان کی شہادت پر حکم کے بعد انہوں

ثم رجعوا لم يفسخ الحكم ووجب عليهم ضمان ما اتلفوه بشهادتهم ولا يصح الرجوع الا بحضرة الحاكم۔
نے شہادت سے رجوع کیا تو حکم فسخ نہیں ہوگا اور انکی شہادت کے باعث جو تلف ہوگیا اس کا ضمان ان پر لازم ہوگا اور حاکم کے روبرو ہی شہادت سے رجوع درست ہوگا۔

تشریح و توضیح

اذا رجع الشهود عن شهادتهم الخ اگر ایسا ہو کہ گواہ اس سے پہلے کہ قاضی اس بارے میں کوئی فیصلہ کرے گواہی سے پھر گئے اور رجوع کرلیا تو اس صورت میں انکی شہادت ساقط قرار دی جائے گی اور قاضی انکی شہادت کی بنیاد پر کوئی فیصلہ نہیں کریگا کہ شہادت کالعدم ہوگئی اور فیصلۂ قاضی نہ ہونیکی بنا پر ان گواہوں پر کسی ضمان کا وجوب نہیں ہوگا اسلئے کہ انکی وجہ سے مدعی یا مدعیٰ علیہ کی کسی چیز کا ضیاع لازم نہیں آیا۔ اور یہ رجوع عن الشہادۃ فیصلۂ قاضی کے بعد ہوا ہو تو اس صورت میں قاضی حکم تو فسخ نہیں کریگا اسلئے کہ صدق پر ثانی دہی کے اعتبار سے دوسری خبر پہلی خبر کیطرح ہے۔ اور پہلی خبر کا تقضاء کے ساتھ اتصال ہوچکا پس فیصلۂ قاضی کے فسخ نہ ہونیکا حکم ہوگا۔ البتہ گواہوں کی گواہی کے باعث مشہود علیہ کے تلف شدہ مال کا ضمان ان پر لازم ہوگا۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک گواہوں پر ضمان لازم نہ ہوگا۔ اسلئے کہ گواہ ضیاع مال کا سبب ہیں اور قاضی کی حیثیت مباشر کی ہے اور مباشر کی موجودگی میں سبب معتبر نہیں ہوتا۔ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ جہاں تک قاضی مباشر پر ضمان کے وجوب کا تعلق ہے وہ تو دشوار ہے اسلئے کہ وہ تو فیصلہ کرنے کے سلسلہ میں مضطر ہے۔ اور گواہوں نے اپنی باطل و غلط گواہی کی بنیاد پر ضمان کے سبب کا اپنے آپ پر اعتراف کرلیا۔ لہٰذا اس صورت میں ضمان کا وجوب ان گواہوں پر ہوگا قاضی اس سے بری الذمہ قرار دیا جائے گا۔

وإذا شهد شاهدان بمال فحكم الحاكم به ثم رجعا ضمنا المال للمشهود عليه وإن
اور اگر دو شاہد مال کی شہادت دیں اور حاکم اسی کے موافق فیصلہ کردے اس کے بعد شاہد رجوع کرلیں تو ان پر مشہود علیہ کے مال کا ضمان

رجع احدهم ضمن النصف وإن شهد بالمال ثلثة فرجع احدهم فلا ضمان عليه
واجب ہوگا اور ان میں سے ایک کے رجوع سے آدھے کا ضمان لازم ہوگا اور اگر تین شاہد مال کی شہادت دیں پھر ان میں سے ایک رجوع کرلے تو اسکے اوپر

وإن رجع آخر ضمن الراجعان نصف المال وإن شهد رجل وامرأتان فرجعت
ضمان لازم نہ ہوگا۔ اور اگر دوسرا بھی رجوع کرلے تو رجوع کرنیوالوں پر آدھے مال کا ضمان لازم ہوگا۔ اور اگر ایک مرد اور دو عورتیں شہادت دیں اسکے بعد ایک

امرأة ضمنت ربع الحق وإن رجعتا ضمنتا نصف الحق وإن شهد رجل وعشر
عورت رجوع کرلے تو اس پر حق کے چوتھائی کا ضمان آئیگا اور اگر دو رجوع کرلیں تو آدھے حق کا ضمان لازم ہوگا۔ اور اگر شہادت دے ایک مرد اور دس

نسوۃ فرجع ثمان نسوۃ منهن فلا ضمان علیهن فان رجعت اُخری کان علی النسوۃ ربع
عورتیں۔ اس کے بعد ان میں سے آٹھ عورتیں رجوع کرلیں تو ان پر کوئی ضمان لازم نہ ہوگا اور اگر ایک اور رجوع کرلے تو ان عورتوں پر حق کے چوتھائی کا وجوب
الحق فان رجع الرجل والنساء فعلی الرجل سدس الحق وعلی النساء خمسۃ اسداسہ عند
ہوگا۔ اور اگر مرد اور ساری عورتیں رجوع کرلیں تو مرد پر امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حق کے چھٹے حصہ کا اور عورتوں پر پانچ حصوں کا وجوب ہوگا
ابی حنیفۃ رحمہ اللہ وقالا علی الرجل النصف وعلی النسوۃ النصف وان شهد شاهدان علی
اور امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک مرد پر آدھے حق کا اور عورتوں پر آدھے حق کا وجوب ہوگا۔ اور اگر دو شاہد ایک عورت کے مہر مثل
امرأۃ بالنکاح بمقدار مهر مثلها او اکثر ثم رجعا فلا ضمان علیهما وان شهدا باقل من مهر المثل
یا مہر مثل سے زیادہ پر ہوجانے کی شہادت دیں اور پھر وہ رجوع کرلیں تو ان دونوں پر ضمان لازم نہیں ہوگا اور اگر دونوں نکاح مہر مثل سے کم پر
ثم رجعا لم یضمنا النقصان وکذلک اذا شهدا علی رجل بتزویج امرأۃ بمقدار مهر مثلها
ہونیکی شہادت دیں پھر وہ رجوع کرلیں تو ان پر کمی کا ضمان لازم نہ ہوگا اور اسی طریقہ سے اگر دو شاہد کسی مرد کے کسی عورت کے ساتھ مہر مثل یا مہر مثل سے
او اقل وان شهدا باکثر من مهر المثل ثم رجعا ضمنا الزیادۃ وان شهدا ببیع شیئ بمثل
کم پر نکاح کرلینے کی شہادت دیں تو ضمان نہ آئیگا اور اگر مہر مثل سے زیادہ کی شہادت کے بعد رجوع کریں تو ان پر اضافہ کا ضمان لازم ہوگا اور اگر دو شاہد
القیمۃ او اکثر ثم رجعا لم یضمنا وان کان باقل من القیمۃ ضمنا النقصان وان شهدا
کسی چیز کے اس کی قیمت مثل یا زیادہ پر بکنے کی شہادت دیں اور پھر رجوع کرلیں تو ان پر ضمان واجب ہوگا اور اگر قیمت مثل سے کم کی شہادت دیں تو نقصان
علی رجل انہ طلق امرأتہ قبل الدخول بها ثم رجعا ضمنا نصف المهر وان کان
کا ضمان ان پر واجب ہوگا۔ اور اگر کسی شخص کے بارے میں دو شاہد اپنی زوجہ کو ہمبستری سے قبل طلاق دینے کی شہادت دیں اور پھر رجوع کرلیں تو ان پر آدھے مہر کا
بعد الدخول لم یضمنا وان شهدا انہ اعتق عبدہ ثم رجعا ضمنا قیمتہ وان شهدا
ضمان واجب ہوگا۔ اور اگر بعد ہمبستری رجوع ہو تو ضمان لازم نہ آئیگا اور اگر دو شاہد شہادت دیں کہ وہ اپنے غلام کو آزادی سے ہمکنار کرچکا اور پھر شہادت سے رجوع
بقصاص ثم رجعا بعد القتل ضمنا الدیۃ ولم یقتص منهما۔
کرلیں تو اسکی قیمت کا ضمان لازم ہوگا اور اگر دو شاہد قصاص کی شہادت کے بعد، بعد قتل اس سے رجوع کرلیں تو ان پر دیت کا ضمان واجب ہوگا اور شاہدوں سے قصاص نہیں لیں گے۔

تشریح وتوضیح

واذا شهد شاهدان الخ۔ اور اگر دو گواہ مال کے بارے میں شہادت دیں اور قاضی انکی شہادت کے موافق شہادت دیئے گئے شخص پر مال واجب کردے اور اس کے بعد وہ شہادت سے رجوع کرلیں تو اس صورت میں مشہود علیہ کے ادا کردہ مال کا ضمان ان شاہدوں پر واجب ہوگا۔ اور اگر ایسا ہو کہ دونوں شاہد تو رجوع نہ کریں مگر ان میں سے محض ایک شاہد رجوع کرے تو اس صورت میں آدھے مال کا ضمان واجب ہوگا اور اگر مال کے شاہد دو نہ ہوں بلکہ تین ہوں اور پھر ان میں سے ایک شاہد رجوع کرلے تو اس رجوع کنندہ پر کوئی ضمان واجب نہ ہوگا۔ اسواسطے کہ باقی ماندہ دو شہادتوں کی بناء پر سارا حق برقرار ہے۔ پھر اگر باقی ماندہ دو شاہدوں میں سے بھی ایک رجوع کرلے

تو اس صورت میں ان دونوں رجوع کرنیوالے شاہدوں پر آدھے مال کا ضمان واجب ہوگا۔ اسواسطے کہ ایک گواہ کے برقرار رہنے پر آدھا مال برقرار رہ گیا۔ پس شہادت سے رجوع کرنیوالے شاہدوں پر آدھے مال کا ضمان واجب ہوگا۔

وان شھد رجل وعشرۃ نسوۃ الخ۔ اگر ایسا ہو کہ ایک مرد اور دس عورتیں شہادت دیں اور پھر ان میں سے آٹھ عورتیں شہادت سے رجوع کرلیں تو ان کے رجوع سے ان پر کوئی ضمان لازم نہ ہوگا۔ اس واسطے کہ ایک اور دو عورتیں شاہد باقی ہیں اور یہ شہادت اپنی جگہ مکمل ہے البتہ اگر ان دو عورتوں میں سے ایک اور رجوع کرلے تو ان تمام عورتوں پر حق کے چوتھائی کا ضمان واجب ہوگا۔ اس لئے کہ ایک مرد اور ایک عورت کے شاہد برقرار رہنے پر واجب حق کے کل تین چوتھائی برقرار رہے اور سارے ہی شاہد شہادت سے رجوع کرلیں تو اس صورت میں حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ مرد کے اوپر کل مال کے چھٹے حصہ کا ضمان لازم ہوگا اور باقی ماندہ پانچ سُدس کا وجوب ان عورتوں پر ہوگا۔ حضرت امام ابویوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ آدھے مال کا ضمان مرد پر واجب ہوگا۔ اور آدھے کا وجوب عورتوں پر ہوگا اسواسطے کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر قرار دیجاتی ہے اور ایک مرد کی گواہی سے آدھے مال کا ثبوت ہوا تو باقی آدھے کا ثبوت ان عورتوں کی گواہی سے ہوگا۔ پس ضمان بھی آدھا آدھا واجب ہوگا۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دو عورتوں کے ایک مرد کے برابر ہونے پر دس عورتوں کو پانچ مردوں کے برابر قرار دیا جائے گا۔

وان شھد شاھدان علی امرأۃ بالنکاح الخ۔ اگر کوئی شخص اس کا مدعی ہو کہ اس نے فلاں عورت کے ساتھ نکاح کیا ہے۔ اور اس پر گواہ پیش کردے اور عورت انکار کرتی ہو اور قاضی گواہوں کی گواہی کے باعث فیصلۂ نکاح کردے۔ اس کے بعد شاہد شہادت سے رجوع کرلیں تو اس صورت میں ان پر ضمان واجب نہ ہوگا چاہے مقرر کردہ مہر مہر مثل کی مقدار تک پہنچا ہو یا نہ پہنچا ہو یا اس کی مقدار مہر مثل سے کم ہو یا زیادہ۔ وجہ یہ ہے کہ شاہدوں نے نکاح کی گواہی کے ذریعہ منافع بضع کا اتلاف کیا۔ اور منافع بضع کا جہاں تک تعلق ہے انھیں عندالایضاع متقوم قرار نہیں دیا جاتا اور ضمان کا تقاضہ یہ ہے کہ مماثلت ہو اور بضع و مال کا جہاں تک معاملہ ہے ان کے درمیان کسی طرح کی مماثلت نہیں۔ اور اگر کوئی عورت کسی مرد پر دعویٰ نکاح کرے اور پھر ذکر کردہ شکل واقع ہو تو اس صورت میں اگر مقرر کردہ مہر بقدر مہر مثل ہو یا مہر کی مقدار مہر مثل سے کم رہی ہو تب بھی گواہوں پر ضمان واجب نہ ہوگا۔ اسلئے کہ عوض کے مقابلہ میں اس اتلاف کا وقوع ہوا۔ اور مقرر کردہ مہر مہر مثل سے زیادہ ہونیکی شکل میں جسقدر اضافہ ہو۔ اس کا ضمان لازم ہوگا اسلئے کہ گواہوں نے خاوند پر جو زائد مقدار واجب کی تھی اسے عوض کے بغیر ضائع کردیا۔

وان شھد ابقصاص ثم رجعا الخ۔ اگر شاہد یہ شہادت دیں کہ مثلاً راشد نے ساجد کو قصداً مار ڈالا اور انکی گواہی کی بنا پر راشد کو بطور قصاص مار ڈالنے کا حکم کردے۔ پھر راشد کے قتل ہو جانے کے بعد شاہد شہادت سے رجوع کرلیں تو ان پر بجائے قصاص کے دیت کا وجوب ہوگا۔

حضرت امام شافعیؒ اس صورت میں ان سے قصاص لینے کا حکم فرماتے ہیں اسلئے کہ وہ ہلاک کئے جانے کا سبب بن گئے تو سبب کے لحاظ سے ان سے گویا قتل کا صدور ہوا۔ اس کا جواب دیا گیا کہ ان گواہوں سے قتل کا نہ سبباً صدور ہوا اور نہ مباشرۃً۔ اسلئے کہ سبب اسے قرار دیا جاتا ہے جو غالب و اکثر کے لحاظ سے قتل تک پہنچانیوالا ہو اور اس جگہ اس طرح نہیں کیونکہ معاف کردینا مستحب ہے۔

وَاذَا رَجَعَ شهودُ الفرعِ ضَمِنُوا وَاِنْ رَجَعَ شهودُ الاصلِ وَقالُوا لَمْ نُشْهِدْ شهودَ الفرعِ على شهادتنا
اور اگر فرع کے گواہ رجوع کرلیں تو ضمان لازم ہوگا اور اگر اصل کے گواہ شہادت سے رجوع کرتے ہوئے کہتے ہوں کہ ہم نے اپنی گواہی پر فرع کے شاھد
فلاضمانَ عليهم وَاِنْ قالوا اَشهدْناهم وَغلطنا ضَمِنُوا وَاِنْ قالَ شهودُ الفرعِ كذبَ شهودُ الاصلِ
نہیں بنائے تو ان کے اوپر ضمان نہیں آئیگا اور اگر کہتے ہوں کہ ہم نے انھیں شاہد بنایا اور ہم سے یہ غلط ہوا تو ضمان آئیگا اور اگر فرع کے گواہ کہتے ہوں کہ اصل کے
اَوْ غلطوا فی شهادتهم لَمْ يُلتفتْ اِلىٰ ذٰلكَ وَاِذا شهدَ اربعةٌ بالزنا وَشاهدانِ بالاحصانِ
شاہدوں نے کذب بیانی کی یا ان سے شہادت میں غلطی ہوئی تو اس طرف توجہ نہیں کیجائیگی۔ اور جب چار شخص زنا کی شہادت دیں اور دو احصان کی شہادت دیں،
فَرجعَ شهودُ الاحصانِ لَمْ يَضمنُوا وَاِذا رجعَ المزكونَ عنِ التزكيةِ ضَمِنُوا وَاِذا اَشهدَ شاهدانِ
پھر احصان کے شاہد رجوع کرلیں تو ان پر ضمان نہیں آئیگا اور اگر تزکیہ کرنیوالے رجوع عن التزکیہ کریں تو ان پر ضمان آئے گا اور اگر دو شاہد حلف کی شہادت
باليمينِ وَشاهدانِ بوجودِ الشرطِ ثمَّ رَجعُوا فالضمانُ على شهودِ اليمينِ خاصةً۔
دیں اور دو وجودِ شرط کی پھر سارے رجوع کرلیں تو خاص طور سے حلف کے شاہدوں پر ضمان آئے گا

تشریح وتوضیح

وَاِذا رَجعَ شهودُ الفرعِ الخ۔ اگر ایسا ہو کہ فرع کے گواہوں نے اپنی گواہی سے رجوع کرلیا ہو تو ان پر ضمان لازم آئے گا۔ اسواسطے کہ مجلس قضاء میں گواہی کا صدور ان سے ہی ہوا ہے، اصول سے نہیں ہوا اور قاضی کے حکم کا مدار انھیں گواہوں کی گواہی پر ہے۔ بس اتلاف کی اضافت بھی انکی جانب ہوگی۔

وَاِنْ رَجعَ شهودُ الاصلِ وَقالُوا لَمْ نُشْهِدْ الخ۔ اور اگر ایسا ہو کہ اصل شاہد شہادت سے رجوع کرتے ہوئے یہ کہتے ہوں کہ ہم نے اپنی گواہی پر فرع کے گواہ نہیں بنائے تو اس صورت میں اصل گواہوں پر ضمان نہیں آئے گا اسلئے کہ اتلاف ان گواہوں کیجانب نہیں ہوا۔ علاوہ ازیں فرع کے گواہوں پر بھی ضمان نہیں آئے گا اس لئے کہ وہ رجوع عن الشہادۃ کے مرتکب نہیں ہوئے۔ اور اگر اصل شاہد فرع کے شاھدوں کے بارمیں اس اعتراف کے ساتھ کہ انھوں نے ان کو شاہد بنایا یہ کہتے ہوں کہ ہم لوگوں سے غلطی ہوگئی تو ان پر ضمان لازم آئیگا۔ امام محمدؒ اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں مشہود علیہ کو یہ حق ہوگا کہ خواہ ضمان اصل شاہدوں سے وصول کرے یا فرع سے۔

وَاِذا شهدَ اربعةٌ بالزنا الخ۔ اگر زنا کے چار شاہدوں میں سے دو شہادتِ زنا دیں اور دوسرے دو شاہد اس کی شہادت دیں کہ زانی محصن ہے۔ اس کے بعد احصان کی گواہی دینے والے اس سے رجوع کرلیں تو ان پر ضمان لازم نہ ہوگا۔ اس لئے کہ محصن ہونا رجم وسنگساری کا سبب نہیں بلکہ رجم کا سبب ارتکابِ زنا ہے۔

واذا رجع المزكون عن التزكية الخ۔ اور اگر گواہوں کو عادل قرار دینے والے رجوع عن التعدیل کرلیں تو حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ان پر ضمان لازم ہوگا اور امام ابویوسفؒ وامام محمدؒ ضمان لازم نہ ہونیکا حکم فرماتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ تو محض گواہوں کی خوبی ذکر کررہے ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حکم کی اضافت بجانب گواہ ہے اور بغیر عادل ہوئے گواہی حجت نہیں ہوا کرتی۔ اور عدالت کا ثبوت تزکیہ کے بغیر نہیں ہوتا تو تزکیہ کرنیوالے کے تزکیہ کو برائے حکم علۃ العلۃ قرار دیا جائیگا بس مزکی پر ضمان آئے گا۔

وَاِذا شهد شاهدان بالیمین الخ. اگر دو شاہد یہ شہادت دیں کہ فلاں شخص نے اپنی زوجہ پر وقوعِ طلاق کی تعلیق گھر داخل ہونے پر کی ہے۔ اس کے بعد دوسرے دو گواہ شرط کے پائے جانے کی شہادت دیں اور قاضی اس کے مطابق حکم کردے پھر گواہ رجوع کرلیں تو خصوصیت کے ساتھ حلف کے گواہ ضامن ہوں گے۔ وجودِ شرط کے گواہوں پر ضمان نہیں آئے گا۔ اس واسطے کہ حلف کے شاہد دراصل حکم کی علت کے شاہد ہیں اور اس اتلاف کی اضافت علت کی جانب ہوگی۔

کتابُ اَدابِ القاضی

قاضی کے آداب کا بیان

لَاتَصِحُّ وِلَايَةُ القَاضِی حَتّٰی یَجْتَمِعَ فِی المُوَلّٰی شَرَائِطُ الشَّهَادَةِ وَیَکُوْنُ مِنْ اَهْلِ الاجْتِهَادِ وَلَا

قاضی بننا اس وقت تک درست نہیں جب تک وہ شرائطِ شہادت کا حامل اور مجتہدین میں سے نہ ہو۔ اور اس کے قاضی

بَاْسَ بِالدُّخُولِ فِی القَضَاءِ لِمَنْ یَثِقُ بِنَفْسِهٖ اَنَّهٗ یُؤَدِّیْ فَرْضَهٗ وَیُکْرَهُ الدُّخُولُ فِیْهِ لِمَنْ یَخَافُ

بننے میں مضائقہ نہیں جس کو یہ بھروسہ ہو کہ وہ فرائضِ قضاء ادا کر سکے گا۔ اور اس کے واسطے قاضی بننا مکروہ ہے جسے فرائضِ قضاء کی عدمِ

الْعَجْزَ عَنْهُ وَلَایَاْمَنُ عَلٰی نَفْسِهِ الْحَیْفَ فِیْهِ وَلَایَنْبَغِیْ اَنْ یَطْلُبَ الوِلَایَةَ وَلَایَسْأَلُهَا۔

ادائیگی کا خطرہ ہو اور اس کا اطمینان نہ ہو کہ وہ بذاتِ خود ظلم نہ کرے گا۔ منصبِ قضاء خود درخواست اور طلب سے نامناسب ہے۔

تشریح و توضیح

ولا تصح ولایۃ القاضی الخ. اگر کوئی شخص مکمل شرائطِ شہادت کا حامل نہ ہو اور اس میں اس اعتبار سے کمی ہو تو وہ منصبِ قضا کے لائق اور قاضی بننے کے قابل نہیں۔ اور رہا قاضی کا مجتہد ہونا اور اجتہاد کی اہلیت، تو وہ مستحسن ہے مگر اس کا درجہ ضروری کا نہیں کہ غیر مجتہد قاضی ہی نہ بن سکے۔ ظاہر الروایت کے مطابق یہی حکم ہے اور اسی کو درست قرار دیا گیا۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اجتہاد کے اہل ہونے کو اس کے جائز ہونے کی شرط قرار دیتے ہیں۔ علامہ قدوریؒ کی کتاب میں ذکر کردہ عبارت سے بھی یہی واضح ہو رہا ہے۔ علاوہ ازیں حضرت امام محمدؒ اپنی معروف کتاب "اصل" میں فرماتے ہیں کہ مقلد کا منصبِ قضاء پر فائز ہونا درست نہیں۔ مگر درست و راجح پہلا قول ہے کہ قاضی کا مجتہد ہونا مستحب ہے ضروری نہیں ہے۔

ولا بأس بالدخول فی القضاء الخ. ایسا شخص جسے خود پر یہ بھروسہ ہو کہ وہ منصبِ قضاء کے فرائض بحسن و خوبی انجام دینے کی اہلیت رکھتا ہے اور اس سے اس میں کوئی کوتاہی نہ ہوگی تو اسے اس منصب کا قبول کرنا درست ہے۔ اور اگر اس کے علاوہ کوئی اور شخص اس عظیم منصب کا اہل موجود نہ ہو تو اس صورت میں قبول کرنا فرض ہو جائے گا اور دوسرا موجود ہونے کی صورت میں اس کا درجہ فرضِ کفایہ کا رہ جائے گا۔ اور اگر اسے یہ قوی خطرہ ہو کہ وہ انصاف سے کام نہ لے سکے گا اور ظلم پر اتر آئیگا تو پھر قبول مکروہ تحریمی ہوگا۔ اور غالب گمان ہونے کی صورت میں منصبِ قضاء قبول کرنا حرام ہوگا اور اگر اس طرح کا کوئی خطرہ نہ ہو اور خود پر پورا

اعتماد ہو کہ انصاف کے تقاضے حتی الامکان پورے کریگا تو یہ منصب قبول کرنا درست ہے۔

ولا ینبغی ان یطلب الولایۃ الخ. یہ کسی طرح موزوں نہیں کہ خود اس عظیم منصب یعنی منصب قضاء کا طلبگار ہو۔ خود طلب کرنے اور اس کی خواہش سے حدیث شریف میں منع فرمایا گیا ہے کہ از خود طلب کرنے پر اللہ تعالیٰ کیطرف سے اسے خیر کی توفیق نہیں ہوتی اور اسے اس کی ذات کے حوالہ کر دیا جاتا ہے۔ اس طرح از خود طلب منصب کی نحوست ظاہر ہوتی ہے اور اگر بغیر طلب اصرار کے ساتھ منصب قضاء سپرد کیا جاتا ہے تو منجانب اللہ اس کی مدد ہوتی ہے اور توفیق خیر کا ظہور اس طرح ہوتا ہے کہ اس کے لئے فرشتہ کا نزول ہوتا ہے جو اسے راہ مستقیم پر قائم رکھتا ہے اور اس کے قدم صراط مستقیم سے ہٹنے نہیں پاتے۔ یہ بغیر مانگے ملنے کا اثر خیر ہوتا ہے۔

وَمَنْ قُلِّدَ القضاءَ سُلِّمَ دِیْوَانُ القاضی الَّذِیْ کَانَ قبلَہٗ وَیَنْظُرُ فِی حَالِ المَحْبُوْسِیْنَ فَمَنِ
اور منصب قضاء قبول کرنیوالے کو سابق قاضی کا رجسٹر سپرد کیا جائے اور وہ قیدیوں کے حالات کا جائزہ لے۔ پھر ان میں سے اقرار
اعْتَرَفَ منھم بِحَقٍّ اَلْزَمَہٗ ایَّاہٗ وَمَنْ اَنْکَرَ لَمْ یقبلْ قولَ المَعْزُوْلِ علیہ اِلَّا بِبَیِّنَۃٍ فَاِنْ لَمْ تَقُمْ
حق کرنیوالے پر اسے واجب قرار دے اور جو منکر ہو تو معزول شدہ قاضی کو بغیر بینہ تسلیم نہ کرے۔ اور بینہ موجود نہ ہونے پر
بَیِّنَۃٌ لَمْ یُعَجِّلْ بتخلیتِہٖ حَتّٰی یُنَادِیَ علیہِ وَیَسْتَظْھِرُ فی اَمْرِہٖ وَیَنْظُرُ فِی الوَدَائِعِ وَارْتِفَاعِ الوُقُوْفِ
رہائی میں جلدی نہ کرے حتیٰ کہ اس کے بارے میں منادی کروا کر اسکے بارہیں ظہور امر کا منتظر رہے اور امانتوں اور آمدنی اوقاف کا جائزہ لے
فیعمَلُ علٰی حسبِ مَاتقومُ بِہٖ البیِّنَۃُ اَوْ یَعْتَرِفُ بِہٖ مَنْ ھُوَ فِی یَدِہٖ وَلَا یقبلُ قولَ المَعْزُوْلِ اِلَّا
پھر جو بینہ سے ثابت ہوتا ہو اس پر عمل پیرا ہو یا یہ کہ قابض شخص خود اس شے کا اقرار کرے۔ اور معزول شدہ قاضی کے قول کو قبول نہ کرے الّا
اَنْ یَعْتَرِفَ الَّذِیْ ھُوَ فِی یَدِہٖ اَنَّ المَعْزُوْلَ سَلَّمَھَا اِلَیْہِ فیقبلُ قولَہٗ فیھَا وَیَجْلِسُ لِلْحُکْمِ جُلُوْسًا
یہ کہ قابض شخص خود معترف ہو کہ معزول شدہ قاضی نے یہ چیز اس کے سپرد کی ہے تو اس بارے میں اسکے قول کو تسلیم کرے اور فیصلہ کیو سطے
ظَاھِرًا فی المَسْجِدِ وَلَا یقبلُ ھَدِیَّۃً اِلَّا مِنْ ذِیْ رَحِمٍ مَحْرَمٍ منہُ اَوْ مِمَّنْ جَرَتْ عَادَتُہٗ قَبْلَ
مسجد میں اجلاس عام کرے اور سوائے ذی رحم محرم یا اس شخص کے جو اسکے قاضی ہونے سے قبل ہدیہ کا عادی ہو کسی کے ہدیہ کو قبول نہ کرے
القضاءِ بِمُھَادَاتِہٖ وَلَا یحضُرُ دَعْوَۃً اِلَّا اَنْ تکونَ عَامَّۃً وَیَشْھَدُ الجَنَائِزَ وَیَعُوْدُ المَرْضٰی وَلَا
اور دعوت عامہ کے علاوہ کسی کی دعوت پر نہ جائے۔ اور جنازہ میں حاضر ہو اور مریضوں کی عیادت کرے اور خصمین میں سے
یضیفُ احدَ الخَصْمَیْنِ دُوْنَ خَصْمِہٖ فَاِذَا حضرَا سَوّٰی بینھُمَا فِی الجُلُوْسِ وَالاِقْبَالِ وَلَا یُسَارُّ اَحَدَھُمَا
محض ایک کی ضیافت نہ کرے اور ان کے آنے پر ان کے بیٹھنے اور التفات میں مساوات کرے اور دونوں میں سے کسی ایک کیساتھ
وَلَا یُشِیْرُ اِلَیْہِ وَلَا یُلَقِّنُہٗ حُجَّۃً فَاِذَا ثبتَ الحَقُّ عندَہٗ وَطَلَبَ صَاحِبُ الحَقِّ حَبْسَ غَرِیْمِہٖ لَمْ یُعَجِّلْ
نہ سرگوشی سے کام لے اور نہ اسکی جانب اشارہ کرے اور نہ کسی دلیل کی تلقین کرے پھر اس کے پاس ثبوت حق ہو جانے اور صاحب حق کے اس مطالبہ
بِحَبْسِہٖ وَاَمَرَہٗ بِدَفْعِ مَا عَلَیْہِ فَاِنِ امْتَنَعَ حبسَہٗ فِی کُلِّ دَیْنٍ لَزِمَہٗ بدلًا عَنْ مَالٍ حَصَلَ فِی
پر کہ مقروض قید میں ڈالدیا جائے اسکی قید میں عجلت نہ کرے بلکہ اس کو اس پر واجب کی ادائیگی کا امر کرے پھر وہ ادا نہ کرے تو اس طرح کے قرض کے اندر

یدیه کثمن المبیع وبدل القرض او التزمه بعقد کالمهر والکفالة ولا یحبسه فیما سوٰی ذٰلک اذا
قید میں ڈال دے جس کا لزوم اس طرح کے مال کے عوض ہو جو اسے حاصل ہو چکا ہو مثلاً قیمت بیع اور بدل قرض یا اس کا لزوم بواسطۂ عقد ہوا ہو مثلاً مہر اور کفالت

قال انی فقیر الا ان یثبت غریمه ان له مالا ویحبسه شهرین او ثلثة ثم یسأل عنه فان لم
اور اس کے سوا میں اسے قید نہیں کیا جائیگا جبکہ وہ یہ کہتا ہو کہ میں مفلس ہوں الا یہ کہ قرض خواہ مقروض کے پاس مال ہونیکا ثبوت پیش کردے اور اسے دو یا تین مہینے

یظهر له مال خلی سبیله ولا یحول بینه وبین غرمائه ویحبس الرجل فی نفقة زوجته ولا
قید میں ڈالے رکھے پھر اس کے پاس مال کی جستجو کرے۔ اسکے پاس مال نہ ہونا عیاں ہونے پر اسے چھوڑ دے اور اسکے اور اس کے قرض خواہوں کے بیچ رکاوٹ نہ

یحبس والد فی دین ولده الا اذا امتنع من الانفاق علیه ویجوز قضاء المرأة فی کل شیء
بنے۔ اور آدمی کو نفقۂ زوجہ کی خاطر قید میں ڈالا جائے اور والد کو لڑکے کے قرض کی خاطر قید میں نہ ڈالا جائے الا یہ کہ وہ اس پر خرچ ہی نہ کرے اور بجز حدود وقصاص

الا فی الحدود والقصاص۔
کے ہر چیز میں عورت کا قاضی بن جانا درست ہے۔

تشریح وتوضیح

ومن قلد القضاء سلم الیه الخ۔ وہ شخص جسے منصب قضاء کے عظیم عہدہ پر فائز کیا جائے اور اسے قضاء کی ذمہ داری سپرد کی جائے اسے اول سابق قاضی کا رجسٹر حوالہ کرنا چاہئے تاکہ وہ احکام اور دستاویزات کا جائزہ لے۔ اور جائزہ لینے کے بعد مختلف جرائم میں ماخوذ قیدیوں کے بارے میں پوری تحقیق کرے، ان کے حالات سے آگاہی حاصل کرے۔ پھر جو قیدی ایسا ہو کہ وہ کسی کے اپنے اوپر واجب حق کا اعتراف کرتا ہو اسے اس پر واجب کردے۔ اور انکار کی صورت میں معزول قاضی کے قول کو (بھی) بغیر بینہ وثبوت کے تسلیم نہ کرے۔ اگر وہ بینہ وثبوت پیش کرنے سے عاجز ہو تو پھر اس کے رہا کرنے میں جلد بازی سے ہرگز کام نہ لے بلکہ یہ منادی کرادے کہ اس قیدی کے اوپر کسی کا واجب حق ہو تو قاضی کے یہاں درخواست گذارے تاکہ اسے بعد ثبوت حق دلوایا جاسکے۔ اور اس طرح اس کے معاملہ میں پوری احتیاط سے کام لے۔

وینظر فی الودائع وارتفاع الوقوف الخ۔ قاضی کو چاہئے کہ امانت کے مالوں اور وقف کے محصولات میں پوری احتیاط سے کام لیتے ہوئے اس وقت عمل پیرا ہو جبکہ معتبر شہادت مل جائے یا قابض خود اعتراف کرے اور معزول شدہ سابق قاضی کے کہنے پر عمل پیرا نہ ہو اس لئے کہ اب اس کی حیثیت بھی رعایا کے ایک فرد کی سی ہوگئی۔ البتہ اگر قابض یہ اعتراف کرے کہ معزول شدہ قاضی نے ہی اسے امانتیں اور محصولات اوقاف حوالہ کئے تھے تو الگ بات ہے اور اس سلسلہ میں معزول شدہ قاضی کا قول قابل قبول ہوگا۔ اسلئے کہ قبضہ کنندہ کے اقرار سے معزول شدہ قاضی کا قابض ہونا ثابت ہوگیا۔

ویجلس للحکم جلوسًا ظاهرًا الخ۔ قاضی کو چاہئے کہ فیصلہ کی خاطر مسجد میں بیٹھا کرے یا وہ اپنے مکان میں بیٹھ کر لوگوں کے حاضر ہونیکا اذن عام دے۔ حضرت امام شافعیؒ فیصلہ کی خاطر مسجد میں بیٹھنے کو باعث کراہت قرار دیتے ہیں۔ اس لئے کہ طلب فیصلہ کی خاطر مشرک بھی حاضر ہوگا جسے قرآن کریم میں نجس فرمایا گیا اور اسی طرح حائضہ عورت بھی حاضر ہوگی جس کا مسجد میں آنا درست نہیں۔

احنافؒ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اپنی جائے اعتکاف میں اور اسی طرح خلفاء راشدین رضوان علیہم اجمعین

وغیرہ مقدمات کے فیصلہ کی خاطر مسجد میں بیٹھا کرتے تھے۔ اور رہا آیتِ کریمہ" انما المشرکون نجسٌ " سے استدلال تو وہ یوں درست نہیں کہ وہاں نجاست سے نجاستِ اعتقادی مقصود ہے، ظاہری نہیں۔ رہی حائضہ تو وہ اپنے اس عذر سے مطلع کردیگی۔ اور قاضی اس کے واسطے بابِ مسجد تک آئے گا۔

ولا یقبل ھدیۃ الا من ذی رحم محرم منہ الخ۔ اگر کوئی شخص قاضی کو ہدیۃً کچھ پیش کرے تو اسے چاہئے کہ قبول نہ کرے اور صاف طور سے انکار کردے۔ البتہ اگر یہ دینے والا اس کا کوئی ذی رحم محرم اور ایسا قریبی رشتہ دار ہو کہ جس کے متعلق ہدیہ سے کسی حصولِ منفعت اور رشوت کا گمان نہیں کیا جاسکتا تو اس سے لینے میں حرج نہیں۔ اسی طرح اگر ایسا شخص ہدیۃً قاضی بننے کے بعد کچھ پیش کردے جو اس کے قاضی بننے سے قبل بھی ہدیۃً دیتا رہا تھا تو اس کا ہدیہ بھی قبول کرنے میں حرج نہیں اور مخصوص دعوت میں بھی شرکت سے احتراز کرے۔ مخصوص دعوت کا مطلب یہ ہے کہ اس کا قاضی کی ذات سے خاص تعلق ہو اور اس کی علامت یہ ہے کہ اگر دعوت کرنیوالے کو قاضی کے نہ آنیکا پتہ چل جائے تو وہ سرے سے دعوت سے ہی احتراز کرے۔ البتہ عام دعوتوں میں قاضی کا شریک ہونا درست ہے۔ اسی طریقہ سے وہ جنازہ میں بھی حاضر ہو اور مریضوں کی عیادت بھی کرے۔

ولا یضیف احد الخصمین دون خصمہ الخ۔ قاضی کیواسطے اس کا بھی خیال ضروری ہے کہ دو نزاع کرنیوالوں میں سے صرف ایک کی ضیافت نہ کرے کہ اس سے ایک کا دوسرے پر امتیاز ظاہر ہوگا۔ نیز ان کے اجلاس میں آنے پر انکی نشست میں بھی مساوات ہو۔ اسی طرح دونوں کی جانب التفات میں بھی مساوات رکھے۔ اور دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ نہ سرگوشی سے کام لے اور نہ کسی طرح کا اشارہ کرے اور نہ کسی حجت و دلیل کی تلقین ہی کرے۔ حدیث شریف سے دونوں کے درمیان مساوات کا حکم معلوم ہوتا ہے۔ ایک قول کے مطابق حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک اگر ایسا ہو کہ گواہ پر ہیبت کا غلبہ ہوگیا ہو اور اس کے باعث وہ گواہی کی شرطوں کی بخوبی ادائیگی نہ کررہا ہو اور یہ ہیبت حارج بن رہی ہو تو محلِ تہمت نہ بننے کی شرط اور اس کی رعایت کے ساتھ اس کی مدد میں حرج نہیں۔ اسلئے کہ ایسے وقت تلقین نہ کرنیکی صورت میں حق کا ضیاع لازم آئے گا اور حق ضائع ہونے سے بچانا چاہئے۔ صاحب قنیہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ معاملاتِ قضاء میں حضرت امام ابو یوسفؒ کا قول مفتیٰ بہ قرار دیا جاتا ہے۔ اسلئے کہ قضاء میں حضرت امام ابو یوسفؒ کا تجربہ وسیع ہے۔

فاذا ثبت الحق عندہٗ الخ۔ اور اگر حق ثابت ہوجائے تو اس صورت میں قاضی مدعا علیہ کو قید میں ڈالنے میں عجلت سے کام نہ لے بلکہ اول وہ اسے یہ حکم کرے کہ صاحب حق مدعی کے حق کی ادائیگی کردے۔ اگر وہ اس کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ادائیگی سے انکار کرے درانحالیکہ دعویٰ کرنیوالے کا حق اس طرح کا دَین ہو جو کہ عوضِ مال ہو یا اس کا لزوم کسی عقد کے واسطہ سے ہوا ہو مثلاً بیع کی قیمت اور بدلِ قرض و مہر و کفالت تو قاضی مدعیٰ علیہ کو محبوس کردے۔

ولا یحبسہ فیما سوی ذٰلک الخ۔ اور اگر دعوی کرنیوالے کا حق ان ذکر کردہ چار چیزوں کے سوا ہو مثلاً تاوانِ جنایت اور بیوی کا نفقہ وغیرہ اور دعویٰ کیا گیا شخص یہ کہتا ہو کہ وہ محتاج و مفلس ہے اور وہ اس کی ادائیگی پر قادر نہیں تو اس صورت میں قاضی اسے قید میں ڈالنے سے احتراز کرے۔ اسلئے کہ ہر ایک کے حق میں مفلسی کی حیثیت اصل کی ہے کہ ہر ایک بوقتِ پیدائش مال لیکر نہیں آتا اور دعویٰ کرنیوالے کا دعویٰ امرِ عارض مالداری سے متعلق ہے تو اس کے اس دعوے کو گواہی کے بغیر قابل

قبول قرار نہ دیا جائے گا۔ البتہ اگر دعویٰ کرنیوالا اس کے مالدار ہونیکا ثبوت پیش کر دے تو اس صورت میں دو یا تین مہینے جتنی مدت تک اس کی نظر میں محبوس رکھنا مناسب ہو قید میں ڈالے رکھے اور اس درمیان ان لوگوں سے اس کے بارے میں معلومات کرے کہ واقعی یہ اپنے پاس کچھ مال رکھتا ہے یا نہیں۔ پس اگر مدعی کا دعویٰ درست ثابت نہ ہو اور اس کا مالدار ہونا کسی طرح نہ عیاں ہو تو اسے رہائی عطا کرے اسلئے کہ اب افلاس دور ہونے اور صاحب مال ہونے تک اس کا استحقاق ہوگیا کہ مہلت دی جائے۔

وَلایحول بَینہ وبینَ غرمائہ الخ۔ اگر قرض خواہ مقروض کا پیچھا نہ چھوڑیں اور اس کا تعاقب کرتے رہنا چاہتے ہوں تو حضرت امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ قاضی انھیں اس سے نہ روکے اسواسطے کہ اس مفلس کو افلاس دور ہونے اور حق کی ادائیگی پر قادر ہونے تک مہلت دی گئی اور ہر وقت اس کا امکان ہے کہ وہ اس پر قادر ہو جائے اس واسطے تعاقب میں رہیں تاکہ وہ مال کو کسی جگہ پوشیدہ نہ کردے۔ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ اس سے متفق نہیں۔

ویحبس الرجلُ فی نفقۃ زوجتہٖ الخ۔ اگر خاوند زوجہ کے نفقہ کی ادائیگی نہ کرے تو اسے اس کی خاطر قید میں ڈال دیا جائے گا کیونکہ وہ عدم ادائیگی نفقہ کی بنا پر جو کہ شرعاً اس پر واجب ہے ظالم قرار پاتا ہے اور ظلم کا عوض یہ ہے کہ قید میں ڈال دیا جائے البتہ اگر اولاد کا قرض والد پر ہو تو اسے قید میں نہیں ڈالا جائے گا۔ اس لئے کہ قید ایک طرح کی سزا ہے اور قرآن کریم کی صراحت کے مطابق ماں باپ کو اُف کہنے یعنی ادنیٰ درجہ کی ایذا رسانی کی بھی اجازت نہیں تو انھیں اس کی وجہ سے قید کی سزا کیسے دی جاسکتی ہے۔ البتہ اگر والد انفاق علی الاولاد نہ کرے جبکہ اولاد نابالغ اور مفلس ہو تو اس کی وجہ سے اسے قید میں ڈال دیا جائے گا اس واسطے کہ اس صورت میں ان کے ہلاک و تلف ہو جانے کا خطرہ ہے اور اس سے ان کو بچانا ضروری ہے۔

ویجوز قضاءُ المرأۃِ الخ۔ فرماتے ہیں کہ حدود اور قصاص کو مستثنیٰ کرکے کہ ان میں تو عورت قاضی نہیں ہو سکتی باقی دوسرے حقوق میں اس کا قاضی بننا درست ہے۔ اسواسطے کہ اس میں بہرحال گواہی کی اہلیت موجود ہے اور اس سے قبل یہ بات ذکر کی جاچکی کہ جس میں گواہی کی اہلیت ہو وہ قاضی بننے کا بھی اہل ہوتا ہے۔ البتہ حدیث شریف کی رو سے عورت کو قاضی بنانا پسندیدہ نہیں اور اسے منصبِ قضاء سپرد کرنیوالا گنہگار شمار ہوگا۔

وَیُقبَلُ کِتابُ القاضی اِلی القاضی فِی الحقوقِ اذا شھدَ بہٖ عندَہٗ فان شھدُوا علٰی خصمٍ حاضرٍ

اور سارے حقوق میں کتاب القاضی الی القاضی قابل قبول ہے جبکہ اس کے سامنے خط کی شہادت دے۔ لہٰذا اگر مدعا علیہ کی موجودگی میں شہادت

حُکِمَ بالشھادۃِ وکتبَ بحکمہٖ وَان شھدُوا بغیرِ حضرۃِ خصمہٖ لَمْ یُحکم وکتبَ بالشھادۃِ لیحکمَ بھا

دیں تو قاضی شہادت پر فیصلہ کرے۔ اور اپنا حکم تحریر کردے اور اگر مدعا علیہ کی عدم موجودگی میں شہادت دیں تو فیصلہ کئے بغیر شہادت تحریر کردے تاکہ

المکتوبُ الیہِ وَلایقبلُ الکتابُ اِلابشھادۃِ رَجُلَینِ اَوْ رَجُلٍ وامرأتَینِ وَیجبُ اَنْ یَقرَأَ

قاضی مکتوب الیہ اس پر فیصلہ کرے اور خط دو مردوں یا ایک اور دو عورتوں کی شہادت کے بغیر قابل قبول نہ ہوگا۔ اور خط شاہدوں کے سامنے پڑھنا

الکتابَ علیھم لیعرفوا مافیہِ ثمّ یختمہٗ وَیسلمہٗ الیھم وَاذا وَصَلَ اِلی القاضی لَمْ یقبلْہُ اِلابحضرۃِ

واجب ہے تاکہ وہ اس کے مضمون سے آگاہ ہو جائیں۔ اسکے مہر لگائے اور انھیں دیدے اور قاضی کے پاس یہ خط پہنچنے پر مدعا علیہ کے سامنے ہی

الخصمِ فاذا اسلمہُ الشہودُ الیہِ نظرَ الی ختمہٖ فاذا شہدوا انہٗ کتابُ فلانٍ القاضی سلمہٗ الینا
ہی اسے قبول کرے۔ اور شاہد یہ خط قاضی کے سپرد کردیں تو وہ اس کی مہر پر نظر ڈالے پھر شاہدوں کی اس شہادت کے بعد کہ فلاں قاضی نے اس خط کو
فِی مجلسِ حکمہٖ وقضائہٖ وقرأہٗ علینا وختمہٗ فتحہٗ القاضی وقرأہٗ علی الخصمِ والزمہٗ مافیہِ
ہمارے سپرد مجلس قضا میں کیا ہے اور ہماری موجودگی میں پڑھ کر اس پر اپنی مہر لگائی قاضی اسے کھول کر مدعا علیہ کی موجودگی میں پڑھے اور اس میں جو
ولا یقبلُ کتابُ القاضی الی القاضی فِی الحدودِ والقصاصِ ولیسَ للقاضی انْ یستخلفَ علی
لکھا ہو وہ مدعا علیہ پر واجب کردے۔ حدود اور قصاص میں کتاب القاضی الی القاضی قابل قبول نہیں۔ اور قاضی کو اپنا نائب قاضی بنانا درست نہیں
القضاءِ الّا انْ یفوضَ الیہِ ذٰلکَ واذا رفعَ الی القاضی حکمُ حاکمٍ امضاہُ الّا انْ یخالفَ الکتابَ
الّا یہ کہ اس کو یہ اختیار دیدیا گیا ہو اور کوئی حکم حاکم برائے فیصلہ قاضی کی خدمت میں پیش ہو تو اسے نافذ کردے الّا یہ کہ وہ حکم کتاب یا سنت
اوِ السنۃَ اوِ الاجماعَ اوْ یکونَ قولاً لادلیلَ علیہِ ولا یقضی القاضی علی الغائبِ الّا انْ یحضرَ مَنْ
یا اجماع کے خلاف ہو یا بلا دلیل قول ہو۔ اور قاضی کسی غیر موجود کے لئے کوئی فیصلہ نہ کرے الّا یہ کہ غائب کا
یقومُ مقامہٗ۔
کوئی نائب موجود ہو۔

لغت کی وضاحت :۔ خصم: مدعا علیہ۔ وصل: پہنچنا۔ حضرۃ: موجودگی۔ ختم: مہر۔

کتاب القاضی الی القاضی کا ذکر

تشریح و توضیح

ویقبل کتابُ القاضی الی القاضی فی الحقوقِ الخ۔ حقوق میں سے ہر ایسے حق میں ایک قاضی کو دوسرے قاضی کے پاس لکھنے کا حق ہے جن کا سقوط کسی شبہ کے باعث نہ ہوتا ہو۔ مثال کے طور پر نکاح، طلاق، وصیت اور قرض وغیرہ۔ حضرت امام محمدؒ سے اسی طرح منقول ہے۔ متأخرین فقہاء بھی اس پر عمل پیرا ہیں۔ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ یہی فرماتے ہیں اور مفتیٰ قول یہی ہے۔ شبہ کے باعث ساقط ہونیکی قید کی بنا پر اس سے حدود و قصاص نکل گئے کہ حدود و قصاص میں خط پر عمل پیرا ہونا درست نہیں۔ اسلئے کہ حدود و قصاص کا تعلق ان حقوق سے ہے جو شبہ کے باعث ختم ہو جایا کرتے ہیں۔

فان شہدوا علی خصمٍ حاضرٍ الخ۔ اگر گواہ موجود مدعا علیہ پر شہادت دیں تو قاضی شہادت کی بنیاد پر فیصلہ کرکے اسے تحریر کرلے تاکہ زیادہ مدت گذر جانے کے باعث یہ واقعہ فراموش نہ ہو اور مدعا علیہ کے موجود نہ ہونیکی شکل میں قاضی اس کے اوپر کوئی حکم نہ لگائے کہ یہ صورت قضاء علی الغائب کی ہوگی جو درست نہیں۔ بلکہ قاضی کو چاہئے کہ یہ شہادت اس قاضی کو لکھ کر بھیجدے جس کی ولایت میں مدعیٰ علیہ موجود ہو تاکہ جس قاضی کو تحریر کیا گیا وہ شہادت کے موافق حکم کردے۔ قاضی کی یہ تحریر اصطلاح میں "کتاب حکمی" کہلاتی ہے۔ پھر تحریر کرنیوالا قاضی یہ خط ان شاہدوں کے سامنے پڑھ دے جو اسکے

مکتوب دوسرے قاضی کے یہاں لیجا رہے ہوں اور اس کے بعد سربمہر کرکے ان کے سپرد کرے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام محمدؒ ان اشیار کو لازم قرار دیتے ہیں اور امام ابویوسفؒ کے اس قول کے مطابق جس کی جانب انھوں نے رجوع فرمایا یہ ہے کہ انھیں محض اسکا شاہد بنالینا کافی ہوگا کہ یہ مکتوب فلاں قاضی کا تحریر کردہ ہے۔ پھر یہ خط اُس قاضی کے پاس پہونچے جسے دوسرے قاضی نے لکھا تھا تو وہ اسے مدعا علیہ اور شاہدوں کی موجودگی میں ہی پڑھے اس لئے کہ یہ بمنزلہ ادائیگی شہادت کے ہے اس واسطے ان لوگوں کا موجود ہونا ناگزیر ہے۔ پھر شاہدوں کی اس شہادت کے بعد کہ فلاں قاضی کا مکتوب ہے اور وہ اسے ہمیں قضار کی مجلس میں دے چکا اور ہمیں پڑھ کر سنا چکا ہے اور اسے سربمہر کیا ہے۔ تو پھر جس قاضی کو تحریر کیا گیا وہ یہ مکتوب کھولے اور اسے مدعا علیہ کے روبرو پڑھے اور اس میں جو کچھ تحریر ہو اس کے مطابق مدعا علیہ پر واجب قرار دے۔

وَلَا یقبل کتاب القاضی الی القاضی فی الحدود والقصاص الخ۔ یعنی حدود اور قصاص کا جہاں تک تعلق ہے اس میں ایک قاضی کا خط دوسرے کے نام قابلِ قبول نہ ہوگا کہ یہ اُن حقوق کے زمرے میں ہیں جو شبہ کی بنار پر ساقط ہو جایا کرتے ہیں۔

ولیس للقاضی ان یستخلف علی القضاء الخ۔ قاضی کیواسطے یہ درست نہیں کہ وہ کسی اور شخص کو اپنا قائم مقام مقرر کرے البتہ اگر حاکم کی جانب سے اسے اسکا اختیار دیا گیا ہو چاہے یہ اجازت صریح طور پر اور وضاحت کے ساتھ ہو۔ مثال کے طور پر وہ یہ کہے کہ آپ کو اس کا حق ہے کہ جسے مناسب سمجھیں اپنا نائب مقرر کریں یا باعتبار دلالت اس کی اجازت ہو۔ مثلاً حاکم کہے کہ میں نے آپ کو قاضی القضاۃ بنایا۔ تو اس شکل میں یہ درست ہوگا کہ وہ جسے مناسب سمجھے اپنا قائم مقام اور نائب بنادے۔

واذا رفع علی القاضی حکم حاکم الخ۔ اگر قاضی کے پاس کسی اور قاضی کا فیصلہ پیش ہو اور پہلے قاضی کا فیصلہ ٹھیک کتاب اللہ، سنتِ رسول اللہ اور اجماع کے مطابق ہو تو دوسرا قاضی اس کا نفاذ کردے مگر شرط یہ ہے کہ وہ حکم ایسا ہو جس میں اجتہاد کیا گیا ہو۔ نیز ہر قول کی دلیل بیان کی گئی ہو اور اگر ایسا نہ ہو تو اس کا نفاذ نہ کرے۔

ولا یقضی القاضی علی الغائب الخ۔ احنافؒ کے نزدیک قضار علی الغائب درست نہیں اس سے قطع نظر کہ وہ غائب کے حق میں فائدہ مند ہو یا نقصان دہ۔ البتہ اگر کوئی غائب کا وہاں قائم مقام اور نائب موجود ہو تو اس کے ہوتے ہوئے قضار علی الغائب درست ہوگی۔ چاہے وہ قائم مقام حقیقی اعتبار سے ہو۔ مثال کے طور پر وہ اس شخص کا وصی یا وکیل ہو یا باعتبار حکم قائم مقام ہو۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ، اور امام احمدؒ کے نزدیک قضار علی الغائب درست ہے۔ انکا مستدل حدیث شریف کے الفاظ "البینۃ علی المدعی والیمین علیٰ من انکر" ہیں کہ اس میں رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے کسی طرح کی کوئی قید نہیں لگائی۔ تو اب اس میں مدعا علیہ کی حاضری کی شرط یہ بغیر کسی دلیل کے اضافہ ہوگا۔ احنافؒ کا مستدل ترمذی شریف وغیرہ میں مروی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا حضرت علیؓ کو قاضیٔ یمن بنا کر بھیجتے ہوئے یہ ارشاد ہے کہ تم خصمین میں سے ایک کیواسطے دوسرے کے کلام کو سننے سے فیصلہ مت کرنا۔ اس سے پتہ چلا کہ اگر دوسرے کے کلام کا پتہ نہ ہو تو یہ حکم میں رکاوٹ بنے گا۔ اور خصم یا اس کے قائم مقام کے حاضر نہ ہونے کی صورت میں اس کے کلام کا پتہ نہیں چل سکتا۔ پس اس کے موجود نہ ہونے کی شکل میں فیصلہ ممکن نہیں۔

وَاِذَا حَكَّمَ رَجُلَانِ رَجُلًا بَيْنَهُمَا وَرَضِيَا بِحُكْمِهٖ جَازَ اِذَا كَانَ بِصِفَةِ الْحَاكِمِ وَلَا يَجُوْزُ تَحْكِيْمُ
اور جب دو شخص کسی شخص کو اپنے درمیان حکم مقرر کرلیں اور اسکے فیصلہ پر رضامند ہوں تو درست ہے جبکہ یہ حکم بصفتِ حاکم ہو اور کافر اور غلام
الْكَافِرِ وَالْعَبْدِ وَالذِّمِّيِّ وَالْمَحْدُوْدِ فِي الْقَذْفِ وَالْفَاسِقِ وَالصَّبِيِّ وَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنَ الْمُحَكِّمَيْنِ
اور ذمی اور محدود فی القذف اور فاسق اور بچے کو حکم مقرر کرنا درست نہیں۔ اور حکم مقرر کرنیوالوں میں سے ہرایک کیواسطے
اَنْ يَرْجِعَ مَالَمْ يَحْكُمْ عَلَيْهِمَا فَاِذَا حَكَمَ عَلَيْهِمَا لَزِمَهُمَا وَاِذَا رُفِعَ حُكْمُهٗ اِلَى الْقَاضِي فَوَافَقَ مَذْهَبَهٗ
رجوع کرنا اس کے حکم نہ کرنے سے قبل درست ہے۔ اگر وہ ان کیلئے حکم کرچکا ہو تو وہ ان دونوں پر لازم شمار ہوگا اور اسکے حکم کو قاضی کے یہاں لانے پر
اَمْضَاهُ وَاِنْ خَالَفَهٗ اَبْطَلَهٗ وَلَا يَجُوْزُ التَّحْكِيْمُ فِي الْحُدُوْدِ وَالْقِصَاصِ وَاِنْ حَكَّمَاهُ فِي دَمِ
اگر اس کے مذہب کیمطابق ہو تو اسکا انفاذ کردے اور اسکے خلاف ہو تو کالعدم قرار دے۔ اور حدود و قصاص میں حکم مقرر کرنا درست نہ ہوگا اور اگر دم خطا
الْخَطَاءِ فَقَضَى الْحَاكِمُ عَلَى الْعَاقِلَةِ بِالدِّيَةِ لَمْ يَنْفُذْ حُكْمُهٗ وَيَجُوْزُ اَنْ يَسْمَعَ الْبَيِّنَةَ وَيَقْضِيَ
میں کسی کو حکم مقرر کرلیں اور وہ تاوان علی العاقلہ کا فیصلہ کرے تو اس کے فیصلہ کا نفاذ نہ ہوگا اور یہ درست ہے کہ حکم بیّنہ کی سماعت کرے اور انکار
بِالنُّكُوْلِ وَحُكْمُ الْحَاكِمِ لِاَبَوَيْهِ وَوَلَدِهٖ وَزَوْجَتِهٖ بَاطِلٌ۔
کی صورت میں فیصلہ کردے۔ اور حکم حاکم کا نفاذ اپنے ماں باپ اور اولاد اور زوجہ کیواسطے باطل شمار ہوگا۔

حکم مقرر کرنے کا ذکر

تشریح و توضیح

وَاِذَا حَكَّمَ رَجُلَانِ الخ۔ مدعی و مدعا علیہ کسی شخص کو اس کا حکم بنائیں کہ وہ ان میں کوئی فیصلہ کردے اور وہ حکم شہادت یا اقرار کرنے یا انکار کی بنیاد پر ان کے درمیان کوئی فیصلہ کردے تو اسے درست قرار دیا جائیگا۔ روایت میں آتا ہے کہ حضرت ابو شریح رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض گذار ہوئے کہ اے اللہ کے رسولؐ میری قوم کسی بات میں نزاع کیوقت میرے پاس آتی ہے اور میں ان کے درمیان فیصلہ کرتا ہوں اور دونوں فریق میرے فیصلہ پر رضامندی کا اظہار کرتے ہیں۔ آنحضورؐ نے ارشاد فرمایا یہ کس قدر اچھی بات ہے۔

اذا کان بصفۃ الحاکم الخ۔ حکم ایسا شخص مقرر کیا جائے جس میں قضاء کی اہلیت پوری طرح موجود ہو۔ یعنی حکم عاقل بالغ مسلم حُر، بینا اور کانوں سے سننے والا اور صاحب عدالت ہو۔ ان اوصاف سے اس کا متصف ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا حکم نہ کافر کو مقرر کرنا درست ہے نہ غلام، ذمی، فاسق، محدود فی القذف فاسق اور بچہ کو۔

ولا یجوز التحکیم فی الحدود والقصاص الخ۔ کسی کو حدود و قصاص میں حکم مقرر کرنا درست نہیں۔ اس میں ضابطۂ کلیہ دراصل یہ ہے کہ حکم بنانا ہر ایسی چیز میں درست ہے جس کے انجام دینے کا خصمین کو حق حاصل ہو اور بواسطۂ صلح یہ درست ہو جائے۔ اور جو بواسطۂ صلح درست نہ ہو سکے اس میں حکم مقرر کرنا بھی درست نہ ہوگا۔ لہٰذا مثال کے طور پر نکاح، طلاق، شفعہ اور اموال وغیرہ میں حکم مقرر کرنا درست ہے اور اس کے برعکس زنا کی حد، چوری کی حد، تہمت کی حد اور اسی طرح

تاوان علی العاقلہ اور قصاص میں کسی کو حکم مقرر کرنا درست نہیں۔
وان حکما ہ فی دم الخطاء الخ۔ اگر دعویٰ کنندہ اور مدعیٰ علیہ دونوں کسی شخص کو دم خطار کے اندر حکم مقرر کرلیں اور وہ حکم تاوان علی العاقلہ کا فیصلہ کردے تو اس کا یہ فیصلہ قابلِ نفاذ نہ ہوگا۔ اسلئے کہ عاقلہ کی جانب سے یہ حکم مقرر نہیں کیا گیا تو اس کا یہ فیصلہ ان پر اثر انداز بھی نہ ہوگا۔

کتاب القسمۃ

تقسیم کرنے کا بیان

ینبغی للامام ان ینصب قاسما یرزقہ من بیت المال لیقسم بین الناس بغیر اجر فان لم یفعل
امام کو ایک تقسیم کنندہ کا تقرر کرنا چاہئے جو بیت المال سے تنخواہ یاب ہو تاکہ وہ لوگوں میں کسی معاوضہ کے بغیر تقسیم کرے۔ اور اگر وہ ایسا نہ
نصب قاسما یقسم بالاجرۃ ویجب ان یکون عدلا مامونا عالما بالقسمۃ ولا یجبر القاضی الناس
کرے تو معاوضہ لیکر تقسیم کرنیوالے کا تقرر کرے۔ اور تقسیم کنندہ کا عادل مامون اور تقسیم سے واقف ہونا لازم ہے۔ اور قاضی ایک ہی تقسیم کنندہ
علی قاسم واحد ولا یترک القسام یشترکون واجرۃ القسمۃ علی عدد رءوسہم عند ابی حنیفۃ
کے لئے لوگوں پر جبر نہ کرے۔ اور تقسیم کرنیوالوں کو شرکت میں نہ چھوڑے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تقسیم کا معاوضہ تعدادِ حصہ داران کے اعتبار
رحمہ اللہ وقالا رحمہما اللہ علی قدر الانصباء واذا حضر الشرکاء عند القاضی فی ایدیہم
سے ہوگا اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک معاوضہ حصوں کے اعتبار سے ہوگا۔ اور جب شرکار قاضی کے روبرو ہوں اور یہ مکان یا زمین
دار او ضیعۃ وادعوا انہم ورثوھا عن فلان لم یقسمہا القاضی عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ
پر قابض ہوں اور اس کے مدعی ہوں کہ انھیں فلاں شخص سے وراثۃً پائے ہوئے ہیں تو امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ قاضی اسے اسوقت تک
حتی یقیموا البینۃ علی موتہ وعدد ورثتہ وقالا رحمہما اللہ یقسمہا باعترافہم ویذکر
تقسیم نہ کروائے جب تک کہ اسکے انتقال اور تعدادِ ورثار کے گواہ پیش نہ ہوں۔ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ان کے اعتراف پر بانٹ دے
فی کتاب القسمۃ انہ قسمہا بقولہم جمیعا وان کان المال المشترک ماسوی العقار
اور رجسٹر تقسیم میں یہ لکھ لے کہ یہ تقسیم کرانا ان کے قول کے مطابق ہے۔ اور اگر بجز زمین کے مال مشترک طور پر ہو اور وہ اس کے
وادعوا انہ میراث قسمہ فی قولہم جمیعا وان ادعوا فی العقار انہم اشتروہ قسمہ
میراث ہونیکے مدعی ہوں تو تمام کے قول کے مطابق اسے تقسیم کرائے اور اگر وہ زمین کے متعلق مدعی ہوں کہ وہ انھوں نے خریدی
بینہم وان ادعوا الملک ولم یذکروا کیف انتقل الیہم قسمہ بینہم ـــــــ
تھی تو ان کے درمیان بانٹ دے اور اگر ملکیت کے مدعی ہوں اور یہ نہ بیان کرتے ہوں کہ کس طرح انکی طرف منتقل ہوئی تو اس
صورت میں بھی ان کے درمیان بانٹ دے۔

تشریح و توضیح

ینبغی للامام الخ۔ فرماتے ہیں کہ حاکم برائے تقسیم باقاعدہ ایک شخص کا تقرر کرنا چاہئے اور اس کی تنخواہ بیت المال سے دی جائے تاکہ بغیر کسی معاوضہ وہ لوگوں کے درمیان جائداد وغیرہ کی تقسیم کا کام انجام دے سکے۔ اس لئے کہ تقسیم کا شمار امورِ قضاۃ ہی کی جنس سے اس معنے کے اعتبار سے ہوتا ہے کہ مکمل طور پر منازعت کا ارتفاع بعد تقسیم ہی ہوتا ہے۔ لہٰذا تقسیم کرنے کا معاوضہ وظیفۂ قاضی سے مشابہت رکھتا ہے لہٰذا جس طریقہ سے وظیفۂ قاضی بیت المال سے مقرر کرتا ہے ٹھیک اسی طرح اس کا تقرر بھی بیت المال سے ہوگا۔

واجرة القسمة علی عدد رؤسہم الخ۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ تقسیم کنندہ کا معاوضہ تعداد ورثاء و حصہ داران کے لحاظ سے ہوگا۔ حضرت امام ابویوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ، حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ تقسیم کنندہ کا معاوضہ حصوں کے اعتبار سے ہوگا کہ جس کا جس قدر حصہ ہوگا اسی کے اعتبار سے اسی قدر معاوضہ لیا جائے گا۔

واذا احضر الشرکاء وفی ایدیہم دار الخ۔ بعض ایک زمین کے بارے میں مدعی ہوں کہ یہ انھیں فلاں شخص کی جانب سے وراثۃً ملی ہے اور وہ یہ چاہیں کہ زمین بانٹ دی جائے تو حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جس وقت تک وہ بذریعہ گواہان فلاں شخص کے انتقال اور تعداد ورثاء کا ثبوت پیش نہ کردیں محض ان کے دعوے کی بنیاد پر زمین بانٹی نہیں جائے گی۔ حضرت امام ابویوسفؒ، حضرت امام محمدؒ اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک ورثاء کے اقرار ہی پر بانٹ دی جائے گی۔ حضرت امام احمدؒ بھی ایک قول کے مطابق یہی کہتے ہیں۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ تقسیم کا جہاں تک تعلق ہے اسکی حیثیت قضاء علی المیت کی ہے اور محض اعتراف یہ ایسی حجت ہے کہ جس کا حجت ہونا محض اقرار کرنیوالے تک ہی ہے۔ پس گواہان کے ہونے کو ناگزیر قرار دیا جائے گا تاکہ ان کے اقرار کو میت کے خلاف حجت بنایا جاسکے۔ علاوہ ازیں زمین تو اپنی ذات سے محفوظ ہے اسواسطے اسے بانٹنے کی احتیاج نہیں۔ اس کے برعکس منتقل ہونیوالی اشیاء کہ ان کے اتلاف کا اندیشہ ہے تو انھیں بانٹ کر انھیں بحفاظت حقدار تک پہنچا دینا ہے۔

وَاِذَا کَانَ کُلُّ وَاحِدٍ مِنَ الشُّرَکَاءِ یَنْتَفِعُ بِنَصِیْبِہٖ قُسِّمَ بِطَلَبِ اَحَدِہِمْ وَاِنْ کَانَ اَحَدُہُمْ

اور اگر شرکاء میں سے ہر شریک کا اپنے حصہ سے انتفاع ممکن ہو تو ان میں کسی ایک کی مانگ پر تقسیم ہو جائیگی اور اگر ان میں سے ایک

یَنْتَفِعُ وَالْآخَرُ یَسْتَضِرُّ لِقِلَّۃِ نَصِیْبِہٖ فَاِنْ طَلَبَ صَاحِبُ الْکَثِیْرِ قُسِّمَ وَاِنْ طَلَبَ صَاحِبُ

کا فائدہ اور دوسرے کا ضرر اس کا حصہ کم ہونیکے باعث ہو پھر اگر زائد حصہ والا تقسیم کی مانگ کرے تو تقسیم ہو جائیگی اور کم حصہ والے کی مانگ

الْقَلِیْلِ لَمْ یُقَسَّمْ وَاِنْ کَانَ کُلُّ وَاحِدٍ مِنْہُمَا یَسْتَضِرُّ لَمْ یَقْسِمْہَا اِلَّا بِتَرَاضِیْہِمَا۔

پر تقسیم نہیں ہوگی۔ اور اگر تقسیم کے باعث ان میں سے ہر ایک کا ضرر ہو تو بغیر تمام کی رضا کے تقسیم نہ کی جائے۔

لغات کی وضاحت

نصیب: حصہ۔ یستضر: نقصان، ضرر۔ قلۃ: کمی۔ کم۔ کثیر: زیادہ۔
تراضی: رضامندی۔ خوشی۔

تقسیم ہونیوالی شکلوں اور نہ تقسیم ہونیوالی شکلوں کا بیان

تشریح وتوضیح

وَاِذَا کَانَ کُلُّ وَاحِدٍ مِنَ الشُرَکَاءِ الخ. وہ چیز جس کے اندر متعدد لوگ شریک ہوں اگر اس طرح کی ہو کہ بعد تقسیم بھی ہر شریک کا اپنے حصہ کے ذریعہ انتفاع ممکن ہو اور پھر ان شریکوں میں سے کوئی شریک تقسیم کی مانگ کرے تو اسے تقسیم کر دیں گے۔ اور اگر اس تقسیم کے ذریعہ بعض کو تو فائدہ پہنچتا ہو اور بعض کا اس میں ضرر ہو تو اس صورت میں زائد حصہ والا اگر تقسیم کی مانگ کریگا تو تقسیم ہو جائے گی۔ کفایہ، درایہ وغیرہ معتبر کتب میں اسی طرح ہے۔ صاحب ہدایہ اور صاحبِ کافی اسی قول کو زیادہ صحیح اور صاحبِ ذخیرہ مفتیٰ بہ فرماتے ہیں۔ جصاص اس کے برعکس یہ فرماتے ہیں کہ کم حصہ والا اگر تقسیم کی مانگ کرے تو تقسیم کر دیجائیگی۔ اور اس بارے میں حاکم شہیدؒ فرماتے ہیں کہ تقسیم کی مانگ چاہے زیادہ حصہ والے کیطرف سے ہو یا کم حصہ والے کی جانب سے بہر صورت جو بھی ان میں سے تقسیم کی مانگ کرے تقسیم ہو جائے گی۔ صاحبِ خانیہ فرماتے ہیں کہ مفتیٰ بہ اور خواہر زادہ کا اختیار کردہ اور ترجیح دادہ قول یہی ہے۔ اور اگر یہ صورت ہو کہ تقسیم کے باعث سارے ہی شریکوں کا نقصان ہوتا ہو اور کسی کو بھی اس سے کسی طرح کا فائدہ نہ پہنچتا ہو۔ مثال کے طور پر کنواں وغیرہ تو تاوقتیکہ سارے ہی شریک تقسیم پر رضامند نہ ہوں تقسیم سے احتراز کیا جائے گا۔ وجہ یہ ہے کہ تقسیم کا اصل منشاء یہ ہوتا ہے کہ شرکاء میں سے ہر شریک اپنی خاص ملکیت سے انتفاع کر سکے اور اس جگہ بذریعہ تقسیم یہ اصل منشاء ہی ختم ہو رہا ہے۔ پس اس تقسیم سے احتراز کرتے ہوئے اسے جوں کا توں رہنے دیا جائیگا تاکہ اسی اشتراک کے ساتھ سب شرکاء منتفع ہوتے رہیں۔ اور ہر شریک تقسیم کے ہونیوالے نقصان سے بچ سکے۔ البتہ اگر سارے شریک دیکھتی آنکھوں اپنے ہونیوالے نقصان کے باوجود تقسیم ہی چاہیں تو پھر سب کی رضامندی اور تقسیم پر اصرار کے باعث تقسیم کر دی جائے گی۔

وَیُقَسِّمُ العُرُوضَ اِذَا کَانَتْ مِنْ صِنْفٍ وَاحِدٍ وَلَا یُقَسِّمُ الجِنْسَیْنِ بَعْضَهُمَا مِنْ بَعْضٍ اِلَّا بِتَرَاضِیْهِمَا

اور سامان ایک ہی طرح کا ہو تو تقسیم کر دیا جائے گا۔ اور دو طرح کا سامان بعض کا بعض میں ان کی رضا کے بغیر تقسیم نہیں کیا جائے گا۔

وَقَالَ اَبُوْحَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَا یُقَسِّمُ الرَّقِیْقَ وَلَا الجَوَاهِرَ وَقَالَ اَبُوْیُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ

اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک غلام اور جواہر تقسیم نہیں کئے جائیں گے۔ اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک غلام

یُقَسِّمُ الرَّقِیْقَ وَلَا یُقَسِّمُ حَمَّامٌ وَلَا بِئْرٌ وَلَا رَحًی اِلَّا اَنْ یَّتَرَاضَی الشُّرَکَاءُ وَاِذَا حَضَرَ وَارِثَانِ

تقسیم کئے جائیں گے اور تمام شرکاء کی رضامندی کے بغیر حمام اور کنواں اور پن چکی تقسیم نہیں ہوں گے۔ اور جب ورثاء قاضی کے

عِنْدَ القَاضِیْ وَاَقَامَا البَیِّنَةَ عَلَی الوَفَاةِ وَعَدَدِ الوَرَثَةِ وَالدَّارُ فِیْ اَیْدِیْهِمْ وَمَعَهُمْ وَارِثٌ

پاس آئیں اور انتقال تعداد ورثاء پر شاہد پیش کریں اور مکان پر یہ قابض ہوں اور ان کے ساتھ کوئی غیر موجود وارث

غَائِبٌ قَسَمَهَا القَاضِیْ بِطَلَبِ الحَاضِرِیْنَ وَنَصَبَ لِلْغَائِبِ وَکِیْلًا یَقْبِضُ نَصِیْبَهُ وَاِنْ کَانُوْا

بھی ہو تو قاضی موجودین کی مانگ پر تقسیم کرے اور غائب کے حصہ پر قابض ہونے کی خاطر اس کے واسطے کوئی وکیل مقرر کرے۔

مُشترِيين لم يُقسم مع غيبةِ احدٍ هِم وان كان العقارُ في يد الوارث الغائب او شيءٌ
اوران کے خریدار ہونے پر ایک کے موجود نہ ہونے پر نہ بانٹے۔ اگر غیر موجود وارث زمین یا اس کے کچھ حصہ پر قابض ہوں تو قاضی
منه لم يُقسم وان حضر وارثٌ واحدٌ لم يُقسم واذا كانت دُورٌ مشتركةٌ في مصرٍ واحدٍ
تقسیم نہ کرے۔ اور محض ایک وارث کے موجود ہونے پر بھی تقسیم نہ کرے اور اگر ایک ہی شہر میں کچھ مشترک گھر ہوں تو
قُسِمَ كلُّ دارٍ على حدتها في قولِ ابي حنيفةَ وقالا رحمهما الله ان كان الاصلحُ لهم قسمةَ بعضها
امام ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق ہر ایک الگ بانٹا جائے اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک اگر ان کے واسطے بعض کے بعض میں بانٹنے
في بعضٍ قسمها وان كانت دارٌ وضيعةٌ او دارٌ وحانوتٌ قسم كلُّ واحدٍ منهما على حدةٍ۔
کے اندر بہتری ہو تو بانٹ دے اور اسی طریقہ سے اگر گھر و زمین ہو یا گھر و دوکان ہو تو ان میں سے ہر ایک الگ الگ بانٹے۔

لغات کی وضاحت

صنف واحدٌ: ایک طرح کا۔ البیّنۃ: گواہ۔ الاصلح: زیادہ بہتر۔

تشریح و توضیح

ویقسم العروض اذا کانت الخ۔ اگر یہ سامان جس میں متعدد شریک ہوں اس کا تعلق ایک ہی جنس سے ہو۔ مثال کے طور پر ناپ یا تول کر دیا جانیوالا ہو، یا یہ سونا ہو یا چاندی۔ تو اس صورت میں اگر ان شریکوں میں سے ایک شریک تقسیم کا طلبگار ہو تو قاضی کو اس پر مجبور کرنیکا حق حاصل ہے کہ وہ یہ سامان تقسیم کریں۔ لہٰذا قاضی تقسیم کرتے ہوئے ہر حصہ والے کو اس کے حصہ کے مطابق حوالہ کر دیگا۔ اس لئے کہ اس جگہ سب کا منشا یکساں ہے اور اس میں قاضی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ انھیں تقسیم کرنے پر مجبور کرے۔ اسلئے کہ اس صورت میں جنس مختلف ہونیکے باعث عدم اختلاط وعدم اتحاد کی بنا پر یہ تقسیم تمیز کے بجائے تقسیم معاوضہ ہو جائے گی اور قاضی کو تقسیم تمیز ہی کی صورت میں یہ حق ہوتا ہے کہ وہ انھیں تقسیم پر مجبور کرے۔ پس اس جگہ شریکوں کی رضامندی کو قابل اعتماد قرار دیا جائے گا۔

وقال ابوحنیفۃؒ لا یقسم الرقیق الخ۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ غلاموں اور جواہر مختلفہ کی تقسیم نہیں ہوگی اس واسطے کہ ان کے درمیان بلحاظ قیمت وغیرہ بہت زیادہ فرق ہوا کرتا ہے۔ امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ اور اسی طرح امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ جنس متحد ہونے کے باعث غلاموں کی تقسیم کی جائے گی اسلئے کہ یہ باعتبار اتحاد جنس اونٹوں اور گھوڑوں کے مشابہ ہوگئے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک غلاموں کا جہاں تک تعلق ہے ان کے اندر متعدد اوصاف مثلاً شجاعت، باوفا ہونا اور عقل و دانش، حسن اخلاق وغیرہ کا لحاظ و اعتبار کیا جاتا ہے اور ان اوصاف سے نہ پوری واقفیت ہوسکتی ہے اور نہ ان میں اس اعتبار سے برابری۔ لہٰذا ان کی حیثیت مختلف جنسوں کی سی ہوگی۔

ولا یقسم حمام ولا بئر الخ۔ کنویں، پن چکیاں اور حمام جن کی تقسیم میں سب کا ضرر ہو اور کسی شریک کا بھی کوئی فائدہ نہ ہو انھیں بانٹا نہیں جائے گا البتہ اگر سارے ہی حصہ دار اپنے نقصان پر راضی ہوتے ہوئے تقسیم چاہیں تو پھر انکی

خواہش کیمطابق انھیں تقسیم کردیا جائے گا۔

واذاحضر الوارثان عند القاضی الخ۔ اگر مورث کے انتقال کے بعد ورثار قاضی کے پاس حاضر ہوں اور وہ مورث کا انتقال اور ورثار کی تعداد بذریعہ گواہان ثابت کریں درآنحالیکہ ایک زمین پر یہ دو قابض ہوں اور ان کے علاوہ اس مورث کا اور وارث ہو جو اس وقت موجود نہ ہو اور موجود ورثار تقسیم کی مانگ کریں تو اس صورت میں قاضی انکے درمیان زمین تقسیم کردے اور غیر موجود وارث کا ایک وکیل منتخب کردے جو کہ غائب کے حصہ پر قابض ہو جائے تاکہ اس کا حق ضائع نہ ہو۔

وان کانوا مشترین لم یقسم مع غیبۃ احدھم الخ۔ اگر ایسا ہو کہ یہ تقسیم کی مانگ کرنیوالے مشتری ہوں یعنی ان لوگوں کی باہم شرکت بواسطۂ خریداری ہوئی ہو، بطور وراثت نہیں اور ان لوگوں میں سے ایک شخص اسوقت حاضر نہ ہو تو موجودین کی تقسیم کی مانگ پر تقسیم نہیں کی جائے گی۔ اسواسطے کہ بواسطۂ خریداری حاصل ہونیوالی ملکیت کی حیثیت ملکیت جدید کی ہے۔ لہٰذا موجود شریک غیر موجود شریک کیطرف سے خصم قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اس کے برعکس وراثت کا معاملہ ہے کہ اس میں از جانب مورث ملکیت کی قائم مقامی ہوتی ہے۔

وان کان العقار فی ید الوارث الخ۔ اگر ایسا ہو کہ زمین پر غیر موجود وارث قابض ہو یا ایسا ہو کہ ورثار میں سے محض ایک ہی وارث حاضر ہوا ہو تو اس صورت میں تقسیم نہیں کی جائے گی۔ صورت اولیٰ میں تو اسواسطے کہ اس میں قضار علی الغائب کا لزوم ہوتا ہے۔ جو اپنی جگہ درست نہیں۔ اور صورت ثانیہ میں اس بنار پر کہ یہ ممکن نہیں کہ ایک ہی آدمی مخاصم بھی قرار دیا جائے اور مخاصَم بھی (مدعی بھی اور مدعا علیہ بھی) تو اسی طرح ایک شخص کا مقاسم اور متقاسم ہونا بھی ممکن نہیں۔

واذا کانت دور مشترکۃ الخ۔ اگر ایک ہی شہر کے اندر بعض لوگوں کے مشترک گھر ہوں تو حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ انکی تقسیم الگ الگ ہو گی۔ اس سے قطع نظر کہ ان گھروں میں اتصال ہو یا الگ الگ دو محلوں میں ان کا وقوع ہو۔ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک انکی الگ الگ تقسیم لازم نہیں بلکہ یہ شکل بھی ممکن ہے کہ ایک گھر ان میں سے ایک شریک لے لے اور دوسرا گھر دوسرے شریک کا ہو۔ اس واسطے کہ نام اور شکل کے اعتبار سے ان کا شمار جنس واحد میں ہوتا ہے اور اختلاف بلحاظ مقاصد ہے تو ان سے متعلق معاملہ کا انحصار قاضی کی رائے پر کر دیا جائے گا۔ اور اس کے نزدیک بحق شرکار جو شکل بہتر ہوگی اور ان کے واسطے مفید خیال کرے گا وہ اسی پر عمل پیرا ہوگا۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہمسایوں کے بھلے اور برے ہونے اور مسجد یا پانی وغیرہ کے قرب و بُعد کے لحاظ سے گھروں کے مقاصد و فوائد الگ الگ ہوا کرتے ہیں اور ان میں مساوات ممکن نہیں۔ اس واسطے ایک گھر میں صرف ایک شریک کا حصہ ہونا یہ باہمی رضار کے بغیر ممکن نہیں۔ ایک گھر و زمین یا گھر و دوکان میں اشتراک ہو تو ان میں سے ہر ایک کو الگ الگ تقسیم کیا جائے گا۔

وینبغی للقاسم اَنْ یُصَوِّرَ مَا یُقسِمہٗ وَ یُعَدِّلَہٗ وَ یَذْرَعَہٗ وَیُقَوِّمَ البناءَ وَیُفْرِزَ کُلَّ نصیبٍ عَن
اور تقسیم کرنیوالے کیلئے مناسب ہے کہ تقسیم کنندگان کا نقشہ تیار کرے اور پیمائش برابری کیساتھ کرے اور قیمت تعمیر لگائے اور ہر ایک کے حصہ کو مع
الْبَاقِی بطریقہٖ وَ شربہٖ حتی لایکونَ لنصیبِ بعضِھم بنصیبِ الاٰخرِ تعلقٌ ویکتبُ اَسَامِیَھُمْ ویجعلُھَا
نالی و چلنے کے راستہ کے الگ کردے حتیٰ کہ کسی کے حصہ کا تعلق دوسرے کے حصہ کیساتھ باقی نہ رہے اور انکا نام تحریر کرلے اور قرعہ تیار

قُرعَۃً ثم یلقّب نصیبًا بالاوّلِ والّذی یلیہِ بالثانی والّذی یلیہِ بالثالثِ وعلی ھٰذا ثم یخرج القرعۃ
کرے ۔ پھر ان میں سے ایک حصہ کو اول کا نام دے اور اس سے متصل کو دوم کا اور اس سے متصل کو سوم کا اور اسی ترتیب سے (باقی)، اسکے بعد قرعہ اندازی

فمن خرجَ اِسمُہٗ اَوّلاً فلہُ السّھمُ الاوّلُ ومن خرجَ ثانیًا فلہُ السّھمُ الثانی ولا یدخلُ فی
کرے پھر ان میں اول نکلنے والے نام کا حصہ اول ہوگا ۔ اور دوسرے نمبر پر نکلنے والے کا حصہ دوم ۔ اور ان کی رضاء کے بغیر

القِسمَۃِ الدَّراھمُ والدَّنانیرُ الّا بتَراضیھم فاِن قُسِمَ بینھُم ولاحدِھم مَسیلٌ فی مِلکِ
ان میں درھم و دنانیر شامل نہیں کئے جائیں گے ۔ لہٰذا اگر ان کے درمیان گھر کی تقسیم کردی گئی اور ان میں سے کسی کی نالی دوسرے

الاٰخرِ اَوْ طریقٌ لم یُشترطْ فی القِسمَۃِ فاِن اَمکنَ صَرفُ الطریقِ والمسیلِ عنہُ فلیسَ لہٗ
کی ملکیت یا راستہ میں آگئی جبکہ اندرونِ تقسیم اسکی شرط نہیں لگائی گئی تھی پس اگر اس کے حصہ سے راستہ یا نالی ہٹائی جاسکے تو اس کے واسطے دوسرے

اَن یستطرِقَ ویسیلَ فی نصیبِ الاٰخرِ واِن لم یمکن فُسخَتِ القِسمَۃُ واِذا کانَ سفلٌ لا
کے حصہ کے اندر نالی یا راستہ کا نکالنا درست نہ ہوگا ۔ اور اگر یہ راستہ یا نالی نہ ہٹائی جاسکے تو یہ تقسیم فسخ ہوجائیگی اور اگر گھر نیچے کا ہو اور اس پر

علوَ لہٗ اَوْ علوٌ لا سفلَ لہٗ اَوْ سفلٌ لہٗ علوٌ قُوِّمَ کلُّ واحدٍ علی حدتہٖ وقُسِمَ بالقیمَۃِ
بالاخانہ نہ ہو یا یہ کہ بالاخانہ ہو اور نیچے گھر نہ ہو یا نیچے کا گھر بھی ہو اور بالاخانہ بھی تو باعتبارِ قیمت ہر ایک کو الگ تقسیم کیا جائیگا اور اس کے سوا کا اعتبار

ولا یُعتبرُ ذٰلکَ واِذا اختلفَ المتقاسِمونَ فشھدَ القاسِمانِ قُبِلَت شھادتُھما واِن ادّعیٰ
نہیں کیا جائے گا ۔ اور اگر تقسیم کرنے والوں کے درمیان اختلاف ہو اور تقسیم کنندگان شہادت دیں تو انکی شہادت قابل قبول ہوگی اور اگر

اَحدُھُما الغلطَ وزعمَ اَنّہٗ اَصابہٗ شیءٌ فی یدِ صاحبِہٖ وقد اَشھدَ علی نفسِہٖ بالاستیفاءِ
ان میں سے ایک غلطی کا دعویٰ کرتے ہوئے کہے کہ میرے کچھ حصہ پر دوسرا قابض ہے درآنحالیکہ وہ اپنے حق کی وصولیابی کا اعتراف کرچکا ہو تو

لم یُصدَّقْ علی ذٰلکَ الّا ببیّنۃٍ واِن قالَ استوفیتُ حقّی ثم قالَ اَخذتُ بعضَہٗ
گواہی کے بغیر اس کا قول قابل تصدیق نہ ہوگا ۔ اور اگر کہے کہ میں نے اپنا حق وصول کرلیا ۔ اس کے بعد کہے کہ میں نے تھوڑا وصول کیا تو قول

فالقولُ قولُ خصمِہٖ مع یمینِہٖ واِن قالَ اَصابنی الیٰ موضعِ کذا فلم یُسلّمہٗ الیّ ولم یُشھدْ
مع الحلف اس کے بمقابل قابل اعتبار ہوگا ۔ اور اگر کہے کہ جہانتک میرا حق ہے اس جگہ تک مجھے نہیں دیا اور مکمل حق لے لینے کا اقرار

علی نفسِہٖ بالاستیفاءِ وکذّبہٗ شریکُہٗ تحالفا وفُسخَتِ القِسمَۃُ واِن استُحقّ بعضُ نصیبِ
نہ کرے اور شریک اسے جھوٹا قرار دے تو دونوں شریک حلف کریں گے اور تقسیم فسخ ہوجائیگی اور اگر بعینہٖ ایک کے حصہ میں سے کچھ دوسرے

اَحدِھما بعینِہٖ لم تفسخ القِسمَۃُ عندَ اَبی حنیفۃَ رحمہُ اللّٰہُ ورجعَ بحصّۃِ ذٰلکَ من
کا نکل آئے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک تقسیم فسخ نہ ہوگی بلکہ وہ حصۂ شریک میں سے اسی قدر

نصیبِ شریکِہٖ وقالَ اَبو یوسفَ رحمہُ اللّٰہُ تفسخُ القِسمَۃُ ۔
لے لے گا ۔ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک تقسیم فسخ ہو جائے گی ۔

... ...

تشریح و توضیح تقسیم کے طریقہ وغیرہ کا ذکر

وَینبغی للقاسم الخ ۔ فرماتے ہیں کہ درست طریقۂ تقسیم یہ ہوگا کہ تقسیم کرنیوالا اول تقسیم کئے جانیوالی چیز کا نقشہ کسی کاغذ پر بناکر سہام قسمت مساوی طور پر تقسیم کرلے۔ پھر ان میں جو حصہ سب سے کم ہو اسی پر مقسوم کا نفاذ کردے۔ علاوہ ازیں بذریعہ گز اسے ناپے۔ اسواسطے کہ مقدارِ مساحت کا پتہ گز سے ہی چل سکتا ہے اور ہر ہر شریک کا حصہ مع اس کے راستہ اور پانی کی نالی کے الگ کردے تاکہ اس طرح ہر حصہ دوسرے سے بالکل الگ ہوجائے اور ایک کا تعلق دوسرے سے نہ رہے۔ اس کے بعد ہر ایک کے حصہ کا اول، دوم، سوم نام رکھ کر ان ناموں کی گولیاں بنالے اور پھر قرعہ اندازی کرے اور جس کا نام جس گولی پر نکلا ہو اس کے حوالہ وہ حصہ کردے۔

ولایدخل فی القسمۃ الخ ۔ گھر اور زمین کی تقسیم کے اندر دراہم و دنانیر کو اسوقت تک شامل نہیں کیا جاتا جب تک سارے شریک اس پر رضامندی کا اظہار نہ کریں۔ مثال کے طور پر کسی مشترک گھر میں ایک طرف تعمیر بڑھی ہوئی ہو اور ایک شریک ان میں سے یہ چاہتا ہو کہ تعمیر کے بدلہ دراہم دیدے اور دوسرے کی خواہش ہو کہ وہ زمین ہی دے۔ تو اس صورت میں جس کے حصہ میں یہ تعمیر آرہی ہو اس سے بجائے دراہم کے زمین ہی دلوائیں گے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ تقسیم حقوقِ ملک کے زمرے میں داخل ہے۔ اور شرکا کا جہاں تک تعلق ہے وہ گھر میں شریک ہیں، دراہم انکی شرکت میں نہیں پس درہموں کو داخلِ تقسیم قرار نہیں دیا جائیگا۔

فان قسم بینھم ولاحدھم مسیل الخ ۔ اگر کسی مشترک گھر کی تقسیم ہو اور ایک شریک کے پانی کی نالی اور آمد و رفت کا راستہ دوسرے شریک کے حصہ میں واقع ہوجائے جبکہ اندرونِ شرط اشتراک نہ رکھی گئی ہو تو یہ دیکھا جائے گا کہ اگر راستہ اور نالی کا رخ بدلنا ممکن ہو تو رخ بدل دیا جائیگا اور اس اشتراک کو دور کردیا جائے گا۔ اور اگر یہ تبدیلی ممکن نہ ہو تو اس صورت میں تقسیم از سرِنو ہوگی اور سابق تقسیم ختم کردی جائے گی تاکہ ہر طرح کی الجھن و پریشانی سے حفاظت رہے۔

واذا کان سفل لاعلو لہ الخ ۔ اگر ایسا ہو کہ گھر کے نیچے کے حصہ میں دو شریک ہوں اور گھر کا بالائی حصہ کسی دوسرے کا ہو، یا بالائی حصہ میں دو شریک ہوں اور نیچے کا حصہ کسی دوسرے کا ہو، یا ایسا ہو کہ گھر نیچے اور اوپر کا حصہ دو کے درمیان مشترک ہو تو امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اس طرح مشترک گھروں کو الگ الگ قیمت لگاتے ہوئے بانٹا جائے گا۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ ان کی تقسیم پیمائش کے اعتبار سے کی جائیگی کہ تقسیم میں بنیادی چیز پیمائش ہی ہے۔ علاوہ ازیں کہ شرکا مذرُوع میں شریک ہیں قیمت کے اندر نہیں۔ مگر مفتیٰ بہ حضرت امام محمدؒ کا قول ہے اسواسطے کہ گھر کا نیچے کا حصہ تہ خانہ بنانے اور اصطبل وغیرہ بنالینے کی اہلیت رکھتا ہے اور اوپر کے حصہ میں یہ اہلیت نہیں ہوتی۔ لہٰذا دو گھر دو جنسوں کے درجہ میں ہوگئے پس شریکوں کے حصص میں مساوات بلحاظ قیمت ہی ممکن ہے۔

واذا اختلف المتقاسمون الخ ۔ اگر تقسیم کی تکمیل کے بعد کوئی شریک یہ کہے کہ مجھ کو میرا مکمل حق نہ مل سکا اور اس کے خلاف دو تقسیم کرنیوالے مکمل مل چکنے کی شہادت دیں تو امام ابوحنیفہؒ و امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ یہ شہادت قابلِ قبول

ہوگی۔ اور امام محمدؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، اور امام احمدؒ کے نزدیک قابل قبول نہ ہوگی۔ اسواسطے کہ انکی یہ شہادت اپنے فعل سے متعلق ہے جس میں متہم ہونیکا امکان ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک کیونکہ ان کے فعل کا تعلق تقسیم سے ہے اور شہادت کا تعلق حق پورا ملنے سے ہے جو دوسرے شخص کا فعل ہے اس لئے قابل قبول ہوگی۔

وان ادعی احدھما الغلط الخ۔ اگر شریکوں میں سے ایک شریک یہ کہے کہ تقسیم صحیح نہیں ہوئی اور میرے کچھ حصہ پر دوسرا حصہ دار قابض ہے جبکہ وہ اس سے قبل اس کا اقرار کرچکا ہو کہ اس نے اپنا حصہ وصول کرلیا ہے۔ تو شہادت کے بغیر اس کا قول قابل قبول نہ ہوگا۔ اسواسطے کہ اس کا دعویٰ تقسیم مکمل ہونیکے بعد ہے۔

وان قال اصابنی الی موضع الخ۔ کوئی حصہ دار اپنے مکمل حصہ کی وصولیابی کے اعتراف سے قبل کہے کہ فلاں مقام تک میرا حصہ بنتا ہے اور اس جگہ تک مجھے حصہ نہیں ملا اور دوسرا حصہ دار اس کے قول کو غلط قرار دے تو اس صورت میں یہ دونوں حلف کریں گے اور تقسیم فسخ قرار دیجائے گی۔ اسواسطے کہ حاصل شدہ کی مقدار کے اندر اختلاف کے باعث عقد کی تکمیل نہیں ہوئی۔

وان استحق بعض نصیب احدھما الخ۔ اگر ایسا ہو کہ تقسیم ہوچکنے کے بعد ایک شریک کے کچھ حصہ میں کسی اور شخص کا استحقاق نکل آئے تو امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک اس کو یہ حق حاصل ہوگا کہ خواہ وہ استحقاق کی مقدار شریک سے لے لے اور خواہ باقی رہا ہوا لوٹا کر از سرِ نو اس کی تقسیم کرائے۔ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ تیسرے شریک کے نکل آنے اور اس کے رضامند نہ ہونیکی بناء پر تقسیم از سرِ نو ہی ہوگی۔

کتاب الاکراہ

مجبور کرنیکا بیان

اَلْاِکْرَاہُ یَثْبُتُ حُکْمُہٗ مِمَّنْ یَقْدِرُ عَلٰی اِیْقَاعِ مَا یُوْعِدُ بِہٖ سُلْطَانًا کَانَ اَوْ لِصًّا۔

حکم اکراہ اس وقت ثابت ہوجائیگا جب کہ اس کا ظہور اس سے ہو جسے اپنی دھمکی پر قدرت حاصل ہو وہ سلطان ہو یا چور۔

لغات کی وضاحت :۔ اکراہ : مجبور کرنا۔ ناپسندیدہ امر پر اکسانا۔ مشقت جس پر کسی کو مجبور کیا جائے۔

تشریح و توضیح

کتاب الاکراہ :۔ از روئے لغت اکراہ کے معنے کسی کو ناپسندیدہ کام پر مجبور کرنے کے آتے ہیں۔ اور فقہاء کی اصطلاح میں اکراہ ایسا فعل کہلاتا ہے جو کسی دوسرے شخص کے باعث اس طریقہ سے انجام دے کہ اس کی رضاء کو اس میں دخل نہ ہو یا یہ کہ اسکے حاصل واختیار میں فساد وخرابی واقع ہوجائے اور مکمل اختیار اس کے ہاتھ سے نکل جائے۔ اس طرح اکراہ دو طرح کا ہوگیا۔ ایک تو وہ اکراہ جسے ملجئ کہا جاتا ہے کہ اس میں مجبور کئے گئے شخص کو یہ خطرہ ہوتا ہے کہ اسکی جان نہ جاتی

رہے یا اس کا کوئی عضو تلف نہ ہو جائے۔ اس شکل میں مکرہ وزبردستی کئے گئے شخص کی رضا باقی نہیں رہتی اور اس کا اختیار ہی فاسد قرار پاتا ہے۔ دوسری غیر ملجئ کہ اس کے اندر اس کا تو اندیشہ نہیں ہوتا کہ جان جاتی رہے گی یا کوئی عضو تلف ہو جائیگا بلکہ اس میں محض رضا باقی نہیں رہتی تو رضا کا باقی نہ رہنا اس میں اختیار کے فاسد ہونیکے مقابلہ میں تعمیم ہے۔ اسواسطے کہ رضا کو کراہت کے مقابل شمار کیا جاتا ہے اور اختیار کے مقابلہ میں جبر آتا ہے۔ اور قید میں ڈالنے اور مار پیٹ میں کسی شبہ کے بغیر کراہت پائی جا رہی ہے تو رضا باقی نہیں رہے گی مگر اختیار فوت نہیں ہوا۔ اس واسطے کہ اختیار میں فساد اسوقت آیا کرتا ہے جب کہ جان جانے یا کسی عضو کے اتلاف کا خطرہ ہو۔ لہٰذا اکراہ غیر ملجئ کا جہاں تک تعلق ہے وہ ان تصرفات میں اثر انداز ہوگا جہاں کہ رضا کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ مثال کے طور پر اجارہ وغیرہ اور اکراہ ملجئ سارے تصرفات میں اثر انداز ہوگا۔

اذا حصل ممن یقدر الخ۔ ثبوت اکراہ کیواسطے دو شرطیں قرار دی گئیں۔ ایک شرط یہ کہ اکراہ کرنیوالا جس بات سے ڈرا رہا ہو اور دھمکی دے رہا ہو وہ اس پر عمل پیرا بھی ہو سکتا ہو اور اس پر قادر بھی ہو۔ اس سے قطع نظر کہ وہ سلطان ہو یا وہ چور یا اس کے علاوہ کوئی دوسرا ہو۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ سے منقول یہ روایت کہ اکراہ فقط سلطان کا حق ہے تو امام صاحب کے دور کے اعتبار سے ہے جو خیر القرون میں داخل ہے مگر بعد کے دور میں وہ حالات نہیں رہے اور اکراہ کا صدور مفسدین سے ہونے لگا امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا مفتٰی بہ قول یہی ہے کہ اکراہ کا صدور غیر سلطان سے بھی ہوتا ہے۔ دوسری شرط اکراہ کی یہ ہے کہ اکراہ کرنیوالا جس بات سے ڈرا رہا ہو غالب گمان اس کے عمل پیرا ہونیکا ہو اور یہ محض اس کی دھمکی ہی نہ ہو بلکہ دھمکی کو عملی جامہ پہنانے کا تقریباً یقین ہو۔ ان دونوں شرطوں کے پائے جانے پر اکراہ کا تحقق ہو جائے گا۔

وَاِذَا اُكْرِهَ الرَّجُلُ عَلٰى بَيْعِ مَالِهٖ اَوْ عَلٰى شِرَاءِ سِلْعَةٍ اَوْ عَلٰى اَنْ يُّقِرَّ لِرَجُلٍ بِاَلْفِ دِرْهَمٍ اَوْ يُوَاجِرَ
اور جب کسی شخص کو اپنا مال فروخت کرنے یا کسی سامان کی خریداری یا کسی کے واسطے ہزار درہم کے اقرار یا اپنے گھر کو اجارہ پر دینے

دَارَهٗ وَ اُكْرِهَ عَلٰى ذٰلِكَ بِالْقَتْلِ اَوْ بِالضَّرْبِ الشَّدِيْدِ اَوْ بِالْحَبْسِ فَبَاعَ اَوِ اشْتَرٰى فَهُوَ بِالْخِيَارِ
کیلئے اکراہ کیا گیا اور قتل کر ڈالنے یا ضرب شدید یا قید میں ڈالنے کی دھمکی دی جائے پھر وہ فروخت کر دے یا خرید لے تو اسے یہ حق

اِنْ شَاءَ اَمْضَى الْبَيْعَ وَ اِنْ شَاءَ فَسَخَهٗ وَ رَجَعَ بِالْمَبِيْعِ فَاِنْ كَانَ قَبَضَ الثَّمَنَ طَوْعًا فَقَدْ
حاصل ہوگا کہ خواہ یہ بیع برقرار رکھے اور خواہ فسخ کر کے مبیع لوٹا لے۔ پھر اگر وہ بخوشی قیمت پر قابض ہو جائے تو اس نے گویا یہ بیع درست

اَجَازَ الْبَيْعَ وَ اِنْ كَانَ قَبَضَهٗ مُكْرَهًا فَلَيْسَ بِاِجَازَةٍ وَ عَلَيْهِ رَدُّهٗ اِنْ كَانَ قَائِمًا فِىْ
قرار دی اور باکراہ قابض ہونے کو اجازت قرار نہ دیں گے۔ اور اس پر قیمت لوٹانی ہوگی بشرطیکہ وہ اس کے پاس باقی ہو۔

يَدِهٖ وَ اِنْ هَلَكَ الْمَبِيْعُ فِىْ يَدِ الْمُشْتَرِىْ وَهُوَ غَيْرُ مُكْرَهٍ ضَمِنَ قِيْمَتَهٗ لِلْبَائِعِ وَلِلْمُكْرَهِ اَنْ يُّضَمِّنَ
اور اگر خرید کردہ شے خریدار کے پاس تلف ہو گئی درآنحالیکہ اس پر اکراہ نہ ہو تو اس پر فروخت کرنیوالے کیواسطے قیمت کا ضمان لازم آئے گا اور

الْمُكْرِهَ اِنْ شَاءَ۔
جس پر اکراہ کیا گیا ہو وہ اگر چاہتا ہو تو اسے اکراہ کرنیوالے سے ضمان لینے کا حق ہوگا۔

لغات کی وضاحت: شراء: خریدنا۔ سلعۃ: اسباب۔ امضیٰ: باقی رکھنا۔ طوعًا: بہ رضامندی۔

اکراہ سے متعلق کچھ اور احکام

تشریح و توضیح

وإذا أُكرِهَ الرجلُ الخ۔ کسی شخص کو یہ دھمکی دیکر کہ اسے قتل کردیا جائیگا یا سخت زدوکوب کیا جائیگا یا یہ کہ اسے قید میں ڈالدیا جائیگا اس پر مجبور کیا جائے کہ وہ فلاں چیز بیچدے، یا یہ کہ فلاں شے خریدے، یا یہ کہ وہ ہزار دراہم کا اقرار واعتراف کرے، یا یہ کہ وہ اپنے گھر کو کرایہ پر دیدے تو اس کیفیتِ اکراہ کے زائل ہوجانے اور اس کا اختیار بحال ہونیکے بعد اسے یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ اکراہ کی حالت میں کئے گئے عقود کو برقرار رکھے اور خواہ انھیں باقی نہ رکھتے ہوئے فسخ کردے۔ عند الاحناف کلی ضابطہ یہ ہے کہ جسے مجبور کیا گیا ہو اس کے سارے تصرفات کا انعقاد باعتبار قول ہوا کرتا ہے تو محتملِ فسخ معاملات مثال کے طور پر بیع وشراء واجارہ انھیں تو فسخ کرنے کا اسے حق حاصل ہوگا۔ اور غیر محتملِ فسخ عقود مثال کے طور پر طلاق ونکاح وغیرہ انھیں فسخ کرنیکا حق اسے حاصل نہ ہوگا بلکہ یہ بحالتِ اکراہ بھی نافذ ہوجائیں گے۔ البتہ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک نافذ ولازم نہ ہوں گے۔

وان هلك المبيع الخ۔ اگر فروخت کرنیوالا بحالتِ اکراہ کسی چیز کو بیچ دے اور خریدار اسے بغیر اکراہ خریدلے، اس کے بعد خریدکردہ شے خریدار کے پاس تلف ہوجائے تو خریدار پر لازم ہوگا کہ وہ فروخت کنندہ کو اس کے تاوان کی ادائیگی کرے۔ اسلئے کہ اکراہ کئے گئے شخص کی بیع فاسد قرار دی جاتی ہے اور فاسد بیع کے اندر بھی مبیع تلف ہونیکی صورت میں خریدار پر ضمان لازم آتا ہے البتہ اکراہ کئے گئے شخص کو اس میں یہ بھی حق حاصل ہے کہ جس شخص نے اس پر اس معاملہ میں زبردستی کی تھی اسی سے تلف شدہ کی قیمت کا ضمان وصول کرے اور اکراہ کرنیوالا یہ ضمان خریدار سے لیلے۔

وَانْ اُكْرِهَ عَلٰى اَنْ يَاكُلَ الْمَيْتَةَ اَوْ يَشْرَبَ الْخَمْرَ وَاُكْرِهَ عَلٰى ذٰلِكَ بِحَبْسٍ اَوْ بِضَرْبٍ اَوْ قَيْدٍ

اور اگر اکراہ کیا گیا کہ مردار کھایا جائے، یا شراب پی جائے ورنہ قید میں ڈال دیا یا مارا جائے گا تو مکرہ کیلئے یہ کھانا پینا حلال نہیں

لَمْ يَحِلَّ لَهٗ اِلَّا اَنْ يُكْرَهَ بِمَا يَخَافُ مِنْهُ عَلٰى نَفْسِهٖ اَوْ عَلٰى عُضْوٍ مِنْ اَعْضَائِهٖ فَاِذَا خَافَ ذٰلِكَ وَسِعَهٗ

ہوگا الا یہ کہ دھمکی کے باعث جان جانے یا اعضاء میں سے کسی عضو کے تلف ہونے کا خطرہ ہو۔ اس طرح کے خطرہ پر مجبور کردہ پر

اَنْ يُقْدِمَ عَلٰى مَا اُكْرِهَ عَلَيْهِ فَاِنْ صَبَرَ حَتّٰى اَوْقَعُوْا بِهٖ وَلَمْ يَاْكُلْ فَهُوَ اٰثِمٌ وَاِذَا اُكْرِهَ

اقدام کی گنجائش ہے۔ اور اگر صبر سے کام لے حتیٰ کہ وہ دھمکی پر عمل کرلے اور وہ نہ کھائے تو گنہگار قرار دیا جائے گا اور اگر کفر باللہ یا

عَلَى الْكُفْرِ بِاللهِ تَعَالٰى اَوْ سَبِّ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِقَيْدٍ اَوْ حَبْسٍ اَوْ ضَرْبٍ لَمْ يَكُنْ ذٰلِكَ اِكْرَاهًا

نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر سب وشتم کے لئے اکراہ کیا جائے اور قید میں ڈالنے یا زدوکوب کی دھمکی دی جائے تو اسے اکراہ قرار نہ دینگے

حَتّٰى يُكْرَهَ بِاَمْرٍ يَخَافُ مِنْهُ عَلٰى نَفْسِهٖ اَوْ عَلٰى عُضْوٍ مِنْ اَعْضَائِهٖ فَاِذَا خَافَ ذٰلِكَ وَسِعَهٗ اَنْ

حتیٰ کہ اس دھمکی کے باعث جان جانے یا اعضاء میں سے کسی عضو کے تلف ہونے کا خطرہ ہو اگر اسطرح کا خطرہ ہو تو اسکی گنجائش ہے کہ توریہ

يُظْهِرَ مَا أَمَرُوهُ بِهِ وَيُوَرِّي فَإِذَا أَظْهَرَ ذٰلِكَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ وَإِنْ صَبَرَ
سے کام لیتے ہوئے حکم کردہ کا اظہار کرے۔ اگر وہ اس کا اظہار کرے درآنحالیکہ اس کا قلب مطمئن بالایمان ہو تو وہ گنہگار نہ ہوگا۔ اور اگر صبر سے کام لے
حَتّٰى قُتِلَ وَلَمْ يُظْهِرِ الْكُفْرَ كَانَ مَأْجُورًا وَإِنْ أُكْرِهَ عَلٰى إِتْلَافِ مَالِ مُسْلِمٍ بِأَمْرٍ يُخَافُ مِنْهُ
یہانتک کہ قتل کر دیا جائے اور وہ اظہار کفر نہ کرے تو وہ ماجور ہوگا اور اگر مال مسلم کے اتلاف پر اکراہ کیا گیا اسطرح کی دھمکی کے ذریعہ جس سے جان
عَلٰى نَفْسِهِ أَوْ عَلٰى عُضْوٍ مِنْ أَعْضَائِهِ وَسِعَهُ أَنْ يَفْعَلَ ذٰلِكَ وَلِصَاحِبِ الْمَالِ أَنْ يُضَمِّنَ
جانے یا اعضاء میں سے کسی عضو کے تلف ہونے کا خطرہ ہو تو اس کے واسطے ایسا کرنیکی گنجائش ہوگی اور مال والا اکراہ کرنیوالے سے ضمان وصول
الْمُكْرِهَ وَإِنْ أُكْرِهَ بِقَتْلٍ عَلٰى قَتْلِ غَيْرِهِ لَا يَسَعُهُ قَتْلُهُ بَلْ يَصْبِرُ حَتّٰى يُقْتَلَ فَإِنْ قَتَلَهُ كَانَ
کرلے۔ اور اگر قتل کرنے کی دھمکی کے ذریعہ کسی دوسرے کو ہلاک کرنے پر اکراہ کیا گیا تو اسے ہلاک کرنیکی گنجائش نہ ہوگی بلکہ وہ صبر سے کام لے حتیٰ کہ قتل کردیا
آثِمًا وَالْقِصَاصُ عَلَى الَّذِي أَكْرَهَهُ إِنْ كَانَ الْقَتْلُ عَمْدًا وَإِنْ أُكْرِهَ عَلٰى طَلَاقِ
جائے اور اگر وہ قتل کر ڈالے تو گنہگار قرار دیا جائیگا اور قصاص اکراہ کرنیوالے پر آئیگا بشرطیکہ عمداً قتل کیا جائے۔ اور اگر اس پر اکراہ کیا گیا کہ وہ اپنی بیوی
امْرَأَتِهِ أَوْ عِتْقِ عَبْدِهِ فَفَعَلَ وَقَعَ مَا أُكْرِهَ عَلَيْهِ وَيَرْجِعُ عَلَى الَّذِي أَكْرَهَهُ بِقِيمَةِ الْعَبْدِ
پر طلاق واقع کرے یا غلام حلقۂ غلامی سے آزاد کرے اور وہ اسی طرح کرلے تو جس پر اکراہ کیا گیا اس کا وقوع ہو جائیگا اور وہ اکراہ کرنیوالے سے قیمت
وَيَرْجِعُ بِنِصْفِ مَهْرِ الْمَرْأَةِ إِنْ كَانَ قَبْلَ الدُّخُولِ وَإِنْ أُكْرِهَ عَلَى الزِّنَا وَجَبَ عَلَيْهِ
غلام اور زوجہ کا آدھا مہر وصول کرے گا بشرطیکہ طلاق ہمبستری سے قبل ہو۔ اور اگر اکراہ کیا گیا کہ وہ زنا کرے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک
الْحَدُّ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ إِلَّا أَنْ يُكْرِهَهُ السُّلْطَانُ وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ لَا يَلْزَمُهُ
اس پر حد کا وجوب ہوگا الّا یہ کہ اکراہ سلطان کرے اور امام ابویوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک حد کا وجوب نہ ہوگا
الْحَدُّ وَإِذَا أُكْرِهَ عَلَى الرِّدَّةِ لَمْ تَبِنْ امْرَأَتُهُ مِنْهُ۔
اور اگر ارتداد پر اکراہ کیا گیا تو اس کی زوجہ اس سے بائنہ نہیں ہوگی۔

لغات کی وضاحت: المیتة: مردار۔ الخمر: شراب۔ وسع: گنجائش۔ سب: برا کہنا۔ ماجوراً: اجر یافتہ
اتلاف: ضائع کرنا۔ الدخول: ہمبستری۔ الردة: ارتداد۔ دین سے پھر جانا۔

تشریح و توضیح

وان اکرہ علی ان یاکل الخ۔ اگر کسی شخص کو اس بات پر مجبور کیا جائے کہ وہ مردار کھائے یا اس پر مجبور کیا جائے کہ وہ شراب نوشی کرے اور ایسا نہ کرنے کی صورت میں یہ دھمکی دی جائے کہ قید میں ڈال دیا جائے گا یا مارا پیٹا جائے گا تو اس دھمکی کے باعث مردار کھانا یا شراب پینا حلال نہ ہوگا۔ البتہ اگر بات صرف قید میں ڈلنے یا مارپیٹ تک محدود نہ ہو بلکہ اس سے بڑھ کر یہ مکمل خطرہ ہو کہ نہ ماننے اور انکار کرنے کی صورت میں یا تو جان سے مار دیا جائے گا یا اعضاء میں سے کوئی عضو اس کی پاداش میں تلف کر دیا جائیگا تو پھر بدرجۂ مجبوری اس پر عمل کی گنجائش ہوگی بلکہ ایسی شکل میں اگر نہ کھائے پیئے اور صبر سے کام لیتے

ہوئے مرجائے تو گنہ گار قرار دیا جائے گا کہ اسے جان کا بچانا ضروری تھا۔ حضرت امام ابویوسفؒ، حضرت امام شافعیؒ اور ایک روایت کے مطابق حضرت امام احمدؒ یہ فرماتے ہیں کہ وہ گنہ گار قرار نہ دیا جائے گا اسلئے کہ ایسی صورتِ حال میں کھانے کی رخصت ہے اور نہ کھانا داخل عزیمت ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ حرام ہونیکے حکم سے اضطراری حالت کا استثناء کیا گیا۔ ارشادِ ربانی ہے "وقد فصّل لکم ما حرّم علیکم الا ما اضطررتم الیہ" (الآیۃ) حرام چیز سے جس کا استثناء کیا گیا وہ حلال ہے اور حلال چیز نہ کھاتے ہوئے خود کو ہلاک کرنا باعثِ گناہ ہے۔

واذا اکرہ علی الکفر الخ۔ اگر کسی پر اکراہ کیا گیا کہ وہ کفر باللہ کرے یا نبی علیہ السلام کی شانِ مبارک میں گستاخی کرے ورنہ اسے قید میں ڈالدیا جائے گا یا زدوکوب کیا جائے گا تو اسے اکراہ قرار نہ دیں گے اور اکراہ کے مطابق کہنا جائز نہ ہوگا۔ اور اگر اس پر اکراہ کیا گیا اور اس دھمکی کے باعث جان جانے یا اعضاء میں سے کسی عضو کے تلف ہونیکا خطرہ ہو تو پھر زبان سے اکراہ پر عمل کی گنجائش ہوگی اس شرط کے ساتھ کہ اس کے دل کو ایمان پر اطمینان ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ اور اگر وہ ایسے حال میں بھی صبر سے کام لے اور اظہارِ کفر نہ کرے حتیٰ کہ اس کے باعث اسے قتل کردیا جائے تو وہ ماجور ہوگا۔ اور اگر اسے کسی مسلم کے مال کے اتلاف پر مجبور کیا جائے اور اسے اسکے خلاف کرنے پر اپنے مار ڈالے جانے یا اعضاء میں سے کسی عضو کے تلف ہونیکا اندیشہ ہو تو اس کے واسطے اس کی بھی گنجائش ہوگی اور اس صورت میں صاحبِ مال اکراہ کرنیوالے سے ضمان لے گا۔

وان اکرہ بقتل علی قتل غیرہ الخ۔ اگر اکراہ کیا گیا کہ یا تو وہ فلاں کو قتل کردے ورنہ اسے خلاف ورزی کی بناء پر قتل کردیا جائے گا تو اس دھمکی کے باعث دوسرے کو قتل کردینا درست نہ ہوگا۔ اسے چاہئے کہ اس پر صبر سے کام لے اور خود قتل ہونا قبول کرے۔ لیکن اگر اس کے باوجود وہ اکراہ پر عمل کرتے ہوئے قتل ہی کر ڈالے تو گنہ گار قرار دیا جائے گا اور حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک قصاص اکراہ کرنیوالے پر آئیگا۔ حضرت امام زفرؒ کے نزدیک اکراہ کئے گئے پر آئے گا اسلئے کہ قتل کا صدور مکرَہ سے ہوا حقیقی اعتبار سے بھی اور حسی اعتبار سے بھی۔ اور حضرت امام ابویوسفؒ کے نزدیک دونوں میں سے کسی پر بھی قصاص نہیں آئیگا اس واسطے کہ ایک کرگذرنیوالا ہے اور دوسرا سبب بنا ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک اکراہ کرنیوالا سببِ قتل بنا اسی سے قصاص لیں گے۔ رہا اکراہ کیا گیا شخص تو اس کی حیثیت محض ایک آلہ اور واسطہ کی ہے اس سے قصاص نہ لیں گے۔

وان اکرہ علی طلاق امرأتہ الخ۔ اگر کوئی شخص اکراہ کرے کہ فلاں شخص اپنی زوجہ پر طلاق واقع کردے یا وہ اپنے غلام کو غلامی کے حلقہ سے آزاد کردے اور وہ اسکے مطابق طلاق واقع کردے یا غلام کو آزادی عطا کردے تو عند الاحناف ان کا انفاذ ہوجائے گا، بیوی پر طلاق پڑجائے گی اور غلام آزاد ہوجائے گا اس لئے کہ یہ دونوں امور ان میں سے ہیں جو بصورتِ اکراہ بھی واقع ہوجاتے ہیں۔ حضرت امام شافعیؒ کا اس میں اختلاف ہے۔ اب غلام آزاد ہوجانے کی صورت میں اکراہ کیا گیا شخص اکراہ کرنیوالے سے قیمتِ غلام وصول کریگا اس سے قطع نظر کہ صاحبِ مال ہو یا مفلس۔ اس لئے کہ یہ اتلاف اسی کی وجہ سے ہوا اور وقوعِ طلاق کی شکل میں اگر منکوحہ سے ابھی ہمبستری نہ ہوئی ہو تو اکراہ کرنیوالے سے اس کا آدھا مہر وصول کریگا۔ اس لئے کہ خاوند پر واجب شدہ مہر کے ساقط ہونیکا احتمال اس عنوان سے تھا کہ ممکن ہے علیحدگی عورت کیطرف سے ہو۔

یعنی خلع ... یہ کہ عورت مہر معاف کردے اور شوہر اس کے بدلہ طلاق دیدے مگر طلاق ہو جانیکے باعث مہر مؤکد بن گیا تو اس مال کے تلف ہونیکی نسبت اکراہ کرنیوالے کی جانب ہوگی اور اگر یہ بالاکراہ طلاق دینا بعد ہمبستری ہو تو اب اکراہ کرنیوالے سے کچھ وصول کرنے کا ... نہ ہوگا اس واسطے کہ مہر تو ہمبستری کے باعث پہلے ہی مؤکد ہو چکا۔

کتاب السیر

جہاد کا بیان

الجہادُ فرضٌ علی الکفایۃ اِذا قام بہ فریقٌ سقط عن الباقین وان لم یقم بہ احدٌ اثم جمیع الناس

جہاد کو فرض کفایہ قرار دیا گیا کہ کچھ لوگوں کے جہاد کرنے سے باقی سے ساقط ہو جاتا ہے اور اگر کسی نے بھی نہ کیا تو اس کے باعث سارے لوگ

بترکہٖ وقتالُ الکفار واجبٌ وان لم یبدؤنا ولا یجب الجہادُ علی صبیٍّ ولا عبدٍ ولا امرأۃٍ و

گنہگار ہوں گے اور کفار سے جہاد واجب ہے۔ اگرچہ انکی طرف سے آغاز نہ ہوا اور نہ بچہ پر جہاد کا وجوب ہے اور نہ غلام اور عورت اور نابینا

لا اعمٰی ولا مُقعدٍ ولا اقطع فان ہجم العدوُّ علی بلدٍ وجب علی جمیع المسلمین الدفعُ تخرجُ المرأۃُ

اور ہاتھ پاؤں سے معذور اور مقطوع الاعضاء پر۔ پس اگر دشمن کسی شہر پر حملہ آور ہوں تو اس کا دفاع سارے مسلمانوں پر لازم ہوگا۔ عورت

بغیر اذن زوجہا والعبدُ بغیر اذن المولٰی واذا دخل المسلمون دار الحرب فحاصروا مدینۃً

بلا اجازت خاوند نکلے گی اور غلام بلا اجازت آقا نکلے گا۔ اور مسلمانوں کے دار الحرب میں کسی شہر یا قلعہ کے محاصرہ کر لینے پر انھیں اسلام

او حصنًا دعوہم الی الاسلام فان اجابوہم کفوا عن قتالہم وان امتنعوا دعوہم الی اداء

کی جانب بلانا چاہیے۔ اگر انھوں نے دعوت اسلام قبول کرلی تو ان کے ساتھ جہاد نہ کریں اور اگر دعوت اسلام قبول نہ کریں تو ان سے

الجزیۃ فان بذلوہا فلہم ما للمسلمین وعلیہم ما علیہم ولا یجوز ان یقاتل من لم تبلغہ دعوۃ

جزیہ ادا کرنے کیلئے کہیں اگر وہ جزیہ ادا کریں تو ان کے وہی حقوق ہوں گے جو مسلمانوں کے ہیں اور ان پر وہی ہوگا جو کہ مسلمانوں پر ہوتا

الاسلام الا بعد ان یدعوہم ویستحب ان یدعوا من بلغتہ الدعوۃ الی الاسلام ولا یجب

ہے اور جس تک دعوت اسلام نہیں پہونچی اس سے قتال درست نہ ہوگا لیکن دعوت اسلام کے بعد اور جس تک دعوت اسلام پہنچ گئی ہو اسے دعوت اسلام دینا

ذٰلک فان ابوا استعانوا باللہ تعالٰی علیہم وحاربوہم ونصبوا علیہم المجانیق وحرقوہم

لازم نہیں مگر باعث استحباب ہے۔ اگر وہ دعوت اسلام قبول نہ کریں تو اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے ہوئے انکے ساتھ جنگ کریں اور منجنیقوں کو نصب کردیں

وارسلوا علیہم الماء وقطعوا اشجارہم وافسدوا زروعہم ولا باس برمیہم وان کان

اور انھیں نذر آتش کردیں اور ان پر پانی بہادیں اور ان کے درخت قطع کردیں اور انکی کھیتیوں کو برباد کردیں اور ان پر تیر اندازی میں مضائقہ

فیہم مسلمٌ اسیرٌ او تاجرٌ وان تترسوا بصبیان المسلمین او بالاسارٰی لم یکفوا عن رمیہم

نہیں خواہ ان میں کوئی مسلم اسیر یا تاجر ہی کیوں نہ ہو اور خواہ وہ مسلمین کے بچوں یا اسیروں کو ڈھال کیوں نہ بنالیں تب بھی تیر اندازی سے باز

وَیقصدون بالرمی الکفار دون المسلمین ولا باس باخراج النساء والمصاحف مع المسلمین
نہ آئیں اور تیر اندازی سے کافروں کا ارادہ کریں مسلمانوں کا نہیں اور مسلمانوں کا لشکر بڑا ہو اور لوگوں کے بارے میں دگرند نہ پہنچنے کا، اطمینان ہو
اِذا کانَ عسکرٌ عظیمٌ یُؤمَنُ علیھا ویکرہ اخراجُ ذٰلکَ فی سریۃٍ لا یُؤمَنُ علیھا ولا تقاتلُ
تو عورتوں اور قرآن کو ہمراہ رکھنے میں مضائقہ نہیں اور ایسا چھوٹا لشکر جسمیں انکے بارے میں اطمینان نہ ہوتا ہو تو ہمراہ رکھنا باعث کراہت ہے۔ اور عورت بلا
المرأۃُ اِلّا باذنِ زوجھا ولا العبدُ اِلّا باذنِ سیّدِہٖ اِلّا اَن یھجم العدوُّ وینبغی للمسلمینَ اَن
اجازتِ خاوند قتال نہیں کرے گی اور نہ غلام بلا اجازتِ آقا قتال کرے گا الّایہ کہ ان پر ایکدم دشمن حملہ آور ہو جائے اور مسلمانوں کو
لا یغدِرُوا ولا یغُلّوا ولا یمثّلوا ولا یقتلوا امرأۃً ولا صبیّاً ولا شیخاً فانیاً ولا اعمیٰ ولا مُقعَدًا
عہد شکنی وخیانت ومُثلہ نہ کرنا چاہئے۔ اور کسی عورت اور بچہ اور شیخ فانی اور نابینا اور اپاہج کے قتل کے مرتکب نہ ہوں۔
اِلّا اَن یکونَ اَحَدُ ھٰؤلاءِ مِمّن یکونُ لہٗ رأیٌ فی الحربِ اَو تکونَ المرأۃُ مَلِکَۃً ولا یقتلوا مجنونًا۔
الّا یہ کہ ان میں سے جنگ کے امور میں ذی رائے ہو یا یہ کہ وہ عورت حکمراں ہو اور مسلمان کسی پاگل کو بھی قتل نہ کریں۔

لغت کی وضاحت

اثم: گنہگار۔ الناس: لوگ۔ ھجم: اچانک آنا۔ العدو: دشمن۔ اذن: اجازت۔
اجابوا: تسلیم کرلیں۔ بذل: دینا۔ استعانوا: مدد طلب کرنا۔ مجانیق۔ منجنیق کی جمع۔ منجنیق: جنگ میں قلعہ کی دیوار
پر پتھر پھینکنے کی مشین۔ زروع: زرع کی جمع، کھیتی۔ رمی: تیر اندازی۔ شیخ فانی: بہت زیادہ بوڑھا۔ الحرب: جنگ۔

تشریح وتوضیح

الجہاد فرض علی الکفایۃ الخ۔ جہاد حق اللہ ہے۔ شرعاً اس کا استعمال دین حق کی طرف بلانے اور دینِ حق قبول نہ کرنے والے سے قتال کیلئے ہوتا ہے۔ جہاد کی فضیلت بکثرت احادیث میں موجود ہے۔ رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو اولاً تبلیغ اور اعراض عن المشرکین کیلئے مامور فرمایا گیا۔ ارشادِ ربانی ہے۔ " فاصدع بما تؤمر واعرض عن المشرکین" پھر مجادلہ کا حکم ہوا۔ ارشادِ ربانی ہے " ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن" پھر قتال کی اجازت عطا فرمائی گئی۔ ارشادِ خداوندی ہے " اُذن للذین یقاتلون"۔ شمس الائمہ سرخسیؒ کی شرح السیر الکبیر میں اسی طرح ہے۔ سقط سے اس طرف اشارہ ہے کہ فرض کفایہ ہر ایک پر فرض ہوتا ہے۔ لیکن اگر بعض اسے انجام دیدیں تو حصولِ مقصد کے باعث باقی کے ذمہ سے ساقط ہو جاتا۔

ولا یجب الجہاد علی صبی الخ۔ بچہ غلام اور عورت پر جہاد فرض نہیں۔ عورتیں بعض غزوات میں جاتی بھی تھیں تو ان کا کام مجاہدین کی خدمت کرنا ہوتا تھا خود شریک جہاد نہ ہوتی تھیں۔ بخاری شریف وغیرہ میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم غزوہ میں تشریف لیجاتے تو آپؐ کے ساتھ بعض عورتیں ہوتی تھیں اور وہ بیماروں کی خدمت کرتیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کیا کرتی تھیں۔ اسی طرح بیماروں اور معذوروں پر جہاد فرض نہیں۔ ارشادِ باری تعالےٰ ہے " لیس علی الاعمیٰ حرج ولا علی الاعرج حرج ولا علی المریض حرج "۔

فان ھجم العدو علی بلد الخ۔ اگر ایسا ہو کہ کسی شہر پر اچانک دشمن حملہ آور ہو جائے تو بلا امتیاز سارے مسلمانوں پر جہاد

فرض ہوگا۔ ایسے موقعہ پر بلا اجازتِ خاوند عورت شریک جہاد ہو جائے گی اور آقا کی اجازت کے بغیر ہی غلام شریک جہاد ہو جائیگا۔

واذا دخل المسلمون دار الحرب الخ۔ اگر ایسا ہو کہ مسلمانوں نے دار الحرب میں پہنچکر کفار کا شہر یا قلعہ گھیر لیا ہو تو جنگ سے پہلے انھیں اسلام کیطرف بلائیں۔ اس واسطے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا معمول یہی تھا۔ اگر وہ لوگ اسلام قبول کرلیں تو فبہا اور اگر دائرۂ اسلام میں داخل نہ ہوں تو دوسرے نمبر پر ان سے جزیہ کی ادائیگی کے واسطے کہا جائے۔ اگر وہ جزیہ دینے کو تسلیم کرلیں تو ان کے ساتھ وہی معاملہ ہوگا جو مسلمانوں سے ہوتا ہے۔ یعنی ان کے مظلوم ہونیکی شکل میں ان کے ساتھ ٹھیک اسی طرح انصاف کیا جائے گا جس طرح مسلمانوں سے کیا جاتا ہے۔ اور ظالم ہونے پر ان سے بالکل اسی طریقہ سے انتقام لیں گے جس طرح کہ مسلمانوں سے لیتے ہیں۔ اگر وہ جزیہ کی پیش کش قبول نہ کرتے ہوئے انکار کریں پھر اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے ہوئے ان کے ساتھ جنگ کریں منجنیق نصب کرکے ان پر سنگ باری کریں، ان کے قلعوں اور دیواروں پر پتھر پھینکیں۔ ان کے مالوں اور جانوں کو نذرِ آتش کرکے ان کی شوکت اور اجتماعی قوت کو پارہ پارہ کریں۔ اصل اس بارے میں یہ ارشادِ ربانی ہے "ما قطعتم من لینۃ أو ترکتموہا قائمۃ علٰی اصولہا فباذن اللہ ولیخزی الفاسقین" (الآیۃ) ابوداؤد مراسیل میں اور ابن سعد طبقات میں روایت کی ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے طائف کے محاصرہ کیوقت منجنیق نصب فرمائے۔ اور صحاح ستہ میں ہے کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے بنو نضیر جو یہود کا قبیلہ تھا ان کے کھجور کے درخت ان کو مدینہ سے جلا وطن کرتے ہوئے قطع فرمائے اور وہ درخت کاٹ کر جلادیئے گئے تاکہ وہ لوگ نکلنے پر مجبور ہو جائیں۔

ان لا یغدروا الخ غدر سے مراد عہد شکنی ہے۔ یعنی وہ عہد جو مسلمانوں اور کفار کے درمیان ہو۔ ابوداؤد و ترمذی و نسائی میں روایت ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہلِ روم کے درمیان عہد تھا حضرت معاویہؓ ان کے بلاد کیطرف چلے کہ مدتِ عہد پوری ہو جائے تو اہلِ روم سے جہاد کریں۔ پس ایک شخص گھوڑے پر سوار اللہ اکبر اللہ اکبر، عہد پورا کرنا ہے "عہد شکنی نہیں" کہتا ہوا آیا۔ لوگوں نے دیکھا تو وہ حضرت عمرو بن عنبسہ رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت معاویہؓ نے ان کے پاس آدمی بھیج کر دریافت کیا تو انھوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے سنا کہ اہلِ اسلام کا جس قوم سے عہد ہو پس نہ گرہ باندھے نہ کھولے حتیٰ کہ مدت پوری ہو جائے اور نہ انکی طرف نقضِ مصالحت کرکے بڑھے۔ حضرت معاویہؓ یہ سنکر مع لشکر کے لوٹ گئے۔

الا ان یکون احد ھؤلاء ممن یکون لہ رأی الخ۔ یعنی اگر ان میں کوئی ایسا ہو جو جنگ کے سلسلہ میں ذی رائے ہو اور اس کی وجہ سے ضرر پہنچ سکتا ہو تو اسے قتل کردیا جائے گا۔ جیسے کہ غزوۂ حنین میں درید بن صمہ جو بہت بوڑھا شخص تھا اسے قتل کیا گیا تھا۔

وَاِنْ رَأَى الْاِمَامُ اَنْ یُّصَالِحَ اَھْلَ الْحَرْبِ اَوْ فَرِیْقًا مِّنْھُمْ وَکَانَ فِیْ ذٰلِکَ مَصْلَحَۃٌ لِّلْمُسْلِمِیْنَ فَلَا
اور اگر امام المسلمین کو اہل حرب یا کسی فریقِ اہل حرب سے مصالحت میں مسلمانوں کے لئے خیر نظر آئے تو اس مصالحت میں مضائقہ
بَأْسَ بِہٖ فَاِنْ صَالَحَھُمْ مُدَّۃً ثُمَّ رَاٰی اَنَّ نَقْضَ الصُّلْحِ اَنْفَعُ نَبَذَ اِلَیْھِمْ وَقَاتَلَھُمْ فَاِنْ بَدَءُوْا
نہیں۔ اگر ان کے ساتھ ایک عرصہ کیلئے مصالحت کرے اس کے بعد نہ کرنا انفع معلوم ہو تو مصالحت ختم کرکے ان سے قتال کرے اور اگر وہ خیانت

بخيانة قاتلهم ولم ينبذ اليهم اذا كان ذلك باتفاقهم واذا خرج عبيدهم الى عسكر المسلمين

کی ابتدا کریں تو عہد توڑنیکی خبر کے بغیر انکے ساتھ قتال کرے بشرطیکہ خیانت ان تمام کے اتفاق سے ہوئی ہو۔ اور ان کے غلام اسلامی لشکر میں آگئے تو وہ

فهم احرار ولا باس ان يعلف العسكر في دار الحرب ويأكلوا ما وجدوه من الطعام ويستعملوا

آزاد شمار ہوں گے اور اس میں مضائقہ نہیں کہ اسلامی لشکر دار الحرب میں اپنے جانوروں کو چارہ کھلائے اور لشکر کو انکا جو کھانا ملے وہ کھالے اور انکی لکڑیوں

الحطب ويدهنوا بالدهن ويقاتلوا بما يجدونه من السلاح كل ذلك بغير قسمة ولا يجوز ان

اور تیل کو استعمال میں لائے۔ اور ان کے جو ہتھیار ملیں ان سے قتال کرے۔ یہ تمام بلا تقسیم کرے۔ اور ان میں سے کسی چیز کو فروخت

يبيعوا من ذلك شيئا ولا يتمولونه ومن اسلم منهم احرز باسلامه نفسه واولاده الصغار

کرنا درست نہیں اور نہ اپنے واسطے ذخیرہ کرنا درست ہے۔ اور ان میں سے مسلمان ہونیوالا بچالے گا خود کو اور اپنی نابالغ اولاد اور

وكل مال هو في يده او وديعة في يد مسلم او ذمي فان ظهرنا على الدار فعقاره فيء و

اپنے پاس موجود ہر مال یا اس مال کو جو کسی مسلم یا ذمی کے پاس امانۃً ہو۔ اور اگر ہمارا غلبہ ہوجائے اس کے گھر پر تو اسکی زمین، اس کا

حملها فيء واولاده الكبار فيء ولا ينبغي ان يباع السلاح من اهل الحرب ولا يجهز اليهم

حمل اور اسکی بالغ اولاد تمام مالِ غنیمت شمار ہوں گے۔ اور اہل حرب کو ہتھیار فروخت کرنا موزوں نہیں۔ اور نہ اسباب انکی جانب لے

ولا يفادى بالاسارى عند ابي حنيفة رحمه الله وقالا رحمهما الله يفادى بهم اسارى المسلمين

جائے اور نہ قیدیوں کے بدلہ میں انھیں رہا کریں امام ابوحنیفہؒ یہی فرماتے ہیں۔ اور امام ابویوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک انھیں مسلمان قیدیوں کے بدلہ

ولا يجوز المن عليهم واذا فتح الامام بلدة عنوة فهو بالخيار ان شاء قسمها بين الغانمين

رہائی عطا کریں۔ اور یہ درست نہیں کہ ان پر احسان کیا جائے۔ اور امام المسلمین کو کوئی شہر بقوت فتح کرلینے کے بعد یہ حق ہے کہ خواہ اسے مجاہدین کے درمیان

وان شاء اقر اهلها عليها ووضع عليهم الجزية وعلى اراضيهم الخراج وهو في الاسارى

بانٹ دے اور خواہ اسکے باشندوں کے پاس باقی رکھتے ہوئے ان لوگوں پر جزیہ اور انکی اراضی پر خراج لگا دے اور ان کے قیدیوں کے بارے میں بھی

بالخيار ان شاء قتلهم وان شاء استرقهم وان شاء تركهم احرارا ذمة للمسلمين

یہ حق ہے کہ خواہ انھیں موت کے گھاٹ اتار دے اور خواہ انھیں مسلمانوں کیواسطے غلام بنائے۔ اور خواہ انھیں ذمی بناتے ہوئے آزاد رہنے دے۔

ولا يجوز ان يردهم الى دار الحرب واذا اراد الامام العود الى دار الاسلام ومعه مواش

اور یہ درست نہیں کہ انھیں دار الحرب لوٹنے دے۔ اور امام المسلمین جب دار الاسلام کی جانب لوٹنے کا قصد کرے اور اس کے ہمراہ مویشی ہوں

فلم يقدر على نقلها الى دار الاسلام ذبحها وحرقها ولا يعقرها ولا يتركها ولا يقسم غنيمة

کہ ان کا دار الاسلام میں لانا ممکن نہ ہو تو انھیں ذبح کرکے نذرِ آتش کردے نہ انکی کونچیں کاٹے اور نہ انھیں اسی طرح چھوڑے اور غنیمت

في دار الحرب حتى يخرجها الى دار الاسلام والردء والمقاتل سواء واذا الحقهم المدد

دار الاسلام میں لانے سے قبل دار الحرب میں نہ بانٹے اور اس میں معاون اور قتال کرنیوالے مساوی ہونگے اور جو مدد دار الحرب میں

في دار الحرب قبل ان يخرجوا الغنيمة الى دار الاسلام شاركوهم فيها ولا حق لاهل

دار الاسلام کے اندر غنیمت لانے سے پہلے پہونچے گی تو یہ مدد کو پہنچنے والے بھی غنیمت میں شریک شمار ہوں گے اور لشکر کے اہل بازار

سُوْقِ الْعَسْكَرِ فِي الْغَنِيْمَةِ إِلَّا أَنْ يُقَاتِلُوْا ۔
کا غنیمت میں کوئی حق نہ ہوگا الا یہ کہ انھوں نے بھی قتال کیا ہو۔

کافروں سے مصالحت کا ذکر

لغت کی وضاحت ۔ لا بأس: مضائقہ نہیں۔ عسکر: لشکر۔ الصغار: نابالغ بچے۔ ودیعت: امانت۔ ذمی: دارالاسلام کا غیرمسلم باشندہ۔ الکبار: بڑے، بالغ۔ بلدۃ: شہر۔ عنوۃ: بزور بازو لے لینا۔ الردء: معاون۔ المقاتل: قتال کرنے والے۔

تشریح و توضیح وان رأى الامام الخ۔ اگر امام المسلمین کو مسلمانوں کی بھلائی اس میں نظر آئے کہ اہل حرب سے جنگ کے بجائے مصالحت کرلے اور مصالحت کا ہاتھ مسلمانوں کی فلاح کی خاطر بڑھائے تو اس کے لئے ایسا کرنا درست ہے۔ اس سے قطع نظر کہ باہم مصالحت کا طریقہ کیا ہو۔ ان سے کچھ مال وصول کرکے انعقاد صلح ہو یا کچھ دیکر مصالحت ہو۔ مال لینے اور دینے دونوں میں سے کسی بھی صورت پر عمل کرتے ہوئے صلح کرلینا درست رہے گا۔

فان صالحهم مدة ثم رأى الخ۔ اگر اول مصالحت امام کیلئے قرین مصلحت ہو اور مسلمانوں کا اس میں فائدہ نظر آئے اس کے بعد مختلف اسباب کے تحت اس کی رائے بدلے اور باہم صلح ختم کرنے میں زیادہ فائدہ معلوم ہو تو ایسا ہی کرے۔ اور آئندہ مدتِ صلح نہ بڑھائے البتہ اگر سابق معاہدۂ صلح کی مدت باقی ہو تو صلح ختم کرنیکا اعلان ہوگا تاکہ عہد توڑنے کا ارتکاب نہ ہو جو کہ شرعاً حرام ہے۔ عرصۂ صلح پورا ہو جانے کی صورت میں کسی طرح کے اعلان کی احتیاج نہیں۔ اور اگر ان کا حکمراں خیانت کا ارتکاب کرے تو پھر سرے سے اعلان کی احتیاج ہی نہیں۔ کسی اعلان کے بغیر ان کے ساتھ جنگ کی جائیگی۔ جیساکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے معاہدہ کی کفارِ مکہ کی جانب سے خلاف ورزی کرنے پر ان سے قتال فرمایا تھا۔ اس کا واقعہ اختصار کے ساتھ یہ ہے کہ صلح حدیبیہ میں جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور قریش کے درمیان صلح ہوئی تو اس میں دوسرے قبائل کو اختیار دیا گیا کہ جس کے عہد میں چاہیں شامل ہو جائیں۔ چنانچہ بنو خزاعہ حضورؐ کے عہد میں اور بنو بکر قریش کے عہد میں شامل ہو گئے۔ ان دونوں قبیلوں میں زمانۂ جاہلیت سے اَن بَن چلی آتی تھی۔ حدیبیہ میں ایک میعادی صلح ہو جانے کی وجہ سے فریقین ایک دوسرے سے مامون اور بے خوف ہو گئے۔ بنو بکر نے اپنی دشمنی نکالنے کا موقعہ غنیمت سمجھا اور بنو بکر میں سے نوفل بن معاویہ دیلی نے مع اپنے ہمراہیوں کے خزاعہ پر شب خون مارا۔ خزاعہ کے لوگ مکہ میں بدیل بن ورقاء کے مکان میں گھس گئے مگر بنو بکر اور رؤسائے قریش نے گھروں میں گھس کر ان کو مارا اور لوٹا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن سالم خزاعی کی طلب مدد پر فرمایا " نہ مدد کیا جاؤں میں اگر تیری مدد نہ کروں" اور اس کے نتیجہ میں غزوۂ فتح مکہ مکرمہ پیش آیا۔

ولا بأس ان یعلف العسکر الخ. یعنی اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ اسلامی لشکر دارالحرب میں قیام کے دوران بطور مال غنیمت ان کے چارہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے جانوروں کو کھلائے اور ان کے کھانے پینے اور استعمال کی چیزیں مال غنیمت کی تقسیم سے قبل استعمال کرے۔ روایات سے اس کا درست ہونا ثابت ہے البتہ یہ قطعاً درست نہیں کہ ان اشیاء کو فروخت کیا جائے یا کوئی اپنے واسطے ذخیرہ کرے۔ علامہ قدوریؒ نے تو ان چیزوں سے انتفاع مطلقاً اور بلا قید رکھتے ہوئے علی الاطلاق اجازت دی مگر صاحب وقایہ نے ہتھیاروں سے نفع اٹھانے میں احتیاج کی قید لگائی ہے کہ اگر واقعی ان کی ضرورت ہو تو استعمال کرے ورنہ احتراز کرے۔ اور صاحب ظہیریہ فرماتے ہیں کہ ساری چیزوں سے باجازت امام المسلمین نفع اٹھانا درست ہے۔ پھر جب یہ اشیاء دارالحرب سے نکل جائیں تو تقسیم سے قبل ان سے انتفاع جائز نہ ہوگا۔

ولا یفادیٰ بالاساریٰ الخ. حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جن کافر قیدیوں پر مسلمان قابض ہو جائیں انھیں مسلمان اسیروں کے معاوضہ میں چھوڑ دینا درست نہ ہوگا خواہ ایسا اختتام جنگ سے قبل ہو یا اختتام جنگ کے بعد۔ اسلئے کہ ان سے کفار کو قوت حاصل ہوگی۔ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں یہ درست ہے کہ مسلمان اسیروں کے معاوضہ میں کافر اسیر رہا کئے جائیں۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ یہی فرماتے ہیں۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کی ظاہر الروایت کے مطابق بھی یہی حکم ہے۔

ولا یجوز المن علیہم الخ. یہ درست نہیں کہ جن کافروں کو قیدی بنا کر مسلمان قابض ہوئے انھیں احسان سے کام لیتے ہوئے بغیر کسی عوض کے رہائی عطا کر دی جائے۔ حضرت امام شافعیؒ اسے درست قرار دیتے ہیں۔ ان کا مستدل آیت کریمہ "فامّا منّا وامّا فداءً" ہے۔ اس کا جواب دیا گیا کہ یہ آیت کریمہ دوسری آیت کریمہ "اقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم" کے ذریعہ منسوخ ہو چکی۔

واذا فتح الامام بلدۃ عنوۃ الخ. اگر امام المسلمین اہل حرب کے کسی شہر پر عنوۃً اور بزور قوت فتحیاب ہو تو اسے یہ حق حاصل ہوگا کہ خواہ پانچواں حصہ نکالنے کے بعد باقیماندہ مجاہدین میں بانٹ دے۔ اس شکل میں تقسیم کردہ زمین کے مجاہدین مالک ہو جائیں گے اور اس زمین میں عشر کا وجوب ہوگا اور خواہ مجاہدین میں تقسیم کرنے کے بجائے انھیں وہاں کے باشندوں کے پاس برقرار رکھ کر ان کے اوپر جزیہ و خراج لازم کر دے۔

وھو فی الاساریٰ بالخیار الخ. امام المسلمین کو اسیر کردہ کافروں کے بارے میں یہ حق حاصل ہے کہ خواہ انھیں موت کے گھاٹ اتار دے جس طرح کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بنو قریظہ میں انھیں موت کے گھاٹ اتارا تھا کہ یہ لوگ انتہائی سرکش اور فسادی تھے اور یہ بھی حق ہے کہ موت کے گھاٹ اتارنے کے بجائے غلام بنالے تو اس صورت میں جہاں شر و فساد کا دفاع ہے اس کے ساتھ مسلمانوں کو مکمل فائدہ بھی ہے۔ اور امام المسلمین کو یہ بھی حق ہے کہ انھیں ذمی بنالے اور آزاد رہنے دے۔ البتہ انھیں دارالحرب لوٹا دینا کسی طرح درست نہیں۔

واذا اراد الامام العود الی دار الاسلام ومعہ مواش الخ. اگر ایسا ہو کہ مال غنیمت میں مویشی بھی آگئے ہوں اور انھیں دارالاسلام لانا ممکن نہ ہو تو نہ انھیں ایسے ہی چھوڑا جائے اور نہ ان کی کونچیں قطع کی جائیں بلکہ ان

سب کو ذبح کرکے نذرِ آتش کر دیا جائے تاکہ یہ اہلِ حرب کے کام نہ آسکیں۔ ذبح سے قبل جلانا درست نہیں کہ جاندار کو نذرِ آتش کرنے کی شرعاً ممانعت ہے۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک انھیں دار الحرب میں ہی رہنے دیا جائے۔ اس لئے کہ بعض روایات میں ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بجز کھانے کے کسی دوسرے مقصد سے بکری ذبح کرنے کی ممانعت فرمائی۔ احنافؒ اسکے جواب میں فرماتے ہیں کہ کسی درست مقصد سے جانور کا ذبح کرنا درست ہے اور اس سے بڑھ کر اچھا مقصد اور کیا ہو سکتا ہے کہ اس کے ذریعہ دشمنوں کی شان خاک میں ملتی ہے۔

ولا یقسم غنیمۃ فی دار الحرب الخ۔ فرماتے ہیں کہ مالِ غنیمت کا جہاں تک تعلق ہے وہ دار الحرب میں بانٹنا درست نہیں بلکہ اس کی تقسیم دار الاسلام میں آنے کے بعد ہونی چاہئے۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک جب مشرکین کو کھلی شکست ہو جائے اور انکی قوت پامال ہو جائے تو دار الحرب میں بھی اگر تقسیم ہو تو مضائقہ نہیں۔ حضرت امام مالکؒ کے نزدیک تقسیم میں عجلت سے کام لیتے ہوئے دار الحرب ہی میں اس کی تقسیم ہو جانی چاہئے البتہ اسیر دار الاسلام میں تقسیم کئے جائیں گے۔ اس اختلاف کی بنیاد دراصل یہ ہے کہ عند الاحنافؒ مالِ غنیمت کے اندر حقِ مجاہدین اس کے دار الاسلام میں اکٹھا ہو چکنے کے بعد ہی ہوتا ہے اور دوسرے حضرات کے نزدیک محض غالب آجانے کے بعد حقِ مجاہدین مالِ غنیمت پر ہو جاتا ہے۔

واذا لحقھم المدد الخ۔ دار الحرب میں مجاہدین کے پاس جو لوگ بطور کمک و معاون پہنچیں ان کا حق بھی مالِ غنیمت میں دوسرے مجاہدین کے مساوی ہوگا۔ اور وہ بھی دیگر مجاہدین کے ساتھ اس میں شریک تسلیم کئے جائیں گے لیکن اہلِ لشکر میں جو اہلِ بازار ہوں کہ ان کا مقصد قتال نہیں وہ اس میں شریک قرار نہیں دیئے جائیں گے البتہ ان میں سے جو لوگ کافروں سے قتال کرنے میں شریک ہوں گے وہ بھی شرکاء کے زمرے میں داخل کئے جائیں گے اور انھیں بھی مالِ غنیمت سے حصہ ملے گا۔

وَاِذَا اٰمَنَ رَجُلٌ حُرٌّ اَوِ امْرَأَةٌ حُرَّةٌ كَافِرًا اَوْ جَمَاعَةً اَوْ اَهْلَ حِصْنٍ اَوْ مَدِيْنَةٍ صَحَّ اَمَانُهُمْ

اگر کوئی آزاد مرد یا عورت ایک کافر یا گروہ کفار یا قلعہ والوں یا شہر والوں کو امان دے تو اس کا امان دینا درست ہوگا

وَلَمْ يَجُزْ لِاَحَدٍ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ قَتْلُهُمْ اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ فِيْ ذٰلِكَ مَفْسَدَةٌ فَيَنْبِذُ اِلَيْهِمُ الْاِمَامُ وَلَا يَجُوْزُ اَمَانُ

اور مسلمانوں میں سے کسی کے واسطے یہ درست نہ ہوگا کہ انھیں قتل کرے الا یہ کہ اس میں کسی مفسدہ کے باعث امام المسلمین اسکی امان باقی نہ رکھے

ذِمِّيٍّ وَلَا اَسِيْرٍ وَلَا تَاجِرٍ يَدْخُلُ عَلَيْهِمْ وَلَا يَجُوْزُ اَمَانُ الْعَبْدِ الْمَحْجُوْرِ عَلَيْهِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ

اور ذمی کا اور اسیر کا اور ایسے تاجر کا جس کی ان کے یہاں آمد و رفت ہو امان دینا درست نہ ہوگا اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تجارت وغیرہ سے روکے گئے

اِلَّا اَنْ يَاْذَنَ لَهٗ مَوْلَاهُ فِي الْقِتَالِ وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ يَصِحُّ اَمَانُهٗ ۔

غلام کا امان دینا درست نہ ہوگا الا یہ کہ اسکے آقا نے اسے قتال کی اجازت دیدی ہو اور صاحبینؒ کے نزدیک اس کا امان دینا درست ہوگا۔

مشرکین کو امان عطا کرنیکا ذکر

تشریح و توضیح

وَاِذَا اٰمَنَ رَجُلٌ الخ۔ اگر ایسا ہو کہ کسی حربی کافر یا گروہ کافرین یا قلعہ والوں یا شہر والوں کو کسی مسلمان آزاد نے پروانۂ امن عطا کر دیا اس سے قطع نظر کہ وہ مرد ہو یا عورت تو اس کی امان کو قابلِ قبول و درست قرار دیا جائے گا اور امان دینے کے بعد کسی بھی مسلمان کیلئے یہ درست نہ ہوگا کہ ان میں سے کسی کو قتل کر ڈالے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ مبارک ہے کہ تم میں سے ایک شخص بھی امان دے سکتا ہے۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ابوالعاص کو امان عطا کرنے پر رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے درست قرار دیا۔ ان کا واقعہ اس طرح ہے کہ اسیرانِ بدر میں ابوالعاص حضرت زینبؓ کے شوہر بھی تھے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ابوالعاص سے یہ وعدہ لے لیا کہ مکہ پہنچ کر زینبؓ کو مدینہ بھیجدیں۔ ابوالعاص نے مکہ پہنچ کر زینبؓ کو مدینہ جانے کی اجازت دیدی اور صاحبزادی آپ کے پاس رہنے لگیں۔ ابوالعاص مکہ میں مقیم رہے۔ فتح مکہ سے قبل ابوالعاص بغرض تجارت شام روانہ ہوئے۔ شام سے واپسی میں مسلمانوں کا ایک دستہ مل گیا اور اس نے تمام مال و متاع ضبط کر لیا۔ ابوالعاص چھپ کر مدینہ حضرت زینبؓ کے پاس آپہونچے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب صبح کی نماز کے لئے تشریف لائے تو حضرت زینبؓ نے عورتوں کے چبوترے سے آواز دی کہ اے لوگو۔ میں نے ابوالعاص کو پناہ دی ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے نماز سے فارغ ہو کر فرمایا۔ خوب سمجھ لو کہ مسلمانوں میں کا ادنیٰ سے ادنیٰ اور کمتر سے کمتر بھی پناہ دے سکتا ہے۔

وَلَایَجُوْزُ اَمَانُ ذِمِّیٍّ الخ۔ اگر کوئی ذمی کسی حربی کافر کو امان دے تو اس کا امان دینا درست نہ ہوگا کیونکہ مسلمانوں کا ولی ذمی نہیں ہو سکتا البتہ اگر لشکرِ اسلام کے سردار نے اسے امان دینے کا حکم کیا ہو تو درست ہے اور یہ گویا اس کا امان دینا نہیں بلکہ امیر لشکر کا امان دینا ہوا۔ اسی طریقہ سے وہ مسلم جو اہلِ حرب کی قید میں ہو اس کا امان دینا درست نہ ہوگا اور اس تاجر کے امان دینے کو بھی درست قرار نہ دیں گے جس کی آمد و رفت دارالحرب میں رہتی ہو۔ ایسے ہی اس غلام کا امان عطا کرنا درست نہ ہوگا جسے اس کے آقا نے جہاد و قتال کی اجازت نہ دے رکھی ہو۔ امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ اور امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ درست قرار دیتے ہیں۔ ان کا مستدل یہ ارشادِ مبارک ہے کہ مسلمانوں میں سے ادنیٰ سے ادنیٰ بھی امان دے سکتا ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ معنوی اعتبار سے امان دینے کو بھی جہاد کے زمرے میں شمار کیا جاتا ہے اور اس غلام کو آقا کی جانب سے جہاد و قتال کی اجازت نہیں تو اسے بسلسلۂ امان بھی مجور قرار دیا جائے گا۔

وَاِذَا غَلَبَ التُّرْكُ عَلَى الرُّوْمِ فَسَبَوْهُمْ وَاَخَذُوْا اَمْوَالَهُمْ مَلَكُوْهَا وَاِنْ غَلَبْنَا عَلَى التُّرْكِ حَلَّ لَنَا

اور اگر اہلِ ترک اہلِ روم پر غلبہ حاصل کر کے انھیں اسیر کر لیں اور ان کے اموال حاصل کر لیں تو وہ مالک قرار دیئے جائیں گے اور اگر ہم اہلِ ترک

مَا نَجِدُهٗ مِنْ ذٰلِكَ وَاِذَا غَلَبُوْا عَلٰى اَمْوَالِنَا وَاَحْرَزُوْهَا بِدَارِهِمْ مَلَكُوْهَا فَاِنْ ظَهَرَ عَلَيْهَا

پر غلبہ حاصل کر لیں تو جو کچھ ملے وہ ہمارے واسطے حلال ہوگا اور اگر وہ ہمارے اموال پر غلبہ حاصل کر کے دارالحرب لے گئے تو وہی مالک شمار ہوں گے

الْمُسْلِمُوْنَ فَوَجَدُوْهَا قَبْلَ الْقِسْمَةِ فَهِيَ لَهُمْ بِغَيْرِ شَيْءٍ وَاِنْ وَجَدُوْهَا بَعْدَ الْقِسْمَةِ اَخَذُوْهَا

پھر اگر ان پر مسلمان غلبہ حاصل کر لیں اور انھیں وہ مال تقسیم سے قبل مل جائے تو وہ بلا معاوضہ انھیں کا ہوگا اور بعدِ تقسیم ملنے پر وہ اگر پسند کریں تو

بِالْقِيْمَةِ اِنْ اَحَبُّوْا وَاِنْ دَخَلَ دَارَ الْحَرْبِ تَاجِرٌ فَاشْتَرٰى ذٰلِكَ وَاَخْرَجَهٗ اِلٰى دَارِ الْاِسْلَامِ

قیمت کے بدلہ لے سکتے ہیں۔ اگر دارالحرب میں کسی تاجر نے پہونچ کر وہ مال خریدا اور پھر اسے دارالاسلام لایا تو اس مال کے

فمالكهُ الاوّلُ بالخيار ان شاءَ اَخذهُ بالثمن الّذى اشتراهُ به التاجرُ وان شاءَ تركهُ ولا
سابق مالک کو یہ حق ہوگا کہ خواہ اس قیمت کے بدلہ لے لے جتنی قیمت میں کہ تاجر خرید چکا ہے اور خواہ رہنے دے۔ اور ہمارے اوپر
يملكُ علينا اهلُ الحرب بالغلبة مدبّرينا واُمّهاتِ اولادِنا ومكاتبينا واحرارنا ونملكُ
اہل حرب غلبہ حاصل کریں تو ہمارے مدبر، ام ولد اور مکاتب واحرار پر ملکیت حاصل نہ ہوگی اور ہم ان لوگوں کے
عليهم جميعَ ذلك واذا ابق عبدُ المُسلمِ فدخل اليهم فاخذوهُ ولم يملكوهُ عند ابى حنيفةَ وقالا
ان تمام کے مالک بن جائیں گے اور اگر مسلم کا غلام فرار ہو کر دارالحرب پہونچے اور وہ اس کو پکڑ لیں تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وہ اس غلام کے مالک
ملكوهُ وان ندّ اليهم بعيرٌ فاخذوهُ ملكوهُ۔
شمار نہ ہوں گے اور صاحبینؒ کے نزدیک مالک شمار ہوں گے اور اگر اونٹ بدک کر دارالحرب بھاگ جائے اور یہ اسکو پکڑ لیں تو مالک شمار ہونگے۔

کافروں کے غالب ہونے کا ذکر

تشریح و توضیح

واذا غلبوا على اموالنا الخ۔ اگر ایسا ہو کہ حربی کفار اموالِ مسلمین پر غلبہ حاصل کرکے دارالحرب لے گئے ہوں تو اس صورت میں وہی ان اموال کے مالک قرار پائیں گے۔ حضرت امام مالکؒ کے نزدیک فقط حصولِ غلبہ ہی سے مالک شمار ہوں گے اور حضرت امام احمدؒ سے دو قسم کی روایات ہیں۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک انھیں ملکیت ہی حاصل نہ ہوگی اسلئے کہ مسلم کے مال کا معاملہ یہ ہے کہ وہ ہر طریقہ سے معصوم ہوتا ہے۔ احنافؒ کا مستدل آیتِ کریمہ "للفقراء المهاجرين" ہے۔ کہ اس میں مہاجرین کے لئے فقراء ارشاد فرمایا گیا۔ اور فقیر اسے کہا جاتا ہے کہ جسے کسی چیز پر ملکیت حاصل نہ ہو۔ اگر کافر غلبہ کے باوجود ان کے مالوں کے مالک قرار نہ پائیں تو پھر انھیں فقراء کے بجائے "اغنیاء" کہنا چاہئے کہ وہ درحقیقت فقیر نہیں غنی ہیں۔

فان ظهر عليها المسلمون الخ۔ اگر حربی کفار اموالِ مسلمین دارالحرب لے جائیں۔ اس کے بعد مسلمان ان پر غلبہ حاصل کرلیں اور تقسیم سے قبل کسی مسلمان کو اپنی کوئی شے ملے تو وہی اس کا مستحق ہوگا۔ اور بعد تقسیم ملنے کی صورت میں اسے قیمتاً لینے کا حق ہوگا اور اگر کسی تاجر نے یہ چیز دارالحرب پہونچ کر خریدی اور دارالاسلام لے آیا تو تاجر کی اداکردہ قیمت دیکر لے سکتا ہے۔

ونملك عليهم جميع ذلك الخ۔ دراصل مسلمانوں اور کفار میں اس فرق کا سبب یہ ہے کہ غالب آنے سے ثبوتِ ملکیت مالِ مباح پر ہوا کرتا ہے اور آزاد شخص کا شمار مالِ مباح میں نہیں ہوتا اور کفار کے مدبر و مکاتب مسلمانوں کیواسطے مباح ہوتے ہیں اور مباح پر غالب آنے سے جو کہ ملکیت کا سبب ہے مسلمان مالک شمار ہوں گے۔

واذا ابق عبد المسلم الخ۔ اگر کسی مسلمان کا غلام فرار ہو کر دارالحرب چلا جائے اور کفار اسے پکڑ لیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک انھیں اس پر ملکیت حاصل نہ ہوگی۔ امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک اس صورت میں کفار کو اس

پر ملکیت حاصل ہوگی اور اگر مسلمان کا کوئی اونٹ بدک کر دارالحرب پہونچ گیا اور انھوں نے اسے پکڑ لیا تو وہ مالک شمار ہونگے۔

وَاِذَا لَمْ یَکُنْ لِلْاِمَامِ حَمُوْلَۃٌ یَحْمِلُ عَلَیْهَا الْغَنَائِمَ قَسَمَهَا بَیْنَ الْغَانِمِیْنَ قِسْمَۃَ اِیْدَاعٍ لِیَحْمِلُوْهَا
اور اگر امام المسلمین کے پاس مال غنیمت لادنیکی خاطر جانور موجود نہ ہوں تو وہ انھیں مجاہدین کے درمیان امانت کے طریقہ پر بانٹ دے تاکہ
اِلٰی دَارِ الْاِسْلَامِ ثُمَّ یَرْتَجِعُهَا مِنْهُمْ فَیَقْسِمُهَا وَلَا یَجُوْزُ بَیْعُ الْغَنَائِمِ قَبْلَ الْقِسْمَۃِ فِیْ دَارِ الْحَرْبِ
مجاہدین اس کو دارالاسلام لائیں اور پھر وہ انکو لیکر بانٹ دے اور تقسیم سے قبل غنیمت کے مال کو دارالحرب میں فروخت کرنا درست نہ ہوگا۔
وَمَنْ مَاتَ مِنَ الْغَانِمِیْنَ فِیْ دَارِ الْحَرْبِ فَلَا حَقَّ لَهٗ فِی الْقِسْمَۃِ وَمَنْ مَاتَ مِنْهُمْ بَعْدَ اِخْرَاجِهَا
اور مجاہدین میں سے جس کا دارالحرب میں انتقال ہو جائے تو اس کا مال غنیمت کی تقسیم میں کوئی حصہ نہ ہوگا۔ اور جس کا وہاں سے مال غنیمت لانے
فَنَصِیْبُهٗ لِوَرَثَتِهٖ وَلَا بَأْسَ بِاَنْ یُّنَفِّلَ الْاِمَامُ فِیْ حَالِ الْقِتَالِ وَیُحَرِّضُ بِالنَّفْلِ عَلَی الْقِتَالِ
کے بعد انتقال ہو تو اسکے حصہ کو اسکے ورثاء کیواسطے قرار دینگے اور اس میں مضائقہ نہیں کہ دوران قتال امام وعدۂ انعام کرتے ہوئے قتال کی ترغیب
فَیَقُوْلُ مَنْ قَتَلَ قَتِیْلًا فَلَهٗ سَلَبُهٗ اَوْ یَقُوْلُ لِسَرِیَّۃٍ قَدْ جَعَلْتُ لَکُمُ الرُّبُعَ بَعْدَ الْخُمُسِ وَلَا یُنَفِّلُ
دے اور یہ کہے کہ جسنے جسے موت کے گھاٹ اتارا تو قتل کئے گئے شخص کا سامان کا وہی مالک ہوگا یا وہ دستۂ لشکر سے کہے کہ میں تمہارے واسطے
بَعْدَ اِحْرَازِ الْغَنِیْمَۃِ اِلَّا مِنَ الْخُمُسِ وَاِذَا لَمْ یَجْعَلِ السَّلَبَ لِلْقَاتِلِ فَهُوَ مِنْ جُمْلَۃِ الْغَنِیْمَۃِ وَ
پانچویں حصہ کا چوتھائی کر دیا ہے اور مال غنیمت اکٹھا کئے جانیکے بعد محض خمس سے بطور انعام دے اور قتل کئے گئے شخص کا سامان قتل کرنیوالے کے
الْقَاتِلُ وَغَیْرُهٗ فِیْهِ سَوَاءٌ وَالسَّلَبُ مَا عَلَی الْمَقْتُوْلِ مِنْ ثِیَابِهٖ وَسِلَاحِهٖ وَمَرْکَبِهٖ وَاِذَا خَرَجَ
واسطے نہ کرنے پر وہ دوسرے غنیمت کیطرح ہوگا جسکے اندر قتل کرنوالا اور غیر قاتل یکساں ہونگے اور سلب سے مراد مقتول کے کپڑے، ہتھیار اور اسکی
الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ دَارِ الْحَرْبِ لَمْ یَجُزْ اَنْ یَعْلِفُوْا مِنَ الْغَنِیْمَۃِ وَلَا یَاْکُلُوْا مِنْهَا شَیْئًا وَمَنْ فَضَلَ
سواری ہیں اور مسلمانوں کے دارالحرب سے نکل آنے کے بعد انھیں مال غنیمت میں سے چارہ کھلانا اور غنیمت میں سے خود کچھ کھانا درست نہیں اور جس شخص کے پاس
مَعَهٗ عَلَفٌ اَوْ طَعَامٌ رَدَّهٗ اِلَی الْغَنِیْمَۃِ۔
چارہ یا کھانے سے کچھ بچا ہوا ہو وہ اسے مال غنیمت میں ملا دے۔

مال غنیمت کے کچھ اور احکام

لغات کی وضاحت:- حمولۃ: بوجھ لادنیوالے جانور۔ الغنائم۔ غنیمت کی جمع۔ الغانمین: مجاہدین
القسمۃ: تقسیم۔ نصیب: حصہ۔ ینفل: بڑھا ہوا۔ یحرض: ترغیب دینا۔ الربع: چوتھائی۔
الخمس: پانچواں حصہ۔ احراز: اکٹھا کرنا۔ ثیاب۔ ثوب کی جمع: کپڑے۔ مرکب: سواری۔ جانور۔
فضل: باقی ماندہ۔

تشریح و توضیح

واذا لم یکن للامام حمولۃ الخ۔ یعنی اگر ایسا ہو کہ امام المسلمین کے پاس بوجھ اٹھانیوالے جانور موجود نہ ہوں کہ وہ مالِ غنیمت لاد کر دار الاسلام لا سکیں تو پھر اس کی صورت یہ کرے کہ سارا مالِ غنیمت امانۃً مجاہدین کو دیدے کہ وہ اسے دار الاسلام لے آئیں اور وہاں لانے کے بعد مجاہدین اسے لوٹا دیں۔ اس کے بعد امام اس کی تقسیم مجاہدین کے درمیان کردے۔ لیکن غنیمت کی تقسیم سے قبل یہ ہرگز درست نہیں کہ دار الحرب میں فروخت کردیا جائے۔

ویحرض بالنفل علی القتال الخ۔ امام المسلمین کیلئے حسب موقعہ یہ درست ہے کہ وہ لوگوں کو قتال کی ترغیب اور مزید اظہارِ شجاعت اور جذبۂ جہاد پیدا کرنے کی خاطر انعام کا وعدہ و اعلان کرتے ہوئے یہ کہے کہ جس نے جس کافر کو موت کے گھاٹ اتار دیا تو اس کا سارا سامان اسی کا ہوگا، یا کسی دستۂ لشکر کو قتال کی ترغیب دیتے ہوئے کہے کہ بعد خمس مالِ غنیمت کا چوتھائی تمہارا ہوگا۔ اس طرح کی ترغیب باعثِ استحباب ہے۔ لیکن اگر امام کی جانب سے اس طرح کا کوئی وعدہ اور اعلان نہ ہو تو پھر مقتول کا یہ سامان بھی مالِ غنیمت میں شامل کرلیا جائے گا اور مقتول کا الگ سے سامانِ مقتول میں کوئی حصّہ نہ ہوگا۔

وَيَقْسِمُ الْاِمَامُ الْغَنِيْمَةَ فَيُخْرِجُ خُمُسَهَا وَيَقْسِمُ الْاَرْبَعَةَ الْاَخْمَاسَ بَيْنَ الْغَانِمِيْنَ لِلْفَارِسِ سَهْمَانِ

اور امام المسلمین مالِ غنیمت کی تقسیم میں غنیمت کا خمس نکال کر باقی چار خمس مجاہدین کے درمیان بانٹ دے گا۔ سوار کیواسطے دو حصے ہوں

وَلِلرَّاجِلِ سَهْمٌ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ لِلْفَارِسِ ثَلٰثَةُ اَسْهُمٍ وَلَا يُسْهَمُ

اور پیدل کیواسطے ایک۔ امام ابوحنیفہؒ یہی فرماتے ہیں۔ اور امام ابویوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک برائے سوار تین حصے ہوں گے اور حصہ محض

اِلَّا لِفَرَسٍ وَاحِدٍ وَالْبَرَاذِيْنُ وَالْعِتَاقُ سَوَاءٌ وَلَا يُسْهَمُ لِرَاحِلَةٍ وَلَا بَغْلٍ وَمَنْ دَخَلَ دَارَ

ایک گھوڑے کا لگائے گا اور اس کے اندر عربی و غیر عربی گھوڑوں کا حکم یکساں ہے اور بار بردار سواری و خچر کا کوئی حصہ نہ ہوگا اور جو آدمی بحالتِ

الْحَرْبِ فَارِسًا فَنَفَقَ فَرَسُهٗ اِسْتَحَقَّ سَهْمَ فَارِسٍ وَمَنْ دَخَلَ رَاجِلًا فَاشْتَرٰى فَرَسًا اِسْتَحَقَّ

سواری دار الحرب میں پہنچے اور پھر گھوڑا مرجائے تو وہ حصۂ سوار کا مستحق ہوگا اور جو شخص بغیر سواری کے دار الحرب پہنچے اس کے بعد وہ گھوڑا خرید لے

سَهْمَ رَاجِلٍ وَلَا يُسْهَمُ لِمَمْلُوْكٍ وَلَا امْرَاَةٍ وَلَا ذِمِّيٍّ وَلَا صَبِيٍّ وَلٰكِنْ يُرْضَخُ لَهُمْ عَلٰى حَسَبِ

تو وہ پیدل کے حصہ کا مستحق ہوگا۔ اور مالِ غنیمت میں عورت اور ذمی اور بچہ کا کوئی حصہ نہیں لگایا جائے گا البتہ امام انھیں حسبِ منشاء کچھ عطا کردے

مَا يَرَى الْاِمَامُ وَاَمَّا الْخُمُسُ فَيُقْسَمُ عَلٰى ثَلٰثَةِ اَسْهُمٍ سَهْمٌ لِلْيَتَامٰى وَسَهْمٌ لِلْمَسَاكِيْنِ وَسَهْمٌ

اور رہ گیا خمس تو اسے تین حصوں پر تقسیم کرے۔ ایک حصہ برائے یتامیٰ، اور ایک حصہ برائے مساکین اور ایک حصہ

لِاَبْنَاءِ السَّبِيْلِ وَيَدْخُلُ فُقَرَاءُ ذَوِي الْقُرْبٰى فِيْهِمْ وَيُقَدَّمُوْنَ وَلَا يُدْفَعُ اِلٰى اَغْنِيَائِهِمْ شَيْئًا

برائے مسافرین۔ اور فقرائے ذوی القربیٰ انھیں میں شامل قرار دیئے جائیں گے اور انھیں مقدم رکھا جائیگا اور انکے اغنیاء کو کچھ نہ ملے گا

فَاَمَّا ذِكْرُ اللّٰهِ تَعَالٰى لِنَفْسِهٖ فِيْ كِتَابِهٖ مِنَ الْخُمُسِ فَاِنَّمَا هُوَ لِاِفْتِتَاحِ الْكَلَامِ تَبَرُّكًا

اور خمس کے جس حصہ کا اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں ذکر فرمایا وہ اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ آغاز کیلئے برائے برکت ہے۔

بِاِسْمِهٖ تَعَالٰی وَسَهْمُ النَّبِیِّ عَلَیْهِ السَّلَامُ سَقَطَ بِمَوْتِهٖ كَمَا سَقَطَ الصَّفِیُّ وَسَهْمُ ذَوِی الْقُرْبٰی
اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ کا حصۂ صفی اور حصۂ ذوی القربیٰ کی طرح باقی نہیں رہا۔ اور ذوالقربیٰ نبی علیہ السلام
كَانُوْا يَسْتَحِقُّوْنَهٗ فِیْ زَمَنِ النَّبِیِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِالنُّصْرَةِ وَبَعْدَهٗ بِالْفَقْرِ وَاِذَا دَخَلَ الْوَاحِدُ
کے دور میں نصرت کے باعث حقدار ہوتے تھے اور آنحضورؐ کے بعد فقر کے باعث۔ اور اگر ایک یا دو شخص بلا اجازتِ
اَوِ الْاِثْنَانِ دَارَ الْحَرْبِ مُغِيْرِيْنَ بِغَيْرِ اِذْنِ الْاِمَامِ فَاَخَذُوْا شَيْئًا لَمْ يُخَمَّسْ وَاِنْ دَخَلَ
امام دارالحرب میں لوٹ مار کرتے ہوئے پہنچیں اور وہ کچھ لے آئیں تو ان سے خمس نہ لیں گے۔ اور اگر زور آور
جَمَاعَةٌ لَهُمْ مَنَعَةٌ فَاَخَذُوْا شَيْئًا خُمِّسَ وَاِنْ لَمْ يَاْذَنْ لَهُمُ الْاِمَامُ۔
گروہ داخل ہو کر کچھ لائے تو خواہ بلا اجازتِ امام داخل ہوں اُن سے خمس لیا جائے گا۔

مالِ غنیمت تقسیم کرنے کا ذکر

تشریح وتوضیح

وللفارس سهمان وللراجل سهم الخ۔ مجاہدین میں گھوڑ سواروں کے لئے حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ دو حصے ہوں گے اور پیدل کیواسطے ایک ہی حصہ ہوگا۔ حضرت امام ابویوسفؒ، حضرت امام محمدؒ، حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ کے نزدیک سوار کو تین حصے دیئے جائیں گے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت سے اسی کی وضاحت ہوتی ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مستدل ابوداؤد وغیرہ میں مروی وہ روایات ہیں جن سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا سوار مجاہد کیواسطے دو حصوں کا مقرر فرمانا ثابت ہوتا ہے۔ لہٰذا دو حصوں کی حیثیت تو وجوب کی ہوگی کہ سوار کو دو دینے تو لازم ہیں۔ رہیں وہ روایات جن سے تین کا پتہ چلتا ہے تو انہیں انعام کے طریقہ سے زیادہ دینے پر محمول کیا جائے گا۔ اس طرح دونوں قسم کی روایات کے درمیان تطبیق ہو جائے گی۔ اس لئے کہ ضابطہ کے مطابق اگر روایات کے درمیان تطبیق ہو سکتی ہو تو اسے اولیٰ کہا جائے گا۔

ولا یسهم الا لفرس واحد الخ۔ اگر ایسا ہو کہ مثلاً کوئی مجاہد بجائے ایک کے دو گھوڑے لے کر پہنچے تو اس صورت میں حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک ایک گھوڑے کے اعتبار سے حصے ملیں گے۔ حضرت امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ اس شکل میں دو گھوڑوں کے حصے دیئے جائیں گے۔ یہ فرماتے ہیں کہ بعض روایات سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو دو گھوڑوں کے حصے دینا ثابت ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام محمدؒ کہتے ہیں کہ قتال کیونکہ ایک ہی گھوڑے پر ممکن ہے بس بجائے دو گھوڑوں کے حصوں کے محض ایک ہی گھوڑے کے حصے دیئے جائیں گے۔ جس طرح مثلاً کوئی تین چار گھوڑے لایا ہو تو ان کا کسی طرح کا حصہ نہیں ہوا کرتا۔

ومن دخل دار الحرب فارسًا فنفق فارسًا الخ۔ فرماتے ہیں کہ پیدل اور سوار حصص کے حق کا مدار دارالاسلام سے

دارالحرب آنے کے اعتبار سے ہے۔ اگر دارالحرب پہنچنے والا مجاہد دارالاسلام سے آتے وقت سوار ہو اور پھر بعد میں گھوڑا مر گیا تو اسے اب بھی گھوڑ سوار ہی شمار کیا جائے گا اور اسی کے اعتبار سے اس کو دو حصے ملیں گے۔ اور اگر دارالاسلام سے دارالحرب آتے وقت تو پیدل ہو اور بعد میں سوار اس طرح ہو جائے کہ دارالحرب پہنچ کر گھوڑا خرید لے تو اس کی وجہ سے وہ سواروں کے زمرے میں شامل ہو کر دو حصوں کا مستحق نہ ہوگا بلکہ اسے ایک ہی حصہ ملے گا۔

واما الخمس فیقسم علی ثلثۃ اسھم الخ۔ مالِ غنیمت کے خمس یعنی پانچویں کی تقسیم کی شکل یہ ہوگی کہ اس کے تین سہام کئے جائیں گے۔ ایک سہم برائے یتامیٰ اور ایک سہم برائے مساکین ہوگا اور ذوی القربیٰ کے نقراء و حاجتمند افراد اسی میں شامل قرار دیئے جائیں گے اور انھیں دینے میں مقدم رکھا جائے گا مگر قرابت داروں کے مالدار افراد کو اس میں سے کچھ نہ ملے گا۔ رہا کلام کا آغاز " فان للہ " فرمانا تو یہ اللہ تعالیٰ کا نام فقط برائے برکت ہے۔ اللہ تعالیٰ کو کسی حصہ کی احتیاج نہیں۔ جمہور ائمہ کے نزدیک رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے وصال فرمانے کے بعد آپ کا حصہ بھی باقی نہیں رہا اور اب خمس کے محض تین مصرف رہ گئے یعنی یتیم، مسکین اور مسافر۔ اس زمرے میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے قرابت دار بھی ہیں اور غیر قرابت دار بھی۔

ویقدمون الخ۔ تقسیم کے وقت اس کا خیال رکھا جائے گا کہ بنو ہاشم کے یتامیٰ اور مساکین دوسرے یتامیٰ اور مساکین پر مقدم کئے جائیں گے اور اس طرح ان کا امتیازِ قرابت باقی رکھا جائے گا۔

کما سقط الصفی الخ۔ صفی سے مقصود ہر ایسی چیز جسے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم غنیمت میں سے اپنے واسطے منتخب فرمالیا کرتے تھے۔

واذا دخل الواحد او الاثنان الخ۔ اگر ایک یا دو مسلمان لوٹ مار کرتے ہوئے دارالحرب میں پہنچ جائیں اور وہ وہاں سے کوئی چیز لے آئیں اور انھیں اس کی امام المسلمین کی جانب سے اجازت نہ دی گئی ہو بلکہ انھوں نے از خود ایسا کر لیا ہو تو اس صورت میں ان سے خمس نہیں لیا جائے گا لیکن اگر یہ دارالحرب پہنچنے والے ایک یا دو نہ ہوں بلکہ صاحب قوت جماعت ہو اور وہ دارالحرب سے کچھ لائیں تو اس صورت میں امام المسلمین ان سے خمس وصول کریگا۔ دونوں کے درمیان فرق کا سبب یہ ہے کہ مالِ غنیمت در اصل وہ کہلاتا ہے جو باقوت ہو شوکت مع الغلبہ ہاتھ آئے اور ایک یا دو کا پہنچ کر کچھ مال لے لینا مالِ غنیمت کے بجائے اسے چھین جھپٹ کہنا درست ہوگا۔ اسی بنا پر اس میں عدمِ خمس کا حکم ہوگا۔

وَاِذَا دَخَلَ الْمُسْلِمُ دَارَ الْحَرْبِ تَاجِرًا فَلَا یَحِلُّ لَہٗ اَنْ یَّتَعَرَّضَ بِشَیْءٍ مِّنْ اَمْوَالِھِمْ وَدِمَائِھِمْ فَاِنْ

اور اگر مسلم دارالحرب میں بحیثیت تاجر پہنچے تو اس کے واسطے جائز نہ ہوگا کہ ان کے اموال اور جانوں کے ساتھ تعرض کرے۔ اور اگر غدر

غَدَرَ بِھِمْ وَاَخَذَ شَیْئًا مَلَکَہٗ مِلْکًا مَحْظُوْرًا وَیُؤْمَرُ اَنْ یَّتَصَدَّقَ بِہٖ وَاِذَا دَخَلَ الْحَرْبِیُّ اِلَیْنَا

سے کام لیتے ہوئے کوئی شے لے لے تو اسے ممنوع طریقہ سے اس پر ملکیت حاصل ہو جائیگی اور اسے امر کیا جائے گا کہ وہ اسے صدقہ کردے اور اگر

مُسْتَاْمِنًا لَمْ یُمَکَّنْ لَہٗ اَنْ یُّقِیْمَ فِیْ دَارِنَا سَنَۃً وَیَقُوْلُ لَہُ الْاِمَامُ اِنْ اَقَمْتَ تَمَامَ السَّنَۃِ

حربی پروانۂ امن حاصل کرکے دارالاسلام میں آئے تو وہ دارالاسلام میں سال بھر سے زیادہ قیام نہ کرے گا۔ اور اسے امام المسلمین کہے گا کہ اگر تونے

وَضعتُ عليكَ الجزيةَ فَاِنْ اَقَامَ سنةً اُخِذَتْ مِنْهُ الجزيةُ وَصَارَ ذِمّيًّا وَلَا يُترَكُ اَنْ
پورے سال قیام کیا تو تیرے اوپر جزیہ لازم کردوں گا پھر اگر وہ پورے سال قیام کرے تو اس سے جزیہ وصول کیا جائیگا اور وہ شخص ذمی بن جائیگا اور اسے
يَرجعَ اِلَىٰ دَارِ الحَرْبِ فَاِنْ عَادَ اِلَىٰ دَارِ الحربِ وَتَرَكَ وَدِيعَةً عِندَ مُسْلِمٍ اَوْ ذِمِّيٍّ اَوْ دَيْنًا
دارالحرب لوٹنے نہ دیں گے پھر اگر وہ دارالحرب لوٹ گیا اور اس کی کوئی امانت کسی مسلم یا ذمی کے پاس رہ گئی یا ان کے ذمہ اس کا کچھ دین
فِي ذِمَّتِهِمْ فَقَدْ صَارَ دَمُهُ مُبَاحًا بالعَودِ وَمَا فِي دَارِ الاسْلَامِ مِنْ مالِهِ عَلَىٰ خَطَرٍ فَاِنْ اُسِرَ اَوْ
رہ گیا تو لوٹ جانے کے باعث اس کا خون حلال ہوگا۔ اور دارالاسلام میں اس کا رہا ہوا مال خطرہ میں پڑ گیا۔ اس کے بعد اگر اسے اسیر
ظُهِرَ عَلَى الدَّارِ فَقُتِلَ سَقَطَتْ دُيُونُهُ وَصَارَتِ الوَدِيعَةُ فَيْئًا وَمَا اَوْجَفَ عَلَيهِ المُسْلِمُوْنَ
بنالیا گیا یا دارالحرب پر مسلمان غالب آگئے اور اسے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تو اس کے قرضوں کو ساقط قرار دیا جائیگا اور امانت مالِ غنیمت بن
مِنْ اَمْوَالِ اَهْلِ الحَرْبِ بغيرِ قِتَالٍ يُصرَفُ فى مَصَالِحِ المُسْلِمِيْنَ كَمَا يُصرَفُ الخَرَاجُ ۔
جائیگی اور مسلمان اہلِ حرب کے جن اموال کو حملہ آور ہو کر بلا قتال حاصل کرلیں انھیں خراج کی طرح مصالح مسلمین میں خرچ کیا جائے گا۔

امن حاصل کرکے دارالاسلام میں آنیوالے حربی کا حکم

تشریح و توضیح

واذا دخل الحربي الينا مستامناً الخ۔ ضابطہ یہ ہے کہ کسی حربی کافر کا زیادہ مدت تک دارالاسلام میں قیام جائز نہیں اور اس کے قیام کی محض دو شرطوں کے ساتھ گنجائش ہے۔ یا تو یہ کافر غلام بن کر رہے اور یا جزیہ منظور کرے۔ لہٰذا اگر کوئی حربی کافر پروانۂ امن حاصل کرکے دارالاسلام میں آئے تو وہ سال بھر قیام نہ کرسکے گا۔ اس سے امام المسلمین کھلم کھلا کہدے گا کہ یا تو وہ چلا جائے اور اگر وہ سال بھر رہ گیا تو اس پر جزیہ لازم کردیا جائے گا۔ اس کے بعد بھی اگر وہ سال بھر رہا تو اس سے جزیہ لیکر اسے ذمی بنالیا جائے گا۔ اور اب اسے دارالحرب واپسی کی اجازت نہ رہے گی۔ اس ممانعت کا سبب یہ ہے کہ اس کا زیادہ قیام خطرہ سے خالی نہیں۔ وہ زیادہ قیام کرکے مسلمانوں کے رازوں سے واقف ہو کر ان کے لئے باعثِ ضرر بن سکتا ہے اور جاسوسی کا کام انجام دے سکتا ہے اور سال بھر سے کم کی عدم ممانعت میں مصلحت یہ ہے کہ تجارتی آمد و رفت برقرار رہے اور تجارت اور غلہ وغیرہ کی آمد و رفت سے فائدہ اٹھایا جاسکے۔

فان عاد الى دار الحرب الخ۔ یعنی اگر وہ سال بھر قیام کے بعد دارالحرب لوٹے اور اس حال میں لوٹے کہ مسلم یا ذمی کے پاس اس کی امانت ہو یا ان پر اس کا دین ہو تو دارالحرب لوٹنے کے باعث اس کا دم حلال ہو جائیگا۔ اور دارالاسلام میں اس کا باقی رہا ہوا مال خطرہ میں پڑ جائے گا۔ پھر اگر وہ شخص اسیر ہوگیا یا مسلمانوں کے دار الحرب پر غلبہ کے باعث وہ ہلاک کردیا گیا تو اس کے قرض کے ختم ہو جانے اور اس کے امانۃً رکھے ہوئے

مال کے غنیمت بن جانیکا حکم ہوگا۔
وما اوجف علیہ المسلمون الخ۔ اگر ایسا ہو کہ مسلمان اہلِ حرب کے اموال پر حملہ آور ہو کر اس طرح لے لیں کہ قتال کی نوبت نہ آئے تو پھر یہ مال خراج کیطرح مسلمانوں کی فلاح و بہبود اور مصالحِ مسلمین میں صرف کیا جائے گا۔

وَاَرضُ العَرَبِ کُلُّهَا اَرضُ عُشرٍ وَهِیَ مَا بَینَ العُذَیبِ اِلٰی اَقصٰی حَجَرٍ بِالیَمَنِ وَبِمَهرَةَ اِلٰی حَدِّ
اور کل زمینِ عرب عشری شمار کی جاتی ہے اس کی حد عذیب حجر یمن کے اختتام تک اور مقامِ مہری سے مشارقِ
مَشَارِقِ الشَّامِ وَالسَّوَادُ کُلُّهَا اَرضُ خَرَاجٍ وَهِیَ مَا بَینَ العُذَیبِ اِلٰی عَقَبَةِ حُلوَانَ وَمِنَ
شام کی حد تک قرار دیجاتی ہے۔ اور ساری زمینِ سواد خراجی قرار دی گئی یہ مقام عُذیب سے عقبۂ حلوان تک اور از علث
العَلثِ اِلٰی عَبَّادَانَ وَاَرضُ السَّوَادِ مَملُوکَةٌ لِاَهلِهَا یَجُوزُ بَیعُهُم لَهَا وَتَصَرُّفُهُم فِیهَا ـــــ
تا عبادان ہے۔ اور زمینِ سوادِ عراق کے مالک اسکے باشندے ہیں انکے لئے درست ہے کہ اسے فروخت کریں اور اسکے اندر تصرف کریں۔

اراضیِ عشری وخراجی کا ذکر

تشریح وتوضیح

وارض العرب کلھا ارض عشر الخ۔ عرب کی ساری زمین عشری قرار دیجاتی ہے حجاز، مکہ، طائف اور اسی طرح، یمن، تہامہ اور جنگل سے زمین عرب مقصود ہے۔ نجد، بالائی زمین کو کہا جاتا ہے اور حجاز کے نام سے وہ زمین تعبیر کی جاتی ہے جس کا وقوع نجد و تہامہ کے بیچ میں ہے۔
والسواد کلھا ارض خراج الخ۔ سوادِ عراق ساری ہی زمین خراجی شمار ہوتی ہے۔ عُذیب دراصل عرب کے ایک قبیلہ بنوتمیم کا ایک چشمہ کہلاتا ہے۔ یہ کوفہ سے ایک مرحلہ کی مسافت پر ہے۔ حدِ عرب کا اختتام اسی پر ہوتا ہے۔ اور یہیں سے سوادِ عراق کا آغاز ہوتا ہے۔ ارضِ عرب (زمین عرب) وہ ہے جو عذیب کے درمیان اقصائے حجر تک اور مہرسے حدِ شام تک ہے۔ اور عراق عرب کا وہ علاقہ ہے جو عذیب سے عقبۂ حلوان تک چلا گیا ہے۔ ارض العرب سے مقصود یہ ہے کہ ان چیزوں کا ذکر کیا جائے جن پر عشر اور جن پر خراج واجب ہے۔ زمین عرب پر صرف عشر ہی واجب ہوگا خراج نہیں اس لئے کہ زمین عرب سے خراج لینا رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم سے ثابت نہیں کہ اہلِ عرب سے اسلام یا جنگ کے علاوہ کچھ قبول نہیں کیا جاتا اور ان کے لئے جزیہ نہیں تو ان کی زمین پر خراج بھی نہ ہوگا۔
وارض السواد مملوکۃ لاھلھا الخ۔ فرماتے ہیں کہ عراق کی زمین کا جہاں تک تعلق ہے وہ عراق کے باشندوں ہی کی مملوکہ قرار دی گئی اور ان کیواسطے ہر طرح کا تصرف جائز رہا۔ انھیں اس کے فروخت کرنے وغیرہ کا حق باقی رہا۔ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بعد فتح زمین سوادِ عراق وہیں کے رہنے والے کفار کو دے کر ان

لوگوں پر جزیہ اور زمینوں پر خراج مقرر فرمایا اور یہ سارے صحابہ رضی اللہ عنہم کے اتفاقِ رائے سے ہوا۔ تاریخ ابن خلدون میں ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سرزمینِ سواد میں حلوان و قادسیہ کے درمیان زمین کی تقسیم کی ممانعت فرمادی تھی۔ حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے فرات کے کنارے پر کچھ زمین خرید لی تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے واپس کرنے کا حکم صادر فرمایا۔

وَكُلُّ اَرْضٍ اَسْلَمَ اَهْلُهَا عَلَيْهَا اَوْ فُتِحَتْ عَنْوَةً وَقُسِمَتْ بَيْنَ الْغَانِمِيْنَ فَهِيَ اَرْضُ عُشْرٍ وَ

اور ہر وہ زمین جس کے باشندے دائرۂ اسلام میں داخل ہوجائیں یا اسکو بقوت فتح کرکے مجاہدین میں بانٹ دیجائے تو وہ زمین عشری ہوگی اور

كُلُّ اَرْضٍ فُتِحَتْ عَنْوَةً فَاُقِرَّ اَهْلُهَا عَلَيْهَا فَهِيَ اَرْضُ خَرَاجٍ وَمَنْ اَحْيَا اَرْضًا مَوَاتًا فَهِيَ

جس زمین کو بقوت فتح کرنے کے بعد وہاں کے باشندوں کو وہیں برقرار رکھا گیا وہ خراجی شمار ہوگی اور جو ناقابل پیداوار زمین کو قابل پیداوار

عِنْدَ اَبِيْ يُوْسُفَ مُعْتَبَرَةٌ بِحَيِّزِهَا فَاِنْ كَانَتْ مِنْ حَيِّزِ اَرْضِ الْخَرَاجِ فَهِيَ خَرَاجِيَّةٌ وَاِنْ

بنائے تو امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ برابر والی زمین کے لحاظ سے وہ زمین سمجھی جائے گی۔ برابر والی زمین کے خراجی ہونے پر وہ بھی خراجی قرار دیجائیگی

كَانَتْ مِنْ حَيِّزِ اَرْضِ الْعُشْرِ فَهِيَ عُشْرِيَّةٌ وَالْبَصْرَةُ عِنْدَنَا عُشْرِيَّةٌ بِاِجْمَاعِ الصَّحَابَةِ وَقَالَ مُحَمَّدٌ

اور برابر والی زمین عشری ہونے پر اسے بھی عشری قرار دیا جائے گا۔ اور باجماع صحابہؓ ہمارے نزدیک زمین بصرہ عشری قرار دی گئی اور امام

رَحِمَهُ اللّٰهُ اِنْ اَحْيَاهَا بِبِئْرٍ حَفَرَهَا اَوْ بِعَيْنٍ اسْتَخْرَجَهَا اَوْ بِمَاءِ دِجْلَةَ اَوِ الْفُرَاتِ اَوِ الْاَنْهَارِ الْعِظَامِ

محمدؒ کے نزدیک اگر اسے قابل پیداوار کنواں کھودتے ہوئے یا چشمہ نکالتے ہوئے یا آب دجلہ و فرات یا وہ بڑی نہریں جو کسی کی ملکیت

الَّتِيْ لَا يَمْلِكُهَا اَحَدٌ فَهِيَ عُشْرِيَّةٌ وَاِنْ اَحْيَاهَا بِمَاءِ الْاَنْهَارِ الَّتِيْ احْتَفَرَهَا الْاَعَاجِمُ كَنَهْرِ الْمَلِكِ

نہیں ہوتیں ان کے پانی سے سیراب کرکے بنایا ہو تو اسے عشری قرار دینگے۔ اور اگر اسے قابلِ پیداوار ایسی نہروں کے پانی کے ذریعہ بنایا ہو جنھیں

وَنَهْرِ يَزْدَجَرْدَ فَهِيَ خَرَاجِيَّةٌ وَالْخَرَاجُ الَّذِيْ وَضَعَهُ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَلٰى اَهْلِ السَّوَادِ مِنْ

کھودنیوالے اہل عجم ہوں مثلاً نہر ملک اور نہر یزدجرد تو انھیں خراجی قرار دیا جائیگا اور حضرت عمرؓ کا اہل سواد پر مقرر فرمودہ خراج ہرایسے جریب سے

كُلِّ جَرِيْبٍ يَبْلُغُهُ الْمَاءُ وَيَصْلُحُ لِلزَّرْعِ قَفِيْزٌ هَاشِمِيٌّ وَهُوَ الصَّاعُ وَدِرْهَمٌ وَمِنْ جَرِيْبِ

جس تک پانی پہنچ رہا ہو اور کاشت کے لائق ہو ایک ہاشمی قفیز اور وہ ایک صاع ہے اور درھم۔ اور سبزیوں میں فی جریب

الرَّطْبَةِ خَمْسَةُ دَرَاهِمَ وَمِنْ جَرِيْبِ الْكَرْمِ الْمُتَّصِلِ وَالنَّخْلِ الْمُتَّصِلِ عَشَرَةُ دَرَاهِمَ وَمَا سِوٰى

پانچ دراہم خراج ہے۔ اور انگور و کھجور میں فی جریب دس دراھم ہیں۔ اور اس کے سوا

ذٰلِكَ مِنَ الْاَصْنَافِ يُوْضَعُ عَلَيْهَا بِحَسْبِ الطَّاقَةِ فَاِنْ لَمْ تُطِقْ مَا وُضِعَ عَلَيْهَا نَقَصَهَا الْاِمَامُ

دیگر اراضی میں ان کے تحمل کے مطابق مقرر کیا جائے گا۔ اور اگر مقرر کردہ کا تحمل نہ کرسکیں تو امام المسلمین مقرر کردہ میں کمی کردے

وَاِنْ غَلَبَ عَلٰى اَرْضِ الْخَرَاجِ الْمَاءُ اَوِ انْقَطَعَ عَنْهَا اَوِ اصْطَلَمَ الزَّرْعَ اٰفَةٌ فَلَا خَرَاجَ عَلَيْهِمْ

اور اگر ارضِ خراجی پر پانی کا غلبہ ہوجائے یا پانی منقطع ہوجائے یا کسی آفت کے باعث کھیتی برباد ہوگئی تو ان کاشت کرنیوالوں پر

وَانْ عَطَّلَهَا صَاحِبُهَا فعليهِ الخراجُ وَمَنْ اَسْلَمَ مِنْ اَهْلِ الخَرَاجِ اُخِذَ مِنْهُ الخراجُ عَلٰى حَالِهٖ
کوئی خراج واجب ہوگا۔ اور صاحبِ ارض اسے بیکار چھوڑیگا تو اس پر خراج کا وجوب ہوگا اور اہلِ خراج میں سے جو دائرۂ اسلام میں داخل ہو
وَيجوزُ اَنْ يَشترِيَ المُسلمُ مِنَ الذِّمِّيِّ اَرضَ الخراجِ ويؤخَذُ مِنهُ الخراجُ ولا عُشْرَ فِي الخَارِجِ
اس سے حسبِ سابق خراج ہی وصول کیا جائیگا۔ کسی مسلمان کا ذمی سے ارضِ خراجی خریدنا درست ہے اور اس سے خراج ہی وصول کیا جائیگا
مِنْ اَرْضِ الخَرَاجِ ۔
اور ارضِ خراجی کی پیداوار میں عشر واجب نہ ہوگا۔

لغات کی وضاحت

:۔ عنوۃ : بزور و قوت حاصل کرنا۔ ارض : زمین۔ مواۃ : ناقابلِ کاشت زمین۔
بئر : کنواں۔ عین : چشمہ۔ العظام : ہڈی۔ الأعاجم۔ عجمی کی جمع : غیرعرب۔ الرطبۃ : ترکاری، سبزی۔

تشریح و توضیح

وکل ارض اسلم اہلہا الخ۔ فرماتے ہیں کہ وہ زمین جہاں کے رہنے والے دائرۂ اسلام میں داخل ہوگئے ہوں، یا ایسا ملک جسے بقوت و طاقت مسلمانوں نے فتح کیا ہو اور فتحیاب ہونیکے بعد مجاہدین کے درمیان زمین بانٹ دی گئی ہو تو یہ ساری ہی عشری قرار دی جائے گی۔ دائرۂ اسلام میں داخل ہونیوالے عرب قبیلوں کی زمینوں پر انھیں کی ملکیت جوں کی توں برقرار رہتی تھی۔ اور اسی طرح مجاہدین کے درمیان بانٹی جانیوالی مفتوحہ زمینوں پر جو مجاہدین کی ملکیت ہوتی تھیں ان میں سے کسی زمین پر کسی طرح کا خراج مقرر نہ تھا البتہ ان سے ہونیوالی پیداوار کا عشر یا نصف عشر انھیں دینا پڑتا تھا، زمینیں ہر طرح کے خراج سے مستثنیٰ تھیں۔

فاقرا اہلہا علیہا الخ۔ ایسی زمین جنھیں لشکرِ اسلام نے قوت و شوکت کے ساتھ فتح تو کیا مگر فتحیاب ہوکر ان زمینوں کو امام المسلمین نے مجاہدین کے درمیان تقسیم نہیں کیا بلکہ وہیں کے سابق باشندوں کو ان پر برقرار رکھا اور زمین انھیں کی تحویل میں رہیں اس طرح کی ساری زمینوں کو خراجی قرار دیا گیا۔

ومن احیا ارضا مواتا الخ۔ بنجر اور ناقابلِ کاشت زمین کو جس نے مفید اور قابلِ کاشت بنایا اس کے عشری یا خراجی ہونیکا حکم برابر کی زمین کے لحاظ سے ہوگا۔ اور اگر اس سے متصل زمین خراجی ہو تو اسے بھی خراجی قرار دیا جائے گا اور اس سے متصل زمین عشری ہو تو وہ بھی عشری شمار ہوگی۔ اسی طرح امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اس بنجر زمین کو عشری قرار دیا جائے گا جسے کنواں کھودنے یا چشمہ نکالنے یا دریائے دجلہ و فرات وغیرہ بڑی نہروں کے ذریعہ سیراب کرکے قابلِ کاشت بنایا گیا ہو۔

والخراج الذی وضعہ عمرؓ الخ۔ امیر المؤمنین حضرت عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں اہلِ عراق کی ہر ایسی قابلِ کاشت زمین پر جسے پانی پہونچایا جاتا ہو فی جریب ایک ہاشمی قفیز اس سے مراد غلہ کا ایک صاع ہے۔ اور ایک درہم خراج مقرر فرمایا اور سبزیاں اگانیوالی اچھی زمینوں پر فی جریب پانچ درہم خراج مقرر فرمایا۔ اور انگور و کھجور کے متصل و گنجان

درختوں پر فی جریب دس درہم خراج مقرر فرمایا اوران کے علاوہ دیگر زمینوں پر خراج انکی صلاحیت وطاقت زراعت کے اعتبار سے مقرر فرمایا۔

فان لم تطق ما وضع علیہا الخ۔ یعنی اگر اتفاقاً خراج زمین کی طاقت اور اگانے کی قوت کے اعتبار سے کچھ زیادہ لگ گیا کہ اتنی مقدار میں خراج کی ادائیگی اس زمین سے دشوار ہو تو امام المسلمین اس پر نظر کرتے ہوئے مقرر کردہ خراج میں کمی کر سکتا اور حسب طاقت خراج لگا سکتا ہے۔

وان غلب علی ارض الخراج الخ۔ اگر ایسا ہو کہ خراجی زمین پانی میں ڈوب کر زراعت بالکل تباہ ہو جائے یا پانی کی انتہائی کمی اور پانی نہ ملنے کی بنا پر کھیتی تلف ہو جائے اور کسی آفت کی وجہ سے کھیتی برباد ہو گئی ہو تو ان سب صورتوں میں کاشت کرنے والوں سے کوئی خراج نہیں لیا جائے گا لیکن اگر کوئی اپنی کاہلی وغفلت کے باعث زمین سے فائدہ نہ اٹھائے اور اسے بیکار چھوڑے رکھے تو اس سے خراج لیا جائے گا کہ اس میں اس کا قصور ہے۔

ومن اسلم من اہل الخراج الخ۔ اہل خراج میں سے اگر کوئی دائرۂ اسلام میں داخل ہو جائے تو اس کی وجہ سے اس کی خراجی زمین عشری نہیں بنے گی بلکہ اس سے حسب سابق خراج ہی لیا جائے گا۔

ولا عشر فی الخارج من ارض الخراج الخ۔ ایسی زمین جو کہ خراجی ہو تو اس کی پیداوار سے عشر نہیں لیا جائے گا یعنی ایسا نہیں ہوتا کہ ایک زمین سے عشر بھی لیا جاتا ہو اور خراج بھی۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک دونوں کا اکٹھا ہونا اور عشر وخراج لینا درست ہے کیوں کہ ان دونوں کے وجوب کا سبب الگ الگ ہے۔ احنافؒ فرماتے ہیں کہ خراج کا وجوب بزور وقوت فتح کردہ زمین میں ہوا کرتا ہے اور عشر کا وجوب ایسی زمین میں ہوتا ہے جہاں کے لوگ برضا ورغبت دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے اور ان پر حملہ اور اظہار قوت وشوکت کی ضرورت نہ ہوئی ہو۔ ان دو اوصاف کا ایک ہی زمین میں اکٹھا ہونا ممکن نہیں۔

وَالجزیۃُ علیٰ ضربینِ جزیۃٌ توضعُ بالتراضی وَالصلحِ فتقدَّرُ بحسبِ مایقع علیہ الاتفاق
اور جزیہ دو قسموں پر مشتمل ہے۔ ایک تو وہ جو طرفین کی رضا اور بذریعہ صلح مقرر ہو تو جتنی مقدار پر باہمی اتفاق ہو ہی لیا جائیگا۔

وَجزیۃٌ یبتدئُ الامامُ بوضعہا اذا غلبَ الامامُ علی الکفارِ وَاقرَّہم علیٰ املاکہم فیضعُ
اور جزیہ کی ایک قسم یہ کہ امام کافروں پر غلبہ حاصل کرنے کے بعد اپنی جانب سے شروع کرے اور مالکوں کے پاس ہی انکی املاک چھوڑ

علی الغنی الظاہرِ الغناءِ فی کلِّ سنۃٍ ثمانیۃً وَاربعینَ درہمًا یاخذُ منہُ فی کلِّ شہرٍ
دے اور غنی پر ہر سال میں اڑتالیسؒ دراہم واجب کرے اور ہر مہینہ اس سے چار دراھم کی وصولیابی

اربعۃَ دراہمَ وَعلی المتوسطِ الحالِ اربعۃً وَعشرینَ درہمًا فی کلِّ شہرٍ
کرے۔ اور متوسط درجہ کے مالدار پر چوبیسؒ دراھم واجب کرے یعنی ہر مہینے دو درھم

درہمَینِ وَعلی الفقیرِ المعتمِلِ اثنیْ عشرَ درہمًا فی کلِّ شہرٍ درہمًا وَتوضعُ
اور کما سکنے والے مفلس پر بارہ دراھم یعنی ہر مہینہ ایک درھم ۔ اور جزیہ کا تقرر

الجزیۃ علیٰ اھل الکتاب والمجوس وعبدۃ الاوثان من العجم ولا توضع علیٰ عبدۃ
اہل کتاب اور آتش پرستوں اور عجم کے بت پرستوں پر ہوگا۔ اور بت پرستان عرب
الاوثان من العرب ولا علی المرتدین ولا جزیۃ علیٰ امرأۃ ولا صبی ولا زمن و
و مرتدین پر نہ ہوگا اور عورت اور بچہ اور اپاہج اور
لا علیٰ فقیر غیر معتمل ولا علی الرھبان الذین لا یخالطون الناس ومن اسلم وعلیہ جزیۃ
کمانے سے معذور مفلس پر اور لوگوں سے اختلاط نہ رکھنے والے راہبوں پر جزیہ واجب ہوگا اور جو شخص اسلام قبول کرے
سقطت عنہ وان اجتمع علیہ الحولان تداخلت الجزیتان ولا یجوز احداث بیعۃ ولا
درانحالیکہ اس پر جزیہ باقی ہو تو وہ اسکے ذمہ نہ رہیگا اور اگر کسی پر دو برس کا جزیہ چڑھ گیا ہو تو جزیوں میں تداخل ہوگا اور یہ درست نہیں کہ
کنیسۃ فی دار الاسلام واذا انھدمت البیع والکنائس القدیمۃ اعادوھا ویؤخذ اھل
دارالاسلام میں یہود و نصاریٰ نئی عبادتگاہ بنائیں اور قدیم عبادت گاہیں گرنے پر از سر نو بنالیں۔ اور اہل ذمہ سے یہ عہد
الذمۃ بالتمیز عن المسلمین فی زیھم ومراکبھم وسروجھم وقلانسھم ولا یرکبون الخیل
لیں گے کہ مسلمانوں سے ان کا امتیاز رہے مسلمانوں کے لباس اور انکی سواریوں اور انکی زینوں اور ٹوپیوں سے الگ رہیں۔ اور ذمی گھوڑوں
ولا یحملون السلاح ومن امتنع من الجزیۃ او قتل مسلما او سب النبی علیہ السلام او زنی
کی سواری نہ کریں اور نہ وہ ہتھیار اٹھائیں اور جو ذمی جزیہ نہ دے یا کسی مسلمان کو ہلاک کردے یا نبی کو برا کہدے یا مسلم عورت
بمسلمۃ لم ینتقض عھدہ ولا ینتقض العھد الا بان یلحق بدار الحرب او یغلبوا علیٰ
سے زناکاری کرے تو اس کا عہد ختم نہ ہوگا اور عہد اس صورت میں ٹوٹے گا کہ وہ دار الحرب چلا گیا ہو یا کسی مقام پر غالب آکر
موضع فیحاربوننا۔
ہم سے (مسلمانوں سے) آمادۂ جنگ ہوگئے ہوں۔

جزیہ کے بارے میں تفصیل

لغات کی وضاحت:- جزیۃ: محصول۔ الفقیر: مفلس۔ المعتمل: کمانے کے لائق۔ الاوثان: وثن کی جمع: بت۔ زمن: اپاہج۔ احداث: نیا۔ زی: شکل۔

تشریح و توضیح: والجزیۃ علیٰ ضربین الخ۔ جزیہ دو قسموں پر مشتمل ہے۔ جزیہ کی ایک قسم تو یہ ہے کہ برضاء و خوشنودی بطور مصالحت اس کی مقدار متعین و مقرر ہوجائے تو اس کی پابندی لازم ہے۔ اس لئے اس کی خلاف ورزی کا شمار عہد شکنی میں ہوگا جس کی شرعاً اجازت نہیں اور اس سے بہر صورت احتراز کا حکم ہے۔ اور جزیہ کی دوسری قسم یہ ہے کہ امام

المسلمین کفار کے مغلوب ہونے اور مسلمانوں کے ان پر غالب آنے کے بعد انکی املاک بدستور ان کے پاس باقی رکھ کر ان پر جزیہ مقرر کردے۔ اس میں کفار کے مالدار اور متوسط درجہ کے مال اور مفلس ہونیکے اعتبار سے فرق ہے۔ یعنی جن کا شمار مالداروں میں ہوتا ہے ان سے پورے سال میں اڑتالیس درہم وصول کئے جائیں گے اور جو مال کے اعتبار سے اوسط درجہ کے شمار ہوتے ہوں ان سے چوبیس دراہم وصول کئے جائیں گے۔ یعنی ہر مہینہ دو درہم۔ اور ان میں جو مفلس مگر کمانے کے لائق ہو اس سے سال بھر میں بارہ دراہم وصول کئے جائیں گے۔ یعنی ہر مہینہ صرف ایک درہم۔ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک سے خواہ وہ مال کے اعتبار سے کسی درجہ کا ہو ایک دینار وصول کیا جائیگا کیونکہ ترمذی وغیرہ کی روایات سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے یہ ارشاد فرمانا ثابت ہوتا ہے کہ ہر بالغ مرد سے ایک دینار لو۔
احنافؒ فرماتے ہیں کہ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ، امیر المؤمنین حضرت عثمان اور امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہم اجمعین سے جزیہ کی مذکورہ بالا مقدار ہی منقول ہے۔ رہی حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی روایت تو اسے بطریقِ مصالحت لینے پر محمول کیا جائے گا۔

وتوضع الجزیۃ علیٰ اھل الکتاب الخ۔ فرماتے ہیں کہ اہل کتاب اور اسی طرح آتش پرستوں اور عجم کے بت پرستوں سے جزیہ لیا جائے گا۔ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا نجران کے نصاریٰ سے جزیہ کا لینا صحیح روایات سے ثابت ہے۔ ۹ھ میں نجران کے نصاریٰ کا ایک وفد آپؐ کی خدمت میں آیا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے عقائد کی غلطی ان پر واضح فرمائی اور ان پر اسلام پیش کیا تو وہ کہنے لگے کہ ہم پہلے ہی سے مسلمان ہیں۔ آپؐ نے فرمایا تمہارا اسلام کیسے صحیح ہو سکتا ہے جبکہ تم خدا کیلئے بیٹا تجویز کرتے ہو اور صلیب کی پرستش کرتے ہو اور خنزیر کھاتے ہو۔ نجران کے نصاریٰ نے کہا آپ حضرت مسیح کو اللہ کا بندہ بتاتے ہیں۔ کیا آپ نے حضرت مسیح جیسا کسی کو دیکھا یا سنا بھی ہے۔ اس پر آل عمران کی آیات " ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل آدم " سے " ثم نبتہل فنجعل لعنۃ اللہ علی الکذبین " تک نازل ہوئیں۔ ان آیات کے نازل ہونے کے بعد آپ مقابلہ کیلئے تیار ہو گئے مگر نصاریٰ مبارک اور نورانی چہروں کو دیکھ کر مرعوب ہو گئے اور بالآخر مباہلہ سے گریز کرتے ہوئے سالانہ جزیہ دینا منظور کیا۔ جو عہدنامہ آپ نے ان کیلئے تیار کرایا اس میں یہ بھی تھا کہ اہل نجران کو سالانہ دو ہزار حلّے ادا کرنے ہوں گے۔ ایک ہزار ماہ رجب میں اور ایک ہزار ماہِ صفر میں اور ہر حلہ کی قیمت ایک اوقیہ یعنی چالیس درہم ہو گی۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ، حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ بتوں کی پرستش کرنیوالوں سے بھی جزیہ لیا جائے۔ حضرت امام شافعیؒ ان سے نہ لینے کیلئے فرماتے ہیں۔ اس واسطے کہ قرآن کریم میں جزیہ اہل کتاب کے ساتھ مقید ہے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جزیہ فقط اہل کتاب سے لیا۔ اس کا جواب دیا گیا کہ آگ کی پرستش کرنیوالوں اور بتوں کی پرستش کرنے والوں کے درمیان کسی طرح کا فرق نہیں بلکہ بعض اعتبار سے تو آتش پرست بتوں کی پرستش کرنیوالوں سے بھی زیادہ برے ہیں۔ مثلاً آتش پرست

خیر اور شر کا الگ الگ خالق تسلیم کرتے ہیں۔ نیز اپنی دختر و ہمشیرہ سے نکاح صحیح قرار دیتے ہیں۔ بتوں کی پرستش کرنیوالوں کے یہاں ایسا نہیں اور ان باتوں کے باوجود آتش پرست کو جزیہ دیکر اپنے مذہب پر برقرار رہنے کی اجازت دی گئی رہا بتوں کی پرستش کرنیوالوں سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا جزیہ نہ لینا۔ تو اس کا سبب دراصل یہ ہے کہ نزول حکم جزیہ سے قبل قریب قریب بتوں کی پرستش کرنے والے سارے ہی قبیلوں میں مذہب اسلام پھیل گیا تھا اور پھر ان سے جنگ نہیں ہوئی۔

ولا توضع علی عبدۃ الاوثان من العرب الخ۔ احناف اور اسی طرح مالکیہ کے نزدیک بتوں کی پرستش کرنے والے عربوں سے جزیہ نہ لیں گے۔ اس لئے کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی ولادت انھیں میں اور عربی میں ہی نزول قرآن کے بعد سب سے زیادہ آنحضورؐ کی صداقت اور قرآن کریم کے اعجاز سے اہل عرب آگاہ ہیں پھر ان کا انکار کرنا کفر شدید میں داخل ہے اور اس اعتبار سے ان کے واسطے حکم میں بھی شدت ہوگی کہ یا تو وہ دائرۂ اسلام میں داخل ہوں ورنہ قتل کئے جائیں۔ علاوہ ازیں جزیرۂ عرب میں دو دین اکٹھے نہ ہو سکنے کی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وصیت بھی ہے۔ پس عرب میں جزیہ وصول کر کے بت پرستی برقرار رکھنے کی کوئی گنجائش نہیں۔

وان اجتمع علیہ الحولان الخ۔ اگر کسی کے پاس دو برس کا جزیہ اکٹھا ہو گیا ہو اور ایک سال کا جزیہ اس سے نہ لیا ہو تو اس صورت میں گذرے ہوئے سال کا جزیہ اس سے ساقط قرار دیکر محض سال رواں کے جزیہ کی وصول یابی کی جائے گی۔ امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ اور ائمہ ثلاثہ نہ ساقط ہونیکا حکم فرماتے ہیں۔

وَاِذَا ارْتَدَّ الْمُسْلِمُ عَنِ الْاِسْلَامِ عُرِضَ عَلَیْہِ الْاِسْلَامُ فَاِنْ کَانَتْ لَہٗ شُبْہَۃٌ کُشِفَتْ وَیُحْبَسُ
اور دائرۂ اسلام سے نکل جانے والے پر اسلام پیش کریں۔ اور اسے کسی طرح کا شبہ ہو تو اسے دور کریں اور اسے تین

ثَلٰثَۃَ اَیَّامٍ فَاِنْ اَسْلَمَ وَاِلَّا قُتِلَ فَاِنْ قَتَلَہٗ قَاتِلٌ قَبْلَ عَرْضِ الْاِسْلَامِ عَلَیْہِ کُرِہَ لَہٗ ذٰلِکَ وَلَا
روز محبوس رکھیں۔ پھر وہ مسلمان ہو جائے تو فبہا ورنہ اسے موت کے گھاٹ اتار دیں۔ اور اسلام پیش کئے جانے سے قبل قتل کر دینا

شَیْئَ عَلَی الْقَاتِلِ وَاَمَّا الْمُرْتَدَّۃُ فَلَا تُقْتَلُ وَلٰکِنْ تُحْبَسُ حَتّٰی تُسْلِمَ وَیَزُوْلُ مِلْکُ الْمُرْتَدِّ عَنْ
باعث کراہت ہے اور قتل کرنیوالے پر کچھ واجب ہوگا اور دائرۂ اسلام سے نکل جانیوالی عورت ہلاک نہ کی جائے بلکہ اسلام قبول کرنے تک

اَمْوَالِہٖ بِرِدَّتِہٖ زَوَالًا مُرَاعًا فَاِنْ اَسْلَمَ عَادَتْ اِلٰی حَالِہَا وَاِنْ مَاتَ اَوْ قُتِلَ عَلٰی رِدَّتِہٖ
قید میں ڈالے رکھیں اور اسلام سے پھر جانیوالے کی ملکیت اموال سے بطور زوال موقوف ختم ہو جاتی ہے اگر وہ دوبارہ اسلام قبول کرلے تو ملکیت

انْتَقَلَ مَا اکْتَسَبَہٗ فِیْ حَالِ الْاِسْلَامِ اِلٰی وَرَثَتِہِ الْمُسْلِمِیْنَ وَمَا اکْتَسَبَہٗ فِیْ حَالِ رِدَّتِہٖ فَیْئٌ فَاِنْ
اپنے حال پر واپس آجائیگی اور اگر وہ بحالت ارتداد مرگیا یا قتل کردیا گیا تو اسکا حالت اسلام کا کمایا ہوا مال اسکے مسلمان ورثاء کیطرف منتقل ہو جائیگا۔

لَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ مُرْتَدًّا وَحَکَمَ الْحَاکِمُ بِلِحَاقِہٖ عَتَقَ مُدَبَّرُوْہُ وَاُمَّہَاتُ اَوْلَادِہٖ
اور حالت ارتداد کا کمایا ہوا مال غنیمت بنجائیگا اور اگر بحالت ارتداد دار الحرب چلا جائے اور حاکم اسکے دار الحرب چلے جانیکا حکم کردے تو اسکے مدبر اور ام ولد

وَحَلَّتِ الدُّيُونُ الَّتِي عَلَيْهِ وَانْتَقَلَ مَا اكْتَسَبَهُ فِي حَالِ الْاِسْلَامِ اِلٰى وَرَثَتِهِ الْمُسْلِمِيْنَ وَتُقْضٰى
طلقہ غلامی سے آزاد قرار دیئے جائیں گے۔ اور اس کے ذمہ واجب و میعادی دیون فوری بن جائیں گے اور اسکا حالتِ اسلام کا کمایا ہوا اسکے مسلم ورثاء
الدُّيُونُ الَّتِي لَزِمَتْهُ فِي حَالِ الْاِسْلَامِ بِمَا اكْتَسَبَهُ فِي حَالِ الْاِسْلَامِ وَمَا لَزِمَهُ مِنَ الدُّيُوْنِ
کی جانب منتقل ہو جائیگا اور بحالتِ اسلام اس پر واجب شدہ اسکے حالتِ اسلام کے کمائے ہوئے سے ادا کئے جائینگے۔ اور ارتداد کے زمانہ کے
فِي رِدَّتِهِ يُقْضٰى مِمَّا فِي حَالِ رِدَّتِهِ وَمَا بَاعَهُ اَوِ اشْتَرَاهُ اَوْ تَصَرَّفَ فِيْهِ مِنْ اَمْوَالِهِ فِي
دیون کی ادائیگی زمانۂ ارتداد کے کسب کردہ سے کی جائے گی اور زمانۂ ارتداد کے فروخت کردہ اور خرید کردہ اور اپنے اموال میں کئے ہوئے
حَالِ رِدَّتِهِ مَوْقُوْفٌ فَاِنْ اَسْلَمَ صَحَّتْ عُقُوْدُهُ وَاِنْ مَاتَ اَوْ قُتِلَ اَوْ لَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ
تصرف کو موقوف قرار دیا جائیگا۔ پس اگر وہ اسلام قبول کر لے تو یہ عقود درست ہوں گے۔ اور اگر مر جائے یا ہلاک کر دیا جائے یا وہ دار الحرب چلا
بَطَلَتْ وَاِذَا عَادَ الْمُرْتَدُّ اِلٰى دَارِ الْاِسْلَامِ مُسْلِمًا فَمَا وَجَدَهُ فِي يَدِ وَرَثَتِهِ مِنْ مَالِهِ
جائے تو یہ عقود باطل ہوں گے اور مرتد قبول اسلام کے بعد دار الاسلام واپس ہو تو اسے جو کچھ اپنے ورثاء کے پاس جوں کا توں ملے اسے
بِعَيْنِهِ اَخَذَهُ وَالْمُرْتَدَّةُ اِذَا تَصَرَّفَتْ فِي مَالِهَا فِي حَالِ رِدَّتِهَا جَازَ تَصَرُّفُهَا وَنَصَارٰى
لے لے اور مرتدہ عورت کے اپنے مال کے اندر بحالتِ ارتداد کئے ہوئے تصرف کو درست قرار دیا جائیگا۔ اور نصاریٰ بنو تغلب
بَنِي تَغْلِبَ يُؤْخَذُ مِنْ اَمْوَالِهِمْ ضِعْفُ مَا يُؤْخَذُ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ مِنَ الزَّكٰوةِ وَيُؤْخَذُ مِنْ
کے اموال سے اس کا دوگنا لیا جائے جو کہ مسلمانوں سے بطور زکوٰۃ لیا جاتا ہے۔ اور بنو تغلب کی عورتوں سے بھی
نِسَائِهِمْ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْ صِبْيَانِهِمْ وَمَا جَبَاهُ الْاِمَامُ مِنَ الْخَرَاجِ وَمِنْ اَمْوَالِ بَنِي تَغْلِبَ وَ
لیں گے اور ان کے بچوں سے نہ لیں گے۔ اور امام المسلمین کے پاس جو کچھ خراج اور بنو تغلب کے اموال سے اور اہلِ
مَا اَهْدَاهُ اَهْلُ الْحَرْبِ اِلَى الْاِمَامِ وَالْجِزْيَةُ يُصْرَفُ فِي مَصَالِحِ الْمُسْلِمِيْنَ فَيُسَدُّ مِنْهُ الثُّغُوْرُ
حرب کی جانب سے امام کو دیئے ہوئے ہدایا اور جزیہ سے اکٹھا ہوگا اور مصالح مسلمین میں خرچ کیا جائیگا تو اس سے سرحدات
وَتُبْنَى الْقَنَاطِرُ وَالْجُسُوْرُ وَيُعْطٰى مِنْهُ قُضَاةُ الْمُسْلِمِيْنَ وَعُمَّالُهُمْ وَعُلَمَاؤُهُمْ مَا يَكْفِيْهِمْ
کی بندش کی جائے گی اور اس مال سے پل تعمیر کئے جائیں گے اور اس سے مسلمانوں کے قضاۃ اور عمال و علماء کو بقدر کفایت دیا جائے
وَيُدْفَعُ مِنْهُ اَرْزَاقُ الْمُقَاتِلَةِ وَذَرَارِيْهِمْ۔
گا اور اس سے مجاہدین اور انکی اولاد کے روزینے دیئے جائیں گے۔

دائرۂ اسلام سے نکل جانیوالوں سے متعلق احکام

لغات کی وضاحت:- ارتد: پھرنا۔ دائرۂ اسلام سے نکل جانا۔ عرض: پیش کیا جانا۔ القناطر۔ قنطرہ کی جمع بمعنے پُل۔ القنطرۃ: وہ پل کہلاتا ہے جو اٹھایا نہ جا سکتا ہو۔ الجسور۔ جسر کی جمع: وہ پل جسے اٹھایا اور بوقتِ ضرورت رکھا جا سکے۔ مثلاً کشتیوں کا پل بنایا جائے۔ ارزاق: وظائف۔

تشریح و توضیح

وَاِذَا ارْتَدَّ الْمُسْلِمُ الخ۔ اگر کوئی مسلمان خدا نخواستہ دائرۂ اسلام سے نکل جائے تو اسے دعوتِ اسلام دیجائے اور اسے کسی طرح کا شبہ ہو تو اسے دور کرکے مطمئن کیا جائے اور آزاد نہ چھوڑیں بلکہ تین روز تک قید میں رکھ کر اس کے دوبارہ قبولِ اسلام کا انتظار کیا جائے۔ اس درمیان میں اگر وہ دوبارہ دائرۂ اسلام میں داخل ہو جائے تو ٹھیک ہے۔ لیکن اگر وہ ارتداد پر قائم رہے اور اس انتظار سے کوئی فائدہ نہ ہو اور تین روز کی مہلت کو غنیمت نہ جانے تو پھر اسے موت سے ہمکنار کر دیا جائے۔ مرتد پر اسلام پیش کرنے سے پہلے اسے مار ڈالنا ناپسندیدہ ہے۔

ویزول ملك المرتد عن اموالہ الخ۔ فرماتے ہیں کہ مرتد کی ملکیت ارتداد کی پاداش میں اس کے اموال سے ختم ہو کر بزوالِ موقوف ہو جاتی ہے۔ یعنی اگر اس نے دوبارہ اسلام قبول کر لیا تو اس کی ملکیت بھی اس کے اسلام کے ساتھ واپس آجائے گی اور وہ حسبِ سابق اپنے اموال کا مالک ہو جائے گا۔ امام ابویوسفؒ و امام محمدؒ کہتے ہیں کہ اموال سے اس کی ملکیت ختم نہ ہوگی۔ اس لئے کہ وہ مکلف شمار ہوتا ہے اور جب تک مال نہ ہو اس کا کوئی معاملہ کرنا ممکن نہیں۔ پس تا وقتیکہ اسے قتل نہ کر دیا جائے اس کی ملکیت برقرار رہے گی۔

وان مات اوقتل الخ۔ اگر اس کا ارتداد ہی کی حالت میں انتقال ہو جائے یا اسی حالت میں اس کو قتل کر دیا جائے تو اس صورت میں اس کے مسلمان ورثاء کو اس پر ملکیت حاصل ہوگی جو اس نے مسلمان ہونیکی حالت میں کمایا ہو اور اسی سے اس قرض کی ادائیگی کیجائے گی جو اس پر بحالتِ اسلام واجب ہوا ہو۔ اور حالتِ ارتداد کا کمایا ہوا غنیمت کے زمرے میں آجائے گا۔ اور بحالتِ ارتداد اس پر جو قرض واجب ہوا ہو اس کی ادائیگی اسی سے کی جائے گی۔ امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ حالتِ اسلام اور حالتِ ارتداد دونوں حالتوں کا کمایا ہوا اس کے ورثاء کے واسطے ہوگا۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ سب کو مالِ غنیمت قرار دیں گے۔ اس لئے کہ کسی کافر کا وارث مرتد قرار نہیں دیا جاتا۔ اور مالِ حربی ہونے کی بناء پر اسے مالِ غنیمت قرار دیا جائے گا۔ امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ارتداد کے بعد بھی اس کی ملکیت دونوں حالتوں کے کسب کردہ میں برقرار رہے گی اور اس کے انتقال پر اس کے ورثاء وارث قرار دیئے جائیں گے۔ اور اگر اسی حالت میں انتقال ہو گیا یا موت کے گھاٹ اتار دیا گیا یا وہ دارالحرب پہنچ گیا تو یہ عقود باطل و کالعدم شمار ہوں گے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ یہی فرماتے ہیں۔ امام ابویوسفؒ و امام محمدؒ نفاذ کا حکم فرماتے ہیں۔

واذا عاد المرتد الخ۔ اگر ایسا ہو کہ مرتد ارتداد سے تائب ہو کر دوبارہ دائرۂ اسلام میں داخل ہو اور پھر دارالاسلام میں آجائے۔ تو اب اگر اسے اپنے ورثاء کے پاس جوں کی توں کوئی چیز مل جائے تو اسے لے لینا درست ہوگا۔

ونصارٰی بنی تغلب یؤخذ من اموالھم الخ۔ بنو تغلب سے جزیہ کی دوگنی مقدار لی جائے گی۔ بعض روایات میں ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عمرؓ کے بنو تغلب سے مطالبۂ جزیہ فرمانے پر انھوں نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ جس طریقہ سے تم اہلِ اسلام سے صدقہ لیا کرتے ہو ہم لوگوں سے بھی اسی طریقہ سے لو۔ حضرت عمرؓ اگرچہ اول اس پر آمادہ نہیں

تھے مگر پھر بمشورۂ نعمان بن زرعہ وغیرہ یہ معاہدہ کرلیا گیا کہ ان لوگوں سے ڈبل زکوٰۃ بعنوان صدقہ لے لیں۔ اور کیونکہ زکوٰۃ صرف مردوں سے ہی نہیں عورتوں سے بھی لیتے ہیں اس واسطے انکی عورتوں پر دوگنی زکوٰۃ طے کردی گئی۔

وَاِذَا تَغَلَّبَ قَوْمٌ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ عَلٰى بَلَدٍ وَخَرَجُوْا مِنْ اِطَاعَةِ الْاِمَامِ دَعَاهُمْ اِلَى الْعَوْدِ اِلٰى
اور جب مسلمانوں کی کوئی جماعت کسی شہر پر غلبہ حاصل کرلے اور اطاعت امام المسلمین سے خروج کرے تو انھیں پھر طاعت کی جانب بلایا
الْجَمَاعَةِ وَكَشَفَ عَنْ شُبْهَتِهِمْ وَلَا يَبْدَأُهُمْ بِالْقِتَالِ حَتّٰى يَبْدَؤُهُ فَاِنْ بَدَؤُنَا قَاتَلْنَاهُمْ حَتّٰى تَفَرَّقَ
جائے اور ان کا شبہ دور کیا جائے اور ان سے اس وقت تک جنگ نہ کیجائے جب تک وہ خود ہی آغاز نہ کردیں اگر وہ آغاز کریں گے
جَمْعُهُمْ وَاِنْ كَانَتْ لَهُمْ فِئَةٌ اُجْهِزَ عَلٰى جَرِيْحِهِمْ وَاتُّبِعَ مُوَلِّيْهِمْ وَاِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ فِئَةٌ لَمْ
تو ہم ان کیساتھ جنگ کریں گے حتی کہ انکی جمعیت بکھر جائے اگر انکا کوئی اور گروہ بھی ہو تو ان کے مجروحین کو گرفتار اور فرار ہونیوالوں کا پیچھا کیا جائے اور
يُجْهَزْ عَلٰى جَرِيْحِهِمْ وَلَمْ يُتْبَعْ مُوَلِّيْهِمْ وَلَا تُسْبٰى لَهُمْ ذُرِّيَّةٌ وَلَا يُقْسَمُ اِلَيْهِمْ مَالٌ وَلَا بَاْسَ بِاَنْ
انکا کوئی اور گروہ نہ ہونے پر ان کے مجروحین نہ گرفتار کئے جائیں نہ فرار ہونیوالوں کا تعاقب کیا جائے نہ انکی ذریت قید کی جائے نہ انکے مال کو
يُقَاتِلُوْا بِسِلَاحِهِمْ اِنِ احْتَاجَ الْمُسْلِمُوْنَ اِلَيْهِ وَيَحْبِسُ الْاِمَامُ اَمْوَالَهُمْ وَلَا يَرُدُّهَا عَلَيْهِمْ وَ
بانٹا جائے۔ اور مسلمانوں کو اگر احتیاج ہو تو انھیں کے ہتھیاروں کے ساتھ جنگ کرنے میں مضائقہ نہیں۔ اور امام المسلمین ان کے اموال روکے
لَا يَقْسِمُهَا حَتّٰى يَتُوْبُوْا فَيَرُدُّهَا عَلَيْهِمْ وَمَا جَبَاهُ اَهْلُ الْبَغْيِ مِنَ الْبِلَادِ الَّتِيْ غَلَبُوْا عَلَيْهَا مِنَ الْخَرَاجِ
رکھے نہ انھیں دے اور نہ بانٹے حتی کہ یہ تائب ہو جائیں تو انکے حوالہ کردے اور جن شہروں سے بحالت غلبہ باغیوں نے خراج اور عشر لے لیا ہو
وَالْعُشْرِ لَمْ يَاْخُذْهُ الْاِمَامُ ثَانِيًا فَاِنْ كَانُوْا صَرَفُوْهُ فِيْ حَقِّهِ اَجْزَأَ مَنْ اُخِذَ مِنْهُ وَاِنْ لَمْ
امام المسلمین ان سے دوسری مرتبہ نہ لے۔ اگر ان لوگوں نے اسے درست جگہ خرچ کیا ہو تو یہ مال لئے گئے شخص کی جانب سے کافی ہو جائے گا۔
يَكُوْنُوْا صَرَفُوْهُ فِيْ حَقِّهِ فَعَلٰى اَهْلِهِمْ فِيْمَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ اللّٰهِ تَعَالٰى اَنْ يُعِيْدُوْا ذٰلِكَ۔
اور ان لوگوں کے اسے درست جگہ خرچ نہ کرنے پر ان لوگوں کو دیانۃً ازسرِ نو ادا کرنا لازم ہوگا۔

امام المسلمین کے خلاف بغاوت کرنیوالوں کے احکام

لغات کی وضاحت: تغلّب: جبری تسلط۔ بلد: شہر۔ طاعۃ: فرمانبرداری۔ العود: لوٹنا۔ کشف: دور کرنا۔ تفرّق: بکھرنا۔ جریح: زخم خوردہ۔ مولّی: فرار ہونیوالے۔ فئۃ: جماعت، جتھا۔ اجزأ: کافی۔ اخذ: لیا گیا۔

تشریح و توضیح: واذا تغلب قوم الخ۔ اگر ایسا ہو کہ مسلمانوں کا کوئی گروہ امام المسلمین کی اطاعت سے انحراف کرتے ہوئے بغاوت پر اتر آئے اور اظہارِ بغاوت کے طور پر وہ کسی شہر پر تسلط کرلے تو امام المسلمین کو ضبط و تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے اول انھیں

اطاعت کی جانب بلانا اور ان کے اس جرم کو بشرطِ اطاعت معاف کرنیکا اظہار کرنا چاہئے اور بغاوت کی بنیاد اگر کچھ شبہات ہوں تو انھیں بھی ٹھنڈے دل سے سننا، اس پر غور کرنا اور حتی الامکان ان کے شبہات دور کر کے انھیں مطمئن کرنا چاہئے۔ نیز اگر انکا اجتماع کہیں نہ ہو بلکہ متفرق ہوں تو قتال کا آغاز خود نہ کرنا چاہئے۔ البتہ اگر وہ جنگ کا آغاز کریں تو جواباً اس وقت تک قتال کرنا چاہئے کہ ان کی جمعیت منتشر ہو جائے اور انکی اجتماعی قوت پارہ پارہ ہو جائے۔ پھر اگر ان کا تعاون کرنے اور انھیں طاقت پہونچانیوالی کوئی اور جماعت بھی ہو تو اس صورت میں ان کے مجروحین کو گرفتار اور ان کے فرار ہونیوالوں کا پیچھا کیا جائے۔ لیکن اگر ان کی معاون کوئی اور جماعت نہ ہو تو نہ ان کے مجروحین کو گرفتار کیا جائے، نہ ان کے فرار ہونیوالوں کا پیچھا کیا جائے، نہ ان کی ذریت قید کیجائے اور نہ ان کا مال بانٹا جائے۔ البتہ اگر مسلمانوں کو احتیاج ہو تو ضرورۃً ان کے ہتھیاروں کو استعمال کریں۔

ویحبس الامام اموالھم الخ۔ یعنی امام المسلمین ان کے اموال اپنے پاس رکھے اور انھیں نہ بانٹے بلکہ ان کے تائب ہونے کا انتظار کرے۔ اگر وہ تائب ہو کر پھر امام المسلمین کے زیر اطاعت آجائیں تو امام انکے اموال انھیں کو لوٹادے۔

وماجباہ الخ۔ یعنی دوران بغاوت اگر ان لوگوں نے بعض شہروں پر غلبہ حاصل کر کے خراج یا عشر لے لیا ہو تو حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ان شہر والوں سے امام المسلمین دوبارہ عشر یا خراج نہ لے کہ یہ ان لوگوں پر بار ہو گا۔

کتابُ الحظرِ والاباحۃ

ممنوع اور مباح کا بیان

لَایَحِلُّ لِلرِّجَالِ لُبْسُ الْحَرِیْرِ وَیَحِلُّ لِلنِّسَاءِ وَلَا بَاْسَ بِتَوَسُّدِہٖ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ رَحِمَہُ اللّٰہُ

مردوں کیواسطے ریشمی کپڑا زیب تن کرنا حلال نہیں اور عورتوں کیواسطے حلال قرار دیا گیا۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس سے تکیہ لگانے میں کوئی

وَقَالَا رَحِمَہُمَا اللّٰہُ یُکْرَہُ تَوَسُّدُہٗ وَلَا بَاْسَ بِلُبْسِ الْحَرِیْرِ وَالدِّیْبَاجِ فِی الْحَرْبِ عِنْدَہُمَا وَیُکْرَہُ

حرج نہیں اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ تکیہ لگانے کو مکروہ قرار دیتے ہیں اور بوقتِ جنگ ریشم و دیبا زیب تن کرنے میں صاحبینؒ کے نزدیک مضائقہ نہیں

عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ رَحِمَہُ اللّٰہُ وَلَا بَاْسَ بِلُبْسِ الْمُلْحَمِ اِذَا کَانَ سَدَاہُ اِبْرِیْسَمًا وَلُحْمَتُہٗ قُطْنًا اَوْ خَزًّا۔

اور امام ابو حنیفہؒ مکروہ قرار دیتے ہیں اور ملحم کے زیب تن کرنے میں مضائقہ نہیں جبکہ تانا تو ریشمی ہو اور بانے میں روئی یا اون ہو۔

لغات کی وضاحت

توسّد: ٹیک لگانا، تکیہ لگانا۔ خز: اون کا بنا ہوا کپڑا۔ جمع خزوز۔

تشریح و توضیح

لایحل للرجال الخ۔ شرعاً اسے حرام قرار دیا گیا کہ مرد ریشمی کپڑا استعمال کرے خواہ اس کا استعمال جسم سے اتصال کے ساتھ ہو یا اس سے الگ ہو۔ بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دنیا

میں ریشم وہی زیب تن کرتا ہے جسکے واسطے آخرت کے اندر کوئی حصہ نہ ہو۔ نیز بخاری ومسلم میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے سونے چاندی کے برتنوں میں کھانے پینے کی اور ریشم و دیبا پہننے کی ممانعت فرمائی۔ بخاری ومسلم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو ہدیۃً ایک ریشمی چادر پیش کی گئی۔ آنحضور نے وہ میرے پاس بھیجدی۔ میں نے اسے اوڑھ لیا تو میں نے روئے مبارک پر ناراضگی کے آثار پائے اور پھر ارشاد ہوا کہ میں نے تمہارے استعمال کیلئے نہیں بھیجی تھی بلکہ اس لئے بھیجی تھی کہ اسے پھاڑ کر عورتوں کی اوڑھنیاں بنالی جائیں۔ عورتوں کیواسطے ریشم کے استعمال میں شرعاً مضائقہ نہیں اور روایات میں ان کیلئے حلال ہونے کی صراحت کردی گئی۔

ولا بأس بتوسّدہ الخ۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ ریشمی کپڑے کا تکیہ بنالیا جائے۔ حضرت امام ابو یوسفؒ، حضرت امام محمدؒ اور امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ درست قرار نہیں دیتے۔

ولا بأس بلبس الحریر الخ۔ دشمنوں سے قتال اور کافروں سے نبرد آزما ہونیکے وقت اگر ریشم و دیبا کا استعمال کیا جائے اور ریشمی کپڑے پہنے جائیں تاکہ تلوار کی کاٹ سے تحفظ رہے اور دشمن پر رعب طاری ہو تو امام ابو یوسفؒ امام محمدؒ اور امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اسے حلال قرار دیتے ہیں۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جنگ کے وقت بھی یہ حرام ہی رہے گا۔ اس لئے کہ حرام ہونے سے متعلق جو نصوص ہیں انمیں قتال وغیرہ کی تفصیل نہیں کی گئی۔ البتہ ایسے کپڑے کے استعمال میں مضائقہ نہیں جس کا تانا تو ریشم کا ہی ہو مگر بانے میں بجائے ریشم کے روئی یا اون وغیرہ یعنی ریشم کے علاوہ کا استعمال ہوا ہو۔ بہت سے صحابۂ کرامؓ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انھوں نے اسکا استعمال فرمایا۔

وَلَا یَجُوْزُ لِلرَّجُلِ التَّحَلِّی بِالذَّھَبِ وَالْفِضَّۃِ وَلَا بَأْسَ بِالْخَاتَمِ وَالْمِنْطَقَۃِ وَحِلْیَۃِ السَّیْفِ مِنَ

اور مرد کیواسطے یہ ناجائز ہے کہ وہ سونے چاندی کے زیور پہنے اور اس میں مضائقہ نہیں کہ انگوٹھی چاندی کی ہو، پٹکا چاندی کا ہو

الْفِضَّۃِ وَیَجُوْزُ لِلنِّسَاءِ التَّحَلِّیْ بِالذَّھَبِ وَالْفِضَّۃِ وَیُکْرَہُ اَنْ یُّلْبَسَ الصَّبِیُّ الذَّھَبَ وَالْحَرِیْرَ

اور تلوار کا زیور (بھی)، چاندی کا ہو۔ اور یہ درست ہے کہ عورتیں سونے چاندی کا زیور استعمال کریں۔ بچہ کیلئے ریشم وسونا پہننا باعث

وَلَا یَجُوْزُ الْاَکْلُ وَالشُّرْبُ وَالْاِدِّھَانُ وَالتَّطَیُّبُ فِیْ اٰنِیَۃِ الذَّھَبِ وَالْفِضَّۃِ لِلرِّجَالِ وَ

کراہت ہے۔ اور سونے وچاندی کے برتنوں میں کھانا پینا اور ان برتنوں میں تیل وخوشبو کا استعمال نہ مردوں کیواسطے جائز ہے اور نہ عورتوں

النِّسَاءِ وَلَا بَأْسَ بِاِسْتِعْمَالِ اٰنِیَۃِ الزُّجَاجِ وَالرَّصَاصِ وَالْبِلَّوْرِ وَالْعَقِیْقِ وَیَجُوْزُ الشُّرْبُ

کیواسطے۔ اور اس میں مضائقہ نہیں کہ کانچ اور سیسہ اور بلور اور عقیق کے برتن استعمال کئے جائیں۔ اور امام ابو حنیفہؒ

فِی الْاِنَاءِ الْمُفَضَّضِ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ رَحِمَہُ اللّٰہُ وَالرُّکُوْبُ عَلَی السَّرْجِ الْمُفَضَّضِ وَالْجُلُوْسُ

کے نزدیک اس برتن میں پینا درست ہے جس پر چاندی چڑھی ہوئی ہو۔ اور ایسی زین پر سواری جس کے اوپر چاندی چڑھی

عَلَی السَّرِیْرِ الْمُفَضَّضِ وَیُکْرَہُ التَّعْشِیْرُ فِی الْمُصْحَفِ وَالنَّقْطُ وَلَا بَأْسَ بِتَحْلِیَۃِ الْمُصْحَفِ

ہوئی ہو۔ اور ایسے تخت کے اوپر بیٹھنا جس پر کہ چاندی چڑھی ہوئی ہو۔ اور باعث کراہت ہے کہ قرآن شریف کی ہر دسویں آیت پر نشان

وَنقشِ المَسْجِدِ وَ زَخرفتِہٖ بماءِ الذھبِ وَیکرہُ اِستخدامُ الخصیانِ وَ لاباسَ بخصاءِ
لگایا جائے اور نقطے لگائے جائیں۔ اور قرآن شریف کو آبِ زر سے مزین کرنے اور نقش و نگاری مسجد میں مضائقہ نہیں۔ اور باعث کراہت ہر خصی
البَھائمِ وَانزاءِ الحَمیرِ علَی الخیلِ وَیجوزُ اَنْ یُقْبَلَ فِی الھَدیۃِ وَ الاذنِ قولُ العَبْدِ
سے خدمت لئے جانے میں اور اس میں مضائقہ نہیں کہ جانور خصی کئے جائیں۔ اور گدھے کو گھوڑے سے ملانے میں مضائقہ نہیں اور ہدیہ واذن میں
وَالصبیِّ وَیُقبَلُ فِی المُعَاملاتِ قولُ الفاسِقِ وَلاَ یُقبَلُ فِی اَخْبَارِ الدِّیَانَاتِ اِلاّ قولُ العدل
غلام و بچہ کے قول کو قبول کرلینا درست ہے اور اندرونِ معاملا قولِ فاسق قابلِ قبول ہوگا اور اندرونِ دیانات فقط قولِ عادل قابلِ قبول ہوگا۔

لغات کی وضاحت

تحلّی: مزین ہونا۔ الذہب: سونا۔ الفضّۃ: چاندی۔ اٰنیۃ الذھب: سونے کا برتن۔ الزجاج: شیشہ کا ٹکڑا، شیشہ کا برتن۔ الرصاص: سیسہ، الاناء المفضض: چاندی چڑھا ہوا برتن۔ المصحف: قرآن شریف۔ زخرف: آراستہ کرنا۔ مزین کرنا۔ چیز کی خوبصورتی۔ جمع۔ زخارف۔ الاذن: اجازت۔ العدل۔ عادل آدمی۔

تشریح و توضیح

ولا یجوز للرجل التحلی الخ۔ فرماتے ہیں کہ مرد کے واسطے یہ ہرگز جائز نہیں کہ وہ سونے چاندی کا استعمال کرکے خود کو آراستہ کرے اور عورتوں کیطرح وہ بھی سونے چاندی کے زیور پہنے۔ البتہ اگر چاندی کی انگوٹھی اس کے مقررہ وزن کے ساتھ، اور اسی طرح چاندی کے پٹکے اور ایسی مزین تلوار کے استعمال کی گنجائش ہے جس پر چاندی چڑھی ہوئی ہو مگر اس میں بھی یہ شرط ہے کہ بطور اظہارِ عزور و بڑائی نہ ہو۔ ضرورۃً چاندی کی انگوٹھی کا استعمال رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ بخاری و مسلم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی بنوائی پھر اسے پھینکدیا اور پھر چاندی کی انگوٹھی بنوائی اور اس میں محمد رسول اللہ نقش کیا گیا اور ارشاد ہوا کہ میری انگوٹھی جیسی کوئی نہ بنوائے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بادشاہوں کے پاس جو مکاتیب ارسال فرماتے تھے ان پر اس کی مہر ہوتی تھی اور اسی جیسی دوسری انگوٹھی میں مفسدہ کا اندیشہ تھا۔ حضرت انسؓ سے مسلم شریف میں روایت ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ اور قیصر اور نجاشی کو مکتوبات (گرامی) لکھنے کا ارادہ فرمایا تو عرض کیا گیا کہ یہ لوگ مکتوب بغیر مہر کے قبول نہیں کرتے تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک انگوٹھی بنوائی جس کا حلقہ چاندی کا تھا اور اس میں محمد رسول اللہ کندہ تھا۔ اور بخاری کی روایت میں ہے کہ انگوٹھی کے نقش کی تین سطریں تھیں۔ ایک سطر میں محمد، اور ایک سطر میں رسول، اور ایک میں اللہ تھا۔ بجز چاندی کے لوہے تانبے اور سونے وغیرہ کی انگوٹھی استعمال کرنا جائز نہیں۔

ولا یجوز الاکل والشرب الخ۔ فرماتے ہیں کہ سونے چاندی کے برتنوں کے استعمال کا جہانتک تعلق ہے ان کا استعمال نہ مردوں کے لئے جائز ہے اور نہ عورتوں کے لئے۔ ان میں کھانے پینے، تیل و خوشبو رکھ کر ان سے فائدہ

اٹھانے کی دونوں میں سے کسی کیلئے بھی اجازت نہیں۔ سونے چاندی کے برتنوں میں کھانے پینے والوں کے واسطے اپنے شکم میں آگ بھرنے کی وعید احادیث میں آئی ہے۔ اسواسطے ان میں کھانے پینے اور خوشبو وغیرہ رکھنے سے احتراز لازم ہے۔ البتہ اگر کانچ، سیسہ اور بلور و عقیق کے برتن استعمال کئے جائیں تو جائز ہے اور شرعاً ان کے استعمال میں کسی طرح کا حرج نہیں۔

ویجوز الشرب فی الاناء المفضض الخ۔ ایسا برتن جس کے نقش و نگار چاندی کے ہوں اس میں اس شرط کے ساتھ پینا درست ہے کہ منہ لگانے کی جگہ پر چاندی نہ ہو۔ امام ابو حنیفہؒ یہی فرماتے ہیں۔ اور اسی طرح ایسی زمین پر بیٹھنا جس پر چاندی کے نقش و نگار ہوں بیٹھنا درست ہے اور چاندی چڑھے ہوئے تخت پر بیٹھنا درست ہے اس شرط کے ساتھ کہ بیٹھنے کے مقام پر چاندی نہ ہو۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ یہی فرماتے ہیں اور حضرت امام محمدؒ سے جواز اور عدم جواز دونوں قسم کی روایات منقول ہیں۔ حضرت امام ابو یوسفؒ اسے مکروہ قرار دیتے ہیں۔ حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک برتن کے کسی ایک جزء کو استعمال کرنیکا حکم ایسا ہی ہوگا جیسے اس نے سارا ہی استعمال کیا ہو۔ تو جس طرح پورے برتن کے استعمال کی اجازت نہیں ٹھیک اسی طرح اس کے جزء کے استعمال کی بھی اجازت نہ ہوگی۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک برتن پر چڑھی ہوئی چاندی کا حکم تابع کا ہے اور توابع کو قابلِ اعتبار قرار نہیں دیا جاتا۔

ویکرہ التعشیر فی المصحف الخ۔ اس بارے میں اصل حکم تو یہی ہے جو صاحب کتاب نے ذکر فرمایا کہ قرآن کریم کی ہر دس آیات پر علامت و نشان لگانے اور نقطوں و اعراب کو کتابت کے اندر عیاں کرنا مکروہ قرار دیا گیا۔ اسواسطے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اسی طرح ثابت ہے مگر متأخرین فقہاء نے سہولت کے مقصد سے اعراب وغیرہ ظاہر کرنے کو مستحسن قرار دیا ہے کہ اہلِ عجم کے واسطے یہ ناگزیر ہے۔

ولا باس بتحلیۃ المصحف الخ۔ اس میں مضائقہ نہیں کہ قرآن کریم کو سونے و چاندی سے مزین کیا جائے کہ اس سے منشأ قرآن کریم کی عظمت و تکریم کا اظہار ہوتا ہے۔ اسی طرح آب زر سے مسجد میں نقش و نگار بھی درست ہیں اگرچہ اس سے احتراز اولیٰ ہے۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر آمدنیٔ مسجد کے علاوہ سے اس میں خرچ کیا گیا ہو تو درست ہے ورنہ درست نہیں اور متولی ایسا کرے گا تو اس پر ضمان لازم آئیگا۔

ویقبل فی المعاملات قول الفاسق الخ۔ معاملات کا جہاں تک تعلق ہے ان میں ایک شخص کے قول کو بھی بالاجماع قابلِ قبول قرار دیا گیا۔ اس سے قطع نظر کہ وہ فاسق ہو یا غلام وغیرہ ہو۔ مگر شرط یہ ہے کہ غالب گمان کے اعتبار سے وہ سچا ہو۔ البتہ دیانات کا معاملہ اس سے الگ ہے۔ اس میں یہ ناگزیر ہے کہ خبر دینے والا عادل ہو۔ معاملات سے مقصود ایسے امور ہیں جن کا نفاذ لوگوں کے درمیان ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر خرید و فروخت وغیرہ۔ اور دیانات سے مقصود ایسے امور ہیں جن کا تعلق اللہ تعالیٰ اور بندوں سے ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر عبادات اور حرام و حلال ہونا وغیرہ۔

وَلَا يَجُوزُ أَنْ يَنظُرَ الرجلُ مِنَ الاجْنَبِيَّةِ إِلَّا إِلَى وَجْهِهَا وَكَفَّيْهَا فَإِنْ كَانَ لَا يَأْمَنُ مِنَ الشَّهْوَةِ
اور مرد کو اجنبیہ کے چہرے اور کفین کے علاوہ کا دیکھنا ناجائز ہے۔ اور مامون عن الشہوت نہ ہونے پر بلا ضرورت
لَمْ يَنظُرْ إِلَى وَجْهِهَا إِلَّا لِحَاجَةٍ وَيَجُوزُ لِلْقَاضِي إِذَا أَرَادَ أَنْ يَحْكُمَ عَلَيْهَا وَلِلشَّاهِدِ إِذَا أَرَادَ
اس کے چہرہ پر بھی نظر نہ ڈالے۔ اور قاضی کے واسطے حکم لگاتے وقت اور شاہد کیواسطے عورت پر شہادت کے
أَنْ يَشْهَدَ عَلَيْهَا النَّظَرُ إِلَى وَجْهِهَا وَإِنْ خَافَ أَنْ يَشْتَهِيَ وَيَجُوزُ لِلطَّبِيبِ أَنْ يَنظُرَ إِلَى
وقت اس کے چہرے کو دیکھنا درست ہے خواہ شہوت کا خطرہ ہی کیوں نہ ہو۔ اور طبیب کے واسطے عورت کے مقامِ
مَوْضِعِ الْمَرَضِ مِنْهَا وَيَنظُرُ الرَّجُلُ مِنَ الرَّجُلِ إِلَى جَمِيعِ بَدَنِهِ إِلَّا مَا بَيْنَ سُرَّتِهِ إِلَى
مرض کو دیکھنا درست ہے۔ اور مرد کیلئے ناف سے گھٹنہ تک کے علاوہ مرد کے بدن کو دیکھنا درست ہے۔
رُكْبَتِهِ وَيَجُوزُ لِلْمَرْأَةِ أَنْ تَنظُرَ مِنَ الرَّجُلِ إِلَى مَا يَنظُرُ إِلَيْهِ الرَّجُلُ وَتَنظُرُ الْمَرْأَةُ
اور عورت کیلئے مرد کے اتنے بدن کو دیکھنا درست ہے جتنا مرد کے لئے درست ہے۔ اور عورت کے واسطے
مِنَ الْمَرْأَةِ إِلَى مَا يَجُوزُ لِلرَّجُلِ أَنْ يَنظُرَ إِلَيْهِ مِنَ الرَّجُلِ وَيَنظُرُ الرَّجُلُ مِنْ أَمَتِهِ
دوسری عورت کے اتنے حصۂ بدن کو دیکھنا درست ہے جتنا کہ مرد کے واسطے مرد کے حصۂ بدن کو دیکھنا۔ اور مرد کیواسطے وہ باندی
الَّتِي تَحِلُّ لَهُ وَزَوْجَتِهِ إِلَى فَرْجِهَا وَيَنظُرُ الرَّجُلُ مِنْ ذَوَاتِ مَحَارِمِهِ إِلَى الْوَجْهِ وَالرَّأْسِ
جو اس کے واسطے حلال ہو اور اپنی زوجہ کی شرمگاہ کی جانب دیکھنا درست ہے۔ اور مرد کیلئے ذی رحم محرم عورتوں کے چہرے اور سر
وَالصَّدْرِ وَالسَّاقَيْنِ وَالْعَضُدَيْنِ وَلَا يَنظُرُ إِلَى ظَهْرِهَا وَبَطْنِهَا وَفَخِذِهَا وَلَا بَأْسَ بِأَنْ
اور سینہ اور پنڈلیوں اور بازوؤں کو دیکھنا درست ہے۔ ان کی پشت اور شکم اور ران کو دیکھنا درست نہیں۔ اور جس عضو کو
يَمَسَّ مَا جَازَ لَهُ أَنْ يَنظُرَ إِلَيْهِ مِنْهَا وَيَنظُرُ الرَّجُلُ مِنْ مَمْلُوكَةِ غَيْرِهِ إِلَى مَا يَجُوزُ لَهُ أَنْ
دیکھنا درست ہے اس کے چھونے میں بھی مضائقہ نہیں۔ اور مرد کو دوسرے کی باندی کے اس قدر حصۂ بدن کو دیکھنا درست ہے
يَنظُرَ إِلَيْهِ مِنْ ذَوَاتِ مَحَارِمِهِ وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَمَسَّ ذٰلِكَ إِذَا أَرَادَ الشِّرَاءَ وَإِنْ خَافَ
جتنا کہ اپنی ذی رحم محرم عورتوں کے بدن کو۔ اور خریداری کے ارادہ کے وقت اسے چھونے میں حرج نہیں خواہ شہوت کا خطرہ
أَنْ يَشْتَهِيَ وَالْخَصِيُّ فِي النَّظَرِ إِلَى الْأَجْنَبِيَّةِ كَالْفَحْلِ وَلَا يَجُوزُ لِلْمَمْلُوكِ أَنْ يَنظُرَ مِنْ سَيِّدَتِهِ
ہی کیوں نہ ہو۔ اور خصی کا حکم اجنبیہ کو دیکھنے کے متعلق مرد کا سا ہے۔ اور غلام کے واسطے ناجائز ہے کہ وہ اپنی مالکہ کے بدن
إِلَّا إِلَى مَا يَجُوزُ لِلْأَجْنَبِيِّ النَّظَرُ إِلَيْهِ مِنْهَا وَيَعْزِلُ عَنْ أَمَتِهِ بِغَيْرِ إِذْنِهَا وَلَا يَعْزِلُ
کو دیکھے مگر اسی قدر جتنا کہ اجنبی کو اسے دیکھنا درست ہے۔ اور اپنی باندی کے ساتھ بلا اس کی اجازت کے عزل کرنا درست
عَنْ زَوْجَتِهِ إِلَّا بِإِذْنِهَا ـــــــــ
ہے اور اپنی زوجہ سے بلا اس کی اجازت کے عزل درست نہیں۔

لغت کی وضاحت :۔ موضع: جگہ، مقام۔ محارم، محرم کی جمع: وہ عورتیں جن سے نکاح کسی بھی وقت جائز نہ ہو۔ ساقین: پنڈلیاں۔ العضدین۔ عضد کی جمع: بازو۔ ظہر: پشت۔ بطن: شکم۔ یمس: چھونا۔ یعزل۔ عزل: یعنی بوقت انزال مادۂ منویہ باہر گرانا۔

تشریح و توضیح ولا یجوز ان ینظر الرجل من الاجنبیۃ الخ۔ فرماتے ہیں کہ غیر محرم عورت کے سارے ہی بدن کو شرعاً قابلِ ستر پوشی قرار دیا گیا اور مرد کے واسطے اسے دیکھنا ناجائز ہے۔ البتہ چہرہ اور ہتھیلیاں اس ستر کے حکم سے مستثنیٰ ہیں کہ انھیں ضرورۃً دیکھنے کی اجازت ہے۔ اگر شہوت سے پوری طرح امن ہو اور کسی قسم کا اندیشۂ شہوت نہ ہو تو بلا ضرورت بھی دیکھنے کی گنجائش ہے ورنہ بغیر احتیاج کے دیکھنے سے احتراز لازم ہے۔ بعض روایات میں اجنبیہ عورت کے دیکھنے کے سلسلہ میں سخت وعیدیں وارد ہیں۔

ویجوز للقاضی الخ۔ یعنی قاضی کیواسطے یہ درست ہے کہ کسی عورت کے بارے میں کوئی حکم لگانے کا ارادہ ہو تو اس کا چہرہ دیکھے۔ خواہ اندیشۂ شہوت ہی کیوں نہ ہو۔ اسی طریقہ سے وہ شاہد جو کسی عورت کے متعلق شہادت دے رہا ہو اس کیواسطے یہ درست ہے کہ اس کا چہرہ دیکھے اگرچہ شہوت کا خطرہ ہو۔ اسی طرح طبیب کیواسطے درست ہے کہ عورت کے مرض کی جگہ دیکھے۔ کہ طبیب کا یہ دیکھنا بھی ضرورت میں داخل ہے اور ممانعت کے عام حکم سے مستثنیٰ ہے۔

وینظر الرجل من الرجل الخ۔ ایک مرد کا دوسرے مرد کے سارے بدن کو دیکھنا درست ہے۔ البتہ مرد کا بھی ناف سے گھٹنے تک کا حصہ ستر میں داخل ہے اور اس کا دیکھنا دوسرے مرد کیلئے بھی جائز نہیں۔

ویجوز للمرأۃ الخ۔ فرماتے ہیں کہ عورت کیلئے دوسری عورت کا اسقدر حصۂ بدن دیکھنا درست ہے جتنا حصۂ بدن مرد کا مرد کے واسطے درست ہے۔

وینظر الرجل من ذوات محارمہ الخ۔ آدمی اپنی ذی رحم محرم عورتوں کے چہرے، سر، سینہ، پنڈلیاں اور بازو دیکھ سکتا ہے مگر یہ درست نہیں کہ پشت، شکم اور رانیں دیکھے، اس سے احتراز لازم ہے۔ اسی طرح کا حکم اس باندی کا ہو گا جو کسی دوسرے کی مملوکہ ہو کہ ذی رحم محرم عورت کی طرح اس کی پشت اور شکم اور رانوں کو بھی دیکھنا درست نہ ہو گا۔ ذی رحم محرم ایسی عورت کو کہا جاتا ہے کہ جس کے ساتھ ابدی طور پر نکاح حرام ہو چاہے یہ حرمت نسب کے باعث ہو یا اس کا سبب رضاعت یا مصاہرت ہو۔

ولا یجوز للمملوک الخ۔ یعنی کسی غلام کیلئے یہ درست نہیں کہ وہ اپنی مالکہ کے جسم کو دیکھے۔ البتہ وہ بھی صرف اسی قدر حصۂ بدن دیکھ سکتا ہے جتنے حصۂ بدن کے دیکھنے کی ایک اجنبی شخص کے لئے گنجائش ہے یعنی چہرہ اور ہتھیلیاں۔

ویعزل عن امتہ الخ۔ عزل اسے کہا جاتا ہے کہ کوئی شخص اپنی عورت کے ساتھ ہمبستر ہو اور انزال کے وقت آلۂ تناسل نکال کر مادۂ منویہ شرمگاہ سے باہر خارج کرے تاکہ استقرارِ حمل نہ ہو۔ بعض اصحاب حضرت امام احمدؒ

عزل کو مطلقاً ممنوع قرار دیتے ہیں۔ اس لئے کہ بعض روایات میں اس کی تعبیر "وأد خفی" سے کی گئی۔ کہ یہ بھی ایک طرح زندہ قبر میں دفن کردینا ہے۔ احناف، حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ اور اصحاب حضرت امام احمدؒ میں سے بعض اسے مطلقاً درست قرار دیتے ہیں۔ اس لئے کہ صحابۂ کرام میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت سعدؓ، حضرت جابرؓ، حضرت ابوایوبؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے اس سلسلہ میں خصت منقول ہے۔ بعض فقہاء نے آزاد عورت اور باندی میں فرق کیا ہے۔ احناف، مالکیہ اور شوافع کے نزدیک عورت کے آزاد ہونے کی صورت میں تا وقتیکہ وہ عزل کی اجازت نہ دے عزل کرنا جائز نہیں۔ اور باندی کے متعلق یہ ہے کہ اس سے عزل کے سلسلہ میں اجازت کی احتیاج نہیں، بغیر اجازت بھی اس کے ساتھ عزل کرنا درست ہے۔ حدیث شریف میں آزاد عورت سے اس کی اجازت کے بغیر عزل کی ممانعت موجود ہے۔ پھر بیوی اگر دوسرے شخص کی باندی ہو تو اس میں مالکیہ کہتے ہیں کہ اس کے آقا کو یہ حق ہوگا کہ وہ عزل کی اجازت دے یا نہ دے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کی ظاہر الروایۃ اور حضرت امام احمدؒ سے منقول راجح روایت اسی طرح کی ہے۔ حضرت امام ابویوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اس کا حق باندی کو حاصل ہوگا اس لئے کہ ہمبستری باندی کا حق ہے اور عزل کرنا اس کے حق کے اندر کمی کرنا ہے پس اس کی رضامندی اس میں شرط قرار دی جائے گی۔ اور رہی ظاہر الروایت تو اس کا سبب یہ ہے کہ بچہ دراصل آقا کے حق کے زمرے میں آتا ہے اور عزل اس مقصد میں حارج ہے۔ پس اس بناء پر اس سلسلہ میں آقا کی رضامندی معتبر ہوگی کہ وہ اس حارج مقصد پر آمادہ ہے یا نہیں۔

وَيُكْرَهُ الْاِحْتِكَارُ فِي اَقْوَاتِ الْآدَمِيِّيْنَ وَالْبَهَائِمِ اِذَا كَانَ ذٰلِكَ فِي بَلَدٍ يَضُرُّ الْاِحْتِكَارُ بِاَهْلِهٖ وَمَنِ احْتَكَرَ غَلَّةَ ضَيْعَتِهٖ اَوْ مَا جَلَبَهٗ مِنْ بَلَدٍ اٰخَرَ فَلَيْسَ بِمُحْتَكِرٍ وَلَا يَنْبَغِي لِلسُّلْطَانِ اَنْ يُّسَعِّرَ عَلَى النَّاسِ وَيُكْرَهُ بَيْعُ السِّلَاحِ فِي اَيَّامِ الْفِتْنَةِ وَلَا بَأْسَ بِبَيْعِ الْعَصِيْرِ مِمَّنْ يَعْلَمُ اَنَّهٗ يَتَّخِذُهٗ خَمْرًا۔

اور باعث کراہت ہے کہ آدمیوں اور بہائم کی روزی اس شہر میں روک لی جائے جہاں اس کے روکنے میں اس شہر والوں کو اذیت ہو۔ اور جو شخص اپنے غلۂ زمین یا کسی دوسرے شہر سے آوردہ روک لے تو اسے محتکر قرار نہیں دیا جائیگا اور بادشاہ کیواسطے موزوں نہیں کہ وہ لوگوں کے واسطے بھاؤ مقرر کرے اور فتنہ کے ایام میں ہتھیار فروخت کرنا مکروہ ہے۔ اور شیرۂ انگور شراب بنانیوالے کو بیچنے میں حرج نہیں۔

غلہ روکے رکھنے اور ذخیرہ اندوزی کا ذکر

لغات کی وضاحت:۔ الاحتکار: گراں فروخت کرنے کی خاطر غلہ وغیرہ روکنا۔ البہائم۔ بہیمۃ کی جمع: چوپائے۔ ضیعۃ: جائداد۔ الجلب: مال جو ایک شہر سے دوسرے شہر میں لے جائیں۔ جمع اجلاب۔ سعر: نرخ جمع اسعار۔ العصیر: رس۔ نچوڑا ہوا۔ خمرٌ: شراب۔

تشریح و توضیح

وَیکرہُ الاحتکارُ فی اَقوَاتِ الخ۔ گراں فروخت کرنیکی خاطر اور لوگوں کی پریشانی کی حالت میں خود زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کے لئے گرانی کا انتظار کرتے ہوئے غلہ وغیرہ کی ذخیرہ اندوزی اور فروخت کرنے سے احتراز حضرت امام ابوحنیفہؒ اسے مکروہ تحریمی فرماتے ہیں مگر اس میں شرط یہ ہے کہ اس ذخیرہ اندوزی کے باعث اہلِ شہر کو ضرر پہنچتا ہو۔ اور ضرر نہ پہنچنے اور اس کا اثر نقصان دہ نہ ہونے کی صورت میں اسے احتکار نہیں کہا جائے گا اور یہ ممنوع نہ ہو گا۔ مفتیٰ بہ قول یہی ہے۔ حدیث شریف میں محتکر پر لعنت کی گئی ہے۔ علاوہ ازیں احتکار کی تعریف اسوقت صادق آتی ہے جبکہ چالیس دن یا چالیس سے زیادہ ایام تک روکے۔ حدیث شریف میں چالیس روز تک روکے رکھنے والے کیلئے وعید آئی ہے۔ البتہ یہ صورت ہو کہ وہ غلہ وغیرہ کسی دوسرے شہر سے لائے یا یہ غلہ وغیرہ اسی کی مملوکہ زمین کا ہو تو دونوں صورتوں میں اس روکنے کو احتکار کے زمرے میں داخل نہ کریں گے۔ امام محمدؒ کے نزدیک اگر غلہ ایسے مقام سے لائے جس سے کہ شہر والے لایا کرتے ہیں تو یہ باعثِ کراہت ہے۔ کہ یہ اہلِ شہر کے نقصان کا سبب بنا۔ اور اگر اس مقام کے بجائے کسی دوسری جگہ سے لائے تو باعثِ کراہت نہیں۔

وَلا ینبغی للسلطانِ ان یسعرا الخ۔ فرماتے ہیں کہ سلطان کیواسطے یہ موزوں نہیں کہ وہ بھاؤ مقرر و متعین کرے۔ اس لئے کہ بعض روایات سے ثابت ہے کہ نرخ کی گرانی کے باعث لوگوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے بھاؤ مقرر فرما دینے کی درخواست کی تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نرخ مقرر کنندہ اور رزاق اور باسط و قابض ذاتِ باری ہے۔ البتہ اگر ایسا ہو کہ غلہ فروخت کرنے والے حد سے بڑھ کر قیمت لینے لگیں اور گرانی کو حد سے بڑھا دیں تو اس صورت میں سلطان کو بمشورۂ اصحاب الرائے بھاؤ مقرر کر دینا چاہئے۔ حضرت امام مالکؒ ایسی شکل میں بھاؤ مقرر کرنے میں وجوب کے قائل ہیں۔

وَیکرہ بیع السلاحِ الخ۔ دورانِ فتنہ و فساد کسی ایسے شخص کو ہتھیار بیچنا مکروہ اور شرعاً مذموم ہے جس کے بارے میں یہ پتہ ہو کہ وہ فسادیوں اور فتنہ برپا کرنیوالوں میں سے ہے۔ اسواسطے کہ یہ دانستہ خود کو نقصان پہنچانا اور سامانِ ہلاکت فراہم کرنا ہے اور اگر یہ پتہ ہو کہ شیرۂ انگور خریدنیوالا اس سے شراب تیار کریگا مثلاً خریدار دارالاسلام کا غیر مسلم باشندہ یا آتش پرست ہو یا اور کوئی اسطرح کا آدمی ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ اس کو شیرۂ انگور بیچا جائے اس لئے کہ معصیت کا تعلق اصل بیع یعنی شیرۂ انگور سے نہیں بلکہ بعد تغیر و تبدل ہے۔

کتاب الوصایا

وصیتوں کا بیان

اَلوَصِیَّۃُ غَیرُ وَاجِبَۃٍ وَھِیَ مستحبۃٌ وَلا تجوزُ الوصیۃُ للوارثِ اِلَّا اَن یُجیزَھَا الوَرَثَۃُ وَ

وصیت کرنا غیر واجب اور مستحب کے زمرے میں ہے اور یہ درست نہیں کہ وارث کیلئے وصیت کی جائے الّا یہ کہ ورثاء اسے درست

لَاتجوزُ بمَا زَادَ عَلَى الثُّلُثِ وَلَاتجوزُ الوَصِيَّةُ لِلقَاتِلِ وَيجوزُ اَنْ يُوصِي المُسْلِمُ لِلكَافِرِ وَالكَافِرُ
قرار دیں اور تہائی سے بڑھ کر وصیت کرنا درست نہیں اور قاتل کیلئے وصیت درست نہیں اور مسلمان کا کافر کیلئے وصیت کرنا درست ہے۔ اور کافر
لِلمُسْلِمِ وَقبُولُ الوَصِيَّةِ بَعْدَ المَوْتِ فَاِنْ قبِلَهَا المُوْصىٰ لَهٗ فِي حَالِ الحَيٰوةِ اَوْ رَدَّهَا
کا برائے مسلم درست ہے۔ اور وصیت بعد الموت قبول ہوگی۔ اور وصیت کرنیوالے کی حیات میں موصیٰ لہٗ کا وصیت کرنا یا نہ کرنا باطل ہوگا۔
فَذٰلِكَ بَاطِلٌ وَيُستحبُ اَنْ يُوصِي الانسَانُ بِدُوْنِ الثُّلُثِ وَاِذَا اَوْصىٰ اِلىٰ رَجُلٍ فقبلَ
اور آدمی کو تہائی مال سے کم کی وصیت کرنا باعثِ استحباب ہے۔ اور جب کوئی شخص کسی کو وصیت کرے اور وہ
الوَصِيَّةَ فِي وَجْهِ المُوْصِي وَرَدَّهَا فِي غَيْرِ وَجْهِهٖ فلَيْسَ بِرَدٍّ وَاِنْ رَدَّهَا فِي وَجْهِهٖ فَهُوَ رَدٌّ۔
وصیت کرنیوالے کے روبرو اسے قبول کرے اور اسکی پیٹھ پیچھے رد کردے تو یہ رد قرار نہیں دیجائیگی اور اسکے روبرو کرنے پر رد شمار ہوگی۔

لغات کی وضاحت:۔ الثُّلُث: تہائی۔ موصیٰ لہٗ: جس کیلئے وصیت کی گئی ہو۔ دون: کم۔ موصی: وصیت کرنیوالا۔ فی وجہہ: روبرو۔ ردّ: واپس ہونا۔ لوٹنا۔

تشریح و توضیح

وَلَاتجوزُ الوصیۃ للوارث الخ۔ بخاری و مسلم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کسی مسلمان کیلئے یہ مناسب نہیں کہ اس کے پاس قابلِ وصیت کوئی چیز ہو اور وہ دو راتیں اس حال میں گذارے کہ وصیت لکھی ہوئی نہ ہو۔ اس ارشاد سے مقصود دراصل وصیت کی ترغیب ہے اور جمہور کا مسلک اس میں وصیت کے مندوب و مستحب ہونیکا ہے۔ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ حزم و احتیاطِ مسلم کا تقاضہ یہ ہے کہ وصیت اس کے پاس لکھی ہوئی ہو۔ داؤد ظاہریؒ وغیرہ اصحاب ظواہر اس حدیث کی بنیاد پر وصیت کو واجب قرار دیتے ہیں۔ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث شریف سے وجوب ثابت نہیں ہوتا اور فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص مقروض ہو یا کسی کی امانت اس کے پاس ہو تو اس کی وصیت اس پر لازم ہوگی۔ اور اس میں عجلت اور اسے قلمبند کرلینا اور اس پر گواہ بنالینا مستحب ہے۔ پھر وصیت میں اس کا خیال ضروری ہے کہ تہائی سے بڑھ کر نہ ہو کہ تہائی سے بڑھ کر وصیت درست نہیں۔ البتہ اگر سارے ورثار اس پر رضامند ہوجائیں بشرطیکہ سب عاقل بالغ ہوں تو درست ہے۔ ترمذی شریف میں حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے میری عیادت فرمائی اور میں مریض تھا۔ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا۔ تم نے وصیت کی؟ میں نے عرض کیا۔ ہاں۔ آپؐ نے دریافت فرمایا۔ کتنی؟ میں نے عرض کیا۔ فی سبیل اللہ سارے مال کی۔ ارشاد ہوا کہ تم نے اپنی اولاد کیلئے کیا چھوڑا؟ میں نے عرض کیا وہ مالدار ہیں۔ حضرت سعدؓ نے کہا دسویں حصہ کی وصیت کرتا ہوں تو آنحضرتؐ برابر اس میں کمی فرماتے رہے یہاں تک کہ ارشاد ہوا کہ تہائی کی وصیت کردو اور یہ بھی کثیر ہے۔

ولا تجوز الوصیۃ للقاتل الخ۔ عند الاحنافؒ یہ درست نہیں کہ کسی قاتل کیواسطے وصیت کی جائے۔ حضرت امام شافعیؒ اسے درست قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس کی حیثیت مرنیوالے کیلئے ایک اجنبی شخص کی سی ہے تو جس طریقہ سے دوسرے اجنبیوں کیواسطے وصیت درست ہے ٹھیک اسی طریقہ سے اس کے واسطے بھی درست ہوگی۔

وَالْمُوصیٰ بِہٖ یَمْلِکُ بِالْقبولِ اِلَّا فِی مَسْئَلَۃٍ وَاحِدَۃٍ وَھِیَ اَنْ یَمُوْتَ الْمُوْصِیْ ثم یموتُ الْمُوْصیٰ
اور جس چیز کی وصیت کی جائے اسکو قبول کرنے سے مالک بنجاتا ہے لیکن ایک مسئلہ کے اندر۔ وہ صورت یہ ہے کہ موصی کا انتقال ہوجائے اسکے بعد قبول سے قبل
لَہٗ قبلَ القبولِ فیدخلُ الْمُوْصیٰ بِہٖ فِی مِلْکِ وَرَثَتِہٖ وَمَنْ اَوْصیٰ اِلٰی عَبْدٍ اَوْ کَافِرٍ اَوْ فَاسِقٍ
موصی لہٗ کا انتقال ہوجائے تو وصیت کردہ چیز ملکیت ورثاء میں شامل قرار دیجائیگی۔ اور جو شخص غلام یا کافر یا فاسق کو وصیت کرے تو
اَخْرَجَھُمُ القَاضِی مِنَ الْوَصِیَّۃِ وَنَصَبَ غَیْرَھُمْ وَمَنْ اَوْصیٰ اِلٰی عَبْدِ نَفْسِہٖ وَفِی الْوَرَثَۃِ
قاضی انھیں وصیت سے نکال کر کسی دوسرے کو متعین کردے۔ اور جو شخص عاقل بالغ ورثاء کی موجودگی میں اپنے غلام کو وصیت
کِبَارٌ لَمْ تَصِحَّ الْوَصِیَّۃُ وَمَنْ اَوْصیٰ اِلٰی مَنْ یَعْجِزُ عَنِ الْقِیَامِ بِالْوَصِیَّۃِ ضَمَّ اِلَیْہِ القَاضِی غَیْرَہٗ
کرے تو وصیت درست نہ ہوگی۔ اور جو شخص کسی ایسے شخص کو وصیت کرے جو وصیت پوری کرنے سے مجبور ہو تو قاضی اسکے ساتھ کسی
وَمَنْ اَوْصیٰ اِلَی اثْنَیْنِ لَمْ یَجُزْ لِاَحَدِھِمَا اَنْ یَتَصَرَّفَ عِنْدَ اَبِیْ حنیفۃَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَھُمَا اللّٰہُ
دوسرے کو لگادے۔ اور جو دو اشخاص کو وصیت کرے تو امام ابوحنیفہؒ و امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ دوسرے موصی لہٗ کے بغیر ایک کو تصرف کرنا
دُوْنَ صَاحِبِہٖ اِلَّا فِی شِرَاءِ کَفَنِ الْمَیِّتِ وَتَجْھِیْزِہٖ وَطَعَامِ اَوْلَادِہِ الصِّغَارِ وَکِسْوَتِھِمْ وَرَدِّ
درست نہ ہوگا۔ البتہ میت کے کفن اور اس کے سامان اور نابالغ بچوں کے کھانے اور کپڑے کی خریداری اور رجوں کی لوٹں
وَدِیْعَۃٍ بِعَیْنِھَا وَتَنْفِیْذِ وَصِیَّۃٍ بِعَیْنِھَا وَعِتْقِ عَبْدٍ بِعَیْنِہٖ وَقَضَاءِ الدُّیُوْنِ وَالْخُصُوْمَۃِ
امانت لوٹانا اور مخصوص میت کا نفاذ اور متعین غلام کی آزادی اور قرضوں کی ادائیگی اور حقوقِ میت کے سلسلہ میں
فِی حُقُوْقِ الْمَیِّتِ وَمَنْ اَوْصیٰ لِرَجُلٍ بِثُلُثِ مَالِہٖ وَلِلْاٰخَرِ بِثُلُثِ مَالِہٖ وَلَمْ تُجِزِ الْوَرَثَۃُ
نالش اس سے مستثنیٰ ہیں۔ اور جو شخص ایک کیواسطے ثلث مال کی وصیت کرے اور دوسرے شخص کیواسطے بھی ثلث مال کی وصیت کرے اور
فَالثُّلُثُ بَیْنَھُمَا نِصْفَانِ وَاِنْ اَوْصیٰ لِاَحَدِھِمَا بِالثُّلُثِ وَلِلْاٰخَرِ بِالسُّدُسِ فَالثُّلُثُ بَیْنَھُمَا
ورثاء اسے نامنظور کردیں تو ثلث دونوں کے درمیان آدھا آدھا ہوگا۔ اور اگر ان میں سے ایک کیواسطے ثلث اور دوسرے کیواسطے سدس کی وصیت کرے
اَثْلَاثًا وَاِنْ اَوْصیٰ لِاَحَدِھِمَا بِجَمِیْعِ مَالِہٖ وَلِلْاٰخَرِ بِثُلُثِ مَالِہٖ فَالثُّلُثُ بَیْنَھُمَا عَلٰی اَرْبَعَۃِ
تو تہائی کے اندر ان دونوں کے درمیان تین تہائی ہوں گے۔ اور اگر ایک شخص کیواسطے سارے مال کی اور دوسرے کیواسطے ثلث مال کی وصیت کرے تو ثلث کے
اَسْھُمٍ عِنْدَھُمَا وَقَالَ اَبُوْحَنِیْفَۃَؒ الثُّلُثُ بَیْنَھُمَا نِصْفَانِ وَلَا یَضْرِبُ اَبُوْحَنِیْفَۃَ رَحِمَہُ اللّٰہُ
اندر ان دونوں کے درمیان آدھا آدھا ہوگا اور امام ابوحنیفہؒ ثلث سے بڑھ کر موصی لہٗ کو نہیں دلواتے۔
لِلْمُوْصیٰ لَہٗ بِمَا زَادَ عَلَی الثُّلُثِ اِلَّا فِی الْمُحَابَاۃِ وَالسِّعَایَۃِ وَالدَّرَاھِمِ الْمُرْسَلَۃِ۔
البتہ محابات اور سعایت اور دراہم مرسلہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔

لغات کی وضاحت:- موصیٰ بہ: وصیت کردہ چیز۔ موصیٰ لہٗ: جس کے لئے وصیت کی جائے۔ موصی: وصیت کرنیوالا۔ نصب: مقرر کرنا، متعین کرنا۔ شراء: خریداری۔ السدس: چھٹا۔

تشریح و توضیح

والموصیٰ بہ الخ۔ ضابطہ یہ ہے کہ جس چیز کی وصیت کی گئی ہو وہ موصیٰ لہٗ کی ملکیت میں اسوقت آیا کرتی ہے اور اسوقت اسے مالک قرار دیا جاتا ہے جبکہ وہ قبول کرلے۔ لیکن ایک مسئلہ اس طرح کا ہے کہ اس میں قبول کرنے سے قبل بھی موصیٰ لہٗ مالک ہو جاتا ہے۔ وہ صورت یہ ہے کہ وصیت کرنیوالے کا وصیت کرنیکے بعد انتقال ہو گیا ہو اور اس کے بعد موصیٰ لہٗ بھی اس سے پہلے کہ وصیت کردہ کو قبول کرتا مرگیا۔ تو وصیت کردہ چیز موصیٰ لہ کی ملکیت میں استحساناً آئی ہوئی قرار دی جائے گی۔ قیاس کا تقاضہ تو یہ ہے کہ وصیت باطل قرار دی جائے اس لئے کہ ملک اس وقت ثابت ہوا کرتی ہے جبکہ وہ قبول کرلے تو یہ شکل ٹھیک ایسی ہوگئی کہ جس طرح خریدار بعد عقد خرید کردہ شے کے قبول کرنے سے پہلے انتقال کرگیا ہو۔ استحساناً درست ہونیکا سبب یہ ہے کہ وصیت کرنیوالے کی جانب سے اس کے انتقال کی بناء پر وصیت کی تکمیل ہو چکی جس کا اس کی جانب سے فسخ کا امکان نہیں۔ رہا اس میں توقف تو وہ محض وصیت گئے گئے شخص کے حق کے باعث تھا۔ اس کے انتقال پر اس کی ملکیت میں ٹھیک اس بیع کی طرح آگئی جس کے اندر خریدار کیواسطے خیارِ شرط رہا ہو اور پھر اس کا انتقال بیع کو درست قرار دینے سے قبل ہو جائے۔

ومن اوصیٰ الی اثنین الخ۔ اگر ایسا ہو کہ کوئی شخص دو آدمیوں کو وصیت کرے تو اس صورت میں حضرت امام ابوحنیفہؒ و حضرت امام محمدؒ کے نزدیک ایک کی عدم موجودگی میں دوسرے کا کوئی تصرف درست نہ ہوگا۔ البتہ بعض چیزیں ایسی ہیں کہ ان میں برائے تصرف دونوں کی موجودگی ضروری نہیں اور ایک کا تصرف دوسرے کی عدم موجودگی میں بھی درست ہو جائیگا جیسے کفنِ میت کا خریدنا اور میت کے نابالغ بچوں کیواسطے کھانے پینے اور پہننے کی چیزوں کی خریداری اور اسی طرح خاص امانت کو لوٹانا اور مخصوص وصیت کا نفاذ اور متعین غلام کی حلقۂ غلامی سے آزادی اور اسی طرح قرضوں کی ادائیگی اور حقوقِ میت کے سلسلہ میں چارہ جوئی۔

ومن اوصیٰ لرجلٍ بثلثِ مالہٖ الخ۔ اگر اس طرح ہو کہ کوئی شخص ایک شخص کے واسطے اپنے مال کے ثلث کی وصیت کرے۔ اس کے بعد دوسرے شخص کیواسطے بھی ثلث مال کی وصیت کردے اور ورثاء اس وصیت کو قبول نہ کریں تو اس صورت میں ثلث مال ہی ان دونوں کے درمیان آدھا آدھا ہو جائے گا۔ اس وجہ سے کہ دونوں کے مستحق ہونیکے سبب میں برابری ہے۔ اور محل ایسا ہے کہ اس میں اشتراک ہو سکتا ہے۔ اور اگر ایسا ہو کہ ایک شخص کیواسطے تو ثلث کی وصیت کرے اور دوسرے کیواسطے سُدس کی تو اس صورت میں ثلث مال کے تین تہائی کرکے دو سہام ثلث والے کو مل جائیں گے اور ایک سہم (حصہ) سُدس والے کو۔

وان اوصیٰ لاحدھما بجمیع مالہٖ الخ۔ اگر کوئی شخص ایک کیواسطے سارے مال کی وصیت کردے اور دوسرے کیواسطے ثلث مال کی۔ اور ورثاء اسے قبول نہ کریں تو حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں ثلث

مال کے چار سہام کرکے دو دو سہام دونوں کو دیدیئے جائیں گے۔ اسواسطے کہ ثلث سے زائد کی وصیت ورثاء کے اجازت نہ دینے کے باعث باطل وکالعدم قرار پائی۔ تو اس جگہ یہ سمجھا جائیگا کہ وہ دونوں میں سے ہرایک کے واسطے ثلث مال کی وصیت کرچکا۔ حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک ثلث مال کے چار سہام کئے جائیں گے اور اس میں تین سہام اسے دیئے جائیں گے جس کے واسطے سارے مال کی وصیت کی گئی اور ایک سہم اسے دیا جائے گا جس کے واسطے ثلث کی وصیت کی تھی۔ فقہاء کے اس اختلاف کی بنیاد دراصل ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے۔

اس اختلاف کا سبب یہ ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جس کیلئے وصیت کی گئی ہو اس کا ثلث سے بڑھ کر حصہ نہیں ہوا کرتا۔ البتہ محابات اور سعایت اور دراہم مرسلہ اس ضابطہ سے مستثنیٰ ہیں۔ محابات کی شکل یہ ہوگی کہ مثلاً کسی شخص کے دو غلام ہوں، ان دونوں میں سے ایک تو نوّے دراہم کی قیمت والا ہو اور دوسرے کی قیمت ساٹھ دراہم ہوں اور اب وہ یہ وصیت کرے کہ ساٹھ دراہم قیمت والا غلام فلاں کے ہاتھ بیس دراھم ہیں اور نوے دراہم قیمت والا غلام ساٹھ دراہم میں فلاں کے ہاتھ فروخت کردیا جائے جب کہ اس کی کل ملکیت صرف یہ دو غلام ہوں تو ایک شخص کیلئے تو بیس دراھم کی وصیت ہوگئی اور دوسرے کیواسطے ساٹھ دراہم کی۔ کیونکہ ساٹھ دراہم قیمت والے غلام کو بیس میں بیچنے کی وصیت کرچکا ہے اور نوے دراہم قیمت والے کو ساٹھ دراہم میں بیچنے کی وصیت کی گئی۔ تو گویا اس کا مقصد ایک کو بیس اور دوسرے کو ساٹھ دراہم دلوانا ہے تو ثلث مال کے دونوں کے درمیان تین تہائی ہوں گے۔ ساٹھ درہم والے کو اس کے ہاتھ بیس دراہم میں اور نوے دراہم والے کو دوسرے کے ہاتھ ساٹھ دراہم میں فروخت کیا جائے گا۔ اور ایک کیواسطے بیس دراہم اور دوسرے کے واسطے تیس دراہم وصیت قرار دی جائے گی۔ سعایت کی شکل یہ ہوگی کہ مثلاً وصیت کرنیوالا دو غلاموں کو ان میں سے ایک غلام تیس دراہم قیمت والا ہو اور دوسرے کی قیمت ساٹھ دراہم ہو اور ان غلاموں کے سوا کوئی مال نہ ہو۔ تو پہلے شخص کیواسطے تہائی مال کی وصیت شمار ہوگی اور دوسرے کیواسطے دو تہائی کی۔ تو وصیت کے تین سہام کرکے ایک سہم تہائی مال کی وصیت والے کو دیا جائیگا اور دو سہام دو تہائی والے کو دیئے جائیں گے۔ دراہم مرسلہ کا مطلب یہ ہے کہ ان کے اندر آدھے یا تہائی کی کوئی قید نہ لگائی گئی ہو تو اس کا نفاذ تہائی مال میں ہوگا اور تہائی مال میں سے حسب وصیت دیدیا جائے گا۔

وَمَنْ اَوْصٰی وَعَلَیْہِ دَیْنٌ یُحِیْطُ بِمَالِہٖ لَمْ تَجُزِ الْوَصِیَّۃُ اِلَّا اَنْ یُبْرِأَ الْغُرَمَاءُ مِنَ الدَّیْنِ

اور جو شخص وصیت کرے درانحالیکہ وہ اس قدر مقروض ہو کہ قرض پورے مال پر حاوی ہو تو اسکی وصیت نہ ہوگی الّا یہ کہ قرض خواہوں نے اسے قرض سے بریٔ الذمہ کردیا ہو۔

وَمَنْ اَوْصٰی بِنَصِیْبِ ابْنِہٖ فَالْوَصِیَّۃُ بَاطِلَۃٌ وَاِنْ اَوْصٰی بِمِثْلِ نَصِیْبِ ابْنِہٖ جَازَتْ

اور جو شخص اپنے لڑکے کے حصہ کی وصیت کرے تو وہ باطل ہوگی اور اگر لڑکے کے حصہ کے بقدر کی وصیت کرے تو درست ہوگی۔

فَاِنْ کَانَ لَہٗ اِبْنَانِ فَلِلْمُوْصٰی لَہُ الثُّلُثُ وَمَنْ اَعْتَقَ عَبْدَہٗ فِیْ مَرَضِہٖ اَوْ بَاعَ اَوْ حَابٰی

پس اسکے دو لڑکے ہونے پر وصیت کردہ کو تہائی ملے گا۔ اور جو شخص بحالتِ مرض اپنے غلام کو آزاد کردے یا

اَوْ وَهَبَ فَذٰلِكَ كُلُّهٗ جَائِزٌ وَهُوَ مُعْتَبَرٌ مِنَ الثُّلُثِ وَيُضْرَبُ بِهٖ مَعَ اَصْحَابِ الْوَصَايَا
فروخت کردے یا محابات کرے یا ہبہ کردے تو یہ تمام درست ہوگا اور تہائی میں اسکا اعتبار ہوگا اور اسے دوسرے وصیت کرنیوالوں کیساتھ
فَاِنْ حَابٰى ثُمَّ اَعْتَقَ فَالْمُحَابَاةُ اَوْلٰى عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَاِنْ اَعْتَقَ ثُمَّ
شریک قرار دیں گے۔ اگر اول محابات کرے اسکے بعد آزاد کردے تو امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ محابات مقدم قرار دیجائیگی اور اگر اول آزاد کرے
حَابٰى فَهُمَا سَوَاءٌ وَقَالَا اَلْعِتْقُ اَوْلٰى فِي الْمَسْئَلَتَيْنِ وَمَنْ اَوْصٰى بِسَهْمٍ مِنْ مَالِهٖ فَلَهٗ
اسکے بعد محابات کرے تو یہ دونوں مساوی ہونگے اور صاحبینؒ کے نزدیک دونوں صورتوں میں آزادی مقدم ہوگی۔ اور جو شخص ایک حصۂ مال کی
اَخَسُّ سِهَامِ الْوَرَثَةِ اِلَّا اَنْ يَنْقُصَ عَنِ السُّدُسِ فَيُتَمُّ لَهُ السُّدُسُ وَاِنْ اَوْصٰى
وصیت کرے تو اسکے واسطے ورثاء کے سہام میں سے سب سے کم ہوگا اور سدس سے کم ہونے پر سدس اسکے واسطے مکمل کردینگے اور جزءِ مال کی
بِجُزْءٍ مِنْ مَالِهٖ قِيْلَ لِلْوَرَثَةِ اَعْطُوْهُ مَا شِئْتُمْ وَمَنْ اَوْصٰى بِوَصَايَا مِنْ حُقُوْقِ اللّٰهِ تَعَالٰى
وصیت کرنے پر ورثاءِ میت سے کہیں گے کہ وہ جو چاہیں دے دیں۔ اور جس کی وصایا حقوق اللہ سے متعلق ہوں تو دوسری
قُدِّمَتِ الْفَرَائِضُ مِنْهَا عَلٰى غَيْرِهَا قَدَّمَهَا الْمُوْصِيْ اَوْ اَخَّرَهَا مِثْلَ الْحَجِّ وَالزَّكٰوةِ
وصیتوں کے مقابلہ میں فرائض مقدم ہوں گے اس سے قطع نظر کہ وصیت کرنیوالے فرائض مقدم کئے ہوں یا مؤخر، مثلاً حج اور
وَالْكَفَّارَاتِ وَمَا لَيْسَ بِوَاجِبٍ قُدِّمَ مِنْهُ مَا قَدَّمَهُ الْمُوْصِيْ وَمَنْ اَوْصٰى بِحَجَّةِ
زکوٰۃ اور کفارات اور جو واجب نہ ہوں ان کے اندر وصیت کرنیوالے کے وصیت کردہ مقدم ہوں گے اور جو شخص وصیت حج کرے
الْاِسْلَامِ اَحَجُّوْا عَنْهُ رَجُلًا مِنْ بَلَدِهٖ يَحُجُّ رَاكِبًا فَاِنْ لَمْ تَبْلُغِ الْوَصِيَّةُ النَّفَقَةَ
تو ایک شخص کو برائے حج اس کی جانب سے اس کے شہر سے بھیجیں جو حج کیواسطے سوار روانہ ہو اگر وہاں سے روانہ کرنے کے بقدر
اَحَجُّوْا عَنْهُ مِنْ حَيْثُ تَبْلُغُ وَمَنْ خَرَجَ مِنْ بَلَدِهٖ حَاجًّا فَمَاتَ فِي الطَّرِيْقِ وَ
نفقہ نہ ہو تو جس جگہ سے ممکن ہو حج کرادیں۔ اور جو شخص برائے حج اپنے شہر سے نکلے پھر وہ راستہ میں انتقال کرجائے اور
اَوْصٰى اَنْ يُحَجَّ عَنْهُ مِنْ بَلَدِهٖ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ
حج کرانے کی وصیت کرجائے تو امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ حج اس کے شہر سے کرادیں اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک
يُحَجُّ عَنْهُ مِنْ حَيْثُ مَاتَ وَلَا تَصِحُّ وَصِيَّةُ الصَّبِيِّ وَالْمُكَاتَبِ وَاِنْ تَرَكَ
اس جگہ سے حج کرائیں جس جگہ اس کا انتقال ہوا ہو۔ اور بچہ اور مکاتب کا وصیت کرنا درست نہ ہوگا اگرچہ اسقدر مال ہو جو
وَفَاءً وَيَجُوْزُ لِلْمُوْصِيْ الرُّجُوْعُ عَنِ الْوَصِيَّةِ وَاِذَا صَرَّحَ بِالرُّجُوْعِ كَانَ
کفایت کرسکتا ہو اور وصیت کرنیوالے کیلئے یہ درست ہے کہ وصیت سے رجوع کرلے۔ اگر اس نے صراحۃً رجوع کرلیا تو اسے رجوع
رُجُوْعًا وَمَنْ جَحَدَ الْوَصِيَّةَ لَمْ يَكُنْ رُجُوْعًا۔
قرار دیا جائے گا اور وصیت کا انکار کرنا رجوع شمار نہ ہوگا۔

تشریح و توضیح

ومن اوصی وعلیہ دین الخ۔ اگر کوئی شخص وصیت کرے مگر وہ اس قدر مقروض ہو کہ قرض سارے مال پر محیط ہو تو اس صورت میں اس کی وصیت صرف اسی صورت میں درست قرار دی جائے گی جبکہ قرض خواہوں نے اسے اپنے قرض سے بری الذمہ قرار دیا ہو اور وہ مطالبۂ قرض سے دست بردار ہوگئے ہوں۔ ورنہ یہ وصیت درست نہ ہوگی۔

ومن اوصی بنصیب ابنہ الخ۔ اگر کوئی شخص کسی کیلئے اس طرح وصیت کرے کہ میں نے حصۂ پسر کی وصیت کی تو یہ دوسرے کے مال کی وصیت قرار دی جائے گی اور باطل ہوگی۔ اس لئے کہ لڑکے کا حصہ وہ ہوگا جو وہ اس کے انتقال کے بعد پائے گا۔ اور اگر یہ وصیت کرے کہ اس کا حصہ میرے لڑکے کے حصہ کے مانند ہے۔ تو یہ وصیت درست ہو جائے گی۔ اس لئے کہ مانندِ شے اصل شے سے الگ ہوتا ہے۔ اس وصیت کی صورت میں اگر موصی کے دو لڑکے ہوں تو اس صورت میں جس کے واسطے کی گئی اسے ثلث ملے گا۔

ومن اعتق عبداً الخ۔ اور جو شخص مرض الموت میں غلام کو حلقۂ غلامی سے آزادی عطا کرے یا فروخت کردے یا اس نے محابات کی یا اس نے ہبہ کیا تو یہ تمام درست ہوں گے۔ لیکن ان کے مرض الموت میں ہونیکے باعث بحکمِ وصیت شمار ہوں گے اور ثلث مال میں انھیں معتبر قرار دیا جائے گا۔

فان حابی ثم اعتق الخ۔ فرماتے ہیں کہ اگر بیمار اول محابات کرے یعنی مثلاً چار سو قیمت والے غلام کو دو سو میں بیچ دے۔ اس کے بعد ایسا غلام جس کی قیمت دو سو ہو، حلقۂ غلامی سے آزاد کردے درانحالیکہ تہائی مال ان دونوں تصرفات کا متحمل نہ ہو تو اس صورت میں تہائی مال کو محابات کے اندر صرف کیا جائے گا۔ اور اس کے عکس کی صورت میں تہائی مال ان دونوں کے درمیان آدھا آدھا کیا جائے گا اور آزاد کئے ہوئے نصف کے کسی چیز کے وجوب کے بغیر آزاد ہونیکا حکم ہوگا اور وہ آدھی قیمت میں سعی کرے گا اور رہا دوسرا غلام تو اسکو محابات والا پچاس دراہم میں خریدے گا۔ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک دونوں شکلوں میں عتق کو مقدم قرار دیں گے۔

ومن خرج من بلدہٖ حاجا فمات الخ۔ اگر کوئی شخص اپنے شہر سے برائے حج بیت اللہ شریف نکلے اور پھر ابھی وہ راستہ ہی میں ہو کہ پیغام اجل آپہونچے اور وہ یہ وصیت کرکے موت سے ہمکنار ہو جائے کہ اس کی جانب سے حج کرادیں تو اس صورت میں حضرت امام ابو حنیفہؒ اور حضرت امام زفرؒ اسی کے شہر سے حج کرانے کا حکم فرماتے ہیں۔ اور حضرت امام ابو یوسفؒ، حضرت امام محمدؒ، حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ جس جگہ اس کا انتقال ہوا اسی جگہ سے حج کرائیں گے۔ وجہ یہ ہے کہ وہ بارادۂ حج نکلا تھا اور جتنا سفر قربت وہ کر چکا اتنی مسافت سے وہ بری الذمہ ہوگیا۔ ارشادِ ربانی ہے "ومن یخرج من بیتہ مہاجراً الی اللہ ورسولہ ثم یدرکہ الموت فقد وقع اجرہ علی اللہ وکان اللہ غفوراً رحیماً" (اور جو شخص اپنے گھر سے اس نیت سے نکل کھڑا ہو کہ اللہ اور رسول کیطرف ہجرت کروں گا پھر اس کو موت آپکڑے تب بھی اس کا ثواب ثابت ہوگیا اللہ تعالےٰ کے ذمہ۔ اور اللہ تعالیٰ مغفرت کرنیوالے ہیں، بڑے رحمت والے ہیں) حضرت امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس کے عمل کا جہاں تک تعلق ہے وہ تو مرنے کے باعث

ختم ہوگیا اور اس آیتِ مبارکہ کا تعلق آخرت کے ثواب سے ہے۔

ولاتصح وصیۃ الصبی والمکاتب الخ. فرماتے ہیں کہ بچہ اور مکاتب اگر وصیت کریں تو انکی وصیت درست قرار نہیں دی جائے گی۔ مکاتب کے وصیت کرنے کی تین شکلیں ہیں۔ ان تین میں سے ایک تو بالاتفاق ناجائز و کالعدم ہے۔ اور ایک متفقہ طور پر درست ہے اور ایک کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ اگر ایسا ہو کہ مکاتب نے جو وصیت من المال کی ہو وہ عینِ شئے ہو تو اسے باطل قرار دیا جائے گا۔ اس واسطے کہ فی الحقیقت وہ اس کی ملکیت ہے ہی نہیں۔ اور اگر وہ عینِ شئے سے متعلق نہ ہو بلکہ آزادی کی جانب اضافت کرتے ہوئے اس نے اس طرح کہا ہو کہ "جب مجھے آزادی مل جائے تو میرا تہائی مال فلاں کے واسطے ہے"۔ وصیت کی یہ شکل درست ہے۔ اس واسطے کہ جائز نہ ہونیکا سبب آقا کا بنا تھا اور یہاں وصیت نعمتِ آزادی ملنے پر معلق کی گئی تو اس میں حقِ آقا نہیں رہا کہ عدمِ جواز کا سبب بنے۔ اور اگر اس نے اس طرح وصیت کی کہ "میں تہائی مال کی فلاں کے واسطے وصیت کرتا ہوں اور اس کے بعد وہ حلقۂ غلامی سے آزاد ہوگیا تو حضرت امام ابوحنیفہؒ اسے باطل اور حضرت امام ابو یوسفؒ و حضرت امام محمدؒ درست قرار دیتے ہیں۔

واذا صرح بالرجوع الخ. اگر وصیت کرنیوالا صراحت کے ساتھ یہ کہے کہ میں نے وصیت سے رجوع کرلیا تو اس صراحت کے ذریعہ رجوع درست ہوگا۔ اور اگر وہ صراحۃً رجوع کرنے کے بجائے سرے سے وصیت کا ہی انکار کرتا ہو تو اسے رجوع قرار نہ دیں گے۔ حضرت امام محمدؒ یہی فرماتے ہیں۔ اس کا سبب ظاہر ہے اس لئے کہ کسی شے سے رجوع کا جہاں تک تعلق ہے وہ اسوقت تو ہوگا جبکہ اس شے کا وجود بھی ہو اور اس کے انکار سے اس کا نہ ہونا ثابت ہو رہا ہے اور انکار کو رجوع تسلیم کرنے پر اس کا تقاضہ یہ ہوگا کہ وصیت ہے بھی اور ہے بھی نہیں۔ اور یہ محال ہے کہ ایک چیز بیک وقت موجود بھی ہو اور موجود بھی نہ ہو۔ مفتیٰ بہ یہی حضرت امام محمدؒ کا قول ہے۔

وَمَنْ اَوْصٰی لِجِیْرَانِہٖ فَھُمُ المُلاصِقُوْنَ عِندَ اَبِی حنیفۃَ رحمہ اللّٰہُ وَمَنْ اَوْصٰی لِاَصْھَارِہٖ
اور جو اپنے ہمسایوں کیواسطے وصیت کرے تو اس وصیت سے متصل ہمسائے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مراد ہونگے۔ اور جو شخص اہلِ
فالوصیۃُ لِکُلِّ ذِیْ رحمٍ محرمٍ مِنْ اِمرأتِہٖ وَمَنْ اَوْصٰی لاَخْتانِہٖ فالخَتَنُ زوجُ کُلِّ ذاتِ
سسرال کیواسطے وصیت کرے تو یہ وصیت زوجہ کے ہر ذی رحم محرم کیواسطے قرار دیجائیگی اور جو شخص اپنے دامادوں کیواسطے وصیت کرے تو
رحمٍ محرمٍ منہ وَمَنْ اَوْصٰی لاقاربِہٖ فالوصیۃُ للاقربِ فالاقربِ مِنْ کُلِّ ذِیْ رحمٍ
داماد سے ہر ذی رحم محرم عورت کا خاوند مراد ہوگا اور جو شخص برائے اقارب وصیت کرے تو اسوقت میں ذی رحم محرم سے الاقرب فالاقرب
محرمٍ منہ وَلا یدخلُ فیھم الوالدانِ والولدُ ویکونُ للاثنینِ فصاعدًا وَاِذا اَوْصٰی
شامل قرار دیئے جائینگے اور اس میں ماں باپ و اولاد کو شامل قرار نہ دینگے اور یہ دو یا دو سے زائد کیواسطے قرار دیجائیگی اور جو شخص اسطرح
بذٰلکَ وَلہٗ عمّانِ وَخالانِ فالوصیۃُ لعمّیہِ عندَ ابی حنیفۃَ رحمہ اللّٰہُ وَاِنْ کانَ لہٗ
کی وصیت کرے درانحالیکہ اس کے دو چچا ہوں اور دو ماموں تو یہ وصیت اسکے دونوں چچاؤں کیواسطے قرار دیجائیگی امام ابوحنیفہؒ یہی فرماتے

عَمٌّ وَخَالَانِ فللعَمِّ النصفُ وللخالَين النصفُ وقالا رحمهما الله الوصيةُ لكلِّ
ہیں اور اگر وصیت کنندہ کے دو ماموں اور ایک چچا ہونے پر چچا کیواسطے آدھا ہوگا اور دونوں ماموؤں کیواسطے آدھا۔ صاحبینؒ کے نزدیک

مَنْ يُنسبُ إلى اقصى اب له في الاسلام ومَنْ أوْصىٰ لرجلٍ بثلثِ دراهمه أوْ
وصیت ہر اس شخص کیواسطے قرار دیجائیگی جس کا انتساب اسلام اسکے آخری باپ کیجانب ہورہا ہو اور جو شخص کسی شخص کیواسطے ثلث دراہم یا

بثلثِ غنمه فهلكَ ثلثا ذلك وبقيَ ثلثه وهُوَ يخرجُ مِنْ ثلث ما بقي مِنْ مالِه
ثلث بکریوں کی وصیت کرے اور اس کے دوثلث تلف ہو کر ایک ہی ثلث بچا ہو جس کا اس کے باقیماندہ مال کے ثلث سے نکلنا ممکن

فله جميعُ ما بقيَ ومَنْ أوْصىٰ بثلث ثيابه فهلكَ ثلثاها وبقيَ ثلثها وهو يخرجُ
ہو تو وصیت کردہ کیواسطے باقی رہی ہوئی ساری بکریاں قرار دی جائیں گی اور جو شخص ثلث ثیاب کی وصیت کرے درانحالیکہ دوثلث

مِنْ ثلث ما بقيَ مِنْ مالِه لمْ يستحق إلا ثلث ما بقي مِنَ الثياب ومَنْ أوْصىٰ لرجلٍ
تلف ہوگئے ہوں اور اس کا ایک ثلث بچا ہو جس کا باقیماندہ کے تہائی سے نکلنا ممکن ہو تو وصیت کردہ کو محض باقی بچے ہوئے کپڑوں

بالفِ درهمٍ وله مالٌ عينٌ ودَيْنٌ فانْ خرجَ الالفُ مِنْ ثلث العينِ دُفِعَتْ
کے ثلث کا استحقاق ہوگا اور جو شخص ہزار درہم کی وصیت کرے درانحالیکہ اس کا تھوڑا مال نقد ہو اور تھوڑا قرض۔ لہٰذا نقد مال کے ثلث سے

إلى الموصىٰ له وإنْ لمْ يخرجْ دُفِعَ إليه ثلثُ العينِ وكلما خرجَ شيءٌ مِنَ
ہزار نکل سکتے ہوں تو وہ وصیت کردہ کے حوالہ کردیئے جائیں گے اور نہ نکل سکنے پر نقصان کا ثلث دیدیا جائے گا اور جتنے قرض کی

الدينِ اخذ ثلثه حتى يستوفي الالفَ وتجوزُ الوصيةُ للحملِ وبالحملِ اذا وُضعَ
وصولیابی ہوتی رہے اس کا ثلث وصول کرتا رہے گا حتی کہ وہ مکمل ایک ہزار وصول کرلے اور برائے حمل وصیت درست ہے

لاقلَّ مِنْ ستةِ اشهرٍ مِنْ يومِ الوصيةِ
اور حمل کی بشرطیکہ جس روز وصیت کی گئی ہو اس سے چھ مہینے سے کم مدت میں وضع حمل ہوا ہو۔

لغات کی وضاحت ۔ جیران: ہمسائے۔ ملاصقون: پہلو میں۔ ملے ہوئے۔ اختان: وہ رشتے جو کہ عورت کی جانب سے ہوں مثلاً داماد، سالہ۔ اقصیٰ: انتہاء۔ الالف: ہزار۔ اشہر: شہر کی جمع: مہینے۔

تشریح و توضیح ومن اوصیٰ لجیرانہ الخ۔ اگر کوئی شخص اپنے ہمسایوں کیواسطے وصیت کرے تو حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ اس وصیت کے زمرے میں وہ لوگ آئیں گے جو اس کے مکان سے بالکل ملے ہوئے ہوں۔ حضرت امام ابویوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اس وصیت کے زمرے میں وہ لوگ آئیں گے جن کی رہائش اس کے محلہ میں ہو اور اس مسجدِ محلہ کے نمازی ہوں۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا قول تو قیاس کے موافق ہے۔ اور حضرت امام ابویوسف اور حضرت امام محمدؒ کا قول استحسان پر۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جار مشتق

من المجاورة ہے اور اپنے حقیقی معنیٰ کے اعتبار سے مجاورت دراصل ملاصقت (اتصال) کو کہا جاتا ہے۔ اسی بناء پر شفعہ کا اول مستحق یہی ہمسایہ ہوتا ہے۔ اور رہا استحسان تو اس کا سبب یہ ہے کہ باعتبار عرف یہ سارے لوگ ہمسایہ ہی کہلاتے ہیں۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک ہر جانب سے چالیس مکانوں تک ہمسایہ کا اطلاق ہوتا ہے۔

ومن اوصیٰ لاصھارہٖ فالوصیۃ الخ۔ اگر کسی شخص نے اپنے اصہار کیواسطے وصیت کی ہو تو اس کے زمرے میں زوجہ کے اقارب آئیں گے۔ مثلاً زوجہ کے والد، دادا وغیرہ حضرت امام محمدؒ اصہار کی یہی تفسیر فرماتے ہیں۔ صاحب برہان اسی کو یقینی قرار دیتے ہیں۔ لغت کے بارے میں یہی ہے۔ فقہاء حضرت امام محمدؒ کے قول کو حجت قرار دیتے ہیں۔

ومن اوصیٰ لاقاربہٖ الخ۔ اگر کوئی شخص اپنے رشتہ داروں کیواسطے وصیت کرے تو اس وصیت کے زمرے میں وہ لوگ آئیں گے جو وصیت کرنے والے کے ذی رحم محرم میں باعتبارِ قرابت سب سے بڑھ کر نزدیک ہوں۔ البتہ وصیت کرنیوالے کے ماں باپ اور بچے اس وصیت کے زمرے میں نہیں آئیں گے۔ اس لئے اقارب کا اطلاق در اصل ان پر ہوتا ہے جن کی قربت کسی دوسرے واسطہ سے ہو، والدین کی حیثیت تو اولِ قرابت کی ہے۔ لہٰذا وہ اس میں داخل نہ ہوں گے ایسے ہی اولاد کا معاملہ ہے کہ وہ کسی واسطہ کے بغیر ہی قرابت رکھتی ہے بس اسے بھی اس میں داخل قرار نہ دیں گے۔

واذا اوصیٰ بذلک ولہٗ عمان وخالان الخ۔ اگر کوئی ایسا شخص وصیت کرے جس کے دو چچا ہوں اور دو ماموں تو اس صورت میں حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ یہ وصیت دو چچاؤں کے حق میں سمجھی جائے گی اور ماموں اس وصیت میں داخل نہ ہوں گے۔ اور اگر ایسا ہو کہ چچا صرف ایک ہو اور ماموں دو ہوں تو اس صورت میں نصف کا حق چچا کا ہوگا اور نصف میں سے برابر دونوں ماموؤں کا استحقاق ہوگا۔

ومن اوصیٰ بثلث ثیابہٖ الخ۔ اگر کوئی شخص کپڑوں کے ثلث کی وصیت کرے درانحالیکہ دو ثلث تلف ہو گئے اور صرف ایک ثلث بچا ہو اور اس کا بچے ہوئے کے تہائی سے نکلنا ممکن ہو تو اس صورت میں وصیت کردہ شخص محض بچے ہوئے کپڑوں کے تہائی کا حقدار ہوگا۔

ومن اوصیٰ لرجل بالف الخ۔ اگر کوئی شخص ہزار دراہم کی وصیت کرے جبکہ صورتِ حال یہ ہو کہ اس کے مال کا کچھ حصہ تو لوگوں کے اوپر قرض ہو اور کچھ حصہ نقد ہو تو اس صورت میں اگر یہ ممکن ہو کہ ہزار دراہم نقد مال کے ثلث سے نکل جائیں تو وصیت کردہ شخص کے حوالہ ہی کردینگے۔ مثلاً وصیت کرنیوالے کا ترکہ تین ہزار نقد کی شکل میں ہو تو ہزار دراہم وصیت کردہ شخص کے سپرد کردیں گے اور اگر اس میں سے ہزار دراہم نکلنے ممکن نہ ہوں تو پھر کل موجود نقد کا ثلث تو حوالہ کردیا جائے گا اور پھر جسقدر قرض کی وصولیابی ہوتی رہے گی اس کا ثلث اسے اسوقت تک ملتا رہے گا جب تک کہ وصیت کے مطابق اسکے ہزار دراہم پورے نہ ہو جائیں۔

وتجوز الوصیۃ للحمل الخ۔ یہ جائز ہے کہ برائے حمل وصیت کی جائے۔ مثال کے طور پر آقا نے اسطرح کہا ہو کہ میں نے اس باندی کے جو حمل ہے اس کے واسطے اسقدر دراہم یا اسقدر دیناروں وغیرہ کی وصیت

کردی۔ اس کے درست ہونیکا سبب یہ ہے کہ وصیت کا جہاں تک تعلق ہے اس میں ایک اعتبار سے اپنا قائم مقام بنانا ہوتا ہے اور جنھیں وراثت کے اندر قائم مقام بن سکتا ہے تو اس کا وصیت کے اندر بھی قائم مقام بننا درست ہوگا۔ اسی طریقہ سے اگر کوئی شخص حمل کے واسطے وصیت کرے تو اسے بھی جائز قرار دیا جائیگا۔ اس کے درست ہونیکا سبب یہ ہے کہ جس طریقہ سے حمل میں نفاذِ وراثت ہوتا ہے ٹھیک اسی طرح وصیت کے اندر بھی نفاذ ہوگا کہ یہ بھی دراصل اسی کے زمرے میں شامل اور اسی کی جنس سے ہے۔ اس لئے دونوں کے درمیان فرق کی کوئی وجہ نہیں کہ ایک میں جائز قرار دیں اور دوسری میں ناجائز۔

وإذا أوصى لرجل بجارية إلا حملها صحت الوصية والاستثناء ومن أوصى لرجل
اور اگر کوئی شخص کسی کیواسطے باندی کی وصیت کرتے ہوئے اسکے حمل کو مستثنیٰ کرلے تو وصیت واستثناء کو درست قرار دینگے اور جو شخص کسی کیواسطے
بجارية فولدت بعد موت الموصي قبل أن يقبل الموصى له ولدا ثم قبل الموصى
باندی کی وصیت کرے اور وہ وصیت کرنیوالے کے انتقال کے بعد اور وصیت کئے گئے شخص کے قبول سے قبل بچہ کو جنم دے اسکے بعد موصی لہ وصیت
له وهما يخرجان من الثلث فهما للموصى له وإن لم يخرجا من الثلث ضرب
قبول کرے درانحالیکہ وہ دونوں ثلث سے نکل رہے ہوں تو دونوں موصی لہ کیواسطے قرار دیئے جائینگے۔ اور ثلث سے نہ نکلنے کی صورت میں
بالثلث وأخذ بالحصة منهما جميعا في قول أبي يوسف ومحمد رحمهما الله وقال
انھیں ثلث میں ملالیا جائیگا اور امام ابو یوسفؒ وامام محمدؒ کے قول کے مطابق موصی لہ ان تمام سے حصہ لے لیگا۔ اور امام ابو حنیفہؒ
أبو حنيفة رحمه الله يأخذ ذلك من الأم فإن فضل شيء أخذ من الولد
کے نزدیک موصی لہ اپنے حصہ کو ماں سے وصول کرے گا۔ پھر اگر کچھ حصہ رہ گیا ہو تو وہ بچہ سے لے لیگا۔ اور یہ وصیت درست
وتجوز الوصية بخدمة عبده وسكنى داره سنين معلومة وتجوز ذلك أبدا
ہے کہ اس کا غلام خدمت کرے اور گھر میں متعین برسوں تک رہنے کی وصیت کی۔ اور دائمی طور پر بھی درست ہوگی
فإن خرجت رقبة العبد من الثلث سلم إليه للخدمة وإن كان لا مال
لہٰذا اگر ثلث ترکہ سے غلام کا نکلنا ممکن ہو تو برائے خدمت موصی لہ کے سپرد کردیں گے۔ اور بجز غلام کوئی دوسرا مال نہ ہونے
له غيره خدم الورثة يومين وللموصى له يوما فإن مات الموصى له عاد
پر وہ دو روز ورثاء کی خدمت بجالائے گا اور ایک روز موصی لہ کی خدمت کریگا اور اگر موصی لہ کا انتقال ہو جائے تو
إلى الورثة وإن مات الموصى له في حيوة الموصي بطلت الوصية وإذا
غلام بجانب ورثاء پلٹ آئیگا۔ اور موصی لہ کا انتقال وصیت کرنیوالے کی حیات میں ہونے پر وصیت باطل قرار دیجائیگی اور اگر
أوصى لولد فلان فالوصية بينهم للذكر والأنثى سواء وإن أوصى لورثة
اولادِ فلاں کیواسطے وصیت کرے تو ان کے مذکر و مؤنث کے بیچ وصیت مساوی ہوگی اور اگر برائے ورثاءِ فلاں

فلانٍ فالوصیۃُ بینھُم للذکرِ مثلُ حظِّ الأنثیینِ ومَنْ أوصیٰ لزیدٍ وعمروٍ
وصیت کرے تو وصیت ان کے درمیان للذکر مثل حظ الانثیین کے اعتبار سے ہوگی اور جو شخص زید و عمرو کے واسطے ثلث
بثلثِ مالہٖ فإذا عمروٌ میّتٌ فالثلثُ کلّہٗ لزیدٍ وإن قال ثلث مالی بین
مال کی وصیت کرے اور عمرو کا اس وقت انتقال ہو چکا ہو تو سارا ثلث زید کیواسطے ہوگا اور اگر کہے کہ میرا ثلث مال زید
زیدٍ وعمروٍ وزیدٌ میتٌ کان لعمروٍ نصفُ الثلثِ ومَنْ أوصیٰ بثلثِ مالہٖ ولا
و عمرو کے درمیان ہے اور زید کا انتقال ہو چکا ہو تو عمرو کے واسطے ثلث کا آدھا ہوگا اور جو شخص ثلث مال کی وصیت کرے
مالَ لہٗ ثم اکتسب مالاً استحقَّ الموصیٰ لہٗ ثلثَ ما یملکہٗ عند الموتِ۔
درانحالیکہ اس کے پاس مال نہ ہو اور اسکے بعد وہ مال کمائے تو وصیت کرنیوالے کو بوقتِ انتقال جس مال پر ملکیت حاصل ہو موصیٰ لہٗ
اس کے ثلث کا مستحق ہوگا

لغت کی وضاحت

:- جاریۃ: باندی۔ فضل: باقی، بچا ہوا۔ سُکنیٰ: سکونت، رہائش۔ معلومۃ: متعین و مقرر۔ ابدًا: دائمی۔ سلّم: سپرد کرنا، حوالہ کرنا۔ حظ: حصہ
اکتسب: کمایا ہوا۔

تشریح و توضیح

وإذا أوصیٰ لرجل بجاریۃ الاحملھا الخ اگر کوئی شخص باندی کی وصیت کرے کہ باندی اس کے بعد اسے دی جائے اور اس باندی کے حمل کو وصیت سے مستثنیٰ قرار دے تو اس صورت میں یہ وصیت بھی درست ہوگی اور استثناء کرنا بھی درست ہوگا۔ لہٰذا باندی اس شخص کی قرار دی جائے گی جس کے واسطے موصی نے وصیت کی ہو اور رہا اس کا حمل اس کے مالک وصیت کرنے والے کے ورثاء ہوں گے۔ اور اگر کوئی شخص کسی کے لئے باندی کی وصیت کرے اور موصی کا انتقال ہو جائے اور موصیٰ لہٗ ابھی قبول نہ کئے ہو کہ باندی بچہ کو جنم دے تو اس صورت میں اگر باندی اور اس کے بچہ کا ثلث مال سے نکلنا ممکن ہو تو ان دونوں کو موصیٰ لہٗ کا قرار دیا جائے گا۔ اور اگر ثلث مال انکا نکلنا ممکن نہ ہو تو امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں ان کی قیمت لگا کر انھیں شاملِ مال کیا جائے گا۔ اس کے بعد دونوں کی قیمت سے مساوی طور پر لیتے ہوئے وہ موصیٰ لہٗ کے حوالہ کریں گے۔ اور حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اول ثلث مال باندی کی قیمت سے مکمل کریں گے اور اس سے مکمل نہ ہو سکنے پر بچہ کی قیمت میں سے لیں گے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ اور حضرت امام ابو یوسفؒ و حضرت امام محمدؒ کے درمیان اختلافِ رائے عموماً اندرونِ متون اسی طریقہ سے نقل کیا گیا ہے۔

وتجوز الوصیۃ بخدمۃ عبدہٖ الخ اس کی وصیت کرنا درست ہے کہ موصی کے غلام اتنی مدت تک کار خدمت انجام دے گا اور اسی طرح یہ بھی درست ہے کہ گھر میں رہائش متعین و مقرر برسوں تک رہے گی۔ اسواسطے کہ زندگی میں منافع کا مالک بنانے کو درست قرار دیا گیا ہے۔ اس سے قطع نظر کہ یہ بالمعاوضہ ہو یا بلا معاوضہ

توجس طریقہ سے زندگی میں درست ہے اسی طریقہ سے اسے مرنیکے بعد بھی درست قرار دیں گے۔ اب اگر یہ صورت ہو کہ غلام نیز گھر وصیت کرنیوالے کا تہائی مال بیٹھتا ہو تب تو جس کے لئے وصیت کی گئی اسے یہ دونوں دیدیئے جائیں گے۔ اور تہائی مال نہ ہونے کی صورت میں گھر کو تین حصوں پر تقسیم کیا جائے گا اور اس میں سے ایک تہائی وصیت کئے گئے شخص کے حوالہ کیا جائے گا اور دو تہائی ورثاء کیواسطے ہوگا۔ اسلئے کہ موصیٰ لہٗ کا حق جہانتک ہے وہ ایک تہائی کے اندر ہے اور حق ورثاء دو تہائی کے اندر ہے۔ اور رہا غلام تو کیونکہ اسے بانٹنا ممکن نہیں تو اس کے واسطے باری کا تعین ہوگا وہ اس طرح کہ وہ ایک روز وصیت کئے گئے شخص کی خدمت انجام دے گا اور دو روز ورثاء کی خدمت کرے گا۔ اور اگر ایسا ہو کہ جس کیلئے وصیت کی گئی وہ وصیت کنندہ کی زندگی میں انتقال کر جائے تو وصیت کو باطل و کالعدم قرار دیا جائے گا۔ اس لئے کہ اس وصیت کا وہ سرے سے حقدار ہی نہ رہا۔ اور کیونکہ اندرون منافع وصیت کرنیوالے کی ملکیت برقرار رہتی ہے اسواسطے موصیٰ لہٗ کے انتقال کر جانے پر گھر اور غلام دونوں کے مالک وصیت کرنیوالے کے ورثاء ہوں گے۔

ومن اوصیٰ لزید وعمرو بثلث مالہ الخ۔ اگر کوئی شخص زید اور عمرو کیواسطے وصیت کرے جبکہ عمرو موت کی آغوش میں سو چکا ہو تو اس صورت میں سارے ثلث مال کے لئے استحقاق زید کا ہوگا۔ اس واسطے کہ جس کا انتقال ہو چکا اس کا موصیٰ لہٗ بننا ممکن نہیں اور وہ باحیات شخص کے مقابل نہیں ہو سکتا حضرت امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ اگر وصیت کرنیوالا عمرو کے انتقال سے آگاہ نہ ہو تو اس صورت میں ثلث مال میں آدھے کا مستحق زید ہوگا اس واسطے کہ وصیت کرنیوالے نے عمرو کو زندہ سمجھ کر وصیت کی اور اس کے خیال کے مطابق عمرو کیواسطے وصیت کرنا صحیح تھا۔ اس سے واضح ہوا کہ موصی زید کو ثلث مال کا آدھا ہی دینا چاہتا تھا۔ اس کے برعکس جبکہ اسے عمرو کے انتقال کا علم ہوا اور یہ کہ مردہ کے واسطے وصیت بیکار ہے تو اس سے ظاہر ہوا کہ اس کی مرضی بقید حیات کو ہی ثلث مال دینے کی تھی۔

ومن اوصیٰ بثلث مالہ ولا مال لہٗ الخ۔ کوئی شخص کسی کیواسطے اپنے مال کی تہائی کیواسطے وصیت کرے جبکہ وہ اپنے پاس بوقت وصیت کوئی مال نہ رکھتا ہو اور پھر وہ بعد وصیت تھوڑا سا مال کما لے تو اس صورت میں وصیت کرنیوالے کے انتقال کے وقت جو مال موجود ہو اس کے ثلث کا حقدار یہ موصیٰ لہٗ ہوگا اور اس کو اس مال کا تہائی دیا جائیگا۔ سبب یہ ہے کہ وصیت کا جہانتک معاملہ ہے وہ دراصل قائم مقام بنانے کا عقد ہے جس کا تعلق انتقال کے بعد سے ہے اور حکم وصیت موصی کے انتقال کے بعد ہی ثابت ہوا کرتا ہے پس بوقت انتقال موصی کے پاس مال کا ہونا شرط قرار دیا جائیگا۔

کتاب الفرائض

فرائض کا بیان

المَجمعُ عَلٰی تَورِیثِهِم مِنَ الذُّکورِ عشرةٌ الابنُ وَابنُ الابنِ وَاِنْ سَفُلَ وَالابُ

بالاجماع مردوں میں سے وارث قرار دیئے جانیوالوں کی تعداد دس ہے۔ ابن، ابن الابن (پوتا) اگرچہ وہ نیچے کا ہی ہو

وَالجَدُّ وَاِنْ عَلَا وَالاَخُ وَابْنُ الاَخِ وَالعَمُّ وَابْنُ العَمِّ وَالزوجُ وَمولَی النعمَةِ

اور والد اور دادا خواہ وہ اوپر کا کیوں نہ ہو اور برادر اور بھائی کا لڑکا اور چچا اور چچا کا لڑکا اور خاوند اور آزاد کرنیوالے غلام

وَمِنَ الاُناثِ سَبعٌ اَلبنتُ وَبنتُ الابنِ وَالاُمُّ وَالجدَّةُ وَالاختُ وَالزَّوجَةُ وَ

کا آقا۔ اور عورتوں میں سے ورثاء کی تعداد سات ہے۔ بیٹی اور پوتی اور والدہ اور دادی اور زوجہ اور غلام یا باندی کو

مَولاةُ النعمةِ وَلایرثُ اَربعَةٌ المَملوکُ وَالقاتِلُ مِنَ المقتولِ وَالمُرتَدُّ وَ

آزاد کرنیوالی اور چار اشخاص وارث نہ ہوں گے۔ مملوک (غلام) اور قتل کرنیوالا وارث مقتول نہ ہوگا اور مرتد اور

اَهلُ المِلَّتَینِ وَالفُروضُ المَحدُودَةُ فِی کتابِ اللّٰهِ تعالٰی سِتَّةٌ النصفُ وَ

الگ الگ دین والے اور کتاب اللہ میں مقررہ حصوں کی تعداد چھ ہے۔ نصف،

الرُّبعُ وَالثمنُ وَالثلثانِ وَالثلثُ وَالسُّدُسُ فالنصفُ فرضُ خمسةٍ البنتُ وَبنتُ

ربع، ثمن، ثلثان، ثلث، سدس، پس نصف پانچ اشخاص کا حصہ ہوا کرتا ہے (۱) لڑکی (۲) پوتی

الابنِ اِذا لَم تکن بنتُ الصُّلبِ وَالاُختُ لِاَبٍ وَاُمٍّ وَالاُختُ لاَبٍ اِذا لَم تکن

بشرطیکہ صلبی لڑکی موجود نہ ہو (۳) حقیقی ہمشیرہ (۴) علاتی بہن بشرطیکہ حقیقی بہن موجود نہ ہو

اُختٌ لِاَبٍ وَاُمٍّ وَالزَّوجُ اِذا لَم یکُن للمَیّتِ وَلدٌ وَلَا وَلدُ ابنٍ وَاِنْ سَفُلَ

(۵) خاوند بشرطیکہ مرنیوالے کا لڑکا اور پوتا نہ ہو اگرچہ وہ نیچے ہی کا ہو۔

وَالرُّبعُ للزَّوجِ مَعَ الوَلَدِ اَوْ وَلَدِ الابنِ وَاِنْ سَفُلَ وَللمَرأةِ اِذا لَم یکُن

اور لڑکے یا پوتے کی موجودگی میں اگرچہ وہ نیچے کا ہی ہو خاوند کے واسطے چوتھائی ہوگا اور زوجہ کیواسطے

للمَیّتِ وَلَدٌ وَلا وَلَدُ ابنٍ وَالثمنُ للزوجاتِ مَعَ الولدِ اَوْ وَلَدِ الابنِ وَ

ربع ہوگا بشرطیکہ مرنیوالے کا لڑکا اور پوتا نہ ہو اور لڑکے یا پوتے کی موجودگی میں بیویوں کیواسطے آٹھواں حصہ

الثلثانِ لکلِّ اثنَینِ فصاعدًا مِمَّن فرضُهُ النصفُ اِلّا الزوجَ وَالثلثُ

ہے اور وہ جن کا حصہ نصف مقرر ہے دو یا دو سے زیادہ ہونے پر ان کے واسطے دو ثلث ہوگا۔ بجز خاوند کے اور

للاُمِّ اِذا لَم یکُن للمَیّتِ وَلدٌ وَلا وَلدُ ابنٍ وَلَا اثنانِ مِنَ الاخوةِ وَالاخواتِ

والدہ کیواسطے تہائی ہوگا بشرطیکہ مرنیوالے کے نہ لڑکا ہو اور نہ پوتا ہو اور نہ دو بھائی دو بہنیں یا دو سے

نصاعداً او یفرض لہا فی مسئلتین ثلث ما بقی و ہما زوج و ابوان او زوجۃ

زیادہ ہوں۔ اور دو صورتوں میں ماں کے واسطے باقی ماندہ کا ثلث مقرر ہوتا ہے۔ وہ دو صورتیں یہ ہیں کہ ہوں، خاوند اور ماں باپ یا زوجہ

وابوان فلہا ثلث ما بقی بعد فرض الزوج او الزوجۃ وہو لکل اثنین فصاعداً

اور ماں باپ۔ تو حصۂ خاوند یا حصۂ زوجہ کے بعد باقی ماندہ میں ماں کیواسطے تہائی ہوگا اور تہائی ہر دو یا دو سے زیادہ کیواسطے ہوتا ہے

من ولد الام ذکورہم و اناثہم فیہ سواء و السدس فرض سبعۃ لکل

ماں شریک بہنوں میں سے اس میں مردوں اور عورتوں کا حکم یکساں ہے۔ اور سدس سات اشخاص کا حصہ مقرر کیا گیا۔ لڑکے یا پوتے

واحد من الابوین مع الولد او ولد الابن وہو للام مع الاخوۃ و للجدات

کی موجودگی میں ماں باپ کے واسطے (۲) بھائیوں کی موجودگی میں ماں کے واسطے (۳) لڑکے یا پوتے کی موجودگی میں دادی اور

والجد مع الولد او ولد الابن و لبنات الابن مع البنت و للاخوات للاب

دادا کے واسطے (۴) لڑکی کی موجودگی میں پوتیوں کے واسطے (۵) حقیقی ہمشیرہ کی موجودگی میں علاتی بہنوں کے واسطے

مع الاخت للاب و الام و للواحد من ولد الام۔

(۶) ایک ماں شریک ہمشیرہ کے واسطے۔

لغات کی وضاحت

:۔ توریث: وارث ہونا۔ ترکہ کا حقدار ہونا۔ الذکور: مرد۔ عشرۃ: دس۔ ابن الابن: پوتا۔ ابن الاخ: بھتیجہ۔ ابن العم: چچا کا لڑکا۔ مولی النعمۃ: آقا۔ الاناث: عورتیں۔ المحدودۃ: مقررہ۔ متعین۔ الربع: چوتھائی۔ الثمن: آٹھواں۔ فصاعداً: زیادہ۔ ولد الابن: پوتا۔ بنات الابن: پوتیاں۔ اخوات: بہنیں۔ ولد الام: ماں شریک بہن۔

تشریح و توضیح

الفرائض الخ۔ وہ علم جس میں وارثین کے حصص بیان کئے جائیں اور جس کے ذریعہ یہ تفصیل سامنے آئے کہ کس وارث کا شرعی اعتبار سے کس قدر حصہ ہے۔ اس کا نام علم الفرائض ہے۔

المجمع علی توریثہم الخ۔ فرماتے ہیں کہ مردوں میں دس میت کے ایسے قرابت دار ہیں کہ وہ بالاتفاق سب کے نزدیک وارث قرار دیئے گئے اور ان کے وارث ہونے پر اجماع ہے۔ یعنی بیٹا پوتا باپ دادا، چچا، بھتیجہ، چچازاد بھائی، خاوند اور آقا۔ اور عورتوں میں سات قرابت دار اسی طرح کے ہیں۔ یعنی بیٹی، پوتی، ماں، دادی، بہن، زوجہ، اور غلام یا باندی آزادہ کردہ عورت یعنی ان کی مالکہ۔

ولا یرث اربعۃ الخ۔ فرماتے ہیں کہ چار اشخاص اس طرح کے ہیں کہ وہ وارث قرار نہیں دیئے جاتے اور انھیں وراثت کا کوئی حصہ نہیں ملتا۔ ان میں سے ایک تو غلام ہے۔ میراث کی حیثیت کیونکہ ایک طرح سے تملیک کی ہے اور غلام کو کسی چیز پر ملکیت حاصل نہیں ہوتی۔ لہٰذا وہ وارث بھی نہ ہوگا۔ دوسرا وراثت سے محروم شخص قاتل ہوتا ہے کہ اسے مقتول کی وراثت سے کچھ نہیں ملتا اور وہ قتل کے جرم کی پاداش میں وراثت سے محروم رہتا ہے۔ تیسرا محروم وراثت شخص وہ ہے جو مرتد ہوگیا

اور دائرۂ اسلام سے نکل گیا ہو کہ اس میں وارث بننے کی اہلیت نہیں رہتی نہ وہ کسی مسلمان ہی کا وارث بن سکتا ہے اور نہ کسی ذمی و کافر کا۔ اسلئے کہ یہ تو ارتداد کے باعث ان لوگوں میں سے ہو جاتا ہے جن کا قتل کرنا واجب ہو۔ چوتھا وراثت سے محروم شخص وہ ہے جس کا دین مرنیوالے کے دین سے الگ ہو۔ یعنی نہ مسلمان کسی کافر کا وارث بن سکتا ہے اور نہ کافر کسی مسلمان کا۔ حدیث شریف میں اس کی صراحت ہے۔

فالنصف فرض خمسة الخ۔ پانچ افراد ایسے ہیں شرعاً جن کا حصہ نصف مقرر ہوا۔ ان میں سے ایک وہ لڑکی ہے جو تنہا ہو اور اسی طرح پوتی جبکہ وہ اکیلی ہو اور میت کی حقیقی بیٹی موجود نہ ہو۔ اور حقیقی ہمشیرہ اور علاتی ہمشیرہ بشرطیکہ موجود نہ ہو اور اسی طریقہ سے خاوند جبکہ مرنیوالے کے نہ لڑکا ہو اور نہ ہی پوتا ہو۔ اور ربع تو وہ دو صنفوں کا ہوا کرتا ہے۔ یا تو خاوند کے ساتھ میت کا لڑکا یا اس کا پوتا موجود ہو اور دوسرے زوجہ بشرطیکہ مرنیوالے کا لڑکا یا پوتا موجود نہ ہو۔

والثمن الخ۔ فرماتے ہیں کہ بیویوں کے واسطے اس صورت میں ثمن یعنی ترکہ کا آٹھواں حصہ ہوگا جبکہ میت کے لڑکا یا پوتا موجود ہو۔

والثلثان الخ۔ میت کی اگر دو یا دو سے زیادہ بیٹیاں ہوں یا بیٹیوں کی عدم موجودگی میں دو پوتیاں ہوں یا دو سے زیادہ ہوں یا دو حقیقی ہمشیرہ ہوں یا دو سے زیادہ ہوں تو انھیں دو ثلث ملے گا۔ شوہر اس سے مستثنیٰ قرار دیا گیا۔

والثلث للام الخ۔ فرماتے ہیں کہ اگر میت کے نہ لڑکا ہو اور نہ پوتا اور نہ اس کے دو بھائی یا دو ہمشیرہ یا اس سے زیادہ نہ ہوں تو اس صورت میں ماں کے واسطے میت کے ترکہ کا تہائی ہوگا۔ اور دو صورتیں ایسی ہیں کہ اس میں ماں باندہ ترکہ کا ثلث ملتا ہے وہ یہ کہ خاوند اور ماں باپ ہوں یا زوجہ اور ماں باپ ہوں تو ماں کے واسطے اس کا تہائی ہوگا جو بعد حصۂ خاوند یا زوجہ بچ گیا ہو۔

وهو لكل اثنين فصاعداً الخ۔ اگر میت کے دو یا دو سے زیادہ اخیافی بھائی ہوں یا دو یا دو سے زیادہ اخیافی بہنیں ہوں تو دونوں صورتوں میں یہ بہن بھائی ترکہ میں ثلث کے مستحق ہوں گے۔

والسدس الخ۔ میت کے ترکہ میں سے سدس یعنی چھٹے حصہ کے مستحق حسب ذیل سات افراد ہوتے ہیں۔ میت کے ماں یا باپ میں سے کوئی ہو اور میت کا کوئی لڑکا یا پوتا بھی ان کے علاوہ ہو تو ماں یا باپ کو سدس کا استحقاق ہوگا۔ اگر میت کی ماں ہو اور اس کے علاوہ میت کے بھائی بھی موجود ہوں تو وہ سدس کی مستحق ہوگی۔ میت کی دادی یا دادا ہو اور اس کے ساتھ لڑکا یا پوتا بھی موجود ہو تو دادی یا دادا سدس کے مستحق ہوں گے۔ میت کی پوتیاں ہوں اور ان کے ساتھ لڑکی بھی موجود ہو تو پوتیاں سدس کی مستحق ہوں گی۔ میت کی علاتی بہنوں کے ساتھ ایک حقیقی بہن بھی موجود ہو تو علاتی بہنیں سدس کی مستحق ہوں گی۔

وتسقط الجدات بالأم والجد والاخوة والاخوات بالاب ويسقط ولد الام باربعة

اور ساقط ہو جائیں گی دادیاں ماں کے ذریعہ اور دادا اور بہن بھائی باپ کے ذریعہ اور ساقط ہو جائیں گی ماں شریک بہن بھائی

بالولد وولد الابن والاب والجد واذا استكملت البنات الثلثين سقطت بنات

چار ورثاء یعنی لڑکے اور پوتے اور باپ اور دادا کے واسطہ سے اور لڑکیوں کے مکمل دو ثلث لینے پر پوتیاں ساقط قرار دیجائیں گی۔

الابنِ اِلّاَ اَن یکونَ بازائهنَّ اَوْ اسفلَ منهنّ ابنُ ابنٍ فیُعصّبُهُنَّ وَاِذا استکمَلَ
الایہ کہ ان کے مقابلہ میں یا پوتیوں سے نیچے پوتا ہو کہ وہ اس کی وجہ سے عصبہ بن جائیں اور حقیقی بہنوں کے مکمل دوثلث لینے پر
الاخواتُ لابٍ وَاُمٍّ الثلثینِ سَقَطتِ الاخواتُ لابٍ اِلّاَ اَن یکونَ معَهُنَّ
علاتی بہنوں کو ساقط قرار دیا جائے گا الا یہ کہ ان کے ہمراہ بھائی بھی ہو کہ وہ اس کی وجہ سے
اَخٌ لهنَّ فیُعَصّبُهُنَّ۔
عصبہ بن جائیں۔

تشریح و توضیح

وتسقط الجدات بالام الخ۔ فرماتے ہیں کہ جدات خواہ والد کی جانب سے ہوں یا والدہ کی طرف سے یعنی نانیاں انھیں میت کی والدہ کی موجودگی میں اس کی وراثت سے کچھ نہ ملے گا اور وہ اس کے ترکہ سے محروم رہیں گی۔

والجد والاخوۃ الخ۔ مرنیوالے کے والد اگر بقید حیات ہوں تو دادا اور والد کے بھائی میت کے ترکہ سے محروم رہیں گے اور انھیں ازروئے وراثت کچھ نہ ملے گا۔ ایسے ہی اگر مرنیوالے کا باپ یا دادا یا لڑکا یا پوتا ہوتے ہوئے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک میت کی بہنوں کو کچھ نہ ملے گا اور وہ کلیۃً میت کے ترکہ سے محروم رہیں گی۔ حضرت امام ابویوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک اگر دادا موجود ہو تو بہنیں محروم نہ ہوں گی لیکن یہاں مفتیٰ بہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔

ویسقط ولد الام الخ۔ اگر میت کا لڑکا موجود ہو یا لڑکا نہ ہو مگر پوتا ہو یا مرنے والے کا باپ یا دادا موجود ہو تو ان میں سے کسی ایک کے ہوتے ہوئے اخیافی بہن بھائی میت کے ترکہ سے محروم رہیں گے۔

واذا استکملت البنات الخ۔ اگر ایسا ہو کہ مرنیوالے کی لڑکیوں کو بطور وراثت مکمل دوثلث ترکہ مل جائے مثلاً لڑکیاں دو یا تین یا اس سے زیادہ ہوں کہ اس صورت میں انھیں دوثلث ترکہ ملے گا تو پوتیوں کو ترکہ میں سے کچھ نہ ملے گا۔ البتہ اگر ان پوتیوں ساتھ یا ان پوتیوں سے نیچے کوئی پوتا ہو تو اس کی وجہ سے یہ پوتیاں بھی عصبہ بن جائیں گی اور بحیثیت عصبہ یہ ترکہ میں سے پائیں گی۔

واذا استکمل الاخوات لاب وام الخ۔ اگر ایسا ہو کہ مرنیوالے کی حقیقی بہنوں کی تعداد دو یا دو سے زیادہ ہو اور اس وجہ سے مکمل دوثلث ترکہ پالیں تو اس صورت میں علاتی بہنوں کو ترکہ سے کچھ نہ ملے گا اور وہ بالکل محروم ہو جائیں گی۔ البتہ اگر علاتی بہنوں کے ساتھ علاتی بھائی بھی ہو تو اس کی وجہ سے وہ عصبہ بن جائیں گی اور انھیں ترکہ میں سے حصہ ملے گا یعنی مرد کے حصہ کے مقابلہ میں انھیں نصف ملے گا۔ بہرحال اس صورت میں وہ ترکۂ میت سے حصہ پانے کی حقدار ہو جائیگی اور ترکہ سے کلیۃً محروم نہ رہے گی۔

باب العصبات

عصبات کا بیان

وَاقربُ العصباتِ البنونُ ثم بنُوهُم ثم الابُ ثم الجدُّ ثم بنوالاب وهم الاخوةُ
عصبات میں سب سے بڑھ کر قریب لڑکے ہوتے ہیں اس کے بعد پوتے اس کے بعد دادا اس کے بعد باپ کے لڑکے اور وہ بھائی ہیں

ثم بنوالجدّ وهم الاعمامُ ثم بنو اب الجدّ وَاِذا استوىٰ بنواب فى درجةٍ
اس کے بعد دادا کے لڑکے اور وہ چچا ہیں اس کے بعد دادا کے والد کے لڑکے۔ اور درجہ کے اعتبار سے باپ کے لڑکے مساوی ہونے

فاولٰهم مَن كَانَ من اَبٍ وَاُمٍّ والابنُ وَابنُ الابنِ وَالاخوةُ يقاسمونَ اخواتهم
پر زیادہ استحقاق اسے ہوگا جو والدین کی جانب سے ہو۔ لڑکا اور پوتا اور برادر یہ مقاسمہ کرلیا کرتے ہیں بہنوں سے۔

للذكرمثلُ حظ الانثيَين وَمن عداهم من العصباتِ ينفردُ بالميراث ذكورهم
للذکر مثل حظ الانثیین کے مطابق اور ان کے علاوہ دوسرے عصبات میں سے تنہا مرد وراثت کے مستحق ہوتے ہیں عورتیں

دون اُناثهم وَاذا لم يكن للميت عَصبةٌ منَ النسب فالعصبة هوالمولىٰ المعتِقُ
نہیں۔ اور مرنیوالے کا کوئی عصبۂ نسبی نہ ہونے پر آزادی عطا کرنیوالا آقا اس کا عصبہ ہوگا اس کے بعد عصباتِ آقا

ثم الاقربُ فالاقربُ من عصبةِ المولىٰ
کے اندر جو سب سے بڑھ کر اس سے قرابت رکھتا ہو۔

تشریح وتوضیح

باب العصبات الخ۔ عصبۃ: پٹھا، قوم کے چیدہ لوگ، باپ کی جانب سے رشتہ دار۔ شرعی اصطلاح میں عصبہ میت کا وہ رشتہ دار کہلاتا ہے جو اس کی رگ و پے میں شریک ہو اور جس کے عیب ونقص کے باعث خاندان پر بٹہ لگتا ہو۔ ان عصبات میں درجہ کے اعتبار سے سب سے قریبی درجہ لڑکے کا ہوتا ہے، اس کے بعد پوتا، اس کے بعد والد، اس کے بعد دادا، اس کے بعد مرنیوالے کے بھائی، اس کے بعد دادا کے لڑکے جو مرنیوالے کے چچا ہوئے، اس کے بعد دادا کے والد کے لڑکے۔ اب اگر بھائی درجہ کے اعتبار سے مساوی ہوں تو ان بھائیوں میں سب سے بڑھ کر حقدار وہ ہوگا جو والدین کیطرف سے میت کا بھائی قرار پاتا ہو یعنی حقیقی بھائی باپ شریک بھائی کے مقابلہ مستحق ترکہ قرار دیا جائے اور علاتی بھائی اس کے ہوتے ہوئے محروم رہے گا۔

ثم الجد الخ۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ دادا حقیقی بھائیوں کے مقابلہ میں مقدم قرار دیا جائے گا اور وہ میت کے ترکہ کا مستحق ہوگا۔ حضرت امام ابویوسفؒ، حضرت امام محمدؒ، حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ دادا کے مقابلہ میں میت کے حقیقی بھائی مقدم قرار دیئے جائیں گے اور دادا کے مقابلہ میں وہ ترکہ کے

مستحق ہوں گے۔ مفتیٰ بہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا قول قرار دیا گیا۔ بعض لوگوں نے اگرچہ حضرت امام ابویوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کے قول کے بارے میں کہا کہ یہ مفتیٰ بہ ہے لیکن امام طحاویؒ وغیرہ نے فرمایا کہ اس بارے میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کا قول ہی لائق اعتماد ہے۔

یقاسمون اخواتھم الخ۔ فرماتے ہیں کہ اگر مرنیوالے کا لڑکا میت کی لڑکی کے ساتھ ہو یعنی میت کے لڑکا بھی ہو اور لڑکی بھی۔ اسی طرح میت کا پوتا بھی ہو اور پوتی بھی اور بھائی کے ساتھ بہن بھی تو اس صورت میں ترکہ کی تقسیم آیتِ کریمہ "للذکر مثل حظ الانثیین" کے مطابق کی جائے گی کہ مرد عورت کے مقابلہ میں دوگنے حصہ کا مستحق ہوگا۔

فالعصبۃ ھوالمولیٰ الخ۔ اگر مرنیوالا ایسا ہو جس کا کوئی عصبہ نسبی ہی نہ ہو تو اس کا عصبہ وہ قرار دیا جائے گا جس نے اسے حلقۂ غلامی سے آزاد کیا ہو، جمہور اسے ذوی الارحام سے مقدم قرار دیتے ہیں۔ صحابۂ کرام میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ عنہ یہی فرماتے ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی رائے البتہ جمہور سے الگ وہ آزاد کرنیوالے پر ذوی الارحام کو مقدم اور اس کا درجہ ان کے بعد میراث میں قرار دیتے ہیں۔

بابُ الحجب

محجوب ہونیکا بیان

ویحجبُ الامُّ من الثُّلث الی السدس بالولد او ولدِ الابن او اخوین والفاضلُ
اور لڑکے یا پوتے یا دو بھائیوں کی موجودگی میں ماں ثلث سے سدس کی جانب محجوب ہو جائے گی۔ اور لڑکیوں کے
عن فرضِ البناتِ لبنی الابنِ واخواتھم للذکر مثل حظ الانثیین والفاضلُ
مقررہ حصہ سے بچنے والا ترکہ للذکر مثل حظ الانثیین کے مطابق پوتوں اور بہنوں کا ہوگا۔ اور حقیقی بہنوں کے مقررہ
عن فرضِ الاخوات للاب والامّ للاخوۃِ والاخوات من الاب للذکرِ مثلُ حظِ
حصہ سے بچنے والا ترکہ للذکر مثل حظ الانثیین کے مطابق میت کے علاتی بھائی بہنوں کو ملے گا۔
الانثیینِ واذا ترکَ بنتاً وبناتِ ابنٍ وبنی ابنٍ فللبنتِ النصفُ والباقی
اور میت نے ایک لڑکی اور کچھ پوتے پوتیاں چھوڑی ہوں تو لڑکی کے واسطے ترکہ کا آدھا ہوگا۔ اور باقی ترکہ
لبنی الابنِ واخواتھم للذکرِ مثلُ حظ الانثیین وکذٰلک الفاضلُ عَن
للذکر مثل حظ الانثیین کے مطابق پوتوں اور پوتیوں کے مطابق میت کے باپ شریک بھائی بہنوں کیواسطے ہوگا اور اسی طرح
فرضِ الاخت للاب والامّ لبنی الاب وبنات الاب للذکرِ مثلُ حظِ
حقیقی بہن سے بچنے والا حصہ علاتی بھائی بہنوں کا ہوگا للذکر مثل حظ الانثیین کے مطابق۔

الانثیین ومن ترک ابنی عم احدھما اخ لام فللاخ لام السدس والباقی بینھما

اور جو میت ورثاء میں سے ایک ماں شریک بھائی اور چچازاد بھائی چھوڑ جائے تو ماں شریک بھائی کو سدس ملے گا اور باقی ان کے

نصفان والمشترکۃ ان تترک المرأۃ زوجا و اما او جدۃ و اخوۃ من ام و

درمیان آدھا آدھا ہوگا اور اگر عورت کے ورثاء میں خاوند اور والدہ یا دادی اور کچھ ماں شریک بھائی اور کچھ حقیقی بھائی ہوں

اخوۃ من اب و ام فللزوج النصف وللام السدس ولاولاد الام الثلث ولاشئ

تو شوہر کے واسطے ترکہ کا آدھا ہوگا۔ اور والدہ کے واسطے سدس ہوگا اور ماں شریک بھائیوں کے واسطے ثلث ہوگا

للاخوۃ للاب والام۔

اور حقیقی بھائی محروم رہیں گے۔

تشریح وتوضیح

ویحجب الام الخ۔ از روئے لغت حجب کے معنیٰ مانع ہونے، حائل ہونے کے آتے ہیں اور اصطلاحاً وہ شخص کہلاتا ہے جس کے باعث دوسرا میراث سے یا تو کلیتاً محروم ہوجائے یا جزوی طور پر یعنی اس کی وجہ سے ملنے والے ترکہ میں کمی واقع ہوجائے۔ اگر جزوی محرومی ہو تو اس کی تعبیر حجب نقصان سے کی جاتی ہے۔ اور مکمل محرومی ہو تو اسے حجب حرمان کہا جاتا ہے۔ یہاں فرماتے ہیں کہ اگر میت کے ورثاء میں ماں کے علاوہ لڑکا یا پوتا ہو یا دو بھائی ہوں تو ماں کو ملنے والا حصہ جو ان کے نہ ہونے پر ثلث ہوتا اب ان کی وجہ سے کم ہوکر سدس رہ جائے گا اور بجائے کل ترکہ کے تہائی کے وہ چھٹے حصہ کی مستحق ہوگی۔ یہ صورت حجب نقصان کی ہے۔ اور پھر چھٹا حصہ دینے کے بعد جو ترکہ باقی بچے گا وہ ان کے درمیان آیتِ کریمہ للذکر مثل حظ الانثیین میں ذکر کردہ قاعدہ کے مطابق تقسیم ہوجائے گا۔

ان تترک المرأۃ زوجا الخ۔ اگر ایسا ہو کہ مرنے والی عورت اپنے ورثاء میں خاوند اور ماں یا جدہ اور حقیقی بھائی اور بعض ماں شریک بھائی چھوڑ جائے تو اب ترکہ کی تقسیم اس طرح ہوگی کہ کل ترکہ کا آدھا تو خاوند کو ملے گا اور ماں یا جدہ چھٹے حصہ کی مستحق ہوگی اور ماں شریک بھائی ترکہ کے ثلث کے مستحق ہوں گے اور حقیقی بھائی محروم رہیں گے۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک ماں شریک بھائی اور حقیقی بھائی یکساں قرار دیئے جائیں گے اور یہ آدھے آدھے کے مستحق ہوں گے۔

احنافؒ کا استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بحیثیت ذوی الفروض خاوند، ماں اور ماں شریک بھائیوں کے حصے مقرر فرما دیئے۔ یعنی خاوند کا کل ترکہ میں سے آدھا اور ماں کو کل ترکہ میں سے چھٹا اور ماں شریک بھائیوں کو ثلث۔ اور سارے مال کی تقسیم ان ذکر کردہ حصص میں ہوجاتی ہے اور ترکہ کوئی حصہ برائے عصبات نہیں بچتا۔ لہٰذا وہ محروم ہوں گے۔

باب الرد

ردکا بیان

وَالفاضلُ عَن فرضِ ذوی السهامِ اذا لم تكن عصبةٌ مردودٌ علیهم بقدرِ سهامهم الاعلی

اور ذوی الفروض کے سہام سے باقی ماندہ مال اگر کوئی عصبہ نہ ہو وہ ذوی الفروض کو حسب حصص دیا جائے گا بجز میاں،

الزوجین ولایرثُ القاتلُ مِن المقتولِ والكفرُ كلّه ملّةٌ واحدةٌ یتوارثُ به اهلُه

بیوی کے۔ اور قتل کرنے والا وارثِ مقتول نہ ہوگا۔ اور ہر طرح کا کفر ایک ہی ملت شمار ہوتا ہے اس بناء پر ایک کافر دوسرے

ولایرثُ المسلمُ الكافرَ ولا الكافرُ المسلمَ ومالُ المرتدِ لورثتہ المسلمین وما اكتسبه

کا وارث قرار دیا جائے گا۔ اور مسلم کافر اور نہ کافر مسلم کا وارث ہوگا۔ اور اسلام سے پھر نیوالے کے مال کے مستحق اس کے مسلم ورثاء ہوں

فی حالِ ردّتہ فیئٌ واذا غرق جماعةٌ اوسقط علیهم حائطٌ فلم یُعلم من مات منهم اولاً

گے اور بحالت ارتداد کسب کردہ مال غنیمت ہوگا اور اگر کچھ لوگ غرق ہو جائیں یا ان کے اوپر دیوار گر گئی اور اس کا پتہ نہ چلے کہ اول

فمالُ كلِ واحدٍ منهم للاحیاءِ من ورثتہ۔

کس کا انتقال ہوا تو ان میں سے میراث کے مال کے وارث اسکے بقید حیات ورثاء ہونگے۔

لغات کی وضاحت

الرد: لوٹانا، واپس کرنا۔ الفاضل: باقی ماندہ، رہا ہوا۔ السهام۔ سہم کی جمع ہے۔ ذوی الفروض: وہ ورثاء جن کے حصے کتاب اللہ میں معین فرما دیئے گئے۔ ملة: مذہب۔

تشریح و توضیح

والفاضل عن فرض الخ۔ یعنی اگر ذوی الفروض کے حصص کی تقسیم حسب حصص شرعی کرنے کے بعد بھی ترکہ بچ جائے اور ذوی الفروض کے بعد استحقاق رکھنے والے یعنی عصبات میں سے کوئی بھی میت کا نہ ہو تو اس صورت میں یہ باقی ماندہ ترکہ بھی انھیں ذوی الفروض پر حسب حصص شرعی تقسیم کر دیا جائے گا۔ واضح رہے کہ یہاں ذوی الفروض سے مراد نسبی ذوی الفروض ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شوہر و زوجہ کو یہ باقی ماندہ نہیں دیا جاتا ہے کیونکہ ان کا شمار نسبی ذوی الفروض میں نہیں ہوتا۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اکثریت اسی جانب ہے۔ احنافؒ کا اختیار فرمودہ قول یہی ہے۔ حضرت زید بن ثابتؓ جو صحابہ میں مسائل وراثت میں خاص طور پر ممتاز ہیں فرماتے ہیں کہ ذوی الفروض کو کسی بھی حالت میں باقی ماندہ ترکہ نہیں دیا جائے گا بلکہ یہ باقی ماندہ بیت المال کیلئے ہوگا۔ حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ وغیرہ کا اختیار کردہ قول بھی یہی ہے۔

الاعلی الزوجین الخ۔ احناف میں سے متقدمین تو وہی فرماتے ہیں جو اکثر صحابہؓ کا قول ہے یعنی اس باقی ماندہ میں سے شوہر اور زوجہ کو کچھ نہ ملے گا مگر شوافع میں سے کچھ حضرات اور متأخرین احنافؒ کے نزدیک اگر بیت المال کا

انتظام قابلِ اطمینان و قابلِ اعتماد نہ ہو تو اس صورت میں شوہر و بیوی کو بھی ان کے حصہ کے مطابق دیا جائے گا مگر شرط یہ ہوگی کہ ان کے علاوہ دوسرے حقدار موجود نہ ہوں۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے بعض معتبر کتب کے حوالہ سے نقل فرمایا ہے کہ دورِ حاضر میں مفتی بہ قول ان پر لوٹانے کے درست ہونے کا ہے۔

واذا غرق جماعۃ الخ۔ اگر ایسا ہو کہ بیک وقت کچھ لوگ غرق ہو جائیں یا ان کے اوپر کوئی دیوار آپڑے درانحالیکہ یہ باہم قرابت دار ہوں اور یہ پتہ نہ چل سکے کہ ان میں سے کس کا انتقال پہلے ہوا تو اس صورت میں ان میں سے ہر ایک کے مال کو بقیدِ حیات ورثاء پر حسبِ حصص شرعی بانٹ دیا جائے گا۔ حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ، احنافؒ اور عموماً صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم یہی فرماتے ہیں۔ خلفاء راشدین میں حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت علی رضی اللہ عنہم کا عمل اسی طرح ثابت ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ان میں سے ایک دوسرے کا وارث ہونا بھی ثابت ہے مگر اس میں راجح وہی ہے جو خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا عمل ہے اور جس کے مطابق صاحبِ کتاب نے فرمایا ہے۔

وَاِذَا اجْتَمَعَ لِلْمَجُوْسِیِّ قَرَابَتَانِ لَوْ تَفَرَّقَتَا فِیْ شَخْصَیْنِ وَرِثَ اَحَدُهُمَا مَعَ الْاٰخَرِ وَرِثَ

اور اگر کسی آتش پرست کی اس طرح کی دو قرابتیں اکٹھی ہوں کہ وہ دو اشخاص میں الگ ہونے پر ایک دوسرے کا وارث قرار پائے تو

بِکُلِّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُمَا وَلَا یَرِثُ الْمَجُوْسِیُّ بِالْاَنْکِحَةِ الْفَاسِدَةِ الَّتِیْ یَسْتَحِلُّوْنَهَا فِیْ دِیْنِهِمْ

آتش پرست ان دونوں میں سے ہر ایک کے واسطہ سے وارث شمار ہوگا اور آتش پرست ان فاسد نکاح کے ذریعہ وارث شمار نہ ہوں گے جنھیں وہ اپنے

وَعَصَبَةُ وَلَدِ الزِّنَا وَوَلَدِ الْمُلَاعَنَةِ مَوْلٰی اُمِّهِمَا وَمَنْ مَّاتَ وَتَرَکَ حَمْلًا وُقِفَ مَالُهٗ

مذہب کے اعتبار سے حلال قرار دیتے ہیں اور عصبۂ ولد الزنا اور عصبۂ ولد الملاعنہ ان دونوں کی ماں کا آقا ہوگا۔ اور جس شخص کا حمل چھوڑ کر

حَتّٰی تَضَعَ امْرَاَتُهٗ حَمْلَهَا فِیْ قَوْلِ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَالْجَدُّ اَوْلٰی بِالْمِیْرَاثِ مِنَ

انتقال ہوا ہو اسکے مال کو اس کی بیوی کے وضعِ حمل تک امام ابو حنیفہؒ کے قول کے مطابق موقوف رکھیں گے اور دادا امام ابو حنیفہؒ کے

الْاِخْوَةِ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَ اَبُوْ یُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ یُقَاسِمُهُمْ اِلَّا اَنْ

نزدیک بمقابلۂ میت کے بھائیوں کے میراث کا زیادہ مستحق ہے اور امام ابو یوسفؒ وامام محمدؒ کے نزدیک اسے بھائیوں کے بقدر

تَنْقُصَهُ الْمُقَاسَمَةُ مِنَ الثُّلُثِ وَاِذَا اجْتَمَعَ الْجَدَّاتُ فَالسُّدُسُ لِاَقْرَبِهِنَّ وَیَحْجُبُ

ملے گا الا یہ کہ اسے از روئے تقسیم ثلث سے کم ملا ہو اور جدات کے اکٹھے ہونے کی صورت میں سدس کا استحقاق اسے ہوگا جو

الْجَدُّ اُمَّهٗ وَلَا تَرِثُ اُمُّ اَبِ الْاُمِّ وَکُلُّ جَدَّةٍ تَحْجُبُ اُمَّهَا۔

میت سے تمام سے بڑھکر قریب ہو اور محجوب کردیگا دادا اپنی والدہ کو اور نانی وارث نہ ہوگی اور ہر جدّہ اپنی والدہ کو محجوب کردیا کرتی ہے۔

تشریح و توضیح

واذا اجتمع للمجوسی الخ۔ فرماتے ہیں کہ اگر کسی آتش پرست میں دو قرابتیں اسطرح

کی اکٹھی ہوجائیں کہ اگروہ بالفرض دو اشخاص میں الگ الگ پائی جائیں تو اس قرابت کیوجہ سے ان میں سے ایک دوسرے کا وارث قرار پاتا تو اس صورت میں ان دو قرابتوں کے جمع ہونے کی بنا پر ان دونوں کے باعث آتش پرست بھی وارث قرار دیا جائے گا۔

ولایرث المجوسی الخ۔ یعنی یہ آتش پرست ان نکاحوں کی بنا پر جو حرام ہیں مگر یہ اپنے مذہب کے مطابق حلال سمجھتے ہیں ایک دوسرے کے وارث نہ ہوں گے۔ مثال کے طور پر اگر کوئی آتش پرست اپنی ماں سے نکاح کرلے اور وہ ایک لڑکی کو جنم دے۔ اس کے بعد آتش پرست ان دونوں کو چھوڑ کر انتقال کرجائے تو نہ ماں کو اس کی بیوی ہونیکی حیثیت سے اس کے ترکہ میں سے کچھ ملے گا اور نہ لڑکی کو اس کی ہمشیرہ ہونے کے باعث کچھ ملے گا۔ البتہ ماں میت کی ماں ہونے کے اعتبار سے سدس کی مستحق ہوگی اور لڑکی آدھے ترکہ کی مستحق ہوگی اور باقی کے مستحق اس کے عصبہ ہوں گے۔

ومن مات وترک حملا الخ۔ اگر کوئی شخص اپنی زوجہ کو حاملہ چھوڑ کر انتقال کرجائے تو اس صورت میں اس کے متروکہ کی تقسیم فوری طور پر نہیں کی جائے گی بلکہ اسے وضع حمل تک موقوف رکھنے کا حکم ہوگا لیکن حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ یہ حکم اس شکل میں ہوگا جبکہ بجز حمل کے میت کی کوئی دوسری اولاد موجود نہ ہو اور دوسری اولاد ہونے کی صورت میں مذکر کو ترکہ کا پانچواں حصہ اور مؤنث کیلئے نویں حصہ کے دینے کا حکم کیا جائیگا اور باقی حصص موقوف رکھے جائیں گے۔ حضرت امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ لڑکے کو آدھا ترکہ دیں گے۔ حضرت امام محمدؒ تہائی دینے کا حکم فرماتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ عورت عادت کے اعتبار سے ایک بطن سے دو سے بڑھکر بچوں کو جنم نہیں دیتی پس اس وقت موجود لڑکے کو تہائی کا استحقاق ہوگا۔ حضرت امام ابویوسفؒ کہتے ہیں کہ ایک بطن سے عادت کے مطابق عورت ایک ہی بچہ کو جنم دیتی ہے۔ لہٰذا موجود لڑکے کو آدھا دیا جائے گا۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک زیادہ سے زیادہ چار بچوں کو جنم دے سکتی ہے۔ لہٰذا اس احتمال کی بنیاد پر کہ حمل میں چار لڑکے ہوسکتے ہیں موجود لڑکے کو ترکہ کے پانچویں حصہ کا استحقاق ہوگا اور لڑکی کو نویں کا استحقاق ہوگا۔ مگر یہاں مفتیٰ بہ قول حضرت امام ابویوسفؒ کا ہے۔

بابُ ذوی الارحامِ

ذوی الارحام کا بیان

وَاذا لم يكن للميّتِ عصبةٌ ولا ذو سهمٍ ورثهٗ ذووالارحامِ وهم عشرةٌ ولدُ

اور اگر میت کے ذوی الفروض اور عصبہ میں سے کوئی بھی نہ ہو تو میت کے ذوی الارحام کو وارث قرار دیا جائے گا۔ ذوی الارحام

البنتِ وَولدُ الاختِ وبنتُ الاخِ وبنتُ العمِّ والخالُ والخالةُ وابوالامِّ والعمّ

کی تعداد دس ہے (۱) اولاد دختر (۲) اولاد ہمشیرہ (۳) بھتیجی (۴) چچا کی لڑکی (۵) ماموں اور (۶) خالہ اور (۷) ماں کے والد (نانا)

لامِّ وَالعمَّةِ وولدُ الاخ من الامِّ ومَن ادلی بھم فاولٰھم من کان من وُلدِ

(۸) اور ماں شریک چچا (۹) میت کی پھوپھی (۱۰) ماں شریک بھائی کی اولاد۔ ان میں مقدم مرنیوالے کی اولاد ہوگی۔ اس کے بعد اولادِ والدین

المیتِ ثم وُلدُ الابوین او احدِھما وھم بناتُ الاخوۃ و اولادُ الاخواتِ ثم ولدُ ابوی

یا والدین میں سے کسی ایک کی اولاد اور وہ بھائیوں کی اولاد اور بھانجیاں ہیں۔ اس کے بعد ماں باپ کے والدین کی

ابویہ او احدھما وھم الاخوالُ والخالاتُ والعمّاتُ واذا استوی وارثان فی درجۃ

اولاد یا ان دونوں میں سے کسی بھی ایک کی اولاد اور یہ ہیں ماموں اور خالائیں وپھوپھیاں۔ اور دو وارثوں کے باعتبار مرتبہ مساوی ہونے

واحدۃ فاولٰھم من ادلٰی بوارثٍ واقربھم اولٰی من ابعدھم وابو الامِّ اولٰی من

پر مقدم وہ ہوگا جو مرنیوالے سے بواسطۂ وارث سب سے بڑھکر قریب ہو اور اقرب ابعد سے مقدم ہوگا اور نانا بمقابلۂ اولادِ برادر

وُلد الاخ والاختِ والمعتقُ احقُّ بالفاضلِ من سھم ذوی السھامِ اذا لم تکن عصبۃ

و دختر مقدم ہوگا اور آزاد کرنیوالا باقی ماندہ مال کا ذوی الفروض کے مقابلہ میں زیادہ مستحق ہوگا بشرطیکہ اس کے علاوہ کوئی دوسرا

سواہ ومولی الموالاتِ یرثُ واذا ترک المعتقُ ابَ مولاہُ وابنَ مولاہُ فمالہٗ

عصبہ موجود نہ ہو اور مولی الموالات وارث قرار دیا جاتا ہے اور اگر آزاد کیا ہوا مرنے پر آزاد کرنیوالے کے والد اور اس کے لڑکے کو چھوڑ

للابنِ عندَ ھما وقال ابو یوسف رحمہ اللہ للاب السدسُ والباقی للابن فان

تو امام ابوحنیفہؒ و امام محمدؒ کے نزدیک اس کے مال کا مستحق لڑکا ہوگا اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک باپ کیواسطے چھٹا حصہ ہوگا اور باقی کا مستحق لڑکا

ترک جدَّ مولاہ واخا مولاہ فالمالُ للجدِّ عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ وقال ابو

ہوگا اور اگر آزاد کیا ہوا آزاد کرنیوالے کے دادا اور اس کے بھائی کو چھوڑے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مال کا مستحق دادا قرار دیا جائیگا اور امام

یوسف ومحمدٌ رحمھما اللہ ھو بینھما ولا یُباعُ الولاءُ ولا یوھبُ۔

ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک مال کو دونوں کا قرار دیا جائیگا اور ولاء نہ فروخت کیا جائے اور نہ اسے ہبہ کریں۔

تشریح و توضیح

ذوی الارحام الخ۔ ذو رحم صاحب قرابت کو کہا جاتا ہے اس سے قطع نظر کہ وہ ذوی الفروض ہوں یا عصبہ یا ان دونوں کے علاوہ۔ اور شرعی اعتبار سے ذو رحم کا اطلاق ایسے قرابت دار پر ہوتا ہے جو نہ ذوی الفروض میں سے اور نہ وہ عصبات میں سے ہو۔ ذوی الفروض اور عصبات میں سے کوئی نہ ہونے کی صورت میں صحابۂ کرامؓ میں سے حضرت عمرؓ، حضرت علی اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہم وغیرہ کے نزدیک اور جلیل القدر تابعین کے نزدیک ذوی الارحام وارث ہوں گے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ، حضرت امام ابو یوسفؒ حضرت امام محمدؒ اور حضرت امام زفرؒ اسی کے قائل ہیں۔ البتہ حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ ذوی الارحام وارث نہ ہوں گے بلکہ اگر میت کے ذوی الفروض اور عصبات میں سے کوئی نہ ہو تو اس کا مال بیت المال میں داخل کر دیا جائیگا۔ بعض تابعین کا قول بھی اسی طرح کا ہے۔ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ کا اختیار کردہ قول یہی ہے۔

واذا لم یکن للمیت عصبة الخ یعنی اگر ایسا ہو کہ مرنیوالے کے نہ تو ذوی الفروض میں سے کوئی موجود ہو اور نہ ہی عصبات میں سے کوئی ہو تو پھر تیسرے درجہ میں میت کے ذوی الارحام آتے ہیں۔ ان دونوں کے نہ ہونے کی صورت میں یہ وارث قرار دیئے جائیں گے۔ ذوی الارحام کی کل مجموعی تعداد دس ہے (۱) اولاد دختر (۲) اولاد ہمشیرہ (۳) بھتیجی (۴) چچا کی لڑکی (۵) میت کا ماموں (۶) میت کی خالہ (۷) میت کا نانا (۸) میت کا ماں شریک چچا (۹) میت کی پھوپھی (۱۰) میت کے ماں شریک بھائیوں کی اولاد۔ یہ دس ذوی الارحام شمار ہوتے ہیں۔

فاولٰھم من کان الخ۔ ان ذوی الارحام میں سب سے پہلے میت کے ترکہ کا حقدار وہی ہوگا جو باعتبار قرابت مرنیوالے کا سب سے قریبی عزیز ہو۔ اب یہاں اقرب کون ہے اس بارے میں فقہاء کا کچھ اختلاف ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کی ظاہر الروایت کے مطابق میت سے باعتبار قرابت سب سے بڑھکر قریب نانا ہوگا۔ اس کے بعد اولادِ دختر وارث ہوگی اور اس کے بعد اولادِ ہمشیرہ اور پھر اولادِ برادر اس کے بعد پھوپھیوں کو حقِ وراثت ملے گا، اس کے بعد خالائیں میت کے ترکہ کی مستحق ہوں گی اور اس کے بعد انکی اولاد کو استحقاق ہوگا اور اس روایت کے علاوہ دوسری روایت کی رُو سے مرنیوالے سے اقرب اولادِ دختر قرار دیجائیگی۔ اس کے بعد نانا کا درجہ ہوگا۔ حضرت امام ابویوسف اور حضرت امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک مرنیوالے سے اقرب اولادِ دختر قرار دیجاتی ہے۔ اس کے بعد سب سے زیادہ قریب اولادِ ہمشیرہ اور اس کے بعد اولادِ برادر اور اس کے بعد نانا، اس کے بعد پھوپھی شمار ہوتی ہے اور پھوپھی کے بعد خالہ کا درجہ ہے اور خالہ کے بعد انکی اولاد کا۔

علامہ قدوریؒ کی روایت کے مطابق وراثت میں مقدم مرنیوالے کی اولاد قرار دیجائے گی مثلاً میت کی لڑکی کی اولاد۔ اس کے بعد اس کا درجہ ہے جو مرنیوالے کے ماں باپ کی اولاد ہو یا ان دونوں میں سے کسی ایک یعنی باپ یا ماں کی اولاد ہو۔ یعنی بھائی کی لڑکیاں اور اولادِ ہمشیرہ۔ اس کے بعد ان کا درجہ ہے جو مرنیوالے کے ماں باپ کے والدین یا والدین کے والدین میں سے کسی بھی ایک کی اولاد ہو مثلاً میت کے ماموں، میت کی خالہ اور میت کی پھوپھی۔

واذا استوٰی وارثان فی درجة واحدة الخ۔ اور اگر ایسا ہو کہ درجہ کے اعتبار سے دو وارث مساوی ہوں تو اس صورت میں وہ وارث مقدم قرار دیا جائے گا جو بواسطۂ وارث مرنیوالے کے باعتبار قرابت دوسرے کے مقابلہ میں اقرب ہو۔ مثال کے طور پر کوئی شخص چچازاد بہن اور پھوپھی زاد بھائی چھوڑے تو اس صورت میں سارے مال کی مستحق چچازاد بہن ہوگی۔ کیونکہ چچا کی لڑکی بواسطۂ وارث یعنی بواسطۂ چچا پھوپھی کے لڑکے کے مقابلہ میں میت سے زیادہ قریب ہے۔

فان ترك جد مولاة الخ۔ اگر کوئی آزاد شدہ شخص آزاد کرنے والے کے دادا اور ایک برادر کو چھوڑ کر مرے تو اس صورت میں آزاد شدہ میت کے ترکہ کا مستحق آزاد کنندہ یعنی اس کے آقا کا دادا ہوگا۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ یہی فرماتے ہیں۔ حضرت امام ابویوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک دونوں مساوی طور پر ترکہ کے مستحق ہوں گے اور یہ دونوں برابر برابر پائیں گے۔ اس کا سبب دراصل یہ ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دادا کے ہوتے ہوئے بھائی محروم رہتے ہیں۔ اور حضرت امام ابویوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک انھیں میت کے دادا کے ساتھ ترکہ میں سے حصہ ملتا ہے اور وہ بھی شریکِ ترکہ قرار دیئے جاتے ہیں۔

باب حساب الفرائض

فرائض کے حساب کا بیان

اذا کان فی المسئلۃ نصفٌ ونصفٌ او نصفٌ وما بقی فاصلھا من اثنین واذا کان
اگر کسی مسئلہ کے اندر نصف کی تعداد دو ہو یا نصف اور باقی ماندہ ہو تو اصل مسئلہ کی تقسیم دو سے ہوگی۔ اور اگر ثلث اور باقی ماندہ

فیھا ثلثٌ وما بقی او ثلثان وما بقی فاصلھا من ثلثۃ واذا کان فیھا ربعٌ وما بقی او
ہو یا دو ثلث اور باقی ماندہ ہو تو اصل مسئلہ کی تقسیم تین سے ہوگی۔ اور اگر ربع اور باقی ماندہ ہو یا یہ کہ ربع و نصف ہوں تو

ربعٌ ونصفٌ فاصلھا من اربعۃ وان کان فیھا ثمنٌ وما بقی او ثمنٌ ونصفٌ وما بقی
اصل مسئلہ کی تقسیم چار سے ہوگی۔ اور اگر ثمن اور باقی ماندہ یا ثمن ونصف وباقی ماندہ ہونے پر اصل مسئلہ کی تقسیم آٹھ

فاصلھا من ثمانیۃ وان کان فیھا نصفٌ وثلثٌ او نصفٌ وسدسٌ فاصلھا من
سے ہوگی۔ اور اگر مسئلہ میں نصف وثلث یا نصف وسدس ہوں تو اصل مسئلہ کی تقسیم چھ سے ہوگی۔

ستۃ وتعول الی سبعۃ وثمانیۃ وتسعۃ وعشرۃ۔
اور اس کا عول سات اور آٹھ اور نو اور دس کی جانب ہوگا۔

تشریح وتوضیح

باب حساب الفرائض الخ۔ صاحب کتاب نے یہاں فروض کے مخارج ذکر فرمائے ہیں اور اس کے واسطے مختصر طور پر اس ضابطہ سے آگاہ ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جن فرض حصوں کو ذکر فرمایا ہے انکی دو قسمیں ہیں۔ ان میں سے تین تو ایک ہی قسم کے ہیں اور نصف ربع اور ثمن ہیں اور تین قسم دوم کے اور وہ ثلث ثلثان اور سدس ہیں۔ رہی ان کے مخارج کی تفصیل و وضاحت تو وہ اس طریقہ پر ہے کہ نصف کے واسطے دو کا عدد مقرر ہے اور ربع کیواسطے چار اور برائے ثمن آٹھ اور ثلث و ثلثان کے واسطے تین اور برائے سدس چھ کا عدد مقرر ہے۔ اب اگر ایسا ہو کہ کسی مسئلہ کے اندر نصف کی تعداد دو ہو مثال کے طور پر میت نے ورثاء میں خاوند اور حقیقی یا باپ شریک بہن کو چھوڑا یا اس نے ایک تو نصف اور باقی ماندہ کو چھوڑا۔ مثال کے طور پر خاوند اور بھائی کو چھوڑا تو اس صورت میں اصل مسئلہ کی تقسیم دو سے ہوگی اور دونوں کو برابر برابر مل جائے گا اور ثلث و باقی ماندہ ہونے پر مثال کے طور پر ورثاء میں والدہ اور حقیقی بھائی ہوں یا ثلثان اور باقی ماندہ ہو۔ مثال کے طور پر ورثاء میں دو لڑکیاں اور چچا زاد بھائی ہوں تو اس صورت میں اصل مسئلہ کی تقسیم تین سے ہوگی اور ربع و باقی ماندہ ہونے پر مثال کے طور پر خاوند اور لڑکا ہو یا ربع و نصف ہونے پر مثال کے طور پر ورثاء میں خاوند اور لڑکی ہو تو اصل مسئلہ کی تقسیم چار سے ہوگی اور ثمن و باقی ماندہ ہونے پر مثال کے طور پر زوجہ اور لڑکا ورثاء میں ہوں یا ثمن ونصف ہونے پر مثال کے طور پر زوجہ اور لڑکی ورثاء میں ہوں تو اصل مسئلہ کی

تقسیم آٹھ سے ہوگی۔ اور نصف وثلث ہونے پر مثال کے طور پر ورثار میں والدہ اور حقیقی یا علاتی بھائی ہو یا نصف وسدس ہونے پر مثال کے طور پر ورثار میں والدہ اور لڑکی ہو تو اس صورت میں اصل مسئلہ کی تقسیم چھ سے ہوگی۔

وتعول الیٰ سبعۃ الخ۔ باعتبار لغت عول کے حسب ذیل معنٰی ہیں (۱) بجانب ظلم راغب ہونا (۲) غلبہ (۳) ارتفاع۔ اصطلاحی طور پر عول سے یہی تیسرے معنٰی مراد لئے جاتے ہیں۔ عول کی تعریف کہ سہام کے اصل مخرج سے بڑھ جانیکی صورت میں مخرج پر کچھ زیادتی کرلی جاتی ہے۔ تو مثال کے طور پر مسئلہ اگر چھ سے ہو تو اس کا عول سات سے دس تک ہوسکتا ہے خواہ سات تک عول سے کام چل جائے یا آٹھ یا نو یا دس تک عول کے ذریعہ، بعض مثالیں ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

المیت مسئلہ ۶ عول ۷

زوج	اخت دو
۳	۴

المیت مسئلہ ۶ عول ۸

زوج	اخت دو	اخت لام
۳	۴	۱

المیت مسئلہ ۶ عول ۹

زوج	اخت عینی دو	اخت اخیافی دو
۳	۴	۲

المیت مسئلہ ۶ عول ۱۰

زوج	اخت دو	اخت لام	ام
۳	۴	۲	۱

وان کان مع الربع ثلثٌ او سدسٌ فاصلھا من اثنی عشر وتعول الیٰ ثلثۃ عشر وخمسۃ عشر وسبعۃ عشر واذا کان مع الثمن سدسان اوثلثان فاصلھا من اربعۃ وعشرین و تعول الیٰ سبعۃ وعشرین واذا انقسمت المسئلۃ علی الورثۃ فقد صحت وان لم تنقسم سھام فریق منھم علیھم فاضرب عددھم فی اصل المسئلۃ وعولھا ان کانت عائلۃ فما خرج صحت منہ المسئلۃ کامرأۃ واخوین للمرأۃ الربع سھمٌ وللاخوین ما بقی ثلثۃ اسھم ولا تنقسم علیھما فاضرب اثنین فی اصل المسئلۃ تکون ثمانیۃ ومنھا تصح المسئلۃ۔

اور مع الربع ثلث یا سدس ہونے پر اصل مسئلہ کی تقسیم بارہ سے ہوگی اور یہ تیرہ اور پندرہ اور سترہ تک عول کرسکتا ہے اور مع الثمن دو سدس یا دو ثلث ہونے پر اصل مسئلہ کی تقسیم چوبیس سے ہوگی اور یہ ستائیس تک عول کرسکتا ہے۔ اور ورثار پر تقسیم مساوی ہوگئی تو وہ درست ہوگئی۔ اور ورثار میں سے کسی ایک فریق حصص تقسیم نہ ہونے پر اس فریق کو ملنے والے حصہ کے عدد کو اصل مسئلہ سے اور اس کے عول سے ضرب دیں گے بشرطیکہ اس مسئلہ کا تعلق عول سے ہو اور اس میں حاصل ضرب سے مسئلہ درست ہو جائے گا۔ مثلاً زوجہ اور دو برادر کہ ان میں زوجہ کا ایک سہم ہوتا ہے اور باقیماندہ تین سہام دونوں بھائیوں کیلئے اور یہ ان پر بلا کر تقسیم نہیں ہوسکتے لہٰذا دو کو اصل مسئلہ میں ضرب دینے پر آٹھ سہام ہونگے اور آٹھ سے مسئلہ درست ہوگا۔

تشریح وتوضیح

وان کان مع الربع ثلث اوسدس الخ۔ اگر ایسا ہو کہ اصل مسئلہ کے اندر مع ثلث ہو یا ثلث نہ ہو بلکہ سدس ہو تو دونوں صورتوں میں اصل مسئلہ کی تقسیم بارہ سے کی جائے گی اور اس کا تیرہ تک بھی عول کرنا درست ہوگا اور پندرہ اور سترہ تک بھی۔ اس کی بعض مثالیں حسب ذیل ہیں۔

المیت مسئلہ ۱۲ عول ۱۳

زوجہ	اخت	اخت لام ۱
۳	۸	۲

المسئلہ ۱۲ عول ۱۵

زوجہ	اخت ۲	اخت لام ۲
۳	۸	۴

المسئلہ ۱۲ عول ۱۷

زوجات ۳	جدہ ۲	اخوات لام ۳	اخت لاب وام
۳	۲	۴	۸

اور اگر مع الثمن دو سدس یا دو ثلث ہوں تو اس صورت میں اصل مسئلہ کی تقسیم چوبیس سے ہوگی اور اس کا عول محض ستائیس تک ہو سکتا ہے یعنی محض ایک عول۔ جیسے کہ مسئلہ منبریہ سے ظاہر ہے۔ اسے منبریہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے دورانِ خطبہ ایک شخص نے یہ مسئلہ دریافت کیا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فوری طور پر اس کا جواب یہ دیا۔ مثال یہ ہے۔

المسئلہ ۲۴ عول ۲۷

زوجہ	بنت	ام	اب
۳	۱۶	۴	۴

واذا انقسمت المسئلۃ علی الورثۃ الخ۔ اگر ایسا ہو کہ سب ورثاء کو ان کے حصص بغیر کسی کسر کے مل جائیں تو اس صورت میں احتیاجِ ضرب ہی باقی نہیں رہتی۔ البتہ مساوی طور پر تقسیم نہ ہونے کی صورت میں ضرب کی احتیاج پیش آئیگی۔ اب یہ دیکھا جائے گا کہ کسر کا تعلق ایک فریق سے یا اس سے زیادہ ہے ایک ہی سے ہونیکی صورت میں کسر والے فریق کے عدد کو اصل مسئلہ سے ضرب دی جائے گی اور مسئلہ عول سے متعلق ہونے پر عول سے دی جائے گی اور پھر حاصلِ ضرب کے ذریعہ مسئلہ کی تصحیح کردی جائے گی۔ مثال کے طور پر کوئی شخص اپنے انتقال کے وقت ورثاء میں ایک بیوی اور دو برادر چھوڑ جائے تو اس صورت میں ربع بیوی کا ہوگا اور باقی ماندہ کے مستحق دونوں بھائی ہوں گے۔ مگر باقی ماندہ تین سہام ہونیکی بناء پر انکی تقسیم دونوں پر برابر نہیں ہوسکتی۔ پس دو اصل مسئلہ یعنی چار میں ضرب دی جائے گی اور بذریعہ آٹھ ہونے پر مسئلہ کی تصحیح آٹھ سے ہوگی اور اس میں سے دو حصے بیوی کو مل جائیں گے اور تین تین حصے دونوں بھائیوں کو۔

فان وافق سہامُہم عددَہم فاضرِبْ وفقَ عددِہم فی اصلِ المسئلۃِ کامرأۃٍ وستۃِ اخوۃ للمرأۃِ

اور ان کے سہام و عدد میں توافق کی صورت میں اصل مسئلہ کے اندر عدد و وفق کو ضرب دیا جائے گا مثلاً زوجہ اور بھائی چھ ہوں تو زوجہ

الربعُ وللاخوۃِ ثلٰثۃُ اسہمٍ لاتنقسمُ علیہم فاضرب ثلثَ عددِہم فی اصلِ المسئلۃِ ومنہا

کے واسطے چوتھائی ہوگا اور بھائیوں کے واسطے تین سہم ہوں گے جن کی تقسیم بھائیوں پر نہیں ہوسکتی تو ان کے ثلثِ عدد کو اصل مسئلہ کے اندر ضرب دیا

تصح فان لم تنقسم سہامُ فریقَینِ اَوْ اکثر فاضرب احدَ الفریقَینِ فی الآخرِ ثم ما اجتمعَ

جائے گا اور مسئلہ کی تصحیح اسی طرح کی جائے گی اور دو یا دو سے زیادہ فریقوں کے سہام تقسیم نہ ہو سکنے پر ایک فریق کا عدد دوسرے فریق کے عدد میں ضرب

فی الفریق الثالث ثم ما اجتمع فی اصل المسئلۃ۔

دیا جائیگا اس کے بعد حاصلِ ضرب فریقِ ثالث کے عدد میں ضرب دینگے اور پھر اصل مسئلہ کے اندر حاصلِ ضرب کو ضرب دیا جائیگا۔

تشریح و توضیح

فانْ وافق سہامُہم الخ۔ ذکر کردہ مسائل میں اول اس سے آگاہ ہونا ناگزیر ہے کہ دو عدد

کے درمیان جو چار نسبتیں بیان کی جاتی ہیں ان میں سے کوئی ایک نسبت ضرور ہوگی۔ وہ چار نسبتیں یہ ہیں (۱) توافق۔ (۲) تباین (۳) تماثل (۴) تداخل۔ دو عددوں کے مساوی ہونیکا نام تماثل ہے اور ان دونوں برابر عددوں کو اس صورت میں متماثلین کہا جاتا ہے۔ مثلاً ۶-۶ - اور توافق چھوٹے اور بڑے عددوں کے درمیان ایسی نسبت کو کہا جاتا ہے کہ ان میں چھوٹا عدد بڑے کو فنا نہ کر سکے بلکہ کوئی تیسرا عدد انھیں فنا کر سکتا ہو۔ یعنی چھوٹا عدد بڑے عدد پر کسر کے بغیر تقسیم نہ ہو سکے بلکہ تیسرے عدد پر دونوں کسی کسر کے بغیر تقسیم ہو جائیں۔ مثلاً ۸-۲۰ کہ یہ دونوں چار کے عدد پر بلا کسر تقسیم ہو جاتے ہیں۔ تو یہ متوافقان بالربع ہو گئے۔ تباین:۔ دو بڑے اور چھوٹے عددوں کے درمیان ایسی نسبت کا نام ہے کہ ان میں نہ چھوٹا عدد بڑے پر بلا کسر تقسیم ہو اور نہ یہ کسی تیسرے عدد بلا کسر تقسیم ہو سکیں مثال کے طور پر نو اور دس۔ تداخل:۔ چھوٹے بڑے عددوں کے درمیان ایسی نسبت کا نام ہے کہ اس میں بڑا عدد چھوٹے عدد پر بلا کسر تقسیم ہو جائے۔ ان دونوں عددوں کو متداخلین کہتے ہیں۔

فان لم تنقسم سهام فريقين الخ۔ اگر ایسا ہو کہ فریقین یا فریقین سے زیادہ کے سہام مکمل طور پر تقسیم نہ ہو سکیں تو اس صورت میں ایک فریق کا عدد فریقِ دوم کے عدد میں ضرب دیا جائیگا۔ اس کے بعد جو حاصل ضرب ہوگا اسے فریقِ سوم کے عدد میں ضرب دیں گے۔ اس کے بعد جو حاصلِ ضرب ہوگا اسے اصل مسئلہ میں ضرب دیا جائے گا۔

ایک مفید ضابطہ کسر دو یا دو سے زیادہ فریقوں میں واقع ہونے پر اگر بعض عددِ رؤس میں توافق کی نسبت ہو تو ایک کے وفق کو دوسرے کے کل میں ضرب دیں پھر حاصل ضرب اور تیسرے کے درمیان اگر توافق ہو تو بدستور ایک کے وفق کو دوسرے کے کل میں ضرب دیں۔ اور اگر تباین ہو تو ایک کے کل کو دوسرے کے کل میں ضرب دیں علی ہذا القیاس حاصلِ ضرب اور چوتھے کے درمیان نسبت دیکھی جائے پھر توافق اور تباین کے دستور کے مطابق عمل کیا جائے پھر اخیر حاصل کو اصل مسئلہ میں ضرب دی جائے۔ جیسے یہ مسئلہ۔

المسئلہ ۲۴ ۴۳۲۰ مضروب ۱۸۰

زوجات ۴	بنات ۱۸ (۹)	جدات ۱۵	اعمام ۶
۳	۱۶	۴	۱
۵۴۰	۲۸۸۰	۷۲۰	۱۸۰

بجز ۱۸ بنات اور ان کے سہام کے تمام اعدادِ رؤس اور ان کے سہام میں تباین ہے۔ لہٰذا ۱۸ کی جگہ اس کے وفق ۹ کو محفوظ رکھا اور دیکھا کہ ۶، اور ۱۵ میں توافق بالثلث ہے۔ پس ۳۰ کے لئے وفق ہوا ۱۰ - اور اس کو ۹ میں ضرب دینے سے حاصل ضرب ہوا نوے ۹۰ - اور ۴ میں توافق بالنصف ہے تو اس کے وفق ۴۵ کو ۴ میں ضرب دینے سے حاصلِ ضرب ۱۸۰ آیا اور اسے اصل مسئلہ ۲۴ میں ضرب دینے پر حاصل ضرب ہوا - ۴۳۲۰ -

---

فان تساوت الاعداد اجزأ احدهما عن الأخر كامرأتين واخوين فاضرب اثنين

اور اعداد برابر ہونے پر ایک دوسرے کو کفایت کریگا۔ مثلاً دو شریکِ حیات (بیوی) اور دو بھائی ہوں تو دو کے عدد کو اصل مسئلہ کے اندر

فى اصل المسئلة وان كان احد العددين جزءً من الأخر اغنى الأكثر عن الاقل

ضرب دی جائے اور ان میں سے ایک کے عدد کے دوسرے عددِ فریق کے جزء ہونے پر اکثر اقل کیلئے کافی ہو گا۔

كاربع نسوة واخوين اذا ضربت الاربعة اجزأك عن الأخر فان وافق احد العددين

مثلاً ازواج چار ہوں اور دو بھائی ہوں تو چار کو ضرب دینا دوسرے کیلئے کافی ہوگا اور دونوں عدد فریق میں بصورتِ توافق ان میں سے

الأخر ضربت وفق احدهما في جميع الأخر ثم ما اجتمع في اصل المسئلة كاربع نسوة و

ایک کے وفق کی دوسرے فریق کے کل کے اندر ضرب دی جائے اس کے بعد جو حاصل ضرب ہو اسے اصل مسئلہ میں ضرب دیدیں مثلاً

اخت وستة اعمام فالستة توافق الاربعة بالنصف فاضرب نصف احدهما في جميع

چار ازواج اور ایک ہمشیرہ اور چھ چچا ہوں تو چار اور چھ کے درمیان توافق بالنصف ہونے کی بنا پر ان دونوں میں سے ایک عدد کے نصف کو دوسرے

الأخر ثم في اصل المسئلة تكون ثمانية واربعين ومنها تصح المسئلة فاذا صحت

عدد کے کل میں ضرب دیجائے اس کے بعد حاصلِ ضرب کی اصل مسئلہ میں ضرب دیجائے تو ۴۸ عدد نکلے گا اور اس سے مسئلہ کی تصحیح ہو جائیگی پھر مسئلہ

المسئلة فاضرب سهام كل وارث في التركة ثم اقسم ما اجتمع على ما صحت من الفريضة

کی تصحیح ہونے پر ہر وارث کے حصوں کی ترکہ میں ضرب دی جائے۔ اس کے بعد حاصلِ ضرب اس سے تقسیم کیا جائے جس سے مسئلہ کی تصحیح ہوتی

يخرج حق الوارث -

ہے تو ہر وارث کا حق معلوم ہو جائیگا۔

تشریح و توضیح

فان تساوت الاعداد الخ۔ فرماتے ہیں کہ فریقین کے عدد برابر ہونیکی صورت میں محض اس قدر کافی ہوگا کہ اصل میں ضرب دیدیجائے اور ضرب در ضرب کی ضرورت نہ ہوگی۔ مثال کے طور پر اگر میت کے ورثاء میں دو ازواج اور دو بھائی ہوں تو اس صورت میں مسئلہ چار سے ہوگا اور دو اصل مسئلہ میں چار میں ضرب دیجائے تو سہام کی تعداد آٹھ ہو جائیگی۔ ان میں دو سہام میں سے ایک ایک سہم دونوں بیویوں کو ملے گا باقی چھ سہام بھائیوں کے یعنی تین تین سہام دونوں کو مل جائیں گے اور اگر یہ صورت ہو کہ فریقین میں سے ایک کا عدد فریق دوم کے عدد کا جزء واقع ہو رہا ہو تو یہ کافی ہوگا کہ ضرب بڑے عدد کو دیدیجائے۔ مثال کے طور پر ازواج چار اور بھائی دو ہوں تو محض یہ کافی ہوگا کہ چار کو ضرب دیدیجائے۔

فان وافق احد العددين الخ۔ فریقین کے عدد کے درمیان توافق کی صورت میں ان میں سے ایک کے وفق کی دوسرے فریق کے کل میں ضرب دیجائیگی اور پھر جو حاصلِ ضرب ہوگا اس کی اصل مسئلہ میں ضرب دیجائیگی۔

مثال کے طور پر چار ازواج ایک ہمشیرہ اور چھ چچا ورثاء میں ہوں تو چار اور چھ کے درمیان توافق بالنصف ہونیکی بنا پر ان دونوں میں سے ایک کے نصف کی دوسرے عدد کے کل میں ضرب دی جائے گی اور پھر جو حاصلِ ضرب ہوگا اسے اصل مسئلہ میں ضرب دیں گے اور اس طرح ضرب دینے پر ۴۸ عدد نکلے گا اور ۴۸ سے مسئلہ کی تصحیح ہو جائیگی۔

فاذا صحت المسئلة الخ۔ میت کے ترکہ کو ورثاء کے درمیان تقسیم کرنیکی شکل میں مسئلہ کی تصحیح سے ایک وارث جسقدر پا رہا ہو اسے سارے ترکہ میں ضرب دیکر جو حاصل ضرب نکلے گا اسے اس پر تقسیم کریں گے جس سے مسئلہ کی تصحیح ہوئی ہے لہٰذا جو خارج قسمت ہوگا وہی ذکر کردہ وارث کا حصۂ میراث قرار پائے گا۔

وإذا لم تقسم التركة حتى مات أحد الورثة فإن كان ما نصيبه من الميت الأول ينقسم
اور اگر ابھی ترکہ کی تقسیم نہ ہوئی ہو کہ کسی وارث کا انتقال ہو جائے تو اگر اس کو میت سے ملنے والے ترکہ کی تقیسم اس کے ورثاء کی
على عدد ورثته فقد صحت المسئلتان مما صحت الأولى وإن لم تنقسم صححت فريضة الميت
تعداد پر ہو سکتی ہو تو دونوں مسئلے اسی کے ذریعہ درست ہو جائیں گے جس سے کہ مسئلہ اولیٰ درست ہوا اور تقسیم نہ ہو سکنے کی صورت
الثاني بالطريقة التي ذكرناها ثم ضربت إحدى المسئلتين في الأخرى إن لم يكن بين سهام
میں درست ہو گا دوسرے مرنے والے کا فریضہ اس شکل سے جسکو ہم بیان کر چکے ہیں۔ اس کے بعد ایک مسئلہ کی مسئلۂ دوم میں ضرب دیجائے گی بشرطیکہ
الميت الثاني وما صحت منه فريضة موافقة فإن كانت سهامهم موافقة فاضرب وفق
دوسرے مرنے والے کے حصوں اور اس کے اندر جس سے فریضہ درست ہوا توافق نہ ہو اگر اندرونِ سہام توافق ہو تو مسئلۂ دوم کو مسئلۂ اولیٰ
المسئلة الثانية في الأولى فما اجتمع صحت منه المسئلتان وكل من له شيء من
میں ضرب دیا جائے گا اور حاصل ضرب کے ذریعہ دونوں مسئلے درست ہو جائیں گے اور جسے مسئلۂ اولیٰ کی رو سے جو ملا ہو اس کو اس سے
المسئلة الأولى مضروب فيما صحت منه المسئلة الثانية ومن كان له شيء من المسئلة
ضرب دیں گے جس سے کہ مسئلۂ دوم کی تصحیح ہوئی ہے۔ اور جسے کچھ مسئلۂ دوم سے ملا ہو اسے دوسری میت کے وفق ترکہ
الثانية مضروب في وفق تركة الميت الثاني وإذا صحت مسئلة المناسخة وأردت
میں ضرب دیں گے ۔ اور مسئلۂ مناسخہ درست ہو جانے پر اگر ہر ایک کے ملنے والے حصہ کی
معرفة ما يصيب كل واحد من حساب الدراهم قسمت ما صحت منه المسئلة على
باعتبارِ دراہم واقفیت مطلوب ہو تو جس عدد کے ذریعہ مسئلہ کی تصحیح ہوئی ہو ۴۸ پر تقسیم کر کے پھر ہر وارث واجب
ثمانية وأربعين فما خرج أخذت له من سهام كل وارث واجبه والله أعلم بالصواب
میں سے جو خارج قسمت ہو وہ لے لے ۔ واللہ اعلم بالصواب ۔

تشریح وتوضیح

وإذا لم تقسم التركة حتى مات الخ۔ اگر یہ صورت پیش آئے کہ ترکہ کی تقسیم ابھی نہ ہو پائی ہو کہ ورثاء میں سے کسی کا انتقال ہو جائے اور اس کو ملنے والا ترکہ اس کے ورثاء کی جانب پہنچے تو اس شکل میں اول تصحیح پہلے مرنے والے شخص کے مسئلہ کی ہوگی اور حسب حصص شرعی اسکے ہر وارث کے حصے دینگے۔ اسکے بعد دوسرے مرنے والے کے مسئلہ کی تصحیح ہوگی۔ اور پھر دونوں تصحیحوں کا جو مافی الید ہو گا اسے دیکھا جائے کہ ان کے درمیان باہم کونسی نسبت ہے۔ نسبت تباین ہے یا توافق یا استقامت۔ اگر پہلی تصحیح کے مافی الید کی تقسیم کی حیثیت دوسری تصحیح پر مستقیم کی ہو اور یہ اس کے ورثاء پر کسی کسر کے بغیر تقسیم ہو جاتی ہو تو اس صورت میں ضرب وغیرہ کی سرے سے احتیاج ہی نہ ہوگی اور بلا کسر تقسیم نہ ہو سکنے اور دوسری میت کے سہام و مسئلہ کے اندر رہ جائے توافق کے تباین ہونے پر مکمل دوسری تصحیح کو مکمل پہلی تصحیح میں ضرب دینے کے بعد حاصل ضرب دونوں مسئلوں کے مخرج کی حیثیت قرار دیں گے اور ان کے سہام کے درمیان توافق کی صورت میں مسئلۂ دوم کے وفق کو مسئلۂ اولیٰ میں ضرب دیکر حاصلِ ضرب کے ذریعہ دونوں مسئلوں کی تصحیح کی جائیگی۔

تمت بالخیر